جدید کمپیوٹر ایڈیشن

تفسیر
علامہ جلال الدین محلیؒ و علامہ جلال الدین سیوطیؒ

شرح
حضرت مولانا محمد نعیم دیوبندی صاحب
استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند

دارالاشاعت
اُردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 021-32213768

تفسیر کمالین

شرح اردو

تفسیر جلالین

جلد چہارم

پارہ ۱۶ تا پارہ ۲۰

بقیہ سورۃ الکہف
تا
سورۃ العنکبوت

تفسیر

علامہ جلال الدین محلیؒ و علامہ جلال الدین سیوطیؒ

شرح

حضرت مولانا انظر شاہ صاحب ابن حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب

استاذ تفسیر وحدیث دارالعلوم دیوبند

مکتبہ
دار الاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 2213768

کاپی رائٹ رجسٹریشن نمبر

پاکستان میں جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

تفسیر کمالین شرح اردو تفسیر جلالین ۶ جلد مترجم وشارح مولانا نعیم الدینؒ اور کچھ پارے مولانا انظر شاہ صاحب کی تصنیف کردہ کے جملہ حقوق ملکیت اب پاکستان میں صرف خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی کو حاصل ہیں اور کوئی شخص یا ادارہ غیر قانونی طبع وفروخت کرنے کا مجاز نہیں۔ سینٹرل کاپی رائٹ رجسٹرار کو بھی اطلاع دے دی گئی ہے لہٰذا اب جو شخص یا ادارہ بلا اجازت طبع یا فروخت کرتا پایا گیا اس کے خلاف کاروائی کی جائے گی۔ ناشر

انڈیا میں جملہ حقوق ملکیت وقار علی مالک مکتبہ تھانوی دیوبند کے پاس رجسٹرڈ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ایڈیشن جنوری ۲۰۰۸ء
ضخامت : ۶ جلد صفحات ۳۲۲۴

تصدیق نامہ

میں نے ''تفسیر کمالین شرح اردو تفسیر جلالین'' کے متن قرآن کریم کو بغور پڑھا جو کمی نظر آئی اصلاح کردی گئی۔ اب الحمدللہ اس میں کوئی غلطی نہیں انشاء اللہ۔

محمد شفیق (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن)
نمبر مجاریہ R.ROAUQ 2002/338
رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف سندھ

23/08/06

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 دیب روڈ لسبیلہ کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انار کلی لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

یہ پاکستانی طبع شدہ ایڈیشن صرف انڈیا ایکسپورٹ نہیں کیا جاسکتا

اجمالی فہرست

جلد چہارم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لاھله والصلوة لاھلها

تقریباً چھ سال کے بعد قلم کا در ماندہ راہ مسافر پھر تفسیر قرآن کی جادہ پیمائی میں مصروف ہے۔ آسمان بالا سے اس کتاب مبین کو خاکدان ارضی پر اتارنے والے کا یہ انعام کیا کچھ کم تھا کہ قلم کے تعطل کے اس دور میں بھی زبان کو مسلسل تفسیر کے بیان کے لئے کار آمد رکھا۔ گوناگوں مصروفیات، لمبے چوڑے مشاغل، ہجوم افکار اور نت نئی مصائب میں جب کہ کاروان عمر بھی سن شباب سے گذر کر انحطاط کے دور میں داخل ہو رہا ہے، یہ بری بھلی خدمت برادر عزیز مختار علی صاحب پروپرائٹر کتب خانہ امداد یہ دیوبند کی فرمائش اور عزیز الاعز مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی ابن الحاج مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے مخلصانہ اصرار پر بن پڑی۔

جلالین شریف کی اس اردو ترجمانی میں زیادہ تر توجہ کتاب کے حل پر کی گئی۔ حل عبارت، تحقیق لغات، ترکیب نحوی، شان نزول اور بیان روابط کا اہتمام کیا گیا۔ واقعات وقصص کی تفصیل پیش نظر رہی اور جابجا جو کچھ لکھا گیا پوری تحقیق کے بعد حل مطالب میں دو سہل اہم وعمودی تفاسیر سے مدد لی گئی اور ورق گردانی کی کائنات اپنی حدود اربعہ کے اعتبار سے وسیع ترین ہے۔ پھر بھی یہ ایک طالب علمانہ کاوش ہے، کوئی مدعیانہ شاہکار نہیں۔ مرقع سہو ونسیان، انسان کے کارنامے سہو ونسیان سے کب خالی ہو سکتے ہیں۔ اگر ستار العیوب اپنی تمام واقفیت کے باوجود پردہ پوشی سے کام لیتا ہے تو ناظرین سے اسی خلق جمیل کی توقع غلط نہ ہوگی۔

عزیز مولوی مظفر الحسن القاسمی نے حوالوں کے بہم پہنچانے، مسودہ کو مبیضہ بنانے میں جو شب و روز محنت کی، اس کا حقیقی صلہ تو خدائے ذوالمنن ہی دے سکتا ہے۔

وللہ عاقبة الامور

وانا العبد الاواہ محمد انظر شاہ
خادم التدریس...... بدارالعلوم دیوبند
۴ مئی ۱۹۷۳ء

پارہ نمبر ﴿۱۵﴾
سورۃ الکھف

فہرست پارہ نمبر ۱۵ ﴿سورۃ الکہف﴾

سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَاصْبِرْ نَفْسَكَ الْاٰيَةَ مِائَةٌ وَعَشْرُ آيَاتٍ اَوْ خَمْسَ عَشْرَةَ آيَةً

پوری سورۂ کہف مکی ہے بجز آیت واصبر نفسك الخ کے کل آیات کی تعداد ایک سو دس یا ایک سو پندرہ ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ هُوَ الْوَصْفُ بِالْجَمِيْلِ ثَابِتٌ **لِلّٰهِ** وَهَلِ الْمُرَادُ الْاِعْلَامُ بِذٰلِكَ لِلْاِيْمَانِ بِهٖ اَوِ الثَّنَاءِ بِهٖ اَوْ هُمَا اِحْتِمَالَاتٌ اَفْيَدُهَا الثَّالِثُ **الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهٖ** مُحَمَّدٍ **الْكِتٰبَ** الْقُرْاٰنَ **وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ** اَيْ فِيْهِ **عِوَجًا﴿۱﴾** اِخْتِلَافًا وَّتَنَاقُضًا وَّالْجُمْلَةُ حَالٌ مِّنَ الْكِتٰبِ **قَيِّمًا** مُسْتَقِيْمًا حَالٌ ثَابِتَةٌ مُّؤَكِّدَةٌ **لِّيُنْذِرَ** يُخَوِّفَ بِالْكِتَابِ الْكَافِرِيْنَ **بَاْسًا** عَذَابًا **شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ** مِنْ قِبَلِ اللّٰهِ **وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا﴿۲﴾ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا﴿۳﴾** هُوَ الْجَنَّةُ **وَّيُنْذِرَ** مِنَ الْجُمْلَةِ الْكَافِرِيْنَ **الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا﴿۴﴾ مَا لَهُمْ بِهٖ** بِهٰذَا الْقَوْلِ **مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ** مِنْ قَبْلِهِمُ الْقَائِلِيْنَ لَهٗ **كَبُرَتْ** عَظُمَتْ **كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ** كَلِمَةً تَمْيِيْزٌ مُفَسِّرَةٌ لِلضَّمِيْرِ الْمُبْهَمِ وَالْمَخْصُوْصُ بِالذَّمِّ مَحْذُوْفٌ اَيْ مَقَالَتُهُمُ الْمَذْكُوْرَةُ **اِنْ** مَا **يَقُوْلُوْنَ** فِيْ ذٰلِكَ **اِلَّا** مَقُوْلًا **كَذِبًا﴿۵﴾ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ** مُهْلِكٌ **نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ** بَعْدَهُمْ اَيْ بَعْدَ تَوَلِّيْهِمْ عَنْكَ **اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ** الْقُرْاٰنِ **اَسَفًا﴿۶﴾** غَيْظًا وَّحُزْنًا مِنْكَ لِحِرْصِكَ عَلٰى اِيْمَانِهِمْ وَنَصْبُهٗ عَلَى الْمَفْعُوْلِ لَهٗ **اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ** مِنَ الْحَيَوَانِ وَالنَّبَاتِ وَالشَّجَرِ وَالْاَنْهَارِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ **زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ** لِنَخْتَبِرَ النَّاسَ نَاظِرِيْنَ اِلٰى ذٰلِكَ **اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴿۷﴾** فِيْهِ اَيْ اَزْهَدُ لَهٗ **وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا** فُتَاتًا **جُرُزًا﴿۸﴾** يَابِسًا لَا يُنْبِتُ **اَمْ حَسِبْتَ** اَيْ ظَنَنْتَ **اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ** الْغَارِ فِي الْجَبَلِ **وَالرَّقِيْمِ** اللَّوْحِ الْمَكْتُوْبِ فِيْهِ اَسْمَاءُهُمْ

وَاَنۡسَابُهُمۡ وَقَدۡ سُئِلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ عَنۡ قِصَّتِهِمۡ **كَانُوۡا** فِىۡ قِصَّتِهِمۡ **مِنۡ** جُمۡلَةِ **اٰيٰتِنَا عَجَبًا﴿۹﴾** خَبَرُ كَانَ وَمَا قَبۡلَهٗ حَالٌ اَىۡ كَانُوۡا عَجَبًا دُوۡنَ بَاقِى الۡاٰيَاتِ اَوۡ اَعۡجَبَهَا لَيۡسَ الۡاَمۡرُ كَذٰلِكَ اُذۡكُرۡ **اِذۡ اَوَى الۡفِتۡيَةُ اِلَى الۡكَهۡفِ** جَمۡعُ فَتًى وَهُوَ الشَّابُّ الۡكَامِلُ خَائِفِيۡنَ عَلٰى اِيۡمَانِهِمۡ مِنۡ قَوۡمِهِمُ الۡكُفَّارِ **فَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ** مِنۡ قِبَلِكَ **رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ** اَصۡلِحۡ **لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا﴿۱۰﴾** هِدَايَةً **فَضَرَبۡنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمۡ** اَىۡ اَنَمۡنَاهُمۡ **فِى الۡكَهۡفِ سِنِيۡنَ عَدَدًا﴿۱۱﴾** مَعۡدُوۡدَةً **ثُمَّ بَعَثۡنٰهُمۡ** اَىۡ اَيۡقَظۡنَاهُمۡ **لِنَعۡلَمَ** عِلۡمَ مُشَاهَدَةٍ **اَىُّ الۡحِزۡبَيۡنِ** الۡفَرِيۡقَيۡنِ الۡمُخۡتَلِفَيۡنِ فِىۡ مُدَّةِ لُبۡثِهِمۡ **اَحۡصٰى** فِعۡلٌ بِمَعۡنٰى ضَبَطَ **لِمَا لَبِثُوۡۤا** لِلُبۡثِهِمۡ مُتَعَلِّقٌ بِمَا بَعۡدَهٗ **اَمَدًا﴿۱۲﴾** غَايَةً

ترجمہ:.......... ساری خوبیاں (یعنی بہترین تعریف ثابت ہے) اللہ کے لئے (اس بات کی اطلاع دینے سے مقصود آیا اس پر ایمان لانا ہے یا اس کے ذریعہ سے تعریف کرنا ہے، یا دونوں صورتیں پیش نظر ہیں؟ غرضیکہ تینوں احتمالات ہیں۔ لیکن ان میں سے تیسری صورت زیادہ مفید ہے) جس نے اپنے بندہ (محمد) پر اس کتاب (قرآن) کو اتارا ہے اور اس کے لئے (یعنی اس میں) کسی طرح کی ذرا بھی کجی نہیں ہے (یعنی لفظی اختلاف یا معنی کے لحاظ سے تضاد بیانی نہیں ہے (اور ترکیب میں یہ جملہ "الکتاب" سے حال واقع ہو رہا ہے) تاکہ لوگوں کو خبردار کرائے (کتاب کے ذریعہ سے کافروں کو ڈرائے) بالکل سیدھی بات (اینچ پیچ سے خالی ہے، یہ لفظ بھی ترکیب میں "الکتاب" سے حال ثابتہ مؤکدہ واقع ہو رہا ہے) تاکہ لوگوں کو خبردار کرائے (کتاب کے ذریعہ سے کافروں کو ڈرائے) اللہ کی جانب سے ایک سخت عذاب ہے اور اچھے اچھے کام کرنے والے مؤمنوں کو خوشخبری دے دے کہ یقیناً ان کے لئے بڑی ہی خوبی کا اجر ہے جس میں ہمیشہ وہ خوش حال رہیں گے (یعنی جنت میں) نیز (منجملہ اور کافروں کے) ان لوگوں کو متنبہ کردے جنہوں نے کہا کہ اللہ اولاد بھی رکھتا ہے (اس بارہ میں) نہ تو ان کے پاس کوئی دلیل ہے اور نہ ان کے باپ دادوں کے پاس کوئی دلیل تھی (جو ان لوگوں سے پہلے ایسی باتیں کہتے چلے آئے ہیں) کیسی سخت (بھاری) بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے (لفظ **کلمة** بلحاظ ترکیب تمیز ہے جس سے ضمیر مبہم کی وضاحت ہو رہی ہے اور لفظ کبرت کا مخصوص بالمذمت محذوف ہے۔ تقدیر عبارت ہوگی (کبرت مقالتهم المذکورة) یہ کچھ نہیں بکتے ہیں (اس بارہ میں) مگر سرتاسر جھوٹ: (بات) سو شاید اپنی جان ہی ہلاک کر ڈالیں ان کے پیچھے (یعنی آپ سے ان کی بے رخی اختیار کرنے کے بعد) اگر یہ لوگ اس بات (قرآن) پر ایمان نہ لائیں مارے افسوس کے (آپ کی طرف سے گھٹن اور رنج ہونے کی وجہ سے کیونکہ آپ کو ان کے ایمان لانے کا شوق لگا رہتا ہے لفظ اسفًا مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے) روئے زمین پر جتنی چیزیں ہیں (خواہ وہ جانور ہوں یا گھاس پھونس، درخت اور نہریں وغیرہ ہوں) ہم نے انہیں باعث رونق بنایا ہے تاکہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں (لوگوں کا امتحان یہ دیکھتے ہوئے کریں کہ) کون ایسا ہے جس کے کام سب سے زیادہ اچھے ہیں (یعنی کون اچھی باتوں کی طرف سب سے زیادہ جھکتا ہے) اور پھر ہم ہی جو کچھ زمین پر ہے اسے چٹیل میدان بنا ڈالیں گے (ایسا صاف کہ ایک تنکا تک اس میں پیدا نہیں ہو سکے گا) کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ غار اور پہاڑ والے لوگ ہمارے عجائبات میں سے کچھ تعجب خیز نشانی تھے (لفظ **عجبا** کان کی خبر ہے اور اس سے پہلے **من ایتنا** ترکیب میں حال ہے یعنی تمام باقی نشانیوں میں صرف یہی ایک نشانی عجیب یا عجیب تر تھی؟ نہیں ایسا نہیں۔ ذرا دھیان کیجئے اس بات کی طرف) جب کہ چند جوان غار میں جا بیٹھے تھے (لفظ **فتیا** فتی کی جمع

ہے ہٹے کٹے جوان کو کہتے ہیں ۔ یہ جوان اپنے ایمان لانے کی وجہ سے اپنی کافرقوم سے ڈرتے تھے) اورانہوں نے دعا کی تھی پروردگار آپ کی جانب (طرف) سے ہم پر رحمت ہواور ہمارے اس کام کے لئے کامیابی کا سامان مہیا فرما سوہم نے پردہ ڈال دیاان کے کانوں پر (یعنی انہیں سلادیا) غارمیں سالہا سال تک پھرانہیں اٹھا کھڑا کیا (یعنی انہیں جگادیا) تا کہ ہمیں واضح ہوجائے (مشاہدہ کے درجہ میں) کہ دونوں جماعتوں میں سے (جوان کی مدت قیام کے بارے میں مختلف الخیال ہیں) کون ہے جوان کے رہنے کی مدت سے (لما لبثوا ، لبثھم کی تقریر میں سے یہ جارمجرور بعد میں آنے والے لفظ سے متعلق ہے) واقف ہے؟ (لفظ احصیٰ کے معنی باخبر ہونے کے ہیں) ۔

تحقیق وترکیب:......... **ثابت** علامہ جلال محلیؒ شافعی نے لفظ ثابت کی تقدیرنکال کراشارہ کردیاللہ کے متعلق محذوف کی طرف لیکن ثبوت سے مراددوام ازلی ہوگا نہ کہ ثبوت حدوثی ۔ پس حمد قدیم اوصاف کمالیہ شمار ہوگی نہ کہ حمد حادث **ھل المراد الاعلام بذلک** یعنی **الحمد للہ** کے ثبوت کی اطلاع اوراس کا اخبار مقصود ہے؟اس..... پہلے احتمال کوعلمانے اس طرح بھی تعبیر کیا ہے کہ یہ جملہ لفظاومعنیٰ خبر یہ ہےاورلفظ **او الثناء بہ** سے مراد یہ ہے کہ الحمدللہ کے ثبوت کی ثناء مقصود ہوا۔اس دوسرے احتمال کوعلماء نے ان لفظوں سے بھی تعبیر کیاہے کہ یہ جملہ لفظاومعنی انشائیہ ہے یعنی عرف کے لحاظ سے انشاء کے لئے اسے نقل کیا گیاہے اورلفظ **اوھما** کا مطلب یہ ہے کہ اس جملہ سے اخباراورثنادونوں مقصود ہوں۔اس کوعلمانے اس طرح بھی تعبیر کیا ہے کہ یہ جملہ خبراورانشاء دونوں میں استعمال ہورہاہے۔حقیقت ومجازکوجمع کرنے کے طریق پر، بہرحال مفسرؒعلام اپنے شافعی ہونے کی رعایت سے تیسری شق کوترجیح دے رہے ہیں کیونکہ شوافع کے نزدیک حقیقت ومجاز دونوں بیک وقت مراد ہوسکتے ہیں۔رہا یہ شبہ کہ انشاءثناءکو،اوراخبارثناءکو اوراخبارثناءانشاءثناءکومستلزم ہوتے ہیں،پس گویاپہلے اوردوسرے احتمال کا حاصل بھی وہی نکلتا ہے جوتیسری شق کا ہے پھرمفسرؒجلال کا تیسرے احتمال کوترجیح دینا کیامعنی؟ جواب یہ ہے کہ پہلی دونوں صورتوں میں یہ فائدہ حاصل توہورہاہےمگرمقصودنہیں ہے۔لیکن تیسری صورت میں دونوں پہلوالگ الگ مقصودہورہے ہیں اورکسی چیز کے مقصود کے طورپرحاصل ہونے اورغیرمقصود کے درجہ میں حاصل ہونے میں بہت بڑافرق ہے۔اس لئے جلالؒمفسر کا تیسرے احتمال کے ترجیح دینے پر یہ شبہ نہیں ہوسکتا۔**تناقضا** یہ لفظ بحذف المضاف ہے ای **ذا تناقض** اور جہاں آیات اورنصوص میں بظاہراختلاف یاتناقض نظرآتا ہےعلماء نے تطبیق یاترجیح یاتنسیخ کے ذریعہ اس کوصاف کردیاہے۔**من الجملة الکافرین** جلالؒمفسر نے یہ عبارت نکال کراشارہ کردیا کہ لفظ**ینذر** کا عطف پہلے **ینذر** پر ہے عطف خاص علی العام کےطریقہ پر۔ **کبرت** . **کبر** فعل ماضی ہے انشاءذم کے لئے اس میں تاعلامت تانیث ہے۔**مقولا** یہ لفظ مقدر مان کر اشارہ کردیا **کذبا** کےصفت ہونے کی طرف۔**باخع** قاموس میں ہے کہ **بخع نفسہ** کے معنی منع کے ہیں اس آیت سے مقصود آنحضرتؐ کی تسلی ہے کہ آپؐ ان کے ایمان نہ لانے پراتنا رنج نہ کیجئے کہ شدت غم سے آپؐ ہلاک ہوجائیں۔باقی کفار کے ایمان نہ لانے پرنفس غم سےنہیں روکا جارہاہے کہ وہ توشرط ایمان ہےاس سے کیسے روکا جاسکتاہے کیونکہ کفرپرراضی رہنا خود کفر ہے۔**زینة** یہ مفعول لہ ہے یاحال اگر **جعلنا** کو **خلقنا** کے معنی میں لیاجائے۔لیکن اگر **جعل** بمعنی **تصییر** لیاجائے توپھرمفعول ثانی ہوجائے گا۔ **الرقیم** قاموس میں ہے کہ رقیم بروزن امیراس کے کئی معنی ہیں،اصحاب کہف کی بستی یاان کا پہاڑیاان کا کتایاوادی یاصحراءیاپتھروغیرہ کی وہ تختی جس پران کے حالات کندہ تھےاوروہ اس پہاڑی دروازہ پرلگی ہوئی تھی۔اورقرطبی میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رقیم سے مرادوہ روپے ہیں جواصحاب کہف نے اپنے پاس خرچہ کے لئے رکھ چھوڑے تھے۔اورحضرت انسؓ کی رائے میں رقیم کالفظ مبہم ہے۔ **عجبا** جلالؒمفسر نے ای **کانوا الخ** سے اشارہ کردیا کہ اس قصہ کےعجیب ہونے کاانکار مقصود نہیں بلکہ صرف اس کے عجیب ہونے یا

اس کے عجیب ترسمجھنے کورد کرنا مقصود ہے۔ اذاوی ان نوجوانوں کو دقیانوس نامی بادشاہ نے شرک پر مجبور کیا تھا۔ یہ واقعہ بقول اہل روم شہر امنوس کا ہے یا اہل عرب کے نزدیک اس شہر کا نام طرطوس ہے۔ سنین عددا تین سو یا تین سو نو سال مدت مراد ہے۔ بعثنا ھم جلالؒ مفسر تو بیدار کرنا مراد لے رہے ہیں۔ لیکن ابوعبیدہؒ دوبارہ زندہ کرنا مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ عبدالرزاقؒ، عکرمہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ اصحاب کہف چند شہزادے تھے جو اپنی قوم سے الگ پہاڑوں میں چلے گئے تھے ان میں قیامت کے مسئلہ پر اختلاف رائے تھا بعض تو صرف روحانی بعث مانتے تھے اور بعض کی رائے یہ تھی کہ دوبارہ زندگی جسمانی اور روحانی دونوں طرح ہوگی، اسی اختلاف کے فیصلہ کے لئے اللہ نے ان پر موت طاری کر کے عرصہ کے بعد دوبارہ جلایا۔ لنعلم جلالؒ مفسر نے ایک شبہ کے دفعیہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہاں نفس علم مراد نہیں کہ وہ تو پہلے سے حق تعالیٰ کو حاصل ہے بلکہ مشاہدہ خارجی مراد ہے۔ الحزبین بقول ابن عباسؓ ایک فریق خود اصحاب کہف ہیں اور دوسرے فریق سے مراد وہ یکے بعد دیگرے آنے والے اس شہر کے بادشاہ ہیں جو اصحاب کہف کے بارہ میں مختلف الرائے رہے اور بعض نے اصحاب کہف میں دو فریق مراد لئے ہیں کہ خود ان میں اپنی مدت قیام کے بارہ میں رائے مختلف ہو رہی تھی احصیٰ اس لفظ میں دو رائے ہیں ایک تو جلال مفسرؒ کی، کہ یہ اسم تفضیل کا صیغہ نہیں ہے۔ جیسا کہ ابوعلیؒ اور زمخشریؒ کی رائے ہے لیکن زجاجؒ اور تبریزیؒ اسے اسم تفضیل مانتے ہیں۔ لما لبثوا مفسر علامؒ نے للبثھم نکال کر اشارہ کر دیا کہ ما لبثوا میں ما مصدریہ ہے۔

ربط آیات: .... سورۂ کہف میں توحید و رسالت کے مباحث آئیں گے اور دنیا کا فانی اور حقیر ہونا اسی طرح آخرت کی جزا وسزا کا بیان ہوگا۔ تکبر اور لڑائی کی برائی اور شرک کا غلط ہونا اسی طرح توحید و رسالت اور قیامت سے متعلق بعض قصے مذکور ہوں گے اور ان مضامین میں جہاں ایک طرف باہمی مناسبت ہے وہیں حصول ایمان میں بھی ان کا دخل ظاہر ہے۔ پچھلی سورت کا حمد پر ختم کرنا اور اس سورت کا حمد سے شروع ہونا دونوں سورتوں کے مضامین مربوط ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اس کلی ربط کے بعد جزئی ربط کی تقریر اس طرح ہوگی کہ آیت الحمد للہ الخ سے توحید و رسالت اور وحی کا بیان ہے۔ تکبر اور شرک کی برائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دلجوئی مذکور ہے۔ آگے آیت ام حسبت الخ سے اصحاب کہف کا واقعہ اجمالاً ذکر کیا جا رہا ہے جو اگر چہ کفار کی طرف سے امتحاناً سوال کے جواب میں ہے لیکن اس سے آنحضرت کی رسالت کی تائید نکلتی ہے کہ آپؐ نے بغیر کسی سے پوچھے اور رسمی تعلیم حاصل کئے جو اس کا صحیح اور مکمل جواب دیا ہے وہ آپؐ کے رسول ہونے کی دلیل کافی ہے۔

شان نزول: .... ابن جریرؒ، ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ یہود کے بہکانے سکھانے سے قریش کے کچھ لوگوں نے آپؐ کے دعویٰ نبوت کا امتحان لینے کے لئے تین سوال کئے تھے۔ ایک روح کے متعلق جس کا جواب پچھلی سورت بنی اسرائیل میں گزر چکا ہے۔ دوسرا سوال اصحاب کہف کے متعلق تھا اور تیسرے میں ذوالقرنین کے بارہ میں دریافت کیا گیا تھا۔ ان دونوں کا جواب اس سورت میں دیا جا رہا ہے اور چونکہ وہ لوگ اس قصہ کو بہت ہی زیادہ عجیب وغریب کہتے تھے۔ اس لئے آیت ام حسبت الخ میں اس خیال کا رد کیا گیا ہے۔

﴿تشریح﴾ .... سچائی کی تعریف یہ ہے کہ وہ سیدھی بات ہے جس میں ذرا ٹیڑھ پن نہیں کیونکہ جس بات میں کجی ہو، پیچ وخم ہو، الجھی ہوئی ہو، وہ سچائی کی بات نہیں ہوسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے سعادت کی راہ کو "صراط مستقیم" کہا اور ہر جگہ وہ اپنا وصف یہ بیان کرتا ہے کہ اس میں کوئی بات بھی کجی کی بات نہیں ہے وہ اپنی ہر بات میں دنیا کی زیادہ سے زیادہ سیدھی بات ہے۔ اس سورت کے شروع میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے اس کے بعد اس کے نازل ہونے کا مقصد، خوشخبری اور ڈرانا قرار دیا

کیونکہ ہدایت وحی جب بھی ظاہر ہوئی ہے اسی لئے ظاہر ہوئی ہے کہ ایمان وعمل کے نتائج کی بشارت دے اور بدعملی کے نتائج سے ڈرائے اور متنبہ کردے۔ لیکن ایمان کے ساتھ یعملون الصالحات کی قید سے معتزلہ کی طرح یہ دھوکا نہیں کھانا چاہئے کہ نجات کے لئے ایمان کی طرح اعمال بھی ضروری ہیں کیونکہ یہاں اعمال کی قید کا لگنا سبب کے طریقہ پر ہے شرط کے طور پر نہیں ہے جو مسلک اہلسنت کے خلاف ہو۔ یہ سورت بھی مکی عہد کی آخری سورتوں میں سے ہے یہ وہ وقت تھا کہ منکروں کی سرکشی انتہائی حد تک پہنچ چکی تھی اور پیغمبر اسلام کا قلب مبارک لوگوں کی شقاوت ومحرومی کے غم سے بڑا ہی دلگیر ہو رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے جوش دعوۃ واصلاح کا یہ حال تھا کہ چاہتے تھے ہدایت گھونٹ بنا کر پلا دوں اور منکروں کا حال یہ تھا کہ سیدھی سے سیدھی بات بھی ان کے دلوں کو نہیں پکڑتی تھی۔ انبیاء کرام ہدایت واصلاح کے صرف طالب ہی نہیں ہوتے، بلکہ عاشق ہوتے ہیں انسانوں کی گمراہی ان کے دلوں کا گویا ناسور ہوتی ہے۔ انسان کی ہدایت کا جوش ان کے دل کے ایک ایک ریشہ میں عشق کی طرح سمایا ہوا ہوتا ہے اس سے بڑھ کر ان کے لئے کوئی غمگینی نہیں ہوسکتی کہ ایک انسان سچائی سے منہ موڑے، اور اس سے بڑھ کر ان کے لئے کوئی شادمانی نہیں ہوسکتی کہ ایک گمراہ قدم، راہ راست پر آجائے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس صورت حال کی جابجا شہادتیں ملتی ہیں۔ یہاں آیت لعلک باخع الخ میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ ان کی یہ گمراہی عجب نہیں کہ تجھے شدت غم سے بیحال کردے لیکن جو گمراہی میں ڈوب چکے ہیں وہ کبھی اچھلنے والے نہیں، پھر اس کے بعد آیت انا جعلنا الخ میں یہ واضح کیا جا رہا ہے کہ قانون الٰہی اس بارہ میں ایسا ہی واقع ہوا ہے یہ دنیا آرائش گاہ عمل ہے یہاں جو چیز کارآمد نہیں ہوتی۔ چھانٹ دی جاتی ہے۔ بس جن لوگوں نے اپنی ہستی خراب کردی ہے ضروری ہے کہ وہ چھانٹ دیئے جائیں ان کی محرومی پر غم کرنا لاحاصل ہے۔ آیت ام حسبت الخ سے اصحاب کہف کی سرگزشت شروع ہو رہی ہے۔ جن لوگوں نے اس قصہ کو عجیب وغریب سمجھ کر سوال کے لئے منتخب کیا وہ اس لئے کہ معمولی واقعہ کا جواب تو کچھ سن سنا کر، قیاس ورائے سے ممکن ہے کہ کردے دیا جائے لیکن خلاف عادت واقعہ کے متعلق جواب ظاہر ہے کہ نقل صحیح اور علم تام کے بغیر ممکن نہیں، یوں تو روح اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کرنے کو بھی عجیب سمجھا ہوگا لیکن شاید واقعہ اصحاب کہف کو زیادہ عجیب سمجھا ہو پس ممکن ہے تعجب کا انکار خصوصیت سے یہاں اسی لئے کیا گیا ہو حاصل یہ ہے کہ فی نفسہ یہ واقعہ اگرچہ تعجب خیز ہے مگر غیر معمولی تعجب خیز نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ دنیا میں عجائبات ہیں مثلاً آسمان وزمین، اور کائنات کی چیزوں کا پیدا کرنا اس واقعہ سے زیادہ عجیب وغریب ہے کیونکہ اصحاب کہف تو موجود تھے جن میں کچھ تصرف کیا گیا ہے لیکن یہ عالم تو موجود ہی نہیں تھا جسے عدم سے وجود بخشا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ معدوم میں تصرف کرنا موجود چیز میں تصرف کرنے کی نسبت زیادہ عجیب وغریب ہے پس ان کا یہ تعجب ہی فی الحقیقت تعجب خیز ہے۔ غرضیکہ آیت ام حسبت الخ سے بالاجمال اور آیت نحن نقص الخ سے کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس واقعہ پر روشنی ڈالی گئی ہے "ای الحزبین" کی تفسیر میں مجاہدؒ نے تو دونوں گروہوں سے مراد خود اصحاب کہف لئے ہیں جو مدت قیام کے بارے میں مختلف الرائے ہوگئے تھے لیکن بعض حضرات نے اصحاب کہف اور ان کے مخالفین مراد لئے ہیں۔

لطائف آیات:............آیت علی عبدہ سے معلوم ہوا کہ مقام عبدیت کے برابر کوئی مقام نہیں نیز یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہیں آیت لینذر باسا شدیدا سے معلوم ہوا کہ حجاب بھی ایک طرح کا سخت عذاب ہے جس سے سالک کو ڈرنا چاہئے۔ آیت ویبشر المؤمنین الذین یعملون الصالحات سے وہ اعمال مراد ہیں جن سے خاص حق تعالیٰ کی رضا مقصود ہو، اور بعض کے نزدیک حق میں مشغول رہنے کی وجہ سے اپنی ہستی سے بیزاری مراد ہے۔ آیت ان لھم اجرا حسنا میں

اجر سے مراد حق تعالیٰ کا بلا حجاب مشاہدہ اور رویت ہے۔ آیت فلعلک باخع الخ میں اشارہ ہے آنحضرت ﷺ کی انتہائی شفقت اور مخالفین کو موافق بنانے کے اہتمام کی طرف، آیت انا جعلنا ما علی الارض الخ میں حسن عمل عام ہے جس میں کائنات کی چیزوں کو انوار جلال و جمال حق کے مشاہدہ کا آئینہ بنالینا بھی داخل ہے اور ابن عطاءؒ فرماتے ہیں کہ تمام حوادث سے بے التفاتی کرنا حسن عمل ہے اور بعض کے نزدیک مؤمن کی زینت سے مراد اہل محبت و معرفت ہیں اور احترام کے ساتھ ان کی طرف نظر کرنا یہ حسن عمل ہے۔

آیت وانا لجاعلون الخ میں اشارہ ہے وجود حق کے ظہور سے زمینی چیزوں کے ظہور فنا کی طرف آیت فضربنا علیٰ اذانهم الخ میں یہ حالت فناء و استغراق کے مشابہ ہے۔ آیت ثم بعثناهم الخ میں سکر کے بعد صحو کی حالت ہے، اور خلوت کے بعد جلوت کی طرف اشارہ ہے۔

نَحْنُ نَقُصُّ نَقرأُ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ط بِالصِّدْقِ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ قَوَّيْنَاهَا عَلٰى قَوْلِ الْحَقِّ اِذْ قَامُوْا بَيْنَ يَدَىْ مَلِكِهِمْ وَقَدْ اَمَرَهُمْ بِالسُّجُوْدِ لِلْاَصْنَامِ فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاْ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَىْ غَيْرِهٖ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ اَىْ قَوْلًا ذَا شَطَطٍ اَىْ اِفْرَاطٍ فِى الْكُفْرِ اِنْ دَعَوْنَا اِلٰهًا غَيْرَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَرْضًا هٰۤؤُلَاۤءِ مُبْتَدَأٌ قَوْمُنَا عَطْفُ بَيَانٍ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ط لَوْلَا هَلَّا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ عَلٰى عِبَادَتِهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ط بِحُجَّةٍ ظَاهِرَةٍ فَمَنْ اَظْلَمُ اَىْ لَا اَحَدَ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾ بِنِسْبَةِ الشَّرِيْكِ اِلَيْهِ تَعَالٰى قَالَ بَعْضُ الْفِتْيَةِ لِبَعْضٍ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾ بِكَسْرِ الْمِيْمِ وَفَتْحِ الْفَاءِ وَبِالْعَكْسِ مَاتَرْتَفِقُوْنَ بِهٖ مِنْ غَدَاءٍ وَعَشَاءٍ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ تَمِيْلُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ نَاحِيَتَهٗ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ تَتْرُكُهُمْ وَتَتَجَاوَزُ عَنْهُمْ فَلَا تُصِيْبُهُمْ اَلْبَتَّةَ وَهُمْ فِىْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ط مُتَّسِعٍ مِنَ الْكَهْفِ يَنَالُهُمْ بَرْدُ الرِّيْحِ وَنَسِيْمُهَا ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرُ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ط دَلَائِلِ قُدْرَتِهٖ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ج وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾ وَتَحْسَبُهُمْ لَوْرَاَيْتَهُمْ اَيْقَاظًا اَىْ مُنْتَبِهِيْنَ لِاَنَّ اَعْيُنَهُمْ مُفَتَّحَةٌ جَمْعُ يَقِظٍ بِكَسْرِ الْقَافِ وَّهُمْ رُقُوْدٌ نِيَامٌ جَمْعُ رَاقِدٍ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ لِئَلَّا تَاْكُلَ الْاَرْضُ لُحُوْمَهُمْ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ يَدَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ط بِفِنَاءِ الْكَهْفِ وَكَانُوْا اِذَا انْقَلَبُوْا اِنْقَلَبَ وَهُوَ مِثْلُهُمْ فِى النَّوْمِ وَالْيَقَظَةِ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾ بِسُكُوْنِ الْعَيْنِ وَضَمِّهَا مَنَعَهُمُ اللّٰهُ بِالرُّعْبِ مِنْ دُخُوْلِ اَحَدٍ عَلَيْهِمْ

وَكَذٰلِكَ كَمَا فَعَلْنَا بِهِمْ مَا ذَكَرْنَا بَعَثْنٰهُمْ اَيْقَظْنَاهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ عَنْ حَالِهِمْ وَمُدَّةِ لُبْثِهِمْ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ لِاَنَّهُمْ دَخَلُوا الْكَهْفَ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَبُعِثُوْا عِنْدَ غُرُوْبِهَا فَظَنُّوْا اَنَّهٗ غُرُوْبُ يَوْمِ الدُّخُوْلِ ثُمَّ قَالُوْا مُتَوَقِّفِيْنَ فِيْ ذٰلِكَ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ بِسُكُوْنِ الرَّاءِ وَكَسْرِهَا بِفِضَّتِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ يُقَالُ اَنَّهَا الْمُسَمَّاةُ الْاٰنَ طَرْطُوْسُ بِفَتْحِ الرَّاءِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا اَيُّ اَطْعِمَةِ الْمَدِيْنَةِ اَحَلُّ فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا يَطَّلِعُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ يَقْتُلُوْكُمْ بِالرَّجْمِ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَيْ اِنْ عُدْتُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ اَبَدًا ﴿۲۰﴾ وَكَذٰلِكَ كَمَا بَعَثْنَاهُمْ اَعْثَرْنَا اَطْلَعْنَا عَلَيْهِمْ قَوْمَهُمْ وَالْمُؤْمِنِيْنَ لِيَعْلَمُوْٓا اَيْ قَوْمُهُمْ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بِالْبَعْثِ حَقٌّ بِطَرِيْقِ اَنَّ الْقَادِرَ عَلٰى اِنَامَتِهِمُ الْمُدَّةَ الطَّوِيْلَةَ وَاِبْقَائِهِمْ عَلٰى حَالِهِمْ بِلَا غِذَاءٍ قَادِرٌ عَلٰى اِحْيَاءِ الْمَوْتٰى وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ شَكَّ فِيْهَا ۚ اِذْ مَعْمُوْلٌ لِاَعْثَرْنَا يَتَنَازَعُوْنَ اَيِ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْكُفَّارُ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ اَمْرَ الْفِتْيَةِ فِي الْبِنَاءِ حَوْلَهُمْ فَقَالُوْا اَيِ الْكُفَّارُ ابْنُوْا عَلَيْهِمْ اَيْ حَوْلَهُمْ بُنْيَانًا ۭ يَسْتُرُهُمْ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ اَمْرِ الْفِتْيَةِ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ حَوْلَهُمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾ يُصَلّٰى فِيْهِ وَفُعِلَ ذٰلِكَ عَلٰى بَابِ الْكَهْفِ سَيَقُوْلُوْنَ اَيِ الْمُتَنَازِعُوْنَ فِيْ عَدَدِ الْفِتْيَةِ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْ يَقُوْلُ بَعْضُهُمْ هُمْ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ ۭ كَلْبُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ اَيْ بَعْضُهُمْ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ وَالْقَوْلَانِ لِنَصَارٰى نَجْرَانَ رَجْمًۢا بِالْغَيْبِ ۚ اَيْ ظَنًّا فِي الْغَيْبَةِ عَنْهُمْ وَهُوَ رَاجِعٌ اِلَى الْقَوْلَيْنِ مَعًا وَنَصَبُهٗ عَلَى الْمَفْعُوْلِ لَهٗ اَيْ لِظَنِّهِمْ ذٰلِكَ وَيَقُوْلُوْنَ اَيِ الْمُؤْمِنُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ اَلْجُمْلَةُ مِنْ مُبْتَدَاءٍ وَخَبَرٍ صِفَةُ سَبْعَةٍ بِزِيَادَةِ الْوَاوِ وَقِيْلَ تَاكِيْدٌ اَوْ دَلَالَةٌ عَلٰى لُصُوْقِ الصِّفَةِ بِالْمَوْصُوْفِ وَوَصْفُ الْاَوَّلَيْنِ بِالرَّجْمِ دُوْنَ الثَّالِثِ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ مَرْضِيٌّ وَصَحِيْحٌ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ڛ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَا مِنَ الْقَلِيْلِ وَذَكَرَهُمْ سَبْعَةً فَلَا تُمَارِ تُجَادِلْ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۠ بِمَا اُنْزِلَ عَلَيْكَ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ تَطْلُبِ الْفُتْيَا مِّنْهُمْ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ الْيَهُوْدِ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ وَسَاَلَهٗ اَهْلُ مَكَّةَ عَنْ خَبَرِ اَهْلِ الْكَهْفِ فَقَالَ اُخْبِرُكُمْ بِهٖ غَدًا وَلَمْ يَقُلْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَنَزَلَ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اَيْ لِاَجْلِ شَيْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اَيْ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ مِنَ الزَّمَانِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ اَيْ اِلَّا مُتَلَبِّسًا بِمَشِيَّةِ اللّٰهِ بِاَنْ تَقُوْلَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اَيْ مَشِيَّتَهٗ مُعَلِّقًا بِهَا اِذَا نَسِيْتَ التَّعْلِيْقَ بِهَا وَيَكُوْنُ ذِكْرُهَا بَعْدَ النِّسْيَانِ كَذِكْرِهَا مَعَ

۳ ع ۵ ۱۵

الْقَوْلِ قَالَ الْحَسَنُ وَغَيْرُهُ مَادَامَ فِي الْمَجْلِسِ **وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا** مِنْ خَبَرِ اَهْلِ الْكَهْفِ فِي الدَّلَالَةِ عَلٰى نُبُوَّتِيْ **رَشَدًا﴿۲۴﴾** هِدَايَةً وَقَدْ فَعَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى ذٰلِكَ **وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ** بِالتَّنْوِيْنِ **سِنِيْنَ** عَطْفُ بَيَانٍ لِثَلَاثِ مِائَةٍ وَهٰذِهِ السُّنُوْنُ الثَّلَاثُ مِائَةٍ عِنْدَ اَهْلِ الْكِتَابِ شَمْسِيَّةٌ وَتَزِيْدُ الْقَمَرِيَّةُ عَلَيْهَا عِنْدَ الْعَرَبِ تِسْعَ سِنِيْنَ وَقَدْ ذُكِرَتْ فِيْ قَوْلِهٖ **وَازْدَادُوْا تِسْعًا﴿۲۵﴾** اَيْ تِسْعَ سِنِيْنَ فَالثَّلَاثُ مِائَةِ الشَّمْسِيَّةُ ثَلَاثُمِائَةٍ وَتِسْعٌ قَمَرِيَّةٌ **قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ج** مِمَّنِ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُوَ مَا تَقَدَّمَ ذِكْرُهٗ **لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط** اَيْ عِلْمُهٗ **اَبْصِرْ بِهٖ** اَيْ بِاللّٰهِ هِيَ صِيْغَةُ تَعَجُّبٍ **وَاَسْمِعْ ط** بِهٖ كَذٰلِكَ بِمَعْنٰى مَا اَبْصَرَهٗ وَمَا اَسْمَعَهٗ وَهُمَا عَلٰى جِهَةِ الْمَجَازِ وَالْمُرَادُ اَنَّهٗ تَعَالٰى لَا يُغِيْبُ عَنْ بَصَرِهٖ وَسَمْعِهٖ شَيْءٌ **مَا لَهُمْ** لِاَهْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ **مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ز** نَاصِرٍ **وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا﴿۲۶﴾** لِاَنَّهٗ غَنِيٌّ عَنِ الشَّرِيْكِ

ترجمہ:.........ہم ان لوگوں کا ٹھیک ٹھیک (صحیح) واقعہ آپ سے اے پیغمبر بیان کرتے ہیں وہ چند نو جوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے۔ہم نے ان کی ہدایت میں اور ترقی کر دی تھی اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے (حق بات پر انہیں جما دیا تھا) جبکہ وہ پکے ہو کر کھڑے ہو گئے (اپنے بادشاہ کے سامنے جب بادشاہ نے انہیں بت پرستی پر مجبور کرنا چاہا) اور کہنے لگے ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمان وزمین کا پروردگار ہے اس کے سوا (اسے چھوڑ کر) کسی اور معبود کو پکارنے والے نہیں ہیں اگر ہم ایسا کریں گے تو یقیناً بڑی بے جا بات ہوگی (بے کار بات یعنی کفر میں حد سے بڑھی ہوئی ہوگی اگر بالفرض ہم اللہ کے علاوہ کسی اور کی بندگی کرنے لگیں) یہ (مبتداء ہے) ہماری قوم کے لوگ ہیں (یہ عطف بیان ہے) جو اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کو پکڑ بیٹھے ہیں وہ اگر معبود ہیں تو یہ لوگ اس کے لئے (ان کی بندگی پر) کوئی روشن دلیل (کھلی حجت) کیوں نہیں پیش کرتے؟ پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے (یعنی کوئی نہیں) جو اللہ پر جھوٹ کہہ کر بہتان باندھے (اللہ کی طرف شرک کی نسبت کر کے، پھر بعض نو جوان ایک دوسرے سے کہنے لگے) جب تم لوگوں نے ان سے اور جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پوجتے ہیں ان سے کنارہ کشی کر لی ہے تو چاہئے کہ غار میں چل کر پناہ لیں، تم پر تمہارا پروردگار اپنی رحمت کا سایہ پھیلائے گا، اور اس کام میں تمہاری کامیابی کے سروسامان مہیا کر دے گا۔ (لفظ مرفقا میم کے کسرہ اور فاء کے فتح کے ساتھ اور اسی طرح اس کے برعکس طریقہ سے آیا ہے، صبح یا شام کے ناشتہ کو کہتے ہیں) اور جب دھوپ نکلتی ہے تو تم دیکھو گے کہ وہ اٹھی رہتی ہے (لفظ تزاور تشدید اور تخفیف کے ساتھ دونوں طریقہ پر ہے، یعنی بچی رہتی ہے) اس غار سے داہنی جانب (سمت) اور جب سورج ڈوبے تو دھوپ بائیں جانب ہٹی رہتی ہے (ان سے بچ کر، اور کتنی کاٹ کر، غرض یہ کہ کسی وقت بھی ان پر دھوپ نہیں پڑتی) اور وہ لوگ اس غار کی ایک کشادہ جگہ میں پڑے ہیں (جو غار میں وسیع اور فراخ حصہ ہے) جس میں انہیں تازہ اور ٹھنڈی ہوا لگتی رہتی ہے) یہ (باتیں) اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں (دلائل قدرت) جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے اور جسے وہ بے راہ کر دے تو تم کسی کو اس کے لئے کارساز، راہ بتانے والا نہیں پاؤ گے اور (انہیں دیکھو تو) خیال کرو کہ یہ جاگ رہے ہیں (یعنی ان کی آنکھیں کھلی ہونے کی وجہ سے بیدار معلوم ہوتے ہیں، ایقاظا یقظ بکسر القاف کی جمع ہے) حالانکہ وہ سور ہے

ہیں (نیند میں ہیں، لفظ رقود، راقد کی جمع ہے) ہم انہیں دائیں بائیں کروٹ دیتے رہتے ہیں (تاکہ زمین کے اثر سے ان کا گوشت گل نہ جائے) اور ان کا کتا چوکھٹ کی جگہ اپنے دونوں بازو (ہاتھ) پھیلائے بیٹھا ہے۔ (صحن غار میں، اور اصحاب کہف جب کروٹ بدلتے ہیں تو کتا بھی الٹی پلٹی لیتا ہے سونے اور جاگنے میں بھی کتے کا حال اصحاب کہف کی طرح ہے) تم انہیں جھانک کر دیکھتے تو الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے۔ اور تم پر ان کی دہشت چھا جاتی! (لفظ ملئت، تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے اور لفظ رعبا عین کے سکون اور ضمہ کے ساتھ ہے۔ اس طرح اللہ نے ہیبت پیدا کر کے ان کے پاس جانے سے لوگوں کو روک دیا ہے) اور اسی طرح (جیسے اصحاب کہف کیساتھ مذکورہ بالا کارروائی کی) ہم نے پھر اٹھا کھڑا کیا (جگا دیا) تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے (اپنے حالات اور وہاں ٹھہرنے کی مدت کے بارہ میں) پوچھ گچھ کر سکیں۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا "تم یہاں کتنی دیر تک رہے ہو گے؟ کچھ نے کہا ایک دن یا ایک دن سے بھی کچھ کم رہے ہوں گے (کیونکہ یہ لوگ غار میں دن نکلے داخل ہوئے تھے اور دن چھپے جاگ اٹھے، اس لئے یہ سمجھے کہ یہ وہی دن ہے پھر) دوسرے کہنے لگے (غور و فکر کرتے ہوئے) یہ تو تمہارے خدا ہی کو خبر ہے کہ تم کس قدر رہے، اچھا اب تم اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر (لفظ ورق را کے سکون اور کسرہ کے ساتھ ہے۔ بمعنی چاندی کا ٹکڑا) شہر کی طرف بھیجو (آج کل اس شہر کا نام طرطوس فتح را کے ساتھ ہے) جا کر دیکھے، ٹھیک کھانا ملتا ہے (یعنی شہر میں کہاں حلال کھانا میسر آ سکتا ہے) اور جہاں کہیں سے ملے تھوڑا بہت لے آئے، اور ہاں چپکے سے لائے، کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے اگر کہیں لوگوں نے تمہاری خبر پالی تو وہ چھوڑنے والے نہیں یا تو سنگسار کریں گے (پتھراؤ کر کے تمہارا استھراؤ کر ڈالیں گے) یا مجبور کریں گے کہ تمہیں اپنے طریقہ سے پھیر لیں۔ اگر ایسا ہوا (کہ تم نے پھر ان کی راہ اختیار کر لیا) تو پھر کبھی تم فلاح نہ پا سکو گے"۔ اور اسی طرح (جیسے انہیں جگایا) انہیں ہم نے واقف (باخبر) کیا ان کے (قوم اور ایمانداروں کے) حال سے تاکہ یقین کر لیں (ان کی قوم کے لوگ) کہ (دربارہ قیامت) اللہ کا وعدہ سچا ہے (کیونکہ جو ذات اتنی لمبی مدت تک سلا سکتی ہے اور جوں کا توں بلا غذا کے اپنی حالت پر برقرار رکھ سکتی ہے وہ ضرور مردوں کو جلا سکتی ہے) اور یہ کہ قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں! اسی وقت کی بات ہے (اذ لفظ اعثرنا کا معمول ہے) کہ لوگ (مؤمن و کافر) ان کے بارہ میں آپس میں بحث کرنے لگے (کہ ان جوانوں کی یادگار میں یہاں ایک تعمیر ہونی چاہئے) کچھ لوگوں (کافروں) نے تو کہا "اس غار پر ایک عمارت بنا ڈالو، (جو ان پر سایہ فگن رہے) ان کا پروردگار ہی ان کی حالت کو خوب جانتا ہے تب ان لوگوں نے کہ معاملات میں غالب تھے (ان جوانوں کے معاملہ میں یعنی مؤمنین) انہوں نے کہا ٹھیک ہے ہم ضرور ان (کے مرقد) پر ایک عبادت گاہ بنائیں گے (جس میں لوگ عبادت کیا کریں گے، چنانچہ پہاڑ کے دہانہ پر ایسی مسجد بنا ڈالی) کچھ لوگ کہیں گے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جو لوگ اصحاب کہف کی تعداد کے بارہ میں مختلف تھے وہ آپس میں کہیں گے کہ غار والے تین آدمی تھے، چوتھا ان کا کتا تھا، کچھ لوگ (آپس میں) ایسے بھی کہتے ہیں کہ نہیں پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا (یہ دونوں قول، نجرانی نصرانیوں کے تھے) یہ سب اٹکل کے تیر چلاتے ہیں (باوجود موقعہ سے غائب رہنے کے محض گمان سے کہتے ہیں، اس جملہ کا تعلق، مذکور، دونوں رائیوں سے ہے، اور لفظ رجما مفعول لہ کی وجہ سے منصوب ہے "لظنهم ذلک" کے معنی میں ہے) لیکن بعض (مسلمانوں) کا کہنا ہے کہ یہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا (یہ جملہ مبتداء اور خبر ہے اور واؤ زائد کے ساتھ لفظ سبعة کی صفت ہے اور بعض کی رائے میں صفت اور موصوف میں تاکید اور تعلق قائم کرنے کیلئے واؤ زائد کی گئی ہے، اور صرف پہلے دونوں قولوں کے متعلق رجما بالغیب کہنا اور تیسرے قول کے بارہ میں نہ کہنا اس تیسرے کے پسندیدہ اور صحیح ہونے پر دلالت کرتا ہے) آپ کہہ دیجئے ان کی اصل گنتی تو میرا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کیوں کہ ان کا حال بہت کم لوگوں کے علم میں آیا ہے" (ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں بھی ان تھوڑے لوگوں میں سے ہوں اور فرمایا کہ ان کی تعداد سات

تھی) اور آپ اس سرسری بحث کے علاوہ (جو آپ پر نازل کی گئی) لوگوں سے زیادہ بحث (نزاع) نہ کیجئے، اور نہ اہل کتاب یہود میں سے، کسی سے اس بارہ میں کچھ دریافت کیجئے۔ (مکہ والوں نے جب اصحاب کہف کے متعلق دریافت کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انشاء اللہ کہے بغیر یہ وعدہ کرلیا کہ میں کل اس کا جواب دوں گا! اس پر اگلی آیت نازل ہوئی")۔ آپ کسی کام کے بارہ میں یہ مت کہا کرو کہ میں اسے کل ضرور کردوں گا"۔ (یعنی آئندہ زمانہ میں) مگر خدا کے چاہنے کو ملالیا کیجئے۔ (یعنی یہ سمجھ لو کہ ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا بس انشاء اللہ ملا کر بات کیا کرو) اور اپنے پروردگار کی یاد تازہ کرلیجئے (یعنی اس کام کو اللہ کی مشیت پر معلق کرلیا کرو) جب بھی بھول جاؤ (انشاء اللہ کہنا، پس بھولنے کے بعد اس کہنا ایسا ہی ہے جیسے بات کے ساتھ ملا کر کہنا، حسنؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ بھولنے کے بعد اسے کلمہ کو کہنا ایک مجلس باقی رہنے تک ہے) آپ کہئے کہ امید ہے کہ میرا پروردگار اس سے بھی زیادہ کامیابی کی راہ (جو اصحاب کہف کے واقعہ سے بھی زیادہ میری نبوت پر دلالت کرنے والا ہو) مجھ پر کھول دے گا (چنانچہ حق تعالیٰ نے اس وعدہ کو پورا فرمادیا ہے) اور یہ اصحاب کہف اپنے غار میں تین سو برس تک رہے (لفظ مائۃ تنوین کے ساتھ ہے اور سنین عطف بیان ہے ثلاثمائۃ کا اور تین سو سال کی مدت اہل کتاب کے نزدیک شمسی حساب سے ہے۔ اہل عرب نے قمری حساب سے نو سال اور بڑھادیئے جس کو آگے بیان فرمایا جارہا ہے) اور لوگوں نے نو اور بڑھادیئے ہیں (یعنی نو برس، پس تین سو سال تو شمسی حساب سے ہوئے اور تین سو نو قمری حساب سے ہوئے) آپ کہہ دیجئے اللہ بہتر جانتا ہے وہ کتنی مدت رہے (جس مدت کے بارہ میں لوگ اختلاف کررہے ہیں جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے) وہ آسمان اور زمین کی ساری پوشیدہ چیزیں جاننے والا ہے (یعنی اسے سب چیزوں کا علم ہے) بڑا ہی دیکھنے والا ہے (یعنی اللہ، یہ تعجب کا صیغہ ہے) بڑا ہی سننے والا ہے (یہ لفظ بھی صیغہ تعجب ہے۔ یہ دونوں لفظ ما ابصرہ، وما اسمعہ کے معنی میں ہیں اور یہ کہنا بلحاظ مجاز کے ہے اور مراد یہ ہے کہ کوئی چیز بھی اس کی نگاہ اور سننے سے باہر نہیں ہے) ان کا (آسمانوں وزمین کے رہنے والوں کا) اللہ کے سوا کوئی بھی کارساز (مددگار) نہیں ہے اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے (کیونکہ وہ ساجھی سے بے نیاز ہے)۔

تحقیق وترکیب: .... ربطنا کی تفسیر میں مفسر علامؒ نے اشارہ کردیا استعارہ تصریحیہ تبعیہ ہونے کی طرف شططاً یعنی تبقدیر المضاف یہ مصدر محذوف کی صفت ہے اور شطط بمعنی البعد ہے مرفقاً یہ اسم آلہ ہے رفق سے ماخوذ از تفقت بمعنی اشفعت۔ ذات الیمین مفسر علامؒ نے لفظ ناحیۃ نکال کر ظرف مکان ہونے کی طرف اشارہ کردیا۔ اور کسی وقت بھی دھوپ نہ آنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ غار، بنات النعش کے رخ پر تھا۔ نقلبھم بعض کی رائے ہے کہ سال بھر میں ایک دفعہ عاشورہ کے روز انہیں کروٹ دی جاتی تھی اور بعض کے نزدیک سال میں دو مرتبہ اور بعض کے نزدیک نو سال میں ایک دفعہ کروٹ دی جاتی رہی۔ وکلبھم اس کتے کا رنگ بعض نے زرد اور بعض نے گندمی بتلایا ہے اور کتے کا نام قطمیر تھا۔ راستہ میں جب اصحاب کہف کے ساتھ یہ کتا ہونے لگا تو انہوں نے اسے دھتکارا مگر کہتے ہیں کہ اللہ نے کتے کو قوت گویائی بخشی اور اس نے عرض کیا "اما احب احباب اللہ" یعنی کیا میں اللہ کے دوستوں سے محبت نہ کروں؟ اس پر نوجوانوں نے کتے کو ساتھ لے لیا۔ اسی تاثیر فیض صحبت پر بلبل شیراز بول اٹھے۔

سگ اصحاب کہف روزے چند   پے نیکاں گرفت مردم شد
پسر نوحؑ بابدان نشست   خاندان نبوتش گم شد

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جانوروں میں سے صرف اصحاب کہف کے کتے کو جنت میں داخل کیا جائیگا۔ قرطبی میں ابن عطیہؒ اور ان کے والدؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ابوالفضلؒ جوہری جامع مصر کے منبر پر وعظ کہتے ہوئے فرماتے تھے کہ جب ایک کتے کو اہل اللہ کی محبت اور صحبت کا یہ صلہ اور مرتبہ مل رہا ہے تو اہل اللہ سے محبت وصحبت رکھنے والے انسان اور جنات کس طرح محروم رہ سکتے ہیں۔ اس لئے ناقصین کے

لئے اس میں بڑی تسلی موجود ہے۔ تفسیر ثعلبی میں لکھا ہے کہ "وکلبھم باسط ذراعیہ بالوصید" لکھ کر اگر کوئی اپنے پاس رکھے تو کتوں کے شر سے محفوظ رہے گا۔ لو اطلعت خفاجیؒ کہتے ہیں اگر یہ خطاب عام ہے تب تو کوئی اشکال نہیں لیکن اگر آنحضرت مراد ہیں تو ماننا پڑے گا کہ اصحاب کہف اب بھی اس حال میں موجود ہیں۔ حالانکہ بقول سہیلیؒ اس میں ابن عباسؓ کا خلاف ہے اور وہ اس بات کا انکار کرتے ہیں اگرچہ ابن عباسؓ کے علاوہ دوسرے حضرات اس کا اقرار کرتے ہیں۔ چنانچہ سعید بن جبیر ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ہم جب حضرت معاویہؓ کے ساتھ روم کی لڑائی پر گئے تو حضرت معاویہؓ کہنے لگے کہ اگر موقعہ ہو تو اصحاب کہف کو دیکھیں؟ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تم سے بہتر شخصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب لو اطلعت علیھم لولیت منھم فرارا۔ کہہ دیا گیا ہے تو تم کیسے ہمت کرتے ہو؟ لیکن حضرت معاویہؓ نے کچھ آدمیوں کو اس طرف بھیج کر دیکھنے کی ہدایت کی مگر جب وہ لوگ غار کے پاس پہنچے تو ایک زور سے ہوا کا تھپیڑا آیا جس سے یہ لوگ واپس ہونے پر مجبور ہو گئے یا گرم لو لگنے سے ہلاک ہو گئے قائل منھم۔ رئیس اصحاب کہف مراد ہے جس کا نام مکسلمینا تھا۔ احدکم اس سے مراد یملیخا ہے۔ کم لبثتم صبح کو غار میں داخل ہونے اور شام کو جاگنے سے تو سمجھے کہ ایک ہی دن یا اس سے بھی کم گزرا ہے لیکن بال اور ناخن وغیرہ ہیبت پر نظر ڈالی تو سمجھے کہ زیادہ مدت گزر گئی ہے۔ اسی کی نظیر واقعہ حضرت عزیرؑ میں آیت قال کم لبثت الخ میں گزر چکی ہے۔ الی المدینۃ اسلام سے پہلے اس شہر کا نام افسوس بضم الھمزہ وسکون الفاء تھا اور اسلام کے بعد طرطوس ہو گیا۔ ازکی طعاماً مفسر علامؒ نے ای اطعمۃ سے اشارہ کر دیا کہ ایھا کی ضمیر بتقدیر المضاف ،مدینہ کی طرف راجع ہے۔ اور طعاما کو تمیز بنایا جائے تو ان کھانوں کی طرف بھی ضمیر راجع ہو سکتی ہے جو ان کے ذہن میں تھے چونکہ عام طور پر وہاں کے باشندے مجوسی تھے جو بتوں کے نام پر ذبیحہ کرتے تھے البتہ کچھ لوگ دین حق کو بھی پوشیدہ طریقہ سے مانتے تھے اس لئے بقول ابن عباسؓ ازکی کے معنی حلال کے ہیں اور مجاہدؒ کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ کسی بھی طریقہ سے وہ کھانا حرام اور ناجائز نہ ہو۔ ولیتلطف بلحاظ تعداد حروف کے یہ لفظ نصف القرآن ہے او یعیدوکم یا تو عود کے معنی محض صیرورت کے ہیں اور یا حقیقی معنی مراد ہوں کہ پہلے وہ نوجوان بھی اہل وطن کے طریقہ پر تھے بعد میں ایمان لائے ہوں گے اس لئے عود کہنا صحیح ہوا۔ ولن تفلحوا اس پر شبہ ہو سکتا ہے کہ اکراہ اور مجبوری کی حالت میں کوئی گرفت یا حرج نہیں ہونا چاہیئے؟ جواب یہ ہے کہ اس حالت میں مواخذہ نہ ہونا اسلامی شریعت کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ حدیث رفع عن امتی الخطاء والنسیان اور آیت وما اکرھتنا علیہ من السحر سے معلوم ہوتا ہے پس پہلی شریعتوں میں اس پر بھی گرفت ہوتی ہوگی۔ بطریق الخ قیاس اقتاعی کے طریقہ پر یہ تقریر ہے۔ ربھم اعلم یہ کلام الٰہی ہے۔ یا کلام متنازعین ہے نجران یہ جگہ........ یمن اور حجاز کے درمیان پڑتی ہے۔ الا قلیل ابن عباسؓ کے قول کی تائید حضرت علیؓ کے ارشاد سے بھی ہو رہی ہے کہ اصحاب کہف سات ہیں جن کے نام یہ ہیں (۱) یملیخا (۲) مکسلمینا (۳) مشینا (۴) مرنوش (۵) دبرنوش (۶) شاذنوش (۷) ساتویں کا نام کفشطیطوش یا کفیشططیوش ہے جو ایک چرواہا تھا نوجوانوں کے ساتھ ہو لیا تھا لیکن کاشفیؒ نے اس کا نام مرطوش اصح قرار دیا ہے۔ اور نیشاپوریؒ، ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ اصحاب کہف کے نام لکھ کر تعویذ کے طریقہ پر استعمال کئے جائیں تو طلب اور فرار کے لئے مفید ہیں اور آگ بجھانے کے لئے کاغذ پر لکھ کر آگ میں ڈال دیا جائے اور رونے والے بچے کے تکیہ کے نیچے لکھ کر رکھ دیئے جائیں اور کھیتی باڑی میں برکت کے لئے ایک کاغذ پر لکھ کر کھیت کے بیچ میں ایک لکڑی پر ٹانگ دیا جائے اور تیسرے روز کے بخار کے لئے یا دردسر کے لئے، اسی طرح خوشحالی یا عزت یا بادشاہ کے سامنے جانے کے لئے داہنی ران پر اور ولادت کی سہولت کے لئے بائیں ران پر باندھنا چاہیئے۔ مال کی حفاظت یا دریائی سفر میں سلامتی اور قتل سے بچاؤ کے لئے بھی تعویذ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ اصحاب کہف، امام مہدیؒ کے ساتھ مل کر آخر زمانہ میں جہاد

میں شریک ہوں گے۔ اذا نسیت الخ. ابن عباسؓ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ انشاء اللہ کلام سے اگر منفصلاً کہہ لیا تب بھی وہی حکم ہوگا جو متصلاً کہنے کا ہے۔ چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرتؐ نے انشاء اللہ کہا۔ لیکن مجاہدؒ کی رائے جمہور کے موافق ہے اور وہ ابن عباسؓ کی روایت کو تبرکا انشاء اللہ کہنے پر محمول کرتے ہیں یعنی کلام ختم ہونے کے بعد بھی تبرکا انشاء اللہ کہہ لینا چاہئے۔ ورنہ انشاء اللہ کا حکم صرف متصل کلام کی صورت میں ثابت ہوگا اور اس کے متعلق جمہور یہ جواب دیتے ہیں کہ اس میں انشاء اللہ پہلے کلام کے تدارک کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق مقدر سے ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔ کلما نسیت ذکر اللّٰہ اذکرہ حین الذکر انشـــاء اللہ یا یہ مطلب ہے کہ جب آپؐ انشاء اللہ کہنا بھول جائیں تو تسبیح واستغفار کیجئے یا یہ مطلب ہے کہ آپؐ اگر نماز پڑھنی بھول جائیں تو جب یاد آجائے پڑھ لینی چاہئے یا جب کچھ بھول ہوجائے تو ذکر کیجئے بھولی ہوئی چیز یاد آجائے گی۔ وقد فعل اللہ یعنی حق تعالیٰ نے واقعۂ کہف سے بھی زیادہ عجیب وغریب واقعات اور علوم آپ کو بتلائے ہیں، مفسر جلالؒ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ عسٰی کلام الٰہی میں ترجی کے لئے نہیں بلکہ تحقیق کے لئے ہے ثلاث مائۃ یہ مدت تقریبی سمجھنی چاہئے اس لئے اب یہ شبہ نہیں رہتا کہ یہ مدت حساب اور نجوم کے مطابق نہیں ہے اور بعض کی رائے ہے کہ تین سو سال کے بعد اصحاب کہف بیدار ہوگئے تھے لیکن نیند کا کچھ اثر رہا نو سال تک اور بعض کہتے ہیں کہ تین سو سال بعد جاگ کر پھر دوبارہ نو سال تک سوتے رہے اس بارہ میں اختلاف ہے کہ اصحاب کہف، اب وفات پاگئے ہیں یا نہیں؟ ابن عباسؓ جب کسی غزوہ میں شام کے علاقہ میں تشریف لے گئے اور مقام کہف پر گزرے اور آپؓ کے ساتھ دوسرے اصحاب بھی تھے تو آپؓ نے دیکھا کہ وہاں کچھ ہڈیوں کے ڈھانچے پڑے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا کہ یہ اصحاب کہف کی ہڈیاں ہیں لیکن بعض کی رائے ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ایک روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوکر اصحاب کہف بھی قیامت کے قریب حج بیت اللہ ادا کریں اس کے بعد ان کی وفات ہوگی۔

ربط آیات وشان نزول :.......... ان دونوں رکوع میں اصحاب کہف کے واقعہ کی تفصیلات ارشاد فرمائی جارہی ہیں نیز یہودیوں کے کہنے سے قریش نے آپؐ سے روح اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق تین سوال کئے تو آپؐ نے وعدہ فرمالیا کہ میں کل ان باتوں کا جواب دے دوں گا اس وعدہ کے ساتھ آپؐ نے انشاء اللہ کا لفظ استعمال نہیں فرمایا تو پندرہ دن تک وحی کا آنا بند رہا جس پر قریش نے آپ کا مذاق اڑایا تب آیت ولا تقولن الخ نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾ :.......... واقعہ اصحاب کہف پر نظر ڈالنے سے یہ چند باتیں معلوم ہوئیں ایک گمراہ اور ظالم قوم سے چند حق پرست نوجوانوں کا کنارہ کشی اختیار کرلینا۔ اور ایک پہاڑ کے غار میں جاکر پوشیدہ ہوجانا، ان کی قوم چاہتی تھی انہیں سنگسار کردے یا جبراً اپنے دین میں واپس لے آئے۔ انہوں نے دنیا چھوڑ دی، مگر حق سے منہ نہ موڑا اور جب غار میں اٹھے تو اس کا اندازہ نہ کرسکے کہ کتنے عرصہ تک یہاں رہے ہیں، انہوں نے اپنا ایک آدمی شہر میں کھانا لانے کے لئے بھیجا اور کوشش کی کہ کسی کو خبر نہ ہو، لیکن حکمت الٰہی کا فیصلہ دوسرا تھا خبر ہوگئی اور یہ معاملہ لوگوں کے لئے تذکیر وموعظت کا سبب ہوا۔ پھر جس قوم کے ظلم سے عاجز ہوکر انہوں نے غار میں پناہ لی تھی وہی اس کی اس درجہ معتقد ہوئی کہ ان کے مرقد پر ایک ہیکل تعمیر کیا گیا۔ بہر حال اس واقعہ کی صحیح تفصیلات لوگوں کو معلوم نہیں طرح طرح کی باتیں مشہور ہوگئی ہیں بعض کہتے ہیں وہ تین آدمی تھے، بعض کہتے ہیں پانچ تھے، بعض کہتے ہیں سات تھے مگر یہ سب اندھیرے میں تیر چلاتے ہیں۔ حقیقت حال اللہ ہی کو معلوم ہے اور غور کرنے کی یہ بات نہیں ہے کہ ان کی تعداد کتنی تھی؟ دیکھنا یہ چاہئے کہ ان کی حق پرستی کا کیا حال تھا؟

رہا یہ سوال کہ یہ واقعہ کہاں پیش آیا تھا؟ سو قرآن کریم نے ''کہف'' کے ساتھ ''الرقیم'' کا لفظ بھی بولا ہے اور بعض آئمہ تابعین نے اس کا مطلب یہی سمجھا تھا کہ یہ ایک شہر کا نام ہے لیکن چونکہ اس نام کا کوئی شہر عام طور پر مشہور نہ تھا اس لئے اکثر مفسر اس طرف چلے گئے کہ یہاں ''رقیم'' کے معنی کتابت کے ہیں یعنی ان کے غار پر کوئی کتبہ لگا دیا تھا اس لئے کتبہ والے مشہور ہو گئے، تاہم یہ لکھنا کسی قوی روایت سے ثابت نہیں ہے۔ ہاں رقیم کہنے کی وجہ اگر یہ کہی جائے کہ اس عجیب وغریب حال کو لوگوں نے دوسرے تاریخی واقعات کی طرح قلمبند کر لیا تھا تو یہ توجیہ قریب تر ہوگی۔ مولانا ابوالکلام مرحوم نے بہت سے قرائن سے ثابت کرنا چاہا ہے کہ یہ ''رقیم'' وہی لفظ ہے جسے تورات میں ''راقیم'' کہا گیا ہے اور یہ فی الحقیقت ایک شہر کا نام تھا جو آگے چل کر ''پٹیرا'' کے نام سے مشہور ہوا اور عرب اسے ''بطیرا'' کہنے لگے۔

واقعہ کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ خدا پرستی کی راہ اختیار کرتے تھے ان کی مخالفت میں تمام باشندے کمر بستہ ہو جاتے تھے اور اگر وہ اپنی روش سے باز نہ آتے تو سنگسار کر دیتے۔ یہ حالت دیکھ کر ان نوجوانوں نے فیصلہ کیا کہ آبادی سے منہ موڑ لیں اور کسی غار میں معتکف ہو کر ذکر الٰہی میں مشغول ہو جائیں چنانچہ ایک غار میں جا کر مقیم ہو گئے۔ ان کا ایک وفادار کتا تھا وہ بھی ان کے ساتھ غار میں چلا گیا جس غار میں انہوں نے پناہ لی تھی وہ اگرچہ اندر سے کشادہ تھی اور اس کا دہانہ کھلا ہوا تھا لیکن سورج کی کرنیں اس میں راہ نہ پا سکتیں نہ تو چڑھتے دن میں اور نہ ڈھلتے دن میں بلکہ جب سورج نکلتا ہے تو داہنی طرف رہتے ہوئے گزر جاتا ہے جب ڈھلتا ہے تو بائیں جانب رہتے ہوئے غروب ہو جاتا ہے یعنی غار اپنے طول میں شمال وجنوب رویہ واقع ہے ایک طرف دہانہ ہے دوسری طرف منفذ، اس طرح روشنی اور ہوا دونوں طرف سے آتی ہے لیکن دھوپ کسی طرف سے بھی راہ نہیں پا سکتی لیکن شرق یا غرب رویہ ہونے میں یہ صورت برقرار نہ رہتی کیونکہ اول صورت میں طلوع کے وقت، اور دوسری صورت میں غروب کے وقت دھوپ اندر آ جاتی۔

اس صورت حال سے بیک وقت دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ زندہ رہنے کے لئے وہ نہایت محفوظ اور موزوں مقام ہے کیونکہ ہوا اور روشنی کی راہ موجود ہے مگر دھوپ کی تپش نہیں پہنچ سکتی پھر اندر سے کشادہ ہے جگہ کی کمی نہیں، دوسری بات یہ کہ باہر سے دیکھنے والوں کے لئے اندر کا منظر بہت ڈراؤنا ہو گیا ہے کیونکہ روشنی کے راستے موجود ہیں اس لئے بالکل اندھیرا نہیں رہتا۔ اور چونکہ سورج کسی بھی وقت سامنے نہیں آتا اس لئے بالکل اجالا بھی نہیں ہوتا روشنی اور اندھیرے کی ملی جلی حالت رہتی ہے اور جس غار کی اندرونی فضا ایسی ہو اسے باہر سے جھانک کر دیکھا جائے تو اندر کی ہر چیز ضرور ایک بھیانک منظر پیش کرے گی۔ اور یہ خطاب عام لوگوں کو ہے پس اس سے آنحضرت ﷺ کا مرعوب ہونا لازم نہیں آتا اور کتے کا دہلیز پر پڑے رہنا عادۃً حفاظت کے لئے ہوتا ہے یہ لوگ کچھ عرصہ تک غار میں رہے، اس کے بعد نکلے تو انہیں کچھ اندازہ نہ تھا کہ کتنے عرصہ تک اس میں رہے ہیں وہ سمجھتے تھے باشندوں کا وہی حال ہوگا جس حال میں انہیں چھوڑا تھا لیکن اس عرصہ میں انقلاب ہو چکا تھا۔ اب غلبہ ان لوگوں کا تھا جو اصحاب کہف ہی کی طرح خدا پرستی کی راہ اختیار کر چکے تھے جب ان کا ایک آدمی شہر میں پہنچا تو اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی اب وہی لوگ جنہوں نے انہیں سنگسار کرنا تھا ان کے ایسے معتقد ہو گئے کہ ان کے غار نے زیارت گاہ عام کی صورت اختیار کر لی اور امراء شہر نے فیصلہ کیا کہ یہاں ایک ہیکل تعمیر کیا جائے۔

اصحاب کہف نے یہ مدت کس حال میں بسر کی تھی؟ اس بارے میں قرآن نے صرف اس قدر اشارہ کیا ہے کہ فضربنا

علی اذانھم فی الکھف سنین عددا مفسرین نے ''ضرب علی الاذان'' کو نیند پر محمول کیا ہے گہری نیند میں آدمی چونکہ کوئی آواز نہیں سنتا اس لئے استعارہ تبعیہ کے طور پر اس سے مراد گہری نیند ہے۔ اصل یہ ہے کہ اصحاب کہف کا جو قصہ عام طور پر مشہور ہو گیا تھا وہ یہی تھا کہ غار میں برسوں تک وہ سوتے رہے اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ بعد کو بھی اسی طرح کی روایتیں مشہور ہو گئیں ۔عرب میں قصہ کے اصلی راوی، شام کے نبطی تھے اور ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ اس قصہ کی اکثر تفصیلات تفسیر کے انہی راویوں پر جا کر منتہی ہوتی ہیں جو اہل کتاب کے قصوں کی روایت میں مشہور ہو چکے ہیں مثلاً ضحاکؒ اور سدیؒ بہر حال یہاں ''ضرب اذان'' سے نیند مراد لینے کی صورت میں یہی مطلب ہوگا کہ وہ غیر معمولی مدت تک نیند کی حالت میں پڑے رہے۔ اور ثم بعثنا الخ کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ ایک زمانہ کے بعد نیند سے بیدار ہو گئے۔ یہ بات کہ ایک آدمی پر غیر معمولی مدت نیند کی حالت طاری رہے اور پھر بھی زندہ رہے، طبی تجربات کے لحاظ سے مسلمات میں سے ہے اور اس کی مثالیں ہمیشہ تجربہ میں آتی رہتی ہیں۔ چنانچہ آج کل اخبارات میں اس قسم کی خبریں آتی رہتی ہیں، پس اگر اصحاب کہف پر قدرت الٰہی سے کوئی ایسی حالت طاری ہو گئی ہو جس نے غیر معمولی مدت انہیں سلائے رکھا تو یہ کوئی ناممکن اور محال بات نہیں بقول حقانی ۲۵۰ء میں ایشیاء کوچک کے ایک شہر افسوس یا طرطوس میں ایک ظالم بادشاہ کے ہاتھوں تنگ آکر یہ اصحاب کہف اس غار میں داخل ہوئے اور تین سو سال سوتے رہے۔ گویا ۵۵۰ء کے لگ بھگ یہ جاگے ہوں گے۔ اس حساب سے آنحضرتﷺ کی ولادت شریفہ سے تقریباً بیس سال پہلے ان کی بیداری ہوئی ہوگی کیونکہ آنحضرتﷺ کی پیدائش ۵۷۰ء میں ہوئی ہے۔

رہی یہ بات کہ اصحاب کہف ابھی زندہ ہیں یا وفات پا گئے ہیں؟ سو اکثر روایات سے ان کی وفات کا ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

آیت وتحسبھم ایقاظا وھم رقود الخ میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن نازل ہونے کے وقت یا ایک مدت تک اس غار کی کیا حالت رہی؟ غرضیکہ انقلاب حال کے بعد اصحاب کہف نے غار کی گوشہ نشینی ترک نہیں کی تھی اسی میں رہے یہاں تک کہ انتقال کر گئے۔ ان کے انتقال کے بعد غار کی ایسی حالت ہو گئی کہ باہر سے کوئی دیکھے تو معلوم ہو کہ زندہ آدمی موجود ہیں، دہانہ کے قریب ایک کتا دونوں ہاتھ آگے کئے بیٹھا ہے حالانکہ نہ تو آدمی زندہ ہیں، نہ کتا ہی زندہ ہے۔

لیکن باہر سے دیکھنے والا انہیں زندہ اور جاگتا ہوا کیوں سمجھے؟ اگر ان کی نعشیں پڑی ہیں تو نعشوں کو کوئی زندہ تصور نہیں کر سکتا، اگر رقود سے مقصود سونے کی حالت ہے، اور وہ لیٹے ہوئے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک لیٹا ہوا آدمی دیکھنے والے کو جاگتا ہوا دکھائی دے، سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیئے کہ جو حالت اس آیت میں بیان کی گئی ہے وہ کس وقت کی ہے؟ اس وقت کی ہے جب وہ نئے نئے غار میں جا کر مقیم ہوئے تھے؟ یا اس وقت کی ہے جب انکشاف حال کے بعد دوبارہ معتکف ہو گئے تھے۔

دراصل اس کا تعلق بعد کے حالات سے ہے یعنی جب وہ ہمیشہ کے لئے غار میں گوشہ نشین ہو گئے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد وفات پا گئے تو غار کے اندرونی منظر کی یہ نوعیت ہو گئی تھی، اور وتحسبھم ایقاظا وھم رقود میں ''ایقاظ'' سے مقصود ان کا زندہ ہونا ہے اور رقود سے مردہ ہونا مراد ہے، نہ کہ بیداری اور خواب کی حالت چنانچہ عربی میں زندگی اور موت کے لئے یہ تعبیر عام اور معلوم ہے۔

پھر عیسائی دور کی ابتدائی راہبانہ تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معاملہ اور بھی زیادہ آسان ہو جاتا ہے، دنیاوی تمام علائق سے کٹ کر پہاڑ کے غار یا کسی غیر آباد کونہ میں کسی ایک ہی ہیئت اور وضع پر اس طرح مشغول عبادت ہوتے کہ ساری زندگی اسی حالت

میں ختم ہو جاتی کوئی کھڑا ہے تو برابر کھڑا ہی رہتا اور اسی حالت میں جان دے دیتا، اگر گھٹنے کے بل رکوع کی حالت اختیار کی تھی تو یہی حالت آخر تک قائم رہتی اگر سجدہ میں سر رکھ دیا تھا تو پھر سجدہ ہی میں پڑے رہتے اور مرنے کے بعد بھی اسی وضع میں نظر آتے، زیادہ تر گھٹنے کے بل رکوع کی وضع اختیار کی جاتی تھی کیونکہ عیسائیوں میں عبادت و بندگی کے لئے یہی وضع رائج ہو گئی تھی اور غالباً عیسائیوں نے عبادت کی یہ وجہ رومیوں سے لی ہوگی۔ کیونکہ یہودیوں کی نماز میں اس وضع کا پتہ نہیں چلتا ہے جسے ہم رکوع کہتے ہیں۔ دنیا کی مختلف قوموں کے بندگی کے طریقے مختلف رہے ہیں۔ رومی گھٹنا ٹیک کر جھک جاتے اور بادشاہ کے قدموں یا دامن کو بوسہ دیتے، مجرموں کے لئے بھی ضروری تھا کہ مجسٹریٹ کا فیصلہ گھٹنے ٹیک کر سنیں، مصر، بابل اور ایران میں سجدہ کی رسم پیدا ہوئی، اسی طرح ہندوستان میں پوجا پاٹ کے مختلف طریقے جاری ہیں کہیں اوندھے منہ ہو کر بالکل لیٹ جاتے ہیں اور کہیں ڈنڈوت کرتے ہیں۔ کل حزب بما لدیھم فرحون۔

غرضیکہ مسیحی دعوت کے ابتدائی زمانوں میں راہبانہ زندگی نے مختلف شکلیں اختیار کر لی تھیں غذا کی طرف سے یہ لوگ بالکل بے پرواہ ہوتے تھے۔ اگر آبادی قریب ہوتی تو لوگ روٹی پانی پہنچا دیا کرتے، نہیں تو یہ اس کی جستجو نہیں کرتے تھے۔ ہندوستان میں یوگیوں کی حالت بھی اسی قسم کی رہ چکی ہے اور جس طرح زندگی میں انہیں کوئی نہیں چھیڑتا تھا اسی طرح مرنے کے بعد بھی کوئی اس کی جرأت نہیں کرتا۔ مدتوں ان کی نعشیں اس حالت میں باقی رہتیں جس حالت میں کہ انہوں نے زندگی کے آخری لمحے بسر کئے تھے اگر موسم موافق ہوتا اور درندوں سے حفاظت ہوتی تو صدیوں تک ان کے ڈھانچے باقی رہتے اور دور سے دیکھنے والے انہیں زندہ انسان تصور کرتے۔

شروع میں اس کام کے لئے زیادہ تر پہاڑوں کی غاریں یا پرانی عمارتوں کے کھنڈرات اختیار کئے جاتے تھے لیکن آگے چل کر یہ طریقہ اتنا عام ہو گیا کہ مخصوص عمارتیں بھی اس غرض سے بنائی جانے لگیں، یہ عمارتیں اس طرح بنائی جاتی تھیں کہ ان میں آنے جانے کے لئے کوئی راستہ نہیں ہوتا تھا کیونکہ جو جاتا تھا باہر نہیں آتا تھا صرف ایک چھوٹی سے سلاخدار کھڑکی رکھی جاتی تھی جس سے ہوا اور روشنی پہنچتی اسی سے لوگ غذا بھی پہنچا دیتے۔ تاریخی شہادتیں موجود ہیں کہ از منہ وسطیٰ تک یہ طریقہ عام طور پر جاری تھا، اور یورپ کی کوئی آبادی ایسی نہ تھی جو اس طرح کی عمارتوں سے خالی ہو، اور جب ان میں کسی راہب یا راہبہ کا انتقال ہو جاتا تو ان پر لاطینی زبان میں یہ لفظ کندہ کر دیئے جاتے کہ "اس کے لئے دعا کرو" مسیحی رہبانیت کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ابتداء میں تو لوگوں نے مخالفوں کے ظلم و تشدد سے مجبور ہو کر غاروں اور جنگلوں میں گوشہ نشینی اختیار کی تھی لیکن پھر حالات ایسے پیش آئے کہ یہ اضطراری طریقہ زہد و عبادت کا ایک اختیاری اور مقبول طریقہ بن گیا۔

بہر حال اصحاب کہف کا معاملہ بھی کچھ اسی نوعیت کا معلوم ہوتا ہے، ابتداء میں قوم کے ظلم نے انہیں مجبور کیا تھا کہ غار میں پناہ لیں لیکن جب کچھ عرصہ وہاں مقیم رہے تو زہد و عبادت کا استغراق کچھ اس طرح ان پر چھا گیا کہ پھر دنیا کی طرف لوٹنے پر آمادہ نہ ہو سکے اور گو ملک کی حالت بدل گئی تھی لیکن وہ بدستور غار ہی میں معتکف رہے یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ انتقال اس حال میں ہوا کہ جس شخص نے ذکر و عبادت کی جو وضع اختیار کر لی تھی وہی وضع آخری لمحوں تک باقی رہی۔ ان کے وفادار کتے نے بھی آخر تک ان کا ساتھ دیا...... وہ پاسبانی کے لئے...... دہانہ کے قریب بیٹھا رہتا تھا۔ جب اس کے مالک مر گئے تو اس نے بھی وہیں بیٹھے بیٹھے دم توڑ دیا ہوگا۔

اب اس واقعہ کے بعد غار کے اندرونی منظر نے ایک عجیب دہشت انگیز صورت اختیار کرلی۔ اگر کوئی باہر سے جھانک کر دیکھتا تو اسے راہبوں کا ایک پورا مجمع عبادت وذکر میں مشغول دکھائی دیتا۔ کوئی گھٹنے کے بل رکوع کی حالت میں ہے کوئی سجدہ میں پڑا ہے، کوئی ہاتھ جوڑے اوپر کی طرف دیکھ رہا ہے، دہانہ کے قریب ایک کتا ہے وہ بھی بازو پھیلائے باہر کی طرف منہ کئے ہوئے ہے یہ منظر دیکھ کر ممکن نہیں کہ آدمی دہشت سے کانپ نہ اٹھے۔ کیونکہ اس نے یہ سمجھ کر جھانکا تھا کہ مردوں کی قبر ہے مگر منظر جو دکھائی دیا وہ زندہ انسانوں کا نکلا۔

اس تقریر کو سامنے رکھ کر تمام پہلوؤں پر نظر ڈالو ہر بات بے تکلف واضح ہوجاتی ہے۔ **تحسبھم ایقاظا وھم رقود** کا مطلب بھی ٹھیک ٹھیک اپنی جگہ بیٹھ جاتا ہے۔ کسی دوراز کار توجیہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ اس طرح کا منظر یہی خیال پیدا کرے گا کہ لوگ زندہ ہیں حالانکہ زندہ نہیں اور **لو اطلعت علیھم لو لیت منھم فرارا و لملئت منھم رعبا** کی وجہ بھی سامنے آجاتی ہے۔ کیونکہ اگر تم کسی قبر کے اندر جھانک کر دیکھو اور تمہیں مردہ نعش کی جگہ ایک آدمی نماز پڑھتا دکھائی دے تو تمہارا کیا حال ہوگا؟ یقیناً مارے دہشت کے چیخ اٹھو گے۔ اس کے بعد اس سوال کا جواب بھی خود بخود مل گیا کہ قرآن نے خصوصیت کے ساتھ یہ بات کیوں بیان کی کہ سورج کی کرنیں غار کے اندر نہیں پہنچتیں اور کیوں اسے **ذلک من ایات اللہ** کہہ کر قدرت الٰہی کی ایک نشانی فرمایا؟ چونکہ یہ بات بیان کرنی [illegible] ں کہ مرنے کے بعد ان کی نعشیں عرصہ تک باقی رہیں حتیٰ کہ دیکھنے والوں کو زندہ انسانوں کا گمان ہوتا تھا اس لئے پہلے اس کی وجہ بتلادی کہ جس غار میں وہ معتکف ہوئے تھے وہ اس طرح کا غار تھا کہ انسانی جسم زیادہ سے زیادہ عرصہ تک اس میں قائم رہ سکتا تھا کیونکہ سورج کی روشنی اس میں پہنچتی رہتی تھی لیکن سورج کی تپش کا اس میں گزر نہیں تھا۔ جو چیز نعش کو گلا سڑا دیتی ہے وہ سورج کی تپش ہے اور جو چیز تازگی پیدا کرتی ہے وہ ہوا اور روشنی ہے ہوا چلتی رہتی تھی روشنی پہنچتی تھی مگر تپش سے پوری طرح حفاظت تھی۔

دل میں اطمینان و [illegible] کی کیفیت ہوتے ہوئے جبراً کلمات کفر زبان سے کہہ لینے کی اگرچہ اجازت ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شروع میں زبردستی اور نا [illegible] گواری کے ساتھ انسان کفر اختیار کرتا ہے لیکن پھر بعد میں کچھ دنیاوی مصالح پر نظر کر کے شیطان کے بہکانے سکھانے سے اس میں [illegible] انگاری کرلیتا ہے اور اس طرح رفتہ رفتہ اس کفر کی برائی بھی اس کے دل سے رخصت ہوجاتی ہے اور آخر کار دل کھول کر خوب کفر کرنے لگتا ہے تو آیت **ولن تفلحوا اذا ابدا** میں یہی صورت مراد ہے اور یا فلاح کامل مراد ہوگی یعنی زبردستی کی حالت میں اگرچہ کفر اختیار کرنے کی اجازت ہے لیکن فلاح کامل یعنی ثواب سے محرومی رہتی ہے۔

واقعہ اصحاب کہف سے باخبر کرنے کی حکمت **لیعلموا ان وعد اللہ حق** الخ سے یہ بتلائی ہے کہ اللہ کے وعدہ کے سچے ہونے اور قیامت کے واقع ہونے کا یقین حاصل ہوجائے کیونکہ انبیاء علیہم السلام اگرچہ قیامت کے واقع ہونے کی خبر ہمیشہ سے دیتے چلے آتے ہیں اور اس پر نقلی دلائل بھی قائم ہیں، لیکن تاہم ان سب شرائط کے ہوتے ہوئے بھی یقین حاصل کرنے کے لئے ایک رکاوٹ اور مانع موجود تھا، یعنی کفار قیامت کو بعید اور خلاف عادت سمجھتے تھے، پس واقعہ اصحاب کہف سے اس کا امکان ثابت ہوگیا۔ خاص کر [illegible] لمبی مدت کے سونے اور جاگنے کو قیامت سے ایک گونہ مناسبت بھی ہے، اس لئے اب وہ مانع نہیں رہا۔ شرائط پہلے سے پائی جاتی تھیں، مانع اب دور ہوگیا پس قیامت کے واقع ہونے کا یقین ہوجانا چاہیئے، اور چونکہ اس یقین کی علت تامہ کا جز اخیر اسی مانع اور رکاوٹ کا دور کرنا تھا اس لئے اسی کو یقین حاصل ہونے کی علت فرمادیا، اب یہ شبہ نہیں رہا کہ اس واقعہ سے قیامت کا امکان تو معلوم ہوسکتا ہے مگر قیامت کا تحقق معلوم نہیں ہوا؟ کہا جائے گا کہ مانع کے دور ہونے سے امکان قیامت ہی، تحقق قیامت کا ثابت ہوگیا۔

ان غار پر مسجد بنانا اس لئے ہوگا کہ یہ اس بات کی علامت ہو کہ اصحاب کہف، عابد تھے، معبود نہیں تھے، نیز دوسری خرابیوں اور برائیوں کو روکنا بھی ہوگا لیکن اگر کسی ایسے مواقع پر مسجد بنانے میں بھی خرابیاں پیدا ہونے لگیں تو پھر مسجد بنانا بھی ناجائز ہوجائے گا۔ غرضیکہ اس آیت سے مسجد بنانے کی فی نفسہ اجازت معلوم ہورہی ہے اور آیت اذ یتنازعون الخ سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ دیکھو انہوں نے ہم پر توکل کیا، ہماری اطاعت کی، اس لئے ہم نے کیسی ان کی حفاظت کی؟

اس واقعہ کی تفصیلات لوگوں کو معلوم نہیں تھیں، اس لئے طرح طرح کی باتیں مشہور ہوگئی تھیں، بعض کہتے تھے اصحاب کہف تین آدمی تھے بعض کا بیان ہے پانچ آدمی تھے، بعض سات بتلاتے ہیں، اسی طرح ان کی مدت قیام میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، مگر یہ سب اندھیرے میں تیر چلارہے ہیں حقیقت حال اللہ ہی کو معلوم ہے یہ بات قابل غور نہیں کہ ان کی تعداد کتنی تھی؟ دیکھنا چاہئے کہ ان کی حق پرستی کا کیا حال تھا؟ تعداد کی تعیین میں چونکہ کوئی بڑا فائدہ نہیں تھا اس لئے قرآن نے اس کا کوئی صریح فیصلہ نہیں فرمایا۔ البتہ روایات میں حضرت ابن عباسؓ کا یہ جملہ نقل کیا گیا ہے ''انا من القلیل کانوا سبعۃ ''یعنی آیت میں جو ما یعلمھم الا قلیل فرمایا گیا ہے میں بھی ان قلیل لوگوں میں سے ہوں جو اصحاب کہف کی صحیح تعداد کو جانتے ہیں ان کی تعداد سات ہے چنانچہ آیت میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے کیونکہ پہلے دونوں قولوں کی طرح اس تیسرے قول کو رد نہیں فرمایا گیا ہے جو اس کی صحت کی دلیل ہے۔

نیز ''قال قائل'' سے ایک قائل معلوم ہوا ''قالوا لبثنا'' الخ میں تین قائل معلوم ہوئے پھر ''قالوا ربکم'' سے تین معلوم ہوئے اور ظاہر یہی ہے یہ سب قائل الگ الگ ہوں گے اور جمع میں یقینی درجہ تین فرد ہوتے ہیں اس طرح مجموعہ سات ہوگئے بہرحال یہ لطیفہ استقلالی شان تو نہیں رکھتا مگر مؤید دلیل بن سکتا ہے۔

حاصل آیت کا یہ ہے کہ جو کھلی ہوئی اور پکی بات ہے وہ نصیحت وعبرت کے لئے کافی ہے اس سے زیادہ کاوش میں نہ پڑو اور بحث ومباحثہ میں بھی مت پڑو، اور نہ کبھی کسی ایسی بات کے لئے جس کا علم اللہ ہی کو ہے زور دے کر کہو کہ میں ضرور ایسا کروں گا یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے کہ جتنی باتیں چاہے، وحی کے ذریعہ بتلادے، غیبی امور میں انسان کی کاوشیں کچھ کام نہیں دے سکتیں، کچھ لوگوں نے آنحضرتؐ سے روح، اصحاب کہف، ذوالقرنین کے بارہ میں حقیقت حال پوچھی تو آپؐ نے انشاء اللہ کہے بغیر وحی پر بھروسہ کرتے ہوئے وعدہ فرمالیا کہ کل جواب دوں گا مگر پندرہ روز وحی نازل نہیں ہوئی جس سے آپؐ کو بڑا رنج رہا تب یہ حکم نازل ہوا کہ وعدہ کرتے وقت انشاء اللہ کہنا چاہئے اور اتفاقاً اگر انشاء اللہ کہنا بھول جائیں تو یاد آنے پر ذکر اللہ کرلیجئے۔ یعنی انشاء اللہ کہہ لیا کیجئے، یہاں تفویض کے طور پر انشاء اللہ کہنا مراد ہے جس میں کلام کے ساتھ بولنا یا الگ کرکے بولنا دونوں برابر ہیں البتہ تاثیر حکم کا جہاں موقعہ ہو وہاں دیر سے کہنا مانع حکم ہوگا۔ نیز زبان سے تفویض کے موقعہ پر انشاء اللہ کہنا اگرچہ مستحب ہے لیکن آنحضرتؐ کے اخص الخواص ہونے کی وجہ سے اس کے چھوڑنے پر تنبیہاً پندرہ روز وحی میں دیر ہوئی ہوگی۔

باقی اصحاب کہف کے واقعہ کو امتحاناً دلیل نبوت کے طور پر پوچھنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس کا جواب دینا آنحضرتؐ کے لئے سرمایہ ناز وافتخار ہے اس لحاظ سے بے شک عجیب وغریب اور دلیل نبوت ہے کہ آپؐ امی ہوتے ہوئے ایسے واقعات من وعن بیان کردیتے ہیں مگر اس اعتبار سے کہ ایک تاریخ داں شخص بھی گذشتہ واقعات اپنی تاریخی معلومات کی مدد سے بیان کرسکتا ہے کچھ زیادہ عجیب وغریب بات شاید نہ سمجھی جائے تاہم قدرت نے تو اس سے بھی زیادہ بڑھ کر دلائل وبراہین آپ کو عنایت فرمائے ہیں اس لئے محض اس جیسی دلیل پر نازش کا کوئی موقعہ نہیں۔ اور اگر تاریخی واقعات بیان کرنا ہی کوئی حیرت ناک بات ہے تو حق تعالیٰ اصحاب کہف

سے زیادہ پرانے تاریخی واقعات وحی کے ذریعہ بتلا سکتا ہے۔ آیت وقل عسی ان یھدین الخ کا یہی مفہوم ہے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عنقریب علم الٰہی کی رو سے اصحاب کہف جیسا معاملہ خود آنحضرت ؐ کو بھی پیش آنے والا ہے یعنی آپ ؐ اپنی قوم سے راہ حق میں کنارہ کشی کریں گے اور غار ثور میں کئی دن قیام کریں گے پھر فتح وکامرانی کی ایسی راہ آپ ؐ پر کھولی جائے گی جو اس معاملہ سے بھی کہیں زیادہ عظیم تر ہوگی۔

حق تعالیٰ نے اس مقام پر اصحاب کہف کے عدد کی تعیین تو اشارۃً فرمائی لیکن مدت قیام کی تعیین صراحۃً فرمائی: سو ممکن ہے اس فرق کی وجہ یہ ہو کہ یہ نیند کا لمبا واقعہ، قیامت کا نمونہ ہونے میں قدرت الٰہی کا زیادہ کرشمہ ہے بہ نسبت تعداد کے اور مکہ کے منکرین قیامت کو اس کی زیادہ ضرورت تھی۔

آیت فضربنا علی اٰذانھم فی الکھف سنین عددا میں صراحۃً سالہا سال تک اصحاب کہف کا سونا معلوم ہو رہا ہے اس لئے بعض منکرین خوارق کا اس آیت سے سالہا سال تک سونے کے انکار پر استدلال کرنا قطعاً غلط ہوگا، اور آیت ثلٰثمائۃ سنین الخ میں معنوی تحریف کرنا اس سے زیادہ برا ہے۔

یہود کی طرف سے تین سوالات میں سے دو سوالوں کو لفظ یسئلو نک سے اور اس قصہ کو بغیر یسئلو نک کے ذکر کرنا ممکن ہے اس لئے ہو کہ روح، حقیقت خفیہ ہونے کے اعتبار سے اور ذوالقرنین کا معاملہ بہت پرانے زمانہ کا ہونے کی وجہ سے سوال کے قابل نہیں لیکن اصحاب کہف کا واقعہ مراد ہے اس میں یہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔ حیات میں واقع ہونے کی وجہ سے تو مخفی نہ ہونا ظاہر ہے اور آنحضرت ؐ کی ولادت شریفہ سے کچھ پہلے ہونے کی وجہ سے اس کا قریب ہونا بھی واضح ہے اس میں چنداں سوال کی ضرورت نہیں تھی۔

رہا یہ شبہ کہ عیسوی مذہب محرف ہو چکا تھا، پھر اصحاب کہف نے کیسے اسے قبول کیا؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے اس وقت بعض ارباب علم کے پاس محفوظ ہو۔

لطائف آیات: .... آیت فاو واالی الکھف الخ سے مراد یہ ہے کہ اپنے محبوب سے خلوت کرو، حق تعالیٰ تمہارے لئے اپنی رحمت ومنفعت یعنی معرفت وتجلیات کو ظاہر اور مہیا فرمادے گا۔ بعض عارفین کا قول ہے کہ غیر اللہ سے خلوت ویکسوئی، وصل حق کا باعث ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ عزلت کے بغیر وصل حق حاصل نہیں ہوتا۔ آیت وتری الشمس الخ میں روشنی کے ساتھ تاریکی رکھنے میں یہ مصلحت ہے کہ غار میں زیادہ روشنی ہونے سے جمعیت خاطر میں خلل واقع نہ ہو۔ کیوں کہ اندھیرے سے اجتماع فکر وحواس میں مدد ملتی ہے۔ اس لئے اہل مراقبہ تنہائی اور یکسوئی کے لئے کم روشنی کی جگہ تلاش کرتے ہیں اور پھر بھی آنکھیں بند کر کے مراقبہ کرتے ہیں، آیت ''ومن یھدی اللہ الخ'' سے معلوم ہوا کہ جس میں صلاحیت واستعداد نہ ہو اس کی اصلاح سخت دشوار بلکہ عادۃً ممتنع ہے۔ آیت وتحسبھم ایقاظا الخ میں ان لوگوں کی مثل ہے جسم سے مخلوق کے ساتھ اور قلب سے حق کے ساتھ، نیز اس میں ان اہل تسلیم ورضا کی مثال ہے جو میت کی طرح غسال کے ہاتھ میں اپنے کو سمجھتے ہیں۔ آیت وکلبھم باسط ذراعیہ بالوصید سے بقول ابوبکرؓ وراق معلوم ہوا کہ نیک سیرت لوگوں کی صرف ہم نشینی بھی بسا غنیمت ہوتی ہے خواہ مجانست نہ ہو مگر مجالست ضرور ہونی چاہیئے۔

سگ اصحاب کہف روزے چند   پے نیکاں گرفت مردم شد

آیت لو اطلعت علیھم الخ سے ہیبت وجلال خداوندی مراد ہے جو چیز اس کا مظہر بن جاتی ہے وہ ہیبت انداز ہونے

لگتی ہے۔ یہی ہیبت اہل اللہ کو عطا ہوتی ہے تو دوسرے متاثر ہونے لگتے ہیں۔ آیت فابعثوا احدکم الخ میں مثال ہے اس کی کہ سالک جب سکر سے صحو کی طرف رجوع کرتا ہے تو پھر وہ معیشت کا خواہشمند ہوتا ہے اور حقائق طریقت کا استعمال کرتا ہے۔ نیز فابعثوا الخ میں اشارہ ہے کہ طالبان حق کی شایان شان سوال ترک کر دینا ہے۔ چنانچہ اصحاب کہف نے کھانا مانگنے کی بجائے خرید تجویز کیا ہے۔ آیت فلینظر الخ سے معلوم ہوا کہ طالبان حق کو اصحاب کہف کی طرح ورع اختیار کرتے ہوئے طلب حلال کرنی چاہیئے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ کا ارشاد ہے عارف وہ ہے جس کا نور معرفت، اس کے نور ورع کو نہ بجھادے، یہ جب ہے کہ "طعام ازکی" کی تفسیر حلال کھانے سے کی جائے لیکن اگر لذیذ کھانا مراد ہو تو اس میں بھی دینی مصالح پیش نظر ہوں گی کہ لطیف کھانا کھانے سے تقویت بدن اور لطافت باطنی حاصل ہوتی ہے۔ آیت ولیتلطف الخ کی تفسیر بعض حضرات نے لطف فی المعاملہ کے ساتھ کی ہے، پس اس سے خرید وفروخت میں نرمی، حسن معاملہ، حسن اخلاق کی تعلیم مقصود ہوگی۔ آیت ولا یشعرن بکم احدا میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسرار حق، اغیار پر ظاہر نہ کرے ورنہ احجار انکار سے سنگسار ہونا پڑے گا۔ آیت ابنوا علیھم بنیانا الخ میں قبر پرستوں کے لئے مقابر میں مساجد بنانے کے لئے کوئی حجت نہیں ہے کیونکہ مسجد بنانے سے مقصد محض نماز پڑھنا تھا نہ وہ مقصد جو جہلا کے قبروں کے پاس مسجد بنانے سے ہوتا ہے، اور علیھم کے معنی عندھم کے ہوں گے اور اصحاب کہف کی طرف اس مسجد کی نسبت ایسی ہی ہوگی جیسے آنحضرتؐ کے روضہ شریف کی طرف مسجد نبوی کی طرف نسبت کر دی جائے۔ آیت ولا تقولن لشیء انی فاعل الخ میں مقام تجرید وتفرید کی طرف اشارہ ہے۔ آیت واذکر ربک الخ سے ذکر اللہ کی مطلوبیت معلوم ہوتی ہے۔ آیت ابصر بہ واسمع الخ میں افعال تعجب لانے سے کمال وصف کی طرف اشارہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی صفات بمعنی ذاتؐ ہیں کیونکہ غیبت سے بڑھ کر کمال تعلق کا درجہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ آیت مالھم من دونہ من ولی میں دوسرے کی ولایت کی نفی اس لئے ہے کہ اللہ کے سوا کوئی فاعل حقیقی نہیں ہے۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ مَلْجَأً وَاصْبِرْ نَفْسَکَ اِحْبِسْھَا مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ بِعِبَادَتِھِمْ وَجْھَہٗ تَعَالٰی لَا شَیْئًا مِنْ اَغْرَاضِ الدُّنْیَا وَھُمُ الْفُقَرَآءُ وَلَا تَعْدُ تَنْصَرِفْ عَیْنٰکَ عَنْھُمْ ۚ عَبَّرَبِھِمَا عَنْ صَاحِبِھِمَا تُرِیْدُ زِیْنَۃَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا اَیِ الْقُرْاٰنِ وَھُوَ عُیَیْنَۃُ بْنُ حِصْنٍ وَاَصْحَابُہٗ وَاتَّبَعَ ھَوٰىہُ فِی الشِّرْکِ وَکَانَ اَمْرُہٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ اِسْرَافًا وَقُلْ لَہٗ وَلِاَصْحَابِہٖ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ ۚ تَھْدِیْدٌ لَھُمْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ اَیِ الْکَافِرِیْنَ نَارًا اَحَاطَ بِھِمْ سُرَادِقُھَا ۚ مَا اَحَاطَ بِھَا وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ کَالْمُھْلِ کَعَکَرِ الزَّیْتِ یَشْوِی الْوُجُوْہَ ۚ مِنْ حَرِّہٖ اِذَا قُرِّبَ اِلَیْھَا بِئْسَ الشَّرَابُ ھُوَ وَسَآءَتْ اَیِ النَّارُ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾

تَمْيِيزٌ مَنْقُولٌ مِنَ الْفَاعِلِ اَیْ قَبُحَ مُرْتَفَقُهَا وَهُوَ مُقَابِلٌ لِقَوْلِهٖ الْاٰتِیْ فِی الْجَنَّةِ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا وَالْاِفَاقُ ارْتِفَاقٍ فِی النَّارِ **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾** اَلْجُمْلَةُ خَبَرُ اِنَّ الَّذِيْنَ وَفِيْهَا اِقَامَةُ الظَّاهِرِ مَقَامَ الْمُضْمَرِ وَالْمَعْنٰی اَجْرُهُمْ اَیْ نُثِيْبُهُمْ بِمَا تَضَمَّنَهٗ **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ** اِقَامَةٍ **تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ** قِيْلَ مِنْ زَائِدَةٌ وَقِيْلَ لِلتَّبْعِيْضِ وَهِیَ جَمْعُ اَسْوِرَةٍ كَاَحْمِرَةٍ جَمْعُ سِوَارٍ **مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ** مَارَقَّ مِنَ الدِّيْبَاجِ **وَّاِسْتَبْرَقٍ** مَا غَلُظَ مِنْهُ وَفِیْ اٰيَةِ الرَّحْمٰنِ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ **مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَی الْاَرَآئِكِ** جَمْعُ اَرِيْكَةٍ وَهِیَ السَّرِيْرُ فِی الْحَجَلَةِ وَهِیَ بَيْتٌ يُزَيَّنُ بِالثِّيَابِ وَالسُّتُوْرِ لِلْعُرُوْسِ **نِعْمَ الثَّوَابُ** اَلْجَزَاءُ الْجَنَّةُ **وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾**

ع ۱۶

ترجمہ:............ اور آپ کے پروردگار کی جو کتاب آپ پر وحی کے ذریعہ سے آئی ہے، اس کی تلاوت میں لگے رہیے، اللہ کی باتیں کوئی نہیں بدل سکتا اور اللہ کے سوا کوئی پناہ کا سہارا آپ کو نہیں ملے گا اور اپنے جی کو قانع کر لیجئے (سمجھا لیجئے) ان لوگوں کی صحبت میں جو صبح وشام اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں اس کی عبادت صرف اس کی خوشنودی کے لئے کرتے ہیں (اور کوئی دنیا کی غرض نہیں ہے، اس سے مراد فقراء صحابہ ہیں) ان کی طرف سے کبھی تمہاری نگاہیں پھرنے (ہٹنے) نہ پائیں دنیاوی زندگانی کی رونق کے خیال سے، جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا (قرآن سے بے توجہ بنا دیا عیینہ بن حصن اور اس کے ساتھی مراد ہیں) اور وہ اپنی خواہش (شرک) کے پیچھے پڑ گیا۔ آپ ایسے آدمی کی باتوں پر کان نہ دھریئے اس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے (آگے بڑھ گیا ہے) اور کہہ دو (عیینہ اور اس کے ساتھیوں سے کہ یہ قرآن) سچائی تمہارے پروردگار کی جانب سے ہے اب جو چاہے مانے اور جس کا جی چاہے نہ مانے (یہ دھمکی ہے) ہم نے ظالموں (کافروں) کے لئے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں (چادریں) چاروں سے طرف سے انہیں گھیر لیں گی، وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد کے جواب میں ایسا پانی ملے گا جیسے پگھلا ہوا سیسہ (یا تیل کا تلچھٹ) ہو وہ ان کے مونہوں کو پکا ڈالے گا (منہ کے قریب لانے سے بھی مارے تپش کے) کیا ہی برا پانی ہوگا (وہ) اور (دوزخ) کیا ہی بری جگہ ہوگی (لفظ مرتفقا، تمیز ہے، جو اصل ترکیب میں فاعل تھی اور عبارت اس طرح تھی "قبح مرتفقها" اس کے بعد جنت کے بیان میں وحسنت مرتفقا جو بیان فرمایا جا رہا ہے یہاں اسی کے تقابل کے لحاظ سے مرتفقا کہہ دیا گیا ہے۔ ورنہ جہنم میں ظاہر ہے کہ ارتفاق اور انتفاع نہیں ہوتا) بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے تو ہم ایسوں کا اجر ضائع نہیں کریں گے (جملہ انا لا نضیع الخ ان الذین الخ کی خبر ہے، بجائے ضمیر کے اسم ظاہر لایا گیا ہے یعنی ان کا اجر وہ ثواب ہوگا جو آگے بیان کیا جا رہا ہے) یہ لوگ ہیں جن کے لئے ہیشگی کے باغ ہوں گے اور باغوں کے تلے نہریں بہہ رہی ہوں گی، ان کو وہاں کنگن پہنائے جائیں گے (بعض کی رائے کے مطابق من اساور میں من زائد ہے اور بعض کے نزدیک من تبعیضیہ ہے، اساور، اسورۃ کی جمع ہے بروزن احمرۃ اور اسورۃ، سوار کی جمع ہے) سونے کے اور سبز رنگ کے باریک (مہین) ریشمی کپڑے اور دبیز (موٹے) ریشمی کپڑے پہنے ہوں گے (اور سورۂ رحمٰن کی آیت میں بطائنها من استبرق کے الفاظ ہیں) اور آراستہ مسندوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے (ارائک جمع ہے اریکۃ کی یہ ایک خاص

قسم کی مسہری ہوتی ہے جو دلہنوں کے لئے سجائی جاتی ہے جسے چھپر کھٹ کہتے ہیں) کیا ہی اچھا صلہ (جنت کی صورت میں بدلہ) ہے اور کیا ہی اچھی جگہ پائی ہے۔

تحقیق وترکیب:.......... **لا مبدل** یعنی قرآن بالکلیہ محفوظ ہے، اس میں ردوبدل اور تغیر کا احتمال نہیں ہے **واصبر الخ** یہ آیت سورۂ انعام کی آیت **ولا تطرد الخ** سے ابلغ ہے کیونکہ وہاں تو فقراء کو دھکے دینے کی ممانعت کی گئی ہے اور یہاں ان کی مراعات اور نشست وبرخاست کا حکم دیا جارہا ہے اور مراد اس سے حضرت صہیبؓ اور حضرت عمارؓ اور حضرت خبابؓ جیسے فقراء اسلام ہیں اور بعض کے نزدیک اصحاب صفہ مراد ہیں لا تعد یہ بطور فرض محال کے کہا جارہا ہے اور یا خطاب آپ کو کیا جارہا ہے مگر سنانا دوسروں کو ہے۔ **السرادق** خیمہ اور شامیانہ اور بلند دھواں اور سراپردہ وغیرہ معانی آتے ہیں۔ **مرتفقا** اصل میں اس کے معنی ہیں کہنی رخسار کے نیچے رکھنا لیکن آرام گاہ مراد ہے **مرتفقا** کو اسم فاعل کی بجائے تمیز کے ساتھ تعبیر کرنے میں مبالغہ اور تاکید مقصود ہے۔ **اساور** یہ جمع الجمع ہے سوار بمعنی کنگن کے، چونکہ زیورات زیادہ مرغوب ہوتے ہیں اس لئے لباس سے پہلے زیورات کا تذکرہ کیا، قرآن کریم میں ایک جگہ **اساور** کے ساتھ **من فضة** ہے۔ دوسری جگہ **من ذهب ولؤلؤا**۔ پس جنت میں تینوں طرح کے کنگن ہوں گے اور ممکن ہے بعض کو سب اور بعض کو بعض دیئے جائیں۔ **وفی آیة الرحمٰن** مفسر علامؒ کا مقصد اس استشہاد سے یہ ہے کہ سورۂ رحمٰن کی آیت سے بطانہ کا دبیز ہونا معلوم ہوا۔ پس ظہارہ (ابرہ) مہین ہونا چاہئے۔

ربط آیات:.......... بہت پہلے سے رسالت کی بحث چل رہی تھی کہ درمیان میں اس کی تاکید کے لئے اصحاب کہف کا قصہ بیان کردیا گیا۔ اب آیت **واتل الخ** سے پھر رسالت سے متعلق حقوق وآداب بیان کئے جارہے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ استغناء کے ساتھ تبلیغ کرنی چاہئے اور اس دعوت کو ماننے والے اپنی ظاہری شکستہ حالی کے باوجود، نہ ماننے والوں کے مقابلہ میں زیادہ قابل التفات ہیں۔

شان نزول:.......... چنانچہ شان نزول بھی ان آیات کا یہی ہے کہ کچھ رؤساء مشرکین نے آنحضرتؐ سے اس بات کی خواہش کی تھی کہ آپؐ ہمارے آنے کے وقت اپنی مجلس سے مسلمان فقراء غرباء کو ہٹادیا کیجئے کہ ان کے ساتھ بیٹھنے میں ہماری کسر شان ہے۔ جیسا کہ سورۂ انعام کی آیت **ولا تطرد الذین الخ** اور آیت **وانذر به الذین یخافون الخ** کے ذیل میں تفصیلات گزر چکی ہیں۔

﴿تشریح﴾:.......... آیت **واتل الخ** کا حاصل یہ ہے کہ آپ کتاب اللہ کی تلاوت میں مشغول رہئے، کلمات وحی نے جن باتوں کا اعلان کیا ہے انہیں کوئی بدل نہیں سکتا اور انقلاب حال کا وقت اب دور نہیں، جو ماننے والے نہیں ان کی فکر نہ کرو جو ایمان لائے ہیں اور شب وروز اللہ کی یاد میں مشغول رہتے ہیں وہی تمہارے لئے بہت ہیں۔ انہی میں جی لگاؤ، یہی دعوت حق کے چند بیج ہیں جو عنقریب ایک تناور درخت کی صورت اختیار کرلیں گے۔

آیت **واصبر الخ** کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب تک یہ لوگ مجلس سے نہ اٹھیں، آپؐ بیٹھے رہا کیجئے، بلکہ منشاء یہ ہے کہ حسب سابق ان غریبوں کو طویل صحبت اور طویل مجلس سے مشرف رکھئے۔ رہا یہ شبہ کہ کفار نے جب یہ وعدہ کرلیا تھا کہ آپؐ اگر ہمیں خصوصی مجلس کی اجازت دے دیں گے تو ہم مسلمان ہوجائیں گے، قابل قبول درخواست تھی۔ پھر آپؐ نے کیوں نہیں فرمایا؟

جواب یہ ہے کہ اللہ کو معلوم تھا کہ پھر بھی یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی کافر کسی مباح کام پر اپنے ایمان لانے کو معلق کردے تب بھی ایسا کرنا واجب نہیں ہوجاتا۔ مثلاً کوئی کہنے لگے کہ اگر مجھے ہزار روپیہ دو تو میں مسلمان

ہو جاتا ہوں تو کسی مسلمان پر اس روپیہ کا دینا واجب نہیں ہو جاتا۔ چہ جائیکہ کسی مکروہ کام کے کرنے پر اپنے ایمان لانے کو معلق کر دیا جائے تو اس صورت میں بدرجۂ اولیٰ اس فرمائش کو پورا نہیں کرایا جائے گا۔

آیت وقل الحق الخ میں فرمایا جارہا ہے، آخری اعلان کر دو کہ خدا کی سچائی سب کے سامنے آگئی اب جس کا جی چاہے مانے جس کا جی چاہے نہ مانے، جو مانیں گے ان کے لئے اجر ہوگا جو نہیں مانیں گے ان کے لئے عذاب تیار ہے۔

مردوں کے ہاتھوں میں کنگن جیسے زیورات کا ہونا دنیا میں اگرچہ عرف کی وجہ سے برا معلوم ہوتا ہے لیکن وہ بھی سب جگہ نہیں۔ جہاں مردوں کے پہننے کا دستور ورواج ہے وہاں قطعاً معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ اسی طرح آخرت کے عرف عام میں اسے برا نہیں سمجھا جائے گا دوسرے یہاں شرعی مانع کی وجہ سے برا سمجھا جاتا ہے اور وہاں وہ شرعی مانع نہیں رہے گا اس لئے برا نہیں معلوم ہوگا باقی سبز لباس سے مقصود حصر نہیں ہے بلکہ دوسری آیات میں تصریح ہے کہ جنت میں جس چیز کو جی چاہے گا وہ ملے گی۔ البتہ اس آیت میں سندس اور استبرق کو مطلق فرمایا گیا ہے لیکن سورۂ رحمٰن کی آیت میں بطائنها من استبرق فرمایا گیا ہے جس سے بقول مفسر علامؒ اشارۃً یہ مفہوم ہوسکتا ہے کہ استر جب دبیز ریشمی ہے تو ابرہ مہین ریشمی ہوگا چنانچہ دنیا میں بھی اکثر یہی رواج ہے۔

لطائف آیات:........آیت واصبر نفسك الخ میں ان فقراء کی صحبت کا حکم ہو رہا ہے جو اپنے مولیٰ کی خدمت کے لئے وقف اور سب سے منقطع ہو چکے ہیں "هم قوم لا یشقی جلیسهم" آیت لا تعد عیناك الخ میں مشائخ کے لئے حکم ہے کہ وہ اپنے مریدین اور طالبین پر توجہ رکھیں، ان سے اکتائیں نہیں آیت ترید زینة الحیوة الدنیا میں ان لوگوں کی برائی ہے جو مالداروں کی چاپلوسی اور خوشامد ان کے مال ودولت کی وجہ سے کرتے رہتے ہیں۔ آیت ولا تطع الخ میں غافل محجوبین کی طاعت سے روکا جارہا ہے اور اس اطاعت میں تواضع بھی داخل ہے کیونکہ زبان سے گو وہ اس کا طالب نہیں مگر حال سے اس کا طلب گار معلوم ہوتا ہے۔

وَاضْرِبْ اِجْعَلْ **لَهُمْ** لِلْكُفَّارِ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ **مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ** بَدَلٌ وَهُوَ وَمَا بَعْدَهٗ تَفْسِيْرٌ لِلْمَثَلِ **جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا** الْكَافِرِ **جَنَّتَيْنِ** بُسْتَانَيْنِ **مِنْ اَعْنَابٍ وَّ حَفَفْنٰهُمَا** اَحْدَقْنَاهُمَا **بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا﴿۳۲﴾** يُقْتَاتُ بِهٖ **كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ** كِلْتَا مُفْرَدٌ يَدُلُّ عَلَى التَّثْنِيَةِ مُبْتَدَاٌ **اٰتَتْ** خَبَرُهٗ **اُكُلَهَا** ثَمَرَهَا **وَلَمْ تَظْلِمْ** تَنْقُصْ **مِّنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا﴿۳۳﴾** يَجْرِيْ بَيْنَهُمَا **وَّكَانَ لَهٗ** مَعَ الْجَنَّتَيْنِ **ثَمَرٌ** بِفَتْحِ الثَّاءِ وَالْمِيْمِ وَضَمِّهِمَا وَبِضَمِّ الْاَوَّلِ وَسُكُوْنِ الثَّانِيْ وَهُوَ جَمْعُ ثَمَرَةٍ كَشَجَرَةٍ وَشَجَرٍ وَخَشَبَةٍ وَخُشُبٍ وَبَدَنَةٍ وَبُدْنٍ **فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ** الْمُؤْمِنِ **وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ** يُفَاخِرُهٗ **اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا﴿۳۴﴾** عَشِيْرَةً **وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ** بِصَاحِبِهٖ يَطُوْفُ بِهٖ فِيْهَا وَيُرِيْهِ اَثْمَارَهَا وَلَمْ يَقُلْ جَنَّتَيْهِ اِرَادَةً لِلرَّوْضَةِ وَقِيْلَ اِكْتَفٰى بِالْوَاحِدِ **وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ** بِالْكُفْرِ **قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ** تَنْعَدِمَ **هٰذِهٖۤ اَبَدًا﴿۳۵﴾ وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ** فِي الْاٰخِرَةِ عَلٰى زَعْمِكَ **لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا﴿۳۶﴾** مَرْجِعًا **قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ** يُجَاوِبُهٗ **اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ** لِاَنَّ اٰدَمَ خُلِقَ مِنْهُ **ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ** مَنِيٍّ **ثُمَّ سَوّٰىكَ**

عَدَلَكَ وَصَيَّرَكَ رَجُلًا﴿۳۷﴾ لٰكِنَّا اَصْلُهُ لٰكِنْ اَنَا نُقِلَتْ حَرَكَةُ الْهَمْزَةِ اِلَى النُّوْنِ وَحُذِفَتِ الْهَمْزَةُ ثُمَّ اُدْغِمَتِ النُّوْنُ فِي مِثْلِهَا هُوَ ضَمِيْرُ الشَّانِ يُفَسِّرُهُ الْجُمْلَةُ بَعْدَهُ وَالْمَعْنٰى اَنَا اَقُوْلُ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا﴿۳۸﴾ وَلَوْلَآ هَلَّا اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ عِنْدَ اِعْجَابِكَ بِهَا هٰذَا مَاشَآءَ اللّٰهُ لَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰهِ فِي الْحَدِيْثِ مَنْ اُعْطِيَ خَيْرًا مِنْ اَهْلٍ اَوْ مَالٍ فَيَقُوْلُ عِنْدَ ذٰلِكَ مَاشَآءَ اللّٰهُ لَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰهِ لَمْ يَرَفِيْهِ مَكْرُوْهًا اِنْ تَرَنِ اَنَا ضَمِيْرُ فَصْلٍ بَيْنَ الْمَفْعُوْلَيْنِ اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ جَوَابُ الشَّرْطِ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا جَمْعُ حُسْبَانَةٍ اَيْ صَوَاعِقٍ مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا﴿۴۰﴾ اَرْضًا مَلْسَاءَ لَا يَثْبُتُ عَلَيْهَا قَدَمٌ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا بِمَعْنٰى غَائِرًا عَطْفٌ عَلٰى يُرْسِلَ دُوْنَ تُصْبِحَ لِاَنَّ غَوْرَ الْمَاءِ لَا يَتَسَبَّبُ عَنِ الصَّوَاعِقِ فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا﴿۴۱﴾ حِيْلَةً تُدْرِكُهُ بِهَا وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ بَاَوْجُهِ الضَّبْطِ السَّابِقَةِ مَعَ جَنَّتِهٖ بِالْهَلَاكِ فَهَلَكَتْ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ نَدَمًا وَتَحَسُّرًا عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا فِيْ عِمَارَةِ جَنَّتِهٖ وَهِيَ خَاوِيَةٌ سَاقِطَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا دَعَائِمِهَا لِلْكَرْمِ بِاَنْ سَقَطَتْ ثُمَّ سَقَطَ الْكَرْمُ وَيَقُوْلُ يَا لِلتَّنْبِيْهِ لَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا﴿۴۲﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ فِئَةٌ جَمَاعَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِنْدَ هِلَاكِهَا وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا﴿۴۳﴾ عِنْدَ هِلَاكِهَا بِنَفْسِهٖ هُنَالِكَ اَيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الْوَلَايَةُ بِفَتْحِ الْوَاوِ النُّصْرَةُ وَبِكَسْرِهَا الْمُلْكُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ط بِالرَّفْعِ صِفَةُ الْوَلَايَةِ وَبِالْجَرِّ صِفَةُ الْجَلَالَةِ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا مِنْ ثَوَابِ غَيْرِهٖ لَوْكَانَ يُثِيْبُ وَّخَيْرٌ عُقْبًا﴿۴۴﴾ بِضَمِّ الْقَافِ وَسُكُوْنِهَا عَاقِبَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَنَصْبُهُمَا عَلَى التَّمْيِيْزِ

ترجمہ:.........اور آپ سنا دیجئے (بیان کر دیجئے) ان (کفار اور مسلمانوں) کو مثال ان دو شخصوں کی (یہ بدل ہے اور لفظ رجلین بعد کی عبارت سمیت، لفظ مثلا کی تفسیر ہے) ان میں سے ایک (کافر) کو ہم نے انگور کے دو باغ دیئے تھے اور ان کے اردگرد کھجور کے درختوں کی باڑ لگا رکھی تھی اور ان دونوں باغوں کے بیچ کی زمین میں ہم نے کھیتی بھی لگا رکھی تھی (جس سے کھانے پینے کا کام چلتا تھا) دونوں باغ (کلتا مفرد ہے تثنیہ کے معنی میں اور ترکیب میں مبتداء ہے) اپنا پورا پھل دیتے تھے (یہ خبر ہے) اور کسی کے پھل میں ذرا بھی کمی نہیں رہتی تھی اور ان باغوں کے درمیان ایک نہر جاری کر رکھی تھی (جو وہاں بہہ رہی تھی) اور اس شخص کے پاس (ان باغوں کے علاوہ) اور بھی سامان تمول تھا (ثمر میں تین لغت ہیں فتحتین کے ساتھ اور ضمتین کے ساتھ اور ضم اول اور سکون ثانی کے ساتھ، ثمرۃ کی جمع ہے جیسے علی الترتیب شجرۃ کی جمع شجر اور خشبۃ کی جمع خشب اور بدنۃ کی جمع بدن آتی ہے) چنانچہ اپنے (مسلمان) دوست سے ایک دن ادھر ادھر کی (فخریہ) باتیں کرتے ہوئے بولا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور میرا جتھہ (مجمع) بھی زیادہ ہے اور وہ اپنے باغ میں پہنچا (ساتھی کو لے کر گھما پھرا رہا تھا پھل پھلاری دکھلا رہا تھا۔ یہاں حق تعالیٰ نے جنتیہ تثنیہ استعمال نہیں فرمایا مطلقا باغ مراد لیتے ہوئے اور بعض کی رائے ہے کہ صرف ایک ہی باغ دکھلانے پر اکتفا کیا ہے) اپنے اوپر جرم (کفر) قائم کرتے

ہوئے کہنے لگا کہ میں نہیں سمجھتا کہ ایسا شاداب باغ کبھی ویران (برباد) بھی ہوسکتا ہے اور مجھے توقع نہیں کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر بالفرض میں اپنے پروردگار کے پاس پہنچایا گیا بھی (اے دوست بقول تمہارے آخرت میں) تو یار لوگ وہاں بھی مزے کریں گے۔ یہ سن کر اس کے دوست نے (گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے) جواب کے طور پر کہا کیا تم اس ہستی کا انکار کرتے ہو جس نے پہلے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا (کیونکہ حضرت آدمؑ مٹی سے پیدا ہوئے) پھر نطفہ سے پیدا کیا اور پھر صحیح سالم (اچھا خاصا) آدمی بنادیا لیکن میں تو یقین رکھتا ہوں (اس کی اصل "لکن انا" ہے ہمزہ کی حرکت نون کو دے کر ہمزہ حذف کردیا گیا ہے اور نون کو نون میں ادغام کردیا گیا ہے) وہی (لفظ ھو ضمیر شان ہے جس کی تفسیر بعد والا جملہ کررہا ہے حاصل معنی یہ ہوئے میرا یقین ہے کہ) اللہ میرا پروردگار ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور پھر جب تم اپنے باغ میں پہنچے (تو اس کی شادابیاں دیکھتے ہی یہ) کیوں نہ کہا کہ ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے اس کی مدد کے بغیر کوئی کچھ نہیں کرسکتا؟ (حدیث میں ہے کہ جو شخص مال و اولاد کے ملنے پر ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ پڑھے اسے کوئی ناگوار بات پیش نہیں آسکتی) اور یہ جو تمہیں دکھائی دے رہا ہے کہ میں (لفظ انا دو مفعولوں کے درمیان ضمیر منفصل ہے) تم سے مال و اولاد میں کمتر ہوں کیا عجب ہے میرا پروردگار تمہارے اس باغ سے بھی بہتر مجھے دے دے (جواب شرط ہے) اور تمہارے باغ پر کوئی تقدیری آفت (حسبان جمع حسبانۃ کی ہے یعنی بجلی کی کڑک) آسمان سے بھیج دے جس سے وہ باغ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے (پھسلواں زمین کہ جس پر پاؤں بھی رپٹ جائیں) یا پھر اس کی نہر کا پانی بالکل ہی نیچے اتر جائے (غور بمعنی غائر ہے اس کا عطف لفظ یرسل پر ہوگا نہ کہ تصبح پر کیونکہ پانی اترنے کا سبب بجلی اور کڑک نہیں ہوا کرتی) اور پھر کسی طرح بھی اس تک نہ پہنچ سکو (تمہاری کوئی کوشش بھی کامیاب نہ ہوسکے) اور پھر ایسا ہی ہوا کہ اس کی دولت گھیرے میں آگئی (لفظ ثمر میں وہی تین لغات ہیں جن کا بیان پہلے گزر چکا بمع باغ کے سب پھل پھلاری تباہ و برباد ہوگئے) اور وہ (حسرت وندامت کے ساتھ) ہاتھ مل مل کر افسوس کرنے لگا کہ (ان باغوں کی درستگی پر) میں نے کیا کچھ خرچ کیا تھا اور اب حال یہ ہے کہ باغ کی ساری ٹٹیاں گر کر زمین کے برابر ہوگئی ہیں (انگور کی بیلیں جن ٹیٹوں پر چڑھیں تھیں وہ بھی برباد ہوئیں اور انگور بھی) اب وہ کہتا ہے کہ اے کاش میں (یا تنبیہ کے لئے ہے) اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا، اور کوئی ایسا جتھا (مجمع) نہ ہوا (یکن تا اور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے) جو اللہ کے سوا (بربادی کے وقت) اس کی مدد کرتا۔ اور نہ (اپنی بربادی کے وقت) خود بدلہ لے سکا۔ ایسے موقعہ پر (قیامت کے دن) مدد کرنا (ولایۃ فتح واو کے ساتھ بمعنی مدد کرنا اور کسرہ واؤ کے ساتھ بمعنی مالک ہونا ہے) اللہ برحق ہی کا کام ہے (الحق رفع کے ساتھ ولایۃ کی صفت ہے اور جر کی حالت میں اللہ کی صفت ہوگی) وہی ہے جو سب سے بہتر ثواب دینے والا ہے (اس کے سوا اگر کوئی ثواب دے سکتا ہو) اور اسی کے ہاتھ بہتر انجام ہے (عقبا ضم قاف اور سکون قاف کے ساتھ ہے اور مسلمانوں کا انجام مراد ہے اور ثوابا اور عقبا دونوں لفظوں کا منصوب ہونا بر بناء تمیز ہے)۔

تحقیق وترکیب:.......... واضرب بعض حضرات کی رائے میں یہ واقعہ مکہ کے بنی مخزوم کے دو اشخاص ابوسلمہ عبداللہ بن عبد الاسد اور اسود بن اسد سے متعلق ہے ان میں سے پہلا مسلمان اور دوسرا بھائی کافر تھا اور بعض کے نزدیک عیینہ اور اس کے رفقاء اور حضرت سلمانؓ اور ان کے اصحاب کا ہے عیینہ اور سلمانؓ کو بنی اسرائیل کے دو بھائیوں سے تشبیہ دی گئی ہے جن میں ایک دین برحق پر اور دوسرا غلط راہ پر تھا، ان دونوں کے باپ نے مرنے کے وقت آٹھ ہزار اشرفیاں چھوڑیں جو ان دونوں بھائیوں نے بانٹ لیں، دنیادار بھائی نے تو ایک ہزار اشرفیوں کی زمین خرید لی لیکن دیندار بھائی کہنے لگا کہ اے اللہ میرے بھائی نے تو باغ خرید لیا ہے اور میں ایک ہزار اشرفیاں تیری راہ میں نثار کر کے جنت کماتا ہوں، پھر جب ایک ہزار اشرفیوں میں دنیادار بھائی نے مکان بنایا تو دیندار نے پھر کہا

کہ میں ایک ہزار میں جنت کا مکان خریدتا ہوں، پھر جب ایک ہزار لٹا کر دنیا دار بھائی نے شادی رچائی، تو دیندار بھائی نے ہزار اشرفیاں راہ مولیٰ میں نچھاور کرتے ہوئے حور جنت کی توقع باندھی اسی طرح ایک ہزار اشرفیوں سے دنیادار بھائی نے اور سامان آرائش فراہم کیا مگر دیندار بھائی نے یہاں بھی سامان آخرت کی نیت سے ہزار اشرفیاں خیرات کیں، خالی ہاتھ ایک روز راستہ میں امیر بھائی سے ملاقات ہوگئی جو نہایت شان وشوکت اور تزک واحتشام سے چل رہا تھا۔ اس وقت ان دونوں بھائیوں میں تبادلۂ خیالات ہوا۔ **فقال لصاحبه** اس گفتگو میں کافر بھائی نے تین باتیں کہی ہیں اور تینوں مہمل ہیں۔ یعنی **انا اکثر منک** اور **دخل جنته** اور **وما اظن الساعة قائمة ولئن رددت** یہ علیٰ سبیل الفرض کہہ رہا ہے ورنہ کافر بھائی قیامت کا تو منکر تھا **منقلباً** مفسر علامؒ نے اشارہ کر دیا کہ یہ تمیز ہے اور ویسے انقلاب سے ماخوذ ہے ظرف کا صیغہ ہے **لکنا** یہ اصل میں **لکن** ہے۔ مصحف عثمانی میں الف کے ساتھ لکھا ہوا ہے اس لئے تمام قراء وقف کے وقت الف پڑھتے ہیں البتہ وصل کی حالت میں اختلاف ہے۔ **ولولا** اصلی عبارت اس طرح تھی ولو لا قلت اذ دخلت۔

ربط آیات اور شان نزول: .... پچھلی آیات میں آداب تبلیغ بیان کرتے ہوئے کفار کی اس درخواست کا رد تھا کہ ہمارے لئے خصوصی مجلس کی جائے جس میں غریب مسلمان شریک نہ ہوسکیں، اب ان آیات میں ایک واقعہ کے ذیل میں مال دنیا کا حقیر اور بے حقیقت ہونا بتلا کر اس کے منشاء پر رد کرنا ہے یعنی مالی غرور اور گھمنڈ ایک بے کار چیز ہے۔

﴿تشریح﴾: .... گذشتہ آیات میں فرمایا تھا جس کا جی چاہے مانے جس کا جی چاہے نہ مانے، جو نہ مانیں گے انہیں اپنی بدعملیوں کا نتیجہ بھگتنا ہے، جو مانیں گے ان کے لئے ان کی نیک عملیوں کا اجر ہے۔ پھر اخروی عذاب وثواب کا نقشہ کھینچا تھا کہ منکروں کے لئے آگ کی جلن ہوگی، مومنوں کے لئے ہمیشگی کے باغ، اب یہ حقیقت واضح کی جارہی ہے کہ آخرت کی طرح دنیا میں بھی منکرین دعوت کو محرومیاں ملنے والی ہیں وہ اپنی موجودہ خوشحالیوں پر مغرور نہ ہوں اور نہ مومن اپنی موجودہ بے سروسامانیاں دیکھ کر دل تنگ ہوجائیں۔ دنیا کی خوشحالیوں کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے وہ جب مٹنے پر آتی ہیں تو لمحوں میں مٹ جاتی ہیں اور انسان کی کوئی تدبیر وکوشش اسے نہیں بچاسکتی۔ چنانچہ اس واقعہ سے اس کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔ یہ واقعہ کب اور کہاں پیش آیا؟ قرآن کریم میں اس قصہ کا تذکرہ نہایت مجمل ہے، کسی کا نام، نشان نہیں بتلایا گیا۔ اسی لئے بعض حضرات نے اس قصہ کو فرضی کہہ کر اس طرح تقریر کی ہے، فرض کرو، دو آدمی ہیں، ایک کو سب کچھ میسر ہے، دوسرے کو کچھ میسر نہیں ہے، پہلا گھمنڈ میں آکر دوسرے کو حقیر سمجھ بیٹھتا ہے اور کہنے لگتا ہے دیکھو میں تم سے زیادہ خوش حال ہوں، اور میری خوشحالی کبھی بگڑنے والی نہیں ہے۔ دوسرا اسے سمجھاتا ہے کہ ان خوشحالیوں پر مغرور نہ ہو، کون جانتا ہے کہ پل کے پل میں کیا سے کیا ہوجائے۔ چنانچہ ایک دوسرے روز کیا ہوا کہ اس کے سارے وہ باغ جن کی شادابیوں پر اسے ناز تھا اچانک اجڑ گئے اور وہ اپنی نامرادیوں پر کف افسوس ملتا رہ گیا۔

اس مثال میں خوش حال آدمی سے مراد رؤسائے مکہ ہوئے اور دوسرے آدمیوں سے مقصود مسلمان اور اہل ایمان ہیں۔ لیکن بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ واقعہ فرضی نہیں بلکہ واقعی ہے جس کی طرف عنوان تحقیق میں کچھ اشارات گزر چکے ہیں۔ درمنثور میں ابو عمرو شیبانی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ شام کے ملک میں نہر رملہ کا یہ واقعہ ہے اور چونکہ مقصد تفصیل پر موقوف نہیں اس لئے واقعہ کو بالا جمال ذکر کرنا کافی سمجھا گیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ کفار مکہ کے اس گھمنڈ اور غرور کی بنیاد مال ودولت ہے جو اصل سے بے حقیقت ہے اس لئے اس پر بنائی ہوئی خیالی عمارت بھی بے بنیاد ہے، تاریخی جھروکہ سے جھانک کر دیکھیں، دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کی بے شمار مثالیں

انہیں نظر آئیں گی کہ دم کے دم میں کایا پلٹ کر رہ گئی ہے اور عرش نشین فرش نشین بن کر رہ گئے۔ اس لئے انسان کی نظر ان عارضی اور خارجی بلندیوں پر نہیں رہنی چاہیئے۔ بلکہ ذاتی کمال اور جوہر اصلی پر رہنی چاہیئے پھر جس طرح اس واقعہ میں کفار کے بے جا گھمنڈ کو چکنا چور کیا گیا ہے۔ اسی طرح غریب مسلمانوں کو تسلی اور تشفی بھی دی گئی کہ وہ ناداری کا غم نہ کریں کہ عارضی ہے اور دولت عقبیٰ کے حصول پر شکر کریں کہ دائمی ہے کیوں کہ یہ دنیا کی خوشحالیاں آخر کیا ہیں؟ محض چار گھڑی کی دھوپ اس سے زیادہ انہیں قرار نہیں اور اس سے زیادہ ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

لطائف آیات:............آیت واضرب الخ میں مغرور مالداروں کو تنبیہ اور غریب متوکلین کے لئے تسلی ہے۔

وَاضْرِبْ صَيِّرْ **لَهُمْ** لِقَوْمِكَ **مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** مَفْعُوْلٌ اَوَّلٌ **كَمَآءٍ** مَفْعُوْلٌ ثَانٍ **اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ** تَكَاثَفَ بِسَبَبِ نُزُوْلِ الْمَاءِ **نَبَاتُ الْاَرْضِ** وَامْتَزَجَ الْمَاءُ بِالنَّبَاتِ فَرَوِيَ وَحَسُنَ **فَاَصْبَحَ** فَصَارَ النَّبَاتُ **هَشِيْمًا** يَابِسًا مُتَفَرِّقَةً اَجْزَاءُهٗ **تَذْرُوْهُ** تُثِيْرُهٗ وَتُفَرِّقُهٗ **الرِّيٰحُ** فَتَذْهَبُ بِهٖ اَلْمَعْنٰى شَبَّهَ الدُّنْيَا بِنَبَاتٍ حَسَنٍ فَيَبِسَ وَتَكَسَّرَ فَفَرَّقَتْهُ الرِّيَاحُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ الرِّيْحُ **وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا﴿۴۵﴾** قَادِرًا **اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** يُتَجَمَّلُ بِهِمَا فِيْهَا **وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ** هِيَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَزَادَ بَعْضُهُمْ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ **خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا﴿۴۶﴾** اَيْ مَا يَأْمُلُهُ الْاِنْسَانُ وَيَرْجُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى **وَ** اذْكُرْ **يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ** يُذْهَبُ بِهَا عَنْ وَجْهِ الْاَرْضِ فَتَصِيْرُ هَبَاءً مُّنْبَثًّا وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالنُّوْنِ وَكَسْرِ الْيَاءِ وَنَصْبِ الْجِبَالَ **وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً** ظَاهِرَةً لَيْسَ عَلَيْهَا شَيْءٌ مِنْ جَبَلٍ وَلَا غَيْرِهٖ **وَّحَشَرْنٰهُمْ** الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ **فَلَمْ نُغَادِرْ** نَتْرُكْ **مِنْهُمْ اَحَدًا﴿۴۷﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا** حَالٌ اَيْ مُصْطَفِيْنَ كُلُّ اُمَّةٍ صَفٌّ وَيُقَالُ لَهُمْ **لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ** اَيْ فُرَادٰى حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا وَيُقَالُ لِمُنْكِرِي الْبَعْثِ **بَلْ زَعَمْتُمْ اَنْ** مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ اَيْ اَنَّهٗ **لَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا﴿۴۸﴾** لِلْبَعْثِ **وَوُضِعَ الْكِتٰبُ** اَيْ كِتَابُ كُلِّ امْرِئٍ فِيْ يَمِيْنِهٖ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَفِيْ شِمَالِهٖ مِنَ الْكَافِرِيْنَ **فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ** الْكَافِرِيْنَ **مُشْفِقِيْنَ** خَائِفِيْنَ **مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ** عِنْدَ مُعَايَنَتِهِمْ مَا فِيْهِ مِنَ السَّيِّئَاتِ **يَا** لِلتَّنْبِيْهِ **وَيْلَتَنَا** هَلَكَتَنَا وَهُوَ مَصْدَرٌ لَا فِعْلَ لَهٗ مِنْ لَفْظِهٖ **مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً** مِنْ ذُنُوْبِنَا **اِلَّآ اَحْصٰهَا** عَدَّهَا وَاَثْبَتَهَا تَعَجَّبُوْا مِنْهُ فِيْ ذٰلِكَ **وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا** مُثْبَتًا فِيْ كِتَابِهِمْ **وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴿۴۹﴾** لَا يُعَاقِبُهٗ بِغَيْرِ جُرْمٍ وَلَا يَنْقُصُ مِنْ ثَوَابِ مُؤْمِنٍ

ع ۶ ۵ ۱۸

ترجمہ:............اور (اے پیغمبر) آپ انہیں (اپنی قوم کو) دنیا کی زندگی کی مثال سنا دیجئے (یہ مفعول اول ہے اضرب بمعنی صیر

کا) اس کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا (یہ دوسرا مفعول ہے) اور زمین کی روئیدگی اس سے مل جل کر ابھر آئی (بارش کا پانی مٹی میں مل کر زمین کی پیداوار میں تراوٹ اور تازگی آ گئی اور خوب پھلی پھولی) پھر سب کچھ سوکھ کر چورا چورا ہو گیا (گھاس پھوس خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو گئی) ہوا کے جھونکے اسے اڑا کر منتشر کر رہے ہیں (ہوا انہیں لئے لئے پھرتی ہے حاصل یہ ہے کہ دنیا کی مثال ایک ایسی گھاس کی ہے جو پہلے تروتازہ تھی پھر سوکھ کر چورا چورا ہو گئی اور ہوا میں اڑ گئی، ایک قرأت میں ریاح کی بجائے ریح کا لفظ ہے) اور کون سی بات ہے جس کے کرنے پر اللہ قادر نہیں ہے؟ مال و دولت، آل و اولاد، دنیوی زندگی کی دلفریبیاں ہیں (جن سے اس دنیا کی رونق ہے) اور جو نیکیاں باقی رہنے والی ہیں (یعنی سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر اور بعض نے اس میں لا حول ولا قوۃ الا باللہ کا اضافہ کیا ہے) وہ آپ کے پروردگار کے نزدیک بلحاظ اجر و ثواب کے ہزار درجہ بہتر ہیں اور وہی ہیں جن کے نتائج سے بہتر امید کی جا سکتی ہے (انسان جو امید اور توقع اللہ سے قائم کر لے) اور (اس دن کا یاد کرنا چاہئے) جب ہم پہاڑوں کو چلائیں گے (زمین سے ہنکا دیئے جائیں گے ریگ رواں کی طرح ہو جائیں گے اور ایک قرأت میں بجائے یسیر کے نسیر نون کے ساتھ اور کسر یاء کے ساتھ ہے اور جبال منصوب ہے) اور آپ زمین کو دیکھیں گے، کھلا میدان پڑا ہے (بالکل صاف، نہ اس پر پہاڑ ہوگا اور نہ کچھ اور) اور ہم سب (مسلمان اور کافروں) کو اکٹھا کریں گے اور ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے اور ان سب کی صفیں تمہارے پروزدگار کے روبرو پیش ہوں گی (لفظ صفا ترکیب میں حال ہے یعنی ہر جماعت صف بستہ ہو کر برابر برابر کھڑی ہوگی، ان سے کہا جائے گا) دیکھو جس طرح تمہیں ہم نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا آخر پھر تم ہمارے پاس اسی طرح آئے بھی (یعنی ایک ایک کر کے الگ الگ ننگے پاؤں، ننگے بدن، بغیر ختنہ کے، اور منکرین قیامت سے کہا جائے گا) مگر تم نے خیال کیا تھا کہ ہم نے (ان مخففہ ہے اصل انہ ہے) تمہارے لئے (قیامت کا) کوئی وقت نہیں ٹھہرایا ہے۔ اور نامۂ اعمال رکھ دیا جائے گا (یعنی ہر انسان کا اعمالنامہ سامنے آ جائے گا نیک لوگوں کا داہنے ہاتھ میں اور بدکاروں کا بائیں ہاتھ میں) اس وقت آپ دیکھیں گے کہ جو کچھ ان میں لکھا ہوا ہوگا مجرم (کافر) اس سے ہراساں (خائف) ہو رہے ہوں گے وہ چیخ اٹھیں گے (اپنی بربادی دیکھ کر) ہائے (یہ کلمہ تنبیہ کے لئے آتا ہے) ہماری کمبختی (یہ مصدر ہے لیکن لفظوں میں اس کا فعل نہیں آتا) یہ نامۂ اعمال کیسا ہے؟ کہ (ہمارے گناہوں کی) کوئی بات بڑی ہو یا چھوٹی اس سے چھوٹی ہوئی نہیں ہے۔ سب قلمبند ہے (منضبط اور ٹکی ہوئی ہے جسے دیکھ کر یہ حیرت زدہ رہ جائیں گے) غرضیکہ جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب اپنے سامنے (نامۂ عمل میں لٹکا ہوا) موجود پائیں گے اور آپ کا پروردگار کسی پر زیادتی نہیں کرتا (کہ کسی کو بلا جرم کے سزا دیدے یا کسی کی نیکی میں کمی کر دے)۔

تحقیق و ترکیب: .... **اضرب** کے بعد ضمیر لا کر مفسر علامؒ اشارہ کر رہے ہیں کہ اضرب بمعنی اذکر ہے **مثل الحیاۃ** یہ مشبہ ہے اور ہیئت ماء مشبہ بہ ہے اس صورت میں کاف تشبیہ کے لئے ہوگا اور اگر ان دونوں کو مفعولین کہا جائے تو کاف زائد ہو جائے گا۔ **ھشیما**۔ قاموس میں اس کے معنی چورا کرنے کے ہیں۔ **المال** اس کا ایک مقدمہ محذوف ہے۔ پوری دلیل اس طرح ہے المال والبنون زینۃ الحیوۃ و کل ما ھو زینتھا فھو ھالك نتیجہ یہ نکلا کہ المال والبنون ھالکان وما ھو ھالك فلا یفتخر بہ۔ فالمال والبنون لا یفتخر بھما۔ **زینۃ** مصدر ہے بمعنی اسم مفعول اسی لئے مال اور بنون دونوں کی خبر واقع ہے **باقیات** بیضاوی میں ہے کہ وہ اعمال صالحہ مراد ہیں جن کا ثمرہ ابدی ہو جیسے نماز، روزہ، حج اور پاکیزہ کلام وغیرہ، خیر چونکہ دنیا کی آرائش میں کوئی بہترائی نہیں اس لئے یہ تفضیل کے لئے نہیں ہے اور یا کہا جائے کہ جاہلوں کے گمان کے اعتبار سے گفتگو کی جا رہی ہے کہ وہ زینت دنیا میں بہترائی سمجھتے ہیں۔ **حشرناھم** ماضی کے ساتھ تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ پہاڑوں کے چلنے اور زمین کے چٹیل میدان بننے سے پہلے حشر ہوگا تاکہ

قدرت کی ان بڑی نشانیوں کولوگ دیکھ سکیں۔ نغادر غدر کے معنی ترک کے ہیں غداری ترک وفا کو کہتے ہیں۔ غدیر تالاب کو کہتے ہیں لانه ماتر که السیل صفا حال ہے اور بعض نے جمیعا اور بعض نے قیاما کے معنی لئے ہیں۔ حدیث قدسی ہے کہ حق تعالیٰ باآواز بلند فرمائیں گے۔ یا عبادی انا الله لا اله الا الله انا ارحم الراحمین واحکم الحاکمین واسرع الحاسبین یا عبادی لا خوف علیکم الیوم ولا انتم تحزنون احضروا حجتکم ویسروا جوابکم فانکم مسئولون محاسبون یا ملائکتی اقیموا عبادی صفوفا علی اطراف انامل اقدامهم للحساب اور مصفین کہہ کر مفسرؒ نے اشارہ کر دیا کہ یہ مفرد بمنزلہ جمع کے ہے جیسے ثم یخرجکم طفلا بمعنی اطفالا ہے، اس وقت لوگوں کی پانچ صفیں ہوں گی۔ ایک صف انبیاء کی، دوسری اولیاء کی، تیسری مومنین کی، چوتھی کفار کی، پانچویں منافقین کی۔ حفاۃ جمع حاف کی ننگے پاؤں کے معنی ہیں۔ عراۃ عار کی جمع ہے ننگے بدن غرلا اغرل کی جمع ہے بمعنی غیر مختون۔

ربط آیات:............ جس طرح پچھلی آیات میں ایک جزئی مثال کے ذیل میں، دنیا کے مال وجاہ کا فانی اور حقیر ہونا اور اخروی زندگی کا باقی اور وقیع ہونا ذکر کیا گیا تھا اسی طرح ان آیات میں ایک کلی تمثیل کے ضمن میں دنیا کی ناپائیداری اور اعمال صالحہ کا باقی رہنا اور پھر بعض واقعات قیامت کے ذکر سے آخرت کا قابل اہتمام ہونا اور مخالفت کا لائق پرہیز ہونا ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿تشریح﴾:............ حاصل آیات یہ ہے کہ دنیا کی یہ خوش حالیاں کیا ہیں؟ محض چار گھڑی کی دھوپ اور چار دن کی چاندنی، اس سے زیادہ انہیں قرار نہیں اس سے زیادہ ان کی کوئی قدر وقیمت نہیں۔ دنیوی زندگی کی مثال ایسی سمجھنی چاہیئے جیسے زمین کا سبزہ، کہ آسمان سے پانی برستا ہے تو طرح طرح کے پھل پھول اور قسم قسم کی نیرنگیوں سے زمین کی گود بھر جاتی ہے اور اس کا چپہ چپہ بہشت زار بن جاتا ہے جس طرف نظر اٹھا کر دیکھو پھولوں کا حسن وجمال ہے، رنگتوں کا نکھار ہے، لیکن زمانہ بہار بیت جانے کے بعد پھر کیا ہوتا ہے؟ وہی کھیت اور باغ جس کی ڈالیاں اور شاخیں زندگی کا سرمایہ اور بخششوں کا خزانہ تھیں، خزاں کی ہوائیں چلتی ہیں تو ہر طرف پت جھڑ شروع ہو جاتی ہے درخت ننگے ہو جاتے ہیں، زمین پر خاک دھول اڑنے لگتی ہے، ایک ہو کا عالم نظر آنے لگتا ہے، بھوسے کے ذرے جنہیں ہوائیں اڑائے اڑائے پھرتی ہیں۔ اب نہ انہیں کوئی بچانا چاہتا ہے اور نہ اب وہ کسی مصرف کے رہتے ہیں بہت کام دیں گے تو جلنے کے لئے چولہے میں جھونک دیئے جائیں گے۔

قرآن کریم کی دی ہوئی مثال جامع ترین ہے:............ دنیاوی زندگی میں انسان کی جدوجہد کی یہ کیسی جامع مثال ہے جس پہلو سے بھی دیکھو گے اس سے بہتر مثال نہیں ملے گی۔ چنانچہ دنیا کی دلفریبیاں جب نکھرتی ہیں تو ٹھیک ان کا یہی حال ہوتا ہے یعنی وہ عارضی ہوتی ہیں پائیدار نہیں ہوتیں، قدرت نے ان کے لئے جو وقت مقرر کر رکھا ہے جونہی وہ پورا ہوا، پھر کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ دیکھئے زمین ایک ہے پانی بھی ایک ہی طرح کا ہے، روئیدگی بھی ایک ہی طرح پر ہوتی ہے مگر پھل یکساں نہیں آتے۔ **وفی الارض قطع متجاورات وجنٰت من اعناب وزرع ونخیل صنوان وغیر صنوان یسقٰی بماء واحد ونفضل بعضها علی بعض فی الاکل ان فی ذٰلك لاٰیٰت لقوم یعقلون** یہی حال دنیاوی زندگی کا ہے زندگی ایک طرح کی ہے ہر زندگی کا پھل یکساں نہیں، فطرت کی بخشش سب کی یکساں رکھوالی کرتی ہے۔ مگر سب ایک طرح کا پھل نہیں لاتے۔ کوئی اچھا ہوتا ہے کوئی ناقص، کوئی بالکل نکما۔

تاثیر کے لئے فاعل کی طرح قابل کی بھی ضرورت ہے: .... یہی حال انسانی طبائع اوران کی تاثیرات کا ہے قدرت اورفطرت کی بخشائشیں سب کے لئے یکساں ہیں مگر بقدرظرف واستعدادلوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں۔کہیں گل ریحان اورلالہ وسنبل اگتے ہیں اورکہیں خار دار جھاڑیاں۔عذاب وثواب اورسعادت وشقاوت کا مسئلہ بھی ان سے حل ہوگیا۔تم زمین میں کیوں کاشت کرتے ہو؟دانے اورپھل کے لئے، پتوں اورشاخوں کے لئے نہیں،فصل جب پکتی ہے تو دانے لے لیتے ہوجس میں تمہارے لئے نفع ہے باقی سب کچھ چھانٹ دیتے ہوجس میں نفع نہیں۔یہی حال دنیاوی زندگی کا سمجھئے۔فطرت نے انسانی وجودکی کاشت کی ہےاس لئے کہ کون درخت اچھا پھل لاتا ہے۔ایکم احسن عملا پس جواچھےعمل کا پھل لاتا ہے وہ اسے لے لیتی ہے اور باقی جو کچھ بچ جاتا ہے اسے چھانٹ دیتی ہے تم سوکھی شاخوں اور پتوں کا کیا کرتے ہو؟چولہے میں جلاتے ہو،اس نے بھی ایک چولہا گرم کررکھا ہے جس کا نام دوزخ ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ روساءمشرکین جن چیزوں پرفخر کرتے ہیں انہوں نے ان کا حال اور مآل تو سن لیا اورجن غرباءکوحقیر سمجھے ہیں ان کی باقیات صالحات (نیکیوں) کا دولت لازوال ہونا معلوم کرلیا اب بھی انہیں عقل نہ آئے تو چھوڑیئے۔

وَاِذْ مَنْصُوْبٌ بِاُذْكُرْ **قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ** سُجُوْدَ اِنْحِنَاءٍ لَا وَضْعَ جَبْهَةٍ تَحِيَّةً لَهٗ **فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ** قِيْلَ هُمْ نَوْعٌ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ فَالْاِسْتِثْنَاءُ مُتَّصِلٌ وَقِيْلَ هُوَ مُنْقَطِعٌ وَاِبْلِيْسُ اَبُو الْجِنِّ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ذُكِرَتْ مَعَهٗ بَعْدُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ لَا ذُرِّيَّةَ لَهُمْ **فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ** اَيْ خَرَجَ عَنْ طَاعَتِهٖ بِتَرْكِ السُّجُوْدِ **اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ** اَلْخِطَابُ لِاٰدَمَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَالْهَاءُ فِي الْمَوْضِعَيْنِ لِاِبْلِيْسَ **اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ** تُطِيْعُوْنَهُمْ **وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ** اَيْ اَعْدَاءٌ حَالٌ **بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾** اِبْلِيْسُ وَذُرِّيَّتُهٗ فِيْ اِطَاعَتِهِمْ بَدَلَ اِطَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى **مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ** اَيْ اِبْلِيْسُ وَذُرِّيَّتُهٗ **خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪** اَيْ لَمْ اُحْضِرْ بَعْضُهُمْ خَلْقَ بَعْضٍ **وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ** الشَّيَاطِيْنَ **عَضُدًا ﴿۵۱﴾** اَعْوَانًا فِي الْخَلْقِ فَكَيْفَ تُطِيْعُوْنَهُمْ **وَيَوْمَ** مَنْصُوْبٌ بِاُذْكُرْ **يَقُوْلُ** بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ **نَادُوْا شُرَكَآءِيَ** الْاَوْثَانَ **الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ** لِيَشْفَعُوْا لَكُمْ بِزَعْمِكُمْ **فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ** لَمْ يُجِيْبُوْهُمْ **وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ** بَيْنَ الْاَوْثَانِ وَعَابِدِيْهَا **مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾** وَادِيًا مِنْ اَوْدِيَةِ جَهَنَّمَ يُهْلَكُوْنَ فِيْهَا جَمِيْعًا وَهُوَ مِنْ وَبَقَ بِالْفَتْحِ هَلَكَ **وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا** اَيْ اَيْقَنُوْا **اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا** اَيْ وَاقِعُوْنَ فِيْهَا **وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾** مَعْدِلًا **وَلَقَدْ صَرَّفْنَا** بَيَّنَّا **فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ** صِفَةٌ لِمَحْذُوْفٍ اَيْ مَثَلًا مِنْ جِنْسِ كُلِّ مَثَلٍ لِيَتَّعِظُوْا **وَكَانَ الْاِنْسَانُ** اَيِ الْكَافِرُ **اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾** خُصُوْمَةً فِي الْبَاطِلِ وَهُوَ تَمْيِيْزٌ مَنْقُوْلٌ مِنْ اِسْمِ كَانَ الْمَعْنٰى وَكَانَ جَدَلُ الْاِنْسَانِ اَكْثَرَ شَيْءٍ فِيْهِ **وَمَا مَنَعَ النَّاسَ** اَيْ كُفَّارَ مَكَّةَ **اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا** مَفْعُوْلٌ ثَانٍ **اِذْ**

جَآءَ هُمُ الْهُدٰى اَيِ الْقُرْاٰنُ **وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ** فَاعِلٌ اَىْ سُنَّتُنَا فِيْهِمْ وَهِىَ الْاِهْلَاكُ الْمُقَدَّرُ عَلَيْهِمْ **اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا** ﴿۵۵﴾ مُقَابَلَةً وَعِيَانًا وَهُوَ الْقَتْلُ يَوْمَ بَدْرٍ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِضَمَّتَيْنِ جَمْعُ قَبِيْلٍ اَىْ اَنْوَاعًا **وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ** لِلْمُؤْمِنِيْنَ **وَمُنْذِرِيْنَ** مُخَوِّفِيْنَ لِلْكَافِرِيْنَ **وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ** بِقَوْلِهِمْ اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَسُوْلًا وَنَحْوَهٗ **لِيُدْحِضُوْا بِهِ** لِيُبْطِلُوْا بِجِدَالِهِمْ **الْحَقَّ** اَلْقُرْاٰنَ **وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِىْ** اَلْقُرْاٰنَ **وَمَآ اُنْذِرُوْا** بِهٖ مِنَ النَّارِ **هُزُوًا** ﴿۵۶﴾ سُخْرِيَةً **وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِىَ مَاقَدَّمَتْ يَدٰهُ** مَا عَمِلَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْمَعَاصِىْ فَلَمْ يَتَفَكَّرْ فِىْ عَاقِبَتِهَا **اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً** اَغْطِيَةً **اَنْ يَّفْقَهُوْهُ** مِنْ اَنْ يَفْقَهُوا الْقُرْاٰنَ اَىْ فَلَا يَفْهَمُوْنَهٗ **وَفِىْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا** ثِقْلًا فَلَا يَسْمَعُوْنَهٗ **وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا** اَىْ بِالْجَعْلِ الْمَذْكُوْرِ **اَبَدًا** ﴿۵۷﴾ **وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُوالرَّحْمَةِ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ** فِى الدُّنْيَا **بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ** فِيْهَا **بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ** وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا** ﴿۵۸﴾ مَلْجَأً مِنَ الْعَذَابِ **وَتِلْكَ الْقُرٰٓى** اَىْ اَهْلُهَا كَعَادٍ وَثَمُوْدَ وَغَيْرِهِمَا **اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا** كَفَرُوْا **وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ** لِاِهْلَاكِهِمْ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الْمِيْمِ اَىْ لِهَلَاكِهِمْ **مَّوْعِدًا** ﴿۵۹﴾ ع

ترجمہ:......... اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے (لفظ اذ ظرف ہے اذکر مقدر کا) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا۔ آدم کے آگے جھک جاؤ (بطور سلام کے جھکنا مراد ہے پیشانی ٹیکنا مراد نہیں ہے) سو سب جھک گئے مگر ابلیس نہیں جھکا تھا وہ جنات میں سے تھا (بعض کے نزدیک جنات فرشتوں ہی کی ایک نوع ہوتی ہے پس اس صورت میں یہ استثناء متصل ہوگا اور بعض نے استثناء منقطع قرار دیا ہے اور ابلیس جنات کی اصل اول ہے اس کی ذریت بھی آگے ذکر کی جارہی ہے اور فرشتوں کی اولاد نہیں ہوتی) اس لئے وہ اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہوگیا۔ (سجدہ کا حکم نہ مان کر اللہ کی فرمانبرداری سے باہر نکل گیا) پھر بھی کیا تم اس کو اور اس کے چیلے چانٹوں کو (اس میں آدم اور اولاد آدم کو خطاب ہے، دونوں ضمیریں ابلیس کی طرف لوٹیں گی) اپنا کارساز بناتے ہو مجھے چھوڑ کر (شیاطین کا کہنا مانتے ہو) حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں (عدو بمعنی اعداء ترکیب میں حال ہے) ظلم کرنے والوں نے کیا ہی بری تبدیلی قبول کی (اللہ کی فرمانبرداری کے بجائے ابلیس اور اس کی نسل کی پرستش کی) میں نے (ابلیس اور اس کی نسل کو) آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت نہیں بلایا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت (ایک کے بنانے میں دوسرے کو شریک و مددگار نہیں کیا تھا) بھلا میں ان گمراہ کرنے والے (شیطانوں) کو کیسے مددگار بنا سکتا تھا (کہ پیدا کرنے میں ان سے مدد لیتا، پھر تم ان کی فرمانبرداری کیسے کرتے ہو؟) اور اس روز کو یاد کرو (لفظ یوم منصوب ہے اذکر مقدر کی وجہ سے) جب اللہ فرمائے گا (لفظ یقول یا اور نون کے ساتھ دونوں طرح آیا ہے) جن ہستیوں (بتوں) کو تم (اپنے گمان میں شفیع جانتے ہو) میرے ساتھ شریک سمجھتے تھے۔ انہیں بلالو: وہ پکاریں گے مگر کچھ جواب نہیں پائیں گے (انہیں جواب نہیں دیں گے) اور ہم ان (بتوں اور ان کے پوجا کرنے والوں) کے درمیان ایک آڑ کردیں گے (جہنم کی وادیوں میں سے ایک وادی ہوگی جس میں سب تباہ ہوجائیں گے۔ لفظ موبق، وبق سے ہے فتح باء کے ساتھ، تباہ ہوجانے

کے معنی ہیں) اور مجرم دیکھیں گے آگ بھڑک رہی ہے، اور سمجھ جائیں گے (انہیں یقین ہو جائے گا) کہ اس میں انہیں گرنا ہے (وہ اس میں گر کر رہیں گے) اور اس سے گریز (فرار) کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔ اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت کے لئے ہر قسم کے عمدہ مضامین طرح طرح سے بیان کر دیئے ہیں (لفظ مثل صفت ہے موصوف محذوف کی اصل عبارت اس طرح تھی مثلا من جنس کل مثل اور یہ مثالیں اس لئے بیان کیں تاکہ لوگ نصیحت حاصل کر لیں) مگر انسان (کافر) بڑا ہی جھگڑالو واقع ہوا ہے۔ (جو غلط باتوں میں جھگڑے نکالتا رہتا ہے لفظ جدلا تمیز ہے، اصل میں کان کا اسم تھا۔ اصل عبارت اس طرح تھی و کان جدل الانسان اکثر شئ فیہ یعنی انسان جھگڑنے میں سب سے بڑھ کر ہے) اور لوگوں (مکہ کے کافروں) کو کون سی بات روک سکتی ہے ایمان لانے سے (یہ منع کا مفعول ثانی ہے) جب ان کے سامنے ہدایت (قرآن) آ گئی اور اپنے پروردگار سے طلب گار مغفرت ہونے سے، مگر یہی کہ اگلی قوموں کا سا معاملہ انہیں بھی پیش آ جائے (لفظ سنۃ فاعل ہے، یعنی کافروں کے بارہ میں ہمارا قانون تقدیری فیصلہ کے مطابق (ان کی تباہی) یا ہمارا عذاب سامنے آ کھڑا ہو (روبرو، چنانچہ جنگ بدر میں ان پر تباہی آ چکی، اور ایک قرأت میں لفظ قبلا دونوں لفظوں پر ضمہ کے ساتھ آیا ہے۔ اس صورت میں لفظ قبیل کی جمع ہوگی، یعنی قسم قسم کا عذاب ان پر آ جائے) اور ہم پیغمبروں کو صرف اس لئے بھیجتے ہیں کہ وہ (مسلمانوں کو) بشارت سنائیں اور (انکار و بدعملی کرنے والوں کو) ڈرائیں مگر جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ جھوٹی باتوں کی آڑ پکڑ کے جھگڑتے ہیں (اس قسم کی باتیں کہتے ہیں کہ کیا خدا نے انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟) تاکہ اس طرح (اپنی غلط ناحق باتیں کر کے) سچائی (قرآن) کو متزلزل کر دیں (بچلا دیں) انہوں نے ہماری آیات (قرآن) کو اور جس (آگ) سے انہیں ڈرایا گیا تھا، دل لگی (مذاق) بنا رکھا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جسے اس کے پروردگار کی آیتیں یاد دلائی جائیں اور وہ اس سے گردن موڑ لے۔ اور اپنے پچھلے کرتوت بھول جائے (اور گناہوں کے انجام میں غور نہ کرے) بلاشبہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے (غلاف) ڈال دیئے ہیں کوئی بات پا نہیں سکتے (یعنی قرآن کو سمجھنا چاہیں بھی تو نہیں سمجھ سکتے) اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دیدی ہے تم انہیں کتنی ہی سیدھی راہ کی طرف بلاؤ مگر وہ (اس ڈاٹ کی وجہ سے) کبھی بھی راہ پانے والے نہیں۔ آپ کا پروردگار بڑا ہی بخشنے والا بڑا ہی رحمت والا ہے اگر وہ (دنیا میں) ان کے عمل کی کمائی پر دارو گیر کرنا چاہتا تو (اس دنیا ہی میں) ان پر فوراً عذاب نازل کر دیتا لیکن ان کے لئے ایک میعاد (قیامت کا دن) ٹھہرا رکھی ہے اس کے سوا (عذاب سے) کوئی پناہ کی جگہ نہیں پائیں گے اور یہ بستیاں (یعنی ان کے باشندے عاد ثمود وغیرہ) جب انہوں نے شرارت کی (کفر کیا) تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان کے ہلاک کرنے کے لئے (اور ایک قرأت میں فتح میم کے ساتھ ہے ای لھلاکھم) وقت معین کیا تھا۔

تحقیق و ترکیب: ....منصوب باذکر یعنی اذکر مقدر کا یہ ظرف ہوگا تقدیر عبارت اس طرح ہے اذکر یا محمد لقومك وقت قولنا للملائکۃ آدم و ابلیس کا یہ واقعہ قرآن کریم میں بار بار دہرایا گیا ہے کیونکہ سب سے پہلے یہ نافرمانی ہوئی۔ سجود انحناء الخ یہ ایک اشکال کے جواب کی طرف اشارہ ہے اشکال یہ ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا کفر ہے جو قبیح ہے اور قبیح کا حکم کرنا بھی قبیح ہوتا ہے حاصل جواب یہ ہے کہ یہاں عبادتی سجدہ مراد نہیں بلکہ تحیتی سجدہ مراد ہے جو ایک طرح کے شاہی آداب میں سمجھنا چاہئے اور یا کہا جائے کہ سجدہ تو صرف اللہ کو کیا گیا مگر بظاہر درمیان میں آدم علیہ السلام تھے جیسے قبلہ کی طرف منہ کر کے سجدہ اللہ کو کیا جاتا ہے پس اس طرح سجدہ کرنا اور وہ بھی جب کہ حکم سے ہو کفر نہیں ہوگا بلکہ ایسے وقت میں سجدہ نہ کرنا کفر شمار ہوگا۔ نوع من الملائکۃ اس قول پر فرشتوں کی دو قسمیں ہو جائیں گی، معصوم اور غیر معصوم، جنات غیر معصوم ہیں جن میں سلسلۂ نسل بھی ہے۔ اس صورت میں اگر وحدت حقیقت کا خیال کیا جائے تو استثناء متصل ہو سکتا ہے اور تغایر وصفی کا خیال کیا جائے تو استثناء منقطع ہو جائے گا۔ کان بمعنی صار ہے یعنی

معصیت کی وجہ سے اس کی ماہیت ہی مسخ ہوگئی ذکرت معه لبد یعنی افتتخذونه و ذریته میں ذریت کا ذکر ہے غرضیکہ و ابلیس ابوالجن الخ یہ استثناء منقطع کی توجیہ ہے اس صورت میں جنات ناری مخلوق اور فرشتے نوری مخلوق ہوں گے۔ افتتخذونه ہمزہ کا مدخول محذوف ہے اور فا عاطفہ ہے اور استفہام توبیخی ہے۔ تقدیری عبارت اس طرح ہے۔ العبد ماحصل منه ماحصل یلیق منکم اتخاذه ذریته شیطان کی ذریت میں لاقس اور ولہان نامی دو شیطان ہیں جو وضو اور طہارت میں وسوسہ اندازی کرتے رہتے ہیں اور مرۃ اور زلبنور ایسے شیطان ہیں جو بازاری لہو ولعب اور جھوٹی قسموں کو آراستہ کر کے پیش کرتے ہیں اور بتر کے ذمہ مصائب کے وقت واویلا مچانے اور بے صبری ظاہر کرنے کو مزین کرنا ہے، اوراعور کے سپرد زنا کرانا ہے اور مطرودس جھوٹی خبریں پھیلاتا ہے اور اسم کا کام یہ ہے جو شخص گھر میں بغیر بسم اللہ پڑھے اور اللہ کا نام لئے بغیر داخل ہوجاتا ہے یہ بھی اس کے ساتھ گھس جاتا ہے۔ بئس کا فاعل مضمر ہے اور تمیز اس کی تفسیر کر رہی ہے اور مخصوص بالمذمت محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے بئس البدل ابلیس و ذریة اور لفظ للظالمین محذوف سے متعلق ہو کر یا لفظ بدلا سے حال واقع ہو رہا ہے اور یا فعل ذم سے متعلق ہے۔ عضد کے معنی بازو کے آتے ہیں لیکن کلام میں استعارہ ہی بولتے ہیں۔ فلان عضدی اور مراد مددگار ہوتی ہے۔ چنانچہ دوسری آیت میں ہے سنشد عضدك باخیك. موبقا اس کی تفسیر مجاہدؒ اور ابن عباسؓ نے وادئ جہنم سے کی ہے ورا المجرمون جہنم چالیس سال کی راہ سے نظر آجائے گی۔ فظنوا ظن معنی میں یقین کے ہے۔ وهی اهلاک المقدر لفظ مقدر بڑھا کر ایک شبہ کے جواب کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ شبہ یہ ہے کہ ایمان نہ لانا پہلے ہوا اور ہلاک ہونا بعد میں، پس ہلاک ہونا ایمان لانے کے لئے مانع نہ بنا؟ جواب کا ماحصل یہ ہے کہ ہلاک مقدر مراد ہے اور وہ عدم ایمان سے پہلے ہے۔ قبلا کوفیوں کے نزدیک ضمہ قاف اور ضمہ با کے ساتھ ہے اور دوسرے قراء کے نزدیک کسر قاف کے ساتھ اور فتحہ باء کے ساتھ ہے، قبیلہ ایسی جماعت جو ایک باپ میں شریک ہو اور قبیل وہ جماعت جو ایک باپ میں شریک نہ ہو، ویجادل اس کا فاعل الذین ہے جس سے مراد کفار ہیں اور مفعول محذوف ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے ویجادل الکفار المرسلین ۔الحق بہتر یہ ہے کہ حق سے مراد باطل کا مقابل لیا جائے۔ تاکہ تمام کتب وادیان سماویہ کو شامل ہوجائے اور آیات سے مراد بھی عام معجزات لئے جائیں۔ موعدا قیامت کا زمان ومکان دونوں مراد ہوسکتے ہیں۔ موئلا بمعنی مرجع باب ضرب سے آتا ہے بمعنی ملجاء۔

ربط آیات:......... پہلے آیت ولا تطع من اغفلنا الخ کے عام الفاظ میں رؤساء کفار کے فخر ومباہات، کبر وغرور جیسی اخلاقی گندگیوں اور کفر وانکار جیسی بدعقیدگیوں کا حال معلوم ہوا تھا۔ آگے اسی آیت و اذ قلنا الخ میں اسی مناسبت سے ابلیس کے تکبر کی بد انجامی بتلائی جارہی ہے اور یہ کہ یہ لوگ اگرچہ شیطان کے پیروکار ہیں مگر قیامت میں یہ پیروکاری ان کے لئے قطعاً سود مند نہیں ہوگی۔ اس کے بعد آیت ولقد صرفنا الخ سے قرآن اور رسالت کے سلسلہ میں کفار کا انکار واعراض اور دلائل صحیحہ سے ان کی روگردانی اور ایمان سے محرومی بیان کر کے آنحضرتؐ کو تسلی دینا مقصود ہے اور یہ کہ استحقاق کے باوجود ان کے عذاب میں کسی مصلحت سے دیر ہو رہی ہے۔

﴿تشریح﴾:......... قرآن کریم میں بعض مطالب کو بار بار دہرایا جاتا ہے اور مختلف موقعوں پر اور مختلف شکلوں میں ایک ہی بات لوٹ لوٹ کر آتی ہے ایسا نہیں کہ ہماری علمی کتابوں کی طرح ضبط وترتیب کے ساتھ تمام مطالب مدون کر دیئے جاتے بلکہ قرآن کریم ایک ہی بات کو جابجا آیتوں، مثالوں اور نصیحتوں کے پیرایہ میں بیان کرتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ ان مقامات میں غور

کرنے سے اس کے اس اسلوب بیان کی وجہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ آدم وابلیس کے واقعہ میں چونکہ یہ سب سے پہلی نافرمانی تھی اس لئے اس کو بار بار دہرایا گیا تا کہ اپنی کوتاہی اور قصوروار ہونے کا نقش انسان کے دل پر قائم ہو جائے۔ آیت ولقد صرفنا فی ھذاالقرآن الخ میں بھی اس دہرانے کی ایک غرض کو بیان کیا جارہا ہے یعنی قرآن میں مطالب کا بار بار دہرانا اس لئے ہے کہ تذکیر موعظت کا ذریعہ ہے اس نکتہ پر غور کرتے جاؤ قرآن کے اسلوب بیان کے سارے بھید کھلتے جائیں گے۔ بس قرآن کا مقصد تذکیر ہے اور تذکیر کا مقصد اسی طرح حاصل ہوسکتا ہے کہ اس کا اسلوب بیان ایک واعظ وخطیب کا ہو ایک فلسفی کے درس کا نہ ہو۔

انسان اور شیطان گناہ کرنے کے لئے معذور نہیں ہے:............ابلیس اگر چہ ناری ہے لیکن عنصر آگ کے غالب ہونے سے اسے معذور نہیں سمجھا جائے گا کیونکہ وہ مقتضا کسی طریقہ سے مغلوب بھی ہوسکتا تھا جیسا کہ انسان کی طبیعت کا میلان گناہ کی طرف ہوتا ہے مگر اس کو روکنا ممکن ہے اس لئے انسان کو معذور نہیں سمجھا جاتا۔ اسی طرح ابلیس کو بھی معذور نہیں سمجھا جائے گا۔ بئس للظالمین بدلا کا مطلب یہ ہے کہ دوست تو مجھے بنانا چاہئے تھا لیکن انسان نے دوست بنایا اپنے دشمن شیطان کو پس شیطان کا دشمن ہونا تو دوستی کے لئے مانع ہے۔ رہا دوست بنانا جو فی الحقیقت شریک بنانا ہے۔ اس کے لئے کوئی امر موجب نہیں ہے۔ آیت مااشھد تم الخ میں اسی کا بیان ہو رہا ہے یعنی اگر کوئی خدا کا شریک ہوتا تو غیر مستقل ہونے کی صورت میں کم از کم وہ تابع کی حیثیت سے مددگار ہی ہوتا اور دوسری مخلوق میں اس کی حیثیت اگر شرکت کی نہ ہوتی تو کم از کم ذاتی تعلقات کے مد میں تو اس کی پوچھ ہوتی لیکن جب یہ بھی نہیں تو ان کو شریک بنانا نری سفاہت ہے۔ آیت وما منع الناس کا حاصل یہ ہے کہ منکرین قرآن کی شقاوت انتہا درجہ کو پہنچ چکی ہے کہ طلب حق کی جگہ جدال اور عبرت پذیری کی جگہ تمسخر واستہزاء ان کا شیوہ اور وطیرہ بن گیا ہے گویا ان کی عقلیں ماری گئیں اور حواس ہی معطل ہو چکے ہیں، اب تم کتنی ہی راہنمائی کرو، یہ راہ پانے والے نہیں ہیں۔ آیت وربک الغفور الخ میں فرمایا کہ منکرین کی ان سرکشیوں کا نتیجہ اچانک کیوں ظہور میں نہیں آجاتا؟ ان کے لئے خوش حالیاں اور پیروان حق کے لئے درماندگیاں کیوں ہیں؟ اس لئے کہ تمہارا پروردگار رحمت والا ہے اور یہاں رحمت کا قانون کام کر رہا ہے اور رحمت کا تقاضا یہی تھا کہ ایک خاص وقت تک سب کو مہلت ملے، چنانچہ مہلت کی رسی ڈھیلی کی جارہی ہے لیکن جوں ہی مقررہ وقت آیا، پھر نتائج کا ظہور ٹلنے والا نہیں۔

وَ اذْكُرْ **اِذْ قَالَ مُوْسٰى** هُوَ ابْنُ عِمْرَانَ **لِفَتٰهُ** يُوْشَعُ بْنُ نُوْنٍ وَكَانَ يَتْبَعُهُ وَيَخْدِمُهُ وَيَاْخُذُ مِنْهُ الْعِلْمَ **لَآ اَبْرَحُ** لَا اَزَالُ اَسِيْرُ **حَتّٰى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ** مُلْتَقٰى بَحْرِ الرُّوْمِ وَبَحْرِ فَارِسٍ مِمَّا يَلِي الْمَشْرِقَ اَيِ الْمَكَانُ الْجَامِعُ لِذٰلِكَ **اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا﴿۶۰﴾** دَهْرًا طَوِيْلًا فِيْ بُلُوْغِهٖ اِنْ بَعُدَ **فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا** بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ **نَسِيَا حُوْتَهُمَا** نَسِيَ يُوْشَعُ حَمْلَهٗ عِنْدَ الرَّحِيْلِ وَنَسِيَ مُوْسٰى تَذْكِيْرَهٗ **فَاتَّخَذَ** الْحُوْتُ **سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ** اَيْ جَعَلَهٗ بِجَعْلِ اللّٰهِ **سَرَبًا﴿۶۱﴾** اَيْ مِثْلَ السَّرَبِ وَهُوَ الشِّقُّ الطَّوِيْلُ لَا نِفَاذَ بِهٖ وَذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَمْسَكَ عَنِ الْحُوْتِ جَرْيَ الْمَاءِ فَانْجَابَ عَنْهُ فَبَقِيَ كَالْكُوَّةِ لَمْ يَلْتَئِمْ وَجَمَدَ مَا تَحْتَهٗ مِنْهُ **فَلَمَّا جَاوَزَا** ذٰلِكَ الْمَكَانَ بِالسَّيْرِ اِلٰى وَقْتِ الْغَدَاءِ مِنْ ثَانِي يَوْمٍ **قَالَ لِفَتٰهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا** هُوَ مَا يُؤْكَلُ اَوَّلَ النَّهَارِ

لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ تَعَبًا وَحُصُوْلُهٗ بَعْدَ الْمُجَاوَزَةِ **قَالَ اَرَءَيْتَ** اَيْ تَنَبَّهْ **اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ** بِذٰلِكَ الْمَكَانِ **فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ** يُبْدَلُ مِنَ الْهَاءِ **اَنْ اَذْكُرَهٗ** بَدَلُ اِشْتِمَالٍ اَيْ اَنْسَانِيْ ذِكْرَهٗ **وَاتَّخَذَ** الْحُوْتُ **سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا** ﴿۶۳﴾ مَفْعُوْلٌ ثَانٍ اَيْ يَتَعَجَّبُ مِنْهُ مُوْسٰى وَفَتَاهُ لِمَا تَقَدَّمَ فِيْ بَيَانِهٖ **قَالَ** مُوْسٰى **ذٰلِكَ** اَيْ فَقْدُنَا الْحُوْتَ **مَا** الَّذِيْ **كُنَّا نَبْغِ** نَطْلُبُهٗ فَاِنَّهٗ عَلَامَةٌ لَنَا عَلٰى وُجُوْدِ مَنْ نَطْلُبُهٗ **فَارْتَدَّا** رَجَعَا **عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا** يَقُصَّانِهَا **قَصَصًا** ﴿۶۴﴾ فَاَتَيَا الصَّخْرَةَ **فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ** هُوَ الْخَضِرُ **اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا** نُبُوَّةً فِيْ قَوْلٍ وَوِلَايَةً فِيْ اٰخَرَ وَعَلَيْهِ اَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ **وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا** مِنْ قِبَلِنَا **عِلْمًا** ﴿۶۵﴾ مَفْعُوْلٌ ثَانٍ اَيْ مَعْلُوْمًا مِنَ الْمُغَيَّبَاتِ رَوَى الْبُخَارِيُّ حَدِيْثَ اَنَّ مُوْسٰى قَامَ خَطِيْبًا فِيْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ فَسُئِلَ اَيُّ النَّاسِ اَعْلَمُ فَقَالَ اَنَا فَعَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ اِلَيْهِ فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلَيْهِ اِنَّ لِيْ عَبْدًا بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ اَعْلَمُ مِنْكَ قَالَ مُوْسٰى يَارَبِّ فَكَيْفَ لِيْ بِهٖ قَالَ تَاْخُذُ مَعَكَ حُوْتًا فَتَجْعَلُهٗ فِيْ مِكْتَلٍ فَحَيْثُمَا فَقَدْتَ الْحُوْتَ فَهُوَ ثَمَّ فَاَخَذَ حُوْتًا فَجَعَلَهٗ فِيْ مِكْتَلٍ ثُمَّ انْطَلَقَ وَانْطَلَقَ مَعَهٗ فَتَاهُ يُوْشَعُ بْنُ نُوْنٍ حَتّٰى اَتَيَا الصَّخْرَةَ فَوَضَعَا رُءُوْسَهُمَا فَنَامَا وَاضْطَرَبَ الْحُوْتُ فِي الْمِكْتَلِ فَخَرَجَ مِنْهُ فَسَقَطَ فِي الْبَحْرِ فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا وَاَمْسَكَ اللّٰهُ عَنِ الْحُوْتِ جِرْيَةَ الْمَاءِ فَصَارَ عَلَيْهِ مِثْلُ الطَّاقِ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ نَسِيَ صَاحِبُهٗ اَنْ يُخْبِرَهٗ بِالْحُوْتِ فَانْطَلَقَا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمَا وَلَيْلَتِهِمَا حَتّٰى اِذَا كَانَ مِنَ الْغَدَاةِ قَالَ مُوْسٰى لِفَتَاهُ اٰتِنَا غَدَاءَنَا اِلٰى قَوْلِهٖ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا قَالَ وَكَانَ لِلْحُوْتِ سَرَبًا وَلِمُوْسٰى وَلِفَتَاهُ عَجَبًا **قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا** ﴿۶۶﴾ اَيْ صَوَابًا اَرْشُدُ بِهٖ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الرَّاءِ وَسُكُوْنِ الشِّيْنِ وَسَأَلَهٗ ذٰلِكَ لِاَنَّ الزِّيَادَةَ فِي الْعِلْمِ مَطْلُوْبَةٌ **قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا** ﴿۶۷﴾ **وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا** ﴿۶۸﴾ فِي الْحَدِيْثِ السَّابِقِ عَقِبَ هٰذِهِ الْاٰيَةِ يَامُوْسٰى اِنِّيْ عَلٰى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ عَلَّمَنِيْهِ لَا تَعْلَمُهٗ وَاَنْتَ عَلٰى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ عَلَّمَكَ اللّٰهُ لَا اَعْلَمُهٗ وَقَوْلُهٗ خُبْرًا مَصْدَرٌ بِمَعْنٰى لَمْ تُحِطْ اَيْ لَمْ تُخْبَرْ حَقِيْقَتَهٗ **قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ** اَيْ وَغَيْرَ عَاصٍ **لَكَ اَمْرًا** ﴿۶۹﴾ تَاْمُرُنِيْ بِهٖ وَقَيَّدَ بِالْمَشِيَّةِ لِاَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ عَلٰى ثِقَةٍ مِنْ نَفْسِهٖ فِيْمَا الْتَزَمَ وَهٰذِهٖ عَادَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ اَنْ لَا يَثِقُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ طَرْفَةَ عَيْنٍ **قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْئَلْنِيْ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ اللَّامِ وَتَشْدِيْدِ النُّوْنِ **عَنْ شَيْءٍ** تُنْكِرُهٗ مِنِّيْ فِيْ عِلْمِكَ وَاصْبِرْ **حَتّٰى اُحْدِثَ**

لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا﴿۷۰﴾ اَیْ اَذْکُرُہٗ لَکَ بِعِلَّتِہٖ فَقَبِلَ مُوْسٰی شَرْطَہٗ رِعَایَةً لِاَدَبِ الْمُتَعَلِّمِ مَعَ الْعَالِمِ **فَانْطَلَقَا** یَمْشِیَانِ عَلٰی سَاحِلِ الْبَحْرِ **حَتّٰٓی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ** الَّتِیْ مَرَّتْ بِہِمَا **خَرَقَهَا** اَلْخَضِرُ بِاَنْ اِقْتَلَعَ لَوْحًا اَوْ لَوْحَیْنِ مِنْہَا مِنْ جِہَةِ الْبَحْرِ بِفَاسٍ لَمَّا بَلَغَتِ اللُّجَّ **قَالَ** لَہٗ مُوْسٰی **اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا** وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ التَّحْتَانِیَّةِ وَالرَّاءِ وَرَفْعِ اَہْلِہَا **لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا اِمْرًا﴿۷۱﴾** اَیْ عَظِیْمًا مُنْکَرًا رُوِیَ اَنَّ الْمَاءَ لَمْ یَدْخُلْہَا **قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ** اَیْ غَفَلْتُ عَنِ التَّسْلِیْمِ لَکَ وَتَرْکِ الْاِنْکَارِ عَلَیْکَ **وَلَا تُرْهِقْنِیْ** تُکَلِّفْنِیْ **مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا﴿۷۳﴾** مُشَقَّةً فِیْ صُحْبَتِیْ اِیَّاکَ اَیْ عَامِلْنِیْ فِیْہَا بِالْعَفْوِ وَالْیُسْرِ **فَانْطَلَقَا** بَعْدَ خُرُوْجِہِمَا مِنَ السَّفِیْنَةِ یَمْشِیَانِ **حَتّٰٓی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا** لَمْ یَبْلُغِ الْحِنْثَ یَلْعَبُ مَعَ الصِّبْیَانِ اَحْسَنُہُمْ وَجْہًا **فَقَتَلَهٗ** الْخَضِرُ بِاَنْ ذَبَحَہٗ بِالسِّکِّیْنِ مُضْطَجِعًا اَوْ اِقْتَلَعَ رَاْسَہٗ بِیَدِہٖ اَوْ ضَرَبَ رَاْسَہٗ بِالْجِدَارِ اَقْوَالٌ وَاَتٰی ہُنَا بِالْفَاءِ الْعَاطِفَةِ لِاَنَّ الْقَتْلَ عَقِبَ اللِّقَاءِ وَجَوَابُ اِذَا **قَالَ** لَہٗ مُوْسٰی **اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةً** اَیْ طَاہِرَةً لَمْ تَبْلُغْ حَدَّ التَّکْلِیْفِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ زَکِیَّةً بِتَشْدِیْدِ الْیَاءِ بِلَا اَلِفٍ **بِغَیْرِ نَفْسٍ** اَیْ لَمْ تَقْتُلْ نَفْسًا **لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا نُّكْرًا﴿۷۴﴾** بِسُکُوْنِ الْکَافِ وَضَمِّہَا اَیْ مُنْکَرًا

ترجمہ:............ اور (وہ واقعہ یاد کیجئے) جب کہ موسیٰ (عمران کے صاحبزادہ) نے اپنے خادم سے فرمایا (جن کا نام یوشع بن نون تھا جو حضرت موسیٰ کے ساتھ خادمانہ حیثیت سے رہتے تھے اور تعلیم حاصل کرتے تھے) کہ میں اپنی کوشش میں برابر لگا رہوں گا (برابر چلتا رہوں گا) جب تک اس جگہ نہ پہنچ جاؤں جہاں دونوں سمندر آملے ہیں (بحر روم اور بحر فارس کا ملاپ جس شرقی سمت میں ہو رہا ہے اس سنگم پر جب تک نہ پہنچ جاؤں) یا یوں ہی زمانہ دراز تک چلتا رہوں گا (اگر وہ جگہ بہت دور ہوئی تو برابر چلتا ہی رہوں گا) پھر جب موسیٰ دونوں سمندروں کے سنگم پر پہنچے تو انہیں اس مچھلی کا خیال نہ رہا جو اپنے ساتھ رکھ لی تھی (یوشع تو کوچ کے وقت اٹھانا بھول گئے اور موسیٰ کو یاد دلانے کا دھیان نہ رہا) فوراً ہی مچھلی نے سمندر کی راہ لی اور چل دی (یعنی حکم الٰہی سے مچھلی دریا میں سرنگ کی طرح راستہ بناتی چلی گئی۔ سرب لمبی سرنگ کو کہتے ہیں جس کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ نے مچھلی کے لئے پانی روک کر راستہ بنایا سب طرف سے پانی رک کر طاق اور سرنگ کی طرح ہو گیا) پھر جب دونوں (اس مقام سے چل کر اگلے روز صبح آگے بڑھ گئے) تو موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ ہمارا ناشتہ (صبح کا کھانا) تو لاؤ آج کے سفر نے تو ہمیں بہت تھکا دیا ہے (مقام مقصود سے آگے بڑھ جانے پر تعب محسوس ہوا) خادم نے عرض کیا لیجئے دیکھئے (لفظ اَرَأَیْتَ تنبیہ کے لئے ہے) جب ہم (وہاں) اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں اس مچھلی کی بات کو بھول ہی گیا تھا اور یہ شیطان ہی کا کام ہے کہ میں اس کا ذکر کرنا بالکل ہی بھول گیا (انسانیہ کی ضمیر سے لفظ ''ان اذکرہ'' بدل اشتمال ہو رہا ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے انسانی ذکرہ) اس (مچھلی) نے عجیب طریقہ پر سمندر میں جانے کی راہ نکال لی (لفظ عجبا ترکیب میں مفعول ثانی واقع ہو رہا ہے۔ غرض کہ مچھلی کی سرنگ بنانے کا ذکر جو پہلے گزرا ہے اس سے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم کو تعجب ہوا) کہنے لگے (موسیٰ) یہی وہ موقع ہے (جہاں مچھلی گم ہوگئی) جس کی ہمیں تلاش تھی (کیونکہ جسے ہم ڈھونڈ رہے ہیں یہی

اس کی نشانی ہے) پس وہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے الٹے لوٹے (اور چٹان پر پہنچ گئے) تو انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ (خضر) کو پایا۔ جنہیں ہم نے اپنی خاص رحمت عنایت کی تھی (ایک قول کے مطابق نبوت مراد ہے اور اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ رحمت سے مراد ولایت ہے) اور ہم نے انہیں اپنے پاس سے ایک خاص طریقہ کا علم سکھلایا تھا (لفظ علماء مفعول ثانی ہے یعنی غیبی معلومات میں سے کچھ حصہ عطا کیا تھا۔ امام بخاریؒ نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت موسیٰ ایک دفعہ خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے بنی اسرائیل کے سامنے کھڑے ہوئے، کسی نے پوچھا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ ارشاد ہوا کہ میں؛ اس پر عتاب الٰہی ہوا کہ اللہ کی طرف نسبت کیوں نہ کی؟ چنانچہ وحی الٰہی ہوئی کہ ''مجمع البحرین'' پر ہمارے ایک خاص بندے ہیں جو تم سے بڑے عالم ہیں موسیٰ علیہ السلام نے شوق سے پوچھا کہ ان تک رسائی کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ ارشاد ہوا کہ اپنے ساتھ مچھلی لے کر ناشتہ دان میں رکھ لو، پس جہاں مچھلی گم ہو جائے سمجھو کہ وہیں ہیں۔ غرضیکہ انہوں نے مچھلی لے کر ناشتہ دان میں رکھ لی، اور چل پڑے ساتھ یوشع بن نون بھی ہو گئے حتیٰ کہ ایک چٹان پر پہنچ کر ان کی آنکھ لگ گئی، مچھلی ناشتہ دان سے تڑپ کر دریا میں جا پہنچی اور سرنگ بناتی چلی گئی، بحکم الٰہی اتنے حصہ میں اس کے لئے پانی روک دیا گیا اور طاق کی طرح سوراخ بن گیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھ کھلی تو خادم مچھلی کا ماجرا کہنا بھول گئے اور پورا دن اور رات دونوں سفر ہی میں رہے جب اگلا دن ہوا تو صبح کا ناشتہ حضرت موسیٰ نے طلب فرمایا...... بہر حال مچھلی نے تو سرنگ بنائی اور حضرت موسیٰ اور خادم حیران رہ گئے) موسیٰ علیہ السلام نے خضر سے خواہش کی کہ آپ اجازت دیں تو آپ کے ساتھ رہوں بشرطیکہ جو مفید علم آپ کو سکھایا گیا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی سکھادیں، (درست اور صحیح علم) ایک قرأت میں لفظ رشدا ضمہ راء اور سکون شین کے ساتھ آیا ہے۔ اور حضرت موسیٰ نے یہ فرمائش اس لئے کی کہ علم میں ترقی مطلوب چیز ہے) ان بزرگ نے جواب دیا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کرسکیں گے، اور ایسی بات پر تم صبر کیسے کرسکتے ہو جو تمہاری سمجھ کے دائرہ سے باہر ہو؟ (گذشتہ حدیث میں اسی آیت کے بعد یہ بھی آیا ہے کہ ان بزرگ نے کہا اے موسیٰ: جو مخصوص علم مجھے دیا گیا ہے اس سے آپ بے تعلق ہیں اور آپ کو جو علم عطا فرمایا گیا ہے اس سے میں پوری طرح واقف نہیں ہوں اور لفظ خبرا مصدر ہے یعنی حقیقت حال کی آپ کو اطلاع نہیں) موسیٰ نے فرمایا کہ خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی (نافرمانی) نہیں کروں گا۔ (حضرت موسیٰ نے انشاء اللہ اس لئے کہا کہ انہیں وعدہ کے بارے میں اپنے نفس پر اعتماد نہ ہوا اور انبیاء واولیاء کی عادت یہی رہی ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کیا کرتے) ان بزرگ نے کہا ''اچھا'' اگر تمہیں میرے ساتھ رہنا ہی ہے تو اس بات کا خیال رکھو کہ تم مجھ سے کچھ مت پوچھنا (اور ایک قرأت میں لفظ فلا تسئلنی فتحہ لام اور تشدید نون کے ساتھ آیا ہے) کسی بات کی نسبت (جو تمہیں تمہارے علم کی رو سے اوپری معلوم ہو، بلکہ اس پر تم صبر کرنا) جب تک میں خود تم سے کچھ نہ کہوں (اس کا سبب نہ بتلاؤں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اس شرط کو منظور کرلیا استادی شاگردی کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے) پھر دونوں سفر کے لئے نکلے (ساحل سمندر پر ہوتے ہوئے) یہاں تک کہ دونوں کشتی پر سوار ہوئے (جو ان کے سامنے سے گزر رہی تھی) تو ان بزرگ نے ایک جگہ دراڑ نکال دی (حضرت خضر نے کشتی کے نیچے سے کلہاڑا مار کر ایک دو تختے نکال دیئے اور وہ بھی ایسے وقت جب کشتی منجدھار میں پھنس گئی تھی) یہ دیکھتے ہی (موسیٰ) چیخ اٹھے کہ آپ نے کشتی میں دراڑ اس لئے ڈال دی کہ مسافر غرق ہو جائیں (اور ایک قرأت میں یغرق فتح یاء اور فتح راء کے ساتھ اور لفظ اھلھا مرفوع آیا ہے) آپ نے کیسی خطرناک بات کی (جو نہایت بیجا ہے، روایت ہے کہ پانی کشتی میں داخل نہیں ہوسکا تھا) ان بزرگ نے کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کرسکو گے؟ موسیٰ نے فرمایا بھول ہوگئی اس پر گرفت نہ کیجئے (یعنی آپ کی بات مان لینے اور اس پر اعتراض نہ کرنے کا وعدہ مجھے یاد نہیں رہا ہے) اگر ایک بات بھول چوک میں

ہو جائے تو مجھ پر سخت گیری نہ کیجئے (اپنے ساتھ رکھنے میں تنگی نہ برتیئے بلکہ اس معاملہ میں نرمی اور سہولت کا برتاؤ رکھئے) پھر دونوں آگے بڑھے (کشتی سے نکل کر آگے چلے) یہاں تک کہ جب ایک لڑکے سے ملے (جو نابالغ تھا اور اپنے ہمجولی بچوں میں سب سے خوبصورت تھا) تو ان بزرگ نے اسے مار ڈالا (حضرت خضرؑ نے زمین پر بچھاڑ کر چھری پھیر ڈالی یا ہاتھ سے کھوپڑی اتار لی یا اس کا سر دیوار میں دے مارا۔ یہ تین قول ہوئے اور فا عاطفہ اس لئے لایا گیا تا کہ معلوم ہو کہ بچہ سے ملتے ہی فوراً اسے مار ڈالا، اور اذا کا جواب آگے ہے) اس پر موسیٰ چیخے کہ آپ نے ایک بے گناہ کی جان لے لی (جو معصوم اور غیر مکلف تھا اور ایک قرأت میں لفظ زکیۃ بغیر الف کے تشدید یا کے ساتھ ہے) حالانکہ اس نے کسی کی جان نہیں لی تھی (کسی کو جان سے نہیں مارا تھا) بلاشبہ آپ نے بڑی بے جا حرکت کی ہے (لفظ نکرا کاف کے سکون اور ضمہ کے ساتھ دونوں طرح آیا ہے یعنی بری بات کی ہے)۔

تحقیق وترکیب: ....**ابن عمران** ،حضرت موسیٰ علیہ والسلام لاوی ابن یعقوبؑ کی اولاد میں سے ہیں اور بنی اسرائیل کے اولوالعزم پیغمبر ہیں۔قول صحیح یہی ہے جس پر آثار متفق ہیں لیکن کعب الاحبارؒ کے نزدیک موسیٰ بن میشا بن یوسف بن یعقوبؑ مراد ہیں جو مشہور نبی حضرت موسیٰ سے پہلے ہوئے ہیں۔باقی حضرت خضرؑ سے افضل ہونے کے باوجود اکتساب کرنا علم کے باب میں ان کی حسن طلب اور سچی سعی پر دلالت کرتا ہے۔**لفتٰہ** یوشع بن نون یہ صاحبزادہ ہیں افراہیم بن یوسف کے اور بعض کتابوں میں افراہیم کی بجائے افراثیم لکھا ہے۔**وکان یتبعہ** بعض نے حضرت یوشع کو غلام کہا ہے۔لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ آزاد ہونا شرائط نبوت میں سے ہے لفظ **فتی** سے قرآن کا اشارہ اس طرف ہے کہ طلب علم اصل زمانہ نو جوانی کا ہے اور **ویخدمہ** سے معلوم ہوا کہ استاد و شاگرد اور گرو اور چیلہ میں یہ تعلق قدیم زمانہ سے چلا آ رہا ہے شاگرد اور چیلہ کی خدمت ہی استاد اور گرو کی محبت وشفقت اور کشش کا باعث بنتی ہے اور پھر یہی مناسبت اکتساب کمالات کا ذریعہ بنتی ہے۔البتہ اس سے یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ نبوت ورسالت اگر خدمت کر کے حاصل کی جاسکتی ہے تو پھر کسبی ہوئی۔کہا جائے گا کہ نبوت ورسالت تو محض وہبی اور عطائی ہے البتہ اس عطا کے لئے جس صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے اس کے پیدا کرنے میں خدمت وطاعت کو ضرور دخل ہو سکتا ہے۔

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

مجمع البحرین بعض نے بحر روم وفارس کا سنگم مانا ہے اور بعض کے نزدیک بحر اردن اور بحر قلزم کا سنگم ہے، لیکن یہ موقع صرف بحر محیط یا اس کے آس پاس ہے اور بعض نے بحرین سے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضرؑ کی ذوات مراد لی ہیں کیونکہ دونوں اپنے اپنے علوم کے دریا ہیں۔ایک علم شریعت کا ایک علم مکاشفہ کا۔لیکن حافظؒ کی رائے اس بارہ میں یہ ہے کہ نہ یہ بات کسی روایت سے ثابت ہے اور نہ الفاظ اس کے مؤید ہیں البتہ بطور نکتہ اور لطیفہ کے اس کو کہا جا سکتا ہے۔**حقبا** حقب کے معنی اسی سال کی مدت کے ہیں، غرضیکہ مدت طویل مراد ہے۔اس سے طلب علم کے لئے سفر کرنا اور اس کے لئے ضروری زاد راہ لینا اور صعوبت سفر جھیلنا اور گوارا کرنا معلوم ہوا۔**نسی** معلوم ہوا کہ وہ مچھلی خشکی کے حصہ پر رکھی ہوئی تھی مگر حضرت یوشع کو یاد نہ رہی تھی اور وہاں سے تڑپ کر دریا میں چلی گئی لیکن بعض کی رائے یہ ہے کہ چٹان کے پاس ایک چشمۂ حیات تھا۔جب حضرت موسیٰ سو کر اٹھے اور اس چشمہ سے وضو فرمایا تو اس کے پانی کی چھینٹیں ناشتہ دان میں رکھی ہوئی مچھلی پر پڑیں تو مچھلی زندہ ہوگئی اور اس نے دریا کی راہ لی پس اس صورت میں بھولنے سے مراد یہ ہوگی کہ خادم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتلانا بھول گئے۔رہا یہ شبہ کہ ایسی عجیب بات تو بھولنی نہیں چاہیئے بلکہ ایسی باتیں تو حافظہ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جایا کرتی ہیں؟ جواب یہ ہے کہ عجیب وغریب بات اگر گاہ بگاہ پیش آئے تب تو اس شبہ کی

گنجائش ہے لیکن جہاں ایک سے ایک بڑھ کر خوارق وعجائب پیش آتے رہیں تو وہاں نہ غیر معمولی تعجب ہوتا ہے اور نہ لوح حافظہ پر اس کا نقش رہنا ضروری ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ یوشع بن نون اللہ کی قدرت وعظمت میں اس قدر مستغرق ہو گئے کہ انہیں دوسری باتوں سے ذہول ہو گیا۔ **فاتخذ** مچھلی کا دریا میں چلا جانا پہلے اور اس واقعہ کو بھول جانا بعد میں ہوا پس آیت میں تقدیم تاخیر ہو گئی اصل عبارت اس طرح ہے۔ **فادركته الحياة فخرج من المكتل وسقط فى البحر فاتخذ سبيله** لفظ **سربا** **اتخذ** کا مفعول ثانی یا ضمیر مستتر سے حال ہے۔ **یبدل** اصل عبارت اس طرح ہے۔ **ما انسانی ذکره الا الشیطان** اس پر اشکال ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر شیطان کا تسلط نہیں ہو سکتا پھر شیطان کی طرف سے کیسے حضرت یوشع علیہ السلام پر نسیان طاری ہوا؟ جواب یہ ہے کہ شیطان کی طرف بطور کسر نفسی کے اس نسیان کو منسوب کر دیا ہے ورنہ سہو ونسیان کا پیش آنا بتقاضائے بشر ہوتا ہے۔ **عجبا** مفعول ثانی ہے اور بعض کے نزدیک یہ مصدر ہے جس کا فعل مضمر ہے۔ **ای قال فی اٰخر کلامه، یاقال موسى فى جوابه عجبت عجبا** اور بعض نے **عجبا** کو **سبیلا** کی صفت کہا ہے اور بعض نے **اتخاذ** کی صفت مانا ہے۔ **ای سبیلا عجبا او اتخاذ عجبا** اور بعض نے اسے حضرت موسیٰ کا فعل قرار دیا ہے۔ **ای اتخذ موسى سبيل الحوت فى البحر عجبا کنا نبغ** یا کو فواصل کی رعایت سے حذف کر کے کسرہ چھوڑ دیا گیا ہے اور دوسری وجہ حذف یا کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ **ما** موصولہ کا عائد چونکہ حذف کر دیا گیا ہے اس لئے حذف سے حذف کو مناسبت ہوتی ہے پس یا کو بھی حذف کر دیا گیا۔ **فوجدا عبدا** بعض کی رائے ہے کہ حضرت موسیٰ و یوشع علیہم السلام مچھلی کے پیچھے سرنگ میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت خضر کو بیٹھا دیکھا اور بعض کے نزدیک چٹان پر سفید چادر تانے حضرت خضر لیٹے ہوئے پائے گئے۔ حضرت موسیٰ نے سلام کیا تو اٹھ کر بیٹھ گئے اور جواب میں انہوں نے کہا **وعلیک السلام یا نبی بنی اسرائیل** موسیٰ علیہ السلام نے بطور تعجب کے پوچھا کہ آپ کو میرا پیغمبر ہونا کس نے بتلایا؟ انہوں نے جواب دیا کہ جس نے آپ کو میرا پتہ نشان بتایا اور کہا کہ آپ کو تو بنی اسرائیل کی مصروفیت رہتی ہے پھر آپ یہاں کیسے تشریف لائے؟ فرمایا کہ میں آپ سے کچھ سیکھنے اور اس بارہ میں آپ کی پیروی کرنے آیا ہوں۔ **من عبادنا** اس میں اضافت تشریف کے لئے ہے۔ خضر اس میں تین لغات ہیں خِضر، خَضر، خِضْر یہ لقب اس لئے ہوا کہ جہاں یہ جاتے وہاں سرسبزی ہو جاتی اور آپ کی کنیت ابوالعباس تھی اور آپ کا نام بلیا ہے تفسیر خازن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بنی اسرائیل میں سے تھے۔ اور بعض نے ان کو ان شہزادوں میں شمار کیا ہے جو تارک الدنیا ہو گئے ہیں۔ ابن عطیہؒ اور بغویؒ اور قرطبیؒ کی رائے ہے کہ اکثر کے نزدیک یہ نبی ہوئے ہیں۔ لیکن قشیریؒ اور اکثر علماء ان کو ولی مانتے ہیں اور **من لدنا علما** سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو علم لدنی عطا ہوا تھا یعنی علم مکاشفہ اور علم باطن جو کسی ظاہری معلم کے بغیر حاصل ہو۔ اور لفظ **عبد** کی تفسیر حضرت خضر کے نام سے حدیث میں آئی ہے جیسا کہ **واذقال موسى لفتاه** میں **فتی** سے مراد حضرت یوشع ہیں۔ حضرت خضر گم گشتگان راہ کی رہبری کرتے ہیں ظاہرا بھی اور باطنا بھی جیسا کہ اہل اللہ کے واقعات اس پر شاہد ہیں لیکن کنوؤں اور چشموں پر ان کی تعیناتی یا ان کے نام کی نیازیں کرنا، راستوں اور کنوؤں پر چراغ رکھنا وغیرہ باتیں بے اصل ہیں۔ البتہ سکندر ذوالقرنین کے ساتھ ان کا آب حیات پینے کے لئے جانا اور سکندر کا محروم اور ان کا کامیاب ہونا۔ شاید ذوالقرنین کے واقعہ کو واقعہ خضر کے بعد متصلا بیان کرنے سے سمجھا گیا ہو لیکن ان باتوں کا ماننا نہ ماننا اور حضرت خضر کے زمانہ اور خاندان وغیرہ کی تعیین یہ سب باتیں صحیح تاریخی شہادتوں پر موقوف ہیں۔ **قام خطیبا** قوم قبطی کی تباہی اور مصر میں حضرت موسیٰ کی واپسی کے بعد یہ بلیغ اور مؤثر خطبہ ارشاد فرمایا گیا تھا۔ جس کی تاثیر سے لوگوں کی آنکھیں اشکبار اور دل پگھل گئے تھے۔ **فقال انا** علم شرائع کے اعتبار سے یہ جواب اگرچہ صحیح تھا۔ کیونکہ نبی سے بڑھ کر علوم شریعت میں دوسرا اور کوئی مخلوق میں نہیں ہوتا لیکن

جواب میں اس طرح کی کوئی قید ذکر نہیں کی گئی تھی اس لئے شبہ ہوسکتا تھا کہ مطلق علم میں انانیت کا دعویٰ کیا گیا ہے جو خلاف واقعہ اور خلاف ادب ہے۔ کیونکہ اول تو سب سے بڑھ کر اللہ کا علم مطلق ہے اور پھر علم شرائع کے علاوہ دوسری قسمیں بھی دوسرے افراد میں پائی جاتی ہیں اس لئے احتیاط کلام کی تعلیم دینے کے لئے اس یقین کا مشاہدہ واقعات کے ذریعہ کرایا گیا۔ لیکن حضرت موسیٰ کا یہ کمال تواضع اور سچی طلب علم ہے کہ انہوں نے استاد بنانے میں اپنے سے چھوٹے کا بھی خیال نہیں کیا اور فوراً سفر شروع کر دیا بلکہ اپنے شاگرد یوشع کو بھی ہمراہ لے لیا اور یہ بھی خیال نہ کیا کہ یوشع پر میرا اعتقاد اور اثر کم ہوجائے گا کہیں مجھے چھوڑ کر وہ ان کا دامن نہ پکڑ لے اور اس میں حضرت یوشع کا بھی کمال سمجھنا چاہئے کہ وہ اپنے استاد حضرت موسیٰ سے پھر بھی بے اعتقاد نہ ہوئے۔ اسی کو اصطلاح تصوف میں توحید مطلب کہتے ہیں کہ اپنے مخدوم کے علاوہ سب سے آنکھیں بند کرلی جائیں۔ اور اپنا فائدہ صرف اپنے مخدوم میں منحصر سمجھ لیا جائے کیونکہ عادۃ اللہ یہ ہے کہ فائدہ اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے لیکن نظر جب ہرجائی ہوتو کماحقہ کامیابی نہیں ہوسکتی اور مچھلی کی تخصیص شاید اس لئے ہو کہ وہ زندہ ہوکر جب اپنے اصلی ٹھکانہ پر پہنچے گی تو اللہ کی قدرت کا نمایاں طور پر ظہور ہوسکے گا اور اس سے پھر اگلے واقعات سے یقین حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ قال موسیٰ لفتاہ اتنا غداء نا جب اگلے روز ظہر کی نماز سے فراغت ہوئی تو بھوک لگی اور صبح کا کھانا طلب فرمایا۔ منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے چونکہ مقصد کی دھن سوار تھی اور اسی میں مگن تھے۔ اسی لئے راستہ کی تکالیف اور صعوبت سفر محسوس نہیں ہوئی۔ لیکن جونہی مقصود اصلی سے آگے قدم دھرا فوراً تھکان محسوس ہونے لگی۔ گویا پہلے قدم اٹھ نہیں رہے تھے بلکہ اٹھائے جارہے تھے اور اب ایک ایک قدم سوسومن کا ہوکر رہ گیا۔

وسالہ ذلک یہ ایک شبہ کا جواب ہے، شبہ کی تقریر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک اولوالعزم پیغمبر اور صاحب کتاب وشریعت نبی ہونے کی حیثیت سے یقیناً حضرت خضر سے افضل ہیں۔ پھر ایک افضل شخص اپنے سے کم درجہ شخص کے پاس کیوں جاتا ہے اور کیسے اس سے درخواست کرتا ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ علم میں زیادتی اور اضافہ چونکہ مطلوب ہے اس لئے حضرت موسیٰ نے یہ سب کچھ گوارا کیا۔ پس حضرت موسیٰ اور ان کا علم شریعت اگرچہ افضل تھا اور حضرت خضر اور ان کا علم مکاشفہ اگرچہ مفضول ہیں۔ اسی لئے حضرت موسیٰ نے کسی موقعہ پر بھی اس کی پیروی نہیں کی اور اعتراض کرنے سے نہیں چونکے تاہم مزید شرف وکمال کے لئے حق تعالیٰ نے اس کی تحصیل کا حکم فرمایا۔ پس حضرت موسیٰ اس جملہ سے یہ یقین دلانا چاہتے تھے کہ میرے یہاں آنے کا مقصد بجز تحصیل اور افزائش علم کے اور کچھ نہیں ہے۔ **انک لن تستطیع** اول تو علم شریعت جس کے علمبردار حضرت موسیٰ ہیں اس کے تقاضے مخصوص اور مستقل ہیں اور حضرت موسیٰ انہی تقاضوں کے پابند ہیں۔ کیونکہ دوسرے انسانوں کی راہنمائی ان سے وابستہ ہے ادھر علم مکاشفہ جس کے حامل حضرت خضر ہیں اس کے طور وطریق بالکل الگ ہیں۔ ان میں زیادہ تر تکوینی مصالح ہوتی ہیں پس دونوں کے تقاضے مختلف ہونے کی صورت میں یقیناً توافق نہیں ہوسکے گا۔ نہ حضرت موسیٰ ظاہر شرع کا خلاف دیکھتے ہوئے مداہنت کرسکیں گے۔ اور نہ حضرت خضر تکوینی مصالح کے پیش نظر اپنے مفوضہ فرائض انجام دینے میں کوتاہی کریں گے دوسرے طلبگار علم دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو بالکل سیکھتڑ اور ناواقف مبتدی، ان کا معاملہ تو نہایت سہل اور آسان ہوتا ہے جو کہہ دیا اور بتلا دیا اسی پر وہ قناعت کرتے ہیں۔ لیکن دوسری قسم ان طلب گاروں کی ہوتی ہے جو خود بھی ماہر ہوتے اور مہارت ہی کی خاطر وہ پوری بصیرت سے چلنا چاہتے ہیں انہیں عامیانہ سطحی اور تقلیدی انداز مطمئن نہیں کرسکتا۔ پس یہاں حضرت موسیٰ جس دریا کے شناور تھے ان کو سیری بغیر تحقیق اور چھان پھٹک کے نہیں ہوسکتی تھی۔ ادھر حضرت خضر جس

کوچہ کے واقف کار تھے، وہاں گم سم رہنا ہی اصل کمال تھا ہر بات میں کنج کاؤ، کھوج، کریدنا مناسب تھی۔ غرضیکہ ایک جگہ قیل وقال باعث کمال اور دوسری جگہ لائق زوال اس لئے بھی دونوں کا نبھاؤ مشکل نظر آیا۔ ان دونوں طالبوں کی راہوں کے فرق کو بعض عرفا واہل علم نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے "ہر طالبے کے چون وچرا کند وہر طالب علمے کہ چون وچرا نہ کند ہر دورا در چرا گاہ باید فرستاد"۔ انی علی علم اس سے مراد علم مکاشفہ ہے۔ جو باعث افضلیت ہوتا ہے چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کے بارہ میں آیا ہے کہ وہ اگرچہ عام صحابہ سے نماز روزہ میں بڑھے ہوئے نہیں تھے لیکن انما فضلهم بشئ وقر فی صدره وهو علم المکاشفة چنانچہ اگر علوم شرع کے ساتھ کسی کو علم باطن کی دولت بھی حاصل ہو جائے تو سبحان اللہ ورنہ تنہا علم مکاشفہ علم شرع کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ستجدنی انشاء الله علم ظاہر شریعت کی پابندی کرتے ہوئے حضرت موسیٰ نے انشاء اللہ کہا یعنی اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ اللہ کے حوالہ کر دیا لیکن حضرت خضر کا علم چونکہ کشفی تھا انہیں تکوینا معلوم تھا کہ یہ خلاف شرع پر صبر نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے انہوں نے صاف طور پر لن تستطیع معی صبرا بغیر تحقیق کے کہہ دیا۔ فلا تسئلنی الخ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت خضر جو کچھ بھی کر رہے تھے۔ وہ بھی مبنی بر مصالح تھا اس میں بھی تکوینی حکمتیں تھیں اس لئے تنبیہ کرنی پڑی کہ تاوقتیکہ ان مصالح کو خود بیان نہ کروں خاموش دیکھتے رہنا۔ اپنی طرف سے سوال میں پہل نہ کرنا چہ جائیکہ مناقشہ قائم کر دینا۔ ایک متعلم کو اپنے معلم کے ساتھ انہی آداب کے ساتھ رہنا چاہئے۔ اور معلم کو متعلم سے مناسب شرطیں طے کرنے اور منوانے کا حق ہے۔ فانطلقا اس موقع پر حضرت یوشع بھی اگرچہ ساتھ تھے۔ مگر اصل مقصود حضرت موسیٰ اور حضرت خضر ہیں۔ اس لئے تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا گیا۔ حتی اذا رکبا فی السفینة کشتی میں کچھ لوگوں نے شبہ بھی کیا کہ یہ چور اچکے معلوم ہوتے ہیں جو بغیر سامان کے سفر کر رہے ہیں، لیکن کشتی بان ان کی صورتوں اور لباس سے متاثر ہوا اور اس خیال کی تردید کرنے لگا۔ اور ابی ابن کعبؓ کی روایت میں ہے کہ حضرت خضر کو پہچان کر بغیر کرایہ کے سب کو سوار کر لیا لیکن کشتی جب بھنور میں جا کر پہنچی تو بجائے اس کے کہ اس کو نکالنے میں مدد دیتے، الٹا اس پر تبر چلانے لگے اور نیچے سے تختے نکال کر دراڑ پیدا کر دی جس سے کشتی کے لئے خطرات پیدا ہو گئے، کہتے ہیں کہ اس موقع پر ایک چڑیا تختے پر آ بیٹھی اور اس نے سمندر میں چونچ ڈال کر پانی پیا تو حضرت خضر نے حضرت موسیٰ کو توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ جو نسبت اس کے چونچ پر لگے ہوئے پانی کو سمندر کے پانی سے ہے وہی نسبت ہمارے علم کو علم الٰہی سے ہے۔ بما نسیت صحیح روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ سے اول وعدہ کا نسیان ہوا ہے، اسی لئے مفسرؒ علام نے نسیت کا ترجمہ غفلت کے ساتھ کیا ہے۔ یعنی آپؑ نے جو خاموش رہنے کی تلقین اور وصیت کی تھی مجھے اس کا ذہول ہو گیا اور بعض نے نسیان سے مراد مطلقاً ترک لیا ہے، بہر حال پہلا سوال تو بھول سے ہوا۔ لیکن دوسری مرتبہ دریافت کرنا بطور شرط کے ہوا اور تیسری مرتبہ کا سوال علیحدگی کے لئے ہوا۔ لم یبلغ الحنث حنث کے کئی معنی آتے ہیں، قسم توڑنا، گناہ کرنا، لیکن یہاں لازم معصیت یعنی حد تکلیف کے معنی مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ لڑکا غیر مکلف تھا اس لڑکے کا نام جیسور تھا۔ فقتله مفسر علامؒ نے تین قول بیان کئے ہیں جیسا کہ اثر سے ثابت ہے اور تینوں قول جمع بھی ہو سکتے ہیں کہ پہلے اس لڑکے کو دیوار سے دے مارا، پھر زمین پر ڈال کر ذبح کر ڈالا اور گردن الگ کر دی بغیر نفس اس کا تعلق لفظ اقتلت سے بھی ہو سکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ محذوف کی صفت بھی ہو سکتی ہے۔ ای قتلا بغیر نفس ممکن ہے ان کی شریعت میں بچہ سے قصاص لینے کا قانون ہو۔ جیسا کہ ابتداء اسلام میں ہجرت سے پہلے ہمارے یہاں بھی بچوں سے بھی قصاص کا قانون تھا۔ بقول بیہقیؒ غزوۂ احد کے بعد صرف بالغوں کے لئے قصاص خاص ہوا شیخ تقی الدین سبکی نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ نکرا کشتی میں دراڑ ڈالنے کو شیئا امرا سے تعبیر کیا تھا اور یہاں چھوٹے بچہ کے مار ڈالنے کو شیئا نکرا

سے بیان کیا ہے یہ بتلانے کے لئے کہ یہ جرم پہلے قصور سے بڑھ کر ہے کیونکہ کشتی کے نقصان کی تلافی تو ممکن ہے لیکن مردہ بچہ کو زندہ کرنا عادۃً ممکن نہیں ہے اور بعض نے اس کے برعکس مطلب کہا ہے کہ پہلا نقصان دوسرے سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہاں صرف ایک بچہ کا اتلاف ہے اور کشتی ڈوبنے سے بہت سوں کا اتلاف ہوسکتا تھا۔

ربط آیات: .... پچھلی آیات میں چونکہ سرداران مشرکین کی اس درخواست کی برائی بیان کی تھی کہ وہ چاہتے تھے ہماری تعلیم وتبلیغ کے وقت آنحضرت ﷺ کی مجلس میں مسلمان فقراء اور غرباء شریک نہ ہوں اس لئے آیت و اذقال موسیٰ الخ میں حضرت موسیٰ وخضر کی ملاقات کا واقعہ بیان کر کے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے باوجود اکمل وافضل ہونے کے اپنے سے چھوٹے حضرت خضر سے استفادہ کرنے اور ان کو استاد بنانے میں بھی کوئی عار نہیں محسوس کی۔ مگر افسوس کہ تمہیں ان غریبوں کے محض شریک تعلیم ہونے سے بھی عار آتی ہے اور اس قصہ کے بتلانے سے آپ کی نبوت بھی ثابت ہوگئی۔ اسی طرح اوپر کی آیات میں اس حقیقت کو بتلایا گیا تھا کہ منکروں کی سرکشیوں کا نتیجہ اچانک ظاہر ہونے اور ان کی خوشحالیاں چھن جانے کے اگرچہ کافی اسباب پائے جاتے ہیں مگر ایک بڑی رکاوٹ بھی ہے اور وہ ہے قانون رحمت کہ ایک خاص وقت تک رحمت الٰہیہ کی وجہ سے عذاب رکا ہوا ہے۔ جوں ہی وہ مقررہ آن آ پہنچی پھر ان کے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ و اذقال موسیٰ میں اسی معاملہ کے ایک دوسرے پہلو کو لایا جارہا ہے۔ فرمایا کہ بلاشبہ موجودہ حالت ایسی ہی ہے کہ سرکشوں کے لئے کامرانیاں دکھائی دیتی ہیں اور مومنوں کے لئے محرومیاں لیکن صرف اتنی ہی بات دیکھ کر حقیقت حال کا فیصلہ نہ کرلو، یہاں معاملات کی حقیقت وہی نہیں ہوا کرتی جو بظاہر دکھائی دیا کرتی ہے۔ کتنی ہی اچھائیاں ہیں جو فی الحقیقت برائیاں ہوتی ہیں اور کتنی ہی برائیاں ہیں جو فی الحقیقت اچھائیاں ہوتی ہیں تمہاری عقل صرف ظواہر کو دیکھ کر حکم لگادیتی ہے مگر نہیں جانتی کہ ان ظواہر کی تہہ میں کتنے بواطن پوشیدہ ہیں۔ سرکشوں کے لئے اس وقت کامرانیاں ہیں اور مومنوں کے لئے محرومیاں۔ لیکن کیا فی الحقیقت سرکشوں کی کامرانیاں ہیں اور مومنوں کی محرومیاں، محرومیاں۔ اس کا فیصلہ تم نہیں کرسکتے۔ جب پردہ اٹھے گا تو دیکھ لوگے کہ حقیقت حال کیا تھی۔ چنانچہ اس حقیقت کی وضاحت کے لئے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہم السلام کی باہمی ملاقات کا واقعہ پیش کیا جارہا ہے حضرت خضر کو جو علم خاص دیا گیا تھا تو یقیناً بعض چیزوں کے اسرار ورموز اور بواطن ان پر کھول دیئے گئے تھے۔ ان دونوں بزرگوں کی ملاقات میں تین موڑ ایسے آئے کہ ہر مرتبہ حضرت موسیٰ خاموش رہنے کا ارادہ اور عہد کرتے تھے لیکن ان کا ارادہ نہ چل سکا اور ہر مرتبہ بول اٹھے اس سے معلوم ہوا کہ انسانی عقل کسی درجہ میں مجبور بھی ہے کہ ظواہر پر حکم لگائے وہ اس سے رک نہیں سکتی مگر کہا جائے گا کہ وہ یہیں آکر ٹھوکر کھاتی ہے کہ بواطن وحقائق تک نہیں پہنچ سکتی، حضرت خضر نے تین کام کئے، تینوں کا ظاہر برا تھا لیکن تینوں کی تہہ میں بہتری تھی۔ حضرت موسیٰ ظاہر دیکھ رہے تھے لیکن حضرت خضر پر اللہ نے باطن روشن کردیا تھا اگر اسی طرح ہر کام میں ظاہر کا پردہ اٹھ جائے اور وہ حقیقتیں سب کے سامنے آجائیں جو حضرت خضر کے سامنے آگئی تھیں تو دنیا کا کیا حال ہو؟ سارے احکام کس طرح بدل جائیں؟ مگر حکمت الٰہی یہی ہے کہ پردہ نہ اٹھے کیونکہ اس پردہ سے عمل کی ساری آزمائش قائم ہے اور ضروری ہے کہ آزمائش ہوتی رہے۔

﴿تشریح﴾: .... واقعہ کی تفصیل حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو نہایت مؤثر اور بیش بہا نصیحتیں فرمارہے تھے کہ لوگوں کی آنکھیں شدت تاثر سے بہہ نکلیں اور دل کانپ اٹھے۔ ایک شخص نے پوچھا اے موسیٰ: کیا روئے زمین پر آپ اپنے سے بڑا عالم کسی کو پاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں: یہ جواب واقع میں اگرچہ صحیح تھا کیونکہ والوالعزم پیغمبر ہونے کی وجہ سے

اس زمانہ میں اسرار شریعت ان سے زیادہ جاننے والا اور کون ہوسکتا تھا، تاہم عنوان جواب اور تعبیر کے عموم سے ظاہر ہوتا تھا کہ روئے زمین پر وہ خود کو ہر طرح سب سے بڑھ کر عام خیال کر رہے ہیں اس لئے حق تعالیٰ کو یہ الفاظ اور دعوے کا لب ولہجہ پسند نہیں آیا۔ اللہ والے اگر سب سے افضل اور بہتر بھی ہوں تو اپنے آپ کو بہتر نہیں سمجھتے اور کہتے اور کبھی بھول چوک سے کہہ گزریں تو حق تعالیٰ کی طرف سے انہیں تنبیہ وتادیب کردی جاتی ہے۔ یہاں بھی اللہ کی مرضی یہ تھی کہ جواب میں اللہ کے علم محیط کے حوالہ کر کے یہ کہتے کہ اللہ کے مقبول ومحبوب بندے بہت سے ہیں جن کا حال اسے ہی معلوم ہے۔ چنانچہ حضرت خضر کی ملاقات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ بعض علوم میں وہ موسیٰ سے بڑھ کر نکلے اگرچہ ان علوم کو قرب الٰہی میں کچھ دخل نہ ہو۔ مگر مطلقاً اپنے کو سب سے بڑا عالم کہنا تو صحیح نہ رہا۔

مجمع البحرین سے کیا مراد ہے؟:..........مجمع البحرین سے کیا مراد ہے۔ مفسر علامؒ نے بحر فارس اور بحر روم مراد لیا ہے لیکن یہ دونوں دریا ملتے نہیں ہیں شاید ملاپ سے ان کا نزدیک ہونا ہوگا یعنی دونوں کا فاصلہ کم رہ جانا اور بعض نے افریقہ کے دو دریا مراد لئے ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک وہ مقام مراد ہے جہاں پہنچ کر دجلہ اور فرات، دونوں خلیج فارس میں جاگرتے ہیں۔ بہرحال حضرت موسیٰ نے درخواست کی کہ مجھے ان کا پورا پتہ نشان بتلا دیا جائے تاکہ سفر کر کے ان سے کچھ استفادہ کرسکوں، حکم ہوا کہ ان کی تلاش میں نکلو، تو ایک مچھلی تل کر ساتھ رکھ لو، جہاں مچھلی گم ہو وہیں سمجھنا کہ وہ بندہ موجود ہے، گویا مجمع البحرین سے جو ایک وسیع خطہ مراد ہوسکتا تھا اس کی پوری تعیین کے لئے یہ علامت مقرر فرمادی، موسیٰ علیہ السلام نے ہدایت الٰہی کے مطابق اپنے خاص خادم حضرت یوشع کو ساتھ لے کر سفر شروع کر دیا اور تاکید کردی کہ دیکھو مچھلی کا خیال رکھنا میں اس وقت تک برابر سفر کرتا رہوں گا جب تک منزل مقصود تک نہ پہنچ جاؤں اگر فرض کرو برس اور قرن بھی گزر جائیں تب بھی مقصد حاصل کئے بغیر سفر سے نہ ہٹوں گا۔

آب حیات اور قدرت کی نشانیاں:..........غرضیکہ ایک چٹان پر جس کے نیچے ''آب حیات'' کا چشمہ جاری تھا حضرت موسیٰ سو گئے یوشع نے دیکھا کہ مچھلی نے زنبیل سے نکل کر دریا میں جست لگادی اور عجیب طریقہ سے دریا میں سرنگ بناتی اور سوراخ کرتی چلی گئی، یوشع کو حیرت ہوئی اور چاہا کہ حضرت موسیٰ بیدار ہوں تو ان سے عرض کروں، لیکن یوشع نہ معلوم کن حالات میں کھو گئے اور کہنا بھول گئے۔ ایسی عجیب بات کا بھول جانا اگرچہ عجیب ہے مگر جو شخص عجائب وغرائب اور خوارق کا مشاہدہ کرتا رہتا ہو وہ کسی غیر معمولی بات کو بھی اپنے معمول کے مطابق ہی پائے گا۔ اس لئے اگر کسی خیال کے غلبہ سے اس سے ذہول ہو جائے تو حیرت نہیں ہونی چاہئے۔ اور روایات میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے جب یوشع سے چلتے وقت مچھلی کی خبر گیری کو کہا تھا تو ان کی زبان سے نکل گیا تھا کہ یہ کوئی مستقل اور بڑا کام نہیں اس لئے یہاں متنبہ کیا گیا کہ چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی انسان کو اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ غرضیکہ نہ یوشع کو کہنا یاد رہا اور نہ حضرت موسیٰ کو پوچھنے کا دھیان رہا۔ حضرت موسیٰ کو پورے سفر میں کہیں تھکان محسوس نہیں ہوئی جب مطلب چھوٹ رہا تھا اس وقت چلنے سے تھکان محسوس ہوئی اور **وما انسانیہ الا الشیطان** کا مطلب یہ ہے کہ مطلب کی بات بھول جانا اور یادداشت کے عین موقعہ پر ذہول ہو جانا شیطان کی کرتوت ہے لیکن یوشع جب کہ نبی ہیں پھر ان پر شیطان کا تصرف نسیان کیسے ہوا؟ جواب یہ ہے کہ ایسے تصرفات میں کوئی حرج نہیں جب تک وہ کسی برائی اور گناہ تک نہ پہنچا دیں۔ جیسے کسی کافر کے پتھر مار دینے سے نبی کے چوٹ لگ جائے ایسے ہی یہ بھی ہے اور مچھلی کے دریا میں چھلانگ لگانے کو عجیب اس لئے کہا کہ.....اول تو خود تلی ہوئی مچھلی کا زندہ ہونا عجیب تھا۔ دوسری پانی جیسی سیال چیز کا سرنگ کی شکل میں کچھ دیر کے لئے.........تبدیل ہو کر برقرار رہنا عجیب تر تھا۔

حضرت خضر نبی تھے یا ولی؟:............حضرت خضر کی نبوت وولایت میں اختلاف ہوا ہے۔تاہم محققین کا رجحان ان کی نبوت کی طرف ہے جو انبیاء مستقل شریعت لے کر آتے ہیں ان کو تصرف واختیار من جانب اللہ عطا ہوتا ہے کہ خاص مصالح کے پیش نظر شریعت کے کسی عام حکم کی تخصیص یا مطلق کی تقیید یا کسی عام ضابطہ سے کچھ جزئیات کو الگ کر سکتے ہیں، اسی طرح کے جزئی تصرفات کے اختیارات حضرت خضر کو حاصل تھے۔یا کہا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسرار الٰہیہ میں بڑھے ہوئے تھے جنہیں قرب الٰہی میں بڑا دخل ہوتا ہے اور حضرت خضر علیہ السلام اسرار کونیہ میں بڑھے ہوئے تھے اگر چہ قرب الٰہی میں ان اسرار کونیہ کو کوئی دخل نہ ہو۔غرضیکہ حضرت موسیٰ وخضر کی ملاقات ہوئی۔علیک سلیک کے بعد حضرت خضر نے آنے کا سبب پوچھا، حضرت موسیٰ نے مقصد ملاقات بتلا دیا خضر بولے اے موسیٰ: بلاشبہ آپ اسرار الٰہیہ کے امین ہیں پر بات یہ ہے کہ اسرار کونیہ کا علم مجھے عطا ہوا ہے ایک میں تم بڑھے ہوئے ہو، ایک میں میں، اس کے بعد ایک چڑیا جو دریا میں سے پانی پی رہی تھی اسے دکھا کر خضر نے کہا کہ ساری مخلوق کا علم اللہ کے علم کے سامنے ایسا ہے جیسے اس کی چونچ پر لگا ہوا پانی دریا کے سامنے، یہ بھی محض سمجھانے کے لئے کہا.....ورنہ ایک متناہی علم کو غیر متناہی علم سے کیا نسبت۔متاثر ہو کر حضرت موسیٰ نے ان کے ساتھ رہنے کی خواہش کی۔معلوم ہوا کہ طلب علم کی درخواست طالب علم کی جانب سے ہونی چاہئے۔لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزاج وغیرہ کا اندازہ کر کے سمجھ لیا کہ میرا ان کا نبھاؤ نہیں ہو سکے گا کیونکہ حضرت خضر واقعات کونیہ کا جزئی علم پا کر اس کے موافق عمل کرنے پر مامور تھے اور حضرت موسیٰ جن علوم کے حامل تھے ان کا تعلق تشریعی قوانین وکلیات سے تھا پس جن جزئیات میں عوارض اور خصوصیات کی وجہ سے ظاہر اعام ضابطہ پر عمل نہ ہوگا۔حضرت موسیٰ اپنی معلومات اور فرض منصبی کے اعتبار سے ضرور ان پر روک ٹوک کریں گے۔آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ جدا ہونا پڑے گا اور یوں بھی متعلم کی طرف سے معلم پر روک ٹوک اور اعتراض کی صورت میں تعلیمی سلسلہ کا باقی اور جاری رہنا مشکل ہو جاتا ہے مگر حضرت موسیٰ نے طالبعلمانہ صورت کو برقرار رکھتے ہوئے۔ان شرطوں کی منظوری دیتے ہوئے صبر وسکون سے رہنے کا وعدہ کر لیا جس سے معلوم ہوا کہ طالب صادق کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔مگر وعدہ کرتے وقت غالباً موسیٰ علیہ السلام کو اس کا تصور بھی نہ ہوگا کہ ایسے مقبول ومقرب بندے سے کوئی ایسی حرکت دیکھنے میں آئے گی جو علانیہ ان کی شریعت بلکہ عام انسانی اخلاق اور شرائع کے بھی خلاف ہو، غنیمت ہوا کہ انہوں نے انشاء اللہ کہہ لیا تھا ورنہ ایک قطعی وعدہ کی خلاف ورزی کرنا ایک اولوالعزم پیغمبر کے شایان شان نہ ہوتا۔معلم کی طرف سے مناسب اور ضروری شرطوں کا مان لینا ایک سچے طالب علم کی شایان شان ہے۔حضرت خضر نے پیش بندی کے طور پر یہ پابندی لگا دی کہ اگر کوئی بات بظاہر ناحق نظر آئے تو فوراً مجھ سے باز پرس نہ کرنے لگنا جب تک میں خود اپنی طرف سے کہنا شروع نہ کروں چپ رہنا، از خود بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔

سفر کے تین اہم واقعات:............غرضیکہ ناؤ کے ذریعہ دریائی سفر کرنا طے ہوا۔ناؤ والوں نے پہچان کر مفت سوار کر لیا لیکن کچھ دور چل کر جب حضرت خضر نے کشتی کے نچلے تختے توڑ کر دراڑ ڈال دی تو اس احسان کے بدلہ میں یہ نقصان دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کو تاب نہ رہی اور بول اٹھے کہ کیا آپ لوگوں کو ڈبونا چاہتے ہیں؟ کشتی کے تختوں کا توڑنا کنارہ کے قریب جا کر ہوا ہوگا اور یا اتنا توڑا ہوگا کہ کشتی غرق نہ ہو جائے البتہ عیب دار کر دی تھی۔بہر حال لوگوں کا ڈوبنا اور نقصان اٹھانا اگر چہ یقینی نہیں تھا مگر محتمل ضرور تھا اور جب تک کوئی مصلحت غالب نہ ہو اس وقت تک احتمال ضرر سے بچنا بھی ضروری ہوتا ہے اور یہاں بظاہر کوئی مصلحت معلوم نہیں ہوتی۔اس لئے

حضرت موسیٰ نے روک ٹوک فرمائی۔ حضرت خضر نے کہا آخر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا کہ اپنے قول پر نہ ٹھہر سکے اور فوراً چھلک گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے معذوری انداز میں فرمایا کہ مجھے بالکل خیال نہیں رہا تھا بھول چوک پر بھی اگر آپ گرفت کریں گے تو ساتھ رہنا یقیناً مشکل ہو جائے گا۔ خیر ''گذشتہ را صلوٰۃ آئندہ را احتیاط'' بات آئی گئی ہوئی۔ دونوں کسی آبادی کی طرف چلے، ایک گاؤں کے قریب کچھ لڑکے کھیل رہے تھے ان میں سے ایک ہونہار اور خوبصورت لڑکے کو پکڑ کر جان سے مار ڈالا اور چل کھڑے ہوئے، یہ لڑکا بالغ تھا یا نابالغ دونوں ہی قول ہیں۔ جمہور مفسرینؒ نے نابالغ کہا ہے۔ اور لفظ غــلام اور زکیۃ بھی اس کے مؤید ہیں۔ بہر حال اس بھیانک اور دلدوز منظر کو دیکھتے ہی موسیٰ علیہ السلام بے تاب ہو گئے اور چیخ اٹھے کہ اول تو نابالغ جو قصاص میں بھی قتل نہیں کیا جا سکتا، اس پر طرہ یہ کہ یہاں قصاص کا بھی کوئی قصہ نہیں، بے خطا بے قصور ایک معصوم بچہ کو بے دردی سے مار ڈالا اس نے آپ کا کیا بگاڑا تھا بھلا اس سے بڑھ کر اور کون سی بات ہوگی؟ حضرت موسیٰ کے طیش میں آنے کی غالباً یہ وجہ بھی ہوگی کہ کشتی کے واقعہ میں نقصان مال اگر چہ یقینی تھا مگر جانی نقصان کا صرف احتمال تھا۔ مگر یہاں تو جانی نقصان کھلی آنکھوں نظر آ رہا ہے اور وہ بھی ایک معصوم بچہ کا اور پھر بے قصور بھلا اس کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے؟ حضرت موسیٰ کا پہلا پوچھنا بھول سے تھا اور یہ پوچھنا بطور اقرار کے ہوا اور تیسرا پوچھنا رخصتی ہو گیا۔ خضر نے کہا ہم نے کہا نہیں تھا کہ ایسے حالات وواقعات پیش آئیں گے جن پر تم خاموشی سے صبر نہیں کر سکو گے؟ آخر وہی ہوا نہ، موسیٰ علیہ السلام بولے خیر اب کے اور جانے دیجئے، آئندہ پھر اگر ایسی بات ہوئی تو بے شک مجھے کوئی عذر نہیں ہوگا۔

شبہات وجوابات:.......... (۱) کچھ اہل کتاب کہتے ہیں کہ یہ واقعہ مشہور پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش نہیں آیا، ورنہ تورات وانجیل پچھلی کتابوں میں ضرور ذکر ہوتا، جواب یہ ہے کہ اول تو اہل کتاب کی بعض کتابیں چونکہ دنیا سے ناپید ہو چکی ہیں اس لئے ممکن ہے ان گمشدہ کتابوں میں یہ واقعہ بھی مذکور ہو، اور اب ان کتابوں کے گم ہونے سے یہ واقعہ بھی لوگوں کو معلوم نہ رہا ہو۔ دوسرے ہمارے پیغمبر کی حدیثوں میں آیا ہے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہی پیش آیا ہے۔ پس پچھلی کتابیں زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس سے ساکت ہیں، اور ہماری کتابیں اس کو مانتی ہیں اور ثبوت، انکار کے مقابلہ قابل ترجیح ہوتا ہے چہ جائیکہ سکوت کے مقابلہ میں وہاں تو اور بھی راجح ہونا چاہئے (۲) بعض اس سفر اور اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں کیونکہ اگر یہ سفر ہوا ہوتا تو بنی اسرائیل میں ضرور مشہور ہوتا؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کی غباوت کے خیال سے کہ طرح طرح کے شبہات اور فتنہ میں لوگ مبتلا ہو جائیں گے کسی سے تذکرہ نہ کیا ہو اور بنی اسرائیل کے لوگ سمجھے ہوں کہ حسب عادت وضرورت کہیں تشریف لے گئے ہوں گے اس لئے مشہور نہیں ہوا۔ اور یا لوگوں کو آپ کا جانا معلوم ہوا ہو لیکن اس خیال سے کہ لوگوں میں حضرت موسیٰ کی سبکی ہوگی کہ اتنے بڑے عالم ہو کر دوسرے کے پاس سیکھنے کے لئے گئے اس واقعہ کا لوگوں میں چرچا نہ ہونے دیا اور آہستہ آہستہ پھر یہ تذکرہ ہی موقوف ہو گیا ہو (۳) حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے اس واقعہ سے بعض لوگوں کو دھوکا ہو گیا ہے کہ علم باطن، علم شریعت سے افضل ہے؟ جواب یہ ہے کہ علم باطن کے دو شعبے ہیں (۱) مرضیات الٰہی کا علم، جس کا تعلق نفس سے ہے اور (۲) اسرار کونیہ کا علم، پس پہلا علم تو شریعت کا ایک جز ہے اور ظاہر ہے کہ جز کبھی بھی کل سے افضل نہیں ہو سکتا پھر علم باطن شریعت سے کیسے افضل ہوا۔ رہا دوسرا شعبہ سو اسے چونکہ مرضیات الٰہی میں کچھ دخل نہیں اس لئے اس کے افضل ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں ہو سکتا (۴) اسی طرح اس سے بعض کو یہ دھوکا ہوا ہے کہ خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ سے........ افضل ہوئے۔ جواب یہ ہے کہ حضرت خضر کو علم باطن کے دوسرے شعبہ کا حاصل ہونا اس قصہ سے معلوم ہوا اور ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ وہ علم شریعت سے کمتر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا پھر حضرت خضر افضل کیسے ہوئے بلکہ اس سے تو حضرت موسیٰ کی افضلیت ثابت ہوئی۔ رہا حضرت خضر کے پاس حضرت موسیٰ کا تشریف لے جانا سو اس کی

بنیاد خضر کی افضلیت نہیں تھی بلکہ حضرت موسیٰ کو کلام میں احتیاط کرنے اور بولنے میں ادب کی رعایت رکھنے کی تعلیم دینا مقصود تھا کہ آئندہ اپنے مرتبہ کی شان کے مناسب دیکھ بھال کر بولا کریں۔اور مقید کی جگہ مطلق نہ بول دیا کریں (۵) بعض کو یہ دھوکا ہوگیا ہے کہ پھر اگر کوئی کام خلاف شرع بھی کرے تو اس پر انکار واعتراض نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ اسی قصہ کے سلسلہ میں حدیث میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اگر صبر کرتے تو خوب ہوتا۔یعنی اگر اعتراض نہ کرتے اور خاموشی سے دیکھتے رہتے تو نہ معلوم کتنے عجائبات کھلتے مگر انہوں نے بول کر بندش لگادی۔ چنانچہ مشہور ہے۔

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید　　　که سالک بے خبر نہ بود زراہ ورسم منزلہا

جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا باکمال ہونا تو نص سے معلوم تھا اس لئے انہیں خلاف ظاہر پر خاموش رہنے کی گنجائش تھی ان کے لئے چپ رہنا جائز تھا۔ دوسروں کو ان پر قیاس کر کے خاموش رہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ حضرت خضر نے جن رازوں کو بیان کیا وہ اگر چہ حضرت موسیٰ کے علوم کے برابر مفید عام نہیں تھے کیونکہ وہ لائق اتباع نہیں لیکن اس معنی کو مفید خاص ضرور تھے کہ ان کے ذریعہ بعض حکمتیں مفصل طور پر منکشف ہوئیں۔اگر چہ قرب الٰہی کے لئے صرف اتنا اجمالی عقیدہ بھی کافی ہوسکتا ہے کہ ہر کام میں حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہوتی ہیں مگر حکمتوں کی تفصیل معلوم ہونے سے جو خاص فائدہ ہوتا ہے وہ اپنی جگہ نا قابل انکار ہے۔حدیث بالا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خاموش رہنے کے لئے حضرت موسیٰ کے خاموش رہنے کے لئے حضرت موسیٰ کے متعلق تمنا فرمائی ہے اس کا منشاء قصے اور واقعات سننا نہیں بلکہ خود ان اسرار اور رموز کی تمنا ہے جو حضرت موسیٰ کے خاموش رہنے کی صورت میں زیادہ ساتھ رہنے اور حضرت خضر کے ازخود بیان فرمانے سے حاصل ہوتے کیونکہ حضرت موسیٰ چپ رہتے تو حضرت خضر کے ساتھ رہنے کا موقعہ زیادہ ملتا اور زیادہ واقعات اور ان کے اسرار سامنے آتے جنہیں موقعہ بموقعہ حضرت خضر علیہ السلام ازخود بیان فرمادیتے لیکن ملاقات کے طول نہ دینے اور مختصر کردینے میں بھی نہ معلوم خدائی مصلحتیں کتنی ہوں گی (۶) بعض کو دھوکا ہوا ہے کہ الہام اگر خلاف شرع ہو تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ حضرت خضر اپنے الہامات پر عمل کر رہے تھے مگر وہ الہامات حضرت موسیٰ کی شرع کے خلاف تھے۔اسی لئے تو ہر موقعہ پر انہوں نے نکیر فرمائی ہے۔ جواب یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام اگر خود نبی تھے تب تو کوئی اشکال ہی نہیں کیونکہ ہر نبی اپنی شریعت اور الہام کے مطابق عمل کرتا ہے ایک کو دوسرے کی تقلید کرنا ضروری نہیں ہے اور اگر حضرت خضر نبی نہیں، بلکہ ولی تھے تو ممکن ہے پہلی شریعتوں میں اس کی گنجائش ہو کہ ولی اپنے الہام پر عمل کرسکتا ہو چاہے وہ اس شرع کے خلاف ہو، مگر ہماری شریعت میں ایسا کرنا جائز نہیں۔

خلاف پیمبر کسے راہ گزید　　　که ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(۷) حضرت موسیٰ کے بولنے پر جب حضرت خضر نے نکیر فرمائی تو حضرت موسیٰ نے یہ کیوں نہ فرمایا کہ تمہارے یہ سب کام خلاف شرع ہیں؟ جواب یہ ہے کہ غصہ فرو ہونے کے بعد اجمالاً اتنا حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے تھے کہ حق تعالیٰ نے جب مجھے ان کے پاس بھیجا تو ضرور ان کا فعل اللہ کی مرضی کے موافق ہوگا (۸) موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کرنے کے بعد پھر کیوں اعتراض کیا؟ یہ تو وعدہ کی خلاف ورزی ہوئی جو ایک پیغمبر کے شایان شان نہیں اور پھر بار بار ایسا کرنا تو اور بھی برا ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ وعدہ موسیٰ علیہ السلام نے بطور خود کیا تھا منجانب اللہ ان کو یہ حکم نہیں ہوا تھا اور اس کی پابندی کرنے اور اس پر قائم رہنے میں خود انہی کا فائدہ تھا۔اور پابندی نہ کرنے میں حضرت خضر کا کوئی نقصان نہیں تھا۔ بالخصوص جب کہ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام صبر نہیں کرسکیں گے

اور جو کام شرعاً واجب نہ ہو بلکہ کوئی اپنی مصلحت سے اپنے اوپر لازم کرلے اور اس کے چھوڑنے میں دوسرے کا نقصان بھی نہ ہو تو ایسے کام کا نہ کرنا شرعاً گناہ نہیں ہوگا پس وعدہ خلافی کا گناہ لازم نہیں آیا۔ اور جیسے ایک دفعہ ایسے وعدہ کا خلاف کرنا جائز ہے، بار بار بھی خلاف ورزی کی گنجائش نکل سکتی ہے اس لئے کوئی شبہ نہیں رہا اصل سبب اس وعدہ کا محض خوش طبعی ہوگا جو کاملین کی طرف سے بھی کبھی کبھی پیش آسکتی ہے۔

لطائف آیات:............آیت واذقال موسیٰ الخ سے شیخ کامل کی تلاش میں حد درجہ کوشش کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ بشرطیکہ اس سے بڑھ کر کوئی واجب حق نہ چھوٹتا ہو۔ آیت نسیا حوتھما الخ سے ثابت ہوا کہ زادراہ وغیرہ اسباب کا سفر میں ساتھ رکھنا خلاف توکل نہیں ہے۔ آیت لقد لقینا من سفرنا الخ سے معلوم ہوا کہ بیماری وغیرہ کسی حالت کو ظاہر کرنا خلاف توکل نہیں ہے۔ آیت وما انسانیہ الخ سے معلوم ہوا کہ شیطانی اثر اور تصرف سے وسوسہ اور بھول چوک کا پیش آجانا ولایت کے خلاف تو کیا، نبوت کے بھی منافی نہیں ہے۔ البتہ اتنا شیطانی تصرف جو گناہ تک پہنچادے وہ بے شک نبوت کے شایان شان نہیں مگر وہ ثابت نہیں ہے۔ آیت وعلّمنٰہ من لدنا علما سے جس علم لدنی کا عطا ہونا معلوم ہوا ممکن ہے وہ وحی یا الہام کے ذریعہ سے ہوا ہو اور یہ الہام انبیاء اور اولیاء دونوں کو ہوتا ہے۔ اس علم لدنی کو علم حقیقت اور علم باطن ہی کہتے ہیں۔ جن واقعات کا ذکر اس قصہ میں کیا گیا ہے ان کا علم اگرچہ علم لدنی کی اس نوع میں داخل ہے جو حضرت خضر کو عطا ہوا۔ بہرحال یہ آیت علم لدنی کی اصل ہے۔ آیت ھل اتبعك الخ میں حضرت موسیٰ کی طرف سے ادب وتواضع اور لطف کی کس قدر رعایت ہے جو سلوک وتعلیم کے لئے نہایت ضروری ہے۔ آیت فان اتبعتنی الخ سے معلوم ہوا کہ شیخ کو مرید سے مناسب شرطوں کے لگانے کا حق ہے، قال اخرقتھا الخ سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ اکابر سے کچھ ایسے کام بھی سرزد ہوسکتے ہیں، جن کا ظاہر اگرچہ خلاف شرع ہوتا ہے مگر واقعۃً وہ خلاف شرع نہیں ہوتے۔ دوسرے یہ کہ بعض اہل اللہ جن کو قطب التکوین اور صاحب خدمت کہتے ہیں، حکم الٰہی سے کچھ تکوینی تصرفات کرتے رہتے ہیں۔

الحمدللہ پارہ ۱۵ کی تفسیر تمام ہوئی۔

پارہ نمبر ۱۶
قَالَ اَلَمْ

فہرست پارہ ﴿قال الم﴾

ال **اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا** ﴿٧٥﴾ زَادَ لَكَ عَلٰى مَاقَبْلَهٗ لِعَدَمِ الْعُذْرِ هُنَا وَلِهٰذَا
لَ **اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَىْءٍۢ بَعْدَهَا** اَىْ بَعْدَ هٰذِهِ الْمَرَّةِ **فَلَا تُصٰحِبْنِىْ** لَا تَتْرُكْنِى اتَّبِعُكَ **قَدْ بَلَغْتَ مِنْ**
نِّىْ بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ مِنْ قِبَلِىْ **عُذْرًا** ﴿٧٦﴾ فِىْ مُفَارَقَتِكَ لِىْ **فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ**
نِ اِنْطَاكِيَّةَ **اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا** طَلَبَا مِنْهُمُ الطَّعَامَ ضِيَافَةً **فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا**
تِفَاعُهٗ مِائَةُ ذِرَاعٍ **يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ** اَىْ يَقْرُبُ اَنْ يَّسْقُطَ لِمِيْلَانِهٖ **فَاَقَامَهٗ** الْخَضِرُ بِيَدِهٖ **قَالَ** لَهٗ مُوْسٰى **لَوْ**
ئْتَ لَتَّخَذْتَ وَفِىْ قِرَاءَةٍ لَاتَّخَذْتَ **عَلَيْهِ اَجْرًا** ﴿٧٧﴾ جُعْلًا حَيْثُ لَمْ يُضَيِّفُوْنَا مَعَ حَاجَتِنَا اِلَى الطَّعَامِ
لَ **لَهُ** الْخَضِرُ **هٰذَا فِرَاقُ** اَىْ وَقْتُ فِرَاقِ **بَيْنِىْ وَبَيْنِكَ** فِيْهِ اِضَافَةُ بَيْنَ اِلٰى غَيْرِ مُتَعَدِّدٍ سُوْغُهَا تَكْرِيْرُهٗ
لْعَطْفِ بِالْوَاوِ **سَاُنَبِّئُكَ** قَبْلَ فِرَاقِىْ لَكَ **بِتَاْوِيْلِ مَالَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا** ﴿٧٨﴾ **اَمَّا السَّفِيْنَةُ**
كَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ عَشَرَةٍ **يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ** بِالسَّفِيْنَةِ مُوَاجَرَةً لَهَا طَلَبًا لِلْكَسْبِ **فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا**
كَانَ وَرَآءَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اَوْ اَمَامَهُمُ الْاٰنَ **مَّلِكٌ** كَافِرٌ **يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ** صَالِحَةٍ **غَصْبًا** ﴿٧٩﴾ نَصْبُهٗ
لَى الْمَصْدَرِ الْمُبَيِّنِ لِنَوْعِ الْاَخْذِ **وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا**
كُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَاِنَّهٗ كَمَا فِىْ حَدِيْثِ مُسْلِمٍ طُبِعَ كَافِرًا وَلَوْ عَاشَ لَاَرْهَقَهُمَا ذٰلِكَ اَىْ لِمُحَبَّتِهِمَا لَهٗ يَتْبَعَانِهٖ
كَ **فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ **رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً** اَىْ صَلَاحًا وَتُقًى **وَّاَقْرَبَ مِنْهُ**
حْمًا ﴿٨١﴾ بِسُكُوْنِ الْحَاءِ وَضَمِّهَا رَحْمَةً وَهِىَ الْبِرُّ بِوَالِدَيْهِ فَاَبْدَلَ لَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى جَارِيَةً تَزَوَّجَتْ نَبِيًّا
لَدَتْ نَبِيًّا فَهَدَى اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ اُمَّةً **وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ**

كَنْزٌ مَالٌ مَدْفُوْنٌ مِنْ ذَهَبٍ وَفِضَّةٍ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًاۚ فَحَفِظَا بِصَلَاحِهٖ فِيْ اَنْفُسِهِمَا وَمَالِهِمَا
فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا اَيْ اِيْنَاسَ رُشْدِهِمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَاۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَۚ
مَفْعُوْلٌ لَهٗ عَامِلُهٗ اَرَادَ وَمَا فَعَلْتُهٗ اَيْ مَا ذُكِرَ مِنْ خَرْقِ السَّفِيْنَةِ وَقَتْلِ الْغُلَامِ وَاِقَامَةِ الْجِدَارِ عَنْ اَمْرِيْؕ اَيْ
اِخْتِيَارِيْ بَلْ بِاَمْرِ اِلْهَامٍ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَالَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا﴿۸۲﴾ يُقَالُ اِسْطَاعَ
وَاسْتَطَاعَ بِمَعْنٰى اَطَاقَ فَفِيْ هٰذَا وَمَا قَبْلَهٗ جَمْعٌ بَيْنَ اللُّغَتَيْنِ وَنُوِّعَتِ الْعِبَارَةُ فِيْ فَاَرَدْتُ فَاَرَدْنَا مَازَادَ رَبُّكَ
وَيَسْئَلُوْنَكَ اَيِ الْيَهُوْدُ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِؕ اِسْمُهٗ اَسْكَنْدَرُ وَلَمْ يَكُنْ نَبِيًّا قُلْ سَاَتْلُوْا سَاَقُصُّ عَلَيْكُمْ
مِّنْهُ مِنْ حَالِهٖ ذِكْرًا ﴿۸۳﴾ خَبَرٌ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ بِتَسْهِيْلِ السَّيْرِ فِيْهَا وَاٰتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ
يَحْتَاجُ اِلَيْهِ سَبَبًا﴿۸۴﴾ طَرِيْقًا يُوْصِلُ اِلٰى مُرَادِهٖ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾ سَلَكَ طَرِيْقًا نَحْوَ الْمَغْرِبِ حَتّٰى اِذَا بَلَغَ
مَغْرِبَ الشَّمْسِ مَوْضِعَ غُرُوْبِهَا وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ ذَاتِ حَمَاةٍ وَهِيَ الطِّيْنُ الْاَسْوَدُ
وَغُرُوْبُهَا فِي الْعَيْنِ فِيْ رَايِ الْعَيْنِ وَاِلَّا فَهِيَ اَعْظَمُ مِنَ الدُّنْيَا وَّوَجَدَ عِنْدَهَا اَيِ الْعَيْنِ قَوْمًاؕ كَافِرِيْنَ قُلْنَا
يٰذَا الْقَرْنَيْنِ بِاِلْهَامٍ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ الْقَوْمَ بِالْقَتْلِ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا﴿۸۶﴾ بِالْاِسْرِ قَالَ اَمَّا مَنْ
ظَلَمَ بِالشِّرْكِ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ نَقْتُلُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ بِسُكُوْنِ الْكَافِ
وَضَمِّهَا شَدِيْدًا فِي النَّارِ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ نِ الْحُسْنٰىۚ اَيِ الْجَنَّةُ وَالْاِضَافَةُ
لِلْبَيَانِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِنَصْبِ جَزَاءً وَتَنْوِيْنِهٖ قَالَ الْفَرَّاءُ نَصْبُهٗ عَلَى التَّفْسِيْرِ اَيْ لِجِهَةِ النِّسْبَةِ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ
اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾ اَيْ نَاْمُرُهٗ بِمَا يَسْهُلُ عَلَيْهِ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ نَحْوَ الْمَشْرِقِ حَتّٰى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ
الشَّمْسِ مَوْضِعَ طُلُوْعِهَا وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ هُمُ الزَّنْجُ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا اَيِ الشَّمْسِ
سِتْرًا﴿۹۰﴾ مِنْ لِبَاسٍ وَّلَا سَقْفٍ لِاَنَّ اَرْضَهُمْ لَاتَحْمِلُ بِنَاءً وَلَهُمْ سُرُوْبٌ يَغِيْبُوْنَ فِيْهَا عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ
وَيَظْهَرُوْنَ عِنْدَ اِرْتِفَاعِهَا كَذٰلِكَؕ اَيِ الْاَمْرُ كَمَا قُلْنَا وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ اَيْ عِنْدَ ذِي الْقَرْنَيْنِ مِنَ
الْاٰلَاتِ وَالْجُنْدِ وَغَيْرِهِمَا خُبْرًا ﴿۹۱﴾ عِلْمًا ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا﴿۹۲﴾ حَتّٰى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ بِفَتْحِ السِّيْنِ
وَضَمِّهَا هُنَا وَبَعْدَهُمَا جَبَلَانِ بِمُنْقَطَعِ بِلَادِ التُّرْكِ سَدَّ الْاِسْكَنْدَرِ مَابَيْنَهُمَا كَمَا سَيَاْتِيْ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا
اَيْ اَمَامَهُمَا قَوْمًاۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا﴿۹۳﴾ اَيْ لَايَفْهَمُوْنَهٗ اِلَّا بَعْدَ بُطْوءٍ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الْيَاءِ
وَكَسْرِ الْقَافِ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ بِالْهَمْزَةِ وَتَرْكِهَا اِسْمَانِ اَعْجَمِيَّانِ لِقَبِيْلَتَيْنِ فَلَمْ
يَنْصَرِفَا مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِالنَّهْبِ وَالْبَغْيِ عِنْدَ خُرُوْجِهِمْ اِلَيْنَا فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا جُعْلًا

المَالِ وَفِی قِرَاءَةٍ خِرَاجًا **عَلٰٓی اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمْ سَدًّا** ﴿۹۴﴾ حَاجِزًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْنَا **قَالَ مَامَكَّنِّیْ** وَفِی قِرَاءَةٍ بِالنُّوْنَیْنِ مِنْ غَیْرِ اِدْغَامٍ **فِیْهِ رَبِّیْ** مِنَ المَالِ وَغَیْرِهٖ **خَیْرٌ** مِنْ خَرْجِکُمُ الَّذِیْ تَجْعَلُوْنَهٗ لِیَ فَلَا حَاجَةَ لِیْ اِلَیْهِ وَاَجْعَلُ لَکُمُ السَّدَّ تَبَرُّعًا **فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ** لِمَا اَطْلُبُهٗ مِنْکُمْ **اَجْعَلْ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَهُمْ رَدْمًا** ﴿۹۵﴾ حَاجِزًا حَصِیْنًا **اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ** قِطَعَةً عَلٰی قَدْرِ الْحِجَارَةِ الَّتِیْ یُبْنٰی بِهَا فَبَنٰی بِهَا وَجَعَلَ بَیْنَهَا الْحَطَبَ وَالْفَحْمَ **حَتّٰٓی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ** بِضَمِّ الْحَرْفَیْنِ وَفَتْحِهِمَا وَضَمِّ الْاَوَّلِ وَسُکُوْنِ الثَّانِیْ اَیْ جَانِبَیِ الْجَبَلَیْنِ بِالْبِنَاءِ وَوَضَعَ الْمَنَافِخَ وَالنَّارَ حَوْلَ ذٰلِكَ **قَالَ انْفُخُوْا** فَنَفَخُوْا **حَتّٰٓی اِذَا جَعَلَهٗ** اَیِ الْحَدِیْدَ **نَارًا** اَیْ کَالنَّارِ **قَالَ اٰتُوْنِیْٓ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا** ﴿۹۶﴾ هُوَ النُّحَاسُ الْمُذَابُ تَنَازَعَ فِیْهِ الْفِعْلَانِ وَحُذِفَ مِنَ الْاَوَّلِ لِاَعْمَالِ الثَّانِیْ فَاَفْرَغَ النُّحَاسَ الْمُذَابَ عَلَی الْحَدِیْدِ الْمُحْمٰی فَدَخَلَ بَیْنَ زُبَرِهٖ فَصَارَا شَیْئًا وَاحِدًا **فَمَا اسْطَاعُوْٓا** اَیْ یَاجُوْجُ وَمَاجُوْجُ **اَنْ یَّظْهَرُوْهُ** یَعْلُوْا ظَهْرَهٗ لِاِرْتِفَاعِهٖ وَمَلَاسَتِهٖ **وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا** ﴿۹۷﴾ خَرْقًا لِصَلَابَتِهٖ وَسُمْکِهٖ **قَالَ** ذُوالْقَرْنَیْنِ **هٰذَا** اَیِ السَّدُّ اَیِ الْاِقْدَارُ عَلَیْهِ **رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ** نِعْمَةٌ لِاَنَّهٗ مَانِعٌ مِنْ خُرُوْجِهِمْ **فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ** بِخُرُوْجِهِمُ الْقَرِیْبِ مِنَ الْبَعْثِ **جَعَلَهٗ دَکَّآءَ** مَدْکُوْکًا مَبْسُوْطًا **وَکَانَ وَعْدُ رَبِّیْ** بِخُرُوْجِهِمْ وَغَیْرِهِمْ **حَقًّا** ﴿۹۸﴾ کَائِنًا قَالَ تَعَالٰی **وَتَرَکْنَا بَعْضَهُمْ یَوْمَئِذٍ** یَوْمَ خُرُوْجِهِمْ **یَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ** یَخْتَلِطُ بِهٖ بِکَثْرَتِهِمْ **وَّنُفِخَ فِی الصُّوْرِ** اَیِ الْقَرْنِ لِلْبَعْثِ **فَجَمَعْنٰهُمْ** اَیِ الْخَلَائِقَ فِیْ مَکَانٍ وَاحِدٍ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ **جَمْعًا** ﴿۹۹﴾ **وَّعَرَضْنَا** قَرَّبْنَا **جَهَنَّمَ یَوْمَئِذٍ لِّلْکٰفِرِیْنَ عَرْضًا** ﴿۱۰۰﴾ **نِ الَّذِیْنَ کَانَتْ اَعْیُنُهُمْ** بَدَلٌ مِنَ الْکَافِرِیْنَ **فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِکْرِیْ** اَیِ الْقُرْاٰنِ فَهُمْ عُمْیٌ لَایَهْتَدُوْنَ بِهٖ **وَکَانُوْا لَایَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا** ﴿۱۰۱﴾ اَیْ لَایَقْدِرُوْنَ اَنْ یَّسْمَعُوْا مِنَ النَّبِیِّ مَایَتْلُوْ عَلَیْهِمْ بُغْضًا لَهٗ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ **اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ** اَیْ مَلَائِکَتِیْ وَعِیْسٰی وَعُزَیْرًا **مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَآءَ** اَرْبَابًا مَفْعُوْلٌ ثَانٍ لِیَتَّخِذُوْا وَالْمَفْعُوْلُ الثَّانِیْ لِحَسِبَ مَحْذُوْفٌ الْمَعْنٰی اَظَنُّوْا اَنَّ الْاِتِّخَاذَ الْمَذْکُوْرَ لَایُغْضِبُنِیْ وَلَا اُعَاقِبُهُمْ عَلَیْهِ کَلَّا **اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ** هٰؤُلَاءِ وَغَیْرِهِمْ **نُزُلًا** ﴿۱۰۲﴾ اَیْ هِیَ مُعَدَّةٌ لَهُمْ کَالنُّزُلِ الْمُعَدِّ لِلضَّیْفِ **قُلْ هَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا** ﴿۱۰۳﴾ تَمِیْزٌ طَابَقَ الْمُمَیَّزَ وَبَیَّنَهُمْ بِقَوْلِهٖ **اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا** بَطَلَ عَمَلُهُمْ **وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ** یَظُنُّوْنَ **اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا** ﴿۱۰۴﴾ عَمَلًا یُجَازُوْنَ عَلَیْهِ **اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ** بِدَلَائِلِ تَوْحِیْدِهٖ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَغَیْرِهٖ **وَلِقَآئِهٖ** اَیْ وَبِالْبَعْثِ وَالْحِسَابِ وَالثَّوَابِ وَالْعِقَابِ **فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ** بَطَلَتْ **فَلَا**

ع ۱۹ / ۲

نُقِیْمُ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا﴿۱۰۵﴾ اَیْ لَانَجْعَلُ لَھُمْ قَدْرًا **ذٰلِكَ** اَیِ الْاَمْرُ الَّذِیْ ذُکِرَتْ مِنْ حُبُوْطِ اَعْمَالِھِمْ وَغَیْرِہٖ وَاِبْتِدَاءُ **جَزَآؤُھُمْ جَھَنَّمُ بِمَا کَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ وَرُسُلِیْ ھُزُوًا**﴿۱۰۶﴾ اَیْ مَھْزُوًّا بِھِمَا **اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَھُمْ** فِیْ عِلْمِ اللّٰہِ **جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ** ھُوَ وَسْطُ الْجَنَّةِ وَاَعْلَاھَا وَالْاِضَافَةُ اِلَیْهِ لِلْبَیَانِ **نُزُلًا**﴿۱۰۷﴾ مَنْزِلًا **خٰلِدِیْنَ فِیْھَا لَا یَبْغُوْنَ** یَطْلُبُوْنَ **عَنْھَا حِوَلًا**﴿۱۰۸﴾ تَحَوُّلًا اِلٰی غَیْرِھَا **قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ** اَیْ مَاؤُہٗ **مِدَادًا** ھُوَ مَا یُکْتَبُ بِهٖ **لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ** الدَّالَّةِ عَلٰی حُکْمِهٖ وَعَجَائِبِهٖ بِاَنْ تُکْتَبَ بِهٖ **لَنَفِدَ الْبَحْرُ** فِیْ کِتَابَتِھَا **قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ** بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ تَفْرُغَ **کَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ** اَیِ الْبَحْرِ **مَدَدًا**﴿۱۰۹﴾ زِیَادَةٌ فِیْهِ لَنَفِدَ وَلَمْ تَفْرُغْ ھِیَ وَنَصَبُهٗ عَلَی التَّمِیْزِ **قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ** اٰدَمِیٌّ **مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ** اَنَّ الْمَکْفُوْفَةَ بِمَابَاقِیَةٌ عَلٰی مَصْدَرِیَّتِھَا وَالْمَعْنٰی یُوْحٰی اِلَیَّ وَحْدَانِیَّةُ الْاِلٰهِ **فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا** یَامِلُ **لِقَآءَ رَبِّهٖ** بِالْبَعْثِ وَالْجَزَاءِ **فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ** اَیْ فِیْھَا بِاَنْ یُّرَائِیَ **اَحَدًا**﴿۱۱۰﴾

ترجمہ:.........خضر علیہ السلام نے کہا کہ کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ میرے ساتھ صبر نہیں کرسکو گے (لفظ لكَ کا اضافہ اس وجہ سے کیا کہ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے عذر و معذرت کا کوئی موقعہ نہیں رہا۔ کیونکہ اس سے قبل وہ مزید سوال نہ کرنے کا وعدہ کر چکے تھے۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا کہ اب اگر میں آپ سے کسی چیز کے متعلق سوال کروں۔ تو مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھیئے۔ بے شک پہنچ چکے ہیں آپ میری جانب سے حدِ عذر کو (مجھ کو اپنے سے جدا کرنے میں لدنی کے نون میں دو قراءت ہیں۔ ایک بغیر تشدید کے جو نافع کی قراءت ہے اور جمہور علماء تشدید کے قائل ہیں) پھر دونوں چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں پر گذر ہوا (جس گاؤں کا نام انطاکیہ تھا) تو ان لوگوں سے بطور مہمانی کے کھانے کا مطالبہ کیا۔ لیکن ان لوگوں نے ان دونوں کی مہمانداری سے انکار کر دیا۔ پھر ان دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار دیکھی۔ جو گرنے ہی والی تھی (جس کی اونچائی سو گز تھی) پس اس دیوار کو (خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے) کھڑی کر دی (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا کہ اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اجرت لے لیتے (کیونکہ انہوں نے ہماری ضرورت کو جانتے ہوئے بھی مہمانی نہیں کی۔ لتخذت میں ایک قراءت لاتخذت بھی ہے خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے) کہا کہ اب یہ وقت ہمارے اور تمہارے درمیان جدائی کا ہے۔ اب تمہیں (جدائی سے قبل) ان چیزوں کی حقیقت بتلاتا ہوں۔ جس پر تم خاموش نہیں رہ سکے وہ کشتی چند غریبوں کی تھی (جن کی تعداد دس تھی) یہ لوگ کشتی کو دریا میں (حصول روزگار کے لئے اجرت پر) چلاتے تھے۔ پس ارادہ کیا میں نے کہ اس کو عیب دار بنا دوں۔ اور اس کے آگے ایک بادشاہ (کافر) جو ہر کشتی کو۔ (جو اچھی ہو) زبردستی لے لیتا تھا۔ (غصباً کو مصدر ہونے کی بناء پر نصب ہے اور جو ایک خاص قسم کے لینے کو بتاتا ہے) اور رہ گیا لڑکا تو اس کے والدین مومن تھے۔ سو ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ اپنی سرکشی اور کفر کا اثر ان دونوں پر بھی نہ ڈال دے۔ (مسلم شریف کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کافر پیدا کیا گیا تھا اور اگر وہ زندہ رہتا تو اپنے والدین پر بھی کفر کا اثر ڈال دیتا۔ یعنی والدین بھی اس کی محبت کی وجہ سے اس کے ساتھ کفر میں مبتلا ہو جاتے) پس ہم نے یہ چاہا کہ اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ ایسی اولاد ان کو دے جو بہتر ہو اس

سے (نیکی اور پرہیزگاری میں یبدلھما میں تشدید اور بغیر تشدید دونوں طرح قراءت ہے) اور جو محبت کرنے میں اس سے بڑھ کر ہو۔ (رحما کے حا کو جزم اور پیش دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ جس کے معنی والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے والدین کو ایک ایسی لڑکی عطا فرمائی۔ جس کی شادی ایک نبی سے ہوئی۔ اور جس کی اولاد بھی نبی ہی ہوئی۔ ان کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے پوری ایک امت کو ہدایت نصیب فرمائی) اور قصہ دیوار کا یہ ہے کہ وہ شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی۔ جس کے نیچے ان کا خزانہ تھا (یعنی سونا چاندی وغیرہ دفن تھا) اور ان کے والدین نیک تھے (جن کی نیکی کی وجہ سے ان دونوں بچوں کے جان و مال کی حفاظت کی گئی) تو آپ کے خدا نے چاہا۔ کہ وہ دونوں اپنی پختگی کو پہنچ جائیں (عقل وفہم کی حد کو پہنچ جائیں) اور اپنے خزانے کو نکال لیں۔ یہ آپ کے خدا کی مہربانی ہے۔ (رحمۃ مفعول لہٗ ہے جس کا عامل اراد ہے) اور نہیں کیا میں نے یہ (جس کا ذکر ہوا یعنی کشتی میں دراڑ پیدا کرنا، بچے کو قتل کرنا اور دیوار کھڑی کر دینا) اپنے اختیار سے (بلکہ یہ سب کچھ منجانب اللہ الہام تھا) یہ ہے حقیقت ان چیزوں کی جس پر آپ صبر نہ کر سکے (اسطاع اور استطاع دونوں طرح استعمال کیا گیا ہے۔ گویا انہوں نے دونوں لغت کو جمع کر دیا۔ جس کے معنے ایک ہی ہیں یعنی طاقت وقوت کے۔ اسی طرح پر فاردت کو مختلف انداز میں پیش کیا گیا۔ کبھی فاردت اختیار کیا گیا۔ کبھی فاردنا استعمال کیا اور کہیں فاراد ربک ذکر کیا۔ یہ محض اسلوب کی تبدیلی ہے) یہ آپ سے سوال کرتے ہیں (یہود) ذوالقرنین کے بارے میں (جن کا نام اسکندر ہے اور وہ نبی نہیں ہیں) کہہ دیجئے کہ ابھی میں بیان کرتا ہوں تم سے ان کے احوال بطور خبر کے۔ ہم نے انہیں زمین پر حکومت دی تھی (اس سرزمین پر سیر وسیاحت کی آسانیاں دے کر) اور ہم نے انہیں ہر طرح کا سامان دیا تھا۔ (جس کی انہیں اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ضرورت پڑ سکتی تھی) پھر وہ ایک راستہ پر چل پڑے (مغرب کی جانب) یہاں تک کہ جب وہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ پر پہنچے تو سورج کو ایک سیاہ چشمہ میں ڈوبتے ہوئے محسوس کیا۔ (یعنی ایک گدلے چشمہ میں اور سورج کا غروب اس حالت میں واقعی غروب نہیں تھا، کیونکہ سورج تو ہماری موجودہ دنیا سے بھی بڑا ایک کرہ ہے۔ اس لئے مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین کو اس طرح نظر آیا) اور پایا اس کے پاس (چشمہ کے پاس) ایک قوم کو (جو کافر تھی) ہم نے کہا ذوالقرنین سے (الہام کے ذریعہ) کہ تم چاہو تو انہیں سزا دو (اور جان سے مار ڈالو) یا یہ کہ ان کے بارے میں نرمی اختیار کرو (قیدی بنا کر) ذوالقرنین نے کہا اچھا جو شخص ظلم کرے گا (شرک کر کے) اسے عنقریب ہم سزا دیں گے (یعنی ہم اس سے قتال کریں گے) پھر وہ لوٹائے جائیں گے اپنے خدا کے پاس تو وہ انہیں سخت سزا دے گا (آگ میں ڈال کر نکرا کے ک کو جزم اور پیش دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ جس کے معنی سخت کے ہیں۔) اور بہر حال وہ لوگ جو ایمان لے آئیں گے اور اچھے عمل کریں گے ان کے لئے بہتر بدلہ ہے (یعنی جنت۔ اس صورت میں جزاء کی اضافت حسنیٰ کی طرف اضافت بیانیہ ہے۔ ایک دوسری قراءت میں لفظ جزاء منصوب مع تنوین ہے۔ اور فراء کے خیال میں جزا پر نصب تفسیر کے لئے ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ حسنیٰ بحیثیت جزاء ملے گی) اور ہم اپنے برتاؤ میں اس سے آسان بات کہیں گے (یعنی ہم بھی اس کے ساتھ احکام میں نرمی اختیار کریں گے) پھر وہ ایک اور راستہ پڑے (مشرق کی جانب) یہاں تک کہ وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پر پہنچے اور دیکھا کہ وہ طلوع ہو رہا ہے ایک قوم پر (جو حبشی ہیں) جن کے لئے ہم نے سورج سے آڑ کی کوئی چیز نہیں رکھی (نہ لباس اور نہ چھت وغیرہ کیونکہ ان کی سرزمین میں کوئی تعمیر وغیرہ ممکن نہیں۔ البتہ ان کے لئے سرنگ ہیں جن میں وہ سورج کے نکلنے کے وقت چھپ جاتے ہیں اور سورج کے اوپر ہونے کے بعد نکل آتے ہیں) اسی طرح ہے (یعنی واقعہ اسی انداز پر ہے جس طرح ہم نے بیان کیا) اور جو کچھ ان کے پاس تھا اس کی مجھے پوری طرح خبر ہے (یعنی ذوالقرنین کے پاس اسباب اور لشکر وغیرہ جو کچھ تھا اس کا مجھے اچھی طرح علم ہے) پھر وہ ایک اور راستہ پر چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے۔ سدین کی س میں زبر اور پیش دونوں طرح

کی قراءت ہے۔ ھنا یعنی اس آیت میں اور معنی کے آگے آنے والی آیت میں دونوں آیت میں جو سداً کا لفظ آیا ہے۔ اس سے پہاڑ مراد لئے گئے ہیں جو ترکستان کے آخری منطقہ پر ہے۔ اور سد سکندر ان دونوں پہاڑوں کے بیچ میں ہے۔ جس کی تفصیل آئندہ آئے گی) ان دونوں پہاڑوں کے اس طرف ایک قوم کو پایا جو کوئی بات ہی نہیں سمجھتے تھے (مگر بہت مشکل سے۔ یفقھون میں ایک قراءت یا کے پیش اور ق کے زیر کی ہے) ان لوگوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج (یاجوج اور ماجوج میں ہمزہ اور بغیر ہمزہ کے دونوں قراءت ہے۔ یہ عجمی نام ہیں دو قبیلوں کے) اس سرزمین پر بہت فساد مچاتے ہیں (جب وہ ہمارے یہاں داخل ہوتے ہیں تو لوٹتے ہیں) تو کیا ہم آپ کے لئے کچھ مال وغیرہ جمع کریں (خرجاً ایک قراءت میں خراجاً ہے۔) تاکہ آپ ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان کوئی رکاوٹ کھڑی کر دیں۔ (پھر وہ ہم تک نہیں پہنچ سکیں گے) ذوالقرنین نے کہا کہ جو کچھ اختیار دیا ہے مجھ کو (مکنی میں ایک قراءت دو نون کے ادغام کے بغیر ہے) میرے خدا نے مال وغیرہ میں وہ بہت کچھ ہے (اس لئے مجھے تمہارے مال وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ویسے ہی تمہارے لئے رکاوٹ کھڑی کر دوں گا) البتہ تم میری مدد محنت سے کرو (جب میں تم سے اس کا مطالبہ کروں) تو میں تمہارے اور ان کے درمیان خوب مضبوط دیوار بنا دوں گا۔ تم میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ (چٹانوں کے برابر لوہے کے ٹکڑے لاؤ۔ جس سے تعمیر کھڑی کی جا سکے۔ جب ان لوگوں نے لوہے کی چادریں لا کر دے دیں تو اس سے ذوالقرنین نے دیوار کی تعمیر کر دی اور دونوں پہاڑوں کے درمیان لکڑی اور کوئلہ کا انتظام کیا) یہاں تک کہ جب دونوں پہاڑوں کی پھانکوں کو برابر کر دیا۔ (صدفین میں مختلف قراءت ہے۔ ایک تو ص اور ف کو پیش کی۔ دوسری قراءت دونوں کو زبر کی ہے اور تیسری قراءت یہ ہے کہ ص کو پیش اور ف ساکن۔ یعنی جب دونوں پہاڑوں کے درمیان کے فصل کو دیوار کے ذریعہ پُر کر دیا۔ تو دھونکنی اور آگ کا انتظام کیا) پھر ذوالقرنین نے کہا کہ لو اب دھونکو (تو ان کے حکم پر لوگوں نے آگ کو دھونکا) یہاں تک کہ بنا دیا اس کو (لوہے کو) آگ (یعنی آگ کی طرح سرخ) پھر کہا کہ میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ۔ تاکہ میں اس پر ڈال دوں (قطراً۔ مفعول ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ اتونی افرغ دونوں فعل اسے اپنا مفعول بنانا چاہتے ہیں۔ "اسی کو اصطلاح نحو میں تنازع فعلان کہا جاتا ہے۔" یہاں قطرا کو افرغ کا مفعول بنا دیا گیا ہے اور اتونی کے بعد قطراً کو محذوف مانا گیا ہے پھر انہوں نے اس پگھلے ہوئے تانبے کو اس گرم گرم لوہے پر ڈال دیا۔ جس سے وہ لوہے کی چادروں میں پیوست ہو کر ایک دیوار ہو گئی) اور نہیں قدرت ہوئی ان کو (یاجوج و ماجوج کو) کہ وہ چڑھ جائیں اس پر (اس کی بلندی اور چکناہٹ کی وجہ سے) اور ان کے لئے یہ بھی ممکن نہ رہا کہ وہ اس میں سوراخ کر دیں (اس کی صلابت اور پہنائی کی بناء پر) کہا (ذوالقرنین نے) کہ یہ (یعنی اس دیوار کو بنا کر کھڑی کر دینا) میرے پروردگار کی ایک رحمت ہی ہے (کیونکہ اب یاجوج ماجوج کا آنا ممکن نہ رہا) پھر جس وقت میرے رب کا وعدہ آئے گا (یعنی اس کے فناء کا وقت آئے گا) تو اسے ڈھا کر زمین کے برابر کر دے گا (اور اس وقت یہ پھر نکل آئیں گے) اور میرے رب کا ہر وعدہ برحق ہے اور اس روز ہم ان کی یہ حالت کر دیں گے (جس دن یہ نمودار ہوں گے) کہ ایک میں ایک گڈمڈ ہو جائیں گے (اپنی کثرت تعداد کی وجہ سے) پھر صور پھونکا جائے گا اور ہم سب کو جمع کر لیں گے (تمام مخلوق کو قیامت کے دن کسی ایک جگہ میں) اور اس روز دوزخ کو ہم کافروں کے سامنے پیش کر دیں گے جن کی آنکھوں پر (یہ الکافرین سے بدل واقع ہو رہا ہے) پردہ پڑا ہوا تھا میری یاد سے (یعنی غافل تھے قرآن سے یہ لوگ اندھے ہیں۔ یہ قرآن سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے) اور وہ سن بھی نہیں سکتے تھے (اپنے بغض وعناد کی وجہ سے انبیاء کی باتوں کو سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔ تو پھر ایمان لانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے) کیا پھر بھی ان کافروں کا خیال ہے۔ کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز قرار دیں گے (یعنی میرے فرشتوں کو عیسیٰؑ کو اور عزیزؑ کو۔) اولیاء۔ یتخذ کا مفعول ثانی محذوف ہے۔ معنی یہ ہیں کہ کیا ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ مجھ کو چھوڑ کر دوسروں کو خدا بنا لیں

گے۔اور پھر بھی مجھے ان کی اس مذموم حرکت پر غصہ نہ آئے گا۔اور یہ بھی خیال ہے کہ میں ان کو شدید عذاب میں مبتلا نہ کروں گا؟ اگر یہ خیال ہے تو کتنا غلط خیال ہے۔بے شک ہم نے دوزخ کو کافروں کی مہمانی کے لئے تیار کر رکھا ہے (جس طرح دنیا میں مہمانوں کے لئے مہمان خانے ہوتے ہیں۔ان کافروں کے لئے یہ جہنم بطور مہمان خانہ کے تیار کی گئی ہے)۔آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے لحاظ سے بالکل ہی خسارہ میں ہیں۔(اعمالاً منصوب ہے تمیز ہونے کی بناء پر۔اعمالاً تمیز جمع ہے۔ادھر اخسرین بھی جمع ہے۔اس طرح تمیز اور ممیّز میں باعتبار جمع مطابقت ہے۔یہ نقصان والے کون ہیں؟ انہیں کی تفسیر شروع ہو رہی ہے) یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش دنیا ہی کی زندگی میں رکاوٹ ہو کر رہیں (ان کے اعمال ضائع ہو گئے) اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ وہ کوئی بڑے اچھے کام کر رہے ہیں۔(یعنی وہ اس خیال میں رہے ہیں کہ ان کے اعمال کا کوئی بہتر بدلہ ملے گا) یہ وہی لوگ ہیں۔جو اپنے رب کی نشانیوں کا انکار کرتے رہے ہیں۔(یعنی قرآن وحدیث وغیرہ سے جو خدا کی وحدانیت کے دلائل پیش کئے گئے۔اس کے ہمیشہ منکر رہے) اسی طرح خدا کی ملاقات کا انکار کرتے ہیں (یعنی قیامت، حساب و کتاب اور ثواب وعذاب کو تسلیم نہیں کرتے ہیں) سو ان کے سارے کام اکارت ہو گئے۔اور ہم قیامت کے دن ان کا ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے (ان کے اعمال کا کوئی وزن ہمارے یہاں نہیں ہوگا) بلکہ ان کی سزا وہی ہے یعنی دوزخ۔اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا تھا۔اور میری نشانیوں اور میرے پیغمبروں کا مذاق اڑایا تھا۔بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ہوں گے۔ان کی مہمانی کے لئے فردوس کے باغ ہوں گے (فردوس یعنی وسط جنت کا سب سے (اعلیٰ درجہ) ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔نہ وہ وہاں سے کہیں اور جانا چاہیں گے۔کہہ دیجئے کہ اگر سمندر (یعنی اس کا پانی) روشنائی ہو جائے۔میرے پروردگار کی باتیں لکھنے کے لئے (یعنی خدا تعالیٰ کے احکامات اور اس کے عجائبات قدرت کو لکھنا چاہیں) تو سمندر ختم ہو جائے گا۔میرے پروردگار کی باتیں ختم ہونے سے پہلے۔(ینفد میں دو قراءت ہے ینفد یا کے ساتھ اور تنفد تا کے ساتھ۔معنی فارغ ہونا۔پورا ہونا) اگرچہ ہم ایسا ہی اور سمندر اس کی مدد کے لئے لے آئیں (یعنی اگر ہم مزید ایک اور سمندر بطور سیاہی کے خدا تعالیٰ کے عجائبات قدرت کو لکھنے کے لئے لے آئیں تو وہ بھی ختم ہو جائے گا۔لیکن خدا تعالیٰ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی۔مدادا کو نصب بر بناء تمیز ہے) آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں۔میرے پاس تو بس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے (ان کا عمل رک گیا۔کیونکہ مابعد میں مصدر آ رہا ہے اور معنی یہ ہیں کہ مجھ پر خدا کے ایک ہونے کی وحی آتی ہے) سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے (حشر ونشر کے ذریعہ اور جزاء کا یقین رکھتا ہے) تو اسے چاہئے کہ نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

تحقیق وترکیب:............ یرید ان ینقض. ارادہ کی نسبت دیوار کی جانب کی گئی ہے۔حالانکہ دیوار ایک جامد چیز ہے اور اس کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔کیونکہ ارادہ ذی حیات چیزوں کے ساتھ قائم ہے۔مفسرینؒ نے کہا ہے کہ یہاں مجاز واستعارہ سے کام لیا گیا ہے اور گرنے کے قریب یا گرا چاہتی تھی۔اسے یرید ان ینقض کے ساتھ تعبیر کر دیا گیا۔کلام عرب میں اس کی نظائر بکثرت موجود ہیں کہ بطور مجاز واستعارہ ارادہ کی نسبت جامد اشیاء سے کی گئی ہے۔

لو شئت لتخذت. بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ اس ارشاد میں حضرت موسیٰؑ سے خضر علیہ السلام کو مزدوری لینے پر توجہ دلا رہے ہیں۔یا یوں کہئے کہ کھانے کی شدید ضرورت میں مزدوری نہ لینا اور غیر ضروری امور میں مشغولیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے گراں تھی۔اس لئے یہ فرمایا۔

بتاویل مالم تستطع. بعض مفسرینؒ نے لکھا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے یہ مسلسل اقدامات خود حضرت موسیٰؑ کے لئے

ایک لطیف تنبیہ تھے۔ کشتی کے توڑنے پر حضرت موسیٰؑ کا اضطراب انہیں یہ یاد دلاتا تھا کہ جب تم خود والدہ کے ہاتھوں صندوق میں رکھ کر دریا کی موجوں میں چھوڑ دیئے گئے تھے۔ تو وہاں تمہارا محافظ کون تھا؟ اور کمسن بچہ کا قتل حضرت موسیٰؑ کے لئے یہ تنبیہ تھی کہ آج اس حادثہ پر چیں بہ جبیں ہو۔ اس روز کیا ہوا تھا کہ اپنے طمانچہ سے قبطی کو ہلاک کر بیٹھے تھے۔ دیوار کی درستگی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ یاد دلاتی تھی کہ تم نے بھی تو حضرت شعیب علیہ السلام کی بچیوں کے لئے بلا اجرت پانی نکالا تھا۔

اما السفینة. جس ترتیب کے ساتھ واقعات پیش آئے۔ حضرت خضرؑ اسی ترتیب کے مطابق واقعات وحوادث کی لم وحکمت بیان فرمارہے ہیں۔ سفن الماء. پانی کو چیرنا۔ کیونکہ کشتیاں چلتے ہوئے پانی کو چیرتی ہیں اس لئے کشتیوں کو عربی میں سفینة کہا جاتا ہے۔ سفینة کی جمع سفن اور سفان کشتی بان۔

فخشینا ان یرھقھما. قاموس میں ہے کہ رھق بمعنی ڈھانک لینا۔ ارھقه طغیانا. اس کے معنی اپنی سرکشی سے اس پر مسلط ہو گیا۔ طبع کافراً. سرشت کفر پر پیدا کیا گیا تھا۔ لہٰذا وہ حدیث جس میں یہ فرمایا گیا ہے۔ کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اس سے مستثنیٰ ہو گی۔ خاکسار مترجم کہتا ہے کہ حدیث سے مستثنیٰ کرنے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ حدیث کا تو مطلب صرف اتنا ہے۔ کہ مولود فطرت سلیم لے کر پیدا ہوتا ہے۔ یہ بچہ بھی فطرت سلیم پر پیدا ہوا لیکن بجائے دین اسلام کے کفر کے قبول کرنے کے امکانات زیادہ قوی تھے۔ پھر یہ کفر اس حد تک پہنچتا کہ ماں باپ بھی اس کے کفر کی بناء پر مبتلاءِ کفر ہو سکتے تھے۔ اور کیوں کہ خدا تعالیٰ کو ماں باپ کے ایمان کی حفاظت مقصود تھی۔ اس لئے اس بچہ کو ختم کر دینا ضروری تھا۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ جسم کا کوئی عضو خراب ہونے کی صورت میں پورے جسم کے متأثر ہونے کے امکانات ہوں تو اس عضوءِ فاسد کو کاٹ دیا جاتا ہے۔ قصۂ اصحاب کہف سے اس کی مناسبت ظاہر ہے۔ وہاں اصحاب کہف کے ایمان کی حفاظت ایک جابر وقاہر بادشاہ سے کی گئی تھی۔ یہاں مومن ماں باپ کے ایمان کا تحفظ ایک کافر ہونے والے بچہ سے کیا گیا۔ حضرت خضرؑ اس قتل میں معذور ہیں۔ کیونکہ انہیں منجانب اللہ قتل کے لئے مامور کیا گیا تھا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ کسی کافر کو عام حالات میں اس کے کفر کی بنیاد پر قتل کرنا مناسب نہیں ہے۔

یستخرجا کنزھما. کنز (خزانہ) عام مفسرینؒ مال مدفونہ ہی مراد لیتے ہیں۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ نے خزانہ علمی بھی مراد لیا ہے۔

فاراد ربك. حضرت خضرؑ نے مختلف عبارتیں اور اسلوب بیان اختیار کئے ہیں۔ پہلے فرمایا "فاردت ان اعیبھا." یہ اس لئے کہ بظاہر کشتی میں عیب پیدا کیا گیا۔ اور عیب کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف مناسب نہیں تھی۔ قتل غلام کے موقعہ پر "فاردنا" کی تعبیر اختیار کی گئی۔ کیونکہ بچہ کے قتل میں خیر بھی تھی اور شر بھی۔ بظاہر قتل شر تھا اور حقیقتاً اس سے مقصود والدین کے ایمان کی حفاظت تھی۔ جو یقیناً خیر ہے۔ حضرت خضرؑ نے ادباً شر کو اپنی طرف منسوب کر لیا اور خیر کو خدا تعالیٰ کی طرف فاردنا میں خود کو اور خدا تعالیٰ کو جمع کر لیا۔ خزانہ کی حفاظت کے موقعہ پر خیر ہی خیر ہے۔ اس لئے فاراد ربک کا انداز اختیار کیا گیا۔

من دونه سترا. موجودہ وقت میں اسے یوں سمجھئے کہ اس قوم کے ملک اور کرۂ شمس میں بُعد بہت کم تھا۔ جس کی وجہ سے وہاں شدید گرمی پڑتی تھی۔ جیسا کہ حال ہی میں پاکستان کے مشہور شہر جہاں کی گرمی مشہور ہے۔ یہی تحقیقات ہوئی ہیں اور ہو سکتا ہے۔ کہ یہ قوم تمدن سے قطعاً عاری ہو اور ان کے یہاں بود وباش اور پوشاک کا بھی کوئی انتظام نہ ہو۔ جیسا کہ آج بھی دنیا میں اس طرح کی اقوام موجود ہیں۔

سبباً. راستہ کے معنی ہیں۔ صدفین. ہر چیز کا بلند حصہ۔ یہاں مراد پہاڑ کی پھانکیں۔

فما اسطاعوا ان یظهروه وما استطاعوا له نقبا. آج سے ہزاروں سال کی بات ہے کہ جب انسان اتنا باشعور نہیں تھا کہ وہ کسی چیز کی شکست و ریخت کے لئے وسائل اور آلات بہم پہنچائے اور جب کہ یہ دیوار بھی نہایت مضبوط بنائی گئی تھی اور ساتھ ہی بلند بھی تو اس پر چڑھنے اور اس کے توڑنے کے امکانات بھی مسدود تھے۔

حاجزا کے معنی رکاوٹ۔ **نزلا.** جائے ضیافت۔ کفار کے لئے اس لفظ کا انتخاب ایک طرح کا استہزاء اور طنز ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اہل کفر کے لئے ضیافت۔ پھر جہنم جیسی دارالمحن میں کیا سوال؟

فلا نقیم لھم یوم القیٰمة وزنا. ممکن ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ اہل کفر کے اعمال کی ہمارے نزدیک کوئی حیثیت و اہمیت نہیں۔ جیسا کہ اردو میں کہتے ہیں کہ بڑی باوزن شخصیت ہے۔ یا بہت ہی بے وزن انسان ہے۔

ربط: .... قرآن مجید کا دستور ہے کہ اپنے دعوے کو واقعات سے مدلل کرتا ہے۔ اسی دستور کے مطابق سورۂ کہف کے بالکل ابتداء میں فرمایا گیا تھا کہ یہ تمام کائنات ایک خاص انداز پر تعمیر اور آراستہ کی گئی اور پھر اس کو تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ اسی دعوے کے لئے یہ پیش آمدہ چند واقعات کا تذکرہ زیر گفتگو ہے۔ کشتی کا ٹوٹنا تخریب تھی لیکن ملاحوں کے سرمایہ کی حفاظت بھی۔ اصحاب کہف کا وطن سے جدا ہونا اور موت کے سناٹے میں گم ہونا بظاہر ایک تخریب تھی۔ لیکن سرمایہ ایمان کی حفاظت بھی تھی۔ لڑکے کا قتل ایک انسانی جان کا تہہ و بالا کرنا تھا۔ لیکن بباطن ماں باپ کے ایمان کا تحفظ بھی۔ ٹوٹی ہوئی دیوار کو درست کر دینا یتیم بچوں کے مال کی حفاظت کے لئے تھا۔

قصہ ذوالقرنین میں سد سکندری کا مقصود یاجوج و ماجوج کی دستبرد اور حملوں سے ایک پوری قوم کو تحفظ دینا تھا۔ پس یہ کائنات کون و فساد، تخریب و تعمیر کا ایک مجموعہ ہے۔ جن کی بہاریں خزاں بدوش، جس کی آراستگی و زینت، خرابی و بدزیبائی کا پہلو لئے ہوئے، جہاں کی حیات موت آشنا، جہاں کی صحت بیماریوں کی زد میں اور جہاں کی ہر خوبی بالآخر فنا کے راستہ پر لگی ہوئی ہے اور پھر جو کچھ ہو رہا ہے وہ ایک زبردست حکیم کی نہایت ہی دوررس حکمتوں کے تقاضہ پر۔ اس لئے جو ہو رہا ہے، جس طرح ہو رہا ہے وہ کوئی اندھا دھند کارروائی نہیں۔ بلکہ ایک سوچا سمجھا ہوا منصوبہ ہے۔ کائنات کیا ہے؟ خدا تعالیٰ کی بے پناہ نشانیوں کا ایک حیرت انگیز مرقع۔ دیکھنے والی آنکھیں اصحاب کہف کے واقعہ ہی کو حیرت انگیز سمجھیں۔ حالانکہ یہاں سب کچھ تعجب انگیز ہے۔ اسی لئے بعد میں کچھ اور حیرت زدہ واقعات کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔ جن میں عقل انسانی ہمیشہ حیرت بداماں ہی رہے گی۔ یعنی حضرت مریمؑ کے پاس بے موسم پھلوں کی آمد، بغیر شوہر کے بچہ کی پیدائش، سیدنا زکریا علیہ السلام کے یہاں عہد پیری میں ولادت کا سلسلہ جب کہ عام حالات انسانی زندگی کے اس مرحلہ میں داخل ہو کر توالد و تناسل کی قوت کھو چکی ہوتی ہے۔ ان واقعات کو پڑھئے اور خدا تعالیٰ کے حیرت انگیز قوتوں پر ایمان لائیے۔

﴿ تشریح ﴾: .... موسیٰ علیہ السلام نے پہلا سوال کشتی میں دراڑ ڈالنے کے متعلق غالباً بے خیالی میں کر دیا تھا۔ جیسا کہ ان کے عذر **لا تؤاخذنی بما نسیت** سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ دوسرا سوال قصداً تھا۔ اسی وجہ سے وہ اس مرتبہ اپنے سوال پر سہو و نسیان کا کوئی عذر نہیں کرتے۔ اور ظاہر ہے کہ بچہ کو بلاقصور مار ڈالنا یہ تو قطعاً احکام شریعت کی خلاف ورزی تھی اور جب خلاف شرع باتوں پر عام صالحین تحمل نہیں کر سکتے ہیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام تو ایک جلیل القدر پیغمبر تھے۔ جن کا کام ہی ہر برائی کو روکنا اور نیکی کو پھیلانا تھا۔ وہ کس طرح اسے برداشت کرتے۔ بالآخر وہ اپنے اس مزاج نبوت کے پیش نظر سوال پر مجبور تھے۔

اب رہا یہ اعتراض کہ موسیٰ علیہ السلام جب سوال نہ کرنے کا وعدہ کر چکے تھے۔ پھر ان سے وعدہ کی خلاف ورزی کیوں ہوئی؟ تو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ بظاہر تو آپ کا وعدہ عام تھا۔ لیکن درحقیقت مراد یہ تھی کہ خلاف شرع کوئی بات اگر پیش نہ آئی تو خاموش

رہیں گے۔ پھر جب خضرؑ کا بچہ کے ساتھ معاملہ بظاہر سراسر خلاف شریعت ہے تو ایک پیغمبر اس پر کیسے خاموش رہ سکتا ہے۔

بہر حال اس مرتبہ کی خلاف ورزی پر جب حضرت خضرؑ نے بشدت تنبیہ کی۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے بجائے کسی معذرت کے یہ فرمایا۔ کہ اچھا اس مرتبہ اور درگزر سے کام لیجئے۔ اب آئندہ اگر میں کوئی اعتراض کروں تو آپ مجھے اپنے سے علیحدہ کر دیجئے گا۔ کیونکہ آپ بھی بار بار تنبیہ کے باوجود میری خلاف ورزی کو کہاں تک برداشت کر سکتے ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی آپ کو یاد آجاتا اور اس کے لئے دعا کرتے تو پہلے اپنے لئے کرتے۔ ایک روز فرمانے لگے کہ ہم پر اللہ کی رحمت ہو اور موسیٰ علیہ السلام پر کاش وہ اپنے ساتھی کے ساتھ اور بھی ٹھہرتے اور صبر کرتے تو بہت سی حیرت انگیز باتیں معلوم ہوتیں۔ لیکن انہوں نے تو یہ کہہ کر بات مختصر کر دی کہ اگر اب خلاف ورزی کروں تو مجھے علیحدہ کر دیجئے گا۔

اس واقعہ کے بعد دونوں پھر چل پڑے اور ایک بستی میں پہنچے۔ قدیم زمانے میں جبکہ نہ مہمان خانے ہوتے تھے اور نہ اس کثرت سے رہائشی ہوٹل اور نہ جگہ جگہ کھانے پینے کی دکانیں ہوتیں، بلکہ خود بستی والے نو واردوں کو اپنا مہمان تصور کرتے اور ان کی بڑی خاطر مدارات کیا کرتے۔ لیکن یہ جب دونوں اس بستی میں پہنچے تو بستی والے اتنے بخیل تھے کہ خود سے تو کیا ان دونوں بھوکے مسافروں کے مانگنے پر بھی کھانا کھلانے سے صاف انکار کر دیا۔ پھر اس بستی میں انہوں نے دیکھا کہ ایک دیوار ہے جو گرنے ہی والی ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام اسے ٹھیک کرنے میں لگے۔ جس پر موسیٰ علیہ السلام پھر بول پڑے کہ اس بستی والوں نے تو ہمارے ساتھ یہ معاملہ کیا کہ مانگنے پر بھی کھانا نہیں دیا اور آپ ان کے ساتھ یہ حسن سلوک کرتے ہیں؟ کم از کم اپنی اس محنت کی ان سے مزدوری ہی لے لیتے، جس کا ہمیں پورا حق حاصل تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سوال سن کر کہا کہ بس اب عہد و پیمان کے مطابق ہم میں اور آپ میں جدائی ہوگئی۔ اور اب ان باتوں کی جس پر آپ صبر نہیں کر سکے ان کی علت بیان کئے دیتا ہوں۔

مصالح وحاکم: ....فرمایا کہ کشتی کو عیب دار بنانے میں تو یہ مصلحت تھی کہ جدھر یہ کشتی جا رہی تھی، آگے چل کر ایک ایسے بادشاہ کے حدود سلطنت شروع ہو رہے تھے جو بہت ظالم تھا اور اپنے حدود سلطنت سے گزرنے والی ہر اچھی کشتی کو زبردستی لے لیتا تھا۔ اس بادشاہ کے نام میں اختلاف ہے۔ محمد ابن اسحٰق کی رائے ہے کہ اس کا نام "سولۃ بن جلید الازدی" تھا اور بعض نے یہ کہا کہ اس کا نام "جلید بن کرکر" تھا۔ ابن جریج نے بخاری شریف کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے، کہ اس کا نام "بدد بن بدد" تھا۔

تو حضرت خضر علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ اگر میں اسے عیب دار نہ بنا دیتا تو بادشاہ اسے بھی چھین لیتا اور ان غریبوں کے ہاتھ سے ذریعہ معاش جاتا رہتا۔ اب یہ لوگ اس کی مرمت کرا لیں گے اور اس نقصان عظیم سے بچ گئے۔

اور اس کمسن بچہ کا قتل کرنا تو اس بچہ کی فطرت میں کفر پڑا ہوا تھا اور مجھ کو کشف تکوینی سے یہ معلوم ہوا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر کافر ہوگا اور ممکن تھا کہ والدین بھی اس کی محبت اور تعلق میں کفر کی طرف مائل ہو جاتے تو آئندہ کے اندیشوں کی وجہ سے اس بچہ کا کام ہی تمام کر دینا مناسب تھا۔

خشینا اور اردنا سے بعض محققین نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ چونکہ اس واقعہ قتل سے موسیٰ علیہ السلام کی نکیر سخت لب ولہجہ میں تھی تو حضرت خضر علیہ السلام نے جواب میں اپنے ارادہ کی قوت ظاہر کرنے کے لئے جمع تعظیمی کا صیغہ استعمال کیا ہے۔

اور رہا دیوار کا بغیر کسی اجرت کے کھڑی کر دینا تو اس میں مصلحت خداوندی یہ تھی کہ اس دیوار کے نیچے شہر کے دو یتیم بچوں کا مال دفن تھا جو ان کے باپ سے میراث میں ملا تھا۔ لیکن وہ ابھی کم عمر تھے اور اس مال کو صحیح مصرف میں خرچ نہیں کر سکتے تھے، اس لئے اسے

چھپا کر رکھنا ہی مناسب سمجھا۔

جب خضر علیہ السلام اپنے کاموں کی لم وحکمت بیان کر چکے تو فرمایا کہ اس میں خدا تعالیٰ کی یہ مصلحتیں تھیں۔ جس پر آپ خاموش نہیں رہ سکے اور یہ جو کچھ بھی میں نے کیا، یہ کوئی اپنے ارادہ واختیار سے نہیں بلکہ میں تو مامور من اللہ تھا۔ انہیں کے حکم سے میں نے یہ سب کچھ کیا (تو اگرچہ فاعل حضرت خضر علیہ السلام ہیں لیکن آمر خدا تعالیٰ ہی ہیں) عجب نہیں کہ ان اسرار کا بتلانا اسی درخواست کو پورا کرنا ہو جو موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے کی تھی کہ تعلمن مما علمت. بہر حال نبی کے لئے سارے علوم کا جاننا کوئی ضروری نہیں۔ البتہ وہ علوم انہیں سکھائے جاتے ہیں جو نبوت کے لئے ضروری ہیں۔ محققینؒ نے کہا ہے کہ تشریعی علوم تکوینی علوم سے افضل ہیں۔

ذوالقرنین:......... پہلے گزر چکا ہے کہ کفار مکہ نے اہل کتاب سے کہا کہ ہمیں کچھ ایسے سوالات بتاؤ جو ہم آنحضور ﷺ سے پوچھیں۔ تو وہ نہ بتا سکیں۔ اس پر اہل کتاب نے چند سوالات بتائے۔ ان میں سے ایک سوال سکندر ذوالقرنین کے بارے میں بھی تھا تو آنحضرت ﷺ سے سوال کرنے والے اگرچہ قریش تھے لیکن یہ سوال انہوں نے خود نہیں کیا تھا۔ یہودیوں کے ایماء پر کیا تھا اور کیونکہ تورات میں ایک موقعہ پر ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے تو قرآن نے بھی انہیں کی کتاب کے مطابق اس لفظ کو دہرا دیا۔ چنانچہ قرآن مجید کا یہ اسلوب بیان اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اسی کو قرآن مجید یہاں بیان کر رہا ہے کہ وہ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

ذوالقرنین کی شخصیت ہمیشہ سے علماء کے یہاں زیر بحث اور کافی اختلاف کا باعث رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قرآن مجید نے اس موقعہ پر نہایت اجمال سے کام لیا ہے اور احادیث اس سلسلہ میں بالکل خاموش ہیں۔

ادھر مستشرقین یورپ جو قرآن مجید کے بیان کردہ حقائق کو غلط کرنے کی پرزور کوشش کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے چند مزعومات اور پھر ان کی قیاسی تائیدات سے اس بحث کو اور بھی مشتبہ اور غیر واضح بنا دیا ہے۔ چنانچہ اکثر حضرات نے لکھا ہے کہ قرآن مجید میں ذوالقرنین سے سکندر مقدونی ہی مراد ہے۔ اس کی ابتداء محمد بن اسحٰق نے کی ہے۔ اسی نے سب سے پہلے سکندر مقدونی ہی کو ذوالقرنین قرار دیا اور کیونکہ ان کی تصنیف مقبول اور رائج تھی، اس لئے ان کا یہ مغالطہ عام اور شائع و ذائع ہو گیا۔ سکندر مقدونی کو ذوالقرنین قرار دیئے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ عرب میں جس بادشاہ کے حدود وسیع تر ہوتے، اس کو بالعموم ذوالقرنین کہہ دیا جاتا تھا۔ چنانچہ یمن کے بعض تبابعہ کو بھی ان کی سلطنت وسیع ہونے کی بناء پر عرب ذوالقرنین کہتے چلے آئے ہیں۔ اسی طرح عرب ایران کے بعض بادشاہوں کو مثلاً کیقباد اور فریدون کو ذوالقرنین کہتے ہیں۔

عرب کی اس ایجاد کی بناء پر بعض لوگوں نے سکندر مقدونی کو ذوالقرنین قرار دیا اور افسوس ہے کہ ہمارے بعض علماء نے اس تحقیق کے تمام گوشوں پر تنقید و تحقیق کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی اور اسی کو آخری تحقیق سمجھ بیٹھے۔ حالانکہ تفصیلات اور تاریخی وثائق سے قطع نظر کم از کم اتنی بات تو پیش نظر رہنی چاہئے کہ قرآن مجید نے ذوالقرنین کے جو اوصاف، احوال اور رعایا کے ساتھ نیک برتاؤ کے قصے سنائے ہیں، ان سے واضح طور پر یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ ذوالقرنین ایک نہایت صالح، عادل اور رعایا پرور بادشاہ تھا جس کے ایمان و اسلام میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ جبکہ سکندر مقدونی ایک جبر پسند، ظلم پیشہ اور مشرک بادشاہ گزرا ہے، بلکہ بستانی نے یہ لکھا ہے کہ:

''وہ اس قدر مغرور و متکبر بادشاہ گزرا ہے کہ یونان اور اسیابان کے لوگوں کو اپنے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا اور اپنے کو معبود کہلاتا تھا۔'' (دائرۃ المعارف للبستانی جلد دوم صفحہ ۵۴۷)

امام بخاریؒ نے کتاب ''احادیث الانبیاء'' میں ذوالقرنین کے واقعہ کو ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ سے پہلے ذکر کیا ہے۔ اس کی خاص وجہ لکھتے ہوئے محدث حافظ ابن حجر نے اپنی معرکتہ الآراء شرح بخاری میں لکھا ہے کہ:

''امام بخاری نے ذوالقرنین کے قصہ کو ابراہیم علیہ السلام کے واقعات سے پہلے اس لئے ذکر کیا ہے تا کہ ان لوگوں کی خوب تردید ہو جائے جو سکندر مقدونی کو ذوالقرنین کہتے ہیں۔'' (فتح الباری جلد دوم صفحہ ۲۹۴)

اور صرف یہی نہیں بلکہ ابن حجرؒ نے کافی دلائل بہم پہنچائے۔ جن سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ سکندر مقدونی ہرگز ذوالقرنین نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی مشہور کتاب ''البدایہ والنہایہ'' میں اس موضوع پر مفصل کلام کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''سکندر مقدونی اور ذوالقرنین کے درمیان تقریباً دو ہزار سال کا عرصہ حائل ہے۔ ان میں سے ایک مقدومی اور دوسرا عربی سامی ہے۔ ان دونوں میں ایسا واضح امتیاز ہے کہ ان دونوں کو ایک سمجھنے والا یقیناً غبی و جاہل اور حقائق سے بالکل بے بہرہ ہوگا۔''

(البدایہ والنہایہ جلد ا صفحہ ۱۰۶)

امام رازی نے بھی اگرچہ سکندر مقدونی کو ذوالقرنین کا لقب دیا ہے، تاہم اتنی بات بھی ان کو تسلیم ہے کہ ذوالقرنین ایک پیغمبر تھے اور سکندر مقدونی کافر تھا، جس کا معلم ارسطا طالیس تھا جو کہ خود بھی یقیناً کافر ہی تھا۔ یہ سکندر ارسطو کے حکم پر تمام معاملات میں عمل کرتا۔ (تفسیر کبیر سورۂ کہف)

غرضیکہ محققین میں سے حافظ ابن تیمیہ، ابن عبدالبر، زبیر ابن بکار، حافظ ابن حجر، ابن کثیر، عینی شارح بخاری اور بکثرت علماء نے اس کی مکمل تردید کی ہے کہ سکندر مقدونی ذوالقرنین نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اکابر علماء کی بھی یہ رائے ہے کہ ذوالقرنین نسلاً عربی اور سامہ اولیٰ سے تھا اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا معاصر تھا۔ یہ رائے بھی گوناگوں اشکالات کی وجہ سے قابل قبول نہیں۔ اس سلسلہ میں یہ قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ذوالقرنین سے ایران کا بادشاہ عظیم خورس یا سائرس مراد ہے۔ مختلف تاریخی شہادات سے یہ بات ثابت ہے کہ یہی وہ شخص ہے جس کے متعلق دانیال علیہ السلام اور یسعیاہ نبی کے صحیفہ میں یہود کا ان کے نکبت وذلت کے اوقات میں نجات دہندہ ہونا بتایا گیا تھا اور یہ بالکل قرین عقل ہے کہ اپنے اس نجات دہندہ سے یہود کو غیر معمولی دلچسپی ہو اور انہوں نے اس دلچسپی کے پیش نظر آنحضور ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا جس پر قرآن مجید نے کچھ تفصیلات بیان کیں۔

ذوالقرنین کی نبوت:............ نیز متاخرین علماء اور اہل تحقیق کی متفقہ رائے یہ ہے کہ ذوالقرنین ایک نیک دل، رحم پسند اور رعایا پرور بادشاہ تھے، نبی ہرگز نہیں تھے۔ چنانچہ ابن حجرؒ نے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

''ذوالقرنین نبی نہ تھے اور نہ فرشتہ۔ بلکہ وہ ایک انسان تھے۔ وہ خدا تعالیٰ سے محبت کرتے تھے اور خدا تعالیٰ نے بھی ان کو محبوب رکھا۔''

(فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۲۹۵)

حضرت علیؓ کے علاوہ سیدنا ابن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، امام رازیؒ اور متاخرین کی اکثریت اسی کی قائل ہے کہ ذوالقرنین نبی تھے۔ ابن کثیرؒ نے بھی اپنی آخری رائے یہی ظاہر کی ہے۔

مغربی مہم:............ اس کے بعد قرآن نے بتایا کہ ذوالقرنین نے پہلے پچھم کی جانب اپنا سفر شروع کیا۔ یہاں تک کہ چلتے چلتے سورج کے ڈوبنے کی جگہ پہنچ گئے۔ وہاں انہیں سورج ایسا دکھائی دیا، جیسے ایک سیاہ چشمہ میں ڈوب رہا ہے۔ مورخین کے حوالہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ خورس کو سب سے پہلے اور اہم مہم پچھم کی طرف پیش آئی۔ ان کو لیڈیا کے بادشاہ کرڈیسس کے غدارانہ طرز عمل کے

خلاف اس پر حملہ کرنا پڑا۔ یہ جگہ ایران سے مغرب کی جانب ہے اور اس کا دارالحکومت سارڈیس ہے اور پھر خورس مغرب کی جانب فتوحات حاصل کرتے ہوئے ایشیائے کوچک کے آخری ساحل پر جا پہنچے۔ جس کے بعد سوائے سمندر کے اور کچھ نہیں تھا۔ جغرافیہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ لیڈیا کا دارالحکومت سارڈیس جو ایشیائے کوچک کے آخری مغربی ساحل کے قریب تھا اور یہاں سمرنا کے قریب چھوٹے چھوٹے جزیرے نکل آنے کی وجہ سے تمام ساحل جھیل کی طرح بن گیا ہے اور بحر ایجین کے اس ساحل کا پانی بہت گدلا رہتا تھا اور شام کے وقت سورج ڈوبتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی گدلے حوض میں ڈوب رہا ہو۔

اس گدلے چشمہ کے کنارے ایک قوم آباد تھی جس پر خدا تعالیٰ نے ذوالقرنین کو پورا غلبہ دے دیا تھا اور انہیں اس کا بھی اختیار دے دیا تھا کہ چاہے انہیں ان کے کفر کی بناء پر سزا دیں یا انہیں دعوت ایمان دے کر مسلمان بنا ڈالیں۔ جیسا کہ عام طور پر فیصلہ ایسے موقعہ پر امام المسلمین یا امیر المومنین پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تاریخی حوالوں سے یہ ثابت ہے کہ ذوالقرنین اس اختیار کے باوجود کوئی ظلم یا تباہی و بربادی نہیں لائے بلکہ عادل، نیک اور صالح بادشاہ کی طرح رعایا کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کیا۔ قرآن نے ذوالقرنین کا جو مقولہ نقل کیا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک مومن اور عادل وصالح بادشاہ تھے۔

ذوالقرنین نے کہا کہ ہم ناانصافی کرنے والے نہیں ہیں جو سرکشی کرے گا، اسے ضرور سزا دیں گے۔ پھر اسے اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے۔ وہ بداعمالوں کو سخت عذاب میں مبتلا کرے گا اور جو ایمان لائے گا اور اچھے کام کرے گا تو اس کے بدلہ میں اس کو بھلائی ملے گی اور ہم اسے ایسی ہی باتوں کا حکم دیں گے جس میں اس کے لئے آسانی وراحت ہو۔

مشرقی مہم:............ پھر ذوالقرنین کی دوسری مہم مشرق کی جانب شروع ہوئی اور یہ مہم اس وجہ سے شروع ہوئی کہ ایران کے مشرق میں بعض وحشی اور صحرانشین قبائل نے سرکشی اور بغاوت کر دی تھی اور جب وہ چلتے چلتے سورج کے نکلنے آخری حد پر پہنچے تو ان کو وہاں خانہ بدوش قبائل سے واسطہ پڑا جو مکان ولباس وغیرہ سے ناآشنا تھے۔ جن کے پاس ستر چھپانے کو نہ کپڑا اور نہ سورج کی تمازت سے بچنے کے لئے مکان۔ قرآن مجید نے ذوالقرنین کے مغربی اور مشرقی سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے **مطلع الشمس** اور **مغرب الشمس** کی تعبیر اختیار کی ہے۔ جس سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ ذوالقرنین پوری دنیا کا بلاشرکت غیرے بادشاہ بن گیا تھا۔ حالانکہ یہ تاریخی اعتبار سے کسی بھی بادشاہ کے لئے ثابت نہیں۔ قرآن کا مطلب اس تعبیر کے اختیار کرنے سے یہ ہے کہ وہ اپنے مرکز حکومت کے اعتبار سے اقصاء مغرب اور اقصاء مشرق تک پہنچے ہیں۔ نیز اس تعبیر کے اختیار کرنے کی دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جس طرح ذوالقرنین قرآن کا دیا ہوا لقب نہیں ہے بلکہ سوال میں کئے ہوئے لفظ کو قرآن نے دہرا دیا۔ اسی طرح پر یہ بھی ممکن ہے کہ سائلین کو یہ واقعہ سناتے ہوئے قرآن نے وہی **مغرب الشمس** اور **مطلع الشمس** کی تعبیر اختیار کر لی ہو۔ جو تورات میں ذوالقرنین (خورس) سے متعلق درج ہے۔ یسعیاہؑ نبی کے صحیفہ میں خورس کے لئے بعینہ یہی تعبیر موجود ہے۔

شمالی مہم:............ ذوالقرنین کا پھر تیسرا سفر شروع ہوا اور جب وہ ایسے مقام پر پہنچے جہاں دو پہاڑوں کی پھانکیں ایک دورہ بناتی تھیں، اور وہاں ایک ایسی قوم آباد تھی جو ان کی زبان اور بولی سے ناواقف تھی۔ کسی طرح انہوں نے ذوالقرنین پر یہ واضح کیا کہ ان پہاڑوں کے درمیان سے یاجوج وماجوج نکل کر ہم کو ستاتے ہیں اور اس سرزمین میں فساد انگیزی کرتے ہیں۔

یہاں قرآن مجید میں کسی سمت کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں کیا ہے۔ لیکن جغرافیائی معلومات سے یہ شمالی سمت معلوم ہوتی ہے اور تاریخی شہادتوں ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوہ قاف کے پہاڑی سلسلوں میں ایسے دو پہاڑ تھے جن کے پھاٹکوں کے درمیان

قدرتی درہ تھا، جہاں یہ قوم آباد تھی اور پہاڑ کے دوسری جانب سیتھین قبائل کے جنگلی اور غیر مہذب لٹیرے آباد تھے جو اس قوم پر حملہ کرتے اور لوٹ مار کر واپس ہو جاتے۔ جب ذوالقرنین (خورس) وہاں پہنچے تو اس آبادی کے لوگوں نے حملہ آور لٹیروں کی شکایت کرتے ہوئے ایک رکاوٹ کھڑی کرنے کی درخواست کی جسے ذوالقرنین نے منظور کر لیا اور لوہے و تانبے کی ایک ایسی دیوار کھڑی کر دی جس کو یہ غیر مہذب قبائل اپنی درندگی اور خونخواری کے باوجود نہ توڑ پھوڑ سکے اور نہ اس کے اوپر سے اتر کر حملہ آور ہو سکے۔ اس طرح اس درہ کی آبادی ان کے حملوں سے محفوظ ہو گئی۔

یاجوج و ماجوج:............ یاجوج و ماجوج سے متعلق ویسے تو بہت سی روایات بیان کی جاتی ہیں۔ لیکن یہ سب اسرائیلی خرافات ہیں، جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ البتہ محققین نے جو تفصیلات بیان کی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج و ماجوج کوئی عجیب الخلقت مخلوق نہیں بلکہ وہ بھی عام انسانوں ہی کی طرح انسان ہیں اور نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

یاجوج و ماجوج۔ منگولیا (تاتار) کے ان وحشی قبائل کا نام ہے جن کو یورپ اور روسی اقوام کی ابتدائی نسل ہونے کا تاریخی ثبوت حاصل ہے۔ ان کی ہمسایہ قوم ان کے دو بڑے قبیلوں کو موگ اور یوجی کہتے تھے۔ اس لئے ان کی تقلید میں یونانیوں نے ان کو میگ، میگاگ اور یوگاگ کہا۔ جو کہ عربی اور عبرانی میں تصرف کے بعد یاجوج و ماجوج ہو گیا۔ حافظ ابن کثیرؒ، ابن حجرؒ، طنطاویؒ وغیرہ کی یہی تحقیق ہے۔

سدذوالقرنین:............ اب یہ بات کہ وہ دیوار جو ذوالقرنین نے بنائی تھی وہ کہاں ہے؟ جبکہ دنیا کا نقشہ اس طرح تیار ہو گیا کہ کوئی بھی اہم اور تاریخی چیزیں چھوٹ نہ سکیں۔ تو سدذوالقرنین کہاں اور کس حالت مین ہے؟ اس دیوار کی تعیین سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ یاجوج و ماجوج کے لوٹ مار کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ کاکیشیا کے نیچے بسنے والے بھی ان کے ظلم وستم سے بچ نہ سکے اور دوسری طرف تبت وچین کے باشندے بھی ان کے لگائے ہوئے زخموں سے چور چور تھے، اس لئے انہیں یاجوج و ماجوج کے ظلم سے بچانے کے لئے مختلف زمانوں میں بہت سی دیواریں کھڑی کی گئیں۔ جن میں سے ایک دیوار، دیوار چین کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دیوار تقریباً ایک ہزار میل لمبی ہے۔

دوسری دیوار وسط ایشیاء میں بخارا اور ترمذ کے قریب واقع ہے۔ اس کو ''دربند'' کہتے ہیں۔ یہ مشہور مغل بادشاہ تیمور لنگ کے زمانہ میں تھی اور تیسری دیوار روسی علاقہ داغستان میں واقع ہے۔ یہ بھی دربند اور باب ابواب کے نام سے مشہور ہے اور بعض مورخین اسے الباب بھی لکھ دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ سب دیواریں شمال ہی میں بنائی گئی ہیں اور سب کا مقصد ایک ہی تھا۔ یعنی یاجوج و ماجوج کی لوٹ مار سے حفاظت۔ اس لئے سدذوالقرنین کی تعیین میں دشواری ہو گئی۔

بعض محققین کی رائے ہے کہ بخارا اور ترمذ کے قریب جو دربند حصار کے علاقہ میں دیوار ہے وہی سدذوالقرنین ہے۔ لیکن ابوحیان اندلسی، بستانی اور حضرت العلامہ انور شاہ کشمیریؒ وغیرہ نے لکھا ہے کہ سدذوالقرنین اس بحر قزوین میں نہیں ہے، بلکہ اس سے اوپر قفقاز کے آخری کنارہ پر پہاڑوں کے درمیان ہے اور یہی تحقیق واقعی اور قرآن مجید کے بیانات کے مطابق ہے۔ کیونکہ واثق باللہ نے خواب میں دیکھا تھا کہ میں نے روم کو فتح کیا ہے تو اس نے ایک تحقیقاتی کمیشن اس دیوار کی کھوج کے لئے روانہ کیا تھا۔ یہ کمیشن ایک مدت کے بعد تحقیق کر کے واپس ہوا تو اس نے قفقاز کے پہاڑوں کے کنارہ پر جو دیوار دیکھی تھی وہ بعینہ قرآن مجید کے ذکر کردہ دیوار کے مطابق تھی۔ بہر حال قرآنی بیانات اور محققین کی آراء کے نتیجہ میں جس دیوار کو سدذوالقرنین کہہ سکتے ہیں وہ قفقاز کے علاقہ میں واقع

دیوار کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

خروجِ یاجوج و ماجوج:.......... عام طور پر مفسرین نے آیت **فاذا جاء وعد ربی جعلہ دکاء وکان وعد ربی حقا** سے یہ سمجھا ہے کہ یاجوج و ماجوج سدذوالقرنین کے پیچھے اس طرح محصور ہوگئے ہیں کہ اب وہ کسی طرح سے باہر نکل ہی نہیں سکتے اور وہ دیوار بھی قیامت تک اسی طرح صحیح وسالم اپنی پوری مضبوطی و پائیداری کے ساتھ کھڑی رہے گی اور جب یاجوج و ماجوج کے خروج کا وقت آئے گا، جو قرب قیامت کی علامت میں سے ہے تو اس وقت وہ دیوار گر کر ریزہ ریزہ ہوجائے گی۔ جس کے نتیجہ میں وہ امنڈ پڑیں گے۔ مگر آیت کے سیاق وسباق پر نظر ڈالنے کے بعد یہ تفسیر کچھ زیادہ صحیح معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ جب ذوالقرنین نے دیوار کھڑی کردی تو اس کی مضبوطی کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی کہہ دیا کہ جب میرے خدا تعالیٰ کا وعدہ آجائے گا تو یہ دیوار ریزہ ریزہ ہوجائے گی۔ مگر اس جگہ یاجوج و ماجوج کے اس خروج کا کوئی تذکرہ نہیں ہے جو قیامت کے قریب واقع ہوگا۔ کیونکہ **فاذا جاء وعد ربی جعلہ دکاء** ارشاد خداوندی تو ہے نہیں بلکہ ذوالقرنین کا اپنا مقولہ ہے اور خروج یاجوج و ماجوج ان اخبار مغیبات میں سے ہے جو علامات قیامت کے طور پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے بیان کی گئی ہے۔ اس لئے یہاں "**وعد**" سے وعدہ قیامت مراد نہیں ہے بلکہ کسی تعمیر کی تخریب کا معین وقت مراد ہے، جس کی تعیین ذوالقرنین نے اپنی جانب سے کرنے کے بجائے مردمومن ومرد صالح کی طرح خدا کی مرضی کے حوالہ کردی ہے۔

بہر حال ذوالقرنین کے مقولہ **اذا جاء وعد ربی جعلہ دکاء** میں وعد سے یاجوج و ماجوج کا خروج موعود مراد نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک وقت ایسا ضرور آئے گا کہ یہ دیوار ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔ امام احمدؒ، حافظ ابن کثیرؒ اور حضرت العلامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کی بھی یہی رائے ہے کہ ذوالقرنین کے مقولہ میں یاجوج و ماجوج کا خروج موعود نہیں ہے۔

علامہ کشمیریؒ نے اپنی تصنیف "عقیدۃ الاسلام" میں تحریر فرمایا ہے کہ مقولہ ذوالقرنین کے سیاق وسباق میں ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں جس سے دیوار کے ریزہ ریزہ ہونے کے واقعہ کو علامات قیامت میں سے شمار کیا جائے اور شاید ذوالقرنین کو یہ علم بھی نہ ہو کہ اشراط ساعت میں سے خروج یاجوج و ماجوج بھی ہے۔ ان کا کہنا تو بس اس درجہ میں تھا کہ یہ دیوار ہمیشہ باقی نہیں رہے گی بلکہ ایک دن ضرور ختم ہوجائے گی۔

فکر آخرت:.......... قرآن کا ہمیشہ یہ دستور رہا ہے کہ جب بھی کوئی دنیوی اہم واقعہ یا حادثہ سناتا ہے تو اسی کے ساتھ آخرت کی یاد دلاتا ہے تو اب حضرت موسیٰ علیہ السلام وخضر علیہ السلام کے اسفار، ذوالقرنین کی فتوحات اور یاجوج و ماجوج کے فتنہ وفساد کے قصہ سے فارغ ہو کر فرمایا جارہا ہے کہ پھر ہم صور پھونکیں گے اور سب کو ایک جگہ جمع کرلیں گے اور اس دن کفار کے سامنے ہم جہنم پیش کریں گے جو دنیاوی زندگی میں اپنی آنکھوں اور کانوں کو بے کار کئے بیٹھے رہے۔ نہ دین حق کو دیکھتے تھے اور نہ دعوت حق کو سنتے تھے۔ اپنے اس بغض وعناد کی وجہ سے جو ان کو اسلام اور رسول اسلام سے تھا اور ہمیشہ یہی سمجھتے رہے کہ ان کے جھوٹے معبود ہی ان کے سارے نفع پہنچائیں گے اور ہمیں عذاب سے نجات دلائیں گے۔ حالانکہ یہ خیال ان کا کتنا غلط تھا۔ انہیں کے لئے ہم نے یہ جہنم تیار کر رکھی ہے۔

پھر انہیں کو ڈراتے ہوئے کہا جارہا ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے طور پر عبادت وریاضت کرتے رہے اور یہ سمجھتے رہے کہ ہم بہت کچھ نیکیاں کر رہے ہیں۔ جن پر ہمیں بہترین بدلہ ملے گا۔ لیکن چونکہ وہ خدا کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق نہیں تھیں، انبیاء علیہم السلام کے فرمان کے خلاف تھیں، اس لئے بجائے مقبول ہونے کے مردود ہوئیں اور بجائے محبوب ہونے کے مبغوض ہو کر رہ گئیں۔ اس لئے کہ وہ خدا کی آیتوں کو جھٹلاتے رہے۔ خدا کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت کے تمام تر ثبوت ان کے سامنے تھے لیکن

انہوں نے اس سے آنکھیں بند رکھیں۔ لہٰذا انکی نیکی کا پلڑہ بے وزن رہے گا۔ یہ بدلہ ہے ان کے کفر کا اور خدا تعالیٰ کی آیتوں اور اس کے رسولوں کی ہنسی مذاق اڑانے کا۔ کفر وطغیان جب اپنے حدود سے نکل جاتا ہے تو انسان محض انکار پر ہی بس نہیں کرتا بلکہ خدا تعالیٰ کے پیغمبروں اور اس کے احکامات کی تکذیب اور تمسخر پر اتر آتا ہے۔ تو ایسے لوگوں کا ٹھکانہ سوائے جہنم کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کے مقابلہ میں مومنین کو خوشخبری سناتے ہوئے ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ لوگ جو خدا کی وحدانیت اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور اس کے احکامات پر چلے اور نیک کام کئے، ان کے ٹھہرنے کی جگہ فردوس کے باغات ہوں گے۔

بخاری ومسلم میں ہے۔ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب جنت مانگو تو جنت الفردوس کا سوال کرو۔ یہ جنت میں سب سے عمدہ اور اعلیٰ درجہ ہے۔ جنت کے لازوال اور نت نئی نعمتوں میں رہنے والوں کو نہ کوئی بیدخل کر سکے گا اور نہ وہ ازخود وہاں سے نکلنے کی خواہش کریں گے۔ جنت اپنی ان گنت نعمتوں، راحتوں اور لذتوں کے ساتھ ان کے لئے ہر لحہ ایک نئی کشش رکھے گی۔ اس لئے اہل جنت کے ازخود وہاں سے نکلنے کا سوال ہی کیا پیدا ہو سکتا ہے؟ قرآن مجید نے خالدین کا لفظ استعمال کر کے اس کی بھی مکمل تردید کر دی کہ ان کو وہاں سے کوئی نکال بھی نہیں سکے گا۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ اپنی عظمت سمجھانے کے لئے آنحضور ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ اعلان کر دیجئے کہ اگر ساری مخلوق مل کر بھی کلمات الٰہی کا احاطہ کرنا چاہے تو ممکن نہیں۔ اگرچہ سمندر کو بطور سیاہی کے استعمال کر لیں تو بھی یہ ممکن نہیں ہے۔ سارا سامان تحریر ختم ہو جائے گا لیکن خدا تعالیٰ کی حکمتیں اور ان کی قدرتیں ختم نہیں ہو سکتیں۔ سمندر سے مراد کوئی ایک سمندر نہیں ہے، بلکہ جنس سمندر ہے یا یہ کہ اس سرزمین پر جتنے بھی سمندر ہیں اگر ان کو بطور سیاہی کے استعمال کر کے کوئی یہ چاہے کہ خدا کی آیات ونشانیاں لکھ ڈالے، تو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ہے اس کی قدرتیں لامتناہی ہیں، اسے کس طرح متناہی کیا جا سکتا ہے؟

اس کے بعد آنحضور ﷺ کو مخاطب بنا کر ارشاد ہوا کہ آپ اپنی حیثیت لوگوں پر واضح کر دیجئے اور کہئے کہ میں تم ہی جیسا ایک انسان ہوں۔ ہم میں اور تم میں کوئی فرق نہیں ہے، سوائے اس کے کہ میرے اوپر وحی آتی ہے۔ گویا کہ میں صرف وصف رسالت میں تم سے ممتاز ہوں۔ تم نے مجھ سے ذوالقرنین کا واقعہ دریافت کیا۔ اسی طرح اصحاب کہف کا قصہ پوچھا۔ تو میں کوئی غیب دان نہیں ہوں، بلکہ یہ ساری تفصیلات میں نے اسی وحی کے ذریعے بتائی، جو مجھ پر نازل ہوتی ہے۔ اور اس وحی کا تمام خلاصہ یہ ہے کہ شرک چھوڑ دو۔ اللہ کے علاوہ کسی کو اپنا حاجت روا نہ سمجھو اور جو شخص خدا سے ملاقات کی تمنا رکھتا ہے اور اس کا متمنی ہے کہ اس کے کئے ہوئے کاموں کا اسے بہتر بدلہ ملے تو اسے چاہئے کہ وہ شریعت کے مطابق عمل کرے۔ اس کے پیغمبروں کی فرمانبرداری کرے اور خدا کے بتائے ہوئے راستہ پر چل کر اپنے آپ کو اجر وثواب کا مستحق بنائے۔ اس کے بغیر نہ اس کے اعمال کا کوئی وزن ہوگا اور نہ اس کی نیکیوں کی کوئی حیثیت ہوگی۔ وہ بجائے مقبول ہونے کے مبغوض عنداللہ ٹھہرے گا۔

سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ اَوْ اِلَّا سَجْدَتُهَا فَمَدَنِيَّةٌ اَوْ اِلَّا فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ الْاٰيَتَيْنِ فَمَدَنِيَّتَانِ وَهِيَ ثَمَانٌ اَوْ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِذٰلِكَ هٰذَا **ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ** مَفْعُوْلُ رَحْمَةِ **زَكَرِيَّا ﴿۲﴾** بَيَانٌ لَهٗ **اِذْ** مُتَعَلِّقٌ بِرَحْمَةِ **نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً** مُشْتَمِلًا عَلٰى دُعَاءٍ **خَفِيًّا ﴿۳﴾** سِرًّا جَوْفَ اللَّيْلِ لِاَنَّهٗ اَسْرَعُ لِلْاِجَابَةِ **قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ** ضَعُفَ **الْعَظْمُ** جَمِيْعُهٗ **مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ** مِنِّيْ **شَيْبًا** تَمِيْزٌ مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ اَيْ اِنْتَشَرَ الشَّيْبُ فِيْ شَعْرِهٖ كَمَا يَنْتَشِرُ شُعَاعُ النَّارِ فِي الْحَطَبِ وَاِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ اَدْعُوْكَ **وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ** اَيْ بِدُعَائِيْ اِيَّاكَ **رَبِّ شَقِيًّا ﴿۴﴾** اَيْ خَائِبًا فِيْمَا مَضٰى فَلَا تُخَيِّبْنِيْ فِيْمَا يَاْتِيْ **وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ** اَيِ الَّذِيْنَ يَلُوْنَنِيْ فِي النَّسَبِ كَبَنِي الْعَمِّ **مِنْ وَّرَآءِيْ** اَيْ بَعْدَ مَوْتِيْ عَلَى الدِّيْنِ اَنْ يُّضَيِّعُوْهُ كَمَا شَاهَدْتُّهٗ فِيْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ مِنْ تَبْدِيْلِ الدِّيْنِ **وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا** لَا تَلِدُ **فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ** مِنْ عِنْدِكَ **وَلِيًّا ﴿۵﴾** اِبْنًا **يَّرِثُنِيْ** بِالْجَزْمِ جَوَابُ الْاَمْرِ وَبِالرَّفْعِ صِفَةُ وَلِيًّا **وَيَرِثُ** بِالْوَجْهَيْنِ **مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ** جَدِّي الْعِلْمَ وَالنُّبُوَّةَ **وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿۶﴾** اَيْ مَرْضِيًّا عِنْدَكَ قَالَ تَعَالٰى فِيْ اِجَابَةِ طَلَبِهِ الْاِبْنُ الْحَاصِلُ بِهَا رَحْمَةٌ **يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ** يَرِثُ كَمَا سَاَلْتَ **اسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿۷﴾** اَيْ مُسَمًّى بِيَحْيٰى **قَالَ رَبِّ اَنّٰى** كَيْفَ **يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿۸﴾** مِنْ عَتَا يَبِسَ اَيْ نِهَايَةُ السِّنِّ مِائَةٌ وَّعِشْرِيْنَ سِنَةً وَبَلَغَتْ اِمْرَاَتِيْ ثَمَانِيْ وَتِسْعِيْنَ سِنَةً وَاَصْلُ عَتِيٍّ عُتُوٌّ وَكُسِرَتِ التَّاءُ تَخْفِيْفًا وَقُلِبَتِ الْوَاوُ الْاُوْلٰى يَاءً لِمُنَاسَبَةِ الْكَسْرَةِ وَالثَّانِيَةُ يَاءً لِتُدْغَمَ فِيْهَا الْيَاءُ **قَالَ** الْاَمْرُ **كَذٰلِكَ** مِنْ خَلْقِ غُلَامٍ مِنْكُمَا **قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ** اَيْ بِاَنْ اَرُدَّ

عَلَيْكَ قُوَّةَ الْجِمَاعِ وَافْتُقَ رَحِمَ امْرَأَتِكَ لِلْعُلُوقِ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ﴿۹﴾ قَبْلَ
خَلْقِكَ وَلِإِظْهَارِ اللّٰهِ تَعَالٰى هٰذِهِ الْقُدْرَةَ الْعَظِيْمَةَ اَلْهَمَهُ السُّؤَالَ لِيُجَابَ بِمَا يَدُلُّ عَلَيْهَا وَلَمَّا تَاقَتْ نَفْسُهُ
اِلٰى سُرْعَةِ الْمُبَشَّرِ بِهٖ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ اَىْ عَلَامَةً عَلٰى حَمْلِ امْرَأَتِىْ قَالَ اٰيَتُكَ عَلَيْهِ اَنْ لَّا
تُكَلِّمَ النَّاسَ اَىْ تَمْتَنِعَ مِنْ كَلَامِهِمْ بِخِلَافِ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى ثَلٰثَ لَيَالٍ اَىْ بِاَيَّامِهَا كَمَا فِىْ اٰلِ عِمْرَانَ
ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ سَوِيًّا ﴿۱۰﴾ حَالٌ مِنْ فَاعِلِ تُكَلِّمَ اَىْ بِلَاعِلَّةٍ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ اَىِ الْمَسْجِدِ
وَكَانُوْا يَنْتَظِرُوْنَ فَتْحَهٗ لِيُصَلُّوْا فِيْهِ بِاَمْرِهٖ عَلَى الْعَادَةِ فَاَوْحٰٓى اَشَارَ اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا صَلُّوْا بُكْرَةً
وَّعَشِيًّا ﴿۱۱﴾ اَوَائِلَ النَّهَارِ وَاَوَاخِرَهٗ عَلَى الْعَادَةِ فَعَلِمَ بِمَنْعِهٖ مِنْ كَلَامِهِمْ حَمْلَهَا بِيَحْيٰى وَبَعْدَ وِلَادَتِهٖ بِسَنَتَيْنِ
قَالَ تَعَالٰى لَهٗ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ اَىِ التَّوْرٰةَ بِقُوَّةٍ ؕ بِجِدٍّ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ النُّبُوَّةَ صَبِيًّا ﴿۱۲﴾ اِبْنَ ثَلَاثِ
سِنِيْنَ وَّحَنَانًا رَحْمَةً لِّلنَّاسِ مِّنْ لَّدُنَّا مِنْ عِنْدِنَا وَزَكٰوةً ؕ صَدَقَةً عَلَيْهِمْ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿۱۳﴾ رُوِىَ اَنَّهٗ لَمْ يَعْمَلْ
خَطِيْئَةً قَطُّ وَلَمْ يَهِمَّ بِهَا وَّبَرًّا ۢ بِوَالِدَيْهِ اَىْ مُحْسِنًا اِلَيْهِمَا وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا مُتَكَبِّرًا عَصِيًّا ﴿۱۴﴾ عَاصِيًا لِرَبِّهٖ
۱۵ع وَسَلٰمٌ مِّنَّا عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾ اَىْ فِىْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ الْمَخُوْفَةِ الَّتِىْ يَرٰى
فِيْهَا مَالَمْ يَرَهٗ قَبْلَهَا فَهُوَ اٰمِنٌ فِيْهَا وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ الْقُرْاٰنِ مَرْيَمَ ۘ اَىْ خَبَرَهَا اِذِ حِيْنَ انْتَبَذَتْ مِنْ
اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ اَىْ اِعْتَزَلَتْ فِىْ مَكَانٍ نَحْوَ الشَّرْقِ مِنَ الدَّارِ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا
فَاَرْسَلَتْ سِتْرًا تَسْتَتِرُ بِهٖ لِتَفْلِىَ رَاْسَهَا اَوْ ثِيَابَهَا اَوْ تَغْتَسِلَ مِنْ حَيْضِهَا فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا جِبْرَئِيْلَ فَتَمَثَّلَ
لَهَا بَعْدَ لُبْسِهَا ثِيَابَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ تَامَّ الْخَلْقِ قَالَتْ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ
تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ فَتَنْتَهِىْ عَنِّىْ بِتَعَوُّذِىْ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ بِالنُّبُوَّةِ
قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ يَتَزَوَّجُ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ زَانِيَةً قَالَ الْاَمْرُ كَذٰلِكِ ۚ
مِنْ خَلْقِ غُلَامٍ مِنْكِ مِنْ غَيْرِ اَبٍ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ ۚ اَىْ بِاَنْ يَّنْفُخَ بِاَمْرِىْ جِبْرَئِيْلُ فِيْكِ فَتَحْمِلِىْ بِهٖ
وَلِكَوْنِ مَا ذُكِرَ فِىْ مَعْنَى الْعِلَّةِ عُطِفَ عَلَيْهِ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ عَلٰى قُدْرَتِنَا وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ لِمَنْ اٰمَنَ بِهٖ
وَكَانَ خَلْقُهٗ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾ بِهٖ فِىْ عِلْمِىْ فَنَفَخَ جِبْرَئِيْلُ فِىْ جَيْبِ دِرْعِهَا فَاَحَسَّتْ بِالْحَمْلِ فِىْ بَطْنِهَا
مُصَوَّرًا فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ تَنَحَّتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ بَعِيْدًا مِنْ اَهْلِهَا فَاَجَآءَهَا جَاءَ بِهَا الْمَخَاضُ
وَجَعُ الْوِلَادَةِ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ لِتَعْتَمِدَ عَلَيْهِ فَوَلَدَتْ وَالْحَمْلُ وَالتَّصْوِيْرُ وَالْوِلَادَةُ فِىْ سَاعَةٍ قَالَتْ يٰ
لِلتَّنْبِيْهِ لَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا الْاَمْرِ وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ شَيْئًا مَتْرُوْكًا لَا يُعْرَفُ وَلَا يُذْكَرُ فَنَادٰىهَا

مِنْ تَحْتِهَآ اَیْ جِبْرِیْلُ وَکَانَ اَسْفَلَ مِنْهَا اَ لَّاتَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِیًّا ﴿۲۴﴾ نَهرَ مَاءٍ کَانَ اِنْقَطَعَ وَهُزِّیْٓ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ کَانَتْ یَابِسَةً وَالْبَاءُ زَائِدَةٌ تُسٰقِطْ اَصْلُهٗ بِتَائَیْنِ قُلِبَتِ الثَّانِیَةُ سِیْنًا وَاُدْغِمَتْ فِی السِّیْنِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِتَرْکِهَا عَلَیْكِ رُطَبًا تَمِیْزٌ جَنِیًّا ﴿۲۵﴾ صِفَتُهٗ فَكُلِیْ مِنَ الرُّطَبِ وَاشْرَبِیْ مِنَ السَّرِیِّ وَقَرِّیْ عَیْنًا بِالْوَلَدِ تَمِیْیزٌ مُحَوَّلٌ مِنَ الْفَاعِلِ اَیْ لِتَقَرَّ عَیْنُكِ بِهٖ اَیْ تَسْكُنَ فَلَا تَطْمَحُ اِلٰی غَیْرِهٖ فَاِمَّا فِیْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِیَّةِ فِیْ مَاالْمَزِیْدَةِ تَرَیِنَّ حُذِفَتْ مِنْهُ لَامُ الْفِعْلِ وَعَیْنُهٗ وَاُلْقِیَتْ حَرْکَتُهَا عَلَی الرَّاءِ وَکُسِرَتْ یَاءُ الضَّمِیْرِ لِاِلْتِقَاءِ السَّاکِنَیْنِ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَیَسْاَلُكِ عَنْ وَلَدِكِ فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا اَیْ اِمْسَاکًا عَنِ الْكَلَامِ فِیْ شَانِهٖ وَغَیْرِهٖ مَعَ الْاَنَاسِیِّ بِدَلِیْلِ فَلَنْ اُكَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا ﴿۲۶﴾ اَیْ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ حَالٌ فَرَاَوْهُ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّا ﴿۲۷﴾ عَظِیْمًا حَیْثُ اَتَیْتِ بِوَلَدٍ مِنْ غَیْرِ اَبٍ یٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ هُوَ رَجُلٌ صَالِحٌ اَیْ یَاشَبِیْهَتَهٗ فِی الْعِفَّةِ مَا کَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ اَیْ زَانِیًا وَّمَا کَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا ﴿۲۸﴾ زَانِیَةً فَمِنْ اَیْنَ لَكِ هٰذَا الْوَلَدُ فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ اَنْ کَلِّمُوْهُ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ کَانَ اَیْ وُجِدَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُاللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ اَیِ الْاِنْجِیْلَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿۳۰﴾ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَمَا کُنْتُ اَیْ نَفَّاعًا لِلنَّاسِ اَخْبَارٌ بِمَا کُتِبَ لَهٗ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّکٰوةِ اَمَرَنِیْ بِهِمَا مَادُمْتُ حَیًّا ﴿۳۱﴾ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِیْ مَنْصُوْبٌ بِجَعَلَنِیْ مُقَدَّرًا وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا مُتَعَاظِمًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾ عَاصِیًا لِرَبِّهٖ وَالسَّلٰمُ مِنَ اللّٰهِ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾ یُقَالُ فِیْهِ مَاتَقَدَّمَ فِی السَّیِّدِ یَحْیٰی قَالَ تَعَالٰی ذٰلِكَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ قَوْلَ الْحَقِّ بِالرَّفْعِ خَبَرُ مُبْتَدَاءٍ مُقَدَّرٍ اَیْ قَوْلُ ابْنِ مَرْیَمَ وَبِالنَّصَبِ بِتَقْدِیْرِ قُلْتُ وَالْمَعْنَی الْقَوْلُ الْحَقُّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾ مِنَ الْمِرْیَةِ اَیْ یَشُكُّوْنَ وَهُمُ النَّصَارٰی قَالُوْا اِنَّ عِیْسٰی ابْنَ اللّٰهِ کَذَبُوْا مَا کَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ تَنْزِیْهًا لَهٗ عَنْ ذٰلِكَ اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا اَیْ اَرَادَ اَنْ یُحْدِثَهٗ فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۳۵﴾ بِالرَّفْعِ بِتَقْدِیْرِ هُوَ وَبِالنَّصَبِ بِتَقْدِیْرِ اَنْ وَمِنْ ذٰلِكَ خَلْقُ عِیْسٰی مِنْ غَیْرِ اَبٍ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ بِفَتْحِ اَنَّ بِتَقْدِیْرِ اُذْکُرْ وَبِكَسْرِهَا بِتَقْدِیْرِ قُلْ بِدَلِیْلِ مَاقُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ هٰذَا الْمَذْکُوْرُ صِرَاطٌ طَرِیْقٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۳۶﴾ مُؤَدٍّ اِلَی الْجَنَّةِ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ اَیِ النَّصَارٰی فِیْ عِیْسٰی اَهُوَ ابْنُ اللّٰهِ اَوْ اِلٰهٌ مَعَهٗ اَوْ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ فَوَیْلٌ شِدَّةُ عَذَابٍ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِمَا ذُکِرَ وَغَیْرِهٖ مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۳۷﴾ اَیْ حُضُوْرِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَاَهْوَالِهٖ

اَسۡمِعۡ بِهِمۡ وَاَبۡصِرۡ بِهِمۡ صِيۡغَتَا تَعَجُّبٍ بِمَعۡنٰى مَا اَسۡمَعَهُمۡ وَمَا اَبۡصَرَهُمۡ **يَوۡمَ يَاۡتُوۡنَنَا** فِى الۡاٰخِرَةِ **لٰكِنِ الظّٰلِمُوۡنَ** مِنۡ اِقَامَةِ الظَّاهِرِ مَقَامَ الۡمُضۡمَرِ **الۡيَوۡمَ** اَىۡ فِى الدُّنۡيَا **فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ** ﴿۳۸﴾ اَىۡ بَيِّنٍ بِهٖ صَمُّوۡا عَنۡ سِمَاعِ الۡحَقِّ وَعَمُوۡا عَنۡ اَبۡصَارِهٖ اَىۡ اَعۡجَبُ مِنۡهُمۡ يَامُخَاطِبًا فِىۡ سَمۡعِهِمۡ وَاَبۡصَارِهِمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ بَعۡدَ اَنۡ كَانُوۡا فِى الدُّنۡيَا صُمًّا عُمۡيًا **وَاَنۡذِرۡهُمۡ** خَوِّفۡ يَامُحَمَّدُ كُفَّارَ مَكَّةَ **يَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ** هُوَ يَوۡمُ الۡقِيٰمَةِ يَتَحَسَّرُ فِيۡهِ الۡمُسِىۡءُ عَلٰى تَرۡكِ الۡاِحۡسَانِ فِى الدُّنۡيَا **اِذۡ قُضِىَ الۡاَمۡرُ** لَهُمۡ فِيۡهِ بِالۡعَذَابِ **وَهُمۡ** فِى الدُّنۡيَا **فِىۡ غَفۡلَةٍ** عَنۡهُ **وَّهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ** ﴿۳۹﴾ بِهٖ **اِنَّا نَحۡنُ** تَاكِيۡدٌ **نَرِثُ الۡاَرۡضَ وَمَنۡ عَلَيۡهَا** مِنَ الۡعُقَلَاءِ وَغَيۡرِهِمۡ بِاِهۡلَاكِهِمۡ **وَاِلَيۡنَا يُرۡجَعُوۡنَ** ﴿۴۰﴾ فِيۡهِ لِلۡجَزَاءِ

ترجمہ:.......... یہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کے مہربانی فرمانے کا (عبدہ مفعول ہے رحمۃ کا) اپنے بندۂ زکریا پر (زکریا بیان ہے رحمۃ کا) جب انہوں نے خفیہ طور پر اپنے پروردگار کو پکارا (یعنی نصف رات کے بعد اپنے پروردگار سے دعا کی جو دعا کی مقبولیت کا خاص وقت ہے) کہا کہ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل گئی۔ (شیبا تمیز ہے جو درحقیقت فاعل تھا۔ تقدیر عبارت یہ ہے کہ انتشر الشیب فی شعرہ کما ینتشر شعاع النار فی الحطب۔ یعنی سر کے بالوں میں سفیدی اس طرح پھیل گئی ہے جیسے کہ لکڑی میں آگ جلنے پر اس کی لپٹ پوری لکڑی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ اس لئے اب خاص طور پر وہ وقت آ گیا ہے کہ آپ کو آواز دوں اور آپ سے مدد طلب کروں) اور اس سے پہلے بھی کبھی میں آپ سے مانگنے میں ناکام نہیں رہا ہوں۔ (تو جس طرح اس سے پہلے آپ نے کبھی ناکام نہیں لوٹایا ہے، آئندہ بھی ناکام نہ کریں گے) اور میں اندیشہ رکھتا ہوں اپنے رشتہ داروں سے، اپنے بعد (جو میرے قریبی رشتہ دار ہیں۔ مثلاً چچا کے لڑکے وغیرہ سے دین کے بارے میں کہیں وہ میرے بعد نبوت اور دین کو ضائع نہ کردیں۔ جیسا کہ آپ نے بنی اسرائیل میں مشاہدہ کرلیا اور میری بیوی بانجھ ہے۔ سو آپ ہی مجھے اپنے پاس سے وارث دیجئے (یعنی بیٹا) جو میرا بھی وارث ہو اور اولا دیعقوب کا بھی وارث بنے۔ (یرثنی کے ثاء میں دو قرأت ہے۔ ایک جزم کی۔ اس صورت میں یرثنی امر کا جواب ہوگا۔ یعنی زکریا علیہ السلام نے جو کچھ کہا تھا کہ ''دے مجھ کو'' اسی کا بیان ہے کہ کیا دے۔ یعنی میرا وارث اور اگر ثاء کو پیش پڑھیں گے تو یہ ولیاً کی صفت ہوگی۔ یعنی ایسا لڑکا عنایت فرما دیجئے جو وارث ہو میرا اور اولا دیعقوب کے علوم ونبوت کا اور جو میری نبوت کو سنبھال سکے) اور اے خدا! اسے پسندیدہ کردیجئے (اور اسے ایسا بنا دیجئے جو تیرے نزدیک پسندیدہ ہو۔ تو خدا تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ) اے زکریا! ہم تم کو خوشخبری دیتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ اس سے قبل ہم نے کسی کو اس کا ہمنام نہیں بنایا۔ (یعنی اس سے قبل کسی کا یحییٰ نام نہیں رکھا گیا اور یہ آپ کے حسب منشاء آپ کا وارث ہوگا۔) زکریا علیہ السلام نے عرض کیا کہ میرے لڑکا کس طرح ہوگا۔ درآنحالیکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہاء کو پہنچا ہوا ہوں۔ (عتیاعتا سے ہے جس کے معنی خشک ہونا۔ یعنی عمر کے آخری مرحلہ پر پہنچ چکا ہوں۔ تقریباً ایک سو بیس سال کا ہوں اور میری بیوی اٹھانوے برس کی ہوگئی ہے۔ عتی کا اصل عتوو ہے تا کو کسرہ کردیا گیا تخفیف کے لئے اور مشدد واو میں سے پہلے واو کو کسرہ کی مناسبت سے یا سے بدل دیا گیا اور پھر دوسرے واو کو بھی ادغام کرنے کے لئے یاء سے بدل دیا تو اس طرح یہ عتیا ہوگیا) ارشاد ہوا کہ اسی حالت میں (باوجود تمہارے بوڑھے ہونے اور بیوی کے بانجھ ہونے کے تمہارے لڑکا پیدا ہوگا) اے زکریا! تمہارے رب کا قول

ہے کہ یہ آسان ہے میرے لئے (کہ میں لوٹا دوں تمہارے اندر قوت جماع اور تیری بیوی کے رحم میں نطفہ کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کردوں) اور میں نے ہی تو تم کو پیدا کیا درآنحالیکہ تم کچھ بھی نہیں تھے۔ (یعنی تمہاری پیدائش سے قبل تمہارا کوئی وجود نہیں تھا۔ خدا تعالیٰ نے اپنی اسی قدرت کے اظہار کے لئے بچہ کے سوال کا خیال زکریا علیہ السلام کے دل میں ڈالا تاکہ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ وہ معاملہ کریں جس سے ان کی کمال قدرت کا مظاہرہ ہو اور اس فوری خوشخبری سے زکریا علیہ السلام حیرت زدہ ہوں اور اتنی آسانی سے ان کا ذہن اسے قبول کرنے کو تیار نہ ہو) زکریا علیہ السلام نے کہا کہ اے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر کردیجئے (یعنی میری بیوی کے حاملہ ہونے کی کوئی پہچان اور علامت بتادیجئے) ارشاد ہوا کہ تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین راتیں نہیں بول سکو گے (یعنی تم تین دن رات سوائے خدا تعالیٰ کے ذکر کے لوگوں سے بات نہیں کرسکو گے) درآنحالیکہ تم تندرست ہوگے۔ (سویا حال ہے تکلم کے فاعل سے۔) پھر وہ اپنی قوم کے روبرو حجرہ میں سے برآمد ہوئے (یعنی حضرت زکریا علیہ السلام حجرۂ عبادت میں سے نکلے، جہاں لوگ دروازہ کے کھلنے کا انتظار کررہے تھے تاکہ حسب معمول عبادت کی جاسکے) اور ان کو اشارہ سے فرمایا کہ تم لوگ صبح وشام خدا کی پاکی بیان کیا کرو (یعنی لوگوں سے اشارہ سے فرمایا کہ صبح وشام خدا کی پاکی اور عبادت حسب معمول کیا کرو۔ اور جب حضرت زکریا علیہ السلام اپنے میں لوگوں سے کلام کرنے کی صلاحیت کو نہ پانے سے وہ سمجھ گئے کہ ان کی بیوی کو حمل ٹھہر گیا اور دو سال کے بعد یحیٰ علیہ السلام کو مخاطب کرکے خدا تعالیٰ نے کہا، اے یحیٰ! کتاب کو مضبوط سے پکڑو (یعنی تورات کو) اور ہم نے ان کو لڑکپن ہی میں سمجھ دے دی تھی۔ (یعنی ہم نے ان کو نبوت دے دی تھی درآنحالیکہ وہ تین ہی سال کے تھے) اور خاص اپنے پاس سے رقت قلب اور پاکیزگی عطا فرمائی (اور ان کے دل میں لوگوں کے لئے جذبہ رحمت دے دیا) اور وہ بڑے پرہیزگار تھے (بعض روایت میں ہے کہ ان سے کبھی گناہ کا ارتکاب تو کیا خیال گناہ بھی نہیں ہوا) اور وہ اپنے والدین کے خدمت گزار تھے اور سرکش ونافرمان نہیں تھے (اور وہ نہ متکبر تھے اور نہ اپنے خدا کی نافرمانی کرنے والے تھے) اور انہیں سلام پہنچے جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن کہ وہ وفات پائیں گے اور جس دن کہ وہ زندہ کو کے اٹھائے جائیں گے۔ (مراد ہے یوم ولادت، یوم موت، یوم بعث۔ یہ ایام ایسے ہیں کہ ان سے انسان کو پہلے کبھی سابقہ نہیں پڑتا) اور اس کتاب میں مریم کا ذکر کیجئے (اور قرآن کریم میں مریم علیہا السلام سے متعلق ذکر کردہ قصہ کی اطلاع دیجئے) جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہوکر مکان کے شرقی حصہ میں گئیں۔ پھر لوگوں کے سامنے سے انہوں نے پردہ کرلیا (یعنی صفائی ستھرائی اور غسل کے لئے لوگوں سے پردہ کرلیا۔ آپ کا یہ غسل حیض سے فراغت کے بعد تھا)۔ پھر ہم نے ان کے پاس اپنے فرشتہ خاص کو بھیجا (جبرئیل علیہ السلام کو) اور وہ ان کے سامنے ظاہر ہوئے مکمل انسان کی صورت میں۔ (مریم علیہا السلام کے کپڑا پہن لینے کے بعد) وہ بولیں میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تو خدا ترس ہے (تو میرے پناہ مانگنے کے نتیجے میں ہٹ جائے گا) فرشتہ نے کہا کہ میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں، تاکہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں (جو نبی ہوگا) وہ بولیں۔ میرے لڑکا کیسے ہوجائے گا۔ درآنحالیکہ مجھ کو کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا (اور میری شادی بھی نہیں ہوئی ہے) اور نہ میں بدکار ہوں۔ فرشتہ نے کہا یونہی ہوگا (یعنی بغیر باپ کے تیرے بچہ ہوگا) تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے (یعنی یہ میرے لئے بہت آسان ہے کہ میرے حکم سے تم پر جبرئیل پھونک ماردیں اور اس کے نتیجہ میں تمہیں حمل ٹھہر جائے) اور یہ اس لئے تاکہ ہم اسے لوگوں کے لئے نشانی بنادیں۔ (اپنی قدرت کی) اور اپنی طرف سے سبب رحمت بنادیں (ان لوگوں کے لئے جو ان پر ایمان لائیں گے) اور یہ ایک طے شدہ بات ہے (جو ضرور ہوگی۔ تو جبرئیل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک ماردی۔ جس کے نتیجہ میں حضرت مریم علیہا السلام نے اپنے پیٹ میں حمل محسوس کیا) اور ان کے حمل قرار پاگیا۔ پھر وہ اس حمل کو لئے ہوئے کہیں ایک دور جگہ چلی گئیں (اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہوکر) سو انہیں دردِ زہ کھجور کے درخت کی

طرف لے گیا (تا کہ اس پر ٹیک لگا سکیں۔ جس سے ولادت میں سہولت ہو جائے۔ تو گویا کہ استقرار حمل اور بچہ کا جسمانی طور پر مکمل ہونا اور پھر ولادت سب کچھ چند ہی گھنٹہ میں ہو گیا۔ (گھبرا کر) کہنے لگیں کہ کاش میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی اور ایسی بھولی بسری ہو جاتی کہ کسی کو یاد بھی نہ رہتی۔ پھر انہیں ان کے نیچے سے پکارا (یعنی جبرائیل علیہ السلام نے نیچے سے آواز دی کہ) رنج مت کرو۔ تمہارے پروردگار نے تمہارے پائیں ہی ایک نہر پیدا کر دی ہے، اس کھجور کے تنہ کو اپنی طرف ہلاؤ، اس سے تم پر تازہ کھجوریں گریں (تساقط میں دو تاء تھی۔ دوسرے تاء کو س سے بدل کر اس س کو دوسرے س میں ادغام کر دیا گیا اور تساقط ہو گیا۔ دوسری قرأت میں دوسری تا کو حذف کر کے تسا قط پڑھا گیا۔ رطبا تمیز ہے نخلہ سے اور جنیا اس کی صفت ہے) پس کھاؤ پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو (تر و تازہ کھجور کھاؤ اور پانی پیو اور اپنے بچہ کو دیکھ دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو اور بجائے دوسرے کے بچوں کی طرف متوجہ ہونے کے اپنے بچے سے سکون دل حاصل کرو) اگر کسی بشر کو دیکھنا تو کہہ دینا (اگر وہ سوال کریں بچہ کے متعلق۔ اما کا اصل ان ما ہے) ان شرطیہ کو ما زائدہ میں ادغام کر دیا گیا ہے۔ ترین میں فعل کا ع اور ل کلمہ حذف کر دیا گیا ہے۔ اصل میں یہ اس طرح پر ہے۔ ترائیین ہمزہ ع کلمہ ہے اور یا مکسورہ ل کلمہ اور یاء ساکنہ ضمیر کی ی ہے۔ اب ع کلمہ یعنی ہمزہ کو حذف کر کے اس کی حرکت راء کو دی گئی ہے اور یا مکسورہ جو ل کلمہ تھا وہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہو گیا اور اس کا کسرہ یاء ساکنہ کو دے دیا گیا) کہ میں نے تو اللہ کے لئے روزہ کی نیت مان رکھی ہے (اس لئے نہ بچہ کے متعلق کچھ بول سکوں گی اور نہ کسی اور چیز کے بارے میں کیونکہ) میں تو کسی انسان سے بات ہی نہیں کروں گی۔ پھر وہ ان کو گود میں لئے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں (اس حال میں کہ انہوں نے بچہ کو دیکھا) لوگوں نے کہا کہ اے مریم! تو نے بڑے غضب کی حرکت کی (کہ بغیر باپ کے تم نے بچہ کو جنم دیا) اے ہارون کی بہن! (وہ تو ایک صالح اور نیک دل آدمی تھے اور خود تم عفت و پاکدامنی میں ان کے مشابہ تھیں) نہ تمہارے والد ہی بڑے آدمی تھے اور نہ تمہاری ماں ہی بدکار تھیں (یعنی نہ تمہارے والد زانی تھے اور نہ تمہاری ماں زانیہ تھی۔ پھر تو نے یہ کیا کیا؟ اور کس طرح تمہاری یہ بچہ پیدا ہو گیا) اس پر مریم علیہا السلام نے بچہ کی طرف اشارہ کیا (کہ تم لوگ اسی سے پوچھو) وہ لوگ بولے، بھلا ہم اس سے کیسے بات چیت کریں۔ جو ابھی گود میں بچہ ہی ہے۔ وہ بچہ (خود ہی) بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی (یعنی انجیل) اس نے مجھے نبی بنایا اور اسی نے مجھے بابرکت بنایا۔ میں جہاں کہیں بھی ہوں (یعنی مجھ کو لوگوں کے لئے مفید اور نفع بخش بنایا گیا ہے اور یہ گویا خبر دے رہے ہیں ان لوگوں کے بارے میں جو ان کی تقدیر میں لکھ دی گئی تھی) اور (اسی نے) مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ جب تک میں زندہ رہوں اور مجھ کو میری والدہ کا خدمت گزار بنایا (برا منصوب ہے۔ اس بناء پر کہ اس سے پہلے فعل جعلنی مقدر ہے) اور مجھے سرکش و بدبخت نہیں بنایا اور میرے اوپر سلام ہے (اللہ کی جانب سے) جس روز میں میں پیدا ہوا، جس روز میں مروں گا اور جس روز میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم۔ یہ ہے سچی بات (قول کو رفع اور نصب دونوں اعراب ہو سکتا ہے۔ اگر رفع پڑھیں گے تو اس وقت یہ مبتداء محذوف کی خبر ہوگی اور عبارت ہوگی۔ قول ابن مریم اور اگر نصب پڑھیں تو اس وقت مفعول ہوگا اور تقدیر عبارت اس طرح پر ہوگی۔ قلت قول الحق) جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں (یعنی ہمارے اس قول میں نصاریٰ شک کرتے ہیں اور وہ عیسیٰ ابن اللہ کہتے ہیں۔ جو بالکل جھوٹ ہے) اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ اولاد اختیار کرے۔ وہ بالکل پاک ہے۔ وہ تو جب کسی امر کا تہیہ کر لیتا ہے (یعنی جب وہ اس کا ارادہ کر لیتا ہے کہ فلاں کام ہونا چاہئے تو) بس اس کو صرف کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، سو وہ ہو جاتا ہے۔ (اسی قبیل سے عیسیٰ کی پیدائش بغیر باپ کے ہے۔ یکون کو رفع اور نصب دونوں ہیں۔ اگر رفع پڑھیں گے تو یکون سے پہلے ھو کو محذوف مانیں گے اور اگر نصب پڑھیں گے تو یکون سے پہلے ان کو مقدر ماننا پڑے گا) اور بے شک اللہ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے۔ سو اس کی عبادت کرو (ان کو کسرہ اور نصب دونوں

قرأت ہیں۔ اگر ان سے پہلے اذ کو مقدر مانیں گے تو نصب ہوگا۔ اور اگر ان سے پہلے قل مقدر مانیں تو کسرہ ہوگا) یہی سیدھا راستہ ہے (جو جنت کی طرف لے جاتا ہے) اس کے باوجود لوگوں نے اختلاف پیدا کرلیا (اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں اختلافات شروع کردیئے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں اور بعض اس کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ خدا کے ساتھ الوہیت میں شریک ہیں اور تیسرے گروہ کا کہنا یہ ہے کہ تین خداؤں میں سے ایک عیسیٰ بھی ہیں) سو کافروں کے حق میں ایک بڑی آفت (آنے والی ہے) بڑے دن کی آمد پر (یعنی قیامت کے دن اور لوگوں کو شدید ترین عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ جو عیسیٰ کی بندگی ورسالت کے منکر ہیں) یہ کیسے کچھ سننے والے اور دیکھنے والے ہوجائیں گے (اسمع و ابصر یہ دونوں تعجب کے صیغے ہیں۔ نفی کے معنی میں۔ گویا یہ لوگ نہ سن سکیں گے اور نہ دیکھ پائیں گے) جس روز ہمارے پاس آئیں گے (آخرت میں) لیکن آج تو (دنیا میں) یہ ظالم کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہیں۔ (ظالمون تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ ظلموا انفسھم یعنی انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا، دین کی باتوں کو نہ سن کر اور اندھے بن گئے تھے خدا تعالیٰ کی آیات کو دیکھنے سے۔ اے مخاطب! تمہیں تعجب ہورہا ہے۔ ان کے آخرت میں سننے اور دیکھنے پر۔ درآنحالیکہ دنیا میں اندھے اور بہرے بنے رہے) آپ ﷺ انہیں اس حسرت کے دن سے ڈرایئے (یعنی اے محمد ﷺ آپ ﷺ ان کفار مکہ کو قیامت کے دن کا خوف دلایئے۔ جس دن بدعمل حسرت کریں گے اپنے نیکی نہ کرنے پر دنیا میں) جبکہ اخیر فیصلہ کردیا جائے گا (ان لوگوں کے لئے عذاب کا) اور یہ لوگ بے پروائی میں پڑے ہیں (دنیا میں) اور ایمان نہیں لاتے۔ ہم ہی زمین کے اور اس پر رہنے والوں کے وارث رہ جائیں گے اور ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے (یہ اپنے آپ کو عقلمند وفرماں روا سمجھنے والے)۔

تحقیق وترکیب:............ اس سورۃ کا نام سورہ مریم اس وجہ سے رکھا گیا کہ اس میں مریم علیہا السلام کے قصہ کا تذکرہ آیا ہے اور دستور قرآنی یہی ہے کہ بعض اجزاء کے نام پر پوری سورت کا نام رکھ دیا جاتا ہے۔ **کھٰیٰعص** کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ یہ **کاف ھاد عالم صادق** کا مخفف ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ ک مخفف ہے **کریم** کا۔ ہ مخفف ہے **ھاد** کا اور ی مخفف ہے **حکیم** کا۔ ع مخفف ہے **علیم** کا اور ص مخفف ہے **صادق** کا۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

ذکر رحمۃ ربك. یہ خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے **ھذا ذکر رحمۃ ربك. ذکر** کی اضافت مفعول کی جانب ہے۔

زکریا. بدل واقع ہورہا ہے **عبد** سے۔ **عبدہ** اس کا مقبول بندہ۔ یہ اضافت، اضافت تشریفی ہے۔ جب بندہ کا اللہ کے ساتھ خاص تعلق دکھانا ہوتا ہے تو ایسے موقعہ پر قرآن عموماً **ذکر عبداللہ، عبدنا یا عبدہ** کرکے لاتا ہے۔ **اذ** کا تعلق **رحمۃ** سے ہے اور یہ ظرف زمان ہے۔ عبارت اس طرح ہے۔ **رحمۃ اللہ تعالیٰ ایاہ وقت ان ناداہ.**

اشتعل الرأس شیبا. شیباً سے منصوب ہے بربنائے تمیز جو درحقیقت فاعل تھا۔ اصل عبارت تھی۔ **انتشر الشیب فی شعرہ.**

موالی. مراد وہ رشتہ دار ہیں جو اولاد نہ ہونے کی وجہ سے وارث وجانشین ہوتے ہیں۔

شقیا کے معنی یہاں محروم وناکام کے ہیں۔ **یلونی**۔ جو مجھ سے نسب میں قریب ہو۔ یعنی چچا وغیرہ کی اولاد میں سے ہو۔

خفت یعنی **خفت علی الدین.** حضرت زکریا علیہ السلام کو یہ اندیشہ تھا کہ دین اپنی شکل وصورت سے نہ ہٹ جائے۔

من لدنك سے مراد یہ ہے کہ بلاواسطہ اسباب عادی محض اپنی قدرت سے عطاء کر۔

اسمہ یحییٰ۔ بعض نکتہ شناس مفسرین نے کہا ہے کہ یحییٰ حیات سے ماخوذ ہے۔ طویل مایوسی کے بعد حضرت زکریا علیہ السلام کے گھرانہ میں ان کی پیدائش خاندان کے حیات نو کے موجب تھی۔ اس لئے ان کا نام یحییٰ ہوا۔ حدیث میں ہے کہ اسم کا مسمیٰ پر اثر ہوتا ہے۔ یحییٰ کے معنی بہت زیادہ زندہ رہنے والے کے ہیں۔ لیکن حضرت یحییٰ علیہ السلام اوائل عمر میں ہی شہید کر دیئے گئے۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ اس اسم کا اثر اس طرح نمایاں ہوا کہ شہید ہو کر انہوں نے حیات جاودانی پائی۔ سمیا کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ کوئی ان کا ہمنام پیدا نہیں ہوا۔ لیکن لغت ہی سے اس کے معنی ہم صفت اور شبیہ کے بھی ثابت ہیں۔

عتیا. مفعول بہ ہے اور اصل عبارت ہے۔ بلغت من الکبر عتیا. یعنی بوڑھا پھوس۔

سویا کے معنی صحیح وسالم۔ رجل سوی۔ اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی خلقت میں ہر عیب ونقص سے پاک ہو۔ اس لفظ کے اضافہ سے قرآن کا مقصد تحریف شدہ انجیل کی اس غلط بیانی کا ازالہ کرنا ہے کہ نعوذ باللہ آپ بطور عتاب عارضی طور پر گونگے کر دیئے گئے تھے۔

حنانا وزکوٰۃ سے عملی واخلاقی کمالات مراد ہیں۔

من دونھم میں ہم جمع کی ضمیر ہے۔ مراد گھر والے ہیں۔ جن کا ذکر اھلھا میں ہے۔

روحنا. ویسے تو قرآن مجید تمام ملائکہ مقربین کو روح سے تعبیر کرتا ہے۔ لیکن روح حضرت جبرائیل علیہ السلام کا مشہور خطاب ہے، کیونکہ وہ وحی لاتے ہیں اور وحی قوموں کی حیات معنوی کا باعث ہے۔

فتمثل لھا ای بعد لبسھاثیابھا. یعنی حضرت جبرئیل علیہا السلام کے سامنے اس وقت آئے جب وہ پوشاک پہن چکی تھیں۔ لہذا یہ اشکال نہیں ہوگا کہ برہنگی کے عالم میں کیسے سامنے آگئے۔

لاھب کا مطلب یہ ہے کہ لاکون سببا فی ھبتہ بالنفخ فی الدرع یعنی جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا۔ تاکہ میں سبب بنوں دینے میں پھونک کے ذریعہ اور قرأت میں لیھب ہے۔ گویا تقدیر عبارت اس طرح پر ہوگی کہ لکی یھب اللہ لک.

قصیا کے معنی دور دراز۔ اسی سے اقصیٰ ہے۔ حضرت مریم علیہ السلام غایت حیا کی بناء پر ایک دور دراز مقام پر نکل گئیں۔

سریا. بہتی ہوئی نہر۔

فقولی کے تحت بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ یہ بات بھی اشارہ سے کہی ورنہ تو صوم سکوت سے تناقض لازم آئے گا۔ حالانکہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اطلاعی فقرہ کہ میں نے آج سکوت کا روزہ رکھا ہے کہہ کر چپ ہوگئی ہوں۔ اس صورت میں کوئی تناقض باقی نہیں رہے گا۔

فریا کے معنی گری پڑی چیز اسی سے افتراء ہے۔

اخت ھارون. جس طرح پر اخ کا مفہوم نہایت وسیع ہے۔ وطنی، دینی اور ہر طرح کے بھائی کو اخ کہہ سکتے ہیں اسی طرح پر یہ کوئی ضروری نہیں کہ اخت ھارون سے مراد نسبی بہن ہی ہو، کیونکہ ہارون کون تھے، اس کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ اغلب گمان یہی ہے کہ اس سے مراد وہی ہارون ہوں جو نبی گزرے ہیں اور اخت ھارون کہنے کا مطلب یہ ہو کہ اے خاتون جو تقویٰ و پرہیز گاری میں ہارون جیسی ہے یا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کوئی اور ہارون ہو جو مریمؑ کے ہمعصر ہوں اور جن کی نیکی کی لوگوں میں شہرت ہو اور اگر یہ صالح شخص حضرت مریمؑ کے بھائی ہی ہوں تو کوئی مستبعد نہیں۔ کیونکہ والدین کی اولاد کی کوئی تفصیل کہیں محفوظ نہیں ہے۔

بغیا. مفعول کے وزن پر یا فعیل کے وزن پر ہے جو معنی میں فاعل کے ہے۔

مبارکا کے معنی معلم خیر کے بھی کئے گئے ہیں۔

ذلک سے اشارہ اوپر کے قول "انی عبد اللّٰہ" کی طرف ہے۔

فیہ یمترون . خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ عبارت یوں ہے۔ **ھو ای عیسیٰ الذی فیہ یمترون**. قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہماری بیان کردہ تفصیل پر یقین لاؤ۔ یہ صحیح نہیں کہ وہ یوسف نجار کے بیٹے ہیں۔ جیسا کہ یہود کا خیال ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں۔

مشھد : شہادت یا شہود سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی حاضر ہونے کے ہیں۔ مراد ہے قیامت کا دن۔ جس میں تمام انسانوں کو خدا تعالیٰ کے یہاں حاضر ہو کر اپنے قول وفعل، عمل وکردار کا حساب دینا ہوگا۔ اسی دن کی حاضری اور حساب وکتاب سے ڈرایا گیا ہے۔

ربط :.......... سورۂ کہف کے خاتمہ پر خدا تعالیٰ کی بے پناہ قدرت کی نشانیوں کا انکار کرنے والوں کو عذاب جہنم کی اطلاع دی گئی تھی اور ان آیات الٰہی کے تسلیم کرنے والوں کو فردوس اعلیٰ کی بشارت سنائی گئی۔ ساتھ ہی پیغمبر اعظم ﷺ کی بشریت کا اعلان اور آپ کی زبان وحی ترجمان کا اعلان تھا۔ پھر متصلاً سورۂ مریم کا آغاز ہے۔ جس کا عمودی مضمون ومرکزی بیان ان آیات الٰہی کا تذکرہ ہی ہے۔ جس کا تذکرہ یہ ہے کہ پوچھنے والے اصحاب کہف کے واقعہ ہی کو سب سے زیادہ حیرت خیز وحیرت انگیز سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ یہ پوری کائنات سراپا حیرت اور تعجب انگیز واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ واقعات کا یہ تسلسل جو قدرت کی بے پناہ توانائیوں کا اعلان کرتی ہے یہ کیا کچھ کم حیرت انگیز واقع ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے یہاں عمر کے اس مرحلہ میں پیدائش اولاد ہو رہی ہے، جب ان حالات میں عام طور پر انسان توالد وتناسل کی صلاحیتیں کھو دیتا ہے۔

خود حضرت زکریا علیہ السلام کا اپنے متعلق یہ بیان کہ میری ہڈیوں میں گودا تک باقی نہیں رہا اور اپنی ضعیفہ بیوی کے متعلق یہ اعلان کہ وہ بانجھ ہوگئی۔ پھر انہیں کے یہاں سیدنا یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کیا کچھ کم تعجب انگیز واقعہ ہے؟ اصحاب کہف کی جان جابر و قاہر قوتوں سے بچائی گئی۔ کشتی کی حفاظت ایک جبر پسند بادشاہ سے کی گئی۔ مومن ماں باپ کا تحفظ ایک کفر پسند بچہ سے کیا گیا۔ یتیم بچوں کے سامان کی حفاظت دیوار کی مرمت سے کی گئی۔

حضرت زکریا علیہ السلام کو بھی اندیشہ ہے کہ ان کے ورثاء میں کوئی صحیح ایسا جانشین موجود ہو جو قوم کے سرمایہ ایمان کا تحفظ کر سکے۔ جیسا کہ ان کے ارشاد **انی خفت الموالی** الخ سے ظاہر ہے۔ پس حضرت زکریا علیہ السلام کا یہ اندیشہ حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسا اولوالعزم پیغمبر دے کر ختم کیا گیا۔ گویا کہ آیات الٰہی کا مسلسل بیان اور حفظ وتحفظ کی ایک لگی بندھی داستان ان ہر دو سورتوں کا خلاصہ وارتباط معنوی ہے۔ اوپر حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر ہوا تھا۔ جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ وہ اپنے بڑھاپے تک لاولد رہے اور ان کی بیوی عمر بھر بانجھ رہیں۔ ان موانع کے باوجود خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں بڑھاپے میں اولاد عطا فرمائی۔

اس کے بعد ہی متصلاً قصہ مریم علیہا السلام سنایا جا رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ لوگوں کو حضرت زکریا علیہ السلام کے یہاں اولاد ہونے پر ہی تعجب ہو رہا ہے۔ حالانکہ ہم اس سے بھی بڑھ کر حیرت انگیز چیز پیش کر سکتے ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے یہاں کم از کم ماں باپ تو موجود تھے۔ اگرچہ کچھ موانع پائے جاتے تھے۔ لیکن حضرت مریم علیہا السلام کے یہاں تو بغیر شوہر کے ہی ہم نے عیسیٰ علیہ السلام جیسا جلیل القدر پیغمبر عطا فرمایا۔ گویا وہاں ماں اور باپ دونوں تھے اور یہاں بغیر باپ کے صرف ماں سے ہی لڑکا پیدا ہو گیا، اس طرح پر ان دونوں قصوں میں یہ مناسبت پائی جاتی ہے۔

﴿تشریح﴾:...... **عجائبات وحیرت انگیز قدرتوں کی داستان**:.......... یہاں سے حضرت زکریا علیہ السلام پر جو خدا

تعالیٰ کی رحمتیں ہوئیں، اس کی تفصیل بیان کی جارہی ہے۔ سب سے پہلے زکریا علیہ السلام کی دعا کو نقل کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے اللہ! میرے قویٰ کمزور ہوگئے ہیں، میری ہڈیاں کھوکھلی ہوچکی ہیں۔ میرے سر کے بالوں کی سیاہی سفیدی سے بدل گئی ہے اور میں بڑھاپے کی آخری منزل پر پہنچ چکا ہوں۔ یعنی کہ اسباب ظاہری کے لحاظ سے اب اولاد کا ہونا بہت مستبعد ہے اور میرا اس کے لئے دعا کرنا بھی بظاہر بے محل ہے۔ دوسری طرف میری بیوی بھی بانجھ ہے۔ لیکن آپ کے دروازے سے میں کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹا ہوں۔ جب بھی آپ سے کچھ مانگا تو ضرور ملا۔ اب جب کہ میں عمر کے آخری حصہ کو پہنچ چکا ہوں۔ میرے کوئی اولاد نہیں ہے اور رشتہ داروں سے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ امت کو غلط راستہ پر نہ لگادیں۔ یہ ساری دعائیں چپکے چپکے ہورہی ہیں۔ اولاد کے لئے دعایوں بھی عام طور پر چپکے چپکے ہی کی جاتی ہے اور پھر یہاں تو غالباً دوسروں سے اخفاء بھی مقصود تھا۔ فقہاء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ دعا میں اخفاء بھی مقصود تھا۔ فقہاء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ دعا میں اخفاء کو افضلیت ہے۔

اس دعا سے یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ زکریا علیہ السلام کو خدانخواستہ اپنے مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ تھا اور اپنے مال کا وارث بنانے کے لئے اولاد کی تمنا کررہے تھے۔ انبیاء علیہم السلام سے یہ بعید ہے جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جماعت انبیاءؑ کا ورثہ تقسیم نہیں ہوتا ہے۔ جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں سب صدقہ ہوتا ہے۔ تو گویا زکریا علیہ السلام کا بیٹے کی دعا کرتے ہوئے یہ فرمانا کہ مجھے بیٹا دیجئے جو میرا وارث ہو اور آل یعقوب کا وارث ہو۔ اس سے مطلب وراثت نبوت ہے نہ کہ وراثت مالی نیز باپ کے مال کا وارث تو اولاد ہوتی ہی ہے۔ پھر حضرت زکریا علیہ السلام کا اپنی دعا میں یہ وجہ بیان کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کوئی خاص وراثت تھی اور وہ نبوت ہی کی وراثت ہوسکتی ہے۔ صحابہ، تابعین اور اکابر مفسرین سے ارث کی تفسیر علوم نبوت وشریعت ہی منقول ہے۔ **من لدنك** کی تصریح سے یہ مراد ہے کہ بلاواسطہ اسباب کے محض اپنی قدرت سے اولاد عطا کردیجئے۔ گویا کہ بغیر اسباب ظاہری کے جو نعمتیں ملتی ہیں، وہ خدا ہی کے پاس سے ہوتی ہیں۔

حضرت زکریاؑ کی دعا مقبول بارگاہ الٰہی ہوئی اور ارشاد ہوا کہ آپ بچہ کی خوشخبری سن لیں۔ جس کا نام یحییٰ ہے۔ جس کا ہم صفت اور ہمنام اس سے پہلے کوئی نہیں ہوا۔ حضرت زکریاؑ اپنی دعا کی مقبولیت اور اپنے یہاں لڑکا ہونے کی بشارت سن کر خوشی اور تعجب سے پوچھنے لگے کہ ظاہری اسباب تو بچہ کی پیدائش کے ہیں نہیں۔ پھر اب کیا صورت ہوگی؟ کیا میں جوان کیا جاؤں گا؟ یا میرا نکاح ثانی ہوگا۔ یا اس کے علاوہ کوئی اور صورت اختیار کی جائے گی؟ حضرت زکریاؑ کا یہ سوال اعتراضا نہیں تھا۔ بلکہ استفسار حال کے لئے تھا۔ جواب ملا کہ نہیں کوئی نئی بات نہیں ہوگی۔ بلکہ موجودہ حالات بدستور یہی ہونگے پھر بھی اولاد ہوگی۔ خود تم اپنی پیدائش پر غور کرو۔ تم معدوم محض تھے۔ پھر کس طرح تمہاری پیدائش ہوگئی۔ یہ سب تو محض ہماری قدرت کی کرشمہ سازی ہے۔ جس پر حضرت زکریا علیہ السلام مزید تشفی قلب کے لئے کسی غیبی اشارے کی دعا کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ باوجود صحت وتندرستی کے تم تین روز تک کسی سے بات کرنے پر قادر نہیں رہوگے۔ یہ علامت ہوگی اس بات کی کہ اب بچہ کی پیدائش کا وقت قریب آگیا ہے۔ گویا آپ کو نہ کوئی مرض ہوگا اور نہ یہ بندش زبان کوئی سزا ہوگی بلکہ محض آپ کی درخواست پر یہ علامت غیبی ہوگی۔

لفظ **سویا** کے اضافہ سے قرآن مجید کا مقصود مروجہ انجیل کی اس غلط بیانی کا ازالہ ہے کہ نعوذ باللہ بطور عتاب عارضی طور پر آپ کی زبان بند کردی گئی تھی۔

اور حضرت عباسؓ اس کی دوسری ترکیب نحوی بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ "سویا" کو بجائے ضمیر مخاطب سے متعلق کرنے کے ثلث لیال کی صفت قرار دی جائے۔ اس وقت سویا کے معنی ہوں گے لگاتار کے۔ یعنی تم لوگوں سے نہیں بول سکو گے۔ متواتر تین

راتیں۔ واقعہ اسی انداز میں پیش آیا اور جب قوم آپ کے پاس آئی تو آپ نے اشارہ سے ان کو عبادت کی طرف توجہ دلائی اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے لکھ کر انہیں سمجھایا۔

ایک نکتہ:......... چونکہ یحییٰ علیہ السلام کی قرآن نے تین صفتیں بیان کی ہیں۔ نیک اعمال آپ کی عمر کا خلاصہ تھا۔ آپ گناہوں اور خدا کی نافرمانیوں سے یکسو تھے اور پھر اپنے والدین کے فرمانبردار اور اطاعت گزار تھے۔ ان تینوں اوصاف کے بدلہ میں خدا تعالیٰ نے بھی تین حالتوں میں آپ کو امن وسلامتی عطا فرمائی۔ پیدائش کے دن، موت کے دن اور حشر کے دن۔ اور یہی تین جگہیں گھبراہٹ و اجنبیت کی ہوتی ہیں۔ ماں باپ کے پیٹ سے نکلتے ہی ایک نئی دنیا سے واسطہ پڑتا ہے اور موت کے بعد اس عالم سے واسطہ پڑتا ہے۔ جس سے دنیوی زندگی میں کبھی تعلق نہیں رہا اور اسی طرح حشر کے دن ایک نئے حالات کا سامنا ہوگا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے بھی ان تین جگہوں پر مامون ومحفوظ کر دیا۔

ایک دوشیزہ کی کہانی:......... حضرت مریم علیہا السلام عمران کی بیٹی تھیں جو حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل میں سے تھی۔ آپ کی پرورش آپ کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام نے کی۔ آپ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر گھر کے مشرقی جانب میں غسل کے ارادہ سے تشریف لے گئیں اور وہاں پردہ ڈال دیا تاکہ گھر والے انہیں نہ دیکھ سکیں۔ اس سلسلہ میں مختلف روایات ہیں لیکن محققین کی رائے میں یہی صحیح ہے کہ آپ ماہواری سے فراغت کے بعد غسل کے لئے تشریف لے گئی تھیں۔

غسل سے فارغ ہونے کے بعد وہیں جبرائیل علیہ السلام نمودار ہوئے۔ انہیں دیکھ کر حضرت مریم علیہا السلام نے گھبراہٹ میں کہا کہ اگر تم کو کچھ خوف خدا ہے تو میں تم کو اسی کا واسطہ دیتی ہوں کہ یہاں سے چلے جاؤ جیسا کہ ہر شریف عورت کسی اجنبی مرد کو اپنے خلوت میں آتے ہوئے دیکھ کر کہے گی۔ جبرئیل علیہ السلام نے ان کے خوف وہراس کو دیکھ کر صاف صاف کہہ دیا کہ مجھ سے ڈریئے نہیں۔ میں انسان نہیں بلکہ اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں اور آپ پر دم کرنے کو آیا ہوں تاکہ آپ کو استقرار حمل ہو جائے۔ جس پر مریم علیہا السلام نے حیرت واستعجاب کے ساتھ کہا کہ نہ میری شادی ہوئی ہے اور نہ ہی میں بدکار ہوں۔ پھر میرے لڑکا کس طرح پیدا ہوگا؟ فرشتہ نے جواب میں کہا کہ خدا تعالیٰ کے لئے یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے اور یہ ضروری نہیں کہ وہ کسی اسباب کے تحت ہی کام کرے۔ خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگوں کو اپنی قوت وقدرت کاملہ دکھا دیں کہ ہم تخلیق کائنات پر ہر طرح قادر ہیں۔ اسباب کے تحت اور بلا اسباب بھی۔ جب مریم علیہا السلام ارشاد خداوندی سن چکیں اور اس کے آگے گردن جھکا دی تو جبرئیل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک ماری۔ جس کے نتیجہ میں ان کو حمل ٹھہر گیا۔ اب تو وہ بہت گھبرائیں اور سوچنے لگیں کہ اب تو میں لوگوں کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہی۔ لاکھ اپنی برأت کروں لیکن اس انوکھی اور حیرت انگیز بات کو کون مان لے گا اور ہوا بھی یہی کہ جب ولادت کا وقت قریب آیا اور حمل کا لوگوں کو علم ہو گیا تو انہوں نے تہمت لگانا شروع کر دیئے۔ جس سے گھبرا کر حضرت مریم علیہا السلام ان لوگوں کو چھوڑ کر کسی دور دراز علاقہ میں چلی گئیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ استقرار کے بعد فوراً ولادت ہو گئی اور بعض آٹھ مہینے کے بعد ولادت کے قائل ہیں۔ لیکن محققین مفسرین کی رائے یہی ہے کہ حسب عادت نو مہینہ کے بعد آپ کی پیدائش ہوئی۔ لیکن اگر اسے مان بھی لیا جائے کہ استقرار حمل کے بعد فوراً ولادت ہو گئی تو اس پر کوئی تعجب بھی نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ آپ کی پیدائش کے تو سارے مرحلے ہی حیرت انگیز اور بلا اسباب کے ہیں۔ تو اگر اسے بھی خلاف عادت مان لیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ تو جب ان کو دردِزہ شروع ہوا تو وہ ایک کھجور کے درخت کے سہارے بیٹھ گئیں اور ولادت کے بعد وہ بہت گھبرائیں اور بے ساختہ غیرت

وبدنامی کے خوف سے ان کی زبان پر یہ کلمات آگئے کہ کاش میں اس حادثے سے پہلے ہی مر چکی ہوتی تا کہ میری یہ بدنامی کسی کو بھی یاد نہ رہ پاتی کہ فلاں عورت کے بغیر شوہر کے لڑکا پیدا ہوا۔ ان کی یہ گھبراہٹ دیکھ کر جبرئیل علیہ السلام نے تسلی دی کہ اپنی بدنامی یا اپنی بے سروسامانی سے گھبرایئے مت۔ خدا تعالیٰ نے اس کے انتظامات بہم پہنچا دیئے ہیں۔ کھانے کے لئے کھجور کا درخت ہے، اسے ہلایئے تو اس سے تروتازہ کھجوریں گریں گی۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کا کیا کہنا۔ کھانے کے لئے انتظام کیا تو ایسے پھل کا جو زچہ کے لئے بہترین غذا ہوسکتی تھی۔ خود اطباء اسے تسلیم کرتے ہیں کہ زچہ کے لئے کھجور بہت ہی عمدہ ہے اور پینے کے لئے نہر جاری کردی اور ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کردی کہ آنے جانے والے اگر بچہ کو حیرت واستعجاب سے دیکھ کر پوچھیں تو سوال وجواب میں نہ پڑ جانا بلکہ اشارہ سے یہ کہہ دینا کہ میں نے آج نہ بولنے کی نذر مان رکھی ہے۔ بہت سی پچھلی شریعتوں میں سکوت کا روزہ (چپ رہنے کا) ہوتا تھا لیکن شریعت اسلام میں صوم سکوت جائز نہیں۔ جب خود کسی شریف عورت کی عصمت پر انگلیاں اٹھائی جانے لگیں تو اپنی برأت وصفائی میں اس کے لئے تقریریں کرنا کتنا دشوار اور مشکل ہوگا۔ جس کا اندازہ ہر صاحب فہم کرسکتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کے معاملہ کی نزاکت کا لحاظ فرما کر کتنا اچھا نسخہ انہیں بتا دیا کہ تم سوال وجواب میں پڑنا ہی نہیں بلکہ جواب اپنے اس بچہ ہی سے دلوانا جسے ہم خلاف عادت تمہاری صفائی میں گویا کردیں گے۔ حضرت مریم علیہا السلام نے خدا کے اس حکم کو مان لیا اور اپنے بچہ کو گود میں لئے ہوئے لوگوں کے پاس آئیں۔ دیکھتے ہی ہر ایک انگشت بدنداں رہ گیا، اور ہر ایک نے یہی کہا کہ مریم تو نے بہت ہی برا کام کیا۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ تم پر والدین کی برائی کا اثر ہوا۔ کیونکہ تمہارے والدین تو بہت ہی نیک آدمی تھے۔ ایسے نیک اور شریف خاندان میں ہو کر تمہاری یہ حرکت کتنے شرم کی بات ہے۔ جس پر حضرت مریم علیہا السلام نے بجائے کوئی جواب دینے کے بچہ کی طرف اشارہ کیا کہ جو کچھ کہنا، سننا ہو اس بچہ سے کہو سنو؟ یہود اسے حضرت مریم علیہا السلام کی طرف سے طنز اور تمسخر سمجھ کر جھنجھلا کر بولے کہ تم کس طرح کی بات کرتی ہو۔ کیا تم ہمیں دیوانہ سمجھتی ہو؟ ہم اس بچہ سے کیا بات کریں جو کہ ابھی گود ہی میں ہے۔ اتنے میں عیسیٰ علیہ السلام یہود کی مخاطبت کا انتظار کئے بغیر خدا تعالیٰ کے حکم سے بول پڑے کہ میں تو خدا تعالیٰ کا بندہ ہوں اور اس نے مجھ کو ایک کتاب عنایت کی اور نبوت کے اعلیٰ مقام پر فائز کیا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ کتاب ونبوت اسی وقت آپ کو مل چکی تھی اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ چیزیں آپ کو ملنے والی تھیں۔ اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں تھی۔ اس وجہ سے آپ نے ماضی کا صیغہ استعمال کیا اور اس کے نظائر خود قرآن میں بہت ہیں اور فرمایا کہ میرے لئے عبادات اور احکام شریعت کی پیروی تاحیات فرض کردی گئی ہے اور اسی کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی گئی۔ اس موقعہ پر صرف والدہ کا تذکرہ خود اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی پیدائش والد کے توسط کے بغیر ہوئی تھی۔

عیسیٰ کی الوہیت کی تردید:......... اب اس کے بعد خدا تعالیٰ عیسائیوں اور یہودیوں کے عقیدوں کی تردید کررہے ہیں جو انہوں نے از خود طور پر گھڑ لئے۔ ارشاد ہے کہ نہ عیسیٰ خدا ہیں اور نہ خدا کے بیٹے بلکہ وہ تو عیسیٰ ابن مریم ہیں اور خدا کی طرف اولاد کی نسبت کرنا یہ تو کھلی ہوئی ضلالت وگمراہی ہے۔ خدا تعالیٰ تو ایسی قوت واقتدار کے مالک ہیں کہ جس چیز کے کرلینے کا تہیہ کرلیتے ہیں اسے صرف یہ کہتے ہیں کہ ہوجا، تو وہ چیز ظہور پذیر ہوجاتی ہے تو ایسے قوت واقتدار کے مالک کو اولاد کی کیا ضرورت پڑسکتی ہے۔

پھر ارشاد ہوا کہ ان عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلافات شروع کردیئے۔ سوان کے لئے قیامت کے دن بہت بڑی مصیبت پیش آنے والی ہے۔ الذین کفروا کا اطلاق ہر کافر گروہ کے لئے عام ہے۔ لیکن اس جگہ خاص اشارہ انہیں قوموں کی جانب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں گمراہی میں مبتلا ہیں۔ اس دنیاوی زندگی میں یہ اندھے اور بہرے ہورہے ہیں

اور کھلی ہوئی ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہیں۔ لیکن قیامت کے دن ان کی آنکھیں روشن اور کان خوب تیز ہو جائیں گے اور حقائق کا انکشاف بھی ہوگا۔

اس کے بعد ارشاد ہے کہ آپ انہیں حشر سے ڈرائیے، جبکہ آخری فیصلہ ہو جائے گا اور چونکہ یہ حقائق ایمانی سے لاپرواہی برت رہے ہیں اس پر بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ اس لئے ان کی یہ لاپرواہی غیر ارادی نہیں بلکہ اختیاری ہے۔ لہذا یہ اس میں معذور بھی نہیں سمجھے جائیں گے۔

وَاذْكُرْ لَهُمْ فِى الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اَىْ خَبَرَهُ **اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا** مُبَالِغًا فِى الصِّدْقِ **نَّبِيًّا﴿۴۱﴾** وَيُبْدَلُ مِنْ خَبَرِهٖ **اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ** اٰزَرَ **يٰۤاَبَتِ** التَّاءُ عِوَضٌ عَنْ يَاءِ الْاِضَافَةِ وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَهُمَا وَكَانَ يَعْبُدُ الْاَصْنَامَ **لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِىْ عَنْكَ** لَا يَكْفِيْكَ **شَيْئًا﴿۴۲﴾** مِنْ نَفْعٍ اَوْ ضَرٍّ **يٰۤاَبَتِ اِنِّىْ قَدْ جَآءَنِىْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِىْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا** طَرِيْقًا **سَوِيًّا﴿۴۳﴾** مُسْتَقِيْمًا **يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ** بِطَاعَتِكَ اِيَّاهُ فِىْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ **اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا﴿۴۴﴾** كَثِيْرَ الْعِصْيَانِ **يٰۤاَبَتِ اِنِّىْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ** اِنْ لَمْ تَتُبْ **فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا﴿۴۵﴾** نَاصِرًا وَقَرِيْنًا فِى النَّارِ **قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِىْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ** فَتَعِيْبُهَا **لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ** عَنِ التَّعَرُّضِ لَهَا **لَاَرْجُمَنَّكَ** بِالْحِجَارَةِ اَوْ بِالْكَلَامِ الْقَبِيْحِ فَاحْذَرْنِىْ **وَاهْجُرْنِىْ مَلِيًّا﴿۴۶﴾** دَهْرًا طَوِيْلًا **قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ** مِنِّىْ اَىْ لَا اُصِيْبُكَ بِمَكْرُوْهٍ **سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّىْ اِنَّهٗ كَانَ بِىْ حَفِيًّا﴿۴۷﴾** مِنْ حَفِىٍّ اَىْ بَارًّا فَيُجِيْبُ دُعَائِىْ وَقَدْ وَفٰى بِوَعْدِهٖ بِقَوْلِهِ الْمَذْكُوْرِ فِى الشُّعَرَاءِ وَاغْفِرْ لِاَبِىْ وَهٰذَا قَبْلَ اَنْ يَتَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ كَمَا ذُكِرَ فِىْ بَرَاءَةٍ **وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ** تَعْبُدُوْنَ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا** اَعْبُدُ **رَبِّىْ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّىْ** بِعِبَادَتِهٖ **شَقِيًّا﴿۴۸﴾** كَمَا شَقِيْتُمْ بِعِبَادَةِ الْاَصْنَامِ **فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** بِاَنْ ذَهَبَ اِلَى الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ **وَهَبْنَا لَهٗۤ** اِبْنَيْنِ يَاْنَسُ بِهِمَا **اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَكُلًّا** مِنْهُمَا **جَعَلْنَا نَبِيًّا﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ** الثَّلَاثَةَ **مِّنْ رَّحْمَتِنَا** الْمَالَ وَالْوَلَدَ **وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا﴿۵۰﴾** رَفِيْعًا وَهُوَ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ فِىْ جَمِيْعِ اَهْلِ الْاَدْيَانِ **وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ مُوْسٰۤى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا** بِكَسْرِ اللَّامِ وَفَتْحِهَا مَنْ اَخْلَصَ فِىْ عِبَادَتِهٖ وَاَخْلَصَهُ اللّٰهُ مِنَ الدَّنَسِ **وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا﴿۵۱﴾ وَنَادَيْنٰهُ** بِقَوْلِ يٰمُوْسٰى اِنِّىْۤ اَنَا اللّٰهُ **مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ** اِسْمُ جَبَلٍ **الْاَيْمَنِ** اَىِ الَّذِىْ يَلِىْ يَمِيْنَ مُوْسٰى حِيْنَ اَقْبَلَ مِنْ مَدْيَنَ **وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا﴿۵۲﴾** مُنَاجِيًا بِاَنْ اَسْمَعَهٗ تَعَالٰى كَلَامَهٗ **وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ** نِعْمَتِنَا **اَخَاهُ هٰرُوْنَ** بَدَلٌ اَوْ عَطْفُ بَيَانٍ **نَبِيًّا﴿۵۳﴾** حَالٌ

هِیَ الْمَقْصُوْدَ بِالْهِبَةِ اِجَابَةً لِسُوَالِهِ اَنْ يُّرْسِلَ اَخَاهُ مَعَهُ وَكَانَ اَسَنَّ مِنْهُ **وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ** لَمْ يَعِدْ شَيْئًا اِلَّا وَفٰى بِهٖ وَانْتَظَرَ مَنْ وَعَدَهٗ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اَوْحَوْلًا حَتّٰى رَجَعَ اِلَيْهِ فِی مَكَانِهٖ **وَكَانَ رَسُوْلًا** اِلٰى جُرْهَمَ **نَّبِيًّا﴿۵۴﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ** اَیْ قَوْمَهٗ **بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا﴿۵۵﴾** اَصْلُهٗ مَرْضُوْوٌ قُلِبَتِ الْوَاوَانِ يَائَيْنِ وَالضَّمَّةُ كَسْرَةً **وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ** هُوَ جَدُّ اَبِیْ نُوْحٍ **اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا﴿۵۶﴾ وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴿۵۷﴾** هُوَ حَیٌّ فِی السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ اَوِالسَّادِسَةِ اَوِالسَّابِعَةِ اَوْفِی الْجَنَّةِ اُدْخِلَهَا بَعْدَ اَنْ اُذِيْقَ الْمَوْتَ وَاُحْيِیَ وَلَمْ يُخْرَجْ مِنْهَا **اُولٰٓئِكَ** مُبْتَدَأٌ **الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ** صِفَةٌ لَهٗ **مِّنَ النَّبِيّٖنَ** بَيَانٌ لَهُمْ وَهُوَ فِی مَعْنَى الصِّفَةِ وَمَا بَعْدَهٗ اِلٰى جُمْلَةِ الشَّرْطِ صِفَةٌ لِلنَّبِيِّيْنَ فَقَوْلُهٗ **مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ** اَیْ اِدْرِيْسَ **وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ** فِی السَّفِيْنَةِ اَیْ اِبْرَاهِيْمَ ابْنَ ابْنِهٖ سَامٍ **وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ** اَیْ اِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ **اِسْرَآءِيْلَ** وَهُوَ يَعْقُوْبُ اَیْ مُوْسٰى وَهَارُوْنَ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى **وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا** اَیْ مِنْ جُمْلَتِهِمْ وَخَبَرُ اُولٰئِكَ **اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا﴿۵۸﴾** السجدة جَمْعُ سَاجِدٍ وَبَاكٍ اَیْ فَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ وَاَصْلُ بُكِیٍّ بُكُوْیٌ قُلِبَتِ الْوَاوُيَاءً وَالضَّمَّةُ كَسْرَةً **فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ** بِتَرْكِهَا كَالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى **وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ** مِنَ الْمَعَاصِیْ **فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾** هُوَ وَادٍ فِی جَهَنَّمَ اَیْ يَقَعُوْنَ فِيْهِ **اِلَّا** لٰكِنْ **مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ** يُنْقَصُوْنَ **شَيْئًا﴿۶۰﴾** مِنْ ثَوَابِهِمْ **جَنّٰتِ عَدْنِ** اِقَامَةٍ بَدَلٌ مِنَ الْجَنَّةِ **اِلَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ** حَالٌ اَیْ غَائِبِيْنَ عَنْهَا **اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ** اَیْ مَوْعُوْدُهٗ **مَاْتِيًّا﴿۶۱﴾** بِمَعْنٰى اٰتِيًا وَاَصْلُهٗ مَاْتُوْیٌ اَوْ مَوْعُوْدُهٗ هُنَا الْجَنَّةُ يَاْتِيْهِ اَهْلُهٗ **لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا** مِنَ الْكَلَامِ **اِلَّا** لٰكِنْ يَسْمَعُوْنَ **سَلٰمًا** مِنَ الْمَلٰئِكَةِ عَلَيْهِمْ اَوْ مِنْ بَعْضِهِمْ عَلٰى بَعْضٍ **وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا﴿۶۲﴾** اَیْ عَلٰى قَدْرِهِمَا فِی الدُّنْيَا وَلَيْسَ فِی الْجَنَّةِ نَهَارٌ وَلَا لَيْلٌ بَلْ ضَوْءٌ وَنُوْرٌ اَبَدًا **تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ** نُعْطِیْ وَنُنْزِلُ **مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا﴿۶۳﴾** بِطَاعَتِهٖ وَنَزَلَ لَمَّا تَاَخَّرَ الْوَحْیُ اَيَّامًا وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِجِبْرِيْلَ مَايَمْنَعُكَ اَنْ تَزُوْرَنَا اَكْثَرَ مِمَّا تَزُوْرُنَا **وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَابَيْنَ اَيْدِيْنَا** اَیْ اَمَامَنَا مِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ **وَمَا خَلْفَنَا** مِنْ اُمُوْرِ الدُّنْيَا **وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ** اَیْ مَا يَكُوْنُ مِنْ هٰذَا الْوَقْتِ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اَیْ لَهٗ عِلْمُ ذٰلِكَ جَمِيْعُهٗ **وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴿۶۴﴾** بِمَعْنٰى نَاسِيًا اَیْ تَارِكًا لَكَ بِتَاْخِيْرِ الْوَحْیِ عَنْكَ هُوَ **رَبُّ** مَالِكُ **السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ**

وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ اَیْ اِصْبِرْ عَلَیْهَا **هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا﴿۶۵﴾** اَیْ مُسَمًّی بِذٰلِكَ لَا **وَیَقُوْلُ الْاِنْسَانُ** الْمُنْكِرُ لِلْبَعْثِ اُبَیُّ بْنُ خَلْفٍ اَوِ الْوَلِیْدُ بْنُ الْمُغِیْرَةِ النَّازِلُ فِیْهِ الْاٰیَةُ **ءَ اِذَا** بِتَحْقِیْقِ الْهَمْزَةِ الثَّانِیَةِ وَتَسْهِیْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَیْنَهُمَا بِوَجْهَیْهَا وَبَیْنَ الْاُخْرٰی **مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَیًّا﴿۶۶﴾** مِنَ الْقَبْرِ كَمَا یَقُوْلُ مُحَمَّدٌ فَالْاِسْتِفْهَامُ بِمَعْنَی النَّفْیِ اَیْ لَا اُحْیٰی بَعْدَ الْمَوْتِ وَمَا زَائِدَةٌ لِلتَّاكِیْدِ وَكَذَا اللَّامُ وَرُدَّ عَلَیْهِ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰی **اَوَلَا یَذْكُرُ الْاِنْسَانُ** اَصْلُهٗ یَتَذَكَّرُ اُبْدِلَتِ التَّاءُ ذَالًا وَاُدْغِمَتْ فِی الذَّالِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِتَرْكِهَا وَسُكُوْنِ الذَّالِ وَضَمِّ الْكَافِ **اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَكُ شَیْئًا﴿۶۷﴾** فَیَسْتَدِلُّ بِالْاِبْتِدَاءِ عَلَی الْاِعَادَةِ **فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ** اَیِ الْمُنْكِرِیْنَ لِلْبَعْثِ **وَالشَّیٰطِیْنَ** اَیْ نَجْمَعُ كُلًّا مِّنْهُمْ وَشَیْطَانَهٗ فِیْ سِلْسِلَةٍ **ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ** مِنْ خَارِجِهَا **جِثِیًّا﴿۶۸﴾** عَلَی الرُّكَبِ جَمْعُ جَاثٍ وَاَصْلُهٗ جُثُوْوٌ اَوْ جُثُوْیٌ مِنْ جَثٰی یَجْثُوْا وَیَجْثِیْ لُغَتَانِ **ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِیْعَةٍ** فِرْقَةٍ مِنْهُمْ **اَیُّهُمْ اَشَدُّ عَلَی الرَّحْمٰنِ عِتِیًّا﴿۶۹﴾** جُرْاَةً **ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِیْنَ هُمْ اَوْلٰی بِهَا** اَحَقُّ بِجَهَنَّمَ الْاَشَدُّ وَغَیْرُهٗ مِنْهُمْ **صِلِیًّا﴿۷۰﴾** دُخُوْلًا وَاِحْتِرَاقًا فَنَبْدَءُ بِهِمْ وَاَصْلُهٗ صُلُوْیٌ مِنْ صَلّٰی بِكَسْرِ اللَّامِ وَفَتْحِهَا **وَاِنْ** اَیْ مَا **مِّنْكُمْ** اَحَدٌ **اِلَّا وَارِدُهَا** اَیْ دَاخِلُ جَهَنَّمَ **كَانَ عَلٰی رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِیًّا﴿۷۱﴾** حَتَمَهٗ وَقَضٰی بِهٖ لَا یَتْرُكُهٗ **ثُمَّ نُنَجِّی** مُشَدَّدًا وَمُخَفَّفًا **الَّذِیْنَ اتَّقَوْا** الشِّرْكَ وَالْكُفْرَ مِنْهَا **وَّنَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ** بِالشِّرْكِ وَالْكُفْرِ **فِیْهَا جِثِیًّا﴿۷۲﴾** عَلَی الرُّكَبِ **وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ** اَیِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْكٰفِرِیْنَ **اٰیٰتُنَا** مِنَ الْقُرْاٰنِ **بَیِّنٰتٍ** وَاضِحَاتٍ حَالٌ **قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ** نَحْنُ اَوْ اَنْتُمْ **خَیْرٌ مَّقَامًا** مَنْزِلًا وَمَسْكَنًا بِالْفَتْحِ مِنْ قَامَ وَبِالضَّمِّ مِنْ اَقَامَ **وَّاَحْسَنُ نَدِیًّا﴿۷۳﴾** بِمَعْنَی النَّادِیْ وَهُوَ مُجْتَمَعُ الْقَوْمِ یَتَحَدَّثُوْنَ فِیْهِ یَعْنُوْنَ نَحْنُ فَنَكُوْنُ خَیْرًا مِنْكُمْ قَالَ تَعَالٰی **وَكَمْ** اَیْ كَثِیْرًا **اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ** اَیْ اُمَّةٍ مِنَ الْاُمَمِ الْمَاضِیَةِ **هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا** مَالًا وَمَتَاعًا **وَّرِئْیًا﴿۷۴﴾** مَنْظَرًا مِنَ الرُّؤْیَةِ فَلَمَّا اَهْلَكْنَا هُمْ لِكُفْرِهِمْ نُهْلِكُ هٰؤُلَاءِ **قُلْ مَنْ كَانَ فِی الضَّلٰلَةِ** شَرْطٌ جَوَابُهٗ **فَلْیَمْدُدْ** بِمَعْنَی الْخَبَرِ اَیْ یَمُدُّ **لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا** فِی الدُّنْیَا یَسْتَدْرِجُهٗ **حَتّٰۤی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ** كَالْقَتْلِ وَالْاَسْرِ **وَاِمَّا السَّاعَةَ** الْمُشْتَمِلَةَ عَلٰی جَهَنَّمَ فَیَدْخُلُوْنَهَا **فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا﴿۷۵﴾** اَعْوَانًا اَهُمْ اَمِ الْمُؤْمِنُوْنَ وَجُنْدُهُمُ الشَّیَاطِیْنُ وَجُنْدُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْهِمُ الْمَلَائِكَةُ **وَیَزِیْدُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اهْتَدَوْا** بِالْاِیْمَانِ **هُدًی** بِمَا یُنْزِلُ عَلَیْهِمْ مِنَ الْاٰیَاتِ **وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ** هِیَ الطَّاعَاتُ تَبْقٰی لِصَاحِبِهَا **خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ مَّرَدًّا﴿۷۶﴾** اَیْ

مَا يَرِدُ اِلَيْهِ وَيَرْجِعُ بِخِلَافِ اَعْمَالِ الْكُفَّارِ وَالْخَيْرِيَّةُ هُنَا فِي مُقَابِلَةِ قَوْلِهِمْ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَقَامًا **اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا** الْعَاصَ ابْنَ وَائِلٍ **وَقَالَ** لِخَبَّابِ ابْنِ الْاَرَتِّ الْقَائِلِ لَهُ تُبْعَثُ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْمَطَالِبُ لَهُ بِمَالٍ **لَاُوْتَيَنَّ** عَلٰى تَقْدِيْرِ الْبَعْثِ **مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۷۷﴾** فَاَقْضِيْكَ قَالَ تَعَالٰى **اَطَّلَعَ الْغَيْبَ** اَيْ اَعْلَمَهُ وَاَنْ يُؤْتٰى مَا قَالَهُ وَاسْتَغْنٰى بِهَمْزَةِ الْاِسْتِفْهَامِ عَنْ هَمْزَةِ الْوَصْلِ فَحُذِفَتْ **اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾** بِاَنْ يُؤْتٰى مَا قَالَهُ **كَلَّا** اَيْ لَا يُؤْتٰى ذٰلِكَ **سَنَكْتُبُ** نَاْمُرُ بِكَتْبِ **مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾** نَزِيْدُهُ بِذٰلِكَ عَذَابًا فَوْقَ عَذَابِ كُفْرِهِ **وَّنَرِثُهُ مَا يَقُوْلُ** مِنَ الْمَالِ وَالْوَلَدِ **وَيَاْتِيْنَا** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **فَرْدًا ﴿۸۰﴾** لَا مَالَ لَهُ وَلَا وَلَدَ **وَاتَّخَذُوْا** اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** الْاَوْثَانَ **اٰلِهَةً** يَعْبُدُوْنَهُمْ **لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾** شُفَعَاءَ عِنْدَ اللّٰهِ بِاَنْ لَّا يُعَذَّبُوْا **كَلَّا** اَيْ لَا مَانِعَ مِنْ عَذَابِهِمْ **سَيَكْفُرُوْنَ** اَيِ الْاٰلِهَةُ **بِعِبَادَتِهِمْ** اَيْ يَنْفُوْنَهَا كَمَا فِي اٰيَةٍ اُخْرٰى مَا كَانُوْا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ **وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿۸۲﴾** اَعْوَانًا وَاَعْدَاءً **اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ** سَلَّطْنَاهُمْ **عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ** تُهَيِّجُهُمْ اِلَى الْمَعَاصِيْ **اَزًّا ﴿۸۳﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ** بِطَلَبِ الْعَذَابِ **اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ** الْاَيَّامَ وَاللَّيَالِيَ اَوِ الْاَنْفَاسَ **عَدًّا ﴿۸۴﴾** اِلٰى وَقْتِ عَذَابِهِمْ اُذْكُرْ **يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ** بِاِيْمَانِهِمْ **اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾** جَمْعُ وَافِدٍ بِمَعْنٰى رَاكِبٍ **وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ** بِكُفْرِهِمْ **اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾** جَمْعُ وَارِدٍ بِمَعْنٰى مَاشٍ عَطْشَان **لَا يَمْلِكُوْنَ** اَيِ النَّاسُ **الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾** اَيْ شَهَادَةَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ **وَقَالُوا** اَيِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى وَمَنْ زَعَمَ اَنَّ الْمَلَائِكَةَ بَنَاتُ اللّٰهِ **اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾** قَالَ تَعَالٰى **لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ﴿۸۹﴾** اَيْ مُنْكَرًا عَظِيْمًا **تَكَادُ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ** بِالنُّوْنِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالتَّاءِ وَتَشْدِيْدِ الطَّاءِ بِالْاِنْشِقَاقِ **مِنْهُ** مِنْ عِظَمِ هٰذَا الْقَوْلِ **وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾** اَيْ تَنْطَبِقُ عَلَيْهِمْ مِنْ اَجْلِ **اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾** قَالَ تَعَالٰى **وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾** اَيْ مَا يَلِيْقُ بِهِ ذٰلِكَ **اِنْ** اَيْ مَا **كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾** ذَلِيْلًا خَاضِعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْهُمْ عُزَيْرٌ وَعِيْسٰى **لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾** فَلَا يَخْفٰى عَلَيْهِ مَبْلَغُ جَمِيْعِهِمْ وَلَا وَاحِدٌ مِنْهُمْ **وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾** بِلَا مَالٍ وَلَا نَصِيْرٍ لَا يَمْنَعُهُ **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾** فِيْمَا بَيْنَهُمْ يَتَوَادُّوْنَ وَيَتَحَابُّوْنَ وَيُحِبُّهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى **فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ** اَيِ الْقُرْاٰنَ **بِلِسَانِكَ** الْعَرَبِيِّ **لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ** الْجَنَّةَ بِالْاِيْمَانِ **وَتُنْذِرَ** تُخَوِّفَ **بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾** جَمْعُ اَلَدَّ اَيْ ذُو

جَدَلٍ بِالْبَاطِلِ وَهُمْ كُفَّارُ مَكَّةَ وَكَمْ اَیْ كَثِیْرًا اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ اَیْ اُمَّةٍ مِنَ الْاُمَمِ الْمَاضِیَةِ بِتَكْذِیْبِهِمُ الرُّسُلَ هَلْ تُحِسُّ تَجِدُ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾ صَوْتًا خَفِیًّا لَا فَكَمَا اَهْلَكْنَا اُولٰئِكَ نُهْلِكُ هٰؤُلَاءِ

ترجمہ: .... اور آپ اس کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیجئے (یعنی اس کتاب میں موجود ابراہیم علیہ السلام کا قصہ لوگوں کے سامنے بیان کیجئے) جو بڑی راستی والے نبی تھے (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب انہوں نے اپنے باپ (آزر) سے کہا تھا (جو بت پرست تھا) کہ اے میرے باپ! آپ نے کیوں ایسی چیز کی پرستش کرتے ہیں جو نہ کچھ دیکھے نہ سنے اور نہ آپ کے کچھ کام آسکے (نفع ونقصان میں۔یا ابتی میں ت، ی اضافی کے بدلہ میں ہے۔ کیونکہ ی اور ت ایک جگہ جمع نہیں ہوتے۔اس لئے یاابتی کہنا صحیح نہیں ہے۔اس وجہ سے یائے اضافی کی جگہ ت لے آئے اور یاابت ہوگیا) اے میرے باپ! میرے پاس ایسا علم پہنچا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا۔سو آپ میری پیروی کیجئے۔ میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔اے میرے باپ! آپ شیطان کی پرستش نہ کیجئے (یعنی آپ شیطان کے بہکانے سے بت پرستی نہ کیجئے) بے شک شیطان خدا کی نافرمانی کرنے والا ہے (اور بہت گناہ کرنے والا ہے) اے میرے باپ! میں اندیشہ کرتا ہوں کہ آپ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے عذاب آپڑے (اگر آپ نے توبہ نہ کی) پھر آپ شیطان کے ساتھی ہوجاؤ گے (اور شیطان کے ساتھ تم بھی آگ میں جلائے جاؤ گے) آزر نے کہا۔تو کیا تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو۔اے ابراہیم (اس لئے تم اس کی عیب جوئی کرتے ہو) اور اگر تم باز نہ آئے (چھیڑ چھاڑ کرنے سے) تو میں تمہیں سنگسار کرڈالوں گا۔ (پتھر مار مار کر ہلاک کرڈالوں گا، یا ڈانٹ ڈپٹ کا معاملہ رکھوں گا) اور مجھے تو ایک مدت کے لئے چھوڑ ہی دو۔ابراہیم بولے۔آپ میرا سلام لیں (یعنی اب میں آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا) اب میں آپ کے لئے اپنے پروردگار سے مغفرت کی درخواست کروں گا۔ بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے (اور وہ میرے اوپر لطف وکرم کرنے والا ہے۔لہٰذا وہ میری دعا کو قبول کرے گا۔ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اس وعدہ کو پورا کیا۔جیسا کہ سورۂ شعراء میں ان کی دعا منقول ہے کہ اے اللہ! میرے باپ کی مغفرت فرما۔

اب یہ اعتراض کہ ابراہیم علیہ السلام نے کفار کے لئے دعائے مغفرت کیسے کی۔جبکہ اس کی ممانعت آئی ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی یہ دعا یہ جاننے سے قبل تھی کہ ان کے لئے دعائے مغفرت نہیں کرنی چاہئے۔جب ابراہیم علیہ السلام کو اس ممانعت کا علم ہوگیا تو آپ نے اس سے برأت ظاہر فرمائی) اور میں کنارہ کشی اختیار کرتا ہوں تم سے اور ان سے جنہیں تم خدا کے سوا پکارتے ہو (اور جس کی تم عبادت کرتے ہو) اور میں تو اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا اور مجھے امید ہے کہ اپنے پروردگار کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔(یعنی میں اپنے پروردگار کی عبادت کر کے محروم نہیں رہوں گا جیسا کہ آپ لوگ بت پرستی کر کے محروم رہے) پھر جب وہ کنارہ کش ہوگئے۔ان لوگوں سے اور ان سے بھی جن کی وہ لوگ خدا کے علاوہ عبادت کرتے تھے (اس طرح پر کہ وہ اپنے شہر سے روانہ ہوگئے۔سرزمین مقدس کی طرف) تو ہم نے انہیں اسحٰق اور یعقوب عطا فرمایا اور ہم نے (ان دونوں میں سے) ہر ایک کو نبی بنایا اور ہم نے ان سب کو اپنی رحمت عطا کی (اور ان تینوں کو مال وَدولت اور اولاد عطا کی) اور ہم نے ان کا نام نیک اور بلند کیا (اور تمام قوموں میں ان کی تعریف کی جاتی تھی) اور آپ اس کتاب میں موسیٰ کا بھی ذکر کیجئے۔بلاشبہ وہ اللہ کے خاص کئے ہوئے (بندے) تھے۔(مخلصاً کے ل میں زبر اور زیر دونوں قرأت ہے۔جس کے معنی ہیں وہ شخص جس نے اخلاص کے ساتھ خدا تعالیٰ کی عبادت کی۔جس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نے اسے قربت عطا فرمائی ہو) اور وہ رسول اور نبی بھی تھے اور ہم نے انہیں آواز دی (یاموسیٰ انی انا اللہ کہہ کر) طور (پہاڑ) کی داہنی

جانب سے (یعنی اس جانب سے جو موسیٰ علیہ السلام کے داہنی جانب پڑتی تھی جب وہ مدین سے آرہے تھے) اور ہم نے ان کو راز کی باتیں کرنے کے لئے مقرب بنایا (اور اپنا کلام سنانے کے لئے) اور ہم نے ان کو اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر عطا کیا (یعنی ہم نے موسیٰ کی دعا کو قبول کرتے ہوئے جو انہوں نے اپنے بھائی کی رفاقت کی کی تھی، ہارون علیہ السلام کو بھی نبی بنا کر ان کی تقویت کے لئے ان کے ساتھ کر دیا جو موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں بڑے تھے۔ ھارون بدل ہے یا عطف بیان ہے۔

اور آپ اس کتاب میں اسمٰعیل علیہ السلام کا بھی ذکر کیجئے۔ بے شک وہ وعدہ کے سچے تھے (اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انہوں نے کوئی وعدہ کیا ہو اور اسے پورا نہ کیا ہو۔ چاہے اس وعدہ کے پورا کرنے میں انہیں کتنی ہی مشقت کیوں نہ اٹھانی پڑے) اور وہ رسول تھے (قبیلہ جرہم کے) اور نبی بھی تھے اور وہ حکم کرتے تھے اپنے متعلقین کو (یعنی اپنی قوم کو) نماز اور زکوٰۃ کا اور وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے (مرضیا کی اصل مرضوو تھا۔ واؤ کو یائے مشدد سے بدل دیا گیا اور ض کے پیش کو زیر دے دیا گیا)

اور آپ اس کتاب میں ادریس علیہ السلام کا بھی ذکر کیجئے (جو نوح علیہ السلام کے جدِ امجد تھے) بے شک وہ بڑی راستی والے نبی تھے اور ہم نے انہیں بلند مرتبہ تک پہنچایا (اور وہ زندہ ہیں۔ چوتھے، چھٹے یا ساتویں آسمان پر یا جنت میں۔ وہ اس طرح کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو پھر انہیں زندہ کر کے جنت میں داخل کر دیا گیا۔ جس سے وہ کبھی نہیں نکالے جائیں گے) یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان پر انعام فرمایا منجملہ دیگر انبیاء کے (اولئك مبتداء موصوف اور الذین انعم الله علیهم اس کی صفت ہے النبیین بیان ہے الذین کا۔ لیکن معنی میں صفت کے ہے۔ گویا النبیین میں موصوف صفت اور النبیین کے بعد اذا تتلی تک سب صفت ہے نبیین کی) جو آدم (ادریس علیہ السلام) کی نسل سے تھے اور ان کی نسل سے تھے جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا۔ (ممن حملنا مع نوح سے ابراہیم علیہ السلام مراد ہیں۔ کیونکہ وہ سام کی نسل سے ہیں۔ جو کہ نوح کے ساتھ کشتی میں سوار تھے) اور بعض ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے (یعنی ان کی اولاد اسمٰعیل، اسحٰق اور یعقوب علیہ السلام کی نسل سے تھی) اور یعقوب علیہ السلام کی نسل سے (ذریت یعقوب سے مراد موسیٰ، ہارون، زکریا، یحیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام ہیں) اور یہ سب ان میں سے تھے جن کو ہم نے ہدایت دی تھی اور ہم نے ان کو مقبول بنایا (هدینا و اجتبینا خبر ہے اولئک کی) اور جب ان کے سامنے خدائے رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو گر پڑتے تھے سجدہ میں روتے ہوئے (زمین پر سجدا و بکیا جمع ہے ساجد و باک کی یعنی سجدہ کرنے والے اور رونے والے) پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کر دیا (یہود ونصاریٰ کی طرح نمازوں کو چھوڑ دیا) اور خواہشات کی پیروی کی (گناہوں میں) سو وہ عنقریب خرابی سے دوچار ہوں گے (اور جہنم میں ڈالے جائیں گے) البتہ جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک کام کرنے لگا، سو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جائے گا (یعنی ان کا ثواب کچھ بھی کم نہیں کیا جائے گا) وہ (جنت) ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں (عدن بدل ہے جنت سے) جن کا خدائے رحمٰن نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ فرمایا ہے۔ بے شک ان کا وعدہ پورا ہو کر رہنے والا ہے۔ اس جنت میں وہ فضول بات نہ سنیں گے۔ ہاں البتہ سلام (کی آوازیں جو فرشتے ان پر بھیجیں گے یا آپس میں ایک دوسرے کو بھیجیں گے) اور ان کو کھانا صبح وشام ملا کرے گا (اگرچہ جنت میں دن اور رات نہیں ہوا کریں گے۔ یہاں صبح وشام کے کھانے سے مراد عیش وعشرت کی زندگی ہے) یہ جنت ایسی ہے کہ ہم اپنے بندوں میں سے اس کا وارث ان لوگوں کو بنا دیں گے جو (اللہ سے) ڈرنے والا ہو (اور اس کی عبادت کرنے والا ہوگا)۔

اور ہم (یعنی فرشتہ) نازل نہیں ہوتے۔ بجز آپ کے پروردگار کے حکم کے اسی کے (ملک) ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے (یعنی آخرت) اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے (یعنی دنیا) اور جو کچھ اس کے درمیان ہی (یعنی اس وقت سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے ان سب کا

علم خدا تعالیٰ کو ہے) اور آپ کا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے (نسیا بمعنی ناسیا کے ہے۔ یعنی تاخیر وحی سے یہ نہ سمجھیں کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو بھلا دیا ہے) وہ پروردگار آسمانوں اور زمین کا ہے اور ان سب کا جو ان دونوں کے درمیان ہے۔ سو اسی کی عبادت کیا کرو اور اس کی عبادت پر قائم رہو۔ بھلا تو کسی کو اس کا ہم صفت جانتا ہے۔ اور انسان کہتا ہے (یعنی منکرین حشر ونشر مثلاً: ابی بن خلف یا ولید ابن المغیرہ وغیرہ) کہ کیا جب میں مر جاؤں گا تو پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا (ء اذا کے دوسرے ہمزہ کو حذف بھی کر دیتے ہیں تو منکرین حشر نشر کہتے تھے کہ کیا ہم پھر قبر سے نکالے جائیں گے؟ یہ استفہام انکاری ہے گویا ایسا نہیں ہوسکتا۔
ما زائدہ تاکید کے لئے ہے۔ اسی طرح پر لسوف میں ل بھی تاکید کے لئے تو منکرین کے اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے ارشاد ہو رہا ہے کہ کیا انسان کو یہ یاد نہیں کہ ہم ہی اس کو اس سے پہلے قبل پیدا کر چکے ہیں۔ درآنحالیکہ وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ (اس آیت میں ابتداء تخلیق سے حشر ونشر پر دلیل پیش کی گئی ہے)۔
او لا یذکر میں یذکر کی اصل یتذکر تھا۔ ت کو ذ سے بدل کر دوسرے ذ میں ادغام کر دیا اور ایک قرأت میں ت کو حذف کر کے ذ کو ساکن اور ک کو پیش بھی پڑھتے ہیں تو قسم ہے آپ کے پروردگار کی۔ ہم ان کو (بھی) جمع کریں گے (یعنی منکرین حشر ونشر کو) اور شیاطین کو (بھی) پھر ان سب کو دوزخ کے گرد لا کر حاضر کریں گے (اس حالت میں کہ) گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔ (جثیا جمع ہے جاث کی۔ اس کی اصل جثوو ہے۔ جثی یجثو سے یا جثوی ہے جثی یجثی سے۔ اس میں یہ دونوں لغت ہیں) پھر ہم ہر گروہ میں سے ان کو جدا کر لیں گے جو خدائے رحمٰن کی سرکشی میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ پھر ہم ایسے لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو اس میں جانے کے زیادہ مستحق ہیں (اپنے تشدد کی وجہ سے۔ صلیا کی اصل صلوی تھا۔ صلی یصلی سے صلی کی ل کو فتحہ اور کسرہ دونوں قرأت ہے) اور تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کا گزر اس (جہنم) پر سے نہ ہو۔ یہ آپ کے پروردگار پر لازم ہے جو ہو کر رہے گا (اور اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس کے خلاف ہرگز نہیں ہوسکتا ہے) پھر انہیں ہم نجات دے دیں گے جو (اللہ سے) ڈرتے تھے (اور خدا کے ساتھ شرک وکفر کا معاملہ نہیں کرتے تھے۔ ننجی میں ج کو تشدید اور بغیر تشدید دونوں قرأت ہے) اور ظالموں کو اس میں پڑا رہنے دیں گے۔ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے (یعنی ان لوگوں کو جو شرک وکفر کیا کرتے تھے) اور جب انہیں ہماری کھلی ہوئی نشانیاں سنائی جاتی ہیں (یعنی مومنین اور کافرین کو) تو جو لوگ کافر ہیں وہ ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ دونوں فریقوں میں سے مکان کس کا بہتر ہے (یعنی رہنے سہنے کے اعتبار سے مکان کس کا بہتر ہے۔ ہمارا یا تمہارا۔ مقاما کے میم کو فتحہ اور ضمہ دونوں قرأت ہے۔ اگر فتحہ ہوگا تو قام سے ہوگا اور اگر ضمہ ہو تو اقام سے) اور مجلس کس کی بہتر ہے (ندیا معنی میں نادی کے ہے۔ یعنی ہماری جو محفلیں جمتی ہیں اس میں ہماری محفل تم سے زیادہ شان وشوکت والی ہوتی ہے۔ اس لئے ہم تم سے بہتر ہوئے۔ اسی کے جواب میں خدا تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں) حالانکہ ہم ان سے قبل کتنے ہی گروہ ہلاک کر چکے ہیں۔ جو ان سے زیادہ مال ودولت والے تھے۔ اور ان سے کہیں زیادہ شان وشوکت والے تھے۔ لہٰذا ہم ان کافرین کو تباہ وبرباد کر کے چھوڑیں گے۔
آپ کہہ دیجئے کہ جو لوگ گمراہی میں پڑے ہیں (یہ شرط ہے اور اب اس کا جواب شروع ہو رہا ہے) خدائے رحمٰن انہیں خوب ڈھیل دیتا جاتا ہے (یعنی دنیا میں اسے ڈھیل ملی ہوئی ہے۔ کوئی گرفت نہیں کی جارہی ہے فلیمدد معنی میں یمد کے ہے) یہاں تک کہ جس چیز کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ جب وہ اس کو دیکھ لیں گے۔ خواہ وہ عذاب ہو (یعنی دنیا میں بصورت قتل یا قید) خواہ قیامت ہو (اور عالم آخرت میں جہنم میں ڈالے جائیں گے) سو (اس وقت) اس کو معلوم ہو جائے گا کہ برا مکان کس کا ہے اور حمایتی کمزور کس کے ہیں (یعنی اس وقت انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس کا مکان برا تھا یا مومنین کا اور یہ کہ ان کے حمایتی جو شیطان ہیں وہ کمزور واقع ہوئے یا مومنین کے

حمایتی جو فرشتے ہیں وہ کمزور تھے) اور اللہ تعالیٰ ہدایت والوں کی ہدایت بڑھاتا ہے (آیات ونشانیاں دکھا کر ان کے ایمان کو قوی کرتا ہے) اور جو نیک کام باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے پروردگار کے نزدیک ثواب میں بہتر ہیں اور انجام میں بھی بہتر (یعنی مومنین کے اعمال صالحہ خدا تعالیٰ کے یہاں مقبول ہیں۔ وہ لوٹائے نہیں جاتے جس طرح سے کہ کفار کے اعمال رد کردیے جاتے ہیں اور یہاں لفظ خیر کا لانا جواب ہے۔ ان کے اس قول کا ای الفریقین خیر مقاما) بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جو ہماری نشانیوں سے کفر کرتا ہے (مثلاً عاص ابن وائل) اور کہتا ہے کہ مجھے تو مال واولاد مل کر رہیں گے) تو کیا یہ غیب پر مطلع ہو گیا ہے یا اس نے خدائے رحمٰن سے کوئی عہد لے لیا ہے۔ خدا تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ وہ زیادہ جاننے والے ہیں مجھ سے یا یہ کہ انہوں نے مجھ سے کوئی وعدہ لے رکھا ہے جو دعوے کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ مجھے تو مال واولاد مل کر رہیں گے۔ اسی کی تردید کرتے ہوئے ارشاد ہو رہا ہے کہ ہرگز نہیں (یعنی انہیں کچھ بھی نہیں ملے گا) البتہ ہم اس کا کہا ہوا ابھی لکھ لیتے ہیں اور اس کے لئے عذاب بڑھاتے ہی چلے جائیں گے (یعنی ان کے اس قول کو ابھی ہم لکھنے کا حکم دے دیتے ہیں اور ان کے اس قول کی وجہ سے ہم عذاب میں بھی اضافہ کردیں گے) اور اس کی کہی ہوئی چیزوں کے ہم ہی مالک رہ جائیں گے اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا تو جس چیز کا یہ دعویٰ کر رہے ہیں اس کے نزدیک مالک ہم ہی ہیں اور یہ تو قیامت کے دن اس حالت میں آئیں گے کہ ان کے پاس مال ہوگا اور نہ آل واولاد۔ جس کا کہ یہ دعویٰ کرتے تھے) اور ان لوگوں نے (یعنی کفار مکہ نے) اللہ کے علاوہ معبود قرار دے رکھے ہیں (بتوں کو جن کی یہ پرستش کرتے ہیں) تاکہ ان کے لئے وہ باعث قوت ہوں (اور تاکہ وہ سفارشی ہوں خدا تعالیٰ کے نزدیک۔ ان کے عذاب کو روکنے کے لئے) ہرگز نہیں (یعنی کوئی خدا تعالیٰ کے عذاب کو روکنے والا نہیں ہے) بلکہ وہ تو عنقریب خود ہی ان کی عبادت کا انکار کر بیٹھیں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے (یعنی عبادت ہی کا انکار کردیں گے جیسا کہ دوسری آیت میں آیا ہے۔ ما کانوا ایا نا یعبدون)

کیا آپ کو علم نہیں کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے جو ان کو خوب ابھارتے رہتے ہیں (یعنی شیطانوں کو ان پر مسلط کر رکھا ہے تاکہ وہ انہیں ارتکاب گناہ پر برانگیختہ کرتے رہیں) تو آپ ان کے حق میں جلدی نہ کیجئے (عذاب کا مطالبہ کرکے) ہم خود ان کی بداعمالیاں شمار کر رہے ہیں (یعنی یوم آخرت تک ان کی تمام بداعمالیاں شمار ہوتی رہیں گے اور سزا اسی روز ملے گی) جس روز ہم پرہیزگاروں کو خدائے رحمٰن کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے (وفدا جمع ہے وافد کی معنی میں راکب کے یعنی وہ سوار ہو کر یوم حشر میں آئیں گے) اور مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسا ہانکیں گے (ورداً جمع ہے وارد کی معنی ہیں بھوکے پیدل چلنا) شفاعت کا اختیار کوئی بھی نہیں رکھے گا۔ بجز اس کے کہ جس نے خدائے رحمٰن سے اجازت لے رکھی ہے (اور وہ اجازت بھی خاص ہے اہل ایمان کے ساتھ جنہوں نے خدا کی ربوبیت کو تسلیم کیا) اور یہ لوگ کہتے ہیں (یعنی یہود ونصاریٰ اور وہ لوگ جنہوں نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں تصور کرلیا) کہ خدائے رحمٰن نے اولاد اختیار کر رکھی ہے (ان کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ) تم نے یہ بات ایسی سخت کی ہے (یعنی تمہاری یہ حرکت ایسی مذموم ہے کہ) اس کے سبب کچھ بعید نہیں کہ آسمان ٹوٹ پڑے (یعنی کہیں اس قول کی شدت کی وجہ سے آسمان نہ ٹوٹ پڑے۔ یکاد اور تکاد دونوں قراٴت ہے۔ یتفطرن میں ایک قراٴت ینفطرن کی بھی ہے۔ یعنی ت کی جگہ ن ہے پھٹنے کے معنی میں اور زمین کے ٹکڑے ٹکڑے اڑ جائیں گے اور پہاڑ کانپ کر گر پڑیں گے (یعنی پہاڑ گر کر زمین کے برابر ہو جائیں گے) اس بات سے کہ یہ لوگ خدائے رحمٰن کی طرف بیٹے کی نسبت کرتے ہیں (پھر خدا تعالیٰ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ) یہ خدائے رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے۔ جتنے جو کوئی بھی آسمان اور زمین میں ہیں سب خدائے رحمٰن کے روبرو عبد کی حیثیت سے حاضر ہوتے ہیں (یعنی قیامت کے دن سب کے سب غلامانہ حیثیت سے حاضر ہوں گے۔ انہیں میں عزیر وعیسیٰ علیہما السلام بھی ہیں جنہیں یہ خدا کی اولاد قرار دے رہے

ہیں) اس نے ان کو احاطہ میں لے رکھا ہے اور انہیں خوب شمار کر رکھا ہے (لہٰذا ان سے کوئی چھپا اور پوشیدہ نہیں ہے) اور قیامت کے دن ان سے ہر ایک اس کے سامنے تنہا تنہا حاضر ہوگا۔ (نہ ان کے ساتھ ان کا مال ہوگا اور نہ ان کے مددگار) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے۔ خدائے رحمٰن ان کے لئے محبت پیدا کردیگا۔ (یعنی یہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت کا معاملہ کریں گے اور خدا تعالیٰ بھی ان کو محبوب رکھے گا) سو ہم نے اس کو آپ کی زبان میں اس لئے آسان کردیا (یعنی قرآن کو عربی زبان میں نازل کرکے) تاکہ آپ کے ذریعہ پرہیزگاروں کو خوشخبری سنائیں (جنت کی) اوران کے ذریعہ سے آپ جھگڑالو لوگوں کو ڈرائیں (لدًا) جمع ہے الدّ کی بمعنی جھگڑا کرنے والی قوم اور وہ کفار مکہ ہیں اور ہم نے ان سے قبل کتنے ہی گروہوں کو ہلاک کردیا (یعنی ہم پچھلی قوموں میں سے بہت کو رسولوں کی تکذیب کی سزا میں ہلاک کرچکے ہیں۔ سو آپ ان میں سے کسی کو بھی دیکھتے ہیں یا ان کی آہستہ آواز بھی سنتے ہیں؟ یعنی ان کا کوئی نام ونشان بھی نہیں رہا۔ اسی طرح پر ہم انہیں بھی نیست ونابود کردیں گے)

تحقیق وترکیب: .... **صدیقا** مبالغہ کا صیغہ ہے۔ لفظی معنی بہت بڑے سچے کے ہیں۔ اور نبی کے بعد سب سے بڑا رتبہ صدیق ہی کا ہوتا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کی نشانیوں اور غیب کی باتوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ **اخاف ان یمسك عذاب** میں خوف کا تعبیر اختیار کیا ہے۔ وہ اسی وجہ سے کہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ ان کی موت کفر پر ہی ہو ممکن ہے کہ وہ ہدایت پا جائیں اور عذاب سے بچ جائیں۔

ملّیا. ملی کے معنی زمانہ طویل کے ہیں۔

حفیا یہ بھی مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ میرے اوپر انتہائی مہربان ہے۔

رحمتنا. رحمت کی تفسیر میں اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد وسعت رزق ہے جبکہ بعض مفسرین کا خیال ہے کتاب ونبوت رحمت کا مصداق ہے۔

لسان صدق علیا مراد یہ ہے کہ تمام اقوام وامم میں ان کا ذکر جمیل ہمیشہ کے لئے رائج کردیا گیا۔

قربناہ نجیّا . نجیّا ترکیب نحوی کے اعتبار سے **قربناہ** کے مفعول سے حال واقع ہورہا ہے۔ یہ اصل میں **نجی** تھا جو **نجی ینجو** سے ماخوذ ہے۔ معنی سرگوشی کرنا۔

ایمن. جانب کی صفت ہے اور بعضوں کے خیال میں **طور** کی صفت ہے۔ یعنی ہم نے طور کی دائیں جانب سے ان کو بلایا یا اس جانب سے پکارا گیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دائیں جانب میں تھی اور اگر یمن بمعنی برکت لیا جائے تو معنی ہوگا کہ یہ ایک مبارک جانب سے خطاب کیا گیا۔

صادق الوعد. یعنی یہ صفت علاوہ دوسری صفات حسنہ کے آپ پر زیادہ غالب تھی۔

رفعناہ. رفعت اور **علو** سب معنوی ہیں۔ ان سے مراد محض شرف نبوت اور تقرب عنداللہ ہے۔

فخلف من بعدھم خلف. خلف ل کے سکون کے ساتھ معنی میں بری اولاد جسے اردو میں ناخلف کہتے ہیں اور اگر ل پر فتحہ ہو تو اچھی اولاد کے معنی ہیں۔

واتبعوا الشھوات. شھوات سے ناجائز خواہش مراد ہے۔

غیا. ہر بڑی خرابی کو **غی** کہتے ہیں اور ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ **غی** جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جو انتہائی ہولناک عذاب والی ہے۔

• بالغیب میں دوتر کیب ہوسکتی ہے۔ایک یہ کہ بالغیب کی با حالیہ ہےاور ذوالحال وہ ضمیر ہے جو جنت کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی جنت کاان سے وعدہ کیا گیا جس جنت کوانہوں نے دیکھانہیں اور دوسرا ذوالحال عباد ہوسکتا ہے۔یعنی وہ بندے جنہوں نے جنت کو دیکھانہیں اور بن دیکھے جنت پر یقین رکھتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ باسبیت کے لئے ہو۔اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان کو جنت ملے گی ان کے ایمان بالغیب کی بناء پر۔

بکرۃ و عشیا. جس طرح اردو میں صبح وشام سے مراددوام ہوتا ہےاسی طرح یہاں طلوع وغروب سے متعین وقت مراد نہیں بلکہ دوام مراد ہے۔

تلک الجنة التی. اسم اشارہ جنت کی طرف ہےاوراسم اشارہ بعید کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔جس سے جنت کی رفعت ومنزلت کی جانب اشارہ ہوگا۔

سمیّا کے معنی محض ہمنام کےنہیں بلکہ ہم صفات کے بھی ہیں اوروہی یہاں مراد ہے۔

مامت لسوف. ما اورل دونوں زائد ہیں۔محض تاکید کے لئے دونوں کااستعمال کیا گیا۔

ولم یلک شیئا سے ان فلاسفہ کابھی ردہوگیا جوخلقت انسانی سےقبل ہیولی وغیرہ کاوجودفرض کئے ہوئے ہیں۔

من کل شیعة. یعنی جس جس جگہ گمراہ گروہ کی طرف وہ اپنے آپ کومنسوب کرتے رہے ہیں۔

جثیا. جثی یجثو نصر ینصر سےاستعمال معنی گھٹنوں کےبل بیٹھ جانا یاپنجوں کےبل کھڑا ہونا۔اس صورت میں اسم فاعل کاصیغہ جاث ہوگا جس کی جمع جثی استعمال ہوتی ہے۔

مقاما وندیا. مقام سے مرادمکان ومنزل لیا گیا۔ندیا سے مرادمجلس ومحفل۔

رئیا. معنی میں مرئی کے ہے۔جس کے معنی منظر کے آتے ہیں۔یعنی حسن منظروالی چیزیں حاصل تھیں۔

جندا. جند کااطلاق ہر بشری مجمع پر ہوتا ہے۔مگر یہاں مرادحمایتیوں کاگروہ یاجتھا تھا۔

اما العذاب. عذاب سے مراداسی دنیا کاعذاب لیا گیا۔

یاتینا فردا. فردایہاں فردیت سے ماخوذ ہے۔جس کے معنی انقطاع کے آتے ہیں۔مراد یہ ہے کہ اس حال میں ہمارے سامنے آئیں گی کہ نہ مال ہوگا نہ اولاد۔آیت اسی معنی کوادا کرے گی جومعنی لقد جئتمونا کما خلقناکم اول مرة والی آیت سے مفہوم ہے۔ہاں پھراسی کے بعدمومن کی ملاقات اپنے احباب اوراولاد سے ہوگی اور پسندیدہ چیزیں اس کودی جائیں گے جبکہ کافران مراعات سے محروم رہے گا۔

ارسلنا. ارسال کےمعنی یہاں بھیجنے کےنہیں بلکہ مسلط کردینے کےمعنی میں ہے۔

تؤزهم ازا. از کےمعنی حیلہ یاتدبیر سے بھڑکانااورابھارنا۔

وردا. جماعت جو پیاس کی وجہ سے پانی پر پہنچے۔

جئتم شیئا ادا. بدترین کام ماخوذ ہے ادة سے جس کےمعنی شدت کے آتے ہیں۔کہتے ہیں ادنی الامر جب کوئی کام دشوار ہوجائے۔

رکزاً کےمعنی خفی آواز۔

ربط:............سورۂ کہف کے اختتام پرشرک کی پرزورتردیداورتوحید کےفضائل کاتذکرہ آیا۔اسی طرح سورۂ مریم میں ان مشرکین

کی تردید تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے قائل ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام امام الموحدین اور شرک وکفر کی گھٹا ٹوپ اندھیری میں خدائے کائنات کی الوہیت اور ربوبیت کے سب سے بڑے مناد ہیں۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کو شروع کیا گیا۔ پھر ماقبل سے اس کا ایک ربط یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں بھی حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش اس وقت ہوئی جب وہ اور ان کی بیوی ازکار رفتہ ہو چکے تھے۔ جیسا کہ سورۂ ہود میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حرم محترم کا بیان ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

قالت یٰویلتیٰ ء الدوانا عجوز وھٰذا بعلی شیخا ان ھٰذا لشیء عجیب (سورہ ھود)

کہنے لگیں کہ ہائے خاک پڑے اب میں بچہ جنوں گی بڑھیا ہو کر اور یہ میرے میاں ہیں بالکل بوڑھے۔ واقعی یہ بھی عجیب بات ہے۔

پس دیدۂ عبرت کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ بجائے خود حیرت انگیز اور خدا تعالیٰ کی محیر العقول قدرتوں کا مظہر ہے۔ یہ نکتہ یہاں قابل غور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی صلاح اور خدا تعالیٰ کے کامل اطاعت کے نتیجہ میں صالح ترین اولاد دی گئی اور اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کو باقی رکھنے کا انتظام کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ مومن کو خدا تعالیٰ اولاد صالح عطا فرماتا ہے اور اس اولاد کے ذریعے مومن کے مقاصد کا بھی تحفظ کیا جاتا ہے۔ انہیں گوناگوں مناسبتوں کی پیش نظر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ شروع کیا گیا۔

شانِ نزول:........ بخاری شریف میں روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ بکثرت کیوں نہیں آیا کرتے۔ اس کے جواب میں آیت وما نتنزل الا بامر ربك نازل ہوئی اور ایک روایت یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آنے میں بہت تاخیر ہوگئی۔ جس سے آنحضور ﷺ بہت پریشان ہوئے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

بخاری ومسلم میں یہ روایت ہے کہ حضرت خبابؓ بن ارت کا کچھ قرض عاص ابن وائل کے ذمہ تھا۔ جب انہوں نے اپنے قرض کا تقاضا کیا تو اس کے جواب میں عاص نے کہا کہ جب تک تم محمد ﷺ کی صداقت کا انکار نہیں کرو گے میں تمہارا قرض ادا نہ کروں گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا، چاہے تو مر کر بھی زندہ ہو جائے۔ جس پر عاص مذاق اڑاتے ہوئے بولا کہ اچھا جب یہ بات ہے کہ میں مر کر دوبارہ بھی آ سکتا ہوں تو تم اسی وقت اپنا قرض لے لینا۔ میں تو اس وقت بھی صاحب مال واولاد ہوں گا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ **افرء یت الذی کفر بایتنا وقال لاوتین مالا وولدا الخ۔**

﴿تشریح﴾:........ اب آنحضور ﷺ کو حکم ہو رہا ہے۔ کہ اے محمد! آپ مشرکین مکہ کو جو بت پرستی میں مبتلا ہیں اور اپنے آپ کو حضرت ابراہیمؑ کو متبع تصور کرتے ہیں۔ انہیں خود حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ سنائیے۔ انہوں نے تو اپنے باپ کے سامنے بھی حق کا اعلان کیا۔ اور بت پرستی سے روکنے کی کوشش کی اور انہیں یہ سمجھانے کی کوشش کی۔ کہ میرے پاس خدائی علم ہے۔ آپ اس کی اتباع کر کے راہ راست پر آ جائیں۔ یہی نجات کا راستہ ہے۔ اور ان بے ضرر بتوں کی پرستش سے دست بردار ہو جائیں۔ ایسی چیزیں جو سننے اور دیکھنے سے بھی عاجز ہوں ان کی پرستش سے کیا فائدہ۔ شیطان اسی خدا کی نافرمانی کی وجہ سے راندہ درگاہ ہوا ہے۔ اگر آپ نے اس کی اطاعت کی تو وہ آپ کو بھی اس درجہ میں پہنچا دے گا۔ اور حیرت ہے۔ کہ آپ ایک ایسے مالک کے مقابل میں جو سراپا رحمت ہے، شیطان کی اتباع کر رہے ہیں اور مجھے تو ڈر ہے کہ آپ کے اس شرک وعصیان کی وجہ سے کہیں آپ پر خدا تعالیٰ کا عذاب نہ آ جائے اور شیطان

جس کی آپ اتباع کررہے ہیں وہ خود بے کس و بے بس ہے۔ کہیں وہ آپ کو کسی بری جگہ نہ پھنسادے۔ اس جگہ قرآن عذاب من الرحمٰن لاکر یہ بتانا چاہتا ہے کہ اگرچہ وہ رحمٰن ہے۔ مگر جب وہ سزا دینا چاہے گا تو کوئی چیز اس کے لئے مانع نہیں ہوگی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سمجھانے پران کے باپ نے جواب دیا۔ کہ اچھا تو تم میرے معبودوں سے بیزار ہواوران سے نفرت کرتے ہو۔ تو سنو اگر تم اس انوکھے عقیدے اور تعلیم سے باز نہ آئے اور ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے رہے۔ تو میں تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کردوں گا۔ اس لئے یہی بہتر ہے۔ کہ تم مجھ سے سلامتی کے ساتھ الگ ہوجاؤ۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ پتھر مار کر ہلاک کرنے کی سزا قدیم قوموں میں عام تھی۔

حضرت ابراہیمؑ نے جب دیکھا کہ تبلیغ ونصیحت کا اثر الٹا ہورہا ہے تو کہا کہ خوش رہو اور میرا آخری سلام قبول کرو۔ اب میں رخصت ہوتا ہوں اور کیونکہ آپ میرے باپ ہیں۔ اس لئے اب میری طرف سے آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ بلکہ میں خدا تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ وہ آپ کو نیکی کی توفیق دے اور آپ کے گناہوں کو بخش دے اور مجھے امید قوی ہے کہ وہ میری دعا کو قبول بھی کرے گا۔ یہاں بھی حضرت ابراہیمؑ نے دعویٰ کے ساتھ یہ نہیں کہا کہ میری دعا قبول ہی ہوجائے گی بلکہ عبدیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے صرف امید ظاہر کررہے ہیں۔

ویسے وہ قلباً واعتقاداً تو پہلے ہی سے علیٰحدہ تھے اور اب یہاں کی سکونت بھی ترک کر کے ملک شام کو روانہ ہوگئے تو مشرکین عرب کے لئے اس قصہ ابراہیمی میں خصوصیت کے ساتھ سبق ہدایت موجود ہے۔ کیونکہ وہ بھی ابراہیم علیہ السلام ہی کی نسل سے تھے اور اپنے آپ کو انہیں کا پیرو ظاہر کرتے تھے۔

اور جب ابراہیم علیہ السلام دین کی خاطر اپنی قوم اور اپنے وطن کو چھوڑ کر ملک شام آئے۔ تو آپ اس ترک وطن سے دنیوی اور مادی اعتبار سے بھی کسی گھاٹے میں نہیں رہے۔ آپ کو ایک دوسرا وطن مل گیا۔ صاحب اولاد ہوئے۔ نسلوں پیغمبری چلتی رہی۔ اور دنیوی نعمتوں سے بھی مالا مال ہوئے اور ساری خوشیاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ یہاں اسحٰق اور یعقوب کا تذکرہ خاص طور پر اس وجہ سے کیا۔ کہ اسحٰق بیٹے اور یعقوب پوتے کی ولادت حضرت ابراہیمؑ کی زندگی ہی میں ہوگئی تھی۔ اور قرآن یہ کہتا ہے۔ کہ ہم نے ان کو نیک نام اور بلند کیا۔ اس کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس وقت دنیا کی تین بڑی اقوام یعنی مسلمان، عیسائی اور یہودی سب ہی ان کا نام عقیدت سے لیتے ہیں اور مسلمان کی تو نماز بھی اس کے بغیر مکمل نہیں ہوپاتی جب تک کہ وہ ابراہیم اور آل ابراہیم پر درود وسلام نہ بھیج لے۔

تذکرۂ موسیٰ:.......... خلیل اللہ کے واقعات بیان فرما کر اب کلیم اللہ کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔ آپ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ وہ خدا تعالیٰ کے مخلص بندوں میں سے ہیں۔ جسے خدا تعالیٰ نے اپنا مقرب بنالیا ہے اور اعتقاد وعمل کی ہر طرح کی غلطی سے محفوظ کرلیا۔ اور وہ رسول و نبی تھا۔

رسول و نبی میں فرق:.......... نبی اور رسول کی وضاحت میں متعدد اقوال پائے جاتے ہیں لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ رسول اسے کہتے ہیں جو نئی شریعت لے کرآیا ہو۔ اس کی بھی دو صورتیں ہوں گی۔ ایک تو یہ کہ وہ شریعت بالکل ہی نئی ہو۔ جسے کسی نبی نے پہلے پیش نہیں کیا تھا۔ یا یہ کہ اس سے پہلے وہ شریعت آچکی ہو۔ لیکن قوم کے لئے نئی ہو۔ جیسے: حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شریعت وہ شریعت تھی۔ جو ان کے باپ ابراہیم علیہ السلام کی تھی لیکن قوم جرہم کو حضرت اسمٰعیلؑ ہی سے اس کا علم ہوا۔ تو گویا یہ اس قوم کے لئے نئی

تھی۔ خود حضرت اسماعیلؑ کے لئے نہیں تھی۔ رسول کے لئے ضروری نہیں کہ وہ نبی بھی ہو۔ جیسا کہ بعض جگہ فرشتوں پر بھی رسل کا اطلاق کیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ نبی نہیں تھے۔ اور نبی اسے کہتے ہیں جس پر وحی آتی ہو۔ اور خواہ وہ کوئی نئی شریعت لے کر آیا ہو۔ یا کسی قدیم شریعت ہی کا مبلغ ہو۔ جیسے اکثر انبیاء بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ہی کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔

پھر ارشاد ہوا کہ ہم نے موسیٰؑ کو ان کی داہنی جانب سے آواز دی اور سرگوشی کرتے ہوئے اپنے قریب کرلیا۔ یہ سرگوشی اس معنی کی تھی۔ کہ اس وقت حضرت موسیٰؑ کے علاوہ کوئی اور شخص وہاں موجود نہیں تھا۔ جو اس گفتگو کو سن رہا ہو۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت موسیٰؑ آگ کی تلاش میں طور پر پہنچے۔ پھر کہا جارہا ہے کہ منجملہ اور مہربانیوں کے ایک مہربانی ہم نے تم پر یہ بھی کی کہ تمہاری درخواست پر ہم نے ہارون کو بھی تمہارے شریک دعوت کردیا تاکہ تم کو اس سے مدد پہنچے اور تمہاری تقویت ہو۔

تذکرہ اسماعیلؑ: .... یہاں سے حضرت اسماعیلؑ ذبیح اللہ کا تذکرہ شروع کیا جارہا ہے۔ آپ حضرت ابراہیمؑ کی چھوٹی بیوی ہاجرہ کے پیٹ سے تھے۔ آپ کو قوم جرہم کی طرف نبی اور رسول بنا کر بھیجا گیا تھا۔ یہ قوم اصلاً یمن کے باشندے تھے۔ لیکن بعد میں وادی مکہ میں آباد ہوگئے تھے۔

آپ کی تعریف میں ارشاد ہے کہ آپ وعدے کے سچے تھے یعنی یہ صفت دوسری صفات کے مقابلہ میں زیادہ نمایاں تھی کہ آپ جو وعدہ کرتے تھے اسے پورا کر کے رہتے تھے۔ آپ کے ایفائے عہد کے بے شمار قصے مشہور ہیں۔ اسی طرح آپ نے اپنے اس وعدہ کا بھی ایفاء کیا جو آپ نے اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بوقت ذبح کیا تھا کہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔ چنانچہ آپ نے واقعی وعدہ پورا کیا اور صبر وتحمل سے کام لیا حالانکہ اپنی جان دے دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے لیکن آپ نے اسے بھی گوارا کرلیا اور وعدہ خلافی تو منافق کی علامت ہے آپ سے کس طرح ممکن تھا کہ وعدہ کی خلاف ورزی کریں۔

پھر آپ کی مزید تعریف بیان ہورہی ہے کہ آپ اپنے گھر والوں کو نماز اور روزہ کا حکم دیتے تھے گویا عبادات بدنی و مالی کی تبلیغ آپ نے سب سے پہلے اپنے گھر والوں سے شروع کی یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا بھی یہی فریضہ ہے کہ وہ اپنے اعزاء واقارب، دوست واحباب کو نیکی کی ترغیب دیتا رہے اور برائی سے بچانے کی کوشش کرے۔ آنحضور ﷺ کا بھی ارشاد ہے کہ وہ مرد بہترین مرد ہے جو صبح کو نماز کے لئے اٹھے تو اپنی بیوی کو بھی بیدار کردے اور اسی طرح اس عورت پر خدا کی رحمت ہو جو نماز کے لئے اٹھے تو اپنے شوہر کو بھی جگادے۔ چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام خدا کے برگزیدہ ومقبول بندے تھے نہ کہ مردود وغیر مقبول جیسا کہ یہود ونصاریٰ کا خیال ہے اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ مردود کس طرح ہوسکتا ہے جو ادائیگی عبادات میں درجہ کمال پر ہو۔

تذکرہ ادریس علیہ السلام: .... یہ حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر ہے آپ قابیل کے بڑے لڑکے تھے۔ گویا کہ آدم علیہ السلام کے پوتے۔ آپ کی تعریف میں ارشاد ہے کہ وہ سچے نبی تھے۔ خدا کے خاص بندے تھے اور آپ کو بلند مرتبہ تک پہنچایا گیا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے عقیدے کے اعتبار سے حضرت ادریس آسمان پر زندہ اٹھالئے گئے ہیں۔

ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آپ درزی کا کام کرتے تھے اور سوئی کی ایک ایک ٹانکے پر سبحان اللہ کہتے اور شام کو ان سے زیادہ کسی کا نیک عمل آسمان پر نہ پہنچتا۔ گویا آپ کو اعمال صالحہ سے خصوصی لگاؤ تھا۔ ابن عباسؓ ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ چھٹے آسمان پر اٹھالئے گئے اور وہیں آپ کی وفات ہوئی۔

اور مجاہد بھی کہتے ہیں کہ آپ کو حضرت عیسیٰؑ کی طرح زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا۔ بعض مفسرین اسی کے قائل ہیں۔ خود صاحب

جلالین کی بھی رائے یہی ہے لیکن نہ تو قرآن مجید اور نہ کسی حدیث صحیح ہی سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔اسی وجہ سے محققین کی رائے یہی ہے کہ رفعت وغیرہ سے مراد محض شرف نبوت اور تقرب عنداللہ ہے۔جسمانی رفعت اس سے ثابت نہیں ہوتا ہے۔

جماعت انبیاء:.......... یہ لوگ جن کا تذکرہ اس سورت میں حضرت زکریاؑ سے لے کر حضرت ادریسؑ تک ہو چکا ہے سب کے سب اولاد آدمؑ سے تھے۔ان میں سے بعض ان کی نسل میں سے تھے۔جنہیں حضرت نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار کیا گیا تھا۔اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔کیونکہ آپ سام ابن نوحؑ کی اولاد میں سے ہیں۔اور ذریت ابراہیم سے مراد حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب اور حضرت اسماعیل علیہم السلام اور ذریت اسرائیل سے مراد حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہیں۔یہ سب کے سب وہ ہیں جن پر خدا تعالیٰ نے خصوصی انعام فرمایا اور ہدایت یاب بنایا اور جنہیں نبوت کے اعلیٰ مراتب پر فائز کیا۔یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے خدا تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو اس کے دلائل و براہین سن کر کمال خشیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔اس حالت میں کہ ان کا قلب رو رہا ہوتا ہے۔اسی کا اتباع کرتے ہوئے بالاتفاق علماء نے آیت سجدہ پر سجدہ کرنے کا حکم دیا۔

ان انبیاء کرام کے تذکرہ بعد ان کا تذکرہ ہے جنہیں نماز روزہ سے کوئی واسطہ ہی نہیں تھا۔چنانچہ ارشاد ہے کہ ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز جیسی اہم عبادت سے بھی لاپرواہی اختیار کرلی۔اور جب اس اہم فریضہ کو وہ بھلا بیٹھے تو ظاہر ہے کہ دوسرے واجبات کی انہیں کیا پرواہ ہوگی۔

اضاعوا الصلوٰۃ کے مختلف معنی لئے گئے ہیں۔ایک تو یہ کہ نماز تو پڑھیں گے لیکن اس کا کوئی اہتمام نہیں ہوگا اور نہ کوئی وقت کی پابندی ہوگی۔جب جی چاہے گا پڑھ لیں گے اور جب چاہیں گے چھوڑ دیں گے۔دوسرا مفہوم یہ لیا گیا ہے کہ جماعت کے ساتھ نہیں پڑھیں گے اور ایک رائے یہ ہے کہ نماز کی فرضیت اور اہمیت کو جانتے ہوئے بھی بالکل نہیں پڑھیں گے اور بعضوں کا خیال ہے کہ ان کے عقیدے میں بھی فتور آچکا ہوگا اور نماز کی فرضیت ہی کے منکر ہو جائیں گے اور فسق وفجور میں اپنی ساری زندگی گزار دیں گے۔نہ انہیں فکر آخرت ہوگا، نہ قیامت کا خوف۔انہیں کے بارے میں خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ کر دنیاوی زندگی پر مطمئن ہو گئے۔تو کیا انہیں معلوم نہیں کہ اس دنیا کے بعد دوسری زندگی شروع ہونے والی ہے۔جس میں یہ گھاٹے اور نقصان میں رہیں گے۔

اس کے بعد ان لوگوں کا استثناء ہے جو ان کاموں سے توبہ کرلیں گے۔یعنی نمازوں کی سستی اور خواہشات نفس کی پیروی چھوڑ دیں گے۔تو خدا تعالیٰ انہیں جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کر دے گا۔کیونکہ توبہ کر لینے بعد اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کر لینے کے بعد انسان ایسا ہو جاتا ہے۔جیسے اس نے کوئی گناہ ہی نہ کیا ہو اب توبہ کے بعد وہ جو نیکی کرے گا اس کا اسے پورا پورا اجر ملے گا۔ایسا نہیں ہوگا کہ اس نے سابق میں جو کفر کیا ہے اس کی وجہ سے اس کی اس نیکی پر کوئی اثر پڑے۔اور یہ وہ جنت ہے جس کا ان سے غائبانہ وعدہ کیا گیا ہے۔نہ انہوں نے اس جنت کو دیکھا اور نہ براہ راست خدا تعالیٰ سے اس کے بارے میں کچھ سنا۔بلکہ جو علم ہوا پیغمبروں کے واسطے سے ہوا۔لیکن اس کے باوجود وہ اس پر کامل اعتماد کئے ہوئے ہیں۔اسی کامل اعتماد کے نتیجہ میں انہیں جنت کی نعمتوں سے پورا پورا لطف اندوز ہونے کا موقعہ دیا جائے گا۔اور ایک ایسی جنت عطا کی جائے گی کہ جو ہمیشہ رہنے والی ہے۔اس پر کبھی فنا طاری نہیں ہوگی اور اس جنت میں کوئی لغو اور ناپسندیدہ بات کبھی ان کے کانوں میں نہ پڑے گی۔جتنی آوازیں بھی آئیں گی سب خوشگوار اور دل پسند ہی ہوں گی۔اور اسی کے ساتھ انہیں عمدہ اور خوش ذائقہ کھانے ملتے رہیں گے۔صبح شام

سے مراد یہاں طلوع وغروب نہیں ہے بلکہ اس سے مراد دوام اور ہمیشگی ہے۔ کیونکہ جنت میں تو تاریکی کا نام ونشان بھی نہیں ہوگا۔ پھر اس میں دن اور رات کی کیا ضرورت پیش آئے گی۔ چونکہ عرب صبح وشام ہی کھانا کھانے کے عادی تھے۔ اس لئے جنتیوں کے کھانے کا وقت بھی وہی بتایا گیا۔ ورنہ جنتی تو جو چاہیں اور جب چاہیں گے موجود ہوگا۔

ایک نکتہ:............قرآن نے اس موقعہ پر نورث کا لفظ اختیار کیا ہے۔ اس سے بعض محققین نے ایک نکتہ استنباط کیا ہے وہ یہ ہے کہ لفظ میراث سے اس طرف اشارہ ہے کہ جنت محض خدا تعالیٰ کے انعام اور فضل سے ملے گی نہ کہ صلہ عمل ہوگی۔ جس طرح میراث کے لئے صرف ثبوت نسب کافی ہے۔ اسی طرح جنت کے لئے اپنی صحیح شکل وصورت میں ایمان کا موجود ہونا ہی کافی ہے۔

ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست:............آنحضور ﷺ کو خدا تعالیٰ کے پیغامات کا جو اشتیاق رہتا تھا اس کے تقاضہ سے آپ نے ایک روز جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ اور زیادہ کیوں نہیں آتے۔ اس کا جواب جبرائیل علیہ السلام یہ دے رہے ہیں کہ میں تو خدا تعالیٰ کے حکم کا پابند ہوں۔ جب وہاں سے حکم ہوگا جب ہی آ سکتا ہوں ورنہ نہیں۔ میرا ارادہ تو ارادہ الٰہی کا تابع ہے۔ وہی جب اور جہاں چاہیں ہمیں بھیجے اور یہ ممکن نہیں کہ کہیں ہمارا بھیجنا مصلحت ہو اور وہ بھول جائے۔

اس کے بعد عام مومنین کو خطاب ہو رہا ہے کہ آسمان، زمین اور ساری مخلوق کا خالق اور متصرف تو وہی ہے۔ اور یہ وہ ذات ہے جس کی صفات میں کوئی شریک نہیں۔ اس لئے اس کی عبادت کیا کرو۔ اور بعض لوگوں نے اس خطاب کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص سمجھا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ آپ تاخیر وحی سے گھبرائیے نہیں اور کافروں کے تمسخر کی پرواہ نہ کیجئے بلکہ بدستور عبادت میں لگے رہئے۔

انکار قیامت:............منکرین قیامت، قیامت اور مرنے کے بعد دوسری زندگی کو محال اور ناممکن سمجھتے ہوئے سوال کرتے تھے کہ کیا مرنے کے بعد ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ ان کا یہ سوال استفہام کے لئے نہیں بلکہ اعتراض اور استہزاء کے لہجہ میں ہوتا کہ ان ہڈیوں کو جو گل سڑ گئی ہوں کون زندہ کر دے گا؟ اسی کا جواب ہے کہ کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ نے انہیں اس حالت میں پیدا کیا۔ کہ ان کا کوئی وجود بھی نہیں تھا۔ تو جب عدم محض سے خدا تعالیٰ اسے وجود میں لاسکتا ہے۔ تو حیات ثانی تو اس کے لئے اور بھی آسان ہے اور پھر قسم کھا کر فرمایا جارہا ہے کہ ہم ان سب کو جمع کرلیں گے اور ان شیاطین کو بھی جن کی یہ عبادت کرتے تھے۔ یہ اس حالت میں جمع ہوں گے کہ گھٹنوں کے بل گرے پڑے ہوں گے۔ اور جب سب کے سب جمع کر لئے جائیں گے۔ تو ان میں سے بڑے بڑے مجرموں سرکشوں اور ان کے پیشواؤں کو علیحدہ کرلیا جائے گا اور انہیں شدید ترین عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ ہمیں پوری طرح علم ہے کہ ان میں سے کون کس کس عذاب کے مستحق ہیں۔ تو گویا ترتیب وہاں بھی ملحوظ رہے گی کہ جو زیادہ سرکش ہوگا اسے سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور جو سرکشی میں کچھ کم تھا اسے اس سے ہلکے درجہ کے عذاب میں ڈالا جائے گا۔

جہنم گزرگاہ عام:............یہاں سے خدا تعالیٰ تمام انسانوں کو خطاب فرماتا ہے۔ کہ اس دوزخ پر سے ایک دن سب کا گزر ہونے والا ہے یہ اور بات ہے کہ مؤمنین کو اس سے نقصان نہیں پہنچے گا۔ جیسا کہ خود ملائکہ دوزخ کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہے۔ یہاں اختلاف ہے کہ آیا یہ خطاب عام انسانوں سے ہے یا صرف ان لوگوں سے ہے جو سرکشی ونافرمانی کرتے تھے۔ جن کا ذکر اوپر آیا ہے۔

حضرت جابرؓ اور اکثر مفسرین کی رائے یہی ہے کہ جہنم پر سے گزر ہر ایک کا ہوگا۔ مومن ہو یا کافر۔ لیکن مومن کو اس سے کوئی

نقصان نہیں پہنچ سکے گا۔ جیسا کہ خود باری تعالیٰ نے الذین اتقوا سے اس کا استثناء کر دیا ہے الذین اتقوا سے مراد مومنین ہی ہیں۔ کیونکہ ہر مومن کے دل میں کچھ نہ کچھ تو خدا تعالیٰ کا ڈر اور خوف ہوتا ہی ہے۔ اور مومنین کو نقصان تو کیا پہنچے گا بلکہ انہیں تو جنت میں مزید لذت حاصل ہوگی۔ جب وہ جنت اور جہنم کا تقابل کریں گے۔ نیز یہاں ورود سے مراد داخلہ نہیں ہے بلکہ فقط گزرنا مراد ہے۔ جس کے نظائر خود قرآن میں بکثرت ہیں۔ ابن مسعودؓ کی بھی یہی رائے ہے کہ جس طرح پل صراط پر سے سب کا گزر ہوگا۔ اسی طرح جہنم پر سے بھی سب گزریں گے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ خطاب صرف سرکش و نافرمانوں سے ہے۔ جس کا اوپر ذکر آیا۔ مؤمنین کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

افسوس ناک گستاخی:............ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ آیتیں نازل ہوتی ہیں جس میں مؤمنین کے لئے طرح طرح کی نعمتوں اور راحتوں کا وعدہ ہے۔ اور کفار کے لئے مختلف قسم کی دھمکیاں تو بجائے اس کے کہ وہ اپنی سرکشی وطغیانی سے باز آجائیں۔ مؤمنین کا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ ہم میں سے کس کے پاس مال و دولت زیادہ ہے۔ کس کے مکانات پر تکلف اور کس کی محفلیں بارونق ہیں؟ لہٰذا ہم ترقی یافتہ اور انعام یافتہ ہیں۔ کیونکہ ہم شان و شوکت اور عزت میں سے ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور افسوس ہے کہ آج مسلمان بھی ان کی دولت اور جاہ و ثروت سے مرعوب ہو کر رہ گئے اور عیسائیوں اور بے دین قوموں کی دولت، حکومت اور ترقیوں کو مثالوں میں پیش کر کے انہیں کی تقلید اور ان کی روش پر چلنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اور انہیں ترقی یافتہ اور فلاح یاب قوم سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور اس کے مقابل میں اپنے آپ کو ذلیل وحقیر اور غیر ترقی یافتہ۔ اس کا جواب ملتا ہے کہ یہ ظاہری ساز و سامان، یہ دولت و حکمت، اگر صداقت اور حقانیت کی دلیل ہوتی۔ تو آج یہ بڑی بڑی پرشوکت نافرمان حکومتیں کیوں تباہ ہوگئی ہوتیں، فراعنہ مصر کے شاندار مکانات، عالی شان محلات کیوں برباد ہوگئے، شاہان عجم کا کروفر کیا ہوا، قیصر و کسریٰ کی تاج و تخت کیوں تاراج ہو کر رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ شان و شوکت کسی صداقت وحقانیت کی دلیل نہیں ہے۔ اس لئے آپ منکرین کو سنا دیجئے کہ:

فلاح یاب:............ جو اپنے آپ کو حق پر اور مؤمنین کو خلاف حق سمجھ رہے ہیں اور اپنی خوشحالی و دنیاوی ترقی پر مغرور ہیں۔ ان کے لئے یہ ہمارا قانون اور ہمارا فیصلہ ہے کہ گمراہ قوموں کو دنیا میں تو مہلت اور چھوٹ دی جاتی رہتی ہے۔ فوراً گرفت نہیں ہوتی۔ لیکن جب وہ مر جاتے ہیں اور قیامت کا سامنا کرتے ہیں۔ تو انہیں معلوم ہوتا ہے کہ واقعۃً برا کون تھا اور کل تک وہ اپنی جس قوت پر فخر اور تمدن پر ناز کرتے رہے تھے۔ اس کی کیا حقیقت تھی؟ انہیں دنیا میں ڈھیل ملی ہوئی ہے۔ اس لئے وہ دنیا میں جتنی چاہیں سرکشی کر لیں۔ تو جس طرح گمراہوں کی سرکشی بڑھتی جاتی ہے۔ اسی طرح پر ہدایت یافتہ لوگوں کی نیکیاں بڑھتی رہتی ہیں اور خدا تعالیٰ کے نزدیک یہی نیکیاں کارآمد اور مفید ہیں اور انجام کے اعتبار سے یہ مؤمنین ہی فلاح یاب اور کامیاب ہیں۔

انجام سرکشی:............ احادیث میں ہے کہ ایک صحابی کا قرضہ ایک مشرک کے ذمہ باقی تھا جب انہوں نے اس مشرک سے اپنا قرضہ مانگا تو اس نے جواب میں کہا۔ کہ جب تک تم محمد (ﷺ) کی رسالت کا انکار نہ کرو گے۔ اس وقت تک میں تمہارا قرضہ نہیں ادا کر سکتا۔ اس پر ان صحابی نے عرض کیا کہ یہ تو اس وقت تک بھی ممکن نہیں کہ تم مر کر زندہ ہو۔ تو اس مشرک نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ اچھا اگر یہ بات ہے کہ میں مر کر دوبارہ زندہ ہوں گا تو تم اسی وقت مجھ سے اپنا قرضہ لے لینا کیونکہ میں تو اس وقت بھی صاحب مال و اولاد ہوں گا۔ اس کے اس استہزاء کا جواب ملتا ہے کہ کیا اسے غیب پر اطلاع ہے یا اپنے آخرت کے انجام کی خبر رکھتا ہے یا اس نے خدا سے کوئی

وعدہ لے رکھا ہے جو وہ قسمیں کھا کر اس طرح کی باتیں کرتا ہے۔

پھر اس کی ان باتوں کی نفی کرتے ہوئے ارشاد ہو رہا ہے کہ اس کا یہ مغرورانہ کلام بھی ہمارے یہاں لکھا جا رہا ہے جس پر سزا بھی مل کر رہے گی۔ اور اسے مال واولاد ملنا تو کجا جب وہ اس دنیا سے گزر جائے گا تو اس کا اختیار نہ اس کے دنیاوی مال پر رہے گا نہ اولاد پر سب چیزوں کے مالک صرف ہم ہی رہ جائیں گے اور وہ بے ساز وسامان اور بے یار ومددگار ہمارے یہاں آئے گا۔

باطل تصور:........ کفار کا خیال ہے کہ ان کے جھوٹے معبود انہیں دنیا میں بھی نفع پہنچائیں گے مثلاً: بیماروں سے نجات دلائیں گے، ان کی پرستش سے مقدمات میں کامیابی ہوگی وغیرہ وغیرہ، اسی طرح پر یہ عالم آخرت میں بھی خدا تعالیٰ کے عذاب سے بچائیں گے۔ ان کا یہ تصور بالکل غلط ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کے عذاب سے تو کیا بچائیں گے قیامت کے دن ان کی پرستش کا بھی انکار کر بیٹھیں گے اور بجائے کوئی مدد امداد کرنے کے ان کی ذلت اور مقہوریت کا سبب بنیں گے۔ اس لئے آنحضور ﷺ کو حکم ہے کہ آپ ان کے لئے بددعا کرنے میں عجلت نہ کیجئے ہم نے تو انہیں دنیا میں ڈھیل دے رکھی ہے۔ اور کیونکہ یہ ہم سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے ہم نے ان پر شیطان کو مسلط کر رکھا ہے۔ تاکہ وہ انہیں گناہوں پر اکساتا رہے اور اس طرح وہ سخت عذاب کے مستحق ہوں۔ اور ہم ان کی تمام حرکتوں کو شمار کر رہے ہیں۔ یہ ہم سے بچ کر نہیں جاسکتے۔

یہاں قرآن نے تؤزھم ازا کا لفظ اختیار کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو صرف گناہوں پر اکسانے اور ابھارنے کی طاقت حاصل ہے مجبور کر کے کسی چیز کو کرانے کی قوت وطاقت نہیں ہے۔ اور یہ زبردستی گرتے پڑتے اس حالت میں جہنم کے پاس جمع کئے جائیں گے کہ پیاس کی شدت سے ان کی زبانیں باہر کو نکل رہی ہوں گی۔ اور ان کے مقابل میں مومنین جو خدا تعالیٰ پر ایمان لائے، پیغمبروں کی تصدیق کی اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتے رہے۔ وہ عزت کے ساتھ کمال ادب واحترام سے سواروں پر چڑھ کر خدا تعالیٰ کے حضور میں آئیں گے۔ مومن جب قبر سے اٹھایا جائے گا۔ تو وہ اپنے سامنے ایک حسین وجمیل چیز کو دیکھ کر پوچھے گا کہ تم کون ہو؟ اس پر وہ جواب دے گی کہ میں تو آپ کے نیک اعمال کا مجسمہ ہوں میں عمر بھر دنیاوی زندگی میں آپ پر سوار رہا۔ اب آپ آیئے اور مجھ پر سوار ہو جایئے۔ تو اس طرح ہر مومن کو ادب واحترام کے ساتھ جنت کی طرف لے جایا جائے گا اور اس دن کوئی سفارش کرنے والا بھی نہیں ہوگا۔ سوائے ان لوگوں کے جنہیں خدا تعالیٰ نے اجازت دے رکھی ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ وہ مومنین ہی ہوں گے۔ یعنی امت کے صلحاء اور نیک بندے ہوں گے۔ جو دوسرے مومنین کے لئے سفارش کریں گے۔ لیکن کفار کو اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ یہ بدقسمت اس دن سفارش سے بھی محروم رہیں گے جس پر یہ خود کہیں گے فما لنا من شافعین کہ کیا ہمارا کوئی سفارشی نہیں ہے۔

مشرک کی سزا:........ سورۂ مریم کے شروع میں یہ فرمایا گیا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے ہیں۔ ان کے بیٹے نہیں۔ لیکن ان ظالموں نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دے دیا۔ یہ اتنی سخت بات ہے کہ جس سے اندیشہ ہے کہیں آسمان ٹوٹ کر نہ گر پڑے اور زمین پھٹ نہ جائے۔ کیونکہ آسمان وزمین اور تمام مخلوقات خدا تعالیٰ کی عظمت کو جانتے ہیں۔ وہ خدا کے لئے اتنی سخت اور ناگوار بات کو پسند نہیں کر سکتے۔ خدا کی عظمت اور اس کی شان کے لائق نہیں ہے کہ اس کے یہاں اولاد ہو۔ کیونکہ ساری مخلوق ان کی غلامی میں ہے۔ اسے اولاد کی کیا ضرورت پیش آسکتی ہے۔ نہ اسے کسی مددگار کی ضرورت ہے اور نہ کسی شریک وساجھی کی۔

پھر ارشاد ہے کہ وہ لوگ جو خدا کی وحدانیت پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے۔ خدا تعالیٰ ان کے لئے لوگوں کے دلوں میں

محبت پیدا کردیں گے اور خود بھی اسے محبوب رکھیں گے۔ جیسا کہ بخاری ومسلم کی روایت میں ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی بندہ سے محبت فرماتے ہیں تو حضرت جبرائیلؑ کو بلا کر حکم دیتے ہیں کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ پھر حضرت جبرائیلؑ فرشتوں میں اس کا اعلان کرتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں وہ شخص تمام فرشتوں کی نظر میں محبوب بن جاتا ہے۔ اور یہی محبوبیت پھر دنیا میں اتر کر آتی ہے۔ جس کے بعد خود بخود لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اور جب کسی بندہ سے خدا ناراض ہوتا ہے تو حضرت جبرائیلؑ کو بلا کر فرماتے ہیں کہ میں فلاں بندہ سے ناراض ہوں تم بھی اسے ناراض ہوجاؤ۔ اور پھر یہ اعلان عام فرشتوں میں ہوجاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں وہ شخص تمام ملائکہ کی نظر میں مبغوض ٹھہرتا ہے۔ اور پھر اس کی یہ مبغوضیت عام انسانوں تک پہنچ جاتی ہے۔

اور وُدّ کے دوسرے معنی یہ لئے گئے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ ان کے لئے ایسی چیزیں مہیا کردیں گے۔ جسے وہ محبوب رکھتا ہے اور ہم نے اس قرآن کو تمہاری زبان میں آسان کر کے اتارا۔ تا کہ تم اس کے ذریعہ مومنین کو ان کے نیک اعمال پر احسن الجزاء کی خوشخبری دو۔ اور منکرین وکفار، فاسق وفاجر اور گنہگار وبدکار کو خدا تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانا ممکن ہو۔ اسی انذاری مضمون کا بیان ہے کہ کیسی کیسی پر شوکت اور صاحب قوت واقتدار قومیں خدا کے ساتھ کفر اور نبیوں کے انکار کی سزا میں اس روئے زمین سے مٹائی جاچکی ہے۔ انہیں ایسا تہس نہس کیا گیا۔ کہ ان کا کوئی نام ونشان بھی موجود نہیں۔ نہ وہ خود رہے اور نہ ان کا کوئی نام لینے والا رہا۔

سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ مَائَةٌ وَخَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً اَوْ اَرْبَعُوْنَ وَثِنْتَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ہٰ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ **مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ** يَا مُحَمَّدُ **لِتَشْقٰٓى ﴿۲﴾** لِتَتْعَبَ بِمَا فَعَلْتَ بَعْدَ
وُلِهٖ مِنْ طُوْلِ قِيَامِكَ بِصَلٰوةِ اللَّيْلِ اَىْ خَفِّفْ عَنْ نَفْسِكَ **اِلَّا** لٰكِنْ اَنْزَلْنَاهُ **تَذْكِرَةً** بِهٖ **لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۳﴾**
افُ اللّٰهَ **تَنْزِيْلًا** بَدَلٌ مِنَ اللَّفْظِ بِفِعْلِهِ النَّاصِبِ لَهٗ **مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ﴿۴﴾** جَمْعُ
ا كَكُبْرٰى وَكِبَرٍ هُوَ **اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ** وَهُوَ فِى اللُّغَةِ سَرِيْرُ الْمَلِكِ **اسْتَوٰى ﴿۵﴾** اِسْتِوَاءً يَلِيْقُ بِهٖ **لَهٗ**
افِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا مِنَ الْمَخْلُوْقَاتِ **وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ﴿۶﴾** هُوَ التُّرَابُ
ىٰ وَالْمُرَادُ الْاَرْضُوْنَ السَّبْعُ لِاَنَّهَا تَحْتَهٗ **وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ** فِى ذِكْرٍ اَوْ دُعَاءٍ فَاللّٰهُ غَنِىٌّ عَنِ الْجَهْرِ بِهٖ
هٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ﴿۷﴾ مِنْهُ اَىْ مَا حَدَّثَتْ بِهِ النَّفْسُ وَمَا خَطَرَ وَلَمْ تُحَدِّثْ بِهٖ فَلَا تَجْهَدْ نَفْسَكَ
جَهْرِ **اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴿۸﴾** اَلتِّسْعَةُ وَالتِّسْعُوْنَ الْوَارِدُ بِهَا الْحَدِيْثُ
حُسْنٰى مُؤَنَّثُ الْاَحْسَنِ **وَهَلْ** قَدْ **اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿۹﴾ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ** لِامْرَأَتِهٖ
كُثُوْٓا هُنَا وَذٰلِكَ فِى مَسِيْرِهٖ مِنْ مَدْيَنَ طَالِبًا مِصْرَ **اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ** اَبْصَرْتُ **نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ**
لَةٍ فِى رَاسِ فَتِيْلَةٍ اَوْ عُوْدٍ **اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿۱۰﴾** اَىْ هَادِيًا يَدُلُّنِىْ عَلَى الطَّرِيْقِ وَكَانَ اَخْطَاهَا
مَةِ لِلَّيْلِ وَقَالَ لَعَلَّ لِعَدَمِ الْجَزْمِ بِوَفَاءِ الْوَعْدِ **فَلَمَّآ اَتٰىهَا** وَهِىَ شَجَرَةُ عَوْسَجٍ **نُوْدِىَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۱﴾ اِنِّىْٓ**
كَسْرِ الْهَمْزَةِ بِتَاوِيْلِ نُوْدِىَ بِقِيْلَ وَبِفَتْحِهَا بِتَقْدِيْرِ الْبَاءِ **اَنَا** تَوْكِيْدٌ لِيَاءِ الْمُتَكَلِّمِ **رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ**
كَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ اَلْمُطَهَّرِ اَوِ الْمُبَارَكِ **طُوًى ﴿۱۲﴾** بَدَلٌ اَوْ عَطْفُ بَيَانٍ بِالتَّنْوِيْنِ وَتَرْكِهٖ مَصْرُوْفٌ
عْتِبَارِ الْمَكَانِ وَغَيْرُ مَصْرُوْفٍ لِلتَّانِيْثِ بِاعْتِبَارِ الْبُقْعَةِ مَعَ الْعَلَمِيَّةِ **وَاَنَا اخْتَرْتُكَ** مِنْ قَوْمِكَ **فَاسْتَمِعْ**

لِمَا یُوْحٰی ﴿۱۳﴾ اِلَیْكَ مِنِّیْ **اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ** ﴿۱۴﴾ **فِیْهَا اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا** عَنِ النَّاسِ وَیَظْهَرُ لَهُمْ قُرْبُهَا بِعَلَامَاتِهَا **لِتُجْزٰی** فِیْهَا **كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰی** ﴿۱۵﴾ بِهٖ مِنْ خَیْرٍ وَ شَرٍّ **فَلَا یَصُدَّنَّكَ** یَصْرِفَنَّكَ **عَنْهَا** اَیْ عَنِ الْاِیْمَانِ بِهَا **مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ** فِیْ اِنْكَارِهَا **فَتَرْدٰی** ﴿۱۶﴾ فَتَهْلِكَ اِنْ صَدَدْتَّ عَنْهَا **وَمَا تِلْكَ** كَائِنَةٌ **بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰی** ﴿۱۷﴾ اَلْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِیْرِ لِیُرَتِّبَ عَلَیْهِ الْمُعْجِزَةَ فِیْهَا **قَالَ هِیَ عَصَایَ اَتَوَكَّؤُا** اَعْتَمِدُ **عَلَیْهَا** عِنْدَ الْوُثُوْبِ وَالْمَشْیِ **وَاَهُشُّ** اَخْبِطُ وَرَقَ الشَّجَرِ **بِهَا** لِیَسْقُطَ **عَلٰی غَنَمِیْ** فَتَاْكُلُهٗ **وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ** جَمْعُ مَارِبَةٍ مُثَلَّثُ الرَّاءِ اَیْ حَوَائِجُ **اُخْرٰی** ﴿۱۸﴾ كَحَمْلِ الزَّادِ وَالسِّقَاءِ وَطَرْدِ الْهَوَامِ زَادَ فِی الْجَوَابِ بَیَانَ حَاجَاتِهٖ بِهَا **قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی** ﴿۱۹﴾ **فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ** ثُعْبَانٌ عَظِیْمٌ **تَسْعٰی** ﴿۲۰﴾ تَمْشِیْ عَلٰی بَطْنِهَا سَرِیْعًا كَسُرْعَةِ الثُّعْبَانِ الصَّغِیْرِ الْمُسَمّٰی بِالْجَانِّ الْمُعَبَّرِ بِهٖ عَنْهَا فِیْ اٰیَةٍ اُخْرٰی **قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ** مِنْهَا **سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا** مَنْصُوْبٌ بِنَزْعِ الْخَافِضِ اَیْ اِلٰی حَالَتِهَا **الْاُوْلٰی** ﴿۲۱﴾ فَاَدْخَلَ یَدَهٗ فِیْ فَمِهَا فَعَادَتْ عَصًا وَتَبَیَّنَ اَنَّ مَوْضَعَ الْاِدْخَالِ مَوْضَعُ مَسْكِهَا بَیْنَ شُعْبَتَیْهَا وَاُرِیَ ذٰلِكَ السَّیِّدُ مُوْسٰی لِئَلَّا یَجْزَعَ اِذَا انْقَلَبَتْ حَیَّةً لَدٰی فِرْعَوْنَ **وَاضْمُمْ یَدَكَ** الْیُمْنٰی بِمَعْنَی الْكَفِّ **اِلٰی جَنَاحِكَ** اَیْ جَنْبِكَ الْاَیْسَرِ تَحْتَ الْعَضُدِ اِلَی الْاِبْطِ وَاَخْرِجْهَا **تَخْرُجْ** خِلَافَ مَا كَانَتْ عَلَیْهِ مِنَ الْاُدْمَةِ **بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ** اَیْ بَرَصٍ تُضِیْءُ كَشُعَاعِ الشَّمْسِ تَغْشَی الْبَصَرَ **اٰیَةً اُخْرٰی** ﴿۲۲﴾ وَهِیَ وَبَیْضَاءُ حَالَانِ مِنْ ضَمِیْرِ تَخْرُجْ **لِنُرِیَكَ** بِهَا اِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ لِاِظْهَارِهَا **مِنْ اٰیٰتِنَا** الْاٰیَةَ **الْكُبْرٰی** ﴿۲۳﴾ اَیِ الْعُظْمٰی عَلٰی رِسَالَتِكَ وَاِذَا اَرَادَ عَوْدَهَا اِلٰی حَالَتِهَا الْاُوْلٰی ضَمَّهَا اِلٰی جَنَاحِهٖ كَمَا تَقَدَّمَ وَاَخْرَجَهَا **اِذْهَبْ** رَسُوْلًا **اِلٰی فِرْعَوْنَ** وَمَنْ مَعَهٗ **اِنَّهٗ طَغٰی** ﴿۲۴﴾ جَاوَزَ الْحَدَّ فِیْ كُفْرِهٖ اِلَی ادِّعَاءِ الْاِلٰهِیَّةِ **قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ** ﴿۲۵﴾ وَسِّعْهُ لِتَحَمُّلِ الرِّسَالَةِ **وَیَسِّرْ** سَهِّلْ **لِیْٓ اَمْرِیْ** ﴿۲۶﴾ لِاُبَلِّغَهَا **وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ** ﴿۲۷﴾ حَدَثَتْ مِنِ احْتِرَاقِهٖ بِجَمْرَةٍ وَضَعَهَا وَهُوَ صَغِیْرٌ بِفِیْهِ **یَفْقَهُوْا** یَفْهَمُوْا **قَوْلِیْ** ﴿۲۸﴾ عِنْدَ تَبْلِیْغِ الرِّسَالَةِ **وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا** مُعِیْنًا عَلَیْهَا **مِّنْ اَهْلِیْ** ﴿۲۹﴾ **هٰرُوْنَ** مَفْعُوْلٌ ثَانٍ **اَخِی** ﴿۳۰﴾ عَطْفُ بَیَانٍ **اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِیْ** ﴿۳۱﴾ ظَهْرِیْ **وَاَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ** ﴿۳۲﴾ اَیِ الرِّسَالَةِ وَالْفِعْلَانِ بِصِیْغَتَیِ الْاَمْرِ اَوِ الْمُضَارِعِ الْمَجْزُوْمِ وَهُوَ جَوَابٌ لِلطَّلَبِ **كَیْ نُسَبِّحَكَ** تَسْبِیْحًا **كَثِیْرًا** ﴿۳۳﴾ **وَّنَذْكُرَكَ** ذِكْرًا **كَثِیْرًا** ﴿۳۴﴾ **اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا** ﴿۳۵﴾ عَالِمًا فَاَنْعَمْتَ بِالرِّسَالَةِ **قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی** ﴿۳۶﴾ مَنًّا عَلَیْكَ **وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْكَ مَرَّةً**

ع ۱۰

اُخْرٰی ﴿۳۷﴾ **اِذْ** لِلتَّعْلِيْلِ **اَوْحَيْنَآ اِلٰٓی اُمِّكَ** مَنَامًا اَوْاِلْهَامًا لَمَّا وَلَدَتْكَ وَخَافَتْ اَنْ يَّقْتُلَكَ فِرْعَوْنُ فِیْ
جُمْلَةِ مَنْ يُّوْلَدُ **مَايُوْحٰٓی** ﴿۳۸﴾ فِیْ اَمْرِكَ وَيُبْدَلُ مِنْهُ **اَنِ اقْذِفِيْهِ** اَلْقِيْهِ **فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ** بِالتَّابُوْتِ
فِی الْيَمِّ بَحْرِ النِّيْلِ **فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ** اَیْ شَاطِئَهٗ وَالْاَمْرُ بِمَعْنَی الْخَبَرِ **يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ**
وَهُوَ فِرْعَوْنُ **وَاَلْقَيْتُ** بَعْدَ اَنْ اَخَذَكَ **عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ** لِتُحَبَّ مِنَ النَّاسِ فَاَحَبَّكَ فِرْعَوْنُ وَكُلُّ مَنْ
رَاٰكَ **وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَيْنِیْ** ﴿۳۹﴾ تُرَبّٰی عَلٰی رِعَايَتِیْ وَحِفْظِیْ لَكَ **اِذْ** لِلتَّعْلِيْلِ **تَمْشِیْٓ اُخْتُكَ** مَرْيَمُ لِتَعْرِفَ
خَبَرَكَ وَقَدْ اَحْضَرُوْا مَرَاضِعَ وَاَنْتَ لَاتَقْبَلُ ثَدْیَ وَاحِدَةٍ مِنْهَا **فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی مَنْ يَّكْفُلُهٗ**
فَاُجِيْبَتْ فَجَاءَتْ بِاُمِّهٖ فَقَبِلَ ثَدْيَهَا **فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓی اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَيْنُهَا** بِلِقَائِكَ **وَلَا تَحْزَنَ** حِيْنَئِذٍ
وَقَتَلْتَ نَفْسًا هُوَالْقِبْطِیُّ بِمَصْرِ فَاغْتَمَمْتَ لِقَتْلِهٖ مِنْ جِهَةِ فِرْعَوْنَ **فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا**
اِخْتَبَرْنَاكَ بِالْاِيْقَاعِ فِیْ غَيْرِ ذٰلِكَ وَخَلَّصْنَاكَ مِنْهُ **فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ** عَشْرًا **فِیْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ** بَعْدَ مَجِيْئِكَ اِلَيْهَا
مِنْ مِصْرَ عِنْدَ شُعَيْبِ النَّبِیِّ وَتَزَوَّجَكَ بِاِبْنَتِهٖ **ثُمَّ جِئْتَ عَلٰی قَدَرٍ** فِیْ عِلْمِیْ بِالرِّسَالَةِ وَهُوَ اَرْبَعُوْنَ سَنَةً مِنْ
عُمُرِكَ **يٰمُوْسٰی** ﴿۴۰﴾ **وَاصْطَنَعْتُكَ** اِخْتَرْتُكَ **لِنَفْسِیْ** ﴿۴۱﴾ بِالرِّسَالَةِ **اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ** اِلَی النَّاسِ
بِاٰيٰتِیْ التِّسْعِ **وَلَا تَنِيَا** تَفْتَرَا **فِیْ ذِكْرِیْ** ﴿۴۲﴾ بِتَسْبِيْحٍ وَغَيْرِهٖ **اِذْهَبَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی** ﴿۴۳﴾ بِاِدِّعَاءِ
الرُّبُوْبِيَّةِ **فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا** فِیْ رُجُوْعِهٖ عَنْ ذٰلِكَ **لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ** يَتَّعِظُ **اَوْيَخْشٰی** ﴿۴۴﴾ اللّٰهَ فَيَرْجِعُ
وَالتَّرَجِّیْ بِالنِّسْبَةِ اِلَيْهِمَا لِعِلْمِهٖ تَعَالٰی بِاَنَّهٗ لَايَرْجِعُ **قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ** اَیْ يُعَجِّلَ
بِالْعُقُوْبَةِ **اَوْاَنْ يَّطْغٰی** ﴿۴۵﴾ عَلَيْنَا اَیْ يَتَكَبَّرُ **قَالَ لَاتَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ** بِعَوْنِیْ **اَسْمَعُ** مَايَقُوْلُ **وَاَرٰی**
﴿۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ **فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ** اِلَی الشَّامِ **وَلَا تُعَذِّبْهُمْ**
اَیْ خَلِّ عَنْهُمْ مِنْ اِسْتِعْمَالِكَ اِيَّاهُمْ فِیْ اَشْغَالِكَ الشَّاقَّةِ كَالْحَفْرِ وَالْبِنَاءِ وَحَمْلِ الثَّقِيْلِ **قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ**
بِحُجَّةٍ **مِّنْ رَّبِّكَ** عَلٰی صِدْقِنَا بِالرِّسَالَةِ **وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی** ﴿۴۷﴾ اَیِ السَّلَامَةُ لَهٗ مِنَ
الْعَذَابِ **اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ** بِمَا جِئْنَا بِهٖ **وَتَوَلّٰی** ﴿۴۸﴾ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاَتِيَاهُ
وَقَالَا لَهٗ جَمِيْعَ مَاذُكِرَ **قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰی** ﴿۴۹﴾ اِقْتَصَرَ عَلَيْهِ لِاَنَّهٗ الْاَصْلُ وَلِاِدْلَالِهٖ عَلَيْهِ بِالتَّرْبِيَّةِ
قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ مِنَ الْخَلْقِ **خَلْقَهٗ** الَّذِیْ هُوَ عَلَيْهِ مُتَمَيِّزٌ بِهٖ عَنْ غَيْرِهٖ **ثُمَّ هَدٰی** ﴿۵۰﴾
الْحَيَوَانَ مِنْهُ اِلٰی مَطْعَمِهٖ وَمَشْرَبِهٖ وَمَنْكَحِهٖ وَغَيْرِ ذٰلِكَ **قَالَ** فِرْعَوْنُ **فَمَا بَالُ** حَالُ **الْقُرُوْنِ** الْاُمَمِ **الْاُوْلٰی**
﴿۵۱﴾ كَقَوْمِ نُوْحٍ وَهُوْدٍ وَلُوْطٍ وَصَالِحٍ فِیْ عِبَادَتِهِمُ الْاَوْثَانَ **قَالَ** مُوْسٰی **عِلْمُهَا** اَیْ عِلْمُ حَالِهِمْ مَحْفُوْظٌ

عِنْدَ رَبِّىْ فِىْ كِتٰبٍ هُوَاللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ يُجَازِيْهِمْ عَلَيْهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَايَضِلُّ يَغِيْبُ رَبِّىْ عَنْ شَيْءٍ وَّ
يَنْسَى ﴿۵۲﴾ رَبِّىْ شَيْئًا هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ فِى جُمْلَةِ الْخَلْقِ الْاَرْضَ مَهْدًا فِرَاشًا وَّسَلَكَ سَهَّ
لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا طُرُقًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مَطَرًا قَالَ تَعَالٰى تَتْمِيْمًا لِمَا وَصَفَهٗ بِهٖ مُوْسٰى وَخِطَا
لِاَهْلِ مَكَّةَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا اَصْنَافًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾ صِفَةُ اَزْوَاجًا اَىْ مُخْتَلِفَةَ الْاَلْوَانِ وَالطُّعُوْ
وَغَيْرِهِمَا وَشَتّٰى جَمْعُ شَتِيْتٍ كَمَرِيْضٍ وَمَرْضٰى مِنْ شَتَّ الْاَمْرُ تَفَرَّقَ كُلُوْا مِنْهَا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ فِيْ
جَمْعُ نِعَمٍ هِىَ الْاِبِلُ وَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ يُقَالُ رَعَتِ الْاَنْعَامُ وَرَعَيْتُهَا وَالْاَمْرُ لِلْاِبَاحَةِ وَتَذْكِيْرِ النِّعْمَةِ وَالْجُمْلَ
حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ اَخْرَجْنَا اَىْ مُبِيْحِيْنَ لَكُمُ الْاَكْلَ وَرَعْىَ الْاَنْعَامِ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ مِنَّا لَاٰيٰتٍ لِّعِ
لِّاُولِى النُّهٰى ﴿۵۴﴾ لِاَصْحَابِ الْعُقُوْلِ جَمْعُ نُهْيَةٍ كَغُرْفَةٍ وَغُرَفٍ سُمِّىَ بِهِ الْعَقْلُ لِاَنَّهٗ يَنْهٰى صَاحِبَهٗ عَ
اِرْتِكَابِ الْقَبَائِحِ مِنْهَا اَىِ الْاَرْضِ خَلَقْنٰكُمْ بِخَلْقِ اَبِيْكُمْ اٰدَمَ مِنْهَا وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ مَقْبُوْرِيْنَ بَعْدَ الْمَوْ
وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ عِنْدَالْبَعْثِ تَارَةً مَرَّةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾ كَمَا اَخْرَجْنَاكُمْ عِنْدَ اِبْتِدَاءِ خَلْقِكُمْ وَلَقَدْ اَرَيْنٰ
اَىْ اَبْصَرْنَا فِرْعَوْنَ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا التِّسْعَ فَكَذَّبَ بِهَا وَزَعَمَ اَنَّهَا سِحْرٌ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾ اَنْ يُوَحِّدَ اللّٰهَ تَعَالٰى قَا
اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا مِصْرَ وَيَكُوْنُ لَكَ الْمُلْكُ فِيْهَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ
بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ يُعَارِضُهٗ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لِذٰلِكَ لَّانُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا مَنْصُوْ
بِنَزْعِ الْخَافِضِ فِىْ سُوًى ﴿۵۸﴾ بِكَسْرِ اَوَّلِهٖ وَضَمِّهٖ اَىْ وَسَطًا يَسْتَوِىْ اِلَيْهِ مَسَافَةُ الْجَائِىْ مِنَ الطَّرَفَيْنِ قَا
مُوْسٰى مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ يَوْمُ عِيْدٍ لَهُمْ يَتَزَيَّنُوْنَ فِيْهِ وَيَجْتَمِعُوْنَ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ يُجْمَعَ اَهْلُ مِصْ
ضُحًى ﴿۵۹﴾ وَقْتَهٗ لِلنَّظَرِ فِيْمَا يَقَعُ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ اَدْبَرَ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ اَىْ ذَوِىْ كَيْدِهٖ مِنَ السَّحَرَةِ ثُ
اَتٰى ﴿۶۰﴾ بِهِمُ الْمَوْعِدَ وَقَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَهُمُ اِثْنَانِ وَسَبْعُوْنَ اَلْفًا مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ حَبْلٌ وَعَصًا وَيْلَكُمْ اَ
اَلْزَمَكُمُ اللّٰهُ تَعَالَى الْوَيْلَ لَاتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا بِاِشْرَاكِ اَحَدٍ مَعَهٗ فَيُسْحِتَكُمْ بِضَمِّ الْيَ
وَكَسْرِ الْحَاءِ وَبِفَتْحِهِمَا اَىْ يُهْلِكَكُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖ وَقَدْ خَابَ خَسِرَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾ كَذَبَ عَلَ
اللّٰهِ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ فِىْ مُوْسٰى وَاَخِيْهِ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾ اَىِ الْكَلَامَ بَيْنَهُمْ فِيْهِمَا قَالُوْ
لِاَنْفُسِهِمْ اِنْ هٰذَيْنِ لِاَبِىْ عَمْرٍو وَلِغَيْرِهٖ هٰذَانِ وَهُوَ مُوَافِقٌ لِّلُغَةِ مَنْ يَاْتِىْ فِى الْمُثَنّٰى بِالْاَلِفِ فِىْ اَحْوَا
الثَّلَاثِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدَانِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳
مُؤَنَّثُ اَمْثَلَ بِمَعْنٰى اَشْرَفَ اَىْ بِاَشْرَافِكُمْ بِمَيْلِهِمْ اِلَيْهِمَا بِغَلَبَتِهِمَا فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ مِنَ السِّحْرِ بِهَمْزَ

وَصْلٍ وَفَتْحِ الْمِيْمِ مِنْ جَمَعَ اَىْ لَمَّ وَبِهَمْزَةِ قَطْعٍ وَكَسْرِ الْمِيْمِ مِنْ اَجْمَعَ اَحْكَمَ **ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا** حَالٌ اَىْ مُصْطَفِّيْنَ **وَقَدْ اَفْلَحَ** فَازَ **الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى﴿۶۴﴾** غَلَبَ **قَالُوْا يٰمُوْسٰى** اِخْتَرْ **اِمَّآ اَنْ تُلْقِىَ** عَصَاكَ اَىْ اَوَّلًا **وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى﴿۶۵﴾** عَصَاهُ **قَالَ بَلْ اَلْقُوْا** فَاَلْقَوْا **فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ** اَصْلُهُ عَصُوْوٌ قُلِبَتِ الْوَاوَانِ يَائَيْنِ وَكُسِرَتِ الْعَيْنُ وَالصَّادُ **يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا** حَيَّاتٌ **تَسْعٰى﴿۶۶﴾** عَلٰى بُطُوْنِهَا **فَاَوْجَسَ** اَحَسَّ **فِىْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى﴿۶۷﴾** اَىْ خَافَ مِنْ جِهَةِ اَنَّ سِحْرَهُمْ مِنْ جِنْسِ مُعْجِزَتِهٖ اَنْ يَلْتَبِسَ اَمْرَهٗ عَلَى النَّاسِ فَلَا يُؤْمِنُوْا بِهٖ **قُلْنَا** لَهٗ **لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى﴿۶۸﴾** عَلَيْهِمْ بِالْغَلَبَةِ **وَاَلْقِ مَا فِىْ يَمِيْنِكَ** وَهِىَ عَصَاهُ **تَلْقَفْ** تَبْتَلِعُ **مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ** اَىْ جِنْسِهٖ **وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى﴿۶۹﴾** بِسِحْرِهٖ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَتَلَقَّفَتْ كُلَّ مَا صَنَعُوْهُ **فَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا** خَرُّوْا سَاجِدِيْنَ لِلّٰهِ تَعَالٰى **قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى﴿۷۰﴾** قَالَ فِرْعَوْنُ **ءَاٰمَنْتُمْ** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا **لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ** اَنَا **لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمْ** مُعَلِّمُكُمْ **الَّذِىْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ** حَالٌ بِمَعْنٰى مُخْتَلِفَةٍ اَىِ الْاَيْدِى الْيُمْنٰى وَالْاَرْجُلَ الْيُسْرٰى **وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِىْ جُذُوْعِ النَّخْلِ** اَىْ عَلَيْهَا **وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ** يَعْنِىْ نَفْسَهٗ وَرَبَّ مُوْسٰى **اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى﴿۷۱﴾** اَدْوَمُ عَلٰى مُخَالَفَتِهٖ **قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ** نَخْتَارَكَ **عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ** الدَّالَّةِ عَلٰى صِدْقِ مُوْسٰى **وَالَّذِىْ فَطَرَنَا** خَلَقَنَا قَسَمٌ اَوْ عَطْفٌ عَلٰى مَا **فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ** اَىْ اَصْنَعْ مَا قُلْتَهٗ **اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴿۷۲﴾** اَلنَّصْبُ عَلَى الْاِتِّسَاعِ اَىْ فِيْهَا وَيَجْزِىْ عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرَةِ **اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا** مِنَ الْاِشْرَاكِ وَغَيْرِهٖ **وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ** تَعَلُّمًا وَعَمَلًا لِمُعَارَضَةِ مُوْسٰى **وَاللّٰهُ خَيْرٌ** مِنْكَ ثَوَابًا اِذَا اُطِيْعَ **وَّاَبْقٰى﴿۷۳﴾** مِنْكَ عَذَابًا اِذَا عُصِىَ قَالَ تَعَالٰى **اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا** كَافِرًا كَفِرْعَوْنَ **فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا** فَيَسْتَرِيْحُ **وَلَا يَحْيٰى﴿۷۴﴾** حَيَاةً تَنْفَعُهٗ **وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ** اَلْفَرَائِضَ وَالنَّوَافِلَ **فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى﴿۷۵﴾** جَمْعُ عُلْيَا مُؤَنَّثُ اَعْلٰى **جَنّٰتُ عَدْنٍ** اَىْ اِقَامَةٍ بَيَانٌ لَهٗ **تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى﴿۷۶﴾** تَطَهَّرَ مِنَ الذُّنُوْبِ

ع ۳ / ۱۲

ترجمہ:.........(اے محمد ﷺ) ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں (اس قرآن کے نازل ہونے کے بعد جو آپ پوری پوری رات عبادت کر کے اپنے آپ کو تعب میں مبتلا کر رہے ہیں، اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ قرآن

آپ پر اس لئے نازل نہیں ہوا کہ آپ کو کسی دشواری میں مبتلا کیا جائے) بلکہ یہ تو نصیحت ہے اس کے لئے جو ڈرتا ہے (یعنی ہم نے اسے اس لئے نازل کیا ہے کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں) نازل اس کی طرف سے ہوا جس نے پیدا کیا زمین اور بلند آسمانوں کو (تنزیلاً بدل ہے لفظوں میں اس فعل سے جو اسے نصب دے رہا ہے اور علی جمع علیا کی جیسے کبریٰ جمع کبر کی) وہ خدائے رحمٰن عرش پر قائم ہی (یعنی وہ قیام علی العرش جو اس کے مناسب اور حسب حال ہے۔ عرش کے لغوی معنی تخت شاہی کے ہیں) اس کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے اور جو ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کے نیچے ہے (یعنی نمناک مٹی۔ مراد زمین کے ساتوں طبقات ہیں، کیونکہ وہ نمناک مٹی کے نیچے ہیں) اور اگر تم پکار کر بات کہو تو وہ چپکے سے کہی ہوئی بات اور اس سے زیادہ چھپی ہوئی کو جانتا ہے۔ (یعنی اپنے آپ کو کسی دشواری میں ڈال کر اذکار اور دعا بہت بلند آواز سے نہ کیجئے، کیونکہ وہ تو آہستہ آواز کو سنتا ہے۔ جو خیال دل میں گزرا ہو اگر چہ اسے نہیں کیا گیا ہو) وہ اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے اچھے اچھے نام ہیں (یعنی وہ ننانوے نام جو احادیث میں آتے ہیں۔ حسنیٰ مؤنث ہے احسن کی) اور کیا آپ کو موسیٰ کی بھی خبر پہنچی ہے۔ جبکہ انہوں نے آگ دیکھی (مدین سے مصر سے آتے ہوئے) سو انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے ممکن ہے آگ لے آؤں یا آگ کے پاس راستہ پا جاؤں (یعنی شاید آگ کی روشنی میں راستہ کا کچھ پتہ چل جائے جو تاریکی کی وجہ سے بھول گئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے لعل کا لفظ استعمال کیا۔ اس وجہ سے کہ انہیں اس کا یقین نہیں تھا کہ میں آگ بھی لا سکوں گا یا نہیں۔ پس جب وہ اس کے پاس پہنچے (یعنی جھڑ بیری کے پاس) تو ان کو آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! میں تیرا پروردگار ہوں۔ (انی کے الف میں کسرہ اور فتحہ دونوں قرأت ہے۔ اگر کسرہ ہوگا تو اس وقت نودی کو معنی میں قیل کے لیا جائے گا اور اگر فتحہ پڑھیں گے تو ان سے پہلے با مقدر ماننا پڑے گا۔ انا انی کے یا کی تاکید کے لئے ہے) سو تم اپنی جوتیاں اتار ڈالو۔ بے شک تم ایک پاک میدان یعنی طویٰ میں ہو۔ (مقدس کے معنی پاک اور مبارک ہیں۔ طوی بدل ہے وادالمقدس سے یا عطف بیان ہے۔ دونوں صورت میں تنوین اور بغیر تنوین کے دونوں قرأت ہے۔ اگر تنوین پڑھیں گے تو اس وقت منصرف ہوگا اور چونکہ غیر منصرف ہیں دو سبب ہونا ضروری ہیں تو ایک اس میں سے علمیت ہے اور دوسرا سبب تانیث ہے۔ کیونکہ یہ معنی میں بقعة کے ہے) اور میں نے تمہیں منتخب کر لیا (تمہاری قوم میں سے) سو سنو جو کچھ وحی کی جا رہی ہے (میری جانب سے تم پر) بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ کوئی معبود نہیں میرے سوا، میری ہی عبادت کرو اور میری ہی یاد کی نماز پڑھا کرو۔ بلاشبہ قیامت آنے والی ہے۔ میں اسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں (یعنی قیامت کو لوگوں سے چھپانا چاہتا ہوں۔ البتہ قرب قیامت کی علامات بتا دیتا ہوں) تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ مل جائے (یعنی جو کچھ اس نے برائی یا نیکی کی ہے) سو تمہیں اس کی طرف سے ایسا شخص باز نہ رکھنے پائے، جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور جس نے اپنی خواہش کی پیروی کی (یعنی ایسا شخص جو قیامت پر ایمان نہیں لاتا ہے وہ تمہیں اس پر یقین رکھنے سے روکنے نہ پائے) ورنہ تم بھی تباہ ہو کر رہو گے۔ اور یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے۔ اے موسیٰ (یہ سوال پوچھنے کے لئے نہیں بلکہ اس سے مقصود معجزہ کا اظہار ہے) انہوں نے کہا کہ یہ میری لاٹھی ہے۔ میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں (پھلانگنے میں اور چلنے میں) اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں (یعنی درخت سے اس کے ذریعہ پتے گراتا ہوں تاکہ بکریاں اسے کھائیں) اور اس سے میرے اور بھی کام نکلتے ہیں۔ (مثلاً: توشہ اس پر اٹھاتا ہوں اور پانی۔ اسی سے سانپ وغیرہ مارتا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جواب میں لکڑی سے پوری ہونے والی ضروریات کا ذکر طویل کر دیا۔ مارب جمع ماربة کی ہے اور ر پر تینوں اعراب آسکتے ہیں جس کے معنی ضرورت کے ہیں) ارشاد ہوا کہ اسے ڈال دو اے موسیٰ پس انہوں نے اسے ڈال دیا۔ سو وہ ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا (باوجود ایک بڑا اور موٹا سانپ ہونے کے، چھوٹے سانپوں کی

طرح اپنی پیٹ کے بل تیز تیز رینگنے لگا۔ کیونکہ چھوٹے سانپوں کو دوسری آیت میں جان کہا گیا ہے) ارشاد ہوا کہ پکڑ لو اور ڈرو نہیں۔ ہم ابھی اسے اس کی پہلی حالت پر کر دیں گے۔ (خدا تعالیٰ کے حکم پر موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ سانپ کے منہ میں ڈال دیا، جس کے بعد وہ اپنی پہلی شکل میں لاٹھی بن گیا اور یہ بھی واضح ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اس موقعہ پر داخل کیا تھا جہاں سے لکڑی دوشاخہ تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ اس وجہ سے دکھایا گیا تا کہ جب یہ فرعون کے سامنے سانپ بنے تو موسیٰ گھبرائیں نہیں) اور تم اپنا ہاتھ بغل میں دے لو (یعنی اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی اپنے بائیں بازو کی بغل میں دبا لو۔ پھر جب اسے نکالو گے تو) وہ بلا کسی عیب کے روشن ہو کر نکلے گا (یعنی اس کے اندر آنکھوں کو چکا چوند کر دینے والی چمک پیدا ہوگی۔ اور خدانخواستہ یہ سفیدی برص وغیرہ کی وجہ سے نہیں تھی) یہ دوسری نشانی ہوئی (اية اخرى اور بيضاء یہ دونوں حال ہیں تخرج کی ضمیر سے) تا کہ ہم تمہیں اپنی نشانیوں میں سے کچھ دکھائیں (یعنی اگر تم اظہار معجزہ کرنا چاہو اپنی نبوت پر تو ہم بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں گے اور جب تم چاہو کہ ہاتھ اپنی اصلی حالت پر واپس آ جائے تو اسے پھر اپنی بغل میں لے جاؤ اور پھر نکال لو) اب تم فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے۔ (یعنی تم رسول بن کر فرعون اور اس کے متبعین کے پاس جاؤ کہ وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے اور دعوائے الوہیت میں وہ حد سے آگے بڑھ چکا ہے) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میرا حوصلہ اور فراخ کر دے (تا کہ میں بار نبوت برداشت کر سکوں) اور میرا کام مجھ پر آسان کر دے (یعنی تبلیغ کا کام) اور میری زبان سے لکنت دور کر دیجئے (جو بچپن میں آگ کے انگارہ کو منہ میں رکھنے سے ہو گئی تھی) تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں (جب میں انہیں دین کی بات پہنچاؤں) اور میرے کنبہ میں سے میرا ایک معاون مقرر کر دیجئے یعنی ہارون کو کہ میرے بھائی ہیں (هارون مفعول ثانی ہے اور اخی عطف بیان ہے) میری قوت کو ان کے ذریعہ مضبوط کر دیجئے اور ان کو میرے کام میں شریک کر دیجئے (یعنی رسالت میں اشدد واشرک یہ دونوں کے دونوں امر کے صیغہ ہیں اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ امر کا صیغہ نہیں بلکہ مضارع مجزوم ہے۔ کیونکہ طلب کا جواب ہے اور جواب طلب ہمیشہ مجزوم ہوا کرتا ہے) تا کہ ہم لوگ خوب کثرت سے تیری پاکی کریں اور تیرا ذکر خوب کثرت سے کریں۔ بے شک آپ ہم کو خوب دیکھ رہے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ تمہاری درخواست منظور کی گئی اے موسیٰ! اور ہم تو ایک دفعہ اور بھی تم پر احسان کر چکے ہیں جبکہ ہم نے تمہاری والدہ کو وہ بات الہام کی جو الہام ہی کئے جانے کے قابل تھی (اگلا جملہ مايوحى سے بدل واقع ہو رہا ہے۔ یعنی ہم نے تمہاری والدہ کو خواب میں یا الہام کے ذریعہ تمہارے بارے میں ایک تدبیر بتائی۔ جب انہوں نے تم کو جنا اور انہیں اس کا خوف تھا کہ کہیں فرعون تم کو بھی نہ مار ڈالے۔ جس طرح وہ دوسرے بچوں کو قتل کر رہا ہے) یہ کہ موسیٰ کو ایک صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو (یعنی دریائے نیل میں) پھر دریا انہیں کنارہ پر لے آئے گا تو ان کو وہ شخص پکڑ لے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور ان کا بھی دشمن ہے (یعنی فرعون) اور میں نے تمہارے او پر اپنی طرف سے محبت کا اثر ڈال دیا تھا (یعنی جب فرعون تم کو پکڑ کر لے گیا تو اس کے دل میں ہم نے تمہاری محبت پیدا کر دی اور اس شخص کے دل میں جو تمہیں دیکھتا تھا) اور تا کہ تم کو میری خاص نگرانی میں پرورش کیا جائے (تا کہ تمہاری پرورش میری نگرانی میں ہو اور میں تمہاری حفاظت کے سامان بہم پہنچادوں) جب کہ تمہاری بہن چلتی ہوئی آئیں۔ پھر بولیں کہ میں تمہیں ایسے کا پتہ دوں جو اس کو پال لے (تمہاری بہن مریم تمہارے تابوت کے پیچھے چلتی ہوئی آئیں تا کہ وہ دیکھ سکیں کہ تم کہاں پہنچائے جاؤ گے۔ اور جب تم فرعون کے محل میں پہنچ گئے اور تمہارے دودھ پلانے کے لئے دایہ کو بلایا گیا تو تم نے ان میں سے کسی کی چھاتی کو منہ نہیں لگایا تو تمہاری بہن نے حسن تدبیر سے انجان بنتے ہوئے کہا کہ میں کسی ایسی عورت کو بلا کر لاؤں جو اس کی پرورش کر سکتی ہو؟ اثبات میں جواب ملنے پر انہوں نے تمہاری والدہ کو بلایا۔ ان کی چھاتی کو تم نے فوراً منہ لگا لیا) تو ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس دوبارہ پہنچا دیا تا کہ وہ تمہیں اپنے قریب دیکھ کر مطمئن رہیں اور تمہاری طرف سے فکر مند نہ

ہوں اور تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا (یہ مصر کا باشندہ ایک قبطی تھا۔ ایک خاص واقعہ پر غیر ارادی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے مارا گیا۔ جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑا فکر دامن گیر تھا) تو ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی اور ہم نے تمہیں خوب خوب آزمائشوں میں ڈالا (اس کے علاوہ تم پر اور بھی آزمائشیں آئیں لیکن ہم نے اس سے تم کو نجات دلائی) پھر تم مدین والوں کے درمیان (دس) سال رہے۔ (مصر سے مدین آنے کے بعد تمہارا قیام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس رہا اور پھر انہوں نے تمہاری شادی اپنی لڑکی سے کردی) پھر تم اپنے وقت معین پر آ گئے۔ اے موسیٰ (اب تم عمر کے مرحلہ پر پہنچ گئے تھے جو رسالت کے لئے مناسب ہے) میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کرلیا (اور تم کو منصب رسالت پر فائز کرلیا) سو اب تم اور تمہارے بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ، (لوگوں کے پاس جاؤ اور تبلیغ کرو) اور میری یاد میں سستی نہ کرنا (میری تسبیح وتہلیل کرتے رہنا) فرعون کے پاس تم دونوں جاؤ۔ بے شک وہ حد سے تجاوز کر گیا ہے (خدائی کا دعویٰ کرکے) اس سے گفتگو نرم کرنا۔ شاید کہ وہ نصیحت قبول کرلے یا ڈر ہی جائے (تم تو تبلیغ کرتے ہوئے اس سے نرم بات کہنا۔ شاید وہ تمہاری بات مان جائے یا خدا سے ڈر کر دین حق کی طرف لوٹ آئے۔ یہاں خدا تعالیٰ نے نصیحت قبول کرنے اور خدا سے ڈرنے کی صرف توقع ظاہر کی ہے۔ وہ اس وجہ سے کہ خدا کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ وہ کبھی دین حق کی طرف نہیں لوٹ سکتا ہے) دونوں بولے اے ہمارے پروردگار! ہم کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے (اور سزا دینے میں جلدی نہ کرے) یا یہ کہ زیادہ سرکشی نہ کرنے لگے اور (متکبر نہ ہو جائے) اللہ نے کہا: تم ڈرو نہیں۔ تم دونوں کے ساتھ میں ہوں (یعنی میری مدد تمہارے ساتھ ہے) میں سنتا اور دیکھتا ہوں (جو کچھ وہ کرتا ہے اسے دیکھتا ہوں اور جو کچھ کہتا ہے اسے سن بھی رہا ہوں) تم اس کے پاس جاؤ، پھر اس سے کہو کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے قاصد ہیں۔ سو تم ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دے (ملک شام) اور انہیں دکھ نہ دے (یعنی جن مشقتوں میں تم نے انہیں ڈال رکھا ہے اور ان سے جو شاق کام لے رہا ہے انہیں اس سے رہائی دے) ہم تیرے پاس تیرے پروردگار کی طرف سے نشانیاں لے کر آئے ہیں (اپنے رسالت کی صداقت پر) اور سلامتی ہے اس کے لئے جو سیدھی راہ پر چلے (یعنی وہ عذاب سے محفوظ ہو جائے گا) ہمارے پاس تو وحی یہ آ چکی ہے کہ عذاب اسی کے لئے جو جھٹلائے اور روگردانی کرے (پس یہ دونوں حسب حکم فرعون کے پاس پہنچے اور انہوں نے اپنے فریضہ تبلیغ کو پورا کیا۔ جس پر فرعون نے) کہا کہ تو پھر اے موسیٰ! تم دونوں کا پروردگار کون ہے؟ (یہاں فرعون نے صرف موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب صرف اس وجہ سے کیا کہ اصل تو وہی تھے اور فرعون رب کا سوال کرکے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ جتانا چاہتا تھا کہ تمہارا رب میں ہوں۔ کیونکہ تم میری تربیت میں رہے ہو) موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی بناوٹ عطا فرمائی (جس سے کہ وہ دوسری چیزوں سے ممتاز ہو جائے) اور پھر اس کی رہنمائی کی (مثلاً حیوان وغیرہ کو کھانے پینے کی چیزوں کی تمیز عطا فرمائی۔ فرعون نے) کہا کہ اچھا تو پھر پہلے لوگوں کا کیا حال ہوا (یعنی قوم نوح، ہود، لوط اور صالح وغیرہ جو بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ ان کا کیا ہوا؟ موسیٰ علیہ السلام نے) کہا کہ انکا علم (یعنی ان لوگوں کے بتوں کی پرستش کا حال) میرے پروردگار کے پاس دفتر میں (محفوظ) ہے۔ یعنی لوح محفوظ میں سب کچھ محفوظ کرلیا گیا ہے۔ جس پر قیامت کے دن جزاء وسزا ملے گی) میرا پروردگار نہ بھٹک سکتا ہے اور نہ بھول سکتا ہے۔ یہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنادیا اور تمہارے لئے (چلنے کے واسطے) اس میں راستے بنا دیئے اور آسمان سے پانی اتارا (پھر خدا تعالیٰ نے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام کو مکمل کرتے ہوئے اہل مکہ کو خطاب کیا کہ) پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف قسم کے طرح طرح کے نباتات پیدا کئے (شتی صفت ہے ازواجاً کی یعنی مختلف رنگ اور مختلف مزہ کی چیزیں پیدا کیں۔ شتی جمع ہے شتیت کی۔ جیسے مریض کی جمع مرضی آتی ہے) کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ (یعنی ان نعمتوں کو تم بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ۔ انعام

جمع ہے نعم کی۔ جس کے معنی چوپایہ۔ عربی لغت میں اس کا استعمال لازم اور متعدی دونوں طرح ہوتا ہے یہاں پر واعوا انعامکم میں حکم جواز کیلئے ہے۔ جس سے مقصود اپنی نعمتوں کی یاددہانی بھی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ کھانا واجب نہیں بلکہ جائز ہے۔ کھا سکتے ہو اور کھلا سکتے ہو۔ یہ سب کے سب حال ہیں اخرجنا کی ضمیر سے) بے شک اس سارے (نظام) میں اہل عقل کے لئے دلیلیں موجود ہیں۔ (اہل عقل کو مخاطب کیا اس وجہ سے کہ صاحب عقل کو اچھائی اور برائی میں تمیز کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ نھی جمع ہے نھیۃ کی۔ جیسے غرفۃ کی جمع غرف ہے) اسی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا (یعنی اس مٹی سے ہم نے تمہارے باپ آدم کو پیدا کیا تھا) اور اسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے (مرنے کے بعد اسی مٹی کی قبر میں جانا ہے) اور اسی میں سے تمہیں دوبارہ پھر نکالیں گے۔ (یعنی بعث بعد الموت کے وقت اس مٹی سے ہم تمہیں وجود میں لے آئیں گے جس طرح کہ ابتدائے پیدائش کے وقت ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا تھا) اور ہم نے اسے ساری ہی نشانیاں دکھلا دیں۔ لیکن وہ جھٹلاتا ہی رہا اور انکار ہی کرتا رہا (یعنی وہ ان ساری نشانیوں کو سحر و جادو سمجھ کر جھٹلاتا رہا اور خدا کی وحدانیت کو قبول کرنے سے انکار کرتا رہا۔ پھر فرعون نے) کہا کہ اے موسیٰ! تو تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمیں ہماری سرزمین سے اپنے جادو (کے زور) سے نکال دو (تم یہ چاہتے ہو کہ تم ہمیں ہماری سرزمین مصر سے نکال کر خود اس کے بادشاہ بن بیٹھو) سو اب ہم بھی تمہارے مقابلہ میں ایسا ہی جادو لاتے ہیں (جو تمہارا مقابلہ کرے) تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدہ گاہ مقرر کر لو جس کے نہ ہم خلاف کریں اور نہ تم۔ ایک ہموار میدان میں (سوی کے س کو کسرہ اور ضمہ دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے جس کے معنی بیچ کے ہیں۔ یعنی ایک ایسی جگہ جہاں طرفین کو آنے میں مساوی مسافت طے کرنا پڑے۔ موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا کہ تم سے وعدہ میلے کے دن کا رہا۔ جس میں لوگ دن چڑھے جمع ہو جاتے ہیں (یہ اس وجہ سے تاکہ لوگ اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیں) غرض فرعون واپس ہو گیا۔ پھر اپنے مکر کا سامان جمع کرنا شروع کیا اور پھر آیا (یعنی اپنے جادوگروں کو جمع کر کے طے شدہ جگہ پر آیا) موسیٰ نے ان لوگوں سے کہا (جن کی تعداد بہتر ہزار تھی اور ہر ایک کے پاس ایک لاٹھی اور ایک رسی تھی) اے کمبختی مارو، خدا پر جھوٹ افتراء نہ کرو (کسی کو اس کا ساجھی بنا کر) ورنہ وہ تمہیں عذاب سے نیست و نابود کر دے گا اور جو کوئی جھوٹ باندھتا ہے وہ ناکام ہی رہتا ہے (یعنی جو خدا تعالیٰ کی تکذیب کرتا ہے وہ ہمیشہ ناکام رہتا ہے۔ فیسحتکم میں ایک قرأت ی کو پیش اور ح کو زیر کی ہے اور دوسری قرأت میں دونوں کو فتحہ) پھر وہ اپنی رائے میں آپس میں اختلاف کرنے لگے (یعنی موسیٰ وہارون علیہما السلام کے بارے میں ان جادوگروں کی رائے میں اختلاف پیدا ہو گیا) اور خفیہ مشورہ کرنے لگے (یعنی آپس میں ان دونوں کے بارے میں گفتگو کرنے لگے پھر) بولے۔ بے شک یہ دونوں بھی جادوگر ہی ہیں (ابوعمرو اور اس کے علاوہ دوسرے نحوی بجائے ھٰذین کے ھٰذان پڑھتے ہیں اور وہ پہلا یعنی ھذین لغت کے موافق ہے۔ کیونکہ مثنیٰ میں جب کہ وہ الف کے ساتھ ہو، تینوں حالتوں میں ھذین و ھذان پڑھا جا سکتا ہے) اور یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہاری سرزمین سے اپنے جادو (کے زور) سے نکال دیں اور تمہارے عمدہ طور وطریق ہی مٹا دیں (مثلی مؤنث امثل کی۔ جس کے معنی بہتر اور عمدہ کے ہیں۔ یعنی جب یہ اپنے جادو کے ذریعہ ہم لوگوں کو مغلوب کر دے گا تو ہماری کوئی حیثیت ہی باقی نہیں رہے گی) سو اب سب مل کر اپنی تدبیر کا انتظام کرو اور صفیں آراستہ کر کے آؤ۔ (اجمعوا ہمزہ وصل اور میم کے فتحہ کے ساتھ پڑھیں تو یہ جمع سے ہوگا۔ جس کے معنی اتر آنا۔ اور اگر ہمزہ غیر وصلی ہو اور میم پر کسرہ ہو تو اجمع سے ماخوذ ہوگا۔ جس کے معنی طے کرنا، ارادہ کرنا) کہ آج کامیابی اسی کی ہے جو غالب آئے۔ پھر انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ! آپ پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالنے والے بنیں۔ (یعنی اے موسیٰ! تم کو اختیار ہے کہ چاہے تم اپنی لاٹھی پہلے زمین پر ڈالو یا پھر ہم ڈالیں) آپ نے فرمایا: نہیں تم ہی پہلے ڈالو۔ پس یکا یک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں موسیٰ کے خیال میں ان کے جادو کے زور سے ایسی نظر آنے لگیں کہ وہ گویا دوڑ پھر رہی

ہیں۔(عصی کی اصل عصوو تھا دو واؤ کو دو یا میں بدل دیا اور ع و ص کو کسرہ دے دیا) اس سے موسیٰ نے اپنے دل میں کچھ اندیشہ محسوس کیا (یعنی موسیٰ علیہ السلام کو اس بات کا اندیشہ ہوا کہ کہیں ان کا جادو از قبیل معجزہ نہ ہو اور اس صورت میں وہ معاملہ خلط ملط ہو جائے گا اور حق کو غلبہ نہ ہو سکے گا تو لوگ ایمان نہیں لائیں گے) ہم نے کہا ڈرو نہیں۔غالب تو یقیناً تم ہی رہو گے۔یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں جو ہے اسے ڈال دو (یعنی لاٹھی کو) ان لوگوں نے جو کچھ (سوانگ) بنایا ہے یہ سب کو نگل جائے گا۔جو کچھ بنایا ہے جادوگروں کا سوانگ ہے اور جادوگر کہیں جائے کامیاب نہیں ہوگا (جس پر موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ سب کچھ جو انہوں نے کیا تھا سب کو نگل گیا) پھر تو وہ سجدہ میں گر گئے۔(یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے زمین پر گر پڑے) اور بول اٹھے کہ ہم تو ایمان لے آئے ہارون وموسیٰ کے پروردگار پر۔(فرعون نے) کہا کہ تم اس پر ایمان لے آئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں۔ء امنتم میں دو قرأت ہے۔ایک قرأت دونوں ہمزہ کے باقی رکھنے کی۔دوسری قرأت دونوں ہمزہ کو الف سے بدل دینے کی) بے شک وہ تمہارا بھی بڑا ہے (یعنی تمہارا معلم ہے) جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔سو میں تمہارے ہاتھ پیر کٹواتا ہوں۔مخالف جانب سے (یعنی داہنا ہاتھ بایاں پاؤں) اور تمہیں کھجور کے درختوں پر سولی چڑھاتا ہوں اور یہ بھی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ ہم دونوں میں (یعنی مجھ میں اور موسیٰ کے رب میں) کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔(جادوگر) بولے کہ ہم تم کو کبھی ترجیح نہ دیں گے۔ان دلائل کے مقابلہ میں جو ہم کو مل چکے ہیں (موسیٰ کی سچائی پر) اور بمقابلہ اس ہستی کے جس نے ہمیں پیدا کیا۔تجھ کو جو کچھ کرنا ہے کر ڈال (یعنی تم نے جو کچھ کہا اسے کر لے) تو تو بس اس دنیا ہی کی زندگی میں (جو کچھ کرنا ہے) کر سکتا ہے۔(حیوٰۃ الدنیا پر نصب بنزع الخافض ہے۔یعنی دنیا میں سب کچھ کر سکتا ہے اور آخرت میں پھر تجھ کو اس کا بھگتان بھگتنا پڑے گا) ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہمارے گناہ معاف کرے (یعنی شرک وغیرہ) اور جو تو نے ہم پر جادو کے بارے میں زور ڈالا (اس کو بھی یعنی جو کچھ بھی ہم نے جادو وغیرہ کیا اور موسیٰ کے مقابلہ پر آئے اسے بھی خدا معاف کرے گا) اور اللہ ہی بہتر ہے (باعتبار بدلہ کے اگر اس کی اطاعت کی جائے) اور پائندہ ہے (یعنی تم سے زیادہ دیرپا اس کا عذاب ہے۔اگر اس کی نافرمانی کی جائے) خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی بھی اپنے پروردگار کے پاس مجرم ہو کر حاضر ہوگا (کفر کرنے والا ہوگا جیسے فرعون) تو اس کے لئے دوزخ ہے۔نہ تو اس میں موت ہی ہوگی کہ (گلو خلاصی کا امکان ہو) اور نہ پر لطف زندگی ہوگی (کہ زندگی کے مزے ہی اڑائے) اور جو کوئی اس کے پاس مومن ہو کر حاضر ہوگا، جس نے نیک کام بھی کئے ہوں (فرائض ونوافل کا اہتمام کیا ہو) سو ایسوں کے لئے بڑے اونچے درجے ہیں (علی جمع ہے علیا کی اور اس کی مؤنث اعلیٰ ہے) یعنی ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں (یہ بیان ہے درجات علی کا) جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی انعام ہے ان کا جو پاک ہوا (یعنی جو گناہوں سے الگ رہا)۔

تحقیق وترکیب:............طٰہٰ . یہ حروف مقطعات میں سے ہے۔حضرت ابن عباسؓ اور متعدد تابعیؒ اس کے معنی یارجل کے کرتے ہیں۔

استواء کے معنی استیلاء ہیں۔جس سے مراد اقتدار واختیار ہے۔

سمٰوٰت العلیٰ. آسمان میں خود بلندی کا مفہوم ہے۔اس کی صفت علی لانے سے تاکید مقصود ہے۔

ثریٰ. وہ گیلی مٹی جو سطح زمین سے نیچے ہو۔سِرُ . جسے انسان اپنے دل میں چھپائے رکھے۔

اخفیٰ. وہ ہے جس کا علم خود انسان کو بھی نہ ہو۔

اذ را نارا. یہ ظرف ہے۔ایک مقدر عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ دیکھی تو یہ واقعہ پیش

آیا اور بعض کہتے ہیں کہ ایک مقدر مقدم کا مفعول ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی کہ اس وقت کی داستان یاد کیجئے جب موسیٰ علیہ السلام نے آگ دیکھی۔

امکثوا صیغہ جمع ہے یعنی اپنی بیوی بچے اور خادم جو ساتھ تھے اسے مخاطب کیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ محض تعظیم کے لئے ہو اور مخاطب صرف ان کی بیوی ہو۔ جس سے مقصود اظہار عزت و تعظیم ہو۔

نودی یموسیٰ. جب یہ ندائے غیبی آئی تو شیطان نے موسیٰ علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ یہ آواز شیطان کی ہے۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام اس دھوکہ میں نہ آئے اور کہا کہ یہ آواز تو ہر چہار جانب سے آ رہی ہے بلکہ ہر اعضاء سے۔ اس لئے یہ خدا ہی کی آواز ہے۔ طویٰ نام ہے ایک میدان کا شام میں۔

لتجزیٰ کا تعلق آتیۃ سے ہے۔ اکاد اخفیھا درمیان میں بطور جملہ معترضہ کے آ گیا ہے۔

صدری. صدر کے لفظی معنی سینہ کے ہیں۔ لیکن بعض مفسرینؒ نے لکھا ہے کہ جہاں کہیں بھی قرآن نے صدر کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے مراد علم و عقل کے ہیں اور بعض نے جرأت و ہمت کے معنی لئے ہیں۔

ازری. ازر کے لغوی معنی طاقت وقوت اور پشت کے ہیں۔ **عینی** میں اضافت اختصاص کے لئے ہے کہ تم میری خاص نگرانی میں پرورش پاؤ گے ورنہ تو ساری ہی چیزیں خدا تعالیٰ کی نگرانی میں ہیں۔

ایتی. سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو ملے تھے۔

اذھبا الی فرعون. میں تثنیہ کی ضمیر لائی گئی ہے۔ حالانکہ اس وقت حضرت ہارون علیہ السلام وہاں موجود نہ تھے بلکہ وہ مصر میں تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عین اسی وقت میں جب یہ کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہو رہا تھا تو حضرت ہارون علیہ السلام بھی جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے سن رہے تھے۔

اننی معکما. معیت سے مراد کمال حفظ ونصرت الٰہی ہے۔

بایۃ من ربک. میں آیت کی تنوین سے مراد جنس معجزہ ہے نہ کہ کوئی ایک معجزہ۔

قولا لینا. نرم بولی۔ **ثم ھدی** سے مراد جس مقصد کے لئے اس مقصد کو پیدا کیا۔ اسی طرف سے اسے لگا بھی دیا۔

کلوا وارعوا. یہ حال ہے اخرجنا کی ضمیر سے اور امر سے مراد اباحت ہے کہ تم بھی کھا سکتے ہو۔ اور اپنے جانوروں کو بھی چرا سکتے ہو۔

منھا خلقنکم سے مراد یا تو انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہے یا یہ کہ ہر شخص کے نطفہ میں اجزاء مٹی ہوتے ہیں اور وہ اس طرح پر کہ انسان جو بھی غذا کھاتا ہے ان سب کا تعلق زمین ہی سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کے اندر مٹی کے اجزاء پائے گئے۔

سویٰ کے ایک معنی ہموار میدان اور دوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ وہ میدان جو دونوں فریقوں سے نصف نصف مسافت پر ہو۔

مثلیٰ. امثل کا مؤنث ہے جس کے معنی خوب روشن اور واضح کے ہیں۔

اجمعوا کیدکم. میں اجمعوا کے ایک تو وہی مشہور معنی ہیں کہ جمع ہو کر نکلو۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ خوب مضبوط ہو کر نکلو۔

خیفۃ کے نکرہ لانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اندیشہ کچھ زیادہ نہیں تھا بلکہ معمولی سا پیدا ہوا تھا۔

صنعوا. یہاں بنا کر کھڑا کرنے کے معنی میں ہے۔ **کید ساحر.** میں ساحر نکرہ آیا۔ مراد وہ خاص سحر ہے جس سے ان ساحروں نے کام لیا تھا۔ **تزکی.** یعنی کفر وعصیان سے پاک ہوا۔

ربط:............ یاد کیجئے کہ سورۂ طٰہٰ سے پہلے سورۂ مریم گزر چکی ہے۔ جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیرت انگیز پیدائش کا مفصل ذکر ان کوتاہ اندیش اور ناقص الفکر لوگوں کے لئے انتباہ ہے جو اصحاب کہف کے واقعہ کو کائنات کا سب سے بڑا عجوبہ سمجھتے تھے۔ پھر تمام قوتوں، قدرتوں اور طاقتوں کا خود کو مرکز وحید ثابت فرما کر الوہیت عیسیٰ کے نظریہ پر ضرب کاری لگائی تھی اور تثلیث کے نظریہ کو بھی باطل قرار دیا تھا اور بتایا تھا کہ خدا تعالیٰ کے بیٹے کا اثبات ایک ایسا بدترین جرم ہے جس پر زمین وآسمان پھٹ سکتے ہیں۔ سورۂ مریم کے خاتمہ پر اس نظریہ کی ملعونیت کو ذرا زیادہ واضح کیا گیا۔ ایک حق پرست انسان جب حقائق پر مطلع ہوتا ہے تو اس حقانیت کو دوسروں تک منتقل کرنے کے لئے اپنی جان جوکھوں میں ڈال دیتا ہے۔

آنحضور ﷺ تبلیغ کی اس پرخار وادی سے خود کو گزار رہے تھے۔ اس پر سورۂ طٰہٰ میں تنبیہ فرمائی گئی کہ نزول قرآن جو حقائق سے لبریز ایک کتاب ہے، آپ کو کسی مشقت میں ڈالنے کے لئے نہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ تبلیغ میں اعتدال اختیار کیجئے۔ اپنے ذہن وجسم کو خواہ مخواہ کی مشقت میں مت ڈالئے۔ بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی تلاوت باآواز بلند فرماتے جو بجائے خود نفس کے لئے شاق تھا۔ اس پر بھی تنبیہ فرمائی گئی کہ خدا علیم وخبیر دانا وبینا ہے۔ آواز کا جہر وخفا اس تک اپنی آواز پہنچانے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

یہود نزول قرآن کو مستبعد گردانتے۔ اس لئے سورۂ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نزول وحی کا واقعہ بھی مفصل آ گیا۔ جس سے یہ بتانا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کا نزول تسلیم کرنے والے وحی محمدی کو تعجب انگیز کیوں سمجھ رہے ہیں۔ اس طرح اگر سورۂ مریم عیسائیوں کے انکار کی تردید میں تھی تو سورۂ طٰہٰ یہود کے باطل مزعومات کے لئے ایک تردید ہے۔ سورۂ کہف میں اصحاب کہف کی حفاظت جان، مومن باپ کے ایمان کی حفاظت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نرغہ اعداء میں محفوظ ہونے کی تفصیل زیر گفتگو تھی۔ تو سورۂ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ابتدائی پیدائش سے جو حفاظتی اقدامات فرعون کے مقابلہ تک کئے گئے ان سب کا ذکر ہے۔ اس طرح یہ تینوں سورتیں متحد المباحث ہو گئیں۔

شان نزول:............ سورۂ طٰہٰ کے شان نزول کی چند وجوہ ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ آنحضور ﷺ نماز پڑھتے وقت ایک پاؤں زمین پر رکھتے اور دوسرا پیر اٹھائے رکھتے تو یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ دونوں پیر زمین پر رکھا کرو۔ قرآن کے نازل کرنے کا مقصد آپ کو کسی پریشانی میں مبتلا کرنا نہیں۔

ایک وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ نزول قرآن کے بعد جب آنحضور ﷺ اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن پر عمل شروع کیا تو مشرکین آپس میں کہنے لگے کہ یہ تو اچھی خاصی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔ تو اس پر یہ سورت نازل ہوئی کہ قرآن مجید اتارنے کا مقصد کسی پریشانی میں ڈالنا نہیں ہے بلکہ یہ قرآن تو نیکوں کے لئے عبرت ہے۔ جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔ یہ دوسرا شان نزول زیادہ صحیح اور حقیقت پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔

﴿تشریح﴾:............ اس سورت میں خدا تعالیٰ آنحضور ﷺ کو مخاطب کر کے فرما رہے ہیں کہ آپ کا کام تو صرف تبلیغ ہے۔ جسے ماننا ہوگا مانے گا اور جسے نہ ماننا ہوگا وہ نہ مانے گا۔ کافروں کے انکار پر زیادہ غم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح شب بیداری میں ضرورت سے زیادہ مشقت وپریشانی نہ اٹھائیے۔ یہ قرآن پاک آپ کو کسی مشقت وپریشانی میں ڈالنے کے لئے ہم نے

نہیں اتارا ہے۔

اور بعضوں نے کہا ہے کہ امت کو خطاب کرنا مقصود ہے۔ اس صورت میں معنی ہوں گے کہ اے مومنو! قرآن کے اتارنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم حالت محرومی و مغلوبی میں رہو۔ یہ قرآن شقاوت و بدبختی کی چیز نہیں۔ بلکہ اس قرآن کے اتارنے کا مقصد تو بھلائی و خیر خواہی اور اصلاح کرنا ہے لیکن اس سے وہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن کے دل میں خدا کا خوف اور ڈر ہو۔

یہ قرآن تیرے رب کا کلام ہے اسی کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ جس نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا۔ احادیث میں ہے کہ ہر آسمان کی جسامت پانچ سو سال کی ہے اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کا فاصلہ پانچ سو سال کا ہے۔ خدا تعالیٰ عرش پر قائم ہے۔ سلامتی کا طریقہ یہی ہے کہ تمام ان آیات کو جو خدا تعالیٰ کی صفات سے متعلق ہیں انہیں ان کے ظاہری الفاظ کے مطابق ہی مانا جائے۔ اس کی تحقیق و تفتیش نہ کی جائے اور نہ کوئی تمثیل و تشبیہ دینے کی ضرورت ہے۔ خدا تعالیٰ ہی تمام چیزوں کا خالق اور مالک ہے۔ چاہے وہ آسمان پر ہو، زمین پر ہو یا ان دونوں کے درمیان ہو یا زمین کے بھی نیچے ہو۔ گویا یہاں مقصود خدا تعالیٰ کی قدرت اور وسعت سلطنت کو بیان کرنا ہے۔

اب تک خدا تعالیٰ کی قدرت کا بیان تھا اور اب اس کے علم کا بیان ہو رہا ہے کہ خدا وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کے نیچے کی چیزوں کو جانتا ہے اور اسے پوشیدہ و مخفی در مخفی چیزوں کا بھی علم ہے۔ جسے خود انسان بھی نہیں جانتا۔ اور اعلیٰ صفتیں اور بہترین نام اسی کے ہیں۔ یعنی باعتبار ذات کے وہ بالکل منفرد ہے۔ اگرچہ اسمائے صفاتی بہت ہیں۔

قصہ موسیٰ علیہ السلام: .... یہاں سے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ شروع ہو رہا ہے۔ جس وقت وہ اپنی بیوی کو رخصت کرا کے مدین سے مصر لے جا رہے تھے۔ سردیوں کی رات تھی۔ اندھیرا چھیل رہا تھا اور راستہ بھی بھول گئے تھے۔ تو چلتے ہوئے دور سے پہاڑ سے آگ جلتی ہوئی نظر آئی۔ جیسا کہ سردی کی راتوں میں یہ دستور ہے کہ لوگ جنگلوں میں آگ جلا کر تاپتے ہیں۔ تو حضرت موسیٰ نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو۔ میں جاتا ہوں۔ شاید کچھ آگ مل جائے۔ جس سے تم تاپ سکو۔ یا وہاں کوئی آدمی ہو تو اس سے راستہ کا کچھ پتہ چل جائے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس پہنچے تو اس میدان کے دائیں جانب کی جھاڑیوں کی طرف سے آواز آئی۔ کہ اے موسیٰ! میں تمہارا رب ہوں، تم اپنی جوتیاں اتار دو۔ اس آواز کے منجانب اللہ ہونے اور اس کی کیفیت کے بارے میں بہت اختلاف ہے اور مختلف بحثیں ہیں۔ لیکن محققین کی رائے یہی ہے کہ اس آواز کی کیفیت کا نہ کہیں قرآن و حدیث میں ذکر آیا ہے اور نہ قیاس ہی سے کچھ بتایا جا سکتا ہے۔ البتہ حضرت موسیٰ کو اس کا یقین ہو گیا تھا کہ یہ خدا ہی کی آواز ہے اور نعلین کے اتار دینے کا حکم اس وجہ سے ہو کہ شاید وہ جوتے ناپاک ہوں یا کہ ادباً و احتراماً اس کا حکم ملا ہو۔ یا پھر یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ اس بابرکت و مقدس جگہ پر پاؤں پڑے تو اس سے مزید برکت حاصل ہو۔ ان میں زیادہ صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام مقدس کی تعظیم کرانا مقصود تھا۔ جیسا کہ خود آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ انک بالواد المقدس طوی کہ بے شک تم ایک پاک میدان طوے میں ہو۔

جب تمہیدی کلمات کے ذریعہ حضرت موسیٰ کے قلب کو تجلیات ربانی کے متحمل کرنے کے قابل بنا دیا تو اس کے بعد رسالت کا تاج ان پر ڈالا گیا اور فرمایا گیا کہ میں نے تمہیں رسالت کے لئے منتخب کر لیا ہے۔ اس لئے اب وحی کے ذریعہ جو احکامات مل رہے ہیں انہیں غور سے سنو۔ اور سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ میری ہی عبادت کرو۔ کسی اور کی عبادت نہ کرو اور میری یاد کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ نمازیں پڑھا کرو۔ یا یہ کہ جب میری یاد آ جائے تو نمازیں پڑھ لیا کرو۔

بہر حال اصل مقصود یاد الٰہی کو دل میں قائم رکھنا تھا۔ اس سے قبل توحید و رسالت کا ذکر آیا تھا۔ اب اس کے بعد عقیدہ کی تعلیم

دی جارہی ہے کہ ایک دن قیامت آنے والی ہے۔ جس کے وقت متعین کا علم سوائے خدا تعالیٰ کے کسی اور کو نہیں ہے اور اس قیامت کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو ان کے کئے ہوئے کا بدلہ مل جائے، اچھے کاموں کی جزا اور برے کاموں کی سزا دینے کے لئے یہ یوم موعود آئے گا۔ پھر حضرت موسیٰ کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم دشمنان دین کے دھوکہ میں آ کر کہیں فکر آخرت سے غافل نہ ہو جانا۔ ورنہ باوجود تمہارے پیغمبر ہونے کے خدائی قانون کے مطابق تم بھی سزا سے بچ نہیں سکو گے۔

معجزات: .... حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کا ذکر ہے۔ جس کا ظہور بغیر قدرت خداوندی کے ممکن نہیں تھا۔ حضرت موسیٰ سے پوچھا گیا کہ یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے۔ جس کی جواب میں حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ یہ لاٹھی ہے اور اس سے یہ یہ فائدے ہیں۔ اور اس سے فلاں فلاں کام لیتا ہوں۔ ممکن ہے یہ سوال اس وجہ سے ہو کہ لاٹھی اور اس کے فوائد موسیٰ کے ذہن میں از سرنو تازہ ہو جائیں اور اس کے بعد جو انقلاب ہونے والا ہے۔ اس کا خارق عادت ہونا زیادہ نمایاں ہو جائے۔

حکم ہوا کہ اس لاٹھی کو زمین پر ڈال دو، ڈالنا تھا کہ وہ ایک سانپ کی شکل اختیار کر گیا۔ جسے دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام بہت خوف زدہ ہوئے اور الٹے پاؤں بھاگ پڑے۔ اور آپ کا ڈرنا آپ کی جلالت شان کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک طبعی خوف و ڈر تھا جس سے انبیاءؑ بھی خالی نہیں کیونکہ وہ بھی تو انسان ہی ہیں۔ نیز اگر اس طرح کا کوئی حادثہ مخلوق کی جانب سے ہو تو نہ ڈرنا کمال ہے۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام آتش نمرود سے نہیں ڈرے۔ لیکن اگر وہی حادثہ خالق کی طرف سے ہو تو اس سے ڈرنا ہی کمال ہے۔ کیونکہ خدانخواستہ کہیں یہ قہر الٰہی نہ ہو۔ آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! پکڑ لو ہم اسے اس کی اصلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ یہ حکم سن کر ڈرتے ڈرتے انہوں نے اس پر ہاتھ ڈال دیا۔ تو وہ پھر لاٹھی کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ حضرت موسیٰ کو دوسرا معجزہ ملا۔ اور حکم ہوا کہ اپنا ہاتھ بغل میں لے جاؤ اور نکال لو۔ چاند کی طرح سفید ہو کر نکلے گا اور یہ سفیدی خدانخواستہ کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہوگی۔ بلکہ یہ تو ایک معجزہ ہے۔

قرآن مجید کو من غیر سوء کی اس وجہ سے تصریح کرنی پڑی کہ توریت میں واقعہ کو مسخ کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو برص کا مریض بتایا گیا ہے۔ تو گویا پہلا معجزہ لاٹھی کے سانپ بن جانے کا تھا۔ اور دوسرا معجزہ یہ تھا کہ ہاتھ چمک دار ہو جاتا تھا۔ یہ دونوں معجزے اس وقت آپ کو اس وجہ سے ملے تھے تاکہ آپ بعد میں آنے والی دوسری بڑی بڑی نشانیوں پر یقین کر لیں۔

عرض ومعروض: .... اس کے بعد حکم ملا کہ تم فرعون کے پاس مصر جاؤ اور اسے سمجھاؤ بجھاؤ اور اسے دین کی تبلیغ کرو۔ کیونکہ وہ حد سے آگے بڑھ گیا ہے اور سرکشی و نافرمانی میں بہت تجاوز کر گیا ہے۔ جس پر حضرت موسیٰ نے درخواست کی کہ اے خدا! میرا حوصلہ فراخ کر دیجئے تاکہ اگر تبلیغ کرنے میں فرعون کی طرف سے کوئی مخالفت پیش آئے تو اسے ہم فراخ حوصلگی کے ساتھ برداشت کر سکیں اور رسالت کے اس بار عظیم کا تحمل پوری طرح کر سکیں۔ نیز تبلیغ کا یہ کام میری لئے آسان کر دے۔ یعنی کامیابی کے اسباب غیب سے مہیا کر دے اور ناکامی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ مزید درخواست یہ ہے کہ میری زبان سے لکنت کو دور فرما دیجئے۔ تاکہ میں اچھی طرح لوگوں کے سامنے وعظ و نصیحت کر سکوں اور وہ میری بات کو بآسانی سمجھ سکیں۔ اور اسی کے ساتھ میری ایک مدد یہ اور فرمایئے کہ میرے ہارون کو میرا شریک کار کر دیجئے۔ تاکہ ہم دونوں مل کر اور مشورہ سے اس کام کو انجام دیں اور جب دونوں ایک ساتھ رہیں گے۔ تو ہماری بھی تقویت قلب ہوگی اور دو آدمی مل کر دعوت و تبلیغ کا کام بہتر طریقہ پر انجام دے سکیں گے۔ اور آپ کی تسبیح و تذکیر کا کام بھی اچھی طرح ہو سکے گا۔ اور آپ تو ہماری ضرورتوں سے اچھی طرح واقف ہیں مزید کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ان کی یہ دعا بھی خدا تعالیٰ نے قبول کی اور اسی وقت حضرت ہارون کو بھی نبوت عطا فرمائی۔

دعا کی مقبولیت:.......... ارشاد ہوا کہ ہم تمہاری درخواست پر کیوں نہ توجہ کریں۔ جب کہ ہم بہت پہلے بغیر کسی تمہاری خواہش و درخواست کے تم پر احسان کر چکے ہیں۔ پھر مختصر طور پر اس واقعہ کا ذکر کیا گیا۔ کہ جب تم دودھ پیتے بچے تھے۔ اس وقت تمہاری والدہ کو تمہاری جانب سے بہت اندیشہ تھا کیونکہ فرعون کو نجومیوں سے یہ معلوم ہوا تھا کہ قوم بنی اسرائیل میں ایک لڑکا ایسا پیدا ہوگا جو اس کی حکومت کے زوال کا سبب بنے گا۔ فرعون نے فوراً یہ حکم جاری کر دیا۔ کہ اسرائیلیوں میں جو بھی بچہ پیدا ہوا سے اسی وقت ختم کر دیا جائے۔ تو ہم نے تمہاری والدہ کو وحی کے ذریعہ ایک تدبیر بتائی۔ یہ وحی نبوت نہیں تھی بلکہ خدا کی جانب سے الہام تھا اور الہام غیر نبی کو بھی ہوسکتا ہے۔ تدبیر یہ بتائی کہ اس بچہ کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دو۔ میں اس کی نگہداشت رکھوں گا اور اسے دریا کے کنارے لگا دوں گا اور اس کی پرورش میں ایسے شخص سے کراؤں گا جو اس کا بھی دشمن ہے اور میرا بھی...... واقعہ اسی انداز میں پیش آیا کہ حضرت موسیٰ کی والدہ نے خدا تعالیٰ کے حکم پر انہیں صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ وہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس سے گزرا۔ تو فرعون کی بیوی آسیہ نے اسے پکڑوالیا اور کھول کر جو دیکھا تو اس میں سے ایک حسین وخوبصورت بچہ نکلا۔ جس کے لئے خدا تعالیٰ نے اس کے دل میں محبت ڈال دی اور اس کے نتیجہ میں فرعون کی بیوی نے ان کی پرورش کا ارادہ کر لیا اور کسی طرح فرعون کو اس پر راضی کر لیا کہ وہ اس بچہ کو قتل نہ کرائے جب فرعون اس پر راضی ہو گیا۔ تو آسیہ نے بچہ کے لئے دایہ کی تلاش شروع کی۔ لیکن حضرت موسیٰ نے کسی کی چھاتی کو منہ بھی نہیں لگایا۔ جس سے آسیہ بہت پریشان ہوئی کہ اس طرح تو یہ معصوم بچہ مر کر رہ جائے گا۔ اسی عرصہ میں آپ کی بہن مریم (علیہا السلام) جو صندوق کے پیچھے پیچھے یہ پتہ لگانے کے لئے چل رہی تھیں کہ دیکھیں یہ صندوق کہاں جا کر کنارہ لگتا ہے وہ اس صورت حال کو دیکھ کر کہنے لگیں کہ کیا میں تمہیں ایسی دایہ بتاؤں جو اس کی اچھی طرح پرورش کرے۔ آسیہ کی طرف سے منظوری ملنے پر وہ بھاگی ہوئی آپ کی والدہ کے پاس پہنچیں اور سارا واقعہ بیان کر کے انہیں اپنے ساتھ لے آئیں۔ ان کے دودھ پلانے پر حضرت موسیٰ نے خوب پیٹ کر دودھ پیا اور پھر وہ دایہ مقرر ہو گئیں۔ تو اس طرح پر خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی پرورش کا انتظام فرما دیا اور ان کی والدہ کو ان کے قریب کر دیا تا کہ ان کی والدہ مطمئن ہو جائیں اور ان کی ساری گھبراہٹ و پریشانی دور ہو جائے۔

اور تم پر میرا دوسرا احسان یہ ہو چکا ہے کہ تم نے ایک قبطی کو مار ڈالا تھا اور پھر بہت خوفزدہ ہوئے تھے۔ ایک تو خوف خدا کا ناحق قتل پر، دوسرے فرعون کے انتقام کا اندیشہ، تو میں نے تمہیں اس غم سے نجات دلائی تھی۔ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ کہیں جا رہے تھے تو راستہ میں دیکھا کہ ایک فرعونی کی لڑائی ایک اسرائیلی سے ہو رہی ہے۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ کو دیکھ کر مدد طلب کی تو حضرت موسیٰ نے اس فرعونی کے ایسا گھونسہ مارا کہ وہ وہیں مر کر رہ گیا۔ فرعون کے دربار میں اس کی اطلاع پہنچی۔ کہ آج کسی اسرائیلی نے ایک فرعونی کو مار ڈالا ہے۔ تو وہ بہت غضب ناک ہوا اور تحقیق و تفتیش کا حکم جاری کیا۔ لیکن کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ اتفاق سے دوسرے دن جب ان کا کسی راستہ سے گزر ہوا تو دیکھا کہ وہی اسرائیلی کسی دوسرے فرعونی سے لڑ رہا ہے۔ تو انہیں اس کے لڑاکو پن پر بہت غصہ آیا۔ لیکن اس کے باوجود فرعونی کے مقابل میں اس کی مدد کو آگے بڑھے لیکن وہ اسرائیلی یہ سمجھ کر کہ مجھ پر غصہ ہو رہے ہیں۔ یہ کہہ دیا کہ اے موسیٰ! کل تم نے ایک کو مار ہی دیا کیا آج مجھے مارنے کا ارادہ کر رہے ہو؟ فرعونی یہ سن کر بھاگا ہوا فرعون کے پاس پہنچا اور تفصیلات سے مطلع کر دیا۔ جس پر فرعون نے حضرت موسیٰ کو پکڑنے کے لئے اپنے آدمیوں کو روانہ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو یہ معلوم ہوا تو وہ فرار ہو گئے اور کسی طرح خدا تعالیٰ کی مدد سے مدین پہنچ گئے۔

اسی کو فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی۔ خود بھی اس گناہ کو معاف کیا اور فرعون سے بھی تم کو بچایا اور اتنے عرصہ مدین میں رہنے کے بعد تم اس عمر کو پہنچ گئے جو رسالت کے لئے ضروری ہے۔ لہذا اب میں نے تم کو اپنا رسول منتخب کر لیا۔ تم اور

تمہارے بھائی دونوں مل کر جاؤ اور تبلیغ وارشاد کا کام کرو اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔ جاؤ نرمی اور حسن اخلاق کے ساتھ فرعون کو دین کی تبلیغ کرو۔ خواہ وہ ایمان لائے یا نہ لائے۔ بہر حال تم اپنا کام جاری رکھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ قضاء وقدر کچھ بھی ہو لیکن انسان کو اپنی طرف سے تبلیغ وارشاد میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔

حضرت موسیٰؑ کا اندیشہ:.........لیکن فرعون کے پاس جاتے ہوئے انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ کوئی سختی کا معاملہ نہ کرے۔ اسی کا اظہار انہوں نے خدا تعالیٰ کے سامنے کیا کہ کہیں وہ ہماری آواز کو دبانے کے لئے ہمیں کسی مصیبت میں نہ مبتلا کر دے اور پھر ہمارے ساتھ ناانصافی کرے تو تشفی دی گئی۔ اور جواب ملا کہ تم جاؤ اس کا مقابلہ کرو۔ میری ساری طاقت وقوت تمہارے ساتھ ہے۔ اور میں تمہاری پوری پوری مدد کروں گا۔ تم اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم خدا کے قاصد ہیں۔ تم ان اسرائیلیوں کو جانے دو اور ان کے ساتھ کوئی سختی اور ظلم کا برتاؤ نہ کرو...... صورت یہ تھی کہ فرعون اسرائیلیوں کے ساتھ انتہائی ظالمانہ برتاؤ کرتا تھا اور ان کے اس مطالبہ کو بھی نہیں مانتا تھا کہ وہ انہیں اجازت دے دے کہ وہ اپنے وطن شام چلے جائیں۔ اسی کے متعلق ارشاد ہے کہ تم میرا پیغام لے کر جاؤ اور اسے اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کرو۔ اور اس سے کہنا کہ سلامتی اسی کے لئے ہے جو ہدایت کا پیرو ہے۔ یعنی جو دین کو قبول کرے گا اور سیدھی راہ پر چلے گا اس کے لئے امن وعافیت ہے نہ اسے کسی کا ڈر باقی رہتا ہے اور نہ خوف۔ اور میرے پاس وحی آئی ہے کہ جو روگردانی کرنے گا اور احکام خداوندی کے خلاف کرے گا۔ اس کے لئے عذاب الٰہی ہے۔

حضرت موسیٰؑ کو "قول لین" کا حکم ملا تھا اسے یہاں بھی ملحوظ رکھا گیا اور یہ نہیں کہا گیا کہ تم پر عذاب آئے گا بلکہ ایک قانون کی شکل میں پیش کیا گیا کہ خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے عذاب الٰہی ہے۔ حکم ہوا کہ تم اپنی نشانیاں بھی اسے دکھانا تا کہ اسے تمہاری صداقت پر یقین آ جائے۔

سوال وجواب:.........چونکہ فرعون خدا تعالیٰ کا منکر تھا اور اپنے آپ کو سب سے بڑا دیوتا سمجھتا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کی زبان سے جو یہ نئی بات سنی تو حیرت اور انکار کے طور پر پوچھنے لگا کہ اچھا تو یہ بتاؤ کہ تمہارا رب کون سا ہے؟ اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں۔ خدا تو وہ ذات ہے جس نے ساری مخلوق کو پیدا کیا۔ پھر جس کی جیسی فطرت رکھی اور جس سے جو کام لینا چاہا اسی کے مطابق اس کے اعضاء اور اس کی ہیئت وصورت رکھی۔ گویا کہ اسی نے سب کو پیدا کیا اور اسی نے مناسب وموزوں ہیئت عطا کی اور جسے جس کام کے لئے پیدا کیا۔ اسی راستہ پر لگا بھی دیا۔ پھر فرعون نے سوال کیا کہ اچھا ان لوگوں کا کیا ہوگا جو ہم سے پہلے تھے اور جن کا دین یقیناً تمہارے دین سے علیحدہ تھا۔

آپ نے جواب دیا اور کہا کہ پچھلے لوگوں کا حال مجھے کیا معلوم۔ لیکن اتنا یقین ہے کہ ان کے ساتھ انصاف ہی کا معاملہ ہوگا اور ان کے اعمال کے مطابق انہیں اس کا بدلہ ملے گا۔ کیونکہ میرے خدا کے یہاں ساری چیزیں محفوظ ہیں نہ وہ بھول سکتا ہے اور نہ اس سے کسی غلطی کا امکان ہے۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ عام انسانوں سے خطاب فرما رہے ہیں کہ اے انسانو! خدا وہ ہے کہ جس نے زمین کو تم لوگوں کے لئے فرش بنا دیا۔ جس پر تم آرام کرتے ہو اور چلنے پھرنے کے لئے اس پر راستے بھی بنا دیئے تا کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکو۔ اور آسمان سے پانی برساتا ہے۔ جس سے کھیتیاں لہلہا کر اگتی ہیں اور طرح طرح کے میوے اور پھل درختوں پر آتے ہیں۔ جسے انسان بھی کھاتا ہے اور اس کے جانور بھی اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ چونکہ عرب میں جانوروں کے پالنے کا خاص رواج تھا اسی وجہ سے قرآن نے جانوروں

بھی تذکرہ کر دیا..... تو جسے عقل اور شعور ہو اس کے لئے یہ ساری نشانیاں ہیں خدا کے وجود اور اس کی وحدانیت پر اس کے بعد انکار کی ی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی ہے۔ مزید ارشاد ہے کہ اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور مرنے کے بعد پھر اسی زمین میں تمہیں جانا ہے اور اس کے بعد قیامت کے دن ہم اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔

مفسرینؒ نے کہا ہے کہ چونکہ آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے اس لئے ان کی تمام اولاد کو کہہ دیا گیا کہ ہم نے ہیں مٹی سے پیدا کیا۔ حالانکہ آج بھی انسانوں کی پیدائش میں مٹی کا بڑا دخل ہے۔ ظاہر ہے انسان جو کچھ بھی کھاتا پیتا ہے اور جس ے اس کا خون بنتا ہے اور مادہ منویہ کا اسی خون سے تعلق ہے۔ تو ان اشیاء کا کسی نہ کسی درجہ میں مٹی سے ضرور تعلق ہے۔ کوئی چیز ایسی مل ہیں سکتی کہ جس کا مٹی سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ لہذا آج بھی بلاواسطہ انسانوں کی پیدائش اسی مٹی سے ہو رہی ہے۔

بہر حال ساری نشانیاں اور معجزات آنے کے بعد بھی اس نے جھٹلا دیا اور خدا کی وحدانیت کا انکار کرتا رہا۔ یہ معجزات دیکھنے ، بعد کہنے لگا کہ کیا زور کی تم نے جادوگری دکھائی ہے اور اس جادو کے ذریعہ تم ہمیں اپنے ملک سے نکال دینا چاہتے ہو؟ تو گھبراؤ ت اس جادو کا مقابلہ ہم کر سکتے ہیں۔ لہذا مقابلہ کے لئے جگہ اور دن کا تعین کر لو اور جگہ ایسی ہونی چاہئے کہ جہاں تمام لوگ اپنی ٓکھوں سے ہار جیت دیکھ لیں۔ اور بعضوں نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ایک ایسا میدان ہو جو دونوں فریق سے برابر مسافت رکھتا ہو۔ ن پہلا معنیٰ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے..... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی اس دعوت مقابلہ کو منظور فرماتے ہوئے کہا کہ پھر اس ، لئے تمہارا عید کا دن زیادہ مناسب رہے گا۔ اس دن تمام لوگ بسہولت جمع ہوسکیں گے اور ہاں اس کا خیال رہے کہ دن چڑھنے کے مقابلہ ہوتا کہ لوگ اچھی طرح تمام چیزوں کو دیکھ سکیں اور حق و باطل میں تمیز کر لیں۔

دو گروں سے مقابلہ:......... مقابلہ کی تاریخ معین ہونے کے بعد فرعون اپنے محل میں واپس گیا۔ اور تمام بڑے بڑے وگروں کو جمع کرنے کا حکم دے دیا اور اس کے انتظامات شروع کر دیئے۔ بالآخر وہ دن آ گیا اور تمام لوگ میدان میں جمع ہو گئے۔ خری مرتبہ بطور اتمام حجت کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان ساحروں کو تبلیغ شروع کر دی کہ دیکھو خدا تعالیٰ پر جھوٹ مت ھو اور اپنے جادو کے ذریعہ لوگوں کو دھوکہ میں ڈالنے کی کوشش مت کرو۔ ورنہ خدا تعالیٰ تمہیں تباہ و برباد کر دے گا۔ آپ کی اس غی تقریر کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان جادوگروں کی جماعت میں اختلاف رائے ہو گیا۔ بعض نے آپس میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ یہ ں خدا کا رسول معلوم ہوتا ہے اور بعضوں کی رائے یہی رہی کہ نہیں یہ جادوگر ہی ہے اور اس کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ بالآخر سب نے تفاق یہ اعلان کیا کہ یہ کوئی بہت بڑا جادوگر ہے۔ جو اس ارادہ سے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور پر ہمارے ملک پر قبضہ کرے اور ں یہاں سے نکال باہر کرے اور ظاہر ہے کہ جب ملک پر اس کا قبضہ ہو جائے گا تو ہماری ساری تہذیب و تمدن ہی کو مٹا کر رکھ دے ور ہمارے مذہب کا بھی خاتمہ کر دے گا۔ اس لئے خوب مضبوط ہو کر اس کے مقابلہ میں صف آراستہ ہو جاؤ اور اسے ہرگز یاب نہ ہونے دو۔ کیونکہ اسی ہار جیت پر ہماری عزت اور ہمارے دین و تہذیب کے تحفظ کا انحصار ہے۔ اس کے بعد جادوگروں ، حسب عادت جیسا کہ کسی سے مقابلہ کے وقت پوچھتے ہیں کہ پہلے کس کی بازی رہے گی موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ کیا پہلے تم اپنا تب دکھاؤ گے یا ہم دکھائیں؟

اس پر موسیٰ علیہ السلام نے بڑی بے نیازی کے ساتھ فرمایا کہ پہلے تم ہی اپنا حوصلہ نکال لو۔ جس پر ان جادوگروں نے اپنی اپنی یاں اور رسیاں میدان میں ڈال دیں اور لوگوں کی نظر بندی کر دی۔ جس سے وہ لاٹھیاں اور رسیاں بھاگتے دوڑتے ہوئے سانپ نظر نے لگے۔ کیونکہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی لاٹھی کو سانپ بنا کر فرعون کے سامنے پیش کیا تھا۔ تو ان جادوگروں نے بھی وہی کرتب دکھانا

مناسب سمجھا۔ اور چونکہ وہ بہت زیادہ تھے۔ تو سانپوں سے ہی سارا میدان لبریز نظر آیا۔ یہ منظر دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام گھبرائے کہ یہ کیا بات ہوئی کہ انہوں نے بھی سانپ بنا کر دکھائے اور ہم بھی وہی کرتب دکھائیں۔ کہیں یہ غالب نہ آ جائیں اور لوگ دھوکہ میں پڑ جائیں۔

فوراً وحی آئی کہ اے موسیٰ! ڈرو نہیں اور خوفزدہ ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ فتح تمہاری ہی ہوگی اور حق غالب آ کر رہے گا۔ حکم ہوا کہ اپنی لاٹھی کو تم زمین پر ڈال دو۔ لاٹھی کے زمین پر ڈالتے ہی وہ ایک بہت بڑا اژدہا بن گیا اور ان کے سارے سانپوں کو ہڑپ کر گیا۔ جب ان جادوگروں نے دیکھا کہ اس نے تو ہمارے کرتب کو ناکام کر دیا اور ہمارے سارے سانپوں کو ہڑپ کر گیا۔ تو چونکہ وہ فن کے ماہر تھے اس لئے سمجھ گئے کہ یہ کوئی جادوگری نہیں۔ بلکہ واقعی معجزہ اور اعجاز ہے۔ جب انہیں موسیٰ علیہ السلام کی صداقت پر یقین آ گیا۔ تو اسی میدان میں لوگوں کے سامنے اور خود فرعون کی موجودگی میں یہ سب کے سب جادوگر سجدہ میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم تو رب العالمین پر ایمان لائے جو موسیٰؑ وہارونؑ کا رب ہے۔ لوگوں کے سامنے حق وباطل واضح ہو گیا۔

سرکشی کی انتہا:......... اور اب فرعون کو چاہئے تو یہ تھا کہ وہ بھی ایمان لے آتا۔ کیونکہ اب اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا کہ جنہیں یہ مقابلہ کے لئے لایا تھا ان ماہرین نے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو تسلیم کر لیا اور بلاجھجک لوگوں کے سامنے انہوں نے دین حق بھی تسلیم کر لیا۔ لیکن بجائے ایمان لانے کے اس نے مزید سرکشی شروع کر دی اور پہلے تو ان جادوگروں سے باز پرس کرنے لگا کہ تم بغیر میری اجازت کے ایمان کیوں لائے اور یقیناً یہ تم لوگوں کا استاد ہے اور تم نے اس سے ساز باز کر رکھی ہوگی۔ اسی منصوبہ کے تحت تم عام مجمع کے سامنے ایمان لے آئے تاکہ رعایا میں بھی میری طرف سے بددلی پھیلے۔ تو سن لو اس کی سزا اتنی سخت دوں گا کہ دوسرے لوگوں کو بھی عبرت ہو۔ تمہارے ایک جانب کا ہاتھ اور دوسری جانب کا پیر کاٹ کر درخت سے لٹکا کر سولی چڑھا دوں گا۔ اور تم ہماری قوم کو گمراہ سمجھتے ہو۔ ابھی تمہارے سامنے آ جائے گا کہ دائمی عذاب کا مستحق کون ہے۔

ساحروں کا جواب:......... فرعون کی ان دھمکیوں کا ان پر الٹا اثر پڑا۔ بجائے اس کے کہ یہ پھر اپنے دین کی طرف لوٹ جاتے، یہ جواب دیا کہ ہدایت پانے کے بعد اب تمہارا مذہب ہم کبھی اختیار نہیں کر سکتے ہیں۔ ہمارے سامنے حق وباطل کھل کر آ گیا۔ اب حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف کس طرح لوٹ سکتے ہیں؟ اب تمہیں جو کچھ کرنا ہے کر لو۔ تم زیادہ سے زیادہ اسی دنیاوی زندگی میں ہمیں کچھ پریشان کر سکتے ہو اور تکلیف دے سکتے ہو۔ لیکن دوسری زندگی میں تو ہمیں آرام وراحت ہی ملے گی اور ہمیں اپنے خدا سے اس کی بھی توقع ہے کہ وہ ہمارے پچھلے گناہوں کو معاف کر دے گا اور خصوصاً اس گناہ کو جو اس کے رسول کے ساتھ مقابلہ کرا کے ہم سے کرایا گیا۔ اب نہ ہمیں تمہاری سزاؤں کا ڈر ہے اور نہ تمہاری انعام واکرام کا لالچ۔ اس لئے کہ نہ خود تمہارے اندر کوئی خیر ہے اور نہ تمہاری سزاؤں کو بقاء۔ خدا تعالیٰ ہی کی سزا اور اسی کا اجر دائمی اور ابدی ہے۔

ان لوگوں نے مزید کہا کہ گنہگاروں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہاں تو موت آنے سے رہی۔ لیکن زندگی بھی اتنی مشقتوں سے لبریز ہوگی کہ اسے دنیا میں کئے ہوئے گناہوں کا پتہ چل جائے اور وہ لوگ جو راہ راست پر آ جائیں گے اور نیک کام کریں گی ان کے لئے عمدہ عمدہ باغات ہوں گے اور رہنے کے لئے بڑے بڑے محلات ہوں گے۔ اسی لئے ہم بھی اسی قانون الٰہی کے تحت کفر کو چھوڑ کر ایمان لے آئے ہیں۔

ان کی یہ تقریر اس وجہ سے تھی کہ شاید فرعون ان عذابوں سے ڈر کر اور جنت کے لالچ میں توبہ کر لے۔ لیکن جب اس کی تقدیر میں بدبختی لکھ دی گئی تھی تو ظاہر ہے کہ اسے کون راہ راست پر لا سکتا تھا۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِىْ بِهَمْزَةِ قَطْعٍ مِنْ اَسْرٰى اَوْهَمْزَةِ وَصْلٍ وَكَسْرِ النُّوْنِ مِنْ سرىٰ لُغَتَانِ اَىْ سِرْبِهِمْ لَيْلًا مِنْ اَرْضِ مِصْرَ فَاضْرِبْ اِجْعَلْ لَهُمْ بِالضَّرْبِ بِعَصَاكَ طَرِيْقًا فِى الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ اَىْ يَابِسًا فَامْتَثَلَ مَااُمِرَبِهٖ وَاَيْبَسَ اللّٰهُ الْاَرْضَ فَمَرُّوْا فِيْهَا لَّاتَخَافُ دَرَكًا اَىْ اَنْ يُّدْرِكَكَ فِرْعَوْنُ وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ غَرَقًا فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ وَهُوَ مَعَهُمْ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ اَىِ الْبَحْرِ مَاغَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾ مَاغَرَقَهُمْ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ بِدُعَائِهِمْ اِلٰى عِبَادَتِهٖ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾ بَلْ اَوْقَعَهُمْ فِى الْهَلَاكِ خِلَافَ قَوْلِهٖ وَمَا اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ فِرْعَوْنَ بِاِغْرَاقِهٖ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ فَنُؤْتِىْ مُوْسٰى التَّوْرٰةَ لِلْعَمَلِ بِهَا وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾ هُمَا التُّرَنْجَبِيْنُ وَالطَّيْرُ السُّمَانِىْ بِتَخْفِيْفِ الْمِيْمِ وَالْقَصْرِ وَالْمُنَادٰى مَنْ وُّجِدَ مِنَ الْيَهُوْدِ زَمَنَ النَّبِىِّ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخُوْطِبُوْا بِمَا اُنْعِمَ بِهٖ عَلٰى اَجْدَادِهِمْ زَمَنَ النَّبِىِّ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَام تَوْطِئَةً لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى لَهُمْ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَارَزَقْنٰكُمْ اَىِ الْمُنْعَمِ بِهٖ عَلَيْكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ بِاَنْ تَكْفُرُوا الْمُنْعِمَ بِهٖ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِىْ ۚ بِكَسْرِ الْحَاءِ اَىْ يَجِبُ وَبِضَمِّهَا يَنْزِلُ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِىْ بِكَسْرِ اللَّامِ وَضَمِّهَا فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾ سَقَطَ فِى النَّارِ وَاِنِّىْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ مِنَ الشِّرْكِ وَاٰمَنَ وَحَّدَ اللّٰهَ وَعَمِلَ صَالِحًا يُصَدِّقُ بِالْفَرْضِ وَالنَّفْلِ ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾ بِاسْتِمْرَارِهٖ عَلٰى مَاذُكِرَ اِلٰى مَوْتِهٖ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ لِمَجِيْءِ مِيْعَادِ اَخْذِ التَّوْرٰةِ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ اَىْ بِالْقُرْبِ مِنِّىْ يَاْتُوْنَ عَلٰٓى اَثَرِىْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾ عَنِّىْ اَىْ زِيَادَةً عَلٰى رِضَاكَ وَقَبْلَ الْجَوَابِ اَتٰى بِالْاِعْتِذَارِ بِحَسْبِ ظَنِّهٖ وَتَخَلُّفِ الْمَظْنُوْنُ كَمَا قَالَ تَعَالٰى فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ اَىْ بَعْدَ فِرَاقِكَ لَهُمْ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ﴿۸۵﴾ فَعَبَدُوا الْعِجْلَ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ مِنْ جِهَتِهِمْ اَسِفًا ۚ شَدِيْدَ الْحُزْنِ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۵ اَىْ صِدْقًا اَنَّهٗ يُعْطِيْكُمُ التَّوْرٰةَ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ مُدَّةُ مُفَارَقَتِىْ اِيَّاكُمْ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ يَجِبَ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ بِعِبَادَتِكُمُ الْعِجْلَ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِىْ ﴿۸۶﴾ وَتَرَكْتُمُ الْمَجِيْءَ بَعْدِىْ قَالُوْا مَآاَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا مُثَلَّثُ الْمِيْمِ اَىْ بِقُدْرَتِنَا اَوْ بِاَمْرِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ بِفَتْحِ الْحَاءِ مُخَفَّفًا وَبِضَمِّهَا وَكَسْرِ الْمِيْمِ مُشَدَّدًا اَوْزَارًا اَثْقَالًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ اَىْ حُلِىِّ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِسْتَعَارَهَا مِنْهُمْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ بِعِلَّةِ عُرْسٍ فَبَقِيَتْ عِنْدَهُمْ فَقَذَفْنٰهَا طَرَحْنَاهَا فِى النَّارِ بِاَمْرِ السَّامِرِىِّ فَكَذٰلِكَ كَمَا اَلْقَيْنَا اَلْقَى السَّامِرِىُّ ﴿۸۷﴾ مَامَعَهٗ مِنْ حُلِيِّهِمْ وَمِنَ التُّرَابِ

الَّذِی اَخَذَهٗ مِنْ اَثَرِ حَافِرِ فَرَسِ جِبْرَئِیْلَ عَلَی الْوَجْهِ الْاٰتِیْ **فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا** صَاغَهٗ لَهُمْ مِنَ الْحُلِیِّ **جَسَدًا** لَحْمًا وَدَمًا **لَّهٗ خُوَارٌ** اَیْ صَوْتٌ یُسْمَعُ اَیْ اِنْقَلَبَ كَذٰلِكَ بِسَبَبِ التُّرَابِ الَّذِیْ اَثَرُهُ الْحَیَاةُ فِیْمَ یُوْضَعُ فِیْهِ وَوَضَعَهٗ بَعْدَ صَوْغِهٖ فِیْ فَمِهٖ **فَقَالُوْا** اَیِ السَّامِرِیُّ وَاَتْبَاعُهٗ **هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰی فَنَسِیَ﴿۸۸﴾** مُوْسٰی رَبَّهٗ هُنَا وَذَهَبَ یَطْلُبُهٗ قَالَ تَعَالٰی **اَفَلَا یَرَوْنَ اَنْ** مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِیْلَةِ وَاِسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَیْ اَنَّهٗ **لَّا یَرْجِعُ** الْعِجْلُ **اِلَیْهِمْ قَوْلًا** اَیْ لَا یَرُدُّ لَهُمْ جَوَابًا **وَّلَا یَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا** اَیْ دَفْعَهٗ **وَّلَا نَفْعًا﴿۸۹﴾** ع ۱۳ اَیْ جَلْبَهٗ اَیْ فَكَیْفَ یُتَّخَذُ اِلٰهًا **وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ** اَیْ قَبْلَ اَنْ یَّرْجِعَ مُوْسٰی **یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ** فِیْ عِبَادَتِهٖ **وَاَطِیْعُوْٓا اَمْرِیْ﴿۹۰﴾** فِیْهَا **قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ** نَزَالَ **عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ** عَلٰی عِبَادَتِهٖ مُقِیْمِیْنَ **حَتّٰی یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰی﴿۹۱﴾ قَالَ** مُوْسٰی بَعْدَ رُجُوْعِهٖ **یٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَیْتَهُمْ ضَلُّوْٓا﴿۹۲﴾** بِعِبَادَتِهٖ **اَلَّا تَتَّبِعَنِ** لَا زَائِدَةٌ **اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ﴿۹۳﴾** بِاِقَامَتِكَ بَیْنَ مَنْ یَعْبُدُ غَیْرَ اللّٰهِ **قَالَ** هٰرُوْنُ **یَبْنَؤُمَّ** بِكَسْرِ الْمِیْمِ وَفَتْحِهَا اَرَادَ اُمِّیْ وَذِكْرُهَا اَعْطَفُ لِقَلْبِهٖ **لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ** وَكَانَ اَخَذَهَا بِشِمَالِهٖ **وَلَا بِرَاْسِیْ** وَكَانَ اَخَذَ شَعْرَهٗ بِیَمِیْنِهٖ غَضَبًا **اِنِّیْ خَشِیْتُ** لَوِ اتَّبَعْتُكَ وَلَا بُدَّ اَنْ یَّتَّبِعَنِیْ جَمْعٌ مِمَّنْ لَمْ یَعْبُدِ الْعِجْلَ **اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ** وَتَغْضَبُ عَلَیَّ **وَلَمْ تَرْقُبْ** تَنْتَظِرْ **قَوْلِیْ﴿۹۴﴾** فِیْمَا رَاَیْتَهٗ فِیْ ذٰلِكَ **قَالَ فَمَا خَطْبُكَ** شَانُكَ الدَّاعِیْ اِلٰی مَا صَنَعْتَ **یٰسَامِرِیُّ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ یَبْصُرُوْا بِهٖ** بِالْیَاءِ وَالتَّاءِ اَیْ عَلِمْتُ مَالَمْ یَعْلَمُوْهُ **فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ** تُرَابٍ اَثَرِ حَافِرِ فَرَسِ **الرَّسُوْلِ** جِبْرَئِیْلَ **فَنَبَذْتُهَا** اَلْقَیْتُهَا فِیْ صُوْرَةِ الْعِجْلِ الْمَصَاغِ **وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ** زَیَّنَتْ لِیْ **نَفْسِیْ﴿۹۶﴾** وَاُلْقِیَ فِیْهَا اَنْ اٰخُذَ قَبْضَةً مِنْ تُرَابِ مَا ذَكَرُوْا اُلْقِیْهَا عَلٰی مَالَا رُوْحَ لَهٗ یَصِیْرُ لَهٗ رُوْحٌ وَرَاَیْتُ قَوْمَكَ طَلَبُوْا مِنْكَ اَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ اِلٰهًا فَحَدَّثَتْنِیْ نَفْسِیْ اَنْ یَّكُوْنَ ذٰلِكَ الْعِجْلُ اِلٰهَهُمْ **قَالَ** لَهٗ مُوْسٰی **فَاذْهَبْ** مِنْ بَیْنِنَا **فَاِنَّ لَكَ فِی الْحَیٰوةِ** اَیْ مُدَّةَ حَیَاتِكَ **اَنْ تَقُوْلَ** لِمَنْ رَاَیْتَهٗ **لَا مِسَاسَ** اَیْ لَا تَقْرَبْنِیْ فَكَانَ یَهِیْمُ فِی الْبَرِّیَّةِ وَاِذَا مَسَّ اَحَدًا اَوْمَسَّهٗ اَحَدٌ حُمَّا جَمِیْعًا **وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا** لِعَذَابِكَ **لَّنْ تُخْلَفَهٗ** بِكَسْرِ اللَّامِ اَیْ لَنْ تَغِیْبَ عَنْهُ وَبِفَتْحِهَا اَیْ بَلْ تُبْعَثُ اِلَیْهِ **وَانْظُرْ اِلٰٓی اِلٰهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ** اَصْلُهٗ ظَلِلْتَ بِلَامَیْنِ اُوْلٰهُمَا مَكْسُوْرَةٌ وَحُذِفَتْ تَخْفِیْفًا اَیْ دُمْتَ **عَلَیْهِ عَاكِفًا** اَیْ مُقِیْمًا تَعْبُدُهٗ **لَنُحَرِّقَنَّهٗ** بِالنَّارِ **ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا﴿۹۷﴾** لَنُذْرِیَنَّهٗ فِیْ هَوَاءِ الْبَحْرِ وَفَعَلَ مُوْسٰی بَعْدَ ذِبْحِهٖ مَا ذَكَرَهٗ **اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا﴿۹۸﴾** تَمْیِیْزٌ مُحَوَّلٌ مِنَ الْفَاعِلِ اَیْ وَسِعَ عِلْمُهٗ كُلَّ شَیْءٍ

كَذٰلِكَ اَیْ كَمَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ هٰذِهِ الْقِصَّةَ **نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ** اَخْبَارِ **مَا قَدْ سَبَقَ** مِنَ الْاُمَمِ **وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ** اَعْطَيْنَاكَ **مِنْ لَّدُنَّا** مِنْ عِنْدِنَا **ذِكْرًا** ﴿۹۹﴾ قُرْاٰنًا **مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ** فَلَمْ يُؤْمِنْ بِهٖ **فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا** ﴿۱۰۰﴾ حِمْلًا ثَقِيْلًا مِنَ الْاِثْمِ **خٰلِدِيْنَ فِيْهِ** اَیْ فِیْ عَذَابِ الْوِزْرِ **وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا** ﴿۱۰۱﴾ تَمْيِيْزٌ مُفَسِّرٌ لِلضَّمِيْرِ فِیْ سَاءَ وَالْمَخْصُوْصُ بِالذَّمِّ مَحْذُوْفٌ تَقْدِيْرُهٗ وِزْرُهُمْ وَاللَّامُ لِلْبَيَانِ وَيُبْدَلُ مِنْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ **يَّوْمَ يُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ** الْقَرْنِ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ **وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ** الْكٰفِرِيْنَ **يَوْمَئِذٍ زُرْقًا** ﴿۱۰۲﴾ عُيُوْنُهُمْ مَعَ سَوَادِ وُجُوْهِهِمْ **يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ** يَتَسَارُّوْنَ **اِنْ** مَا **لَّبِثْتُمْ** فِی الدُّنْيَا **اِلَّا عَشْرًا** ﴿۱۰۳﴾ مِنَ اللَّيَالِیْ بِاَيَّامِهَا **نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ** فِيْهِ ذٰلِكَ اَیْ لَيْسَ كَمَا قَالُوْا **اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ** اَعْدَلُهُمْ **طَرِيْقَةً** فِيْهِ **اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا** ﴿۱۰۴﴾

ع ۵ ۱۵ ۱۴

ترجمہ: .... اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ (سرزمین مصر سے ان اسر میں ہمزہ قطعی اور ماخوذ ہے یہ اسری سے یا ہمزہ وصلی ہے اور ان کے نون کو کسرہ ہے۔ اس صورت میں ماخوذ ہوگا سری یسری سے۔ بہر حال یہ دو لغت ہیں۔ اسری وسری. اسری کی صورت میں لازم ہوگا اور سری کا تعدیہ با کے ساتھ کرنا ہوگا) پھر ان کے لئے سمندر میں خشک راستہ بنا لینا (یعنی سمندر پر اپنی لاٹھی مارو۔ ہم سمندر میں راستہ بنا دیں گے۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے حسب حکم سمندر پر اپنی لاٹھی ماری جس کے نتیجہ میں اس سے خشک راستہ نکل آیا اور یہ سب کے سب بسہولت اس سمندر کو عبور کر گئے) نہ تو تم کو تعاقب کا اندیشہ ہوگا اور نہ تم کو خوف ہوگا (یعنی نہ تو فرعون تم کو پکڑ سکے گا اور نہ تمہیں ڈوب جانے وغیرہ کا خوف ہوگا) پھر فرعون نے اپنے لشکر سمیت ان کا پیچھا کیا (پیچھا کرنے والوں میں خود فرعون بھی ساتھ تھا) تو دریا جیسا ان پر ملنا تھا آملا (یعنی جب فرعون نے تعاقب کرتے ہوئے اس خشک راستہ سے گزرنا چاہا جس سے موسیٰ علیہ السلام گزرے تھے تو وہ سمندر کا راستہ ختم ہو کر ایک جانب کا پانی دوسری جانب سے جاملا۔ جس کے نتیجہ میں وہ غرق ہو گیا) اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا تھا (اپنی عبادت کرا کے) اور سیدھی راہ پر نہ لایا (یعنی ان کو ہلاک کر دیا۔ اور اپنے اس وعدہ کے خلاف کیا کہ ہم تمہیں سیدھی راہ کی طرف لے جا رہے ہیں) اے بنی اسرائیل ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی فرعون سے اسے غرق کر کے) اور تم سے وعدہ کیا طور سے داہنی جانب سے متعلق (یعنی تمہارے لئے احکام نازل کرنے کا وعدہ ہے۔ سو ہم موسیٰ کو توریت دیں گے تاکہ تم اس کے مطابق عمل کرو) اور تمہارے اوپر من وسلویٰ اتارا (یعنی ترنجبین اور بٹیر۔ سمانی میں میم مخفف ہے اور آخیر میں الف مقصورہ اور یا بنی اسرائیل میں منادی ہر وہ یہودی ہے جو آنحضور ﷺ کے دور میں موجود تھا۔ ذکر ان نعمتوں کا کیا گیا جو یہود کے آباء واجداد پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں کی گئی تھیں۔ گویا یہ تمہید ان مضامین کے لئے جو آئندہ آنے والے ہیں) ان نفیس چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہے اور اس باب میں حد سے مت گزر جاؤ (کفران نعمت کر کے) ورنہ تم پر میرا غضب واقع ہو جائے گا (فیحل اگر حا کے کسرہ کی ساتھ پڑھیں تو یجب کے معنی میں ہوگا کہ میرا غضب تمہارے لئے ضروری ہو گیا اور اگر حا کو پیش پڑھیں تو ینزل کے معنی میں ہوگا کہ میرا غضب تم پر نازل ہوگا) اور جس پر میرا غضب واقع ہوا (یہاں بھی یحلل کے حاء کو کسرہ اور ضمہ دونوں ہو سکتا ہے اور اسی کے مطابق معنی ہوں گے) وہ یقیناً گر کر رہا (یعنی جہنم میں پہنچ گیا) اور میں تو بڑا بخشنے والا ہوں۔ اس کا جو توبہ کرے (شرک سے) اور

ایمان لے آئے (یعنی خدا کی وحدانیت کا اقرار کرے) اور نیک عمل کرنے لگے۔ پھر راہ پر قائم رہے (یعنی جو فرائض ونوافل کا اہتمام رکھے اور تاحیات اس پر جما بھی رہے) اور اے موسیٰ آپ کی اپنی قوم سے آگے جلدی آنے کا کیا سبب ہوا (یعنی توریت کے ملنے کی مدت آتے ہی قوم کو پیچھے چھوڑ کر تم نے اتنی جلدی کیوں کی) عرض کی کہ وہ لوگ تو میرے پیچھے ہیں (یعنی وہ لوگ بھی میرے پیچھے پیچھے آرہے ہیں) اور میں تو آپ کے پاس اے پروردگار! جلدی اس وجہ سے چلا آیا تا کہ آپ خوش ہوجائیں (یعنی میں نے آنے میں جلدی اس وجہ سے کی تا کہ آپ کی مزید خوشنودی مجھے حاصل ہوجائے۔ اورانہوں نے اپنے گمان کے مطابق یہ کہہ دیا کہ وہ تو میرے پیچھے آرہے ہیں۔ اسی کو خدا تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ) تمہاری قوم کو تو ہم نے تمہارے بعد ایک آزمائش میں ڈال دیا ہے (تمہارے ان سے جدا ہونے کے بعد) انہیں سامری نے گمراہ کردیا ہے (اور ان لوگوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کردی ہے) غرض موسیٰ اپنی قوم کے پاس آئے، غصہ اور رنج سے بھرے ہوئے (اپنی قوم کی اس حرکت پر) بولے اے میری قوم والو! کیا تم سے تمہارے پروردگار نے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا (توریت کے دینے کا) سو کیا تم پر زیادہ زمانہ گزر گیا تھا (مجھ سے جدائی کا) یا تم نے یہ چاہا کہ تم پر تمہارے پروردگار کا غضب واقع ہوکر رہے (اس وجہ سے تم نے بچھڑے کی پرستش شروع کی) اس لئے تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی (اور میرے پیچھے پیچھے تم نہیں آئے) وہ کہنے لگے ہم نے جو آپ سے وعدہ کیا اس کی خلاف ورزی اپنی خوشی سے نہیں کی (ملکنا کے میم میں فتحہ، کسرہ، ضمہ تینوں اعراب ہیں) البتہ ہوا یہ کہ ہم پر قوم کے زیوروں سے بوجھ لدرہا تھا (یعنی فرعون کی قوم کے زیورات جو اسرائیلیوں نے عرس کے موقعہ پر ان سے عاریۃً لئے تھے وہ اب تک انہیں کے پاس تھے) سو ہم نے اسے ڈال دیا (آگ میں سامری کے حکم سے) پھر اسی طرح سامری نے بھی ڈال دیا (یعنی اس نے بھی وہ زیورات جو اس کے پاس تھے آگ میں ڈال دیئے اور ساتھ ہی وہ مٹی بھی جو اس نے زمین سے جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے کھر کے نیچے سے لی تھی) پھر اس نے ان لوگوں کے لئے ایک بچھڑا ظاہر کیا (جو زیورات سے ڈھالا گیا تھا) کہ وہ ایک قالب تھا (گوشت اور خون کا) جس میں ایک آواز تھی (اور یہ انقلاب اس مٹی کے نتیجہ میں پیدا ہوا جس میں حیات کے آثار پائے جاتے تھے اور جسے ڈھانچہ تیار کرنے کے بعد اس کے منہ میں ڈال دیا گیا تھا) سو وہ کہنے لگے (یعنی سامری اور اس کے متبعین) کہ یہی تو ہے تمہارا اور موسیٰ کا معبود۔ سو وہ تو اسے بھول گئے (یعنی موسیٰ تو دھوکہ میں ہیں، وہ اس کو یہیں بھول گئے اور نہ معلوم کہاں ڈھونڈنے کے لئے چلے گئے) کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے تھے (ان مخففه من الثقيله ہے اور ان کا اسم محذوف ہے۔ اصل عبارت ہے انه) کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کے کسی نقصان یا نفع پر قدرت رکھتا ہے (یعنی انہیں اتنا بھی ہوش نہیں کہ وہ بچھڑا نہ ان کی باتوں کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کے کسی نقصان ونفع میں شریک۔ پھر کس طرح وہ اسے معبود بنا بیٹھے) اور ان لوگوں سے ہارون نے پہلے ہی کہا تھا (یعنی موسیٰ علیہ السلام کے لوٹنے سے پہلے) کہ اے میری قوم والو! تم ان کے باعث گمراہی میں پھنس گئے ہو۔ بے شک تمہارا پروردگار! خدائے رحمٰن ہے۔ سو تم میری پیروی کرو (خدا تعالیٰ کی عبادت میں) اور میرا حکم مانو (اس سلسلہ میں) وہ لوگ بولے۔ ہم تو اسی پر جمے رہیں گے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام ہمارے پاس لوٹ آئیں (یعنی ہم موسیٰ کے لوٹنے تک اسی کی عبادت پر جمے رہیں گے) کہا (موسیٰ علیہ السلام نے لوٹنے کے بعد) کہ اے ہارون! تمہیں کون سا امر مانع ہوا اس سے کہ میرے پاس چلے آتے جب تم نے دیکھ لیا تھا کہ یہ گمراہ ہوگئے ہیں تو کیا تم نے بھی میرے کہنے کے خلاف کیا (اور ان لوگوں کے درمیان پڑے رہے جو غیر اللہ کی عبادت کررہے تھے؟ ہارون نے) کہا اے میرے ماں جائے (امی یا ام فتحہ اور کسرہ دونوں طرح اس کا استعمال ہے۔ ماں کا تذکرہ اس لئے کیا تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب میں جذبات شفقت ورحمت پیدا ہوں) میری داڑھی

اور میرا سر نہ پکڑو (موسیٰ علیہ السلام نے غصہ میں داڑھی کے بائیں جانب کا حصہ اور سر کے بال کے داہنی جانب کا حصہ پکڑ رکھا تھا) مجھے تو یہ اندیشہ ہوا (کہ اگر میں آپ کی اتباع کروں گا تو جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش نہیں کی تھی وہ بھی میرے ساتھ ہو لیتے۔ جس کے نتیجہ میں بنی اسرائیل میں تفریق پڑ جاتی) کہ کہیں تم یہ کہنے لگو کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان تفریق ڈالی اور میری بات کا انتظار نہ کیا (یعنی کہیں آپ بنی اسرائیل میں تفریق ڈالنے کے جرم میں مجھ پر غصہ نہ ہو بیٹھتے اور یہ نہ کہہ دیتے کہ اس سلسلہ میں تم نے میرا انتظار کیوں نہیں کیا) کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) کہ اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے تم نے یہ کیا حرکت کی) وہ بولا مجھے ایسی چیز نظر آئی جو اوروں کو نظر نہ آئی تھی (یبصروا اور تبصروا دونوں قرأت ہے) سو میں نے اس فرستادہ کے نقش قدم سے (یعنی جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے کھر کے نیچے سے) ایک مٹھی (مٹی کی) اٹھالی تھی۔ میں نے وہ مٹی اس قالب میں ڈال دی تھی (یعنی اس بچھڑے میں جو ڈھالا گیا تھا) اور میرے جی کو تو یہی بھائی تھی (کہ میں مٹی کی ایک مٹھی جبرئیل کے گھوڑے کے کھر کے نیچے سے اٹھالوں اور اسے کسی بے جان چیز میں ڈال دوں تاکہ اس کے اندر جان پیدا ہو جائے اور میں نے دیکھا کہ تمہاری قوم کا تم سے یہ مطالبہ ہے کہ تم ان کے لئے کوئی معبود تیار کرو۔ تو میں نے مناسب سمجھا کہ یہ بچھڑا ان کے لئے بہترین معبود ہوگا) کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) تو پھر جا (ہمارے درمیان سے) تیرے لئے زندگی میں (یعنی تا حیات) یہ سزا ہے کہ تو یہ کہتا پھرے کہ مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے (یعنی مجھ سے کوئی قریب نہ ہو جائے۔ پس وہ چوپایوں میں پھرنے لگا اور جو کوئی اسے چھو لیتا یا وہ جس کو چھو لیتا تو اسے بخار چڑھ جاتا) اور تیرے لئے ایک (اور) وعید ہے (آخرت کے عذاب کی) جو تجھ سے ٹلنے والا نہیں ہے اور تو اپنے اس معبود کو دیکھ جس پر تو جما ہوا بیٹھا ہے (یعنی اس کی پرستش پر قائم ہے۔ ظلت کی اصل ظللت ہے۔ پہلے لام مکسور کو تخفیف کے لئے حذف کر دیا گیا) ہم اس کو ابھی جلا ڈالتے ہیں۔ پھر اس کو دریا میں بہا دیتے ہیں (موسیٰ علیہ السلام نے اپنے قول کے مطابق اس بچھڑے کو ذبح کر کے جلا ڈالا اور راکھ دریا میں بہا دی) تمہارا معبود تو وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے ہر شے کو علم سے گھیر رکھا ہے (علماً اصل میں تمیز ہے جسے فاعل میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ معنی ہوا اس کا علم ہر چیز پر پھیلا ہوا ہے) اسی طرح (یعنی جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا) ہم آپ سے اور گزرے ہوئے (واقعات) کی خبریں بیان کرتے ہیں (پچھلی قوموں کے) اور ہم نے اپنے پاس سے آپ کو ایک نصیحت نامہ دیا ہے (یعنی قرآن) جو کوئی اس سے روگردانی کرے گا (اور اس پر ایمان نہیں لائے گا) وہ قیامت کے دن بوجھ اٹھائے ہوگا (گناہوں کا) وہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے (یعنی ہمیشہ بوجھ کے نیچے دبے رہیں گے) اور یہ قیامت کے دن ان کے لئے بڑا بوجھ ہوگا۔ (حملاً تمیز ہے جو ساء کی ضمیر کی تفسیر ہے اور مخصوص بالضم محذوف ہے تقدیر عبارت ہے وزرهم۔ لهم میں لام بیان کے لئے ہے اور یوم قیامة سے بدل واقع ہو رہا ہے۔ یوم ینفخ فی الصور) جس روز صور پھونکا جائے گا (یہ نفخ ثانی ہوگا) اور مجرموں کو (یعنی کافرین کو) اس روز جمع کریں گے کہ وہ نیلی آنکھوں والے ہوں گے (اور اسی کے ساتھ چہرے سیاہ ہوں گے) آپس میں چپکے چپکے باتیں کر رہے ہوں گے۔ تم لوگ تو بس دس (ہی) دن رہے ہوگے (دنیا میں) ہم ہی خوب جانتے ہیں، جس کی نسبت وہ باتیں کر رہے ہیں (یعنی مدت اتنی ہی نہیں تھی جتنی یہ کہہ رہے ہیں۔ اسے تو ہم ہی اچھی طرح جانتے ہیں) جبکہ ان میں کا سب سے زیادہ صائب الرائے یہ کہتا ہوگا کہ تم تو بس ایک دن رہے (دنیا کے قیام کو آخرت کی ہولناکیوں کے مقابلہ میں بہت ہی مختصر سمجھ رہے ہوں گے)۔

تحقیق وترکیب:......... **فاضرب لهم طریقاً**. طریقاً مفعول بہ ہے اور بطور مجاز اسے مفعول بہ بنایا گیا ہے۔ کیونکہ یہ راستہ دریا پر لاٹھی مارنے سے وجود پذیر ہوگا۔ معنی یہ ہیں کہ دریا پر لاٹھی مارنے سے اس کے نتیجہ میں راستہ بن جائے گا۔ اس طرح

ضرب کی نسبت طریق کی جانب صحیح ہوگی اور یہ بھی ہے کہ اضرب اجعل لھم کے معنی میں ہو۔ معنی ہوں گے کہ راستہ بنا دیجئے۔ طریق سے یہاں جنس مراد ہے۔ کیونکہ قبائل بنو اسرائیل کی تعداد کے مطابق بارہ راستے نمایاں ہوئے تھے۔ فی البحر سے مراد بحر احمر کا شمالی خلیج ہے۔

ماغشیھم یہ جوامع الکلم میں سے ہے۔ الفاظ کے اختصار کے باوجود کثیر معنی اس سے مفہوم ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ پانی اس قدر کثیر مقدار میں چڑھ آیا جس کی عمق و گہرائی خدا تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔

نزلنا. وادی تیہ میں انہیں من دیا گیا۔ یہ ایک سفید رنگ کی میٹھی چیز تھی۔ بقول مفسرین اس کے نزول کا سلسلہ صبح سے طلوع شمس تک جاری رہتا اور ہر شخص کو کافی مقدار میں ملتا۔ ہوائیں چلتیں تو بٹیر ان کے پاس پہنچ جاتے اور پانی کے انتظام کے لئے چشمے مہیا ہو گئے تھے۔

طیبٰت. وہ چیزیں جو حلال ہیں اور ساتھ ہی لذیذ بھی۔ **کلوا.** امر کا صیغہ ہے لیکن اس سے مراد حکم نہیں، بلکہ اجازت مفہوم ہے۔ **ھویٰ** کے لفظی معنی پہاڑ سے گرا اور ہلاک ہو گیا۔

ما اعجلک عن قومک. خدا تعالیٰ نے حکم فرمایا تھا کہ جب توریت لینے آؤ تو ان افراد کو بھی اپنے ساتھ لیتے آنا جن کی تعداد ستر تھی۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام شوق میں تو آگے چلے گئے اور ان افراد کو کہا کہ تم میرے پیچھے پیچھے آ جاؤ۔ انہیں کے متعلق سوال ہو رہا ہے کہ وہ افراد کہاں ہیں اور تم نے آنے میں جلدی کیوں کی۔

اضلھم السامری. **سامری** کی تحقیق یہ ہے کہ اس شخص کا نام موسیٰ بن ظفر ہے۔ قبیلہ سامرہ کا رہنے والا تھا اس وجہ سے اسے سامری کہہ دیا۔ **فاخرج لھم عجلا** کا عطف **و اضلھم السامری** پر ہے۔

جسداً. حال ہے عجل سے۔ یعنی ان کے لئے ایک بچھڑا جسد کی شکل میں تیار کیا۔ بعض اہل لغت نے تصریح کی ہے۔ جس کا اطلاق حیوان عاقل ہی پر ہوتا ہے۔ مثلاً: انسان، ملائکہ اور جن۔

فنسی. یا تو یہ سامری کا قول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام معبود کو تو یہاں چھوڑ کر طور پر تلاش کرنے گئے یا یہ کہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ سامری اپنے رب کو بھول گیا اور جن چیزوں پر وہ ایمان لایا تھا ان سب کو چھوڑ چھاڑ دیا۔

الاتتبعن. لا زائد ہے اور تتبعن کے لفظی معنی یہ ہیں کہ میری پیروی کرتے۔ یعنی یہ کہ میرے پاس طور پر چلے آتے۔

یبنؤم. حضرت ہارون علیہ السلام کا اے ابن ام کہہ کر مخاطب کرنا بطور شفقت کے تھا۔ جیسا کہ اسرائیلیوں میں اس کا رواج تھا۔ اس سے یہ سمجھنا غلط ہے کہ وہ صرف ماں شریک بھائی تھے۔

زرقا. نیلی آنکھوں والے۔ یہ اس وجہ سے کہا کہ عرب آنکھوں کے نیلے پن کو بہت برا رنگ سمجھتے تھے۔ کیونکہ ان کے دشمن اہل روم کی آنکھیں نیلی ہوتی تھیں۔ زرق کے دوسرے معنی اندھے کے بھی کئے گئے ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حشر میں کفار اندھے ہوں گے۔

﴿تشریح﴾:..........فرعون کی غرق آبی:.......... جب ان ساحروں سے نمٹ چکے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کی تقریریں فرعون پر اثر انداز نہ ہوئیں تو حکم خداوندی ملا کہ تمام بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر راتوں رات مصر سے روانہ ہو جاؤ۔ آپ حسب حکم بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔ مصر سے فلسطین جانے کے دو راستے تھے۔ ایک خشکی کا راستہ جو قریب کا راستہ تھا اور دوسرا بحر احمر کا راستہ جو دریا کو عبور کر کے بیابان تیہ سے ہوتے ہوئے فلسطین پہنچتا ہے اور یہ راستہ دور کا ہے۔ لیکن

مصلحت خداوندی یہی تھی کہ قریب کا راستہ چھوڑ کر دور کا راستہ اختیار کیا جائے اور بحر احمر کو عبور کیا جائے۔

جب اس کی اطلاع فرعون کو پہنچی تو وہ بہت پریشان ہوا اور حکم دیا کہ لشکر کو جمع کر لیا جائے اور پھر خود اس لشکر کو لے کر موسیٰ علیہ السلام کے تعاقب میں نکل پڑا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مع اسرائیلیوں کے سمندر پر پہنچے تو پریشانی ہوئی کہ اب اس سمندر کو کس طرح عبور کریں۔ ادھر اس کا اندیشہ تھا کہ کہیں فرعون کو فرار کی اطلاع ہو جائے اور وہ تعاقب کرتا ہوا یہاں نہ آ پہنچے۔ تو وحی نازل ہوئی کہ اے موسیٰ! اپنی لکڑی کو سمندر پر مارو۔ جس کے نتیجہ میں خشک راستہ نکل آئے گا۔ لکڑی پانی پر مارنا تھا کہ پانی دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور بیچ سے خشک راستہ نکل آیا۔ جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تمام بنی اسرائیل باآسانی و بحفاظت سمندر پار کر گئے۔

راستہ اب بھی اسی انداز میں موجود تھا کہ اتنے میں فرعون بھی مع اپنے لشکر کے آ پہنچا۔ اس نے جو دیکھا کہ سمندر کے بیچ میں خشک راستہ بنا ہوا ہے اور اسرائیلی سمندر کے اس جانب میں موجود ہیں تو اس نے فوراً اپنے لشکر کو حکم دیا کہ اس رستہ سے سمندر پار کر کے اسرائیلیوں کو جا پکڑو۔ اس کا سمندر میں اترنا تھا کہ دونوں طرف سے پانی آ ملا اور فرعون معہ تمام لشکر کے ڈوب گیا۔ اس طرح سے دنیا نے دیکھ لیا کہ فرعون کی دینی رہنمائی تو غلط تھی ہی، دنیاوی اعتبار سے بھی وہ کتنے نقصان میں رہا اور خود بھی اور اپنے ساتھ اپنے متبعین کو بھی ہلاک کرا کے رہا۔

واقعہ کی تفصیلات معلوم ہونے کے بعد اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے سمندر کا راستہ اسی وجہ سے منتخب کیا تھا کیونکہ فرعون تعاقب کرتا ہوا اسرائیلیوں کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اگر سمندر کا معجزہ پیش نہ آتا تو وہ ان کو واپس مصر لے جانے میں کامیاب ہو جاتا۔

انعامات:............ اب اس کے بعد خدا تعالیٰ ان احسانات کا تذکرہ کر رہے ہیں جو بنی اسرائیل پر کئے گئے ہیں۔ فرما رہے ہیں کہ ہم نے تمہیں دشمنوں سے نجات دی اور تمہارے سامنے ان کو غرق کر دیا۔ یہودی اس تاریخ کو موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کے مقابلہ میں کامیابی کی خوشی میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ جب آنحضور ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہمیں تو تم سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام سے قرب ہے اور اسی دن آپ نے اپنی امت کو عاشورہ کے روزہ کا حکم دیا۔

خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے دوسرا احسان یہ کیا کہ تمہارے پیغمبر اور چند منتخب افراد کو طور پر بلایا تاکہ تمہیں کتاب ہدایت عطا کروں اور یہ بھی میرا احسان ہے کہ ہم نے مقام تیہ میں تمہارے لئے من و سلویٰ اتارا۔ من برف کے مانند کوئی میٹھی چیز ہوتی تھی اور سلویٰ ایک پرندہ تھا جو بھنا ہوا اترتا تھا۔ اسی کے متعلق حکم ہے کہ ہم نے جو تمہیں یہ نعمتیں دی ہیں اسے کھاؤ اور حرام چیزوں کو استعمال میں نہ لاؤ اور ان نعمتوں کو کھا کر پھر کفران نعمت نہ کرو۔ ورنہ میرا غضب نازل ہو جائے گا اور تمہیں معلوم ہے کہ جس پر میرا غضب نازل ہو جاتا ہے وہ کتنا بدبخت و بدنصیب ہوتا ہے۔ سوائے ہلاکت و بربادی کے اس کے حصہ میں کچھ نہیں آتا تھا۔ البتہ وہ لوگ بچ جاتے ہیں جو صدق دل سے توبہ کر لیتے ہیں اور پھر اس پر جمے رہتے ہیں۔ بشرطیکہ ان کے پاس ایمان بھی ہو اور عمل صالح کا اہتمام کرتا ہو۔

قوم کا مطالبہ:............ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر پار کر کے مقام تیہ میں کسی ایسی جگہ پہنچے جہاں لوگ بت بنا کر اس کی پرستش کیا کرتے تھے تو آپ کی قوم نے بھی مطالبہ کیا کہ اے موسیٰ! ہم لوگوں کے واسطے بھی کوئی معبود بنا دیجئے۔ جس کی ہم پرستش کریں۔ جس پر موسیٰ علیہ السلام نے ان کو سمجھا بجھا کر خاموش کر دیا۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا کہ چند منتخب افراد کے ساتھ طور پر آ جاؤ تاکہ امت کے واسطے کتاب ہدایت عطا کروں۔ تو شوق میں موسیٰ علیہ السلام ان افراد کو اپنے پیچھے آنے کا حکم دے کر خود جلدی

سے طور پر پہنچ گئے۔ تو اس وقت خدا تعالیٰ نے پوچھا کہ تم نے آنے میں اتنی جلدی کیوں کی اور وہ منتخب افراد کہاں رہ گئے؟ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ بھی قریب ہی ہیں۔ میرے پیچھے آ رہے ہیں اور میں نے آنے میں جلدی اس وجہ سے کی تا کہ آپ کی خوشنودی حاصل ہو جائے۔

اس پر خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے آنے کے بعد تمہاری قوم ایک نئے فتنہ میں مبتلا ہو گئی۔ اسے سامری نے گمراہ کر کے گئو سالہ پرستی میں لگا دیا ہے۔ قرآن مجید نے سامری کی تصریح اس وجہ سے ضروری سمجھی کہ توریت نے اس گئو سالہ پرستی کی ذمہ داری نعوذ باللہ خود حضرت ہارون علیہ السلام پر ڈال دی تھی تو قرآن کی تصریح سے معلوم ہوا کہ مجرم حضرت ہارون علیہ السلام نہیں بلکہ سامری تھا۔

سامری:......... سامری کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ کون تھا؟ سامری اس کا نام تھا یا لقب۔ تو بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ قبیلہ سامرہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس وجہ سے اسے سامری کہا جاتا تھا۔ لیکن یہ اس وجہ سے صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ یہ قبیلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت موجود ہی نہیں تھا بلکہ بہت بعد میں آباد ہوا اور بعض کی رائے یہ ہے کہ قبیلہ شامر کی جانب منسوب ہے جو عبرانی لفظ ہے اور عربی میں یہی تبدیل ہو کر سامر بن گیا اور ایک رائے یہ ہے کہ یہ سمیری قوم کا ایک فرد ہے اور قوم سمیری کو عرب میں پہلے سے سامرہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اور اب بھی عراق میں یہ قوم آباد ہے اور اسی سامرہ کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ یہی تحقیق زیادہ راجح اور صحیح معلوم ہوتی ہے۔ بہر حال ان اقوال سے معلوم ہوا کہ سامری نام نہیں بلکہ لقب ہے اور یہ کہ وہ شخص اسرائیلی نہیں بلکہ سامری تھا اور مصر سے آتے ہوئے یہ بھی ویسے ہی اسرائیلیوں کے ساتھ ہو لیا تھا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام طور سے واپس ہوئے تو اپنی قوم پر بہت غصہ ہوئے اور اس بری حرکت پر بہت برا بھلا کہا اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے تم سے نزول شریعت کا وعدہ کیا تھا۔ جس کے لئے میں طور پر گیا ہوا تھا۔ نیز تم لوگوں پر خدا تعالیٰ کے کتنے احسانات اور انعامات ہیں۔ مگر تم نے اس کا بھی کوئی خیال نہیں کیا اور اس لغو حرکت میں مبتلا ہو گئے۔ تم تو مجھ سے کئے ہوئے وعدہ دین حق پر قائم رہنے کو بھی بھلا بیٹھے۔ کیا مجھے گئے ہوئے اتنا زمانہ ہو گیا تھا کہ میری واپسی سے بالکل مایوس ہو گئے تھے۔ جس کے نتیجہ میں یہ حرکت کر بیٹھے اور اپنے آپ کو خدا کے عذاب میں پھنسا لیا۔ تفسیری بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک مہینہ کے اعتکاف کی نیت سے طور پر تشریف لے گئے تھے اور اپنی عدم موجودگی میں اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنا گئے۔ لیکن وہاں بجائے ایک مہینہ کے چالیس دن آپ کا قیام رہا۔ اور جب آپ کو قوم کی گمراہی کی اطلاع ہوئی تو فوراً واپس آئے اور پوچھ گچھ شروع کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ڈانٹ ڈپٹ پر اسرائیلی معذرت کرنے لگے اور کہا کہ یہ سب کچھ ہم نے اپنے ارادہ سے نہیں کیا بلکہ اس سامری نے ہمیں بہکا کر ان تمام زیورات کو جو ہم نے فرعونیوں سے مستعار لئے تھے سب کو آگ میں ڈلوا دیا اور جب وہ پگھل گئے تو اس سے بچھڑے کی صورت بنائی اور اس میں مٹی ڈال دی جس کے نتیجہ میں وہ بولنے لگا۔ پھر سامری نے ہم لوگوں کو بہکایا کہ تمہارا معبود تو یہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو بھول ہو گئی اور وہ طور پر توریت لینے کو چلے گئے۔ بد قسمتی سے ہم اس کے بہکائے میں آ گئے۔

نسی کی اگر نسبت سامری کی طرف کریں تو اس صورت میں معنی ہوں گے کہ سامری خدا اور اس کے دین کو بھول بیٹھا اور ایک ایسی چیز کی پرستش میں لگ گیا جو نہ کچھ سن سکے اور نہ کوئی بات سمجھ سکے اور نہ کسی طرح کا نفع ونقصان ہی پہنچا سکے۔

فہمائش:......... یہ صورت حال دیکھ کر ہارون علیہ السلام نے قوم کو بہت سمجھایا کہ تم کس چکر میں پھنس گئے ہو۔ سامری کی یہ ساری چیزیں لغو اور باطل ہیں۔ واقعی معبود اور پرستش کے قابل تو خدا تعالیٰ ہیں۔ میں جو کچھ کہتا ہوں اسے سنو۔ میں تمہیں سیدھے

راستے پر لے جارہا ہوں۔

چونکہ مروجہ توریت نے اس جرم میں حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی ملوث کردیا تھا اس لئے قرآن مجید نے ضروری سمجھا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی برأت کرے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کے منع کرنے پر اسرائیلیوں نے جواب دیا کہ ابھی تو ہمیں اسی حالت پر چھوڑ دو۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آجائیں گے تو دیکھا جائے گا کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ پھر اسی کے مطابق عمل کریں گے۔

موسیٰ علیہ السلام کی واپسی:......... جب موسیٰ علیہ السلام طور سے واپس آئے تو غصہ میں پہلے تو قوم کو ڈانٹ ڈپٹ کی۔ جب ان سے نمٹے تو حضرت ہارون علیہ السلام کو مخاطب کیا۔ جنہیں وہ اپنا جانشین و نائب بنا کر گئے تھے۔ غصہ کی حالت میں ان کے سر کے بال اور ڈاڑھی پکڑ کر کہنے لگے کہ تم نے بھی میری مخالفت شروع کردی تھی۔ تم کو میں نے جب اپنا نائب بنایا تھا تو تمہیں قوم کو سنبھالنا چاہیئے تھا اور جب تم نے دیکھا کہ قوم گمراہی میں مبتلا ہو چکی ہے تو ہمیں فوراً خبر کرنی چاہیئے تھی۔ یا یہ کہ ان سے قطع تعلق کر کے طور پر آجانا چاہیئے تھا۔ تم ان کی غلط حرکتوں کو کیوں دیکھتے رہے۔ اس پر حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میرے بھائی میرا عذر تو سن لیجئے پھر کوئی فیصلہ کیجئے گا۔ میں نے تو اس خیال سے اطلاع نہیں دی کہ کہیں آپ مجھ سے خفا نہ ہو جائیں کہ تم نے ان کو تنہا کیوں چھوڑ دیا۔ یا یہ کہ تم نے ان کے درمیان اختلاف کیوں ڈال دیا۔ کیونکہ ظاہر ہے جب میں یہاں سے روانہ ہوتا تو وہ لوگ بھی میرے ساتھ ہولیتے جنہوں نے بت پرستی نہیں کی تھی۔ اس طرح کچھ میرے ساتھ ہوتے اور کچھ یہیں رہ جاتے۔ اس اختلاف کے اندیشہ سے میں یہاں سے روانہ نہیں ہوا، ورنہ میں ضرور آپ تک پہنچتا۔

جب حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف سے بھی عذر و معذرت آگئی تو پھر سامری سے باز پرس کی گئی کہ تم نے یہ کیا حرکت کی اس پر اس نے کہا کہ مجھے ایک ایسی چیز کا پتہ چلا جس کا علم کسی کو نہیں ہوسکا۔ وہ یہ کہ جب جبرئیل علیہ السلام فرعون کی ہلاکت کے لئے تشریف لائے تو میں نے ان کے گھر کے نیچے کی مٹی اٹھالی۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سامری نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو گھوڑے پر سوار دیکھ لیا تھا اور یہ کہ ان کے گھوڑے کا پاؤں جس جگہ پر بھی پڑتا ہے زمین ہری اور سرسبز ہو جاتی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر اس نے اپنی عقل سے یہ فیصلہ کیا کہ یقیناً پیر کے نیچے کی مٹی میں حیات بخش تاثیر معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ اس نے اس میں سے کچھ مٹی اٹھا کر اپنے پاس رکھ لی۔ اسی کو کہہ رہا ہے کہ میں نے اس مٹی کو اس ڈھانچہ میں ڈال دیا اور یہ کہ اس کام کی کوئی دلیل عقلی یا شرعی تو میرے پاس ہے ہی نہیں۔ البتہ میرے دل کو یہی پسند آیا جسے میں نے کر ڈالا۔

اس آیت کی دوسری تفسیر جمہور مفسرین کے خلاف ابو مسلم اصفہانی نے کی ہے اور بعض دوسرے مفسرین نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ فبصرت بما لم یبصروا۔ کے معنی ہیں کہ سامری حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق پر نہیں سمجھتا تھا اور قبضت قبضة من اثر الرسول میں رسول سے مراد بجائے جبرئیل علیہ السلام کے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور اثر رسول سے مراد اتباع ہے اور قبضةً کا مطلب تھوڑی سی پیروی ہے اور فنبذتها سے مراد ترک اتباع ہے۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ سامری نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ جواب دیا کہ مجھ کو یہ بات سوجھی کہ آپ حق پر نہیں۔ لیکن اس کے باوجود میں نے کچھ آپ کا اتباع کرلیا تھا مگر میرا دل اس پر جم نہیں سکا۔ بالآخر میں نے اسے بھی چھوڑ دیا اور یہی بات میرے دل کو پسند آئی۔

یہ سارا قصہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے لئے دنیا میں یہ سزا تجویز کی کہ اس سے قطع تعلق کرلیا جائے اور اس کا کسی سے ملنا جلنا نہ رہے۔ حد تو یہ ہے کہ اسے کوئی ہاتھ بھی نہ لگائے۔ گویا سماج میں اسے اچھوت قرار دے دیا گیا۔ مولانا گیلانیؒ کی رائے یہ ہے کہ عجب نہیں ہندوستان میں جو چھوت چھات ہے اس کا تعلق اسی سامری کے اچھوتے پن سے ہو۔ تو یہ سزا تو دنیا میں مل گئی

اور دوسری سزا آخرت میں مل کر رہے گی اور رہا تمہارے معبود کا معاملہ تو اسے ہم ابھی جلا کر خاک کر ڈالتے ہیں اور اس کی راکھ کو دریا میں بہا دیتے ہیں تا کہ اس کا نام ونشان بھی نہ رہے۔ نہ یہ رہے گا اور نہ فتنہ ابھرے گا اور ساتھ ہی یہ بھی مقصد تھا کہ معبود باطل کا ضعف اور بے بسی کا منظر عملی طور پر بنواسرائیل کے سامنے لے آئیں کہ وہ اپنی آنکھوں سے خود دیکھ لیں کہ سامری کا تیار کردہ بچھڑا اگر واقعی خدا ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام کے اس اقدام کا مقابلہ کرتا۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے ایک عام تقریر کی کہ دنیا کی کوئی چیز معبود بننے کے قابل نہیں ہے۔ قابل پرستش تو صرف خدا ہی کی ذات ہوسکتی ہے۔ اس کے صفات میں کوئی بھی شریک نہیں اور اس کا علم بہت وسیع ہے۔ جس کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ذرے ذرے کا اسے علم ہے۔ اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔

داستاں سرائی اور اس کا مقصد:......... ارشاد خداوندی ہے کہ ہم نے آپ علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واقعات بالتفصیل سنائے اور اسی طرح پچھلی قوموں کے اور بھی قصے آپ کو سنانا چاہتے ہیں۔ تا کہ آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کی صداقت پر لوگوں کو یقین آجائے اور ہم نے تو آپ ﷺ کو ایک ایسی جامع ترین کتاب دیٔ ہے کہ اس سے پہلے کسی بھی نبی کو ایسی کتاب نہیں ملی۔ قرآن میں تو اخلاقی ہدایات، قانونی دفعات اور زندگی گزارنے کے تمام طریقے موجود ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی اس سے اعراض اور روگردانی کرے گا تو اس گناہ کا بوجھ اپنے کاندھے پر اٹھائے قیامت میں حاضر ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس گناہ کا نتیجہ سوائے جہنم کے اور کچھ نہیں اور یہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ اور جس دن ہم صور پھونکیں گے اس دن یہ مجرمین اس حالت میں جمع ہوں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔ آنکھوں میں نیلا پن خوف ودہشت کی وجہ سے پیدا ہوجائے اور آنکھوں کے نیلے پن کو اس وجہ سے بیان کیا کہ عرب نیلی آنکھوں کو بہت مکروہ سمجھتے تھے۔ زرق کے دوسرے معنی اندھے کے بھی کئے گئے ہیں۔ تو مطلب ہوگا کہ آخرت میں یہ کفار اندھے جمع ہوں گے اور خوف ودہشت میں یہ کفار آپس میں چپکے چپکے باتیں کررہے ہوں گے کہ ہمارا خیال تو یہ تھا کہ مرنے کے بعد زندہ نہ ہوں گے۔ لیکن یہ تو بالکل غلط نکلا۔ نیز کچھ زیادہ دنوں تک بھی برزخ میں نہ رہنے پائے۔ مشکل سے دس دن رہے ہوں گے کہ پھر زندہ ہونا پڑا۔ دوسرے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ یہ برزخ کے قیام کے بارے میں گفتگو نہیں ہوئی بلکہ دنیاوی زندگی کے بارے میں کہیں گے کہ ہم تو دنیا میں ابھی مشکل سے دس دن ہی رہ پائے ہوں گے۔ اسی کو کہہ رہے ہیں کہ ہم ان کی اس چپکے چپکے باتیں کرنے کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ بلکہ ان کے عقلاء تو یہ کہیں گے کہ میاں دس دن بھی کہاں، ہم تو ایک ہی دن رہ پائے ہوں گے۔ غرضیکہ دنیاوی زندگی انہیں ایک خواب کی طرح معلوم ہوگی۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ كَيْفَ تَكُوْنُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **فَقُلْ** لَهُمْ **يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا**﴿۱۰۵﴾ بِاَنْ يُفَتِّتَهَا كَـالرَّمْلِ السَّائِلِ ثُمَّ يُطَيِّرُهَا بِالرِّيَاحِ **فَيَذَرُهَا قَاعًا** مُنْبَسِطًا **صَفْصَفًا**﴿۱۰۶﴾ مُسْتَوِيًا **لَّاتَرٰى فِيْهَا عِوَجًا** اِنْخِفَاضًا **وَّلَآ اَمْتًا**﴿۱۰۷﴾ اِرْتِفَاعًا **يَوْمَئِذٍ** اَىْ يَوْمَ اِذَا نُسِفَتِ الْجِبَالُ **يَّتَّبِعُوْنَ** اَىِ النَّاسُ بَعْدَ الْقِيَامِ مِنَ الْقُبُوْرِ **الدَّاعِيَ** اِلَى الْمَحْشَرِ بِصَوْتِهٖ وَهُوَ اِسْرَافِيْلُ يَقُوْلُ هَلُمُّوْا اِلٰى عَرْضِ الرَّحْمٰنِ **لَاعِوَجَ لَهٗ** اَىْ لِاِتِّبَاعِهِمْ اَىْ لَايَقْدِرُوْنَ اَنْ لَّا يَتَّبِعُوْا **وَخَشَعَتِ** سَكَنَتِ **الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا**

هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ صَوْتَ وَطْيِ الْاَقْدَامِ فِي نَقْلِهَا اِلَى الْمَحْشَرِ كَصَوْتِ اَخْفَافِ الْاِبِلِ فِي مَشْيِهَا **يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ** اَحَدًا **اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ** اِنْ يَشْفَعَ لَهُ **وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا** ﴿۱۰۹﴾ بِاَنْ يَّقُوْلَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ **يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ** مِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ **وَمَا خَلْفَهُمْ** مِنْ اُمُوْرِ الدُّنْيَا **وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا** ﴿۱۱۰﴾ لَا يَعْلَمُوْنَ ذٰلِكَ **وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ** خَضَعَتْ **لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ** اَيِ اللّٰهِ **وَقَدْ خَابَ** خَسِرَ **مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا** ﴿۱۱۱﴾ شِرْكًا **وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ** الطَّاعَاتِ **وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا** بِزِيَادَةٍ فِي سَيِّاٰتِهٖ **وَّلَا هَضْمًا** ﴿۱۱۲﴾ بِنَقْصٍ مِنْ حَسَنَاتِهٖ **وَكَذٰلِكَ** مَعْطُوْفٌ عَلٰى كَذٰلِكَ نَقُصُّ اَيْ مِثْلَ اِنْزَالِ مَاذُكِرَ **اَنْزَلْنٰهُ** اَيِ الْقُرْاٰنَ **قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا** كَرَّرْنَا **فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ** الشِّرْكَ **اَوْ يُحْدِثُ** الْقُرْاٰنُ **لَهُمْ ذِكْرًا** ﴿۱۱۳﴾ بِهَلَاكِ مَنْ تَقَدَّمَهُمْ مِنَ الْاُمَمِ فَيَعْتَبِرُوْنَ **فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ** عَمَّا يَقُوْلُ الْمُشْرِكُوْنَ **وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ** اَيْ بِقِرَاءَتِهٖ **مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ** اَيْ يَفْرُغَ جِبْرِيْلُ مِنْ اِبْلَاغِهٖ **وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا** ﴿۱۱۴﴾ اَيْ بِالْقُرْاٰنِ فَكُلَّمَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْهُ زَادَ بِهٖ عِلْمُهٗ **وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ** وَصَّيْنَاهُ اَنْ لَا يَاْكُلَ مِنَ الشَّجَرَةِ **مِنْ قَبْلُ** اَيْ قَبْلَ اَكْلِهٖ مِنْهَا **فَنَسِيَ** تَرَكَ عَهْدَنَا **وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا** ﴿۱۱۵﴾ حَزْمًا وَصَبْرًا عَمَّا نَهَيْنَاهُ عَنْهُ وَاذْكُرْ **اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ** وَهُوَ اَبُو الْجِنِّ كَانَ يَصْحَبُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَيَعْبُدُ اللّٰهَ مَعَهُمْ **اَبٰى** ﴿۱۱۶﴾ عَنِ السُّجُوْدِ لِاٰدَمَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ **فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ** حَوَّاءَ بِالْمَدِّ **فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى** ﴿۱۱۷﴾ تَتْعَبُ بِالْحَرْثِ وَالزَّرْعِ وَالْحَصْدِ وَالطَّحْنِ وَالْخُبْزِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ وَاقْتَصَرَ عَلٰى شَقَاهُ لِاَنَّ الرَّجُلَ يَسْعٰى عَلٰى زَوْجَتِهٖ **اِنَّ لَكَ اَ لَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى** ﴿۱۱۸﴾ **وَاَنَّكَ** بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ وَكَسْرِهَا عَطْفًا عَلٰى اِسْمِ اِنَّ وَجُمْلَتِهَا **لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا** تَعْطَشُ **وَلَا تَضْحٰى** ﴿۱۱۹﴾ لَا يَحْصُلُ لَكَ حَرُّ شَمْسِ الضُّحٰى لِانْتِفَاءِ الشَّمْسِ فِي الْجَنَّةِ **فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ** اَيِ الَّتِيْ يَخْلُدُ مَنْ يَاْكُلُ مِنْهَا **وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى** ﴿۱۲۰﴾ لَا يَفْنٰى وَهُوَ لَازِمُ الْخُلُوْدِ **فَاَكَلَا** اٰدَمُ وَحَوَّاءُ **مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا** اَيْ ظَهَرَ لِكُلٍّ مِنْهُمَا قُبُلُهٗ وَقُبُلُ الْاٰخَرِ وَدُبُرُهٗ وَسُمِّيَ كُلٌّ مِنْهُمَا سَوْءَةً لِاَنَّ اِنْكِشَافَهٗ يَسُوْءُ صَاحِبَهٗ **وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ** اَخَذَا يَلْزِقَانِ **عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ** لِيَسْتَتِرَا بِهٖ **وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى** ﴿۱۲۱﴾ بِالْاَكْلِ مِنَ الشَّجَرَةِ **ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ** قَرَّبَهٗ **فَتَابَ عَلَيْهِ** قَبِلَ تَوْبَتَهٗ **وَهَدٰى** ﴿۱۲۲﴾ اَيْ هَدَاهُ اِلَى الْمُدَاوَمَةِ عَلَى التَّوْبَةِ **قَالَ اهْبِطَا** اَيْ اٰدَمُ وَحَوَّاءُ بِمَا اشْتَمَلْتُمَا عَلَيْهِ مِنْ

ذُرِّيَّتِكُمَا **مِنْهَا** مِنَ الْجَنَّةِ **جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ** بَعْضَ الذُّرِّيَّةِ **لِبَعْضٍ عَدُوٌّ** مِنْ ظُلْمِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا **فَاِمَّا** فِيْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِي مَا الزَّائِدَةِ **يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ** اَيِ الْقُرْاٰنَ **فَلَا يَضِلُّ** فِي الدُّنْيَا **وَلَا يَشْقٰى** ﴿۱۲۳﴾ فِي الْاٰخِرَةِ **وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ** اَيِ الْقُرْاٰنِ فَلَمْ يُؤْمِنْ بِهٖ **فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا** بِالتَّنْوِيْنِ مَصْدَرٌ بِمَعْنٰى ضِيْقِهٖ وَفُسِّرَتْ فِي حَدِيْثٍ بِعَذَابِ الْكَافِرِ فِي قَبْرِهٖ **وَّنَحْشُرُهٗ** اَيِ الْمُعْرِضَ عَنِ الْقُرْاٰنِ **يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى** ﴿۱۲۴﴾ اَيْ اَعْمَى الْبَصَرِ اَوِ الْقَلْبِ **قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا** ﴿۱۲۵﴾ فِي الدُّنْيَا وَعِنْدَ الْبَعْثِ **قَالَ** الْاَمْرُ **كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا** تَرَكْتَهَا وَلَمْ تُؤْمِنْ بِهَا **وَكَذٰلِكَ** مِثْلَ نِسْيَانِكَ اٰيٰتِنَا **الْيَوْمَ تُنْسٰى** ﴿۱۲۶﴾ تُتْرَكُ فِي النَّارِ **وَكَذٰلِكَ** وَمِثْلَ جَزَائِنَا مَنْ اَعْرَضَ عَنِ الْقُرْاٰنِ **نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ** اَشْرَكَ **وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ** مِنْ عَذَابِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ **وَاَبْقٰى** ﴿۱۲۷﴾ اَدْوَمُ **اَفَلَمْ يَهْدِ** يَتَبَيَّنْ **لَهُمْ** لِكُفَّارِ مَكَّةَ **كَمْ** خَبَرِيَّةٌ مَفْعُوْلٌ **اَهْلَكْنَا** اَيْ كَثِيْرًا اِهْلَاكُنَا **قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ** اَيِ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ بِتَكْذِيْبِ الرُّسُلِ **يَمْشُوْنَ** حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ لَهُمْ **فِيْ مَسٰكِنِهِمْ** فِي سَفَرِهِمْ اِلَى الشَّامِ وَغَيْرِهَا فَيَعْتَبِرُوْا وَمَا ذُكِرَ مِنْ اَخْذِ اِهْلَاكٍ مِنْ فِعْلِهٖ الْخَالِيْ عَنْ حَرْفٍ مَصْدَرِيٍّ لِرِعَايَةِ الْمَعْنٰى لَا مَانِعَ مِنْهُ **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ** لَعِبَرًا **لِّاُولِي النُّهٰى** ﴿۱۲۸﴾ لِذَوِي الْعُقُوْلِ **وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ** بِتَاْخِيْرِ الْعَذَابِ عَنْهُمْ اِلَى الْاٰخِرَةِ **لَكَانَ** الْاِهْلَاكُ **لِزَامًا** لَازِمًا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا **وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى** ﴿۱۲۹﴾ مَضْرُوْبٌ لَهٗ مَعْطُوْفٌ عَلَى الضَّمِيْرِ الْمُسْتَتِرِ فِي كَانَ وَقَامَ الْفَصْلُ بِخَبَرِهَا مَقَامَ التَّاْكِيْدِ **فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ** مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ الْقِتَالِ **وَسَبِّحْ** صَلِّ **بِحَمْدِ رَبِّكَ** حَالٌ اَيْ مُتَلَبِّسًا بِهٖ **قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ** صَلٰوةَ الصُّبْحِ **وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا** صَلٰوةَ الْعَصْرِ **وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ** سَاعَاتِهٖ **فَسَبِّحْ** صَلِّ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ **وَاَطْرَافَ النَّهَارِ** عَطْفٌ عَلٰى مَحَلِّ مِنْ اٰنَاءِ الْمَنْصُوْبِ اَيْ صَلِّ الظُّهْرَ لِاَنَّ وَقْتَهَا يَدْخُلُ بِزَوَالِ الشَّمْسِ فَهُوَ طَرَفُ النِّصْفِ الْاَوَّلِ وَطَرَفُ النِّصْفِ الثَّانِيْ **لَعَلَّكَ تَرْضٰى** ﴿۱۳۰﴾ بِمَا تُعْطٰى مِنَ الثَّوَابِ **وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا** اَصْنَافًا **مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** زِيْنَتَهَا وَبَهْجَتَهَا **لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ** بِاَنْ يَطْغَوْا **وَرِزْقُ رَبِّكَ** فِي الْجَنَّةِ **خَيْرٌ** مِمَّا اُوْتُوْهُ فِي الدُّنْيَا **وَّاَبْقٰى** ﴿۱۳۱﴾ اَدْوَمُ **وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ** اِصْبِرْ **عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ** نُكَلِّفُكَ **رِزْقًا** لِنَفْسِكَ وَلَا لِغَيْرِكَ **نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ** الْجَنَّةُ **لِلتَّقْوٰى** ﴿۱۳۲﴾ لِاَهْلِهَا **وَقَالُوْا** اَيِ الْمُشْرِكُوْنَ **لَوْلَا** هَلَّا **يَاْتِيْنَا** مُحَمَّدٌ **بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ** مِمَّا يَقْتَرِحُوْنَهٗ **اَوَلَمْ يَاْتِهِمْ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **بَيِّنَةُ**

ع ۱۲ / ۱۶

بَیَانُ **مَافِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی** ﴿۱۳۳﴾ الْمُشْتَمِلُ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ مِنْ اَنْبَاءِ الْاُمَمِ الْمَاضِیَةِ وَاِهْلَاکِهِمْ بِتَکْذِیْبِ الرُّسُلِ **وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَکْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ** قَبْلَ مُحَمَّدٍ الرَّسُوْلِ **لَقَالُوْا** یَوْمَ الْقِیٰمَةِ **رَبَّنَا لَوْلَآ** هَلَّا **اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِکَ** الْمُرْسَلَ بِهَا **مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ** فِی الْقِیٰمَةِ **وَنَخْزٰی** ﴿۱۳۴﴾ فِی جَهَنَّمَ **قُلْ** لَهُمْ **کُلٌّ** مِنَّا وَمِنْکُمْ **مُّتَرَبِّصٌ** مُنْتَظِرٌ مَایَؤُلُ اِلَیْهِ الْاَمْرُ **فَتَرَبَّصُوْا فَسَتَعْلَمُوْنَ** فِی الْقِیٰمَةِ **مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ** الطَّرِیْقِ **السَّوِیِّ** الْمُسْتَقِیْمِ **وَمَنِ اهْتَدٰی** ﴿۱۳۵﴾ مِنَ الضَّلَالَةِ اَنَحْنُ اَمْ اَنْتُمْ۔

ع ۸ ۔ ۱۷

ترجمہ:............اور لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں (کہ قیامت کے دن ان کا کیا حشر ہوگا) آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار ان کو بالکل اڑا دے گا......(یعنی ان پہاڑوں کو ریت کی طرح چورا چورا کر دے گا اور پھر اسے ہوا میں اڑا کر رکھ دے گا) پھر زمین کو چٹیل میدان کر دے گا کہ جس میں تو نہ کوئی ناہمواری دیکھے گا اور کوئی بلندی (یعنی زمین کو بالکل ہموار زمین میں تبدیل کر دے جس پر نہ پہاڑ و ٹیلے ہوں گے اور نہ گڑھے ہوں گے) اس دن (جب پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے) سب بلانے والے کے پیچھے ہولیں گے (اسرافیل علیہ السلام کے صور پھونکتے ہی جن کی آواز ہوگی کہ اے لوگو! خدا تعالیٰ کی طرف چل پڑو۔ آواز سنتے ہی لوگ قبروں سے اٹھ کر محشر کی طرف روانہ ہولیں گے) ان کے سامنے کوئی کجی نہ رہے گی۔ (یعنی ان میں اتنی ہمت نہیں ہوگی کہ اس بلانے کی اتباع نہ کریں) اور آوازیں خدا تعالیٰ کے سامنے دب جائیں گی۔ سو تو بجز پاؤں کی آہٹ کے کچھ نہ سنے گا (محشر کی طرف جاتے ہوئے صرف پاؤں کی آہٹ سنائی دے گی اور کچھ نہیں۔ جس طرح پر اونٹ خاموش چلتا رہتا ہے) اس روز شفاعت نفع نہ دے گی مگر اس شخص کو جس کے واسطے خدا تعالیٰ نے اجازت دے دی ہو (یعنی صرف اس شخص کو شفاعت سے فائدہ ملے گا جس کے بارے میں خدا تعالیٰ نے سفارش کی اجازت دے دی ہو) اور اس کے واسطے بولنا پسند کر لیا ہو (اور ظاہر ہے کہ وہ وہی ہو سکتا ہے جو کلمہ گو ہو) وہ جانتا ہے سب اگلے حالات (آخرت کے بارے میں) اور پچھلے احوال (دنیا سے متعلق) اور (لوگ) اس کا (اپنے علم) سے احاطہ نہیں کر سکتے۔ (یعنی لوگوں کو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکتا)۔ اور چہرے جھکے ہوئے ہوں گے۔ حی وقیوم کے سامنے اور قطعی ناکام رہے گا وہ جو ظلم لے کر آئے گا (یعنی شرک) اور جس کسی نے نیک کام کئے ہوں گے اور وہ صاحب ایمان بھی ہوگا سو ان کو نہ زیادتی کا اندیشہ ہوگا، نہ کمی کا (اس کے سیئات میں نہ زیادتی کی جائے گی اور نہ اس کے اعمال حسنہ میں کوئی کمی ہوگی) اسی طرح اسے واضح کر کے نازل کیا (یعنی قرآن کو کذالک کا عطف کذلک نقص پر ہے کہ جس طرح ہم نے یہ واقعات ذکر کئے۔ اسی طرح یہ قرآن فصیح اور صاف عربی میں نازل کیا) اور اس میں ہم نے ہر طرح کی وعیدیں بیان کی ہیں تاکہ لوگ ڈریں (شرک سے) یا یہ کہ ان کے لئے سمجھ پیدا کرے (اور قرآن میں پچھلی قوموں کی تباہی کے قصے پڑھ کر یہ عبرت حاصل کریں) سو بڑا عالی شان ہے اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے (یعنی جو کچھ کفار کہتے ہیں ان سے خدا تعالیٰ بڑا عالیشان ہے) اور آپ قرآن (کے پڑھنے میں) جلدی نہ کیجئے۔ قبل اس کے کہ آپ پر اس کی وحی پوری نازل ہو چکے (یعنی تاوقتیکہ جبرئیل علیہ السلام مکمل طور پر آپ تک آیت پہنچا نہ دیں اس وقت تک آپ اس کے پڑھنے میں جلدی نہ کیجئے) اور آپ کہئے کہ اے میرے پروردگار! بڑھا دے میرے علم کو (قرآن سے متعلق اس دعا کے نتیجہ میں جب بھی آپ کے اوپر کوئی آیت نازل ہوئی تو اس کے متعلق مکمل معلومات آپ کو دی گئیں) اور اس سے پہلے ہم آدمؑ کو ایک حکم دے چکے تھے (شجر ممنوعہ کے نہ کھانے کے متعلق) سو ان سے غفلت ہوگئی اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی (یعنی ہمارے حکم کے اتباع میں غفلت ہوگئی اور

اس پر جم نہ سکے جس چیز سے ہم نے انہیں منع کیا تھا) اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے روبرو سجدہ کرو۔ سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے کہ اس نے انکار کردیا (ابلیس جنات میں سے تھا جو فرشتوں کے ساتھ رہتا اور انہیں کے ساتھ مل کر خدا تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا۔ اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کردیا اور کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں میں کیوں سجدہ کروں) پھر ہم نے کہا کہ اے آدمؑ! یقیناً یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے۔ سو کہیں یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا نہ دے۔ پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ (یعنی پھر تمہیں دنیاوی زندگی میں الجھ جانا پڑے۔ یعنی بونا، کاٹنا، گاہنا، پیسنا اور روٹی کے تیار کرنے کی پریشانیاں اٹھانا پڑیں۔ صرف تذکرہ حضرت آدم علیہ السلام ہی کا آیا۔ کیونکہ عورتیں ان ذمہ داریوں سے فی الجملہ بری ہوتی ہیں) یہاں جنت میں تو تمہارے لئے یہ ہے کہ تم نہ کبھی بھوکے رہو گے اور نہ ننگے اور نہ یہاں پیاسے ہو گے اور نہ دھوپ میں تپو گے۔ (یعنی سورج کی گرمی سے محفوظ رہو گے۔ کیونکہ جنت میں سورج نکلے گا ہی نہیں۔ پھر شیطان نے انہیں وسوسہ دلایا اور کہا کہ اے آدمؑ! کیا میں تم کو ہیشگی کا درخت بتاؤں (جو کوئی اس درخت سے کھالے گا وہ ہمیشہ جنت میں رہے گا) اور بادشاہی جس میں کبھی ضعف نہ آوے (اس درخت سے کھانے کا دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ مستقل بادشاہی نصیب ہوگی) سو دونوں (آدم وحوا) نے اس درخت سے کھالیا پھر ان پر ان کے ستر کھل گئے (شرمگاہ کو سوءۃ عربی میں اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ان کا کھل جانا ایک بری بات ہے) اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے (تاکہ اپنے ستر کو چھپائیں) اور آدمؑ سے اپنے پروردگار کا قصور ہو گیا۔ سو وہ غلطی میں پڑ گئے (درخت سے کھا کر) پھر انہیں ان کے پروردگار نے مقبول بنالیا۔ چنانچہ ان کی توبہ قبول کرلی۔ (حضرت آدم علیہ السلام کے توبہ کرنے سے پہلے ہی) اور راہ ہدایت دکھائی (یعنی ہمیشہ توبہ کرنے کی ہدایت کی) ارشاد فرمایا کہ تم سب جنت سے اترو (یعنی تم دونوں مع اپنی ذریت کے) اس حالت میں کہ ایک کا دشمن ایک ہوگا (یعنی تمہاری ذریت میں ایک دوسرے کا دشمن ہوگا اور آپس میں ظلم کرے گا) پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے (اما میں ان شرطیہ کو ما زائدہ میں ادغام کردیا گیا ہے) پس جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا (یعنی قرآن کی) وہ نہ بھٹکے گا (دنیا میں) اور نہ محروم رہے گا (آخرت میں) اور جو کوئی میری نصیحت سے اعراض کرے گا (یعنی قرآن سے اور اس پر ایمان نہیں لائے گا) سو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا (ضنکاً مصدر ہے معنی تنگی کے ہیں۔ احادیث میں اس کی تفسیر قبر میں کفار کے عذاب سے متعلق آئی ہے) اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے (یعنی قرآن سے) اعراض کرنے والے بصارت وبصیرت دونوں سے اندھے ہوں گے) وہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا درآنحالیکہ میں آنکھوں والا تھا (دنیا میں اور اٹھائے جانے کے وقت بھی) ارشاد ہوگا اسی طرح تیرے پاس ہماری نشانیاں پہنچی تھیں۔ سو تو نے اس کا خیال نہیں کیا (یعنی تو نے اس سے اعراض کیا اور اس پر ایمان نہیں لایا) اسی طرح آج تیرا خیال نہیں کیا جائے گا (جس طرح تو نے ہماری نشانیوں کے ساتھ معاملہ کیا اور تمہیں آگ میں ڈالا جائے گا) اسی طرح (یعنی جس طرح ہم نے قرآن سے اعراض کرنے والوں کو سزا دی) ہم ہر اس شخص کو سزا دیں گے جو حد سے نکل جائے (شرک کرکے) اور اپنے پروردگار کی نشانیوں پر ایمان نہ لائے اور واقعی آخرت کا عذاب ہے بڑا سخت (بمقابلہ عذاب دنیا اور عذاب قبر کے) اور بڑا دیرپا ہے۔ کیا ان کو اس سے بھی ہدایت نہیں ہوئی (کفار مکہ کو) کہ ہم کتنے گروہوں کو ہلاک کرچکے (یعنی بہت سوں کو ہلاک کرچکے۔ کم خبر دینے کے لئے اور ترکیب میں مفعول واقع ہو رہا ہے) ان سے پہلے (یعنی پچھلی قوموں کو رسولوں کو جھٹلانے کی سزا میں) جن کے مسکنوں میں (اب) یہ چل پھر رہے ہیں (یمشون. لھم کے ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے۔ یعنی ملک شام وغیرہ کی جانب سفر کے دوران ان تباہ شدہ قوموں کے مقامات کو دیکھتے ہیں۔ پھر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے۔ درآنحالیکہ ان کی تباہیوں کے حالات بھی سنا دیئے گئے) بے شک اس میں اہل فہم کے لئے نشانیاں موجود ہیں اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے ہی طے نہ

ہو چکی ہوتی اور ایک میعاد متعین نہ ہوتی (یعنی ان لوگوں سے قیامت تک عذاب مؤخر کرنے کا فیصلہ) تو (ان پر عذاب) لازمی طور پر آ جاتا۔(اجل مسمی کا عطف ہو رہا ہے۔ اس ضمیر پر جو کان میں مستتر ہے اور کان اور اس کی خبر کے درمیان جو فصل ہے وہ تاکید کے قائم مقام ہے) سو آپ صبر کیجئے ان کی باتوں پر (یہ آیت منسوخ ہوگئی ہے آیت قتال سے) اور اپنے پروردگار کی تسبیح کرتے رہئے۔ حمد کے ساتھ (بحمد ربک حال واقع ہو رہا ہے یعنی دائماً اس عمل کو اختیار کیجئے) آفتاب کے طلوع سے قبل (نماز فجر میں) اور اس کے غروب سے قبل (نماز عصر میں) اور اوقات شب میں تسبیح کیجئے (یعنی نماز مغرب اور عشاء میں) اور دن کے بھی اول و آخر میں اطراف النھار کامن آناء کے محل پر اور یہ منصوب ہے (یعنی ظہر کی نماز پڑھئے۔ ظہر کا وقت زوال آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے تو وہ گویا کہ دن کے بیچوں بیچ یا درمیانی حصہ میں ہی) تاکہ آپ خوش رہیں (اس ثواب سے جو اس کے بدلہ میں ملے گا) اور ہرگز آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے۔ ان چیزوں کی طرف جن سے ہم نے ان کے گروہوں کو متمتع کر رکھا ہے۔ آزمائش کے لئے کہ وہ محض دنیوی زندگی کی رونق ہے اور آپ کے پروردگار کا عطیہ کہیں بہتر ہے (اس چیز سے جو اس کو دنیا میں دیا گیا) اور دیرپا ہے اور اپنے متعلقین کو نماز کا حکم دیتے رہئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے۔ ہم آپ سے معاش نہیں چاہتے (یعنی ہم آپ کو اس کا مکلف نہیں کرنا چاہتے کہ کسب معاش میں لگے رہیئے۔ معاش تو ہم خود آپ کو دیں گے اور بہتر انجام (یعنی جنت) پرہیزگاروں ہی کا ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں (یعنی مشرکین) کہ یہ (محمد ﷺ) ہمارے پاس کوئی نشان اپنے پروردگار! کے پاس سے کیوں نہیں لاتے) جن کا ہم مطالبہ کرتے ہیں) تو کیا ان کے پاس اس کا ظہور نہیں پہنچا جو کچھ اگلے صحیفوں میں ہے (خود قرآن مشتمل ہے پچھلی قوموں کی خبروں پر اور ان کے ہلاکت کے قصوں پر رسولوں کو جھٹلانے کے نتیجہ میں) اور اگر ہم انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے اس کے قبل ہی (یعنی آنحضور ﷺ کی رسالت سے قبل ہی) تو یہ لوگ کہتے (قیامت کے دن) کہ اے میرے پروردگار تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم تیرے احکام کی پیروی کرنے لگتے۔ (یعنی اس چیز کا جس کا تو حکم دیتا) بجائے اس کے کہ ہم بے قدر ہوں (قیامت میں) اور رسوا ہوں (جہنم میں) آپ کہہ دیجئے کہ سب ہی انتظار کر رہے ہیں (ہم میں سے اور تم میں سے انجام کا) سو تم بھی انتظار کر لو۔ اب عنقریب ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون راہ راست والے ہیں اور کون (منزل) مقصود تک پہنچے ہیں۔ (ہم یا تم)

تحقیق وترکیب: .... **ینسفھا نفسا**۔ کسی چیز کو ریزہ ریزہ کرنا۔ **فیذرھا** کی ضمیر میں دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ ضمیر ارض کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس صورت میں مضاف محذوف ماننا پڑے گا اور عبارت یہ ہوگی۔ **فیذرھا مراکزھا**. معنی ہوگا ان پہاڑوں کو اپنے مرکز ومقام سے ہٹا دیا جائے گا۔

لاعوج لہ. لہ کی ضمیر میں مختلف اقوال ہیں۔ لیکن زیادہ مناسب یہی ہے کہ یہ ضمیر داعی کی طرف راجع ہے۔ معنی ہوں گے کہ داعی کی آواز کو سب سن سکیں گے۔ ایسا نہیں ہوگا کہ کوئی سنے اور کوئی نہ سنے۔

ھمسا. کے لغوی معنی پست آواز کے ہیں۔ یہاں مراد پیروں کی آہٹ ہے۔

من اذن لہ. اس میں کئی صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ اسے منصوب مانا جائے۔ **انتفع** فعل سے جو مقدر ہے۔ ترجمہ یہ ہوگا کہ شفاعت سے وہی شخص فائدہ اٹھائے گا جس کی شفاعت کسی ایسے شخص نے کی ہو جس کو شفاعت کی اجازت تھی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ مرفوع محلاً ہے اور بدل واقع ہو رہا ہے شفاعت سے۔ اس صورت میں مضاف محذوف ماننا پڑے گا اور تقدیر عبارت یہ ہوگی کہ کسی کی شفاعت مفید نہیں بجز اس کے جسے شفاعت کی اجازت دی گئی۔ تیسری صورت یہ ہے کہ منصوب ہے مستثنیٰ ہونے کی بناء پر شفاعت سے مضاف محذوف ہے اور مستثنیٰ متصل ومنقطع دونوں ہو سکتے ہیں۔ مگر حجازی لغت میں نصب کو ترجیح

ہے اور لغت تمیم میں رفع کو۔

رضی له قولا. یعنی جس کے حق میں کلمہ خیر کہنے کی گنجائش ہو۔ دوسرا معنی یہ کیا گیا ہے کہ اس کے کسی قول کو پسند کرلیا ہو۔

حمل ظلماً. ظلم کے عام معنی بھی مراد لئے جاسکتے ہیں۔ لیکن یہاں شرک مراد لیا گیا ہے۔

وھو مؤمن سے معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ کی مقبولیت کے لئے ایمان کا ہونا ضروری ہے۔

انزلناہ کی ضمیر پورے قرآن کی طرف راجع ہے۔ ولم نجد له عزماً. میں نجد یا تو جدان سے ہے جس کے معنی علم کے ہیں۔ اس صورت میں یہ دومفعول کو چاہے گا تو ایک ان میں سے له ہوجائے گا اور دوسرا مفعول عزماً بن جائے گا اور اگر نجد وجود سے ہوگا تو اس صورت میں صرف ایک مفعول ہوگا اور وہ عزماً ہے اور له عزماً سے حال بن جائے گا یا نجد سے متعلق ہوجائے گا۔

اذقلنا. اس واقعہ کو قرآن نے سات جگہوں پر پیش کیا ہے۔ وہ اس وجہ سے تاکہ امت کو اس کی طرف بار بار توجہ دلائی جائے کہ اوامر پر عمل کرو اور منہیات سے بچنے کی کوشش کرو۔

لاتجوع، ولاتعری، لاتظمؤا، لاتضحی۔ اللہ تعالیٰ نے مقابل کی دو دو چیزیں ذکر فرمائی ہیں۔ یعنی جوع (بھوک) کو اور عریٰ یعنی برہنگی کو اور ظما (تشنگی) کو اور ضحو (گرمی) کو۔ جوع کا صحیح مقابل تو عطش ہے۔ یعنی بھوک، پیاس اور عریٰ کا مقابل ضحو ہے۔ اس لئے بھوک اندرونی تاریکی ہے اور برہنگی ظاہری تاریکی اور تشنگی سوزش باطن کا نام ہے اور گرمی ظاہری تپش کا نام ہے۔ لہٰذا اہل جنت سے ظاہری اور باطنی تاریکی اور ظاہری و باطنی دونوں سوزشوں کی نفی کردی گئی۔

عصی. یہاں پر مخالفت کے معنی میں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام یہ سمجھے کہ کوئی خدا کے نام کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا۔ اس لئے شیطان کے کہنے پر اعتماد کرلیا یا شیطان کی قسم سے یہ سمجھے کہ یہ جو خدا تعالیٰ نے درخت کے استعمال کی ممانعت کی تھی وہ منسوخ ہوگئی یا پھر یہ خیال تھا کہ کسی متعین درخت کی ممانعت ہے۔ اس درخت کی جنس کے تمام درختوں کی ممانعت نہیں۔

غوی. راہ راست سے ہٹ جانا۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ آدم علیہ السلام کو عاصی نہیں کہا جاسکتا۔ اس لئے کہ عاصی وہ ہے جس سے بار بار معصیت سرزد ہو جیسا کہ درزی وہی کہلاتا ہے جس کا پیشہ کپڑا سینا ہو۔ ایک آدھ بار سینے کی بناء پر درزی نہیں کہلاتا۔ تو ایک بار کی معصیت پر آدم علیہ السلام عاصی نہ ہوئے۔

معیشة ضنکا. ضنکا بمعنی تنگ۔ یہ مصدر ہے بطور وصف لایا گیا ہے۔ ضنکیٰ بھی پڑھا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اسے ایسی حیات دیں گے جس میں زیادتی کی حرص اور کمی کا دائمی خوف لگا ہوا ہوگا۔ جبکہ مومن کم وبیش کے فکر سے فارغ ہوتا ہے۔

فنسیتھا. نسیان کے معنی یہاں بھول چوک کے نہیں ہیں بلکہ معنی قصداً ترکِ توجہ کے ہیں۔

اسرف. یعنی حدِ عبودیت سے آگے نکل گئے۔

افلم یھدلھم. ہمزہ محذوف پر داخل ہے اور اس کا فا پر عطف ہورہا ہے۔ عبارت یوں ہے۔ اغفلوا فلم یھدلھم. اور ھدی اھتدی کے معنی میں ہے جس کے معنی واضح ہونے کے ہیں۔ کم مفعول بہ ہے اور اس کی تمیز محذوف ہے اور من القرون محذوف قرونا کی صفت ہے۔ معنی یہ ہیں کہ غافل ہیں انجام پر نظر نہیں۔ حالانکہ ہم ان سے پہلے بہت سی قوموں کو تباہ کرچکے ہیں۔

اطراف النھار. جمع ہے یہاں واحد سے زیادہ مراد ہے۔ کیونکہ شارح کی تشریح کے مطابق اطراف سے مراد دن کا نصف اول اور نصف ثانی مراد ہے۔ یہ دونوں طرف ہوئیں نہ کہ اطراف۔ اس لئے کہنا ہوگا کہ جمع واحد سے زائد کے لئے استعمال ہوئی۔

ازواجاً منھم سے مراد کافروں کی مختلف قسمیں ہیں۔ ازواجاً کے منصوب ہونے کی دو وجہ ہیں۔ ایک یہ کہ منصوب مفعول

بہ ہونے کی بناء پر ہے اور دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے اور ذوالحال بہ کی ضمیر ہے۔

زهرة الحيوٰة. زهرة کے لغوی معنی شادابی وتازگی کے ہیں۔

بينة سے مراد قرآن ہے اور آنحضور ﷺ کی ذات بھی ہوسکتی ہے۔

من قبل . عربی محاورہ میں یہ نفی کے لئے بھی آتا ہے۔

شانِ نزول:.......... مشرکین مکہ نے بطور استہزاء آنحضور ﷺ سے سوال کیا کہ اے محمد! ان پہاڑوں کا قیامت کے دن کیا حال ہوگا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ويسئلونك عن الجبال آیت لاتعجل بالقرآن کی شانِ نزول مختلف بتائی گئی ہے۔ ایک تو یہ جو کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی وحی کے ختم ہونے سے پہلے ہی آپ ﷺ یا تو اس خیال سے تلاوت شروع کردیتے کہ کہیں بھول نہ جائیں یا اس وجہ سے کہ آپ ﷺ کو قرآن سے جو بے حد شغف تھا۔

دوسری وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضور ﷺ نے نزول وحی سے قبل ہی بعض مسائل پر حکم صادر فرمادیا تھا۔ اس پر آیت نازل ہوئی کہ وحی کے آجانے کے بعد آپ کوئی حکم دیا کریں۔

﴿ تشریح ﴾:...... قیامت کا دن:.......... لوگ آنحضور ﷺ سے سوال کیا کرتے تھے کہ ان پہاڑوں کا کیا حشر بنے گا۔ یہ روئے زمین پر باقی رہیں گے یا نہیں؟ ان کے اس سوال پر ارشاد ہوا کہ ان پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے اڑا دیا جائے گا اور ان کا کہیں نام ونشان بھی باقی نہیں رہے گا اور پھر یہ زمین چٹیل میدان کی صورت میں نظر آئے گی۔ جس میں نہ نشیب وفراز ہوں گے، نہ کوئی پہاڑ و ٹیلہ۔ جب یہ سب کارروائی ہوچکے گی تو ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ جس کی آواز پر ساری مخلوق اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر اس کے پیچھے ہولے گی اور کسی کو اس کی مجال نہیں ہوگی کہ اس کے حکم میں توقف کرے۔ اس دن انتہائی ہیبت اور خوف وڈر کی وجہ سے کسی کے بولنے کی بھی آواز سنائی نہ دے گی۔ سوائے ان کے پیروں کے چلتے وقت آہٹ کے اور اگر بولیں گے بھی تو آہستہ آہستہ کانا پھوسی کریں گے۔ زور سے بولنے کی کسی میں ہمت بھی نہیں ہوگی۔

مشرکین اس خیال میں تھے کہ ان کے یہ دیوتا قیامت میں ان کی سفارش کریں گے۔ اسی طرح عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ اس کی تردید میں فرمارہے ہیں کہ کسی کو خود شفاعت کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوگی تاوقتیکہ خدا تعالیٰ انہیں اجازت نہ دے دیں۔ تو گویا بغیر خدا کے حکم کے کسی کو سفارش کی ہمت بھی نہیں ہوگی۔ نیز ساری چیزوں کا علم خدا تعالیٰ کو ہے۔ ایسی کوئی چیز نہیں کہ مخلوق کو معلوم ہو اور خدا کو اس کا علم نہ ہو۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ بہت سی چیزوں کا خدا تعالیٰ کو علم ہے۔ لیکن مخلوق اس سے بے خبر ہے۔ لہٰذا مخلوق کے تمام احوال خدا تعالیٰ کو معلوم ہیں۔ جن کے احوال ایسے تھے کہ ان کے لئے کلمہ خیر کہنے کی گنجائش ہو۔ صرف انہی کے لئے سفارش کی اجازت ہوگی۔ نااہل اس سے محروم رہیں گے۔

نیز ارشاد ہے کہ قیامت کے روز بڑے بڑے متکبرین اور سرکشوں کی سرکشی ختم ہوجائے گی۔ خدا کے سامنے سر اٹھانے کی بھی ہمت نہیں ہوگی۔ چہ جائیکہ اعراض وروگردانی کا معاملہ کریں اور مشرکین تو آج برباد ونا کام ہوں گے۔ پھر مومنین کے بارے میں ارشاد ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ ان کی کوئی نیکی ایسی ہو جو لکھنے سے رہ گئی ہو اور اس پر اسے ثواب نہ ملے اور نہ یہ ممکن ہے کہ کوئی برائی بلاوجہ اس کے نامہ اعمال میں لکھ دی جائے۔

قرآن بزبان عربی:............ چونکہ قرآن کے مخاطب اول عرب تھے، اس لئے ارشاد ہے کہ ہم نے قرآن کو فصیح عربی زبان میں نازل کیا اور اس میں طرح طرح کی وعیدیں نازل کیں تا کہ یہ اسے پڑھ کر یا تو خود نصیحت حاصل کریں اور خدا کی طرف مائل ہوجائیں یا پھر تخویف و ترہیب سے متاثر ہوکر ایمان لے آئیں۔ خدا تعالیٰ نہایت عالیشان مرتبہ والے ہیں۔ جس نے ایسا جامع اور ایسا نافع دستورِ حیات بندوں کو عطاء کردیا۔

پھر آنحضور ﷺ کو مخاطب فرما کر ارشاد ہے کہ آپ ﷺ وحی کے اترنے کے وقت ساتھ ہی ساتھ اسے اس خیال سے پڑھنے کی کوشش نہ کیا کریں کہ آپ بھول جائیں گے۔ آپ ﷺ خواہ مخواہ یہ مشقت نہ اٹھائیں، بلکہ جب وحی مکمل طور پر اتر جائے تو پھر پڑھنے کی کوشش کیجئے۔ اسے آپ ﷺ کے سینہ میں محفوظ کرادینا میرا کام ہے۔ البتہ آپ ﷺ علم کی زیادتی کی دعا کرتے رہا کیجئے۔

آدم علیہ السلام کی لغزش:............ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انسان کو انسان اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اسے جو سب سے پہلے حکم ملا وہ اسے بھول گیا۔ اسی کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے کہ ہم نے آدم کو ایک حکم دیا تھا سوان سے غفلت ہوگئی اور یہ کہ ہم نے ان میں پختگی نہ پائی۔ قرآن نے اس موقعہ پر یہ جملہ استعمال کیا ہے کہ ہم نے ان میں پختگی نہ پائی۔ یہ خود اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی یہ غلطی قصداً وارادۃً نہیں تھی بلکہ بعض اہل لطائف نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ ہم نے ان میں ارادہ ہی نہیں پایا۔ یعنی اس عدول حکمی کا انہوں نے قصد ہی نہیں کیا بلکہ غیر ارادی طور پر یہ بداحتیاطی سرزد ہوگئی۔ اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت و برتری ظاہر کرنے کے لئے فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا اور ابلیس کے انکار کا ذکر کیا گیا۔ جس کی تفصیل سورۂ بقرہ وغیرہ میں گزر چکی ہے۔

جب ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کردیا تو حضرت آدم علیہ السلام کو یہ بات بتادی گئی کہ دیکھو یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے۔ کیونکہ تمہیں دونوں کی وجہ سے اس کو مردود ہونا پڑا۔ اس کے بہکانے میں نہ آجانا اور اس کے کہنے پر کوئی ایسا کام نہ کر بیٹھنا کہ جنت سے ہی نکال دیئے جاؤ اور جنت سے نکلنے کے بعد سخت مشقت و پریشانی میں پڑ جاؤ۔ روزی کی تلاش کرنا پڑے گی۔ یہاں تو بغیر کسی محنت و مشقت کے روزی مل رہی ہے۔ یہاں تو یہ ممکن نہیں کہ بھوکے یا ننگے رہو۔ نیز یہاں تو نہ پیاس کی اندرونی گرمی اور نہ دھوپ کی تیزی سے ظاہری گرمی کی پریشانی اٹھاؤ گے اور جنت سے نکل کر ان تمام مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس لئے اپنے دشمن سے ہوشیار اور خبردار رہنا۔ انہیں قبل از وقت ہوشیار کردینے کے باوجود شیطان نے اپنے مکر میں پھانس لیا اور قسمیں کھا کھا کر انہیں اپنی خیر خواہی کا یقین دلا کر انہیں وہ درخت کھلا دیا جس سے خدا تعالیٰ نے انہیں بشدت روکا تھا۔ اس درخت کا پھل کھانا تھا کہ اس کے اثرات ظاہر ہونے لگے اور وہ نور کا لباس جو آپ نے پہن رکھا تھا وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوکر گرنے لگا اور آپ کا ستر بھی بے پردہ ہوگیا۔ اپنے ستر کو کھلا دیکھ کر وہ بہت شرمندہ ہوئے جو ایک فطری تقاضہ ہے اور درخت کے پتوں سے اپنا جسم چھپانے لگے۔ حضرت آدم علیہ السلام خدا کی اس غیر ارادی نافرمانی کی وجہ سے راہِ راست سے دور ہوگئے۔ لیکن پھر خدا تعالیٰ نے ان کی راہنمائی کی اور ان کی توبہ قبول کر کے اپنے خاص بندوں میں شامل کرلیا۔ لیکن اس کے باوجود اس درخت ممنوعہ کے کھالینے سے جو اثرات مرتب ہوئے وہ جنت اور اس کے ماحول کے منافی تھے۔ اس وجہ سے حکم ملا کہ دونوں مع اپنی ذریت کے جنت سے چلے جاؤ۔

ارشاد ہوا کہ اے ذریت آدم! تم وہاں آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوجاؤ گے جو اس دنیا کا خاصہ ہے۔ اب تمہارے پاس ہمارے رسول اور کتابیں پہنچیں گی۔ اگر تم ان کی پیروی کروگے تو نہ دنیا میں رسوا ہوگے اور نہ آخرت میں اجر سے محروم رہوگے اور

پھر اپنی اصلی وطن پر پہنچ جاؤ گے...... ہاں اگر تم نے ہمارے احکامات سے بے توجہی برتی اور اس کی مخالفت کی تو دنیا میں بھی تنگی کی زندگی گزارو گے۔

اس تنگی کا تعلق آیت میں قلب سے ہے۔ لہذا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دنیا میں مال وجاہ اور ترقی کی ہوس میں گھل گھل کر جان دے دے گا۔ کبھی سکون قلب میسر نہیں ہوسکتا اور انہیں قیامت کے دن اندھا، گونگا اور بہرا بنا کر لے جایا جائے گا۔ جس پر یہ کہیں گے کہ دنیا میں تو ہماری بینائی اور منہ بھی تھے یہ آج کیا ہوگیا؟

اس پر جواب ملے گا کہ یہ بدلہ ہماری آیتوں سے اعراض کرنے کا ہے اور جس طرح تو نے ہمارے احکامات کے ساتھ دنیا میں معاملہ کیا کہ تمہارے پاس انبیاء ورسل کے ذریعہ واضح دلیلیں آ گئی تھیں مگر اس کے باوجود تو اندھا بنا رہا۔ لہذا آج یہاں بھی اندھا کر کے اٹھایا گیا ہے اور ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ جو حد عبودیت سے تجاوز کر جائے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائے ہم اسے اسی طرح دنیا وآخرت کے عذاب میں مبتلا کرتے ہیں اور آخرت کا عذاب تو اتنا سخت ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور اتنا دیر پا کہ کبھی ختم بھی نہیں ہوگا۔

سامان عبرت:........... تمام منکرین کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ یہ لوگ خدا کی تمام آیتوں کا انکار کر بیٹھے۔ انبیاء ورسل کی تکذیب کر رہے ہیں۔ کیا انہیں پچھلی قوموں کے قصے سن کر بھی عبرت نہیں ہوئی جنہیں اس جرم کی پاداش میں اس روئے زمین سے نیست ونابود کر دیا گیا اور ان کے عالیشان محلات کھنڈرات بن کر رہ گئے، جسے یہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور جہاں سے ان کی مستقل آمد ورفت ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ صاحب عقل کے لئے اسی میں سامانِ عبرت موجود ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آنکھوں سے بھی اندھے ہیں اور انکا دل بھی اندھا ہو رہا ہے۔ ان کی اس کفر وشرک اور نافرمانی کے نتیجہ میں چاہئے تو یہ تھا کہ ان پر فوری عذاب آ جائے لیکن بعض مصلحتوں کے پیش نظر اس کا ایک وقت مقرر کیا جا چکا ہے۔ جس وقت پر لوگوں کو ان کے اعمال کی جزاء اور سزا ملے گی۔

اس لئے آپ اے محمد ﷺ ان کے اس گستاخانہ کلام اور مذموم حرکتوں پر صبر وتحمل سے کام لیجئے اور ان اوقات میں تسبیح وتہلیل کرتے رہئے۔ کیونکہ دنیاوی آلام وتفکرات سے محفوظ رہنے کا یہی طریقہ ہے کہ عبادات میں مشغول رہئے۔

قبل طلوع الشمس سے مراد فجر کی نماز اور **قبل الغروب** سے مراد عصر وظہر کی نماز اور **اناء لیل** سے مغرب وعشاء کی نماز مراد لی گئی ہے۔ **اطراف النھار** سے فجر ومغرب کی تاکید آ گئی ہے اور بعضوں نے ظہر کی نماز مراد لی ہے۔ کیونکہ یہ دن کے بیچ میں واقع ہے۔ نصف دن گزر جانے کے بعد اور نصف دن سے پہلے۔

لعلك ترضی کا مطلب یہ ہے کہ آپ دنیاوی غم وتفکرات سے نجات پائیں گے اور خوش رہیں گے۔

دنیاوی آسائش:........... آنحضور ﷺ کو مخاطب فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ ان کفار کے مال ودولت اور ظاہری رہن سہن کو دیکھ کر حسرت نہ کیجئے۔ ان کو تو یہ سارے مال ودولت آزمائش میں ڈالنے اور ان کا امتحان لینے کے لئے دی گئی ہے کہ دیکھیں ان میں کون ہماری نعمتوں کی قدر کرتا ہے اور کون بے قدری کرتا ہے۔ اس لئے دنیاوی مال ودولت اور آرام وآرائش پر قناعت کر لینا انتہائی بے وقوفی ہے۔ اصل نعمت تو اخروی نعمت ہے جو ہمیشہ کام آنے والی ہے۔

تو اصل میں قابل توجہ امر تو یہ ہے کہ انسان خود بھی نماز کی پابندی کرے اور اپنے متعلقین کو بھی اس کا پابند بنائے۔ یعنی مقصود اصلی کمانا کھانا نہیں بلکہ اطاعت وفرمانبرداری ہے اور جب انسان خدا کی اطاعت وفرمانبرداری میں لگ جاتا ہے تو خدا تعالیٰ خود اسے

غیب سے ایسی جگہوں سے رزق پہنچاتا ہے کہ جہاں سے وہم وگمان بھی نہ ہو۔ رزق اور روزی رساں خدا تعالیٰ ہیں تو اطاعت گزار کو دنیا میں بھی غیب سے رزق ملے گا اور انجام کے اعتبار سے بھی وہی بہتر اور کامیاب ہوں گے۔

نشانیوں کا مطالبہ اور اس کا جواب:............ یہ کفار آنحضور ﷺ کے بارے میں یہ بھی کہتے تھے کہ یہ اپنی صداقت و رسالت پر ہمیں کوئی معجزہ کیوں نہیں دکھاتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود یہ قرآن ایک معجزہ ہے جو ایک نبی امی پر نازل کیا گیا۔ جس کی پیشین گوئی پچھلی کتابوں میں آچکی ہے اور جس میں پچھلی قوموں کے قصے حرف بحرف بیان کئے گئے۔

اگر ہم انہیں رسول اور کتاب مبین کے آنے سے پہلے ہی ان کی سرکشی کے نتیجہ میں ہلاک کر دیتے تو یہ عذر پیش کرتے کہ تو نے ہمارے پاس کوئی رسول ہی نہیں بھیجا تھا ورنہ ہم اس کی اطاعت کرتے اور ذلت ورسوائی سے بچ جاتے۔

ان کے اس عذر کو دور کرنے کے لئے ہم نے رسول وقرآن کو نازل کیا۔ تا کہ ان کے پاس کوئی عذر نہ رہ سکے۔ حالانکہ ہم جانتے تھے کہ ان کے سامنے لاکھ آیات ونشانیاں پیش کریں یہ کبھی ایمان نہیں لا سکتے۔ اور آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ تم کچھ اور انتظار کرلو ابھی تمہیں پتہ چل جائے گا کہ حق پر کون ہے اور کون راہ مستقیم سے ہٹا ہوا ہے۔

پارہ نمبر ۱۷

فہرست پارہ ﴿اقترب للناس﴾

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَّاِحْدٰى اَوِاثْنَتَا عَشَرَةَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَ قَرُبَ **لِلنَّاسِ** اَهْلِ مَكَّةَ مُنْكِرِى الْبَعْثِ **حِسَابُهُمْ** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ** عَنْهُ **مُّعْرِضُوْنَ**۝۱ عَنِ التَّاَهُّبِ لَهٗ بِالْاِيْمَانِ **مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ** شَيْئًا فَشَيْئًا اَىْ لَفْظُ قُرْاٰنٍ **اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ**۝۲ يَسْتَهْزِءُوْنَ **لَاهِيَةً** غَافِلَةً **قُلُوْبُهُمْ** عَنْ مَعْنَاهُ **وَاَسَرُّوا النَّجْوَى** اَىِ الْكَلَامَ **الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** بَدَلٌ مِنْ وَاوِ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى **هَلْ هٰذَآ** اَىْ مُحَمَّدٌ **اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ** فَمَا يَاْتِىْ بِهٖ سِحْرٌ **اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ** تَتَّبِعُوْنَهٗ **وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ**۝۳ تَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ سِحْرٌ **قٰلَ** لَهُمْ **رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ** كَائِنًا **فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِيْعُ** لِمَا اَسَرُّوْهُ **الْعَلِيْمُ**۝۴ بِهٖ **بَلْ** لِلْاِنْتِقَالِ مِنْ غَرَضٍ اِلٰى اٰخَرَ فِى الْمَوَاضِعِ الثَّلَاثَةِ **قَالُوْٓا** فِيْمَا اَتٰى بِهٖ مِنَ الْقُرْاٰنِ هُوَ **اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ** اَخْلَاطٌ رَاٰهَا فِى النَّوْمِ **بَلِ افْتَرٰهُ** اِخْتَلَقَهٗ **بَلْ هُوَ شَاعِرٌ** فَمَا اَتٰى بِهٖ شِعْرٌ **فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ**۝۵ كَالنَّاقَةِ وَالْعَصَا وَالْيَدِ قَالَ تَعَالٰى **مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ** اَىْ اَهْلِهَا **اَهْلَكْنٰهَا** بِتَكْذِيْبِهَا مَا اَتَاهَا مِنَ الْاٰيَاتِ **اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ**۝۶ لَا **وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ** وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالنُّوْنِ وَكَسْرِ الْحَاءِ **اِلَيْهِمْ** لَا مَلَائِكَةً **فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ** الْعُلَمَاءَ بِالتَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ **اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ**۝۷ ذٰلِكَ فَاِنَّهُمْ يَعْلَمُوْنَهٗ وَاَنْتُمْ اِلٰى تَصْدِيْقِهِمْ اَقْرَبُ مِنْ تَصْدِيْقِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَمَا جَعَلْنٰهُمْ** اَىِ الرُّسُلَ **جَسَدًا** بِمَعْنٰى اَجْسَادٍ **لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ** بَلْ يَاْكُلُوْنَهٗ **وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ**۝۸ فِى الدُّنْيَا **ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ** بِاِنْجَائِهِمْ **فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ** اَىِ الْمُصَدِّقِيْنَ لَهُمْ **وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ**۝۹ الْمُكَذِّبِيْنَ لَهُمْ **لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ** يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ **كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ** لِاَنَّهٗ بِلُغَتِكُمْ **اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ**۝۱۰ فَتُؤْمِنُوْنَ بِهٖ **وَكَمْ** ع

قَصَمْنَا اَهْلَكْنَا **مِنْ قَرْيَةٍ** اَیْ اَهْلِهَا **كَانَتْ ظَالِمَةً** كَافِرَةً **وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ** ﴿۱۱﴾ **فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ** اَیْ شَعَرَ اَهْلُ الْقَرْيَةِ بِالْاِهْلَاكِ **اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ** ﴿۱۲﴾ يَهْرُبُوْنَ مُسْرِعِيْنَ فَقَالَتْ لَهُمُ الْمَلَائِكَةُ اِسْتِهْزَاءً **لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ** نُعِمْتُمْ **فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ** ﴿۱۳﴾ شَيْئًا مِنْ دُنْيَاكُمْ عَلَى الْعَادَةِ **قَالُوْا يٰا** لِلتَّنْبِيْهِ **وَيْلَنَآ** هَلَاكُنَا **اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ** ﴿۱۴﴾ بِالْكُفْرِ **فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ** الْكَلِمَاتُ **دَعْوٰىهُمْ** يَدْعُوْنَ بِهَا وَيُرَدِّدُوْنَهَا **حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا** اَیْ كَالزَّرْعِ الْمَحْصُوْدِ بِالْمَنَاجِلِ بِاَنْ قُتِلُوْا بِالسَّيْفِ **خٰمِدِيْنَ** ﴿۱۵﴾ مَيِّتِيْنَ كَخُمُوْدِ النَّارِ اِذَا طُفِئَتْ **وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ** ﴿۱۶﴾ عَابِثِيْنَ بَلْ دَالِّيْنَ عَلٰى قُدْرَتِنَا وَنَافِعِيْنَ عِبَادَنَا **لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا** مَا يُلْهٰى بِهٖ مِنْ زَوْجَةٍ اَوْ وَلَدٍ **لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ** مِنْ عِنْدِنَا مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ **اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ** ﴿۱۷﴾ ذٰلِكَ لٰكِنَّا لَمْ نَفْعَلْهُ فَلَمْ نُرِدْهُ **بَلْ نَقْذِفُ** نَرْمِیْ **بِالْحَقِّ** الْاِيْمَانِ **عَلَى الْبَاطِلِ** الْكُفْرِ **فَيَدْمَغُهٗ** يُذْهِبُهٗ **فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ** ذَاهِبٌ وَدَمْغُهٗ فِى الْاَصْلِ اَصَابَ دِمَاغَهٗ بِالضَّرْبِ وَهُوَ مَقْتَلٌ **وَلَكُمُ** يَا كُفَّارَ مَكَّةَ **الْوَيْلُ** الْعَذَابُ الشَّدِيْدُ **مِمَّا تَصِفُوْنَ** ﴿۱۸﴾ اللّٰهَ بِهٖ مِنَ الزَّوْجَةِ اَوِ الْوَلَدِ **وَلَهٗ** تَعَالٰى **مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** مِلْكًا **وَمَنْ عِنْدَهٗ** اَیِ الْمَلَائِكَةُ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ **لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ** ﴿۱۹﴾ لَا يُعْيُوْنَ **يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ** ﴿۲۰﴾ عَنْهُ فَهُوَ مِنْهُمْ كَالنَّفَسِ مِنَّا لَا يَشْغَلُنَا عَنْهُ شَاغِلٌ **اَمِ** بِمَعْنٰى بَلْ لِلْاِنْتِقَالِ وَهَمْزَةُ الْاِنْكَارِ **اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً** كَائِنَةً **مِّنَ الْاَرْضِ** كَحَجَرٍ وَذَهَبٍ وَفِضَّةٍ **هُمْ** اَیِ الْاٰلِهَةُ **يُنْشِرُوْنَ** ﴿۲۱﴾ اَیْ يُحْيُوْنَ الْمَوْتٰى لَا وَلَا يَكُوْنُ اِلٰهًا اِلَّا مَنْ يُحْيِى الْمَوْتٰى **لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ** اَیِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ **اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ** اَیْ غَيْرُهٗ **لَفَسَدَتَا** خَرَجَتَا عَنْ نِظَامِهِمَا الْمُشَاهَدِ لِوُجُوْدِ التَّمَانُعِ بَيْنَهُمْ عَلٰى وَفْقِ الْعَادَةِ عِنْدَ تَعَدُّدِ الْحَاكِمِ مِنَ التَّمَانُعِ فِى الشَّیْءِ وَعَدَمِ الْاِتِّفَاقِ عَلَيْهِ **فَسُبْحٰنَ** تَنْزِيْهُ **اللّٰهِ رَبِّ** خَالِقِ **الْعَرْشِ** الْكُرْسِیِّ **عَمَّا يَصِفُوْنَ** ﴿۲۲﴾ اَیِ الْكُفَّارُ اللّٰهَ بِهٖ مِنَ الشَّرِيْكِ لَهٗ وَغَيْرِهٖ **لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ** ﴿۲۳﴾ عَنْ اَفْعَالِهِمْ **اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ** تَعَالٰى اَیْ سِوَاهُ **اٰلِهَةً** فِيْهِ اِسْتِفْهَامُ تَوْبِيْخٍ **قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ** عَلٰى ذٰلِكَ وَلَا سَبِيْلَ اِلَيْهِ **هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِىَ** اَیْ اُمَّتِیْ وَهُوَ الْقُرْاٰنُ **وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِىْ** مِنَ الْاُمَمِ وَهُوَ التَّوْرٰةُ وَالْاِنْجِيْلُ وَغَيْرُهُمَا مِنْ كُتُبِ اللّٰهِ لَيْسَ فِىْ وَاحِدٍ مِنْهَا اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا مِمَّا قَالُوْا تَعَالٰى عَنْ ذٰلِكَ **بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ** اَیْ تَوْحِيْدَ اللّٰهِ **فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ** ﴿۲۴﴾ عَنِ النَّظَرِ الْمُوْصِلِ اِلَيْهِ **وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِىْٓ** وَفِىْ قِرَاءَةٍ

بِالنُّوْنِ وَكَسْرِ الْحَاءِ **اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ** ﴿۲۵﴾ اَیْ وَحِّدُوْنِیْ **وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا** مِنَ الْمَلَائِكَةِ **سُبْحٰنَهٗ بَلْ هُمْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ** ﴿۲۶﴾ عِنْدَهٗ وَالْعُبُوْدِيَّةُ تُنَافِي الْوَلَادَةَ **لَايَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ** لَايَاْتُوْنَ بِقَوْلِهِمْ اِلَّا بَعْدَ قَوْلِهٖ **وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ** ﴿۲۷﴾ اَیْ بَعْدَهٗ **يَعْلَمُ مَابَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ** اَیْ مَاعَمِلُوْا وَمَاهُمْ عَامِلُوْنَ **وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى** تَعَالٰی اَنْ يُّشْفَعَ لَهٗ **وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ** تَعَالٰی **مُشْفِقُوْنَ** ﴿۲۸﴾ اَیْ خَائِفُوْنَ **وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ** اَیِ اللّٰهِ اَیْ غَيْرِهٖ وَهُوَ اِبْلِيْسُ دَعَا اِلٰی عِبَادَةِ نَفْسِهٖ وَاَمَرَ بِطَاعَتِهَا **فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ** كَمَا نَجْزِيْهِ **نَجْزِی الظّٰلِمِيْنَ** ﴿۲۹﴾ اَیِ الْمُشْرِكِيْنَ

ترجمہ:......... قریب آ پہنچا ہے (اہل مکہ سے جو بعث کے منکر ہیں) ان کے حساب (کا وقت) اور وہ غفلت ہی میں پڑے ہیں۔ اعراض کئے ہوئے ہیں (ایمان لانے سے) ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس جو بھی تازہ نصیحت آتی ہے (وقتاً فوقتاً شکل نزول قرآن) اسے یہ اس حال میں سنتے ہیں کہ ہنسی کرتے ہوتے ہیں اور ان کے دل بے توجہ ہوتے ہیں (اس کے مضامین سے) اور یہ لوگ یعنی ظالم اپنی سرگوشیوں کو چھپاتے رہتے ہیں (ظلموا بدل واقع ہو رہا ہے واو سے اسرّوالنجوی کے) کہ یہ (یعنی محمد) تو محض تم جیسے ایک آدمی ہیں (پس وہ جو کچھ پیش کرتے ہیں وہ تو جادو ہے) تو کیا تم جادو سننے جاؤ گے (اور اس کی اتباع کرو گے) درآنحالیکہ تم سوجھ بوجھ رکھتے ہو (یعنی جانتے ہو کہ یہ سب کچھ صرف جادو ہے ان لوگوں کو) ارشاد ہوا کہ میرا رب ہر چیز کو جانتا ہے آسمان میں ہو یا زمین میں وہ خوب سننے والا ہے (جسے یہ لوگ چھپاتے ہیں اور اسے) خوب جاننے والا ہے بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں (ان مضامین کے بارے میں جس کا قرآن میں تذکرہ ہے بل ایک مقصد سے دوسرے مقصد کی جانب منتقل ہونے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ بعد کی آیات میں بل کا استعمال اسی مقصد کے لئے ہے) کہ یہ تو پریشان خیالات ہیں (جسے اس نے خواب میں دیکھا ہے) بلکہ یہ کہ انہوں نے اسے گھڑ لیا ہے۔ بلکہ وہ تو ایک شاعر ہیں (لہذا یہ مضامین اسی کے اشعار ہیں) ورنہ انہیں لانا چاہئے ہمارے پاس کوئی بڑا نشان جیسا کہ پہلے لوگ رسول بنائے گئے (اور انہیں بڑی بڑی نشانیاں دی گئیں جیسا کہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ عصا اور ید بیضاء۔ ارشاد ہوا کہ) ان سے پہلے کوئی بستی والے جن کو ہم نے ہلاک کیا ہے۔ ایمان نہیں لائے (یعنی جنہیں آیات ونشانیوں کو جھٹلانے کی سزا دی گئی سو کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے (ایسا ہرگز نہیں ہوگا) اور ہم نے آپ سے قبل صرف آدمیوں ہی کو پیغمبر بنایا ہے۔ جن کے پاس ہم وحی بھیجا کرتے تھے (وہ لوگ فرشتہ یا کوئی اور مخلوق نہیں تھی) سو تم (علماء) اہل کتاب سے دریافت کرلو اگر تم علم نہیں رکھتے (اور یہ اس وجہ سے کہ انہیں اس کا علم ہے اور تم ان کی باتوں کو جلدی جلدی قبول کرلو گے بمقابلہ مومنین کے) اور ہم نے ان کے جسم (یعنی رسولوں کے) ایسے نہیں بنائے تھے کہ جو کھانا نہ کھاتے ہوں (بلکہ وہ کھانا بھی کھاتے تھے۔ جسد معنی میں اجساد کے ہے۔ یعنی یہ مفرد نہیں بلکہ معنی میں جمع کے ہے) اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے ہوئے (دنیا میں) اور ہم نے جو ان سے وعدہ کیا تھا اسے سچا کیا (یعنی عذاب دنیا سے نجات دینے کا) پھر ہم نے ان کو اور جن کو چاہا نجات دے دی (یعنی ان کے ساتھ ان لوگوں کو جنہوں نے ان کی تصدیق کی) اور ہم نے حد سے گزرنے والوں کو ہلاک کردیا (یعنی پیغمبروں کی تکذیب کرنے والوں کو) یقیناً ہم تمہارے پاس ایسی کتاب بھیج چکے ہیں (اے قبیلہ قریش والو) جس میں تمہارے لئے نصیحت موجود ہے۔ تم کیا پھر بھی نہیں سمجھتے (اور ایمان نہیں لاتے)

اور ہم نے کتنی ہی بستیاں تباہ کر ڈالیں (جن کے باشندے) ظالم تھے اور ان کے بعد دوسری قوم پیدا کر دی۔ سو جب انہوں نے ہمارا عذاب آتے دیکھا (اور اپنی ہلاکت کا احساس کر لیا) تو اس بستی سے بھاگنے لگے (حواس باختہ ہو کر۔ جس پر فرشتوں نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ) بھاگو مت اور واپس چلو اپنے سامان عیش اور اپنے مکانوں کی طرف۔ شاید کہ تم سے کوئی پوچھ پاچھ کرے (جیسا کہ دنیا میں تم سے لوگ مشورہ کرتے تھے یا غریب غرباء لوگ تم سے سوال کرتے تھے) وہ لوگ کہنے لگے ہائے ہماری کم بختی بے شک ہم ہی ظالم تھے (اور کفر میں مبتلا رہے۔ یا تنبیہ کے لئے ہے) ان کی یہی پکار جاری رہی (اور مسلسل یہ آہ و بکا ہوتا رہا) یہاں تک کہ ہم نے انہیں کٹی ہوئی کھیتی اور بجھی ہوئی آگ بنا دیا (اور ایسا نیست و نابود کر دیا جس طرح پر کہ کٹی ہوئی کھیتی ہو یا آگ جو بجھ چکی ہو) اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے اس طرح نہیں بنایا کہ ہم کھیل کر رہے ہوں (بلکہ سوچ سمجھ کر اپنی قدرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس انداز پر بنایا کہ جو بندوں کے لئے مفید ہو) اگر ہم کو یہی منظور ہوتا کہ ہم بطور کھیل کے اس کو بنائیں (جو تفریح طبع کے لئے مثلاً بیوی اور اولاد عام طور پر اختیار کئے جاتے ہیں) تو ہم اپنے ہی پاس کی چیز کو کھیل بنا لیتے (اور اس مقصد کے لئے ہم حور و ملائکہ وغیرہ کا انتخاب کر سکتے تھے) اگر ہم کو یہ کرنا ہوتا (لیکن ہمارے پیش نظر اس طرح کی کوئی بات ہی نہیں تھی) بلکہ ہم حق بات کو باطل پر پھینک مارتے ہیں (یعنی ایمان کو کفر پر) سو وہ (حق) اس (باطل) کا بھیجا نکال دیتا ہے اور اس کو مغلوب کر دیتا ہے نتیجۃً وہ مٹ جاتا ہے (دمغ لغۃً اس کے معنی کسی دماغ پر اس طرح ضرب لگانا جو ہلاکت کا باعث ہو) اور (اے کفار مکہ) تمہاری بڑی کمبختی آئے گی (یعنی شدید ترین عذاب) اس سے کہ تم گھڑتے رہتے ہو (اور خدا تعالیٰ کی طرف بیوی یا بچہ کی نسبت کرتے ہو) اور اسی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو کچھ اس کے نزدیک ہیں۔ (فرشتے وغیرہ۔ یہ ابتداء ہے اور آنے والی عبارت اس کی خبر ہے) وہ اس کی عبادت سے عار نہیں کرتے اور نہ وہ تھکتے ہیں۔ رات اور دن تسبیح کرتے رہتے ہیں موقوف نہیں کرتے (تسبیح ان کے لئے ایسی ہے جیسا کہ ہمارے سانس کی آمد و رفت کوئی مشغولیت اس آمد و رفت کے لئے رکاوٹ نہیں بنتی۔ ایسے ہی ان کے لئے تسبیح سے کوئی مانع نہیں) کیا انہوں نے زمین سے ایسے معبود بنا رکھے ہیں (پتھر سے تراشیدہ، سونے اور چاندی وغیرہ سے ام اتخذوا میں ام معنی میں بل کے ہے اور ہمزہ انکار کے لئے ہے) جو کسی کو زندہ کرتے ہوں (ہرگز نہیں وہ کسی کو زندہ نہیں کر سکتے اور وہ خدا ہو ہی نہیں سکتا جو مردوں کو زندہ بھی نہ کر سکے) اگر دونوں (زمین و آسمان) میں اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود ہوتا تو یہ دونوں درہم برہم ہو گئے ہوتے (آسمان اور زمین کے۔ یہ نظام جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے سب الٹ پلٹ ہو چکا ہوتا۔ ان معبودوں کی اختلاف رائے کی وجہ سے کیونکہ ہر ایک کی اپنی علیحدہ علیحدہ رائے ہوتی جیسا کہ دنیا میں کسی چیز کو دو حاکم مل کر نہیں چلا سکتے اور کسی ایک چیز پر دونوں کا متفق ہونا مشکل ہوتا ہے) خدا تعالیٰ جو مالک ہے عرش کا، پاک ہے ان امور سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں (یعنی خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا اور اس کی طرف بیوی بچے کی نسبت کرنا) اور جو کچھ وہ کرتا ہے اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا اور اوروں سے باز پرس کی جائے گی (خدا کے علاوہ دوسروں سے ان کے افعال کے بارے میں باز پرس کی جائے گی) کیا انہوں نے خدا کے سوا اور کوئی معبود بنا رکھے ہیں (یہ استفہام اور پوچھنا توبیخ و تنبیہ کے لئے ہے) آپ (ان سے) کہئے کہ وہ اپنی دلیل پیش کریں (اپنے دعویٰ پر اور یہ ان کے لئے ممکن نہیں) یہ میرے ساتھ والوں کی کتاب (قرآن) اور مجھ سے پہلوں کی کتاب موجود ہے (مثلاً توریت وانجیل وغیرہ بھی موجود ہیں اور جو منزل من اللہ ہیں ان میں سے یہ کسی میں بھی نہیں ہے کہ خدا کا کوئی شریک ہے) لیکن اس پر بھی اکثر لوگ حق کا یقین نہیں رکھتے (اور خدا کی وحدانیت کو تسلیم نہیں کرتے) پس اس سے اعراض کر رہے ہیں۔ اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ سو میری ہی عبادت کرو (اور میری وحدانیت کو تسلیم کرو) اور یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اولاد بنا رکھی ہے

(فرشتے کو) وہ پاک ہے اس سے (بلکہ وہ فرشتے) اس کے معزز بندے ہیں (اور عبدیت اولاد کے منافی ہے) وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے اور وہ اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں (اور بغیر خدا تعالیٰ کے حکم کے یہ کوئی بات نہیں کر سکتے۔ بلکہ یہ خدا تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں) وہ جانتا ہے جو کچھ ان کی آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے (فرشتوں کو یہ بھی یقین ہے کہ خدا تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جو انہوں نے کیا اور جو کچھ یہ کرنے والے ہیں) اور وہ شفاعت بھی نہیں کر سکتے بجز اس کے جس کے لئے اللہ کی مرضی ہو (یہ خود اپنی طرف سے کسی کی شفاعت بھی نہیں کر سکتے) اور وہ سب اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جو کوئی ان میں سے یہ بھی کہہ دے کہ میں خدا تعالیٰ کے علاوہ معبود ہوں (مثلاً ابلیس نے اپنی عبادت کی طرف لوگوں کو بلایا اور اپنی اطاعت کا حکم دیا) سو ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے۔ ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں (یعنی مشرکین کو۔)

تحقیق وترکیب:............**الناس** سے مراد منکرین قیامت ہیں اور خصوصاً مشرکین عرب۔

حسابھم سے مراد وقت حساب یعنی قیامت کا دن۔ **الا استمعوہ**. یہ استثناء مفرغ ہے محلاً منصوب ہے۔ کیونکہ **یا تیھم** کے مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے۔ قد یہاں مقدر ہے **استمعوا** کے فاعل سے **ھم یلعبون** دوسرا حال ہے۔ اسی **یلعبون** کے واؤ سے **لا ھیۃ قلوبھم** تیسرا حال ہے...... **اسروا النجویٰ. نجویٰ** میں تو خود اخفاء کا پہلو ہے۔ **اسروا** کے لفظ نے مزید تاکید پیدا کردی...... **الذین ظلموا. اسروا النجویٰ** کے واؤ سے بدل واقع ہو رہا ہے اور سیبویہؒ کی رائے میں یہ **اسروا النجویٰ** کا فاعل واقع ہو رہا ہے اور **ظلموا** کا واؤ بطور علامت جمع کے ہے اور اخفشؒ کہتے ہیں کہ یہ مبتداء ہے اور ماقبل کا جملہ خبر ہے اور زجاجؒ کے نزدیک یہ بدل ہے۔ **یاتیھم** کے مفعول سے یا مجرور ہے اس بنیاد پر کہ یہ بدل ہے **الناس** سے۔ **ھل ھٰذا**. یہ بدل ہے نجویٰ سے اور اس کی تفسیر ہے۔ یا یہ کہ یہ مفعول ہے کسی فعل مضمر کا اور **اسروا النجویٰ** سے جو سوال پیدا ہو رہا تھا کہ وہ خفیہ سرگوشی کیا ہے؟ تو اس کا یہ جواب ہے اور **ھل** معنی میں نفی کے ہے۔

اضغاث احلام. خبر ہے مبتداء محذوف کا۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ **ھو اضغاث احلام** جملہ نصب کی جگہ پر ہے کیونکہ یہ مفعول بہ ہے **قالوا** کا۔ **حلم**. حا کو پیش اور لام ساکن اور دوسری قرائت حاء اور لام دونوں کو پیش کی ہے۔

فلیا تنا بأیۃ. یہ جواب ہے شرط محذوف کا اور تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ **وان لم یکن کما قلنا بل کان رسولاً من عنداللہ فلیا تنا بایۃ** اور **ارسل الاولون** صفت ہے **ایۃ** کی **کما** میں **ما** موصولہ ہے۔ اور **ما** مصدریہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں کاف منصوب ہوگا۔ کیونکہ یہ مصدر تشبیہی ہوگا۔ عبارت ہوگی۔ **فلیا تنا بایۃ اتیاناً کائناً مثل ارسال الاولین.**

اٰیۃ سے مراد کوئی بڑا معجزہ ہے۔ **الا رجالاً**. بشر کے بجائے رجل لانے سے اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ نبوت ہمیشہ مردوں ہی کو ملی ہے۔ **اھل الذکر** سے مراد اہل کتاب ہیں۔

جسداً. واحد ہے لیکن جمع کے معنی میں ہے۔ یا یہ کہ مضاف محذوف ہے۔ عبارت ہے **ذوی جسد.**

لایاکلون الطعام. میں دو اعراب ممکن ہے۔ راجح یہ ہے کہ یہ **جسد** کی صفت ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے۔ اگرچہ **جسداً** مفرد ہے۔ لیکن اس سے جمع مراد ہے۔ یا مضاف یہاں محذوف ہے اور اصل عبارت یوں ہے۔ **ذوی جسد غیر اکلین الطعام.**

قصمنا. کے معنی ریزہ ریزہ کر دینے کے آتے ہیں۔ یہی ایک ایسی قوم ہے۔ جس کو تلوار کے ذریعہ ختم کیا گیا تھا۔ قوم لوط کا استیصال زلزلوں اور دوسرے ذرائع سے ہوا تھا۔ **معالم التنزیل** میں ہے کہ یہ آیات حضور نامی بستی کے باشندوں کے بارے میں

نازل ہوئیں۔ جو مین کی ایک بستی تھی۔

استھزاءً بھم. یہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ فرشتے خوب جانتے تھے کہ ان کی مکمل تباہی کا فیصلہ ہو چکا۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ ملائکۃ اللہ کذب بیانی سے محفوظ ہیں۔ پھر انہوں نے یہ کیسے کہا کہ شاید تم مزے اڑاؤ۔ حالانکہ تباہی کے فیصلے کے ساتھ مزے اڑانے کا کیا سوال۔ جواب یہ ہے کہ ملائکۃ اللہ کا یہ ارشاد ایک طعن آمیز مذاق ہے۔

لو اردنا. لو کا جواب لاتخذناہ من لدنا ہے ان کنا فاعلین میں ان شرطیہ ہے جس کا جواب اردناہ محذوف ہے۔

مما تصفون. متعلق ہے استقرار کے۔ یعنی تمہاری تباہی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ کیونکہ تم خدا تعالیٰ کے متعلق وہ کچھ کہتے ہو جو اس کے شایان شان نہیں...... الا اللہ الا اسم ہے معنی میں غیر کے جس کی صفت ظہر ہے۔ الا استثنائیہ نہیں ہے۔ استثناء کا مفہوم یہاں ممکن ہی نہیں۔

ھٰذا ذکر من معی. توحید پر میرے دلائل یہ ہیں۔ اگر تعدادالہ پر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے۔ تولاؤ ھٰذا مبتداء ہے اور اس سے ارہ کتب سماویہ کی جانب ہے۔

من خشیتہ مشفقون. خشیہ اس خوف کو کہتے ہیں جس میں تعظیم کی آمیزش ہو۔ اور علماء کا خوف اس وصف سے متصف ہوتا ہے۔ اس لئے ان کے واسطے خشیت کا لفظ استعمال ہوا۔ اشفاق میں خوف کے ساتھ توجہ رہتی ہے۔ اگر اس کا تعدیہ من کے ساتھ ہوا تو خوف کے معنی واضح رہتے ہیں۔ اور علیٰ کے ساتھ متعدی ہونے کی صورت میں توجہ کا مفہوم نمایاں رہے گا۔ یہ فرق قاضی بیضاویؒ کی تحقیق ہے۔

ومن یقل منھم. یہ فرشتوں سے متعلق ہے۔ یعنی ملائکہ سے دعوائے خدائی بعید ہے۔ وہ تو معزز بندے ہیں۔ پھر اپنی الوہیت کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ فرشتوں میں سے جس نے دعوے خدائی کیا۔ وہ صرف شیطان تھا جو ایک مدت وزرا ملائکہ کے ساتھ رہنے کی بناء پر ملائکہ میں شمار ہوتا تھا۔

ربط :......... قرآن کا دستور ہے کہ کسی سورت کے ابتدائی مضامین ومطالب خاتمہ سورت پر مکرر لوٹا دیئے جاتے ہیں۔ یاد ہوگا کہ سورۂ طٰہٰ کی ابتداء میں نزول قرآن کا ذکر ایک خاص انداز میں ہوا تھا۔ حسب دستور اختتام پر پھر نزول قرآن کا تذکرہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ کہ ولا تعجل بالقراٰن من قبلک ان یقضیٰ الیک الخ آنحضور ﷺ نے خود پر ایک مشقت یہ بھی ڈال رکھی تھی کہ حضرت جبرائیلؑ کے ساتھ قرآن کو فرفر دہراتے۔ یہ کوشش فراموش ہونے کے اندیشہ کے پیش نظر تھی۔ جس سے آپ کو روک دیا گیا۔ طٰہٰ ما انزلنا علیک القراٰن لتشقیٰ میں نزول قرآن سے ہر مشقت کی نفی کی گئی تھی۔ پھر یہ کیسے مناسب ہوتا۔ کہ پیغمبر اعظم ﷺ نے جس مشقت کو اختیار فرمایا تھا۔ اس کی ممانعت نہ کی جاتی۔ خود قرآن کو عربی زبان میں نازل کرنا رسالت مآب ﷺ کے لئے یسر وسہولت کے لئے تھا۔ اسی لئے محولہ بالا آیات سے کچھ قبل بزبان عربی نزول پر خاص زور دیا گیا ہے اور کیونکہ قرآن مجید ایک نصیحت نامہ ہے۔ اسی لئے قوموں کے عروج وزوال، انبیاء علیہم السلام کی کامیابی، معاند اقوام کی تباہی وہلاکت کی داستانیں نصیحت کے لئے سب سے زیادہ موثر و کارآمد ہیں اور جو قدیر ومقتدر، شوکت وقوت کی مالک قوموں کو چشم زدن میں ہلاک کر سکتا ہے۔ اس کے لئے عظیم الجثہ پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دینا کیا مشکل ہے۔ ان معروضات کی روشنی میں یسئلونک عن الجبال فقل ینسفھا ربی نسفاً کو پڑھئے۔ اور روابط کی دریافت کی داد دیجئے۔

انسان ضعیف البنیان، پر جلال خدا کے مقابل میں خدائی دعوں پر کس طرح اتر آتا ہے اور یہ شیطانی ادعاوہ کیوں کرتا ہے۔ اس کا سرا وہی ابلیس ملعون کی اغوائی کوششیں ہیں جن کے نتیجہ میں ابوالبشر آدم علیہ السلام کو جنت سے محروم ہونا پڑا تھا۔ اس تذکیر کے لئے

طٰہٰ کے اختتام پر قصہ آدمؑ وابلیس کا اعادہ کیا گیا۔ قرآن کے نقطہ نظر سے معاش ومعیشت کی الجھنیں خدا فراموش زندگی اختیار کرنے کا لازمہ ہے۔ نماز، تسبیح وتہلیل ایک پرسکون زندگی کا باعث ہے۔ آدم علیہ السلام کی لحہ بھر کی غفلت لذائذ جنت سے محرومی کا باعث بنی۔ پھر یہ خدا فراموش انسان طویل غفلتوں کے نتیجہ میں معیشۃ ضنکاً کا مستحق کیوں نہ ہو۔ طٰہٰ کے اخیر میں قرآن پاک کے ذکری پہلو پر زور دیا گیا تھا۔ تو سورہ انبیاء کے اوائل میں اس دردناک معاملہ کا تذکرہ ہے۔ کہ انسان کا ''ذکر'' سے بھی کیسا لغو معاملہ ہے۔ ارشاد ہے کہ مایاتیھم من ذکر من ربھم محدث الا استمعوہ وھم یلعبون. کہ انسان نے اس مرقع عبرت کو بھی ہنسی کھیل میں اڑا دیا۔ بلکہ وہ قرآن کے متعلق افسانہ تراشی میں لگ گئے اور صاحب وحی کو ایک عام آدمی تصور کر بیٹھے۔ سورہ انبیاء کے اوائل میں قرآن مجید کی تذکیر پر یہ ارشاد فرما کر لقد انزلنا الیکم کتاباً فیہ ذکر کم پھر ایک مرتبہ توجہ دلا دی گئی۔ توحید کا اثبات، ابطال شرک، انبیاء علیہم السلام کی بشریت، قوموں کا استیصال، انبیاء علیہم السلام کے تذکرے، ان کی پاکیزہ صفات وفضائل سورہ انبیاء میں مفصلاً آ گئے۔ اگر سورۂ طٰہٰ چند انبیاء کے قصص وواقعات پر مشتمل تھی۔ تو سورۂ انبیاء میں ان کی قدرے تفصیل ہے۔ مضمون کا یہی اتحاد طٰہٰ اور انبیاء کا نقطہ اتحاد ہے۔

﴿تشریح﴾:......... خدا تعالیٰ منکرین قیامت کو متنبہ کر رہے ہیں کہ قیامت قریب آ گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ لوگ اس کی تیاری تو کیا کرتے۔ اس خبر کا یقین ہی نہیں کرتے۔ بلکہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ غفلت اس وجہ سے اور بھی مذموم ہے کہ اس میں اعراض بھی پایا جاتا ہے۔ ورنہ مطلق غفلت سے تو کوئی بھی انسان خالی نہیں۔ انہی منکرین اور کفار کے بارے میں ارشاد ہے کہ یہ لوگ خدا کے کلام اور وحی الٰہی کو غور سے سننے کے بجائے ایک کان سے سنتے ہیں اور دوسرے کان سے اڑا دیتے ہیں۔ بلکہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ خدا کے کلام کے ساتھ یہ معاملہ بھی اسی آخرت فراموشی کا نتیجہ ہے۔ یہ لوگ اسلام اور رسول اسلام کے خلاف سازش کرتے ہیں اور چونکہ سازش کے لئے اخفاء ضروری ہے۔ اس وجہ سے قرآن نے نقل کیا۔ کہ وہ اپنی سرگوشیوں کو چھپاتے ہیں۔ وہ خفیہ مشورے کرتے اور لوگوں کو بہکاتے۔ کہ یہ شخص جو رسالت کا مدعی ہے یہ کوئی مافوق البشر شخصیت نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو ہم ہی جیسا ایک انسان ہے اسے نبوت اور رسالت کہاں سے مل سکتی ہے۔ اور یہ قران میں جو اثر دیکھتے ہو۔ یہ تو تمام تر اس کے جادو کا نتیجہ ہے۔ تو کیا تم لوگ ہوش وحواس رکھتے ہوئے بھی اس کے جادو میں آ کر اپنے جیسے ایک انسان کی ماتحتی کو قبول کر لو گے؟

انہی کے جواب میں ارشاد ہے کہ ان سے کہئے کہ میرا خدا آسمان وزمین کی تمام باتوں کو جانتا ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ عالم الغیب ہے۔ دوسرے مذاہب کے دیوتاؤں کی طرح ناقص العلم نہیں۔ خفیہ سے خفیہ سازش بھی اس سے چھپانا ممکن نہیں۔ چنانچہ وہ تمہاری باتوں سے بھی باخبر ہے اور سازشوں پر مطلع ہے۔ تمام حالات کا اسے پوری طرح علم ہے۔ لہٰذا تمہیں ڈرنا چاہئے۔

کفار کی بدحواسی:......... یہ کفار پریشانی اور حیرانی کے عالم میں کلام خداوندی کو کبھی جادو، کبھی شاعری، کبھی پریشان خیالی اور کبھی آنحضورﷺ کا خود گھڑا ہوا کلام بتاتے۔ کسی ایک بات پر نہیں جمتے بلکہ مختلف انداز پر لوگوں کو بہکانے کی کوشش کرتے اور اسی کوشش میں کہتے کہ اگر یہ سچا نبی ہے تو حضرت صالح کی طرح کوئی اونٹنی یا حضرت موسیٰ کی طرح کا کوئی معجزہ دکھائے۔ جس پر خدا تعالیٰ کا جواب ہے۔ کہ ان معجزات سے کیا فائدہ۔ پچھلی قوموں میں بارہا اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ کہ انہوں نے سب کچھ دیکھا۔ لیکن پھر بھی وہ اپنے کفر پر جمے رہے۔ جس کے نتیجہ میں ان پر عذاب آ کر رہا۔ تو ان سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ کہ یہ معجزات دیکھ کر ایمان لے آئیں گے۔ اس لئے انہیں کوئی معجزہ وغیرہ دکھانا لاحاصل ہے۔ نیز کفار کہا کرتے تھے کہ یہ تو ہم ہی جیسا ایک انسان ہے۔ ہم کس طرح اس کی بندگی قبول کر سکتے ہیں اور کیا انسان بھی رسول ہو سکتا ہے۔

اس کی تردید میں ارشاد ہے کہ آپ سے پہلے بھی نبی تو ہر دور اور ہر ملک میں انسان ہی کو بنا کر بھیجا گیا۔ فرشتے یا اور کسی مخلوق کو انسان کی راہبری کے لئے نہیں بھیجا گیا اور رجــالا کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا۔ کہ ہمیشہ مردوں ہی کو نبوت ملی ہے عورتوں کو نہیں۔ ان کے اطمینان کے لئے کہا جا رہا ہے کہ تم یہود ونصاریٰ وغیرہ سے بھی پوچھ لو کہ ان کے پاس انسان ہی رسول بنا کر بھیجے گئے یا فرشتے وغیرہ۔ اور یہ تو خدا تعالیٰ کا احسان ہے کہ انسان کو رسول بنا کر بھیجتے ہیں۔ تا کہ لوگ ان کے پاس بے تکلف اٹھ بیٹھ سکیں اور دین سیکھیں۔ نیز جو بھی رسول بنا کر بھیجے گئے۔ وہ کوئی ایسا جسم وجثہ لے کر نہیں آئے جو کھانا نہ کھاتے ہوں۔ بلکہ انسانوں کی طرح کھاتے پیتے ہیں اور اسی طرح دوسری ضروریات بھی رکھتے ہیں۔ یہ پیغمبری کے منافی نہیں ہے۔ البتہ عام انسانوں اور پیغمبروں میں یہ فرق ہوتا ہے کہ پیغمبر کے پاس وحی آتی ہے اور ان کا اصل کام خدائی تعلیم کو دنیا میں پھیلانا ہوتا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ کا جو وعدہ تھا وہ سچا ہو کر رہا۔ وہ وعدہ یہی تھا کہ ایمان لانے والے اور رسالت کی تصدیق کرنے والے عذاب سے محفوظ رہیں گے اور انبیاء بھی اپنی ظاہری بے سروسامانی کے باوجود منکرین کی شان وشوکت کے مقابلہ میں کامیاب ہوں گے۔ تو یہ وعدہ پورا ہو کر رہا اور حد سے آگے بڑھ جانے والے تباہ وبرباد ہو کر رہے۔

عروج وزوال:.......... منکرین سے خطاب ہے کہ ہم نے ایسی کتاب نازل کی۔ جس میں تمہارے لئے نصیحت موجود ہے۔ لیکن پھر بھی قرآن کی بلیغ نصیحت تم پر اثر نہیں کرتی۔ اور نہ تم گذشتہ قوموں کی تباہی سے سبق حاصل کرتے ہو۔ تم دیکھتے نہیں کہ ہم نے کتنی قوموں کو تباہ وبرباد کر ڈالا۔ جن کے باشندے ظالم تھے اور ان کی جگہ دوسری قوم کو آباد کر دیا۔ اس طرح پر خدا کی زمین ویران اور غیر آباد نہیں رہی۔ بلکہ فرمانبردار اور اطاعت گزار بندوں کے ذریعہ آباد کر دی گئی۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی حالت میں تبدیلی نہیں کی۔ مگر جب خدا کے عذاب کو اپنی آنکھوں سے آتا ہوا دیکھ لیا۔ تو انہیں یقین ہو گیا۔ کہ اب واقعی نبی کی اطلاع کے مطابق عذاب آچکا تو وہ گھبرا کر بھاگنے لگے۔ جس پر ندائے غیبی آئی۔ کہ بھاگو مت بلکہ اپنے محلات میں واپس چلو۔ جہاں تم اب تک عیش وعشرت کی زندگی گزار رہے تھے۔ تا کہ تم سے پوچھ گچھ کر لی جائے۔ کہ تم نے خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کیا یا نہیں۔ اس وقت نہ یہ سامان کام آیا اور نہ مکان۔ اور نہ کسی ہمدرد وغمگسار کا نام ونشان رہا۔ اب یہ اپنے جرائم کا اعتراف کریں گے اور شور واویلا مچائیں گے۔ لیکن اس وقت کا اقرار ان کے کیا کام آئے گا۔ ان کی آہ وفریاد بیکار جائے گی۔ اور اس طرح نیست ونابود کر دیئے جائیں گے جیسے کٹی ہوئی کھیتی ہو۔

تردید:.......... اب ان مشرکین کی تردید کی جاتی ہے۔ جن کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا محض تماشہ گاہ ہے اور اس کے پیدا کرنے سے خدا تعالیٰ کا مقصد تماشہ دیکھنے اور دکھانے کے سوا کچھ نہیں...... اس کا جواب ہے کہ اس دنیا کے پیدا کرنے سے بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں وابستہ ہیں۔ اسے ہم نے کھیل تماشہ کے طور پر نہیں بنایا۔ اگر اس سے کھیل تماشا ہی مقصود ہوتا۔ تو اس دنیا کے بنانے کی ضرورت کیا تھی۔ ہم اپنے پاس موجود مخلوق سے بھی یہ کام لے سکتے تھے...... لہو کے معنی اہل یمن کے نزدیک بیوی کے بھی آتے ہیں۔ اور چونکہ مشرکین کا ایک عقیدہ یہ بھی تھا۔ کہ اس عقیدہ کے بنانے سے خدا تعالیٰ کا مقصد بیوی اور بچہ حاصل کرنا تھا۔ اس وجہ سے آیت کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں۔ کہ اگر ہمیں بیوی اور بچہ حاصل کرنا تھا تو اپنے پاس مخلوق حور اور فرشتے کو بیوی بچے بنا سکتے تھے۔ ان کنــا فــاعلین میں ان کو نافیہ کہا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم یہ کرنے والے نہیں تھے۔

مشہور مفسر مجاہدؒ کا کہنا ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں بھی ان استعمال ہوا ہے۔ وہ نفی کے معنی میں ہے۔ یہ کائنات تماشہ گاہ نہیں ہے۔ بلکہ حق وباطل اور صدق وکذب کی معرکہ گاہ ہے۔ باطل ہمیشہ حق کے سامنے مغلوب رہتا ہے۔ جو خدا کے لئے اولاد ٹھہراتے ہیں۔

ان کے لئے تباہی وبربادی ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ جن فرشتوں کو تم نے خدا کی بیٹیاں اور اپنا دیوی دیوتا قرار دے رکھا ہے۔ ان کا تو حال یہ ہے کہ وہ ہروقت خدا کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں نہ حضرت مسیح کو خدا کا بندہ ہونے میں کوئی عار محسوس ہوتی ہے اور نہ فرشتوں کو خدا کی عبادت سے انکار ہے۔ باوجود ہروقت خدا کی عبادت میں لگے رہنے کے نہ وہ تھکتے ہیں اور نہ گھبراتے ہیں۔ کیونکہ آگے زمینی دیوتا کا ذکر آ رہا ہے۔ تو ضروری سمجھا گیا۔ کہ ان آسمانی دیوتاؤں کا بھی تذکرہ کردیا جائے۔ جنہیں کفار نے غلط طور پر اپنا خدا بنا رکھا ہے۔ اسی لئے فرشتوں کا حال سنادیا گیا۔

ابطال تعدد الٰہ: .... مشرکین کی حماقت کا یہ حال ہے کہ انہوں نے مخلوق کو جو خود بے جان اور بے قدرت ہے معبود بنالیا۔ جن میں کسی کو جلانے تک کی صلاحیت نہیں۔ اسے معبود حقیقی کے برابر تصور کرلیا۔ اور اگر بالفرض چند خدا تسلیم کر لئے جائیں۔ تو یہ زمین و آسمان تباہ وبرباد ہوکر رہ جائیں۔ کیونکہ چند خداؤں کے درمیان تصادم ناگزیر ہے۔ ہر ایک اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کی کوشش کریں گے۔ جس کے نتیجہ میں اختلافات شروع ہوں گے۔ اور دنیا کا نظام ابتر ہوجائے گا۔ دنیا کا منظم ومرتب انداز اس بات کی علامت ہے کہ ایک سے زائد معبود نہیں ہے۔ نیز وہ خدا ہی کیا جس کی خدائی میں شریک ہوں اور جسے نہ کامل ومکمل اختیار ہو اور جو نہ بااختیار ہو۔ اس مضمون وحقیقت سے چند خداؤں کی تردید ہوجاتی ہے۔

خدا کی صفت رب العرش لاکر اس کی بے پناہ عظمت کا اظہار ہے۔ کیونکہ خدا کی مخلوقات میں عرش سب سے عظیم ہے ظاہر ہے کہ جو اس کا مالک ہوگا وہ کتنا عظمت والا ہوگا۔ واقعی وہی حاکم اور بلند وبالا ہے اور اس کا کوئی مثل، شریک اور ساجھی نہیں۔ یہ جو مشرکین خدا تعالیٰ کی طرف مختلف چیزوں کی نسبت کرتے ہیں۔ خدا اس سے پاک اور بہت اعلیٰ ہے۔ اس کے آگے کسی کو چوں وچرا کرنے کی بھی مجال نہیں۔ نہ کسی کو کچھ پوچھ گچھ کرنے کی ہمت کہ یہ کام کیسے اور کیوں ہوا؟ اور خدا تعالیٰ چونکہ سب کا مالک اور خالق ہے۔ اس لئے اسے ہر ایک سے باز پرس اور اس کی اعمال کے محاسبہ کا اختیار ہے۔ جسے چاہے سزا دے اور جسے چاہے جزا دے۔

کوئی دلیل نہیں: .... مشرکین کو دعوت مقابلہ ہے کہ توحید پر تو بے شمار دلیل عقلی ونقلی ہیں اور تم شرک پر کوئی دلیل پیش کرسکتے ہو تو کرو۔ توحید پر تو اس سے پہلے کی تمام آسمانی کتابیں بھی دلیل ہیں اور وہ اس بات کی شہادت دے رہی ہیں کہ خدا کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تمام انبیاء ورسل کو توحید ہی کی تعلیم دی گئی۔ لیکن مشرکین چونکہ حق سے اعراض کئے ہوئے ہیں۔ اس لئے وہ ایمان ویقین کی دولت سے بھی محروم ہیں۔ پچھلی قوموں میں بھی انبیاء بھیجے جاتے رہے۔ اور ہر ایک نے اسی کی تعلیم دی کہ خدا کے علاوہ کوئی پرستش کے لائق نہیں۔ اور انبیاء کے ذریعہ اسی کی تبلیغ کی جاتی رہی۔ کہ صرف خدا ہی کی عبادت کرو۔ کسی نے شرک کی تعلیم نہیں دی۔ یہ محض انسانی ذہن کی پیداوار ہے۔

ایک غلط خیال: .... بعض مشرکین مکہ کا خیال تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ آیت میں ان کے اس عقیدہ کی تردید ہے۔ بتایا گیا ہے کہ فرشتے اللہ کی اولاد نہیں۔ بلکہ اس کے معزز بندے ہیں۔ ان کا حال یہ ہے۔ کہ ہروقت اس کے حکم کے منتظر رہتے ہیں۔ خدا کے حکم کی مخالفت ان سے ممکن نہیں۔ آیت میں یہود ونصاریٰ کی بھی تردید ہوگئی۔ جو نافرمان فرشتے کے وجود کے قائل ہیں۔ نیز فرشتوں کو اس کا بھی یقین ہے۔ کہ خدا تعالیٰ سب کے اگلے پچھلے احوال کو خوب جانتا ہے اور اس کی ہیبت ان کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے۔ اس لئے ان کو اس کی مجال نہیں۔ کہ خدا کے کسی مجرم کی اس کی مرضی کے خلاف سفارش ہی کریں۔ چونکہ یہ شرک عام تھا۔ اس وجہ سے جگہ جگہ

اور مفصل تردید کی ضرورت محسوس کی گئی۔ مزید یہ بھی کہا گیا کہ اگر بالفرض یہ معزز و مقرب بندے بھی خدائی کا دعویٰ کر بیٹھیں تو انہیں بھی ہم دوسری مخلوقات کی طرح سخت سے سخت سزا دیں گے۔ یہ بطور مفروضہ کے فرمایا گیا۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ فرشتے بھی ایسا ناپاک دعویٰ کریں۔ اس طرح کے مفروضے قرآن میں جگہ جگہ استعمال کئے گئے ہیں۔

اَوَلَمْ بِوَاوٍ وَتَرْكِهَا **يَرَ** يَعْلَمِ **الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا** اَيْ سَدًّا بِمَعْنٰى مَسْدُوْدَةً **فَفَتَقْنٰهُمَا** اَيْ جَعَلْنَا السَّمَاءَ سَبْعًا وَالْاَرْضَ سَبْعًا اَوْ فَتَقُ السَّمَاءِ اَنْ كَانَتْ لَاتُمْطِرُ فَاَمْطَرَتْ وَفَتْقُ الْاَرْضِ اَنْ كَانَتْ لَاتُنْبِتُ فَاَنْبَتَتْ **وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ** النَّازِلِ مِنَ السَّمَاءِ وَالنَّابِعِ مِنَ الْاَرْضِ **كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ** نَبَاتٌ وَغَيْرِهِ فَالْمَاءُ سَبَبٌ لِحَيٰوتِهِ **اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ﴿۳۰﴾** بِتَوْحِيْدِيْ **وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ** جِبَالًا ثَوَابِتَ لِ **اَنْ** لَا **تَمِيْدَ** تَتَحَرَّكَ **بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيْهَا** اَيِ الرَّوَاسِيَ **فِجَاجًا** مَسَالِكَ **سُبُلًا** بَدَلٌ اَيْ طُرُقًا نَافِذَةً وَاسِعَةً **لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ﴿۳۱﴾** اِلٰى مَقَاصِدِهِمْ فِي الْاَسْفَارِ **وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا** لِلْاَرْضِ كَالسَّقْفِ لِلْبَيْتِ **مَّحْفُوْظًا** عَنِ الْوُقُوْعِ **وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا** مِنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالنُّجُوْمِ **مُعْرِضُوْنَ﴿۳۲﴾** لَايَتَفَكَّرُوْنَ فِيْهَا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ خَالِقَهَا لَاشَرِيْكَ لَهٗ **وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ** تَنْوِيْنُهٗ عِوَضٌ عَنِ الْمُضَافِ اِلَيْهِ مِنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَتَابِعِهٖ وَهُوَ النُّجُوْمُ **فِيْ فَلَكٍ** اَيْ مُسْتَدِيْرٍ كَالطَّاحُوْنَةِ فِي السَّمَاءِ **يَّسْبَحُوْنَ﴿۳۳﴾** يَسِيْرُوْنَ بِسُرْعَةٍ كَالسَّابِحِ فِي الْمَاءِ وَلِلتَّشْبِيْهِ بِهٖ اَتٰى بِضَمِيْرِ جَمْعِ مَنْ يَعْقِلُ وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ الْكُفَّارُ اَنَّ مُحَمَّدًا سَيَمُوْتُ **وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ** اَيِ الْبَقَاءَ فِي الدُّنْيَا **اَفَا۠ئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ﴿۳۴﴾** فِيْهَا لَا فَالْجُمْلَةُ الْاَخِيْرَةُ مَحَلُّ الْاِسْتِفْهَامِ الْاِنْكَارِيْ **كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ** فِي الدُّنْيَا **وَنَبْلُوْكُمْ** وَنَخْتَبِرُكُمْ **بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ** كَفَقْرٍ وَغِنًى وَسُقْمٍ وَصِحَّةٍ **فِتْنَةً** مَفْعُوْلٌ لَهٗ اَيْ لِنَنْظُرَ اَتَصْبِرُوْنَ وَتَشْكُرُوْنَ اَوْلَا **وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ﴿۳۵﴾** فَيُجَازِيْكُمْ **وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ** مَا **يَتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا** اَيْ مَهْزُوًّا بِهٖ يَقُوْلُوْنَ **اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ** اَيْ يَعِيْبُهَا **وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ** لَهُمْ **هُمْ** تَاكِيْدٌ **كٰفِرُوْنَ﴿۳۶﴾** بِهٖ اِذْ قَالُوْا مَا نَعْرِفُهٗ وَنَزَلَ فِي اسْتِعْجَالِهِمُ الْعَذَابَ **خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ** اَيْ اَنَّهٗ لِكَثْرَةِ عَجَلِهٖ فِيْ اَحْوَالِهٖ كَاَنَّهٗ خُلِقَ مِنْهُ **سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ** مَوَاعِيْدِيْ بِالْعَذَابِ **فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ﴿۳۷﴾** فِيْهِ فَاَرَاهُمُ الْقَتْلَ بِبَدْرٍ **وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ** بِالْقِيَامَةِ **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴿۳۸﴾** فِيْهِ قَالَ تَعَالٰى **لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ** يَدْفَعُوْنَ **عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴿۳۹﴾** يَمْنَعُوْنَ مِنْهَا فِيْ

الْقِيٰمَةِ وَجَوَابُ لَوْ مَا قَالُوْا ذٰلِكَ **بَلْ تَاْتِيْهِمْ** الْقِيٰمَةُ **بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ** تُحَيِّرُهُمْ **فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ﴿۴۰﴾** يُمْهَلُوْنَ لِتَوْبَةٍ اَوْ مَعْذِرَةٍ **وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ** فِيْهِ تَسْلِيَةٌ لِّلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **فَحَاقَ** نَزَلَ **بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴿۴۱﴾** وَهُوَ الْعَذَابُ فَكَذَا يَحِيْقُ بِمَنِ اسْتَهْزَاَ بِكَ ع ۱۲ ۳

ترجمہ: ....کیا جولوگ کفر اختیار کیے ہوئے ہیں انہیں علم نہیں کہ آسمان اور زمین بند تھے۔ پھر ہم نے دونوں کو کھول دیا (دونوں ایک تھے تو ہم نے آسمان کو بھی سات درجوں میں تقسیم کر دیا اور زمین کو بھی سات طبقوں میں۔ کھولنے کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ آسمان سے بارش نہیں برستی تھی۔ ہم نے بارش برسا دی اور زمین میں پیداوار نہیں تھی ہم نے اسے اس قابل بنا دیا۔ کہ اس میں کھیتی لہلہانے لگی) اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا ہے (ہر سبزی اور جاندار چیز کی حیات ونشوونما کا سبب آسمان سے برسنے والا اور زمین سے نکلنے والا پانی ہے) کیا یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے (خدا کی وحدانیت پر) اور ہم نے زمین میں اس لئے پہاڑ بنائے کہ زمین لوگوں کو لے کر ملنے نہ لگے اور ہم نے (پہاڑوں میں) کشادہ راستے بنا دیئے (سبلاً بدل ہے فجاجاً سے یعنی کشادہ راستہ) تا کہ لوگ راستہ پاتے رہیں (اور ان راستوں سے ہو کر اپنی منزل پر پہنچ سکیں (اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا (اب آسمان گھر کی چھت کی طرح زمین کے لئے چھت ہے جو گرنے سے بھی محفوظ ہے) اور یہ لوگ اس کی نشانیوں سے (مثلاً سورج، چاند اور ستاروں سے) منہ پھیرے ہوئے ہیں (اور غور وفکر نہیں کرتے ہیں کہ ان کا پیدا کرنے والا وہی خدا وحدہ، لاشریک ہے) اور وہ وہی تو ہے جس نے رات کو، دن کو، سورج کو اور چاند کو پیدا کر دیا ہے۔ سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں (جس طرح چکی چلتی ہے۔ کل کی تنوین مضاف الیہ کے بدلہ میں ہے۔ عبارت ہے کلھم یعنی یہ سورج، چاند اور ستارے چکر کاٹ رہے ہیں تیزی کے ساتھ جیسے تیراک پانی میں تیرتا ہے۔ اور چونکہ تشبیہ تیراک سے دی جا رہی تھی۔ اس لئے ضمیر وہ استعمال کی گئی جو عاقل کے لئے استعمال ہوتی ہے اور جب کفار نے کہا کہ محمد ﷺ فوت ہو جائیں گے تو یہ آیت اتری) اور ہم نے آپ سے قبل بھی۔ کسی بشر کو ہمیشگی کے لئے نہیں بنایا تھا (کوئی بھی دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں آیا ہے) اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ ہمیشہ رہیں گے (دنیا میں۔ یہ استفہام انکاری ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا ہے) ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے (دنیا میں) اور ہم تم کو آزماتے ہیں برائی سے اور بھلائی سے (مالداری اور محتاجی سے، تندرستی و بیماری کے ذریعہ) اچھی طرح (فتنہ مفعول بہ ہے) یعنی ہم دیکھتے ہیں کہ تم مصیبت میں صبر اور راحت میں شکر ادا کرتے ہو یا نہیں) اور ہماری ہی طرف تم لوٹ کر آؤ گے (اس وقت ہم تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دیں گے) اور یہ کافر لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ سے بس ہنسی کرنے لگتے ہیں (اور آپس میں کہتے ہیں کہ) کیا یہی ہیں جو تمہارے معبودوں کا ذکر کیا کرتے ہیں اور (اس کی عیب جوئی کرتے ہیں) درآنحالیکہ یہ لوگ خود رحمٰن کے ذکر پر کفر کرتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ ہم تو اسے جانتے ہی نہیں ہیں۔ دوسرا ھم تاکید کے لئے ہے۔ اگلی آیت ان کفار کے عذاب کے مطالبہ میں جلدی کرنے پر نازل ہوئی) انسان کی خلقت ہی جلدی (کے خمیر) سے ہوئی ہے (وہ اتنی جلد بازی کرتا ہے کہ گویا اس کی پیدائش ہی جلدی کے خمیر سے ہوئی ہے) ہم عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھا دیں گے پس تم مجھ سے جلدی مت مچاؤ (اس سلسلہ میں ان لوگوں کو قتل کراؤں گا جنگ بدر کی صورت میں) اور یہ کہتے ہیں کہ وعدہ کس وقت پورا ہو گا (قیامت کا) اگر تم سچے ہو (اپنے وعدہ میں۔ جس پر ارشاد ہوا کہ) کاش! ان کافروں کو اس وقت کی خبر ہوتی۔ جب کہ یہ آگ کو نہ اپنے سامنے سے روک سکیں گے اور نہ اپنے پیچھے سے اور نہ انہیں مدد پہنچ سکے گی (کیونکہ قیامت میں کسی کو مدد پہنچانے سے روک دیا جائے گا۔ آنے والی آیت لو کا

جواب ہے) بلکہ وہ (قیامت) انہیں بیک وقت آئے گی اور انہیں بدحواس کردے گی۔ پھر نہ انہیں اس کے دور کرنے کی مہلت ہوگی اور نہ انہیں مہلت ہی دی جائے گی (توبہ کرنے یا عذر ومعذرت کی) اور یقیناً آپ سے پہلے بھی جو پیغمبر تھے ان کے ساتھ تمسخر کیا جا چکا ہے (اس میں آنحضورﷺ کو تسلی دی گئی ہے) پھر جن لوگوں نے ہنسی اڑائی تھی ان کے اوپر وہ عذاب واقع ہو گیا۔ جس پر وہ تمسخر کر رہے تھے۔ (اور وہ عذاب اسی طرح آپﷺ سے تمسخر کرنے والوں پر واقع ہوگا۔)

تحقیق وترکیب:............اولم یر الذین. میں آنکھوں سے دیکھنا مراد نہیں۔ بلکہ عقل اور علم سے کام لینے کی دعوت ہے۔
کانتا. میں ضمیر آسمانوں اور زمین کی طرف لوٹ رہی ہے۔ لیکن ضمیر تثنیہ کی آئی ہے۔ اس کے مختلف جواب ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جنس آسمان اور جنس زمین مراد ہے۔ اس لئے ضمیر تثنیہ کی لائی گئی۔

رتق کے معنی بستہ اور فتق کے معنی کھلا ہوا اور پھٹا ہوا کے ہیں۔

وجعلنا من الماء. جعل اگر معنی میں خلق کے ہو تو ایک مفعول کی ضرورت ہوگی۔ وہ مفعول کل شئی ء حی ہے اور من الماء متعلق ہوگا۔ فعل کے ساتھ اور اگر جعل معنی میں صیر کے لیا جائے تو دو مفعول کی ضرورت پڑے گی۔ ایک کل شئی ئی حی ہوگا اور دوسرا مفعول جار مجرور ہوگا۔ تقدیر عبارت ہوگی۔ انا صیر نا کل شی ء حی من الماء بسبب ان الماء لا بد منه له پانی سے مراد اگر بارش ہے تو وہ اس وجہ سے کہ ہر جاندار چیز کے لئے بارش کی شدید ترین ضرورت ہوتی ہے۔ اور اگر مراد منی لی جائے۔ کیونکہ اسے بھی پانی کہا جاتا ہے تو اس سے ہر جاندار چیز کا وجود میں آنا معلوم ہے...... کل شی ء کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ صرف حیوان مراد ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ نہیں بلکہ اس سے مراد حیوان، نباتات وغیرہ بھی ہے۔ کیونکہ یہ بھی پانی ہی سے نشوونما پاتے ہیں۔ ویسے لفظ کل کا اطلاق کل پر یا بڑی اکثریت پر ہوتا ہے۔ اس لئے اگر کسی جاندار کی پیدائش کا استثناء ثابت ہو جائے تو یہ عام قانون کے منافی نہیں۔

فی فلک آسمان سے علیحدہ چیز ہے۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ فلک ہر گھومنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ فلاسفہ کا اختلاف ہے کہ آیا فلک کا جسم ہے یا نہیں۔ بعض کی رائے میں وہ صرف ستاروں کا ایک مدار ہے۔ جب کہ بعض یہ کہتے ہیں کہ فلک جسم ہے اور ستارے اسی پر گھومتے ہیں۔ بعض کی تحقیق ہے کہ فلک ایک موج مکفوف ہے۔ سورج، چاند، تارے سب اسی میں گھوم رہے ہیں اور کلبیؒ کہتے ہیں کہ فلک ایک منجمد پانی ہے۔ جس میں سیارگان تیر رہے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ تیرنا صرف پانی ہی میں ممکن ہے۔ یسجون کا یہاں استعمال فلک کے پانی کی طرح سیال مادہ ہونے پر بڑا قرینہ ہے۔

کل نفس ذائقة الموت. نفس سے مراد روح حیوانی ہے اور موت اسی روح حیوانی کا جسم سے انفکاک وانفصال ہے۔ موت کوئی ماکولات میں سے نہیں، اس لئے لفظ ذوق کا استعمال یہاں پر مجازاً ہے۔ اسی طرح موت سے مراد مقدمات موت ہے جس کا انسان ادراک کر سکتا ہے۔ ورنہ موت کے بعد احساس وادراک خود ختم ہو جاتا ہے۔

فتنةً کے منصوب ہونے کی تین وجوہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ مفعول لہ ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ مصدر ہے جو حال واقع ہو رہا ہے اور تیسرا یہ کہ مصدر بغیر لفظ العامل ہے۔

وهم بذكر الرحمٰن. هم مبتدا ہے اور کافرون اس کی خبر، بذکر اس کا متعلق اور دوسرا هم پہلے هم کی تاکید کے لئے ہے گویا عامل اور معمول یعنی هم اور کافرون کے درمیان تاکید کے ذریعہ فصل کر دیا گیا۔ مؤکد اور مؤکد کے درمیان معمول کے ذریعہ فصل ہے اور لفظ ذکر کی اضافت رحمن کی جانب ایسی ہے جیسا کہ مصدر کی اضافت عامل کی جانب ہوتی ہے۔

من عجل. عجلت جو انسانی طبیعت ہے اسے کثرت وقوع کی وجہ سے فطرت انسانی میں شمار کیا گیا۔ گویا اشارہ بالکنایہ ہے۔

﴿تشریح﴾:............ خدا تعالیٰ اپنے غلبہ وقدرت کا اظہار فرما رہے ہیں۔ کہ یہ مشرکین جو دیوی دیوتاؤں کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں۔ انہیں اتنا بھی دکھائی نہیں دیتا۔ کہ ہر چیز پر خدا تعالیٰ کا غلبہ ہے۔ یہ آسمان اور زمین جیسی مخلوقات میں بھی یہ قدرت نہیں کہ وہ اپنے ارادہ سے کچھ کرنے لگیں اور زمین وآسمان تو کیا کوئی بھی مخلوق یا دیوی دیوتا کو اس کی قدرت نہیں۔ یہ زمین وآسمان ابتداء میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور تہ بتہ تھے۔ خدا تعالیٰ ہی نے الگ الگ سات طبقوں میں تقسیم کر کے آسمان اوپر اور زمین نیچے قائم کی۔ پھر آسمان سے بارش برسائی اور زمین سے کھیتی اگائی اور ہر جاندار چیز کو اسی پانی سے پیدا کیا۔ معلوم ہوا کہ یہ سب اسی خدا تعالیٰ کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے۔ اس کے باوجود ان مشرکین کی آنکھیں نہیں کھلتیں اور نہ اپنے مشرکانہ عقیدہ سے باز آتے ہیں۔

مجاہد مفسر کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے۔ ساتوں آسمان ایک تھے اور اسی طرح ساتوں زمین ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں پھر انہیں جدا کیا گیا۔ اور سعیدؒ کی تفسیر سے پتہ چلتا ہے کہ آسمان اور زمین دونوں ایک تھے۔ پھر آسمان کو سات حصوں میں تقسیم کر کے اوپر اور زمین کو بھی سات ہی طبقوں میں تقسیم کر کے نیچے قائم کی گئی اور ان دونوں کے درمیان خلا رکھا گیا۔ اس زمین کو پہاڑوں کے ذریعہ سکون پذیر کیا گیا اور اس سے زمین کے توازن کو برابر رکھنے کا کام لیا گیا۔ تاکہ یہ زمین ہلنے نہ لگے۔ جس سے لوگوں کو پریشانی ہو۔ یہاں زمین کی مطلق حرکت کی نفی نہیں کی گئی۔ بلکہ اس حرکت کی نفی کی گئی ہے کہ یہ زمین بالکل ڈانواڈول نہ ہو جائے۔ اور پھر اس زمین میں راستے بنا دیئے۔ تاکہ لوگ بآسانی سفر کر کے دور دراز ملکوں میں پہنچ سکیں۔ اور اسی کے ساتھ آسمان کو زمین کے لئے چھت بنا دیا۔ جو ہر طرح کی شکست وریخت سے محفوظ ہے۔ جس میں کوئی سوراخ تک نہیں اور اس میں کس خوبصورتی کے ساتھ ستارے، چاند اور سورج جڑ دیئے گئے۔ جو اس کی خوبصورتی کو دوبالا کرتے ہیں۔ اتنا بڑا بلند آسمان کسی ستون کے بغیر ہمارے سروں پر ہے۔ اس کے علاوہ آسمان زمین کی بے شمار نشانیاں ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں اور پھر اسی کے ساتھ سورج کی ایک چال مقرر ہے۔ اپنی اسی رفتار پر یہ سورج چوبیس گھنٹہ میں پورے آسمان کا چکر کاٹتا ہے۔

جب یہ ہماری نظروں کے سامنے ہوتا ہے تو دن رہتا ہے۔ اور جب نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے تو رات ہو جاتی ہے۔ چاند کی بھی ایک الگ رفتار ہے۔ دونوں اپنے لگے بندھے نظام پر چل رہے ہیں۔ نہ اس میں کبھی کوئی خلل پڑتا ہے اور نہ رکاوٹ۔ اور دونوں اپنے اپنے مقررہ حدود میں سیر کر رہے ہیں۔ اس نظام کا چلانے والا وہی خدائے وحدہٗ لاشریک ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ مشرکین منہ موڑے ہوئے ہیں اور غور وفکر نہیں کرتے ہیں۔

کل من علیھا فان. اس آیت میں تردید ہے اس مشرکانہ عقیدے کی کہ فلاں فلاں انسانی ترقی کرتے کرتے دیوتا اور غیر فانی بن گیا۔ ارشاد ہے کہ اب تک جتنے لوگ ہوئے ان سب کو موت کے مزے سے آشنا ہونا ہے۔ آپ ﷺ سے پہلے بھی کسی کو ہمیشگی کی زندگی نہیں ملی۔ یہ کفار جو آرزومند ہیں۔ کہ آپ ﷺ کی وفات ہو جائے۔ تو کوئی ان سے پوچھے کہ کیا یہ لوگ ہمیشہ زندہ رہیں گے جو آپ ﷺ کی وفات کے خیال سے خوش ہو رہے ہیں۔ ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ خدائے ذوالجلال کے علاوہ سب ہی کو اس مرحلہ سے گزرنا ہے۔ پھر ارشاد ہے کہ بھلائی وبرائی، رنج وراحت اور کشادگی وتنگی کے ذریعہ ہم لوگوں کو آزمائش میں ڈال کر ان کا امتحان لیتے ہیں۔ تاکہ یہ کھل کر سامنے آجائے۔ کہ کون شکر گزار اور کون ناشکرا ہے۔ سب کو ہماری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اس وقت اچھوں اور بروں کو ان کے اعمال کے مطابق جزا وسزا مل جائے گی۔

تمسخر واستہزاء:......... کفار مکہ آپ ﷺ کو دیکھ کر ہنسی مذاق اڑاتے اور آپ ﷺ کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرتے ہوئے آپس میں کہتے کہ دیکھ لو یہی وہ ہیں جو ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ آج بھی بہت سے کفار اسلام اور اسلامی مسائل کا مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔ تو ایک بدبختی تو ان کی یہی ہوئی۔ دوسرے یہ کہ خدا اور رسول خدا کے منکر ہیں۔ تمسخر واستہزاء کے قابل تو واقعۃً یہی لوگ ہیں کہ دنیا کی اتنی بڑی حقیقت کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔

کافروں کی اس بدبختی کے تذکرہ کے بعد ارشاد ہوا کہ انسان بہت ہی جلد باز پیدا ہوا ہے۔ اس کی فطرت میں جلدی ہے ہر چیز میں اسی عجلت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اپنی اسی فطرت سے مجبور ہو کر خدا تعالیٰ سے چاہتا ہے۔ کہ وہ ظالم کو فوراً پکڑ لے۔ لیکن خدا تعالیٰ کسی حکمت و مصلحت کی بناء پر ظالم و بدبختوں کو ڈھیل دیتا ہے اور جب وقت آتا ہے تو خدا تعالیٰ کی پکڑ ایسی ہوتی ہے کہ اس سے چھٹکارا ممکن نہیں۔ اسی کو کہا گیا کہ جلدی مت کرو ہم بھی اپنی نشانیاں دکھا دیں گے۔ کہ ظالموں کی پکڑ کس طرح ہوتی ہے۔ دیر ہے لیکن اندھیر نہیں ہے۔ اسی طرح یہ مشرکین ومعاندین مسلمانوں سے بطور تمسخر پوچھتے کہ بتاؤ تو کہ تمہارے کہنے کے مطابق وہ قہر وعذاب کب آوے گا ...... جواب ہے کہ کاش یہ مشرکین اس وقت کی ہولناکیوں پر مطلع ہوتے۔ جب جہنم کی آگ انہیں چار جانب سی گھیر لے گی اور ان کے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہوگی نہ کسی طرح کی مدد پہنچ سکے گی اور یہ عذاب کسی وقت معلوم پر بھی نہیں آئے گا کہ یہ چوکنا ہوں۔ بلکہ وہ تو اچانک آ دبائے گا اور یہ ہکا بکا دیکھتے کے دیکھتے رہ جائیں گے۔ اس وقت نہ مہلت ملے گی اور نہ کسی طرح کی ڈھیل۔

مضمون تشفی:......... ان آیات میں آنحضور ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے۔ کہ یہ معاملہ صرف آپ ﷺ ہی ساتھ نہیں ہوا ہے۔ بلکہ تاریخ معاند وسرکش قوموں کی تباہی سے بھری پڑی ہے اور آپ ﷺ سے پہلے دوسرے انبیاء کے ساتھ بھی تمسخر واستہزاء کا معاملہ کیا گیا۔ جس کی سزا ان قوموں کو مل کر رہی۔ اس لئے آپ پریشان نہ ہوں۔ کیونکہ یہ معاملہ صرف آپ ہی کی ساتھ نہیں ہوا ہے۔

قُلْ لَهُمْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ يَحْفَظُكُمْ **بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ** مِنْ عَذَابِهِ اِنْ نَزَلَ بِكُمْ اَىْ لَا اَحَدَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ وَالْمُخَاطَبُوْنَ لَا يَخَافُوْنَ عَذَابَ اللّٰهِ لِاِنْكَارِهِمْ لَهُ **بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ** اَىِ الْقُرْاٰنِ **مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾** لَا يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْهِ **اَمْ** فِيْهَا مَعْنَى الْهَمْزَةِ الْاِنْكَارِىْ اَىْ **لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ** مِمَّا يَسُوْءُ هُمْ **مِّنْ دُوْنِنَا** اَىْ اَلَهُمْ مَنْ يَمْنَعُهُمْ مِنْهُ غَيْرُنَا لَا **لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ** اَىِ الْاٰلِهَةُ **نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ** فَلَا يَنْصُرُوْنَهُمْ **وَلَا هُمْ** اَىِ الْكُفَّارُ **مِّنَّا** مِنْ عَذَابِنَا **يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾** يُجَارُوْنَ يُقَالُ صَحِبَكَ اللّٰهُ اَىْ حَفِظَكَ وَاَجَارَكَ **بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَ هُمْ** بِمَا اَنْعَمْنَا عَلَيْهِمْ **حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ** فَاغْتَرُّوْا بِذٰلِكَ **اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ** نَقْصُدُ اَرْضَهُمْ **نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا** بِالْفَتْحِ عَلَى النَّبِىِّ **اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾** لَا بَلِ النَّبِىُّ وَاَصْحَابُهُ **قُلْ** لَهُمْ **اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْىِ** مِنَ اللّٰهِ لَا مِنْ قِبَلِ نَفْسِىْ **وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْيَاءِ **مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾** اَىْ هُمْ لِتَرْكِهِمُ الْعَمَلَ بِمَا سَمِعُوْهُ مِنْ

الِانُذَارِ کَالصُّمِّ وَلَئِنۡ مَّسَّتۡهُمۡ نَفۡحَةٌ وَقُعَةٌ خَفِیۡفَةٌ مِّنۡ عَذَابِ رَبِّكَ لَیَقُوۡلُنَّ یَا لِلتَّنۡبِیۡهِ وَیۡلَنَاۤ هَلَاکُنَا اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ﴿۴۶﴾ بِالۡاِشۡرَاكِ وَتَکۡذِیۡبِ مُحَمَّدٍ وَنَضَعُ الۡمَوَازِیۡنَ الۡقِسۡطَ ذَوَاتَ الۡعَدۡلِ لِیَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ اَیۡ فِیۡهِ فَلَا تُظۡلَمُ نَفۡسٌ شَیۡئًا مِنۡ نَقۡصِ حَسَنَةٍ اَوۡ زِیَادَةِ سَیِّئَةٍ وَاِنۡ کَانَ الۡعَمَلُ مِثۡقَالَ زِنَةَ حَبَّةٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ اَتَیۡنَا بِهَا اَیۡ بِمَوۡزُوۡنِهَا وَکَفٰی بِنَا حٰسِبِیۡنَ ﴿۴۷﴾ مُحۡصِیۡنَ فِیۡ کُلِّ شَیۡءٍ وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسٰی وَهٰرُوۡنَ الۡفُرۡقَانَ اَیِ التَّوۡرٰةَ الۡفَارِقَةَ بَیۡنَ الۡحَقِّ وَالۡبَاطِلِ وَالۡحَلَالِ وَالۡحَرَامِ وَضِیَآءً بِهَا وَّذِکۡرًا اَیۡ عِظَةً بِهَا لِّلۡمُتَّقِیۡنَ﴿۴۸﴾ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَیۡبِ عَنِ النَّاسِ اَیۡ فِی الۡخَلَاءِ عَنۡهُمۡ وَهُمۡ مِّنَ السَّاعَةِ اَیۡ اَهۡوَالِهَا مُشۡفِقُوۡنَ﴿۴۹﴾ اَیۡ خَائِفُوۡنَ وَهٰذَا اَیِ الۡقُرۡاٰنُ ذِکۡرٌ مُّبٰرَكٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اَفَاَنۡتُمۡ لَهٗ مُنۡکِرُوۡنَ﴿۵۰﴾ اَلۡاِسۡتِفۡهَامُ فِیۡهِ لِلتَّوۡبِیۡخِ

ع ۴

ترجمہ:............ آپ کہئے (ان لوگوں سے) وہ کون ہے جو تمہاری حفاظت کرتا رہتا ہے رات اور دن میں خدائے رحمٰن سے (یعنی خدا تعالیٰ کے عذاب سے اگر اس کا عذاب آ جائے۔ استفہام انکاری ہے کہ کوئی نہیں ہے کہ اس کے عذاب سے بچالے لیکن اس کے باوجود لوگ ڈرتے نہیں ہیں خدا کے عذاب سے) بلکہ وہ اپنے پروردگار کے ذکر سے روگرداں ہی ہیں (اور قرآن اور اس کی تعلیمات میں غور وفکر نہیں کرتے) کیا ان کے پاس ہمارے سوا اور معبود ہیں جو ان کی حفاظت کر لیتے ہیں (ایسا نہیں کہ ہمارے سوا اور معبود ہو جو عذاب سے ان کی حفاظت کرتا ہو۔ یہاں بھی استفہام انکاری ہی ہے) وہ تو خود اپنی حفاظت کی بھی قدرت نہیں رکھتے (پھر وہ معبودان باطل ان کی کیا مدد کر سکیں گے) اور نہ ہمارے مقابلہ میں (ہمارے عذاب سے) کوئی اور ان (کفار) کا ساتھ دے سکتا ہے۔ بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے آباء واجداد کو خوب سامان دیا۔ یہاں تک کہ ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا (جس کی وجہ سے وہ غرور میں مبتلا ہو گئے) تو کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم ان کی زمین کو ہر چہار طرف سے برابر گھٹاتے چلے جاتے ہیں (نبی کو فتوحات میں کامیابی دلا کر) سو کیا یہ لوگ غالب آنے والے ہیں (نہیں بلکہ غلبہ تو نبی اور اس کے متبعین ہی کو حاصل رہے گا) آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف وحی کے ذریعہ تم لوگوں کو ڈراتا ہوں (جو وحی خدا تعالیٰ کی جانب سے آتی ہے نہ کہ میں اپنی طرف سے) اور یہ بہرے تو پکار سکتے ہی نہیں جب ڈرائے جاتے ہیں (سنتے ہیں لیکن عمل کرتے نہیں جیسے کہ یہ بہرے ہوں اور کچھ سنا ہی نہ ہو) اور اگر ان کو آپ کے پروردگار کے عذاب کا ایک جھونکا بھی چھو جائے (نفحۃ کے معنی ایک بہت ہی ہلکا جھونکا) تو یوں کہنے لگیں ہائے ہماری کمبختی (یا تنبیہ کے لئے ہے) واقعی ہم خطا کار تھے (شرک کر کے اور محمد ﷺ کی تکذیب کر کے) اور قیامت کے دن ہم میزان عدل قائم کریں گے۔ سو کسی پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا (اس کی نیکی میں کمی اور برائی میں زیادتی کر کے) اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوگا تو ہم اسے بھی سامنے لے آئیں گے (اور وہ بھی وزن میں آ جائے گا) اور حساب لینے والے ہم ہی ہیں (یعنی ہر چیز کا ہم تنہا حساب لے لیں گے) اور بے شک ہم موسیٰ وہارون کو عطا کر چکے ہیں ایک چیز فیصلہ کی (توریت جو حق وباطل اور حلال وحرام میں تفریق کرنے والی ہے) اور روشنی کی اور نصیحت پرہیزگاروں کے لئے (جس سے پرہیزگار حضرات روشنی اور نصیحت حاصل کر سکتے ہیں) جو اپنے پروردگار سے بن دیکھے ڈرتے رہتے ہیں (ایک معنی یہ ہیں کہ لوگوں کی عدم موجودگی میں تنہائی میں ڈرتے رہتے ہیں) اور وہ قیامت سے بھی ڈرتے رہتے ہیں (یعنی قیامت کے حالات سے گھبرائے رہتے ہیں) اور یہ (قرآن) ایک برکت والی نصیحت ہے کہ ہم نے اس کو اتارا ہے۔ سو کیا

تم اس کے منکر ہو؟ (یہ استفہام توبیخ کے لئے ہے۔)

تحقیق وترکیب:............ **من دوننا**. یہ صفت ہے آلھۃ کی۔یعنی میرے سوا کوئی معبود نہیں جو انہیں بچاسکے۔

انا ناتی الارض. یہاں خداتعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔ **انا ننقصھا** وہ اس وجہ سے کہ براہ راست خداتعالیٰ اس سرزمین کو تباہ و برباد نہیں کررہے تھے۔ بلکہ مسلم مجاہدین کے ذریعہ اس پر غلبہ حاصل ہورہا تھا۔ **انا ناتی الارض ننقصھا** میں نسبت اپنی جانب کی۔تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ خداتعالیٰ ہی کی قدرت اس میں کارفرما ہے۔اور وہی مسلمانوں کو کامیابی دے رہے ہیں۔

ولا یسمع الصم الدعاء. اگر اشکال ہو کہ بہرہ نہ تو خوشخبری ہی سنتا ہے اور نہ کوئی غم انگیز بات۔ پھر یہ کیوں فرمایا کہ انداز وتخویف کو نہیں سنتے۔ جواب یہ ہے کہ یا تو مبالغہ مراد ہے کہ خوشخبری تو کیا سنتے تخویف کو بھی نہیں سنتے۔ درآنحالیکہ تخویف کا انداز بالعموم سخت، درشت اور بلند آواز ہی ہوتا ہے۔ یا یہ ہے کہ یہاں گفتگو صرف انداز وتخویف کے سلسلہ میں ہے۔اس لئے انداز کا خصوصی ذکر آیا۔

ونضع الموازین. جمع اس وجہ سے لائے۔ کہ ہر شخص کی میزان علیٰحدہ علیٰحدہ ہوگی۔ یا اس وجہ سے کہ میزان تو ایک ہی ہوگی۔ لیکن اس میں بہت سے لوگوں کے اعمال وزن ہوں گے۔اس وجہ سے ایک کو متعدد کے قائم مقام کردیا۔تو **موازین** کو جمع کا صیغہ لانے سے تو معلوم یہی ہوتا ہے۔ کہ کئی میزان ہوں گی۔ مگر صحیح یہ ہے کہ ایک ہی میزان ہوگی۔اور صیغہ جمع صرف اظہار عظمت کے لئے ہے۔

ان کان مثقال. مثقال میں جمہور کی قراءت نصب کی ہے۔ وہ اس طرح پر کہ **کان** ناقصہ اور اس کا اسم مقدر ہے اور **مثقال** اس کی خبر ہے۔ لیکن مشہور قاری نافعؒ نے اسے رفع پڑھا ہے۔

فرقان سے مراد توریت ہے۔ **ضیاء** اور **ذکری** اس کی صفت ہے۔

﴿تشریح﴾:............ اب کفار کو خطاب کرکے فرمارہے ہیں کہ خدا کے علاوہ کون ہے جو دن اور رات تمہاری حفاظت کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود تم اپنے پروردگار کی نافرمانی اور سرکشی میں مبتلا ہو۔ پھر ڈانٹ کر ارشاد ہوتا ہے کہ خداتعالیٰ تمہیں اپنی گرفت میں لینا چاہے تو کس کی مجال ہے کہ وہ تمہیں بچالے۔ یہ معبودان باطل جن کے بارے میں تمہارا خیال ہے کہ یہ تمہیں بچالیں گے۔ یہ تمہاری تو کیا مدد کرسکیں گے خود اپنی بھی حفاظت نہیں کرسکتے اور انہیں خود کو بچانے کی بھی قدرت نہیں۔

یہاں ایک نکتہ یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ اپنے آپ کو بچانے میں تو مؤمن و کافر دونوں بے اختیار ہیں۔ البتہ مؤمن کی حفاظت و مدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی رہتی ہے اور کافر اس سے بھی محروم ہے۔

معاندیت اور اس کا پس منظر:............ آیت میں کافروں کی سرکشی کی وجہ بیان کی جارہی ہے کہ چونکہ ان کفار کو خداتعالیٰ نے دنیاوی مال ودولت عطا کئے اور لمبی لمبی عمریں دیں۔ ان کے عیش وعشرت میں کوئی فرق نہیں آیا تو یہ سمجھ بیٹھے کہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا اور یہی دور چلتا رہے گا۔ جس کی وجہ سے یہ غفلت کی نیند سوتے رہے اور یہی غفلت ان کے جمود وسرکشی کی بنیاد بن گئی۔

پھر انہیں تنبیہ کی جارہی ہے کہ ہم نے ان کی کتنی بستیاں برباد کرادیں اور مسلمانوں کو ان پر غلبہ اور فتح عطا کی تو انہیں غفلت کی نیند سے بیدار کرنے اور ان کے جمود کو توڑنے کے لئے یہی کافی ہونا چاہئے تھا۔ لیکن انہیں اب بھی ہوش نہیں آئی۔ ان کی اس غفلت کو دیکھ کر ارشاد ہوا کہ کیا یہ اب بھی اپنے آپ کو غالب سمجھ رہے ہیں..... نہیں ایسا نہیں۔ بلکہ یہ تو مغلوب اور ذلیل ہوچکے ہیں۔

ارشاد ہے کہ آپ تو ایک مبلغ کی حیثیت سے ان کو خداتعالیٰ کے عذاب کی اطلاع دے رہے ہیں اور یہ مضمون بھی کوئی اپنی

طرف سے نہیں۔ لیکن اسے کیا کیا جائے کہ جو بہرے ہورہے ہیں اور جن کے دل ودماغ پر مہر ہے۔ انہیں خدا تعالیٰ کی باتیں بھی سودمند نہیں ہوتیں۔ اور ان کا حال یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کے عذاب کا ہلکا سا بھی جھونکا لگ جائے تو گھبرا اٹھیں اور واویلا کرنے لگیں اور اسی وقت اپنے قصور کا اعتراف کرلیں...... قیامت کے دن میزان عدل قائم کیا جائے گا۔ جس میں انسانوں کے تمام چھوٹے بڑے اعمال وزن کر لئے جائیں گے۔ اس میں نہ کسی طرح کی کوئی کمی کی جائے گی اور نہ زیادتی۔ بلکہ انصاف کے ساتھ معاملہ ہوگا۔ نیز یہ میزان وغیرہ کا انتظام بھی محض لوگوں کے اطمینان کی خاطر کیا جائے گا۔ ورنہ خدا تعالیٰ تو بغیر ان آلات کے بھی حساب لے سکتا ہے...... آیت سے اس مشرکانہ عقیدہ کی بھی تردید ہوجاتی ہے۔ جو کفار مکہ کا تھا۔ کہ حساب وکتاب کے لئے ایک الگ دیوتا ہے۔

قرآن کا عام طور پر یہ معمول رہا ہے کہ جہاں بھی قرآن کا تذکرہ کرتا ہے۔ وہیں توریت کا بھی ذکر اور اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ساتھ حضرت ہارونؑ کا بھی ذکر لاتا ہے۔ یہاں بھی قران کے ساتھ الفرقان کا ذکر کیا۔ جس سے مراد توریت ہے اور ضیاء و ذکری اس کی صفات ہیں۔ توریت کو الفرقان اس وجہ سے کہا کہ وہ حق وباطل اور حلال وحرام کے اندر فرق کرنے والی ہے۔ اور توریت ہی کیا تمام آسمانی کتابوں کا وصف یہی ہے، اور یہ کتابیں خدا سے ڈرنے والوں کے لئے ہدایت اور روشنی کا کام دیتی ہیں۔ پھر ان متقین کے وصف خصوصی کا بیان ہے کہ وہ خدا سے ڈرتے اور قیامت کی ہولناکیوں سے لرزاں رہتے ہیں...... پھر ارشاد ہے کہ تم ایک ایسی کتاب کے منکر ہو۔ جس کا نصیحت نامہ ہونا توریت سے بھی زیادہ روشن اور واضح ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ اَیْ هَدَاهُ قَبْلَ بُلُوْغِهٖ **وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ﴿۵۱﴾** اَیْ بِاَنَّهٗ اَهْلٌ لِذٰلِكَ **اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ** الْاَصْنَامُ **الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ﴿۵۲﴾** اَیْ عَلٰى عِبَادَتِهَا مُقِيْمُوْنَ **قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ﴿۵۳﴾** فَاقْتَدَيْنَا بِهِمْ **قَالَ** لَهُمْ **لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ** لِعِبَادَتِهَا **فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴿۵۴﴾** بَيِّنٍ **قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ** فِيْ قَوْلِكَ هٰذَا **اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ﴿۵۵﴾** فِيْهِ **قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ** الْمُسْتَحِقُّ لِلْعِبَادَةِ **رَبُّ** مَالِكُ **السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ** خَلَقَهُنَّ عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ **وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ** الَّذِيْ قُلْتُهٗ **مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ﴿۵۶﴾** بِهٖ **وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ** بَعْدَ ذِهَابِهِمْ اِلٰى مُجْتَمَعِهِمْ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ لَهُمْ **جُذٰذًا** بِضَمِّ الْجِيْمِ وَكَسْرِهَا فُتَاتًا بِفَاسٍ **اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ** عَلَّقَ الْفَاسَ فِيْ عُنُقِهٖ **لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ** اَیِ الْكَبِيْرِ **يَرْجِعُوْنَ﴿۵۸﴾** فَيَرَوْنَ مَا فُعِلَ بِغَيْرِهٖ **قَالُوْا** بَعْدَ رُجُوْعِهِمْ وَرُؤْيَتِهِمْ مَا فُعِلَ **مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴿۵۹﴾** فِيْهِ **قَالُوْا** اَیْ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ **سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ** اَیْ يَعِيْبُهُمْ **يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ** اَیْ ظَاهِرًا **لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ﴿۶۱﴾** عَلَيْهِ اَنَّهُ الْفَاعِلُ **قَالُوْٓا** لَهٗ بَعْدَ اِتْيَانِهٖ **ءَاَنْتَ** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وَتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْاُخْرٰى وَتَرْكِهٖ **فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ﴿۶۲﴾ قَالَ** سَاكِتًا عَنْ فِعْلِهٖ **بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ** عَنْ فَاعِلِهٖ **اِنْ كَانُوْا**

يَنۡطِقُوۡنَ﴿۶۳﴾ فِيهِ تَقۡدِيمُ جَوَابِ الشَّرۡطِ وَفِيمَا قَبۡلَهُ تَعۡرِيضٌ لَهُمۡ بِأَنَّ الصَّنَمَ الۡمَعۡلُومَ عِجۡزُهُ عَنِ الۡفِعۡلِ لَا يَكُونُ إِلٰهًا **فَرَجَعُوۡۤا اِلٰۤى اَنۡفُسِهِمۡ** بِالتَّفَكُّرِ **فَقَالُوۡۤا** لِأَنۡفُسِهِمۡ **اِنَّكُمۡ اَنۡتُمُ الظّٰلِمُوۡنَ**﴿۶۴﴾ اَيۡ بِعِبَادَتِكُمۡ مَنۡ لَا يَنۡطِقُ **ثُمَّ نُكِسُوۡا** مِنَ اللّٰهِ **عَلٰى رُءُوۡسِهِمۡ** اَيۡ رُدُّوۡا إِلَى كُفۡرِهِمۡ وَقَالُوا وَاللّٰهِ **لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ يَنۡطِقُوۡنَ**﴿۶۵﴾ اَيۡ فَكَيۡفَ تَأۡمُرُنَا بِسُؤَالِهِمۡ **قَالَ اَفَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ** اَيۡ بَدَلَهُ **مَا لَا يَنۡفَعُكُمۡ شَيۡـًٔا** مِنۡ رِزۡقٍ وَغَيۡرِهِ **وَّلَا يَضُرُّكُمۡ**﴿۶۶﴾ شَيۡئًا إِنۡ لَمۡ تَعۡبُدُوهُ **اُفٍّ** بِكَسۡرِ الۡفَاءِ وَفَتۡحِهَا بِمَعۡنٰى مَصۡدَرٍ اَيۡ تَبًّا وَقُبۡحًا **لَّكُمۡ وَلِمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ** اَيۡ غَيۡرِهِ **اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ**﴿۶۷﴾ اَيۡ هٰذِهِ الۡاَصۡنَامُ لَا تَسۡتَحِقُّ الۡعِبَادَةَ وَلَا تَصۡلُحُ لَهَا وَإِنَّمَا يَسۡتَحِقُّهَا اللّٰهُ تَعَالٰى **قَالُوۡا حَرِّقُوۡهُ** اَيۡ اِبۡرَاهِيمَ **وَانۡصُرُوۡۤا اٰلِهَتَكُمۡ** اَيۡ بِتَحۡرِيقِهِ **اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ**﴿۶۸﴾ نُصۡرَتَهَا فَجَمَعُوا لَهُ الۡحَطَبَ الۡكَثِيرَ وَاَضۡرَمُوا النَّارَ فِي جَمِيعِهِ وَاَوۡثَقُوا اِبۡرَاهِيمَ وَجَعَلُوهُ فِي مَنۡجَنِيقٍ وَرَمَوۡهُ فِي النَّارِ قَالَ تَعَالٰى **قُلۡنَا يٰنَارُ كُوۡنِىۡ بَرۡدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبۡرٰهِيۡمَ**﴿۶۹﴾ فَلَمۡ تَحۡرِقۡ مِنۡهُ غَيۡرَ وِثَاقِهِ وَذَهَبَتۡ حَرَارَتُهَا وَبَقِيَتۡ اِضَاءَتُهَا وَبِقَوۡلِهِ سَلَامًا سَلِمَ مِنَ الۡمَوۡتِ بِبَرۡدِهَا **وَاَرَادُوۡا بِهٖ كَيۡدًا** وَهُوَ التَّحۡرِيقُ **فَجَعَلۡنٰهُمُ الۡاَخۡسَرِيۡنَ**﴿۷۰﴾ فِي مُرَادِهِمۡ **وَنَجَّيۡنٰهُ وَلُوۡطًا** اِبۡنَ اَخِيهِ هَارَانَ مِنَ الۡعِرَاقِ **اِلَى الۡاَرۡضِ الَّتِىۡ بٰرَكۡنَا فِيۡهَا لِلۡعٰلَمِيۡنَ**﴿۷۱﴾ بِكَثۡرَةِ الۡاَنۡهَارِ وَالۡاَشۡجَارِ وَهِيَ الشَّامُ نَزَلَ اِبۡرَاهِيمُ بِفِلَسۡطِينَ وَلُوطٌ بِالۡمُؤۡتَفِكَةِ وَبَيۡنَهُمَا يَوۡمٌ **وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ** لِاِبۡرَاهِيمَ وَكَانَ سَاَلَ وَلَدًا كَمَا ذُكِرَ فِي الصَّافَّاتِ **اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ نَافِلَةً** اَيۡ زِيَادَةً عَلَى الۡمَسۡئُولِ اَوۡ هُوَ وَلَدُ الۡوَلَدِ **وَكُلًّا** اَيۡ هُوَ وَوَلَدَاهُ **جَعَلۡنَا صٰلِحِيۡنَ**﴿۷۲﴾ اَنۡبِيَاءَ **وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً** بِتَحۡقِيقِ الۡهَمۡزَتَيۡنِ وَاِبۡدَالِ الثَّانِيَةِ يَاءً يُقۡتَدٰى بِهِمۡ فِي الۡخَيۡرِ **يَّهۡدُوۡنَ** النَّاسَ **بِاَمۡرِنَا** اِلٰى دِينِنَا **وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡهِمۡ فِعۡلَ الۡخَيۡرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيۡتَآءَ الزَّكٰوةِ** اَيۡ اَنۡ تُفۡعَلَ وَتُقَامَ وَتُؤۡتٰى مِنۡهُمۡ وَمِنۡ اَتۡبَاعِهِمۡ وَحُذِفَ هَاءُ اِقَامَةٍ تَخۡفِيفًا **وَكَانُوۡا لَنَا عٰبِدِيۡنَ**﴿۷۳﴾ **وَلُوۡطًا اٰتَيۡنٰهُ حُكۡمًا** فَصۡلًا بَيۡنَ الۡخُصُومِ **وَّعِلۡمًا وَّنَجَّيۡنٰهُ مِنَ الۡقَرۡيَةِ الَّتِىۡ كَانَتۡ تَّعۡمَلُ** اَيۡ اَهۡلُهَا الۡاَعۡمَالَ **الۡخَبٰٓئِثَ** مِنَ اللِّوَاطَةِ وَالرَّمۡيِ بِالۡبُنۡدُقَةِ وَاللَّعِبِ بِالطُّيُورِ وَغَيۡرِ ذٰلِكَ **اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ** مَصۡدَرُ سَاءَهُ نَقِيضُ سَرَّهُ **فٰسِقِيۡنَ**﴿۷۴﴾ **وَاَدۡخَلۡنٰهُ فِىۡ رَحۡمَتِنَا** بِاَنۡ اَنۡجَيۡنَاهُ مِنۡ قَوۡمِهِ **اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ**﴿۷۵﴾

ترجمہ:...........اور بے شک ہم نے ابراہیمؑ کو خوش فہمی عطا فرمائی تھی۔ پہلے (بلکہ ہم نے ان کو ایک خاص ہدایت عنایت فرمائی تھی ان کے بلوغ سے پہلے) اور ہم ان کو خوب جانتے تھے (کہ وہ اس کے اہل تھے)...... جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ

یہ کیا...... مورتیاں ہیں جس پر تم جمے بیٹھے ہو (اور جن کی تم عبادت کئے جارہے ہو) وہ بولے ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے (اس لئے ہم نے بھی ان کی اقتداء کی) ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ بے شک تم اور تمہارے آباؤ اجداد صریح گمراہی میں مبتلا ہیں (اس کی عبادت کر کے) وہ بولے کہ کیا تم (اپنی بات) سنجیدگی سے ہمارے سامنے پیش کر رہے ہو یا دل لگی کر رہے ہو۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ (دل لگی نہیں) بلکہ تمہارا پروردگار (جو واقعی عبادت کے لائق ہے) وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا (اور جس کا پہلے سے کوئی نمونہ موجود نہیں تھا) اور میں اس پر دلیل بھی رکھتا ہوں اور بخدا میں تمہارے بتوں کی گت بناڈالوں گا۔ جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے۔ چنانچہ آپ نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا (عید کے دن ان کے عیدگاہ میں چلے جانے کے بعد۔ جذاذا کے جیم کو ضمہ اور کسرہ دونوں قرأتیں ہیں جس کے معنی ہیں کلہاڑے وغیرہ سے کسی چیز کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا) بجز ان کے بڑے بت کے (اور کلہاڑے کو اس بڑے بت کی گردن میں لٹکا دیا) تا کہ وہ لوگ اس کی طرف رجوع کریں (یعنی اس بڑے بت کی طرف اور دیکھ لیں وہ جو معاملہ کیا گیا دوسرے بتوں کے ساتھ) وہ لوگ (واپسی میں اس معاملہ کو دیکھ کر جو ان بتوں کے ساتھ کیا گیا تھا) بولے یہ (حرکت) ہمارے بتوں کے ساتھ کس نے کی ہے؟ بے شک اس نے تو بڑا غضب کر دیا (اس پر کچھ) بولے کہ ہم نے تو ایک نوجوان کو جسے ابراہیم کہا جاتا ہے ان بتوں کا تذکرہ کرتے سنا ہے (کہ وہ ان کی عیب جوئی کرتا تھا) وہ بولے کہ تو پھر اس کو سب کے سامنے لاؤ تا کہ وہ لوگ گواہ ہو جائیں۔ (اس کے اقرار پر) بولے (ان کو لانے کے بعد) ارے تم ہی وہ ہو جس نے ہمارے بتوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے اے ابراہیم؟ انہوں نے (اپنی حرکت کو چھپاتے ہوئے) فرمایا کہ کہیں ان کے اس بڑے نے نہ کی ہو سو انہی سے پوچھ دیکھو (اس حرکت کے کرنے والے کے متعلق) اگر یہ بولتے ہوں (آیت میں شرط کا جواب مقدم کر دیا گیا۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ **ان کانوا ینطقون فاسئلوھم** اور اس سے پہلے والے جملہ میں کفار سے استہزاء ہے کہ یہ بت جو اس قدر عاجز ہیں وہ کس طرح معبود بن سکتے ہیں؟) اس طرح وہ لوگ اپنے جی میں سوچنے لگے۔ پھر بول اٹھے کہ بے شک تم ہی لوگ ناحق پر ہو (ایک ایسی چیز کی عبادت کر کے جو بول بھی نہ سکتا ہو) پھر اپنے سروں کو جھکالیا (یعنی خدائے تعالیٰ کی جانب سے اپنے منہ موڑ لئے اور پھر کفر کی طرف لوٹ گئے اور کہنے لگے کہ) اے ابراہیم تمہیں تو خوب معلوم ہے کہ یہ بت کچھ بولتے نہیں (پھر کس طرح مکلف کرتے ہو تم ہمیں ان سے سوال کا) ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تو کیا تم اللہ کے سوا ایسوں کو پوجتے ہو جو تمہیں نہ نفع پہنچا سکیں (یعنی نہ روزی دے سکے اور نہ کسی طرح کا نفع) اور نہ تمہیں نقصان ہی پہنچا سکیں (اگر تم ان کی عبادت نہ کرو) تف ہے تم پر بھی اور ان پر بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو (اف کے فا کو کسرہ اور فتحہ دونوں قرأت ہے۔ مصدر کے معنی میں ہے یعنی ہلاکت ورسوائی) تو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے (کہ یہ بت عبادت کے لائق نہیں۔ اور نہ ان میں اس کی صلاحیت ہی ہے۔ واقعی عبادت کے لائق تو خدا تعالیٰ ہی ہیں) وہ لوگ بولے۔ انہیں تو جلا دو (یعنی ابراہیم علیہ السلام کو) اور اپنے معبودوں کا بدلہ لے لو (اس کو جلا کر) اگر تم کو کچھ کرنا ہے (تو اس کی صورت یہ ہے کہ لکڑیوں کا انبار جمع کرو۔ پھر اس ڈھیر میں آگ لگا کر ابراہیم علیہ السلام کو باندھ کر گوپھن میں رکھ کر اس جلتی ہوئی آگ میں پھینک دو) ہم نے حکم دیا کہ اے آگ تو ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا ابراہیم علیہ السلام کے حق میں۔ (پس سوائے بندھن کے ابراہیم کے جسم کا کوئی حصہ نہیں جلا اور آگ کی حرارت ختم ہوگئی۔ اگرچہ شعلہ بدستور باقی رہا اور خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق کہ اے آگ بے گزند ہو جا۔ واقعی وہ آگ ٹھنڈی ہوگئی اور ابراہیم علیہ السلام موت سے محفوظ ہو گئے) اور لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ برائی کرنا چاہی تھی (اور انہیں جلا دینا چاہا تھا) ہم نے انہیں ناکام کر دیا (ان کے منصوبہ میں) اور ہم نے ان کو اور لوط علیہ السلام کو بچالیا (لوط علیہ السلام جو ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے اور عراق کے رہنے والے۔ ایسی سرزمین کی طرف بھیج کر) جس کو ہم نے دنیا جہان والوں کے

واسطے بابرکت بنایا ہے (اور وہ ملک شام ہے جہاں نہروں اور درختوں کی کثرت ہے۔ ابراہیم علیہ السلام فلسطین میں قیام پذیر ہوئے اور لوط علیہ السلام موتفکہ میں۔ ان دونوں کے درمیان ایک دن کی مسافت ہے) اور ہم نے (ابراہیم علیہ السلام) کو اسحٰق اور یعقوب جیسا پوتا عطا کیا (نافلہ کے دو ترجمے کئے گئے ہیں۔ ایک تو زیادہ اور عطیہ کے ہیں۔ وہ اس طرح کہ ابراہیم علیہ السلام نے صرف لڑکے کی دعا کی تھی۔ جیسا کہ سورۃ الصافات میں ذکر ہے۔ لیکن اس پر مزید بطور عطیہ یعقوب علیہ السلام کو بھی عطا کیا گیا اور دوسرا ترجمہ پوتے کے بھی کئے گئے ہیں۔ یعنی اسحاق علیہ السلام سا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا عطا کیا) اور ہر ایک کو ہم نے صالح بنایا (لڑکے اور پوتے دونوں کو نبی بنایا۔ اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا (ائمـه میں دو قرأت ہے۔ ایک تو دونوں ہمزہ کے باقی رکھنے کی اور دوسری قرأت ہمزہ کو یاء سے بدل دینے کی جس کے معنی ہے امر خیر میں مقتدا بننا) ہدایت کرتے تھے ہمارے حکم سے (لوگوں کو ہمارے دین کی طرف بلاتے تھے) ہم نے ان کے پاس وحی کے ذریعہ حکم بھیجا نیک کاموں کے کرنے کا اور نماز کی پابندی کا اور ادائے زکوٰۃ کا (یہ حکم عام ہے ان حضرات کے لئے بھی اور ان کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی ہے اور اصل عبارت اس طرح پر ہے۔ ان تفعل الخیرات وتقام الصلوٰۃ وتوتی الزکوٰۃ) اور وہ ہماری ہی عبادت کرنے والے تھے اور لوط علیہ السلام کو ہم نے حکمت اور علم عطا کیا اور ہم نے انہیں اس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے گندے کام کرتے رہتے تھے۔ مثلاً لواطت، پرندہ بازی اور ڈھیلا بازی وغیرہ) بے شک وہ لوگ بڑے ہی بدکار تھے اور ہم نے لوط علیہ السلام کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا (اس طرح پر کہ ہم نے انہیں ان کی قوم سے نجات دلا دی) بے شک وہ بڑے نیک بندوں میں سے تھے۔

تحقیق وترکیب:............ رشد کے معنی ہدایت اور نبوت دونوں ہیں۔

من قبل. بعض مفسرینؒ نے موسیٰ علیہ السلام کے قبل کا دور مراد لیا ہے اور بعضوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے بلوغ یا ولادت سے قبل کا دور مراد لیا ہے۔

تماثیل. جمع تمثال کی ہے۔ کسی ایسی تصویر کو کہتے ہیں جو لکڑی یا پتھر وغیرہ سے تراشی گئی ہو۔

جذاذا. میں عام قرأت جیم کے ضمہ کی ہے۔ بعض کے نزدیک جیم کا کسرہ اور فتحہ بھی ہے۔ لیکن ہر ایک کے نزدیک یہ مصدر ہے۔ اس لئے نہ تثنیہ ہوگا نہ جمع اور نہ مؤنث۔ جذاذاً جیم کے ضمہ کے ساتھ ٹوٹی ہوئی چیز کا نام۔ جیسا کہ حطام رفات فتات مختلف چیزوں کے ٹوٹے ہوئے اجزاء کے لئے بطور اسم استعمال ہوتے ہیں۔

الیه میں اکثر نے ضمیر کا مرجع بڑے بت کی جانب لوٹایا ہے۔ اور اگر مرجع خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قرار دیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے تو پھر بھی نتیجہ ایک ہی نکلے گا۔

من فعل. میں من مبتداء اور فعل اس کی خبر اور انه لمن الظالمین جس کا محلاً کوئی اعراب نہیں وہ جملہ مستانفہ ہے، جو ماقبل کے مضمون کی تاکید کرتا ہے یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ من موصولہ مبتداء اور انه اس کی خبر۔

سمعنا. سمع یہاں متعدی بدو مفعول ہے۔ کیونکہ اس کا دخول ایک ایسی چیز پر ہو رہا ہے جو سننے والوں میں سے نہیں۔ مفعول اول فتی ہے اور مفعول ثانی جملہ یذکرھم ہے اور اگر کبھی سمع کا تعلق ان سے کیا جائے جو سننے والے ہیں تو پھر متعدی بیک مفعول ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ سمعت کلام زید.

یقال له. ابراہیم علیہ السلام مرفوع ہے اور مرفوع ہونے کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ مثلاً یہ یقال کا نائب فاعل ہے اور اسی وجہ سے مرفوع ہو۔ یا یہ ایک محذوف مبتداء کی خبر ہو۔ مبتداء محذوف ھذا ہے۔ یا یہ منادی ہو اور حرف ندا محذوف ہو یعنی یا ابراھیم.

اعین الناس. بربناء حال منصوب ہے ذوالحال ضمیر مجرور ہے جو بہ میں ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام کو اعلانیہ لوگوں کے سامنے پیش کرو۔

یشھدون. کے دو معنی ہیں۔ایک تو یہ کہ لوگ آ کر دیکھیں کہ کیسی سخت سزا دی جاتی ہے اور دوسرے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ لوگ ان کے اقرار جرم پر گواہ بن جائیں۔

نجینٰہ و لوطاً. لوط علیہ السلام آپ کے بھتیجے تھے اور آپ کے چھوٹے بھائی ہاران کے صاحبزادے۔

عابدین. تقدیم لنا کی عابدین پر تاکید وتخصیص کے لئے ہے۔

﴿تشریح﴾:............ارشاد ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کے بچپن ہی سے ہدایت عطا فرمائی تھی۔اس سلسلہ میں بہت سی بے بنیادی اسرائیلی روایات ہیں۔جن کی کوئی حقیقت نہیں۔قرآن کا بیان صرف اتنا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو پہلے ہی ہدایت عطا کی تھی۔مفسرین نے اس کی دو تفسیریں بیان کی ہیں۔ایک تو یہ کہ دور موسوی سے قبل ہی ان کو ہدایت کی گئی تھی اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ ان کو بچپن میں ہدایت مل گئی تھی اور وہ اسی کے لائق تھے۔یعنی خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ کن صلاحیتوں اور کمالات کے جامع ہیں۔بچپن ہی میں آپ نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو غیر اللہ کی پرستش سے منع فرمایا اور بڑی جرأت کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔

آپ کے باپ قرآن کے بیان کے مطابق آذر نامی بت تراش و بت فروش تھے، جن کے نام میں اختلاف ہے۔توریت وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نام تارخ تھا اور قرآن نے آزر بتایا ہے۔اس لئے مفسرین وعلماء میں اختلاف ہو گیا کہ یہ ایک ہی شخصیت کے نام ہیں یا متعدد شخصیت کے ہیں۔

بعض کی رائے ہے کہ ایک ہی شخصیت کے نام ہیں۔تارخ اسمی نام ہے اور آزر وصفی۔آزر عبرانی زبان میں محب صنم کو کہتے ہیں۔تارخ بت تراش و بت پرست تھا۔اس وجہ سے اسے آزر کہا گیا۔

دوسری رائے یہ ہے کہ آزر اس بت کا نام ہے تارخ جس کا پجاری تھا اور بت کے نام پر اسے آزر کہہ دیا گیا۔بہرحال یا تو یہ اصل نام ہے اور بت کے نام پر اس کا نام بھی آزر رکھا گیا ہو۔جیسا کہ قدیم زمانہ سے اس کا رواج چلا آرہا ہے کہ کبھی بت کے نام پر ہی کسی شخص کا نام رکھ دیتے ہیں یا یہ کہ آزر ان کا لقب تھا، نام نہیں۔لیکن اس لقب کی اتنی شہرت ہوئی کہ اس نے نام کی جگہ لے لی اور پھر قرآن نے بھی اسی آزر کے نام سے تذکرہ کیا۔

بہرحال آپ سے باپ اور قوم کی بت پرستی اور ستارہ پرستی دیکھی نہیں گئی اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ کر کے ان کے سامنے دین حق کا اعلان کر دیا۔فرمایا کہ اے لوگو! یہ بت کیا ہیں جنہیں تم لئے بیٹھے ہو، اپنے ہاتھ سے تم اسے بناتے ہو اور پھر اسی بے جان چیز کو نفع و نقصان کا مالک سمجھنے لگتے ہو۔ان خرافات سے باز آؤ اور خدا کی وحدانیت کا اعتراف کرو اور اس کے سامنے سر جھکاؤ جو پوری کائنات کا خالق ہے۔

جواب میں وہ کہنے لگے کہ ہمارے باپ دادا تو یہی کرتے چلے آئے ہیں اور ہم بھی انہیں کی روش کو باقی رکھے ہوئے ہیں۔ اے ابراہیم! یہ تم ایک نئی بات لے کر کہاں سے آئے ہو؟

آپ نے فرمایا۔ بھلا آباؤ اجداد کی تقلید بھی کوئی دلیل ہوسکتی ہے۔تمہارے باپ و دادا بھی گمراہی میں ڈوبے ہوئے تھے۔تم بھی اسی گمراہی میں مبتلا ہو۔ان مشرکین کو یہ بات عجیب سی لگی۔یہ توحید سے بھی اس قدر بیگانہ تھے کہ سمجھے شاید ابراہیم علیہ السلام ہم سے دل لگی کر رہے ہیں ورنہ سنجیدگی کے عالم میں تو کوئی اس طرح کی بات نہیں کرسکتا۔پوچھنے لگے کہ اے ابراہیم! کیا واقعی تم ٹھیک کہہ

رہے ہو یا مذاق کر رہے ہو؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں، جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ صحیح ہے۔ تمہارا واقعی معبود وہی ہے جس نے اس کائنات کو پیدا کیا اور میرے پاس توحید پر دلیل بھی ہے۔ بہر کیف آپ نے قوم کو بت پرستی سے روکنے کی کوشش کی اور وعظ ونصیحت کے ذریعہ انہیں یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ بت نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ اور تمہارے پیشواؤں نے جو تمہیں ڈرا رکھا ہے وہ قطعاً غلط اور بے بنیاد باتیں ہیں۔ یہ بت دوسروں کی تو کیا مدد کرتے خود اپنے اوپر آئی مصیبت کو بھی نہیں ٹال سکتے ہیں۔ لیکن قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات نہیں سنی اور اپنے عقیدہ سے کسی طرح باز نہ آئے۔

آپ نے سوچا کہ اب کوئی ایسا اقدام ہونا چاہئے جس سے قوم کو یقین ہو کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہی حق ہے۔ چنانچہ آپ نے ایک منصوبہ بنایا اور اسی کے تحت باتوں باتوں میں ایک مرتبہ یہ کہہ دیا کہ میں تمہارے بتوں کی گت بناؤں گا۔ یہ ضروری نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ جملہ مجمع عام میں اعلان کر کے کہا ہو۔ بلکہ اغلب یہی ہے کہ آپ نے آہستہ سے یہ جملہ کہا ہو۔ جسے قریب کے دو چار اشخاص نے سن لیا ہو...... آپ نے ایک موقعہ مناسب سمجھا اور اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کی تیاری شروع کر دی۔ ہوا یوں کہ جب یہ اپنے مذہبی میلہ میں شرکت کے لئے چلے گئے تو آپ مندر میں گئے اور بڑے بت کو چھوڑ کر باقی تمام بتوں کو چورا چورا کر دیا اور کلہاڑی اس بڑے بت کی گردن میں لٹکا کر چلے گئے۔

بعض تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سب ملا کر بہتر بت تھے۔ بعض ان میں سے سونے کے تیار کردہ تھے اور بعض چاندی اور کچھ دوسری دھات سے تیارہ شدہ...... سب سے بڑا بت سونے سے تیار کیا گیا تھا۔ ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ جس کی دونوں آنکھیں یاقوت کی تھیں جو رات کو چمکتیں...... جب یہ لوگ میلہ سے فارغ ہو کر اپنے گھروں کو لوٹے اور مندر میں بتوں کا یہ حال دیکھا تو سخت برہم ہوئے اور ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ یہ کس کی حرکت ہے۔

وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے یہ سن لیا تھا کہ ''ہم تمہارے بتوں کی گت بنا دیں گے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ اس شخص کا کام ہے جس کا نام ابراہیم ہے۔ وہی ہمارے دیوتاؤں کا دشمن ہے اور برا بھلا کہتا رہتا ہے۔ جب ان کے سرداروں نے یہ بات سنی تو غصہ سے سرخ ہو گئے اور کہنے لگے کہ اس کو مجمع کے سامنے پکڑ کر لاؤ۔ تا کہ سب دیکھ لیں کہ مجرم کون ہے اور ہم اس کو کیسی سزا دیتے ہیں۔ یشھدون کا دوسرا ترجمہ یہ ہے کہ اس کو مجمع کے سامنے لاؤ تا کہ اس کے اقرار پر سب گواہ بن جائیں۔

عجیب اتفاق کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو خواہش تھی وہی ہو رہا ہے۔ ان کا پروگرام یہی تھا کہ وہ تمام لوگوں کو بتوں کی بے کسی و بے بسی کا قائل کر دیں۔ اس لئے اس سے اچھا موقعہ کیا ہو سکتا تھا کہ سب کے سب یکجا مل گئے اور آپ کو اپنی بات کہنے کا موقعہ ملا۔ بہر حال جب آپ مجمع کے سامنے لائے گئے تو سوال کیا گیا کہ اے ابراہیم کیا تو نے یہ سب کچھ ہمارے دیوتاؤں کے ساتھ کیا ہے؟ آپ نے طنزیہ انداز میں فرمایا کہ جی ہاں اور کیا...... کہیں ان کے بڑے بت نے تو نہ یہ حرکت کی ہو؟ ان سے ہی پوچھ لیجئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو پاش پاش کرنے کی جو ذمہ داری بڑے بت پر ڈالی اسے آنحضور ﷺ نے کذب سے تعبیر کیا ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ لفظ کذب، جھوٹ کے مترادف نہیں ہے بلکہ لفظ کذب کے معنی بہت وسیع ہیں۔ درآنحالیکہ یہ کذب صورۃ کذب تھا۔ جبکہ آپ کی نیت کسی غلط بیانی کی نہیں تھی بلکہ الزامی جواب دے کر اور انہیں مغالطہ میں ڈال کر اس بات کا قائل کرنا تھا کہ یہ بت جو بولنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے وہ عبادت کے لائق کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اس لئے یہ جھوٹ انبیاء علیہ السلام کی صدق مقالی کے منافی نہیں۔

امام رازیؒ نے ایک توجیہہ یہ کی ہے کہ **فعله** کا فاعل **کبیرھم ھذا** کو نہ مانا جائے بلکہ تقدیر عبارت اس طرح ہو کہ **فعله من**

فعلہ جس کا مطلب یہ ہے کہ حادثہ جو کچھ پیش آیا وہ تو سامنے ہے۔ اس بڑے بت سے حقیقت واقعہ دریافت کرو۔

مشہور نحوی کسائیؒ سے ایک قرأت منقول ہے کہ وہ **بل فعلہ** پر مکمل وقف کر لیتے تھے اور **کبیرھم ھٰذا** سے نیا جملہ شروع کرتے تھے۔ قرأت کی ان صورتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سے کذب کا الزام بھی ختم ہو جاتا ہے۔

بہر کیف جب آپ نے ان سے کہا کہ اگر یہ بڑا بت بول سکے تو اس سے پوچھ لو کہ یہ کس کی حرکت ہے۔ اس پر یہ بہت شرمندہ ہوئے اور انہیں دل میں اقرار کرنا پڑا کہ واقعی ظالم ابراہیم نہیں بلکہ ہم خود ہیں کہ اس غلط اور بے بنیادی عقیدہ پر یقین رکھے ہوئے ہیں۔ پھر اپنی گردنیں نیچی کر کے کہنے لگے کہ اے ابراہیم تم خوب جانتے ہو کہ یہ بے جان مورتیاں ہیں، ان میں بولنے کی طاقت نہیں۔ پھر ہم اس سے کیا پوچھیں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا منصوبہ کامیاب ہوا اور دشمنوں نے اپنے ظلم اور بتوں کی بے بسی کا اقرار کر لیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے انہیں نصیحت کی اور ملامت بھی کہ تف ہے تمہارے بتوں کی بے کسی و بے چارگی پر اور حیرت ہے تمہاری عقلوں پر کہ ایسوں کو خدا اور معبود بنائے ہوئے ہو اور افسوس ہے کہ ذرا تم بھی عقل سے کام نہیں لیتے۔

شعلہ و شبنم: ....حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت کا انہوں نے کوئی اثر نہیں لیا۔ بلکہ اپنی خفت و ناکامی کو چھپانے کے لئے غصہ میں فیصلہ کیا کہ اپنے دیوتاؤں کی توہین اور باپ دادا کے دین کی مخالفت برداشت نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے اس حرکت کی سزا میں ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلا دینا چاہیے۔ دیوتاؤں کی توہین کا انتقام اسی طرح لیا جاسکتا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو۔ وہ اپنے اسی جذبہ کے ساتھ اعلان حق میں مشغول رہے۔ پھر مشرکین نے ایک خاص قسم کی بھٹی تیار کرائی اس میں کئی روز مسلسل آگ دہکائی گئی۔ یہاں تک کہ اس کے شعلوں سے قرب و جوار کی چیزیں بھی جھلنے لگیں۔ جب بادشاہ اور قوم کو مکمل اطمینان ہو گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے بچنے کی کوئی صورت ممکن نہیں تو دوسری فکر ہوئی کہ انہیں اس دہکتی ہوئی آگ میں کس طرح ڈالا جائے۔ کیونکہ اس بھٹی کے قریب جانا بھی ممکن نہیں۔ تو مشورہ کے بعد یہ طے ہوا کہ انہیں گوپھن میں بٹھا کر دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا جائے۔

اسی وقت خدا تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ وہ اپنی تپش و سوزش کا اثر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نہ کرے بلکہ سلامتی کے ساتھ سرد پڑ جائے۔ چنانچہ آگ کے اس لاوے سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکا۔ صرف وہ رسی جل کر راکھ ہو گئی جس سے آپ کو باندھ دیا گیا تھا اور آپ بالکل صحیح و سالم آگ سے نکل آ گئے۔

یہ اشکال کہ آگ میں جلا دینے کی خاصیت ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے صحیح و سالم نکل آئیں۔ بالکل غلط ہے۔ کیا وہ خدا جو تمام اشیاء میں خواص و تاثیر پیدا کرنے والا ہے اس پر قادر نہیں کہ دی ہوئی خاصیت و تاثیر کو کسی چیز سے ختم کر دے؟

ان سے کوئی پوچھے کہ جب آگ کی خاصیت جلا دینا ہے اور جو چیز بھی اس میں ڈالی جائے اسے جلا دے گی پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ چیزیں جن کو فائر پروف کہا جاتا ہے۔ جن میں ایک خاص قسم کا مسالہ استعمال کیا جاتا ہے انہیں آگ نہیں جلا پاتی۔ بلکہ آگ کے شعلوں میں بھی محفوظ رہتی ہیں۔ جب مسالہ کے ذریعہ آگ کے اثرات سے بچایا جاسکتا ہے تو خدا تعالیٰ جو ان چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے وہ آگ کی خاصیت کو تبدیل کرنے پر بخوبی قادر ہے۔ ویسے یہ واقعہ بہر حال خارق عادت تو تھا ہی اور بطور معجزہ لوگوں کو دکھایا گیا۔ حاصل یہ کہ ان کا مقصد پورا نہیں ہوا اور بجائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہلاکت کے ان کی حقانیت اور کھل کر لوگوں

کے سامنے آ گئی۔

انعامات ربانی:.......... پھر ارشاد ہوا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام اوران کے برادر زادہ لوط علیہ السلام کو جوان کی زیر تربیت اور انہیں کے ساتھ عراق میں مقیم تھے، کفار سے بچا کر ایک ایسی سرزمین میں پہنچا دیا جو خیر و برکت والی ہے۔ اسے مراد سرزمین شام ہے جو دینی و دنیوی برکتوں کی جامع ہے۔ دینی برکت تو یہ تھی کہ بکثرت انبیاء کرام اس مقدس علاقہ میں تشریف لائے اور یہاں قیام کر کے توحید و رسالت کی اشاعت کی اور دنیوی برکت یہاں کی سرسبزی، شادابی اور بہترین آب و ہوا ہے۔

پھر فرمایا گیا کہ ان کی تمنا پوری کی گئی اوران کی دعا کے مطابق انہیں بیٹا اسحٰق علیہ السلام عطا کیا۔ بلکہ مزید عنایت کرتے ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام جیسا پوتا بھی عطا کیا۔ پھران سب کو صالح بھی بنایا۔ قرآن مجید کو اس کی وضاحت اس وجہ سے کرنی پڑی کہ اہل کتاب نے ان حضرات پر عجیب عجیب الزامات لگائے ہیں۔ مزید فرمایا جا رہا ہے کہ صرف صالح ہی نہیں بلکہ مصلح بھی تھے۔ اس وجہ سے انہیں مقتدا و پیشوا بنا دیا گیا اور پیغمبروں کا کام ہی اپنے نفس کا تزکیہ اور مخلوق کی ہدایت کرنا ہے۔

لوط علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے کہ ہم نے انہیں علم و حکمت عطا کی اور یہ کہ ان کی قوم جو طرح طرح کی برائیوں و بدکاریوں میں مبتلا تھی۔ ہم نے انہیں ان سے نجات دی اور قوم کو تباہ و برباد کر دیا۔ ہم نے ان کو بھی ابراہیم علیہ السلام کی طرح اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔ کیونکہ وہ نیکوکاروں میں سے تھے جو پیغمبر کے لئے بہت ضروری ہے۔ اس کی وضاحت بھی قرآن نے اسی وجہ سے کی کہ یہود نے ان کے متعلق بھی غلط قسم کی روایات گھڑ رکھی ہیں اور توریت میں ان کی زندگی کو داغدار کر کے پیش کیا گیا ہے۔

وَ اذْكُرْ **نُوْحًا** وَمَا بَعْدَهٗ بَدَلٌ مِنْهُ **اِذْ نَادٰى** اَىْ دَعَا عَلٰى قَوْمِهٖ بِقَوْلِهٖ رَبِّ لَا تَذَرْ اَلَخْ **مِنْ قَبْلُ** اَىْ قَبْلَ اِبْرَاهِيْمَ وَلُوْطٍ **فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ** اَلَّذِيْنَ فِىْ سَفِيْنَتِهٖ **مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾** اَىِ الْغَرَقِ وَتَكْذِيْبِ قَوْمِهٖ لَهٗ **وَنَصَرْنٰهُ** مَنَعْنَاهُ **مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا** اَلدَّالَّةِ عَلٰى رِسَالَتِهٖ اَنْ لَا يَصِلُوْا اِلَيْهِ بِسُوْءٍ **اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۷۷﴾** وَاذْكُرْ **دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ** اَىْ قِصَّتَهُمَا وَيُبْدَلُ مِنْهُمَا **اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ** هُوَ زَرْعٌ اَوْ كَرْمٌ **اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ** اَىْ رَعَتْهُ لَيْلًا بِلَا رَاعٍ بِاَنِ انْفَلَتَتْ **وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾** فِيْهِ اِسْتِعْمَالُ ضَمِيْرِ الْجَمْعِ لِاِثْنَيْنِ قَالَ دَاوٗدُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِصَاحِبِ الْحَرْثِ رِقَابُ الْغَنَمِ وَقَالَ سُلَيْمَانُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَنْتَفِعُ بِدَرِّهَا وَنَسْلِهَا وَصُوْفِهَا اِلٰى اَنْ يَعُوْدَ الْحَرْثُ كَمَا كَانَ بِاِصْلَاحِ صَاحِبِهَا فَيَرُدُّهَا اِلَيْهِ **فَفَهَّمْنٰهَا** اَىِ الْحُكُوْمَةَ **سُلَيْمٰنَ** وَحُكْمُهُمَا بِاجْتِهَادٍ وَرَجَعَ دَاوٗدُ اِلٰى سُلَيْمَانَ وَقِيْلَ بِوَحْيٍ وَالثَّانِىْ نَاسِخٌ لِلْاَوَّلِ **وَكُلًّا** مِنْهُمَا **اٰتَيْنَا حُكْمًا** نُبُوَّةً **وَّعِلْمًا** بِاُمُوْرِ الدِّيْنِ **وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ** كَذٰلِكَ سَخَّرْنَا لِلتَّسْبِيْحِ مَعَهٗ لِاَمْرِهٖ بِهٖ اِذَا وَجَدَ فَتْرَةً لِيَنْشِطَ لَهٗ **وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾** تَسْخِيْرَ تَسْبِيْحِهِمَا مَعَهٗ وَاِنْ كَانَ عَجَبًا عِنْدَكُمْ اَىْ مُجَاوَبَتَهٗ لِلسَّيِّدِ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ **وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ** وَهِىَ الدِّرْعُ لِاَنَّهَا تُلْبَسُ وَهُوَ اَوَّلُ مَنْ صَنَعَهَا وَكَانَتْ

قَبْلَهَا صَفَائِحُ **لَكُمْ** فِي جُمْلَةِ النَّاسِ **لِتُحْصِنَكُمْ** بِالنُّونِ لِلّٰهِ وَبِالتَّحْتَانِيَةِ لِدَاوٗدَ وَبِالْفَوْقَانِيَةِ لِلَّبُوْسِ **مِّنْ بَاْسِكُمْ** حَرْبِكُمْ مَعَ اَعْدَائِكُمْ **فَهَلْ اَنْتُمْ** يَا اَهْلَ مَكَّةَ **شٰكِرُوْنَ** ﴿۸۰﴾ نِعَمِيْ بِتَصْدِيْقِ الرُّسُلِ اَيْ اشْكُرُوْنِيْ بِذٰلِكَ وَسَخَّرْنَا **لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً** وَفِي اٰيَةٍ اُخْرٰى رُخَاءً اَيْ شَدِيْدَةَ الْهُبُوْبِ وَخَفِيْفَتَهٗ بِحَسَبِ اِرَادَتِهٖ **تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا** وَهِيَ الشَّامُ **وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ** ﴿۸۱﴾ مِنْ ذٰلِكَ عِلْمُهٗ تَعَالٰى بِاَنَّ مَا يُعْطِيْهِ سُلَيْمَانَ يَدْعُوْهُ اِلَى الْخُضُوْعِ لِرَبِّهٖ فَفَعَلَهٗ تَعَالٰى عَلٰى مُقْتَضٰى عِلْمِهٖ وَ سَخَّرْنَا **مِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ** يَدْخُلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَيُخْرِجُوْنَ مِنْهُ الْجَوَاهِرَ لِسُلَيْمَانَ **وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ** اَيْ سِوَى الْغَوْصِ مِنَ الْبِنَاءِ وَغَيْرِهٖ **وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ** ﴿۸۲﴾ مِنْ اَنْ يُفْسِدُوْا مَا عَمِلُوْا لِاَنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا فَرَغُوْا مِنْ عَمَلٍ قَبْلَ اللَّيْلِ اَفْسَدُوْهُ اِنْ لَمْ يَشْتَغِلُوْا بِغَيْرِهٖ **وَ** اذْكُرْ **اَيُّوْبَ وَ** يُبْدَلُ مِنْهُ **اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ** لَمَّا ابْتُلِيَ بِفَقْدِ جَمِيْعِ مَالِهٖ وَوَلَدِهٖ وَتَمْزِيْقِ جَسَدِهٖ وَهَجْرِ جَمِيْعِ النَّاسِ لَهٗ اِلَّا زَوْجَتَهٗ سِنِيْنَ ثَلَاثًا اَوْ سَبْعًا اَوْ ثَمَانِيَ عَشَرَةَ وَضِيْقِ عَيْشِهٖ **اَنِّيْ** بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ بِتَقْدِيْرِ الْبَاءِ **مَسَّنِيَ الضُّرُّ** اَيِ الشِّدَّةُ **وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ** ﴿۸۳﴾ **فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ** نِدَاءَهٗ **فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ** اَوْلَادَهُ الذُّكُوْرَ وَالْاِنَاثَ بِاَنْ اُحْيُوْا لَهٗ وَكُلٌّ مِنَ الصِّنْفَيْنِ ثَلَاثٌ اَوْ سَبْعٌ **وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ** مِنْ زَوْجَتِهٖ وَزِيْدَ فِيْ شَبَابِهَا وَكَانَ لَهٗ اَنْدَرٌ لِلْقَمْحِ وَاَنْدَرٌ لِلشَّعِيْرِ فَبَعَثَ اللّٰهُ سَحَابَتَيْنِ اَفْرَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلٰى اَنْدَرِ الْقَمْحِ الذَّهَبَ وَالْاُخْرٰى عَلٰى اَنْدَرِ الشَّعِيْرِ الْوَرِقَ حَتّٰى فَاضَ **رَحْمَةً** مَفْعُوْلٌ لَهٗ **مِّنْ عِنْدِنَا** صِفَةٌ **وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ** ﴿۸۴﴾ لِيَصْبِرُوْا فَيُثَابُوْا **وَ** اذْكُرْ **اِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ** ﴿۸۵﴾ عَلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ وَعَنْ مَعَاصِيْهِ **وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا** مِنَ النُّبُوَّةِ **اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ** ﴿۸۶﴾ لَهَا وَسُمِّيَ ذَا الْكِفْلِ لِاَنَّهٗ تَكَفَّلَ بِصِيَامِ جَمِيْعِ نَهَارِهٖ وَبِقِيَامِ جَمِيْعِ لَيْلِهٖ وَاَنْ يَقْضِيَ بَيْنَ النَّاسِ وَلَا يَغْضَبَ فَوَفٰى بِذٰلِكَ وَقِيْلَ لَمْ يَكُنْ نَبِيًّا **وَ** اذْكُرْ **ذَا النُّوْنِ** صَاحِبَ الْحُوْتِ وَهُوَ يُوْنُسُ بْنُ مَتّٰى وَيُبْدَلُ مِنْهُ **اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا** لِقَوْمِهٖ اَيْ غَضْبَانَ عَلَيْهِمْ مِمَّا قَاسٰى مِنْهُمْ وَلَمْ يُؤْذَنْ لَهٗ فِيْ ذٰلِكَ **فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ** اَيْ نَقْضِيَ عَلَيْهِ مَا قَضَيْنَا مِنْ حَبْسِهٖ فِيْ بَطْنِ الْحُوْتِ اَوْ نُضَيِّقَ عَلَيْهِ بِذٰلِكَ **فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ** ظُلْمَةِ اللَّيْلِ وَظُلْمَةِ الْبَحْرِ وَظُلْمَةِ بَطْنِ الْحُوْتِ **اَنْ** اَيْ بِاَنْ **لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ** ﴿۸۷﴾ فِيْ ذَهَابِيْ مِنْ بَيْنِ قَوْمِيْ بِلَا اِذْنٍ **فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ** بِتِلْكَ الْكَلِمَاتِ **وَكَذٰلِكَ** كَمَا اَنْجَيْنَاهُ **نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ** ﴿۸۸﴾ مِنْ كَرْبِهِمْ اِذَا اسْتَغَاثُوْا بِنَادَا عِيْنَ

وَاذْكُرْ زَكَرِيَّآ وَيُبْدَلُ مِنْهُ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ بِقَوْلِهٖ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا اَيْ بِلَا وَلَدٍ يَرِثُنِيْ وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾ اَلْبَاقِيْ بَعْدَ فَنَاءِ خَلْقِكَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ نِدَاءَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَلَدًا وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ فَاَتَتْ بِالْوَلَدِ بَعْدَ عُقْمِهَا اِنَّهُمْ اَيْ مَنْ ذُكِرَ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ يُبَادِرُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ الطَّاعَاتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا فِيْ رَحْمَتِنَا وَّرَهَبًا مِنْ عَذَابِنَا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾ مُتَوَاضِعِيْنَ فِيْ عِبَادَتِهِمْ وَاذْكُرْ مَرْيَمَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا حَفِظَتْهُ مِنْ اَنْ يُنَالَ فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا اَيْ جِبْرِيْلَ حَيْثُ نَفَخَ فِيْ جَيْبِ دِرْعِهَا فَحَمَلَتْ بِعِيْسٰى وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾ اَلْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلٰٓئِكَةِ حَيْثُ وَلَدَتْهُ مِنْ غَيْرِ فَحْلٍ اِنَّ هٰذِهٖٓ اَيْ مِلَّةَ الْاِسْلَامِ اُمَّتُكُمْ دِيْنُكُمْ اَيُّهَا الْمُخَاطَبُوْنَ اَيْ يَجِبُ اَنْ تَكُوْنُوْا عَلَيْهَا اُمَّةً وَّاحِدَةً حَالٌ لَازِمَةٌ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَحِّدُوْنَ وَتَقَطَّعُوْٓا اَيْ بَعْضُ الْمُخَاطَبِيْنَ اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ اَيْ تَفَرَّقُوْا اَمْرَ دِيْنِهِمْ مُتَخَالِفِيْنَ فِيْهِ وَهُمْ طَوَائِفُ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى قَالَ تَعَالٰى كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ اَيْ فَنُجَازِيْهِ بِعَمَلِهٖ

ترجمہ:............اور (تذکرہ کیجئے) نوح علیہ السلام کا (اور مابعد کا جملہ بدل واقع ہورہا ہے نوح سے) جب انہوں نے پکارا تھا (اور اپنی قوم کے لئے بددعا کی رب لاتذر الخ کے ساتھ) پہلے ہی (ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام سے بھی پہلے) سو ہم نے ان کی سن لی اور انہیں اور ان کے تابعین کو (جو کشتی میں آپ کے ساتھ سوار تھے) بہت بڑے غم سے نجات دی (یعنی ڈوبنے اور قوم کی تکذیب سے) اور ہم نے ان کا بدلہ لے لیا ایسے لوگوں سے جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا (ان نشانیوں کو جو کہ رسالت پر دلالت تھیں) بے شک وہ لوگ بہت ہی برے تھے۔ سو ہم نے ان سب کو غرق کردیا اور داؤد وسلیمان علیہ السلام (کے قصہ کا بھی ذکر کیجئے۔ مابعد کی عبارت بدل واقع ہورہی ہے داؤد وسلیمان سے) جب وہ کھیت کے بارے میں فیصلہ کررہے تھے۔ جبکہ اس میں لوگوں کی بکریاں رات کو جا پڑی تھیں (یہ بکریاں رات کے وقت میں چرواہے کے نہ ہونے کی وجہ سے کھیت چر گئی تھیں) اور ہم ان لوگوں سے متعلق فیصلہ کو دیکھ رہے تھے۔ (داؤد علیہ السلام کا فیصلہ یہ تھا کہ بکریوں کا ریوڑ کھیتی کے نقصان کو پورا کرنے کے لئے کھیت والوں کو دے دیا جائے اور سلیمان علیہ السلام نے یہ فیصلہ کیا کہ کھیت والا فائدہ اٹھائے گا بکریوں کے دودھ سے۔ اسی کی نسل سے اور اون سے۔ یہاں تک کہ کھیتی ایسی تیار ہوجائے جیسی چرنے کے وقت میں تھی۔ اس وقت بکریاں مالک کو لوٹا دی جائیں) سو ہم نے اس فیصلہ کی سمجھ سلیمان کو دے دی۔ (یہ فیصلہ دونوں نے اپنے اجتہاد سے کیا تھا۔ اس وجہ سے داؤد علیہ السلام نے اپنے فیصلہ سے رجوع کرلیا۔ یا یہ کہ دونوں نے وحی کے ذریعہ فیصلہ کیا۔ لیکن دوسرا فیصلہ ناسخ ہوا پہلے فیصلہ کے لئے) اور ہر ایک کو (ان دونوں میں سے) ہم نے حکمت (نبوت) اور علم دیا تھا (یعنی دین کی معلومات) اور ہم نے داؤد علیہ السلام کے ساتھ تابع کردیا تھا پہاڑوں کو کہ وہ اور پرندے تسبیح کیا کرتے تھے (اسی وجہ سے پرندوں کو بھی تابع بنادیا۔ ان کے حکم کے مطابق کہ وہ تسبیح کیا کریں، ان کے ساتھ تا کہ جب داؤد علیہ السلام تھکاوٹ محسوس کریں تو یہ ان کے نشاط کا سبب ہو) اور یہ کرنے والے ہم تھے (ان دونوں کو تابع کرنا داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح میں۔ یعنی ان کا مصروف تسبیح ہوجانا۔ داؤد علیہ السلام کے ساتھ میرا کرشمہ قدرت تھا) اور ہم نے انہیں زرہ کی صنعت تمہاری نفع کے لئے سکھادی (اور زرہ سازی کی یہ پہلی

مثال تھی ورنہ اس سے پہلے لوہے کے ٹکڑوں کا استعمال ہوتا تھا) تا کہ وہ تم کو تمہاری لڑائی میں بچائے (یعنی دشمنوں کے مقابل میں تمہارے لئے مفید ثابت ہو۔ تحصنکم میں تین قرأت ہیں۔ اگر نحصنکم نون کے ساتھ پڑھیں تو ضمیر خدا تعالیٰ کی طرف لوٹے گی۔ ترجمہ ہوگا تا کہ خدا تعالیٰ تم کو بچائے اور اگر یحصنکم یاء کے ساتھ پڑھیں تو ضمیر داؤد علیہ السلام کی طرف لوٹے گی اور اگر تحصنکم تاء کی ساتھ پڑھیں تو ضمیر لبوس کی طرف راجع ہوگی۔ اس صورت میں ترجمہ ہوگا تا کہ یہ زرہ تمہاری حفاظت کرے) سو کیا تم (اے اہل مکہ) شکر ادا کرو گے (میری نعمتوں کا اور رسولوں کی صداقت پر یقین لاؤ گے) اور ہم نے سلیمان علیہ السلام کے تابع زوردار ہوا کو بنا دیا تھا (اور ایک آیت میں عاصفۃ کی جگہ رخاءً آیا ہے۔ جس کے معنی ہلکی ہوا کے ہیں۔ دونوں آیتوں میں جمع کی صورت یہ ہے کہ ہلکی اور تیز دونوں ہواؤں کو ان کی تابع اور ارادہ پر موقوف کر دیا تھا) کہ وہ ان کے حکم سے چلتی اس سرزمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھ دی ہے (یعنی ملک شام) اور ہم تو ہر ایک چیز کا علم رکھتے ہیں (خدا تعالیٰ خوب جانتا تھا کہ سلیمان علیہ السلام کے لئے یہ اقتدار کامل کسی سرکشی کا موجب نہیں بلکہ ان کے جذبہ تواضع کی آبیاری کرے گی۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے انہیں جو کچھ دیا وہ اس کے علم ازلی کے تقاضوں کے مطابق تھا) اور شیطانوں میں سے بھی (ہم نے تابع کر دیئے تھے) جو ان کے لئے غوطے لگاتے تھے (اور دریاؤں سے سلیمان علیہ السلام کے لئے جواہرات وغیرہ نکال کر لاتے) اور وہ اس کے علاوہ اور کام بھی کرتے رہتے تھے (یعنی دریاؤں میں غوطہ زنی کے علاوہ تعمیر وغیرہ کا کام بھی کرتے تھے) اور ہم ہی ان کو سنبھالنے والے تھے (ورنہ تو جنات کا مزاج یہ تھا کہ اگر رات ہونے سے قبل اس کام سے فارغ ہو جاتے تو جو ان کے سپرد کیا گیا تھا خود ہی اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیتے۔ یہاں تک کہ انہیں کسی اور کام میں نہ لگا دیا جاتا۔) اور ایوب علیہ السلام (کا تذکرہ کیجئے مابعد کی عبارت بدل واقع ہو رہی ہے ایوب سے) جبکہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا (جس وقت کہ ان کا سارا مال اور اولاد ضائع ہوگئی اور شدت مرض سے جسم بھی متاثر ہو گیا تھا جب کہ سوائے بیوی کے تمام لوگوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس وقت ان کو زندگی گزارنی مشکل ہوگئی تھی اور یہ کیفیت تقریباً تیرہ، سترہ یا اٹھارہ سال تک رہی) کہ مجھ کو تکلیف پہنچ رہی ہے اور تو سب مہربانوں میں بڑا مہربان ہے (انی کے الف پر فتحہ اور کسرہ دونوں قراءت ہے۔ اگر باء مقدر مانیں اور بانی پڑھیں تو الف کو فتحہ پڑھیں گے اور قول مقدر مانیں تو الف کو کسرہ پڑھیں گے) سو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور انہیں جو تکلیف تھی اس کو دور کر دیا اور ہم نے انہیں ان کا کنبہ عطا کیا (مذکر اور مؤنث دونوں طرح کی اولاد اور ان میں سے ہر ایک تین تین یا سات سات تھے) اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بھی اپنی رحمت خاص کے سبب سے (اور بیوی بھرپور جوانی والی۔ حضرت ایوبؑ کے یہاں ایک انبار گیہوں کا تھا اور دوسرا جو کا۔ اللہ تعالیٰ نے دو بادل بھیجے جو ان دونوں ڈھیر پر خوب کھل کر برسے۔ گیہوں کا ڈھیر سونے میں منتقل ہو گیا اور جو کا چاندی میں۔ اسی کا تذکرہ مثلھم معھم میں ہے) تا کہ یادگار رہے عبادت کرنے والوں کے لئے (اور صبر کریں اور اسی طرح اجر کے مستحق ہوں۔) اور (تذکرہ کیجئے) اسمٰعیل، ادریس اور ذوالکفل (کا) یہ سب ثابت قدم رہنے والوں میں تھے (خدا تعالیٰ اطاعت پر اور نافرمانی سے بچنے پر) اور ہم نے ان سب کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا تھا (نبوت عطا کی تھی) بے شک وہ سب صالح لوگوں میں سے تھے (ذوالکفل کو ذوالکفل اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ پورا دن روزہ رکھتے اور پوری رات شب بیداری اور اسی کے ساتھ لوگوں کے معاملات کے فیصلے کرتے اور کسی پر غصہ نہ ہوتے۔ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے۔ کہ یہ نبی نہیں تھے۔) اور مچھلی والے (پیغمبر کا بھی تذکرہ کیجئے) وہ یونس ابن متیٰ تھے۔ مابعد کی عبارت بدل واقع ہو رہی ہے ذالنون سے) جب کہ وہ خفا ہو کر چلے گئے (اپنی قوم سے خفا ہو کر اس تکلیف کی وجہ سے جو ان لوگوں سے پہنچی تھی۔ درآنحالیکہ انہیں ابھی خدا تعالیٰ کی جانب سے اس کی اجازت نہیں ملی تھی) اور سمجھے کہ ہم ان پر تنگی نہ کریں گے (یعنی ہم ان کے لئے ایسا کوئی فیصلہ نہیں کریں گے۔ جیسا کہ ہم نے مچھلی کے پیٹ میں قید کرنے کا کیا اور یہ کہ ہم ان سے

کوئی مؤاخذہ نہیں کریں گے) پھر انہوں نے اندھیروں میں سے پکارا (ایک تو رات کی تاریکی، پھر سمندر کی تاریکی اور مچھلی کے پیٹ کی تاریکی) کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ آپ (نقائص سے) پاک ہیں بے شک میں ہی قصوروار ہوں (بغیر آپ کی اجازت کے قوم سے علیحدہ ہونے میں) سو ہم نے ان کی پکار سن لی اور انہیں غم سے نجات دے دی (ان کی اس دعا کی وجہ سے) اور ہم ایمان والوں کو ایسی ہی نجات دیا کرتے ہیں (ان کی تکالیف سے جب وہ ہم سے فریاد کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے انہیں نجات دی) اور (ذکر کیجئے) زکریاؑ (کا مابعد عبارت بدل واقع ہو رہی ہے زکریا سے) جب کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا۔ کہ اے میرے پروردگار مجھ کو لاوارث مت رکھ (یعنی لاولد مت رکھ کہ میرا کوئی وارث ہی نہ رہے) اور بہترین وارث تو آپ ہی ہیں (کیونکہ مخلوق کے فنا ہونے کے بعد ہمیشہ رہنے والے تو آپ ہی ہیں) سو ہم نے ان کی پکار سن لی اور ہم نے ان کو یحیٰی عطا کیا (لڑکا) اور ان کی خاطر ہم نے ان کو بیوی کو صحیح کر دیا (اور یحیٰی علیہ السلام پیدا ہوئے درآنحالیکہ وہ بانجھ تھیں) بے شک (وہ سب انبیاء) نیک کاموں میں دوڑنے والے تھے (اطاعت گزار تھے) اور ہم کو پکارتے رہتے تھے (ہماری رحمت کے) شوق میں (اور ہمارے عذاب کے) خوف سے اور ہمارے سامنے دب کر رہتے تھے (یعنی عبادات میں خشوع وخضوع فرماتے) اور ان بی بی (مریمؑ کا بھی ذکر کیجئے) جنہوں نے اپنے ناموس کو بچالیا (اور ہر ایک سے اپنی عزت کی حفاظت کی) پھر ہم نے ان میں اپنی روح پھونک دی (خدا تعالیٰ کے حکم سے جبرائیل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک ماری جس کے نتیجہ میں عیسیٰؑ کا استقرار ہوا) اور ہم نے ان کو اور ان کے فرزند کو دنیا جہان والوں کے لئے نشانی بنا دیا (انسانوں، جنوں اور فرشتوں کے لئے کہ ان کی پیدائش خلاف عادت ہوئی) بے شک یہی (دین اسلام) تمہارا طریقہ ہے۔ طریقہ واحد (جس میں کسی نبی کا اختلاف نہیں ہے۔ لہٰذا تم بھی اسی طریقہ پر قائم رہو) اور میں تمہارا پروردگار ہوں۔ سو تم میری ہی پرستش کرو (لیکن لوگوں نے آپس میں اپنا دین ہی ٹکڑے ٹکڑے کر لیا۔ آپس میں امور دین کے بارے میں اختلاف کر بیٹھے اور مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ اور وہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ اسی پر ارشاد ہے) کہ سب ہمارے پاس واپس آنے والے ہیں (اس وقت ہم ان کے اعمال کا بدلہ دیں گے)۔

تحقیق وترکیب: .... اهلـه' سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے۔ جن کی تعداد ایک روایت کے مطابق کل چھ مرد اور چھ عورت کی تھی۔ اور دوسری روایت ہے کہ تعداد اسی ۸۰ تھی۔ جس میں سے چالیس مرد اور چالیس عورتیں تھیں۔ گویا اہل سے مراد خاندان والے نہیں۔ بلکہ دین والے ہیں۔

کرب العظیم. سے مراد طوفان وغرقابی ہے۔

من القوم. میں من علیٰ کے معنی میں ہے اور آیات سے مراد احکام ہیں۔

داود و سلیمان. داؤد علیہ السلام کی عمر سو سال کی ہوئی۔ ان کے اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان پانچ سو انہتر (۵۶۹) یا ۵۷۰ سال کا فصل ہے۔

اذ نفشت. نفش کے معنی۔ رات کے وقت میں جانوروں کا بغیر چرواہے کے کھیتوں میں جا پڑنا۔

لحکمهم. **میں جمع کی ضمیر لائی گئی** ہے۔ لیکن مراد تثنیہ ہی ہے اور جمع کو تثنیہ کی جگہ مجازاً استعمال کر دیا۔ یا یہ کہ تثنیہ بھی جمع کے حکم میں ہوتا ہے اور جمع کی تعداد کم سے کم دو ہے۔ اس وجہ سے جمع کی ضمیر لائی گئی۔

یسبحن. حال واقع ہو رہا ہے جبال سے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جملہ مستانفہ ہے۔ پوچھنے والے نے سوال کیا کہ تسخیر کی نوعیت کیا تھی۔ تو ارشاد ہوا کہ یسبحن گویا یہ پہاڑ داؤد علیہ السلام کے ساتھ مصروف تسبیح ہوتے تھے۔ جیسا کہ کنکریوں نے آنحضور ﷺ کے دست مبارک پر تسبیح پڑھی۔ اس لئے تسخیر سے مراد اقتدار فی التسبیح ہے۔

والطیر. کے منصوب ہونے کی دو وجہ ہیں۔ یا تو وہ مفعول معہ ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ یا یہ کہ اس کا عطف جبال پر ہے اور اسے رفع بھی پڑھا گیا ہے۔ اس طرح پر کہ والطیر مبتداء اور خبر محذوف ہے تقدیر عبارت ہوگی۔ والطیر مسخرات ایضاً اور دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے۔ کہ یسبحن میں جو ھن کی ضمیر ہے اس پر عطف ہو۔

لتحصنکم. سے زرہ سازی کی علت بیان کی گئی ہے یا یہ بدل واقع ہورہا ہے۔ لکم سے تحصنکم میں تین قراءت ہیں۔ نحصنکم نون کے ساتھ اس صورت میں ضمیر خدا تعالیٰ کی جانب لوٹے گی اور تحصنکم تا کے ساتھ۔ اس صورت میں ضمیر داؤد علیہ السلام اور زرہ دونوں کی طرف لوٹے گی اور تحصنکم تا کے ساتھ تو زرہ کی طرف راجع ہوگی۔

فهل انتم. میں هل اگرچہ حرف استفہام ہے مگر یہاں امر کے معنی میں ہے۔

من الشیاطین. شیطان سے مراد جن ہے۔ ویسے ابو عبیدہ کا قول ہے کہ شیطان سے مراد انسان، حیوان، جن اور ہر وہ مخلوق ہے جو سرکش و نافرمان ہو۔

من یغوصون. من موصولہ اور موصوفہ ہوسکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں ریح پر عطف ہو کر منصوب ہوگا۔ مرفوع بھی مبتداء ہونے کی بناء پر ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں جار و مجرور جو ماقبل میں ہے وہ خبر ہوگا۔ ضمیر جمع من کے معنوی پہلو کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ وہ معنیً جمع اور لفظاً مفرد ہے۔

مسنی الضر. حضرت ایوب علیہ السلام کی مدت ابتلاء میں اختلاف ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ سترہ سال تک آپ اپنی بیماری میں مبتلا رہے اور ابن ابی حاتم نے مالک بن انسؓ سے اٹھارہ سال تک کی روایت کی ہے۔ اور ابن جریر نے تیرہ سال کا قول نقل کیا ہے اور یہی صحیح ہے۔ اسی کو حبان نے انسؓ سے نقل کیا ہے۔ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پانچویں پشت یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے عیص کی اولاد میں سے تھے۔ آپ بہت کثیر الاولاد اور کثیر المال تھے۔ آپ کی بیوی کا نام ماحیر بنت میشا ابن یوسف علیہ السلام تھا۔ یا رحمت بنت افرائیم ابن یوسف علیہ السلام تھا۔

فکشفنا ما به من ضر. روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کی صورت غالباً یہ ہوئی۔ کہ آپ کو حکم ہوا کہ زمین پر اپنا پیر مارو۔ جس کے نتیجہ میں پانی کا چشمہ نکل آیا۔ حکم ہوا کہ اس سے غسل کرلو۔ غسل کرتے ہی تمام امراض ظاہری ختم ہوگئے۔ چالیس قدم اور آگے بڑھنے کے بعد حکم ملا۔ کہ اب اپنے دوسرے پیر کو زمین پر مارو۔ جس کے نتیجہ میں ایک اور چشمہ پھوٹ پڑا۔ حکم ہوا کہ اب اس ٹھنڈے پانی کو پی لو۔ حسب حکم پانی پیتے ہی تمام اندرونی بیماریوں کا ازالہ ہوگیا۔ اسی کو سورۂ ص میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ارکض بر جلك هذا مغتسل بارد و شراب.

وادریس. ادریس علیہ السلام حضرت نوحؑ کے جد امجد ہیں۔ آپؑ کے اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ آپؑ کی ولادت حضرت آدم علیہ السلام کی وفات سے سو سال پہلے ہوئی۔ لیکن آپ کو نبوت حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے دو سو سال بعد ملی اور بعثت کے بعد آپ ڈیڑھ سو سال تک زندہ رہے۔ اس طرح آپ کی عمر کل ساڑھے چار سو سال کی ہوئی۔

ذا الکفل. نام بشر ہے اور ذوالکفل ان کا لقب ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نبی نہیں تھے۔ مثلاً ابو موسیٰ اشعری وغیرہ۔ لیکن جمہور کی رائے یہی ہے کہ آپ نبی تھے۔

لن نقدر. قدر معنی میں تنگی کے ہے اور یہ قدرت سے نہیں بلکہ تقدیر سے ہے۔

فی الظلمٰت. ظلمت جمع کا صیغہ ہے۔ مراد متعدد تاریکیاں ہیں۔ ایک تو سمندر کے نیچے کی تاریکی۔ اور پھر مچھلی کے

پیٹ کی تاریکی۔ حضرت یونسؑ کے مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی مدت کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس سلسلے میں مختلف اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ چالیس دن، سات دن، تین دن اور ایک قول چار گھنٹے کا ہے۔

ان لا الٰہ. ان یا تو مخففہ من الثقیلہ ہے۔ اس صورت میں اس کا اسم محذوف ہوگا اور بعد کا جملہ منفیہ اس کی خبر یا یہ کہ ان تفسیریہ ہے۔

زوجہ. حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی کا نام ایشاع بنت عمران یا ایشاع بنت فاقود تھا۔

رغبا ورھبا. منصوب ہے یا تو مفعول ہونے کی بنا پر یا یہ کہ مصدر ہیں جو حال کی جگہ واقع ہے۔

ان ھٰذہ امتکم. میں بعضوں کی رائے ہے کہ **ھذہ** سے مراد امت مسلمہ ہے اور دوسرے گروہ کا خیال ہے۔ کہ خطاب عام ہے تمام انسانوں سے اور طریقہ سے مراد طریق انبیاء ہے۔

ربط:.......... اب تک انبیاء علیہم السلام کے واقعات کا بیان تھا اور چونکہ وہ سب کے سب موحد ہوتے ہیں اور لوگوں کو بھی توحید کا سبق دیتے ہیں۔ جس کی تفصیل بعض قصوں میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ اور پھر اسی کو اخیر میں **یدعوننا رغباً ورھباً** سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد **ان ھٰذہ امتکم امۃً واحدۃً** سے **یرثھا عبادی الصالحون ٥** تک توحید کا اثبات اور شرک کی مذمت کی جارہی ہے اور ان مضامین کی تاکید کے لئے معاد کی تفصیل ہے۔ جس پر اہل حق کو جزا اور اہل باطل کو سزا ملنے والی ہے۔

﴿تشریح﴾:...... قصہ نوح علیہ السلام:.......... حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔ کہ ان کی قوم نے ان کو ستایا، تکلیفیں دیں اور طرح طرح سے پریشان کیا۔ اور آپ جو ان کے سامنے دعوت ایمان پیش کرتے تو وہ اس کی مخالفت کرتے۔ بالآخر پریشان ہوکر نوح علیہ السلام نے ان کے لئے بددعا کی۔ کہ اے اللہ! تو میری مدد فرما۔ اور ان کافروں کو تباہ و برباد کردے۔ ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ رکھ۔ ورنہ یہ تیرے مومن بندوں کو بھی بہکائیں گے۔ اور ان کی اولاد بھی انہی کی طرح سرکش و نافرمان ہوگی۔ خدا تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی اور تمام کفار کو برباد کرکے رکھ دیا۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے تھے۔ جن کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ آپ نوسو (۹۵۰) سال تک ان میں رہے اور تبلیغ کرتے رہے۔ لیکن سوائے چند افراد کے باقی اپنے کفر پر جمے رہے اور ایذاء پہنچاتے رہے۔

بہرکیف آخر خدا تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو اور ان کے متبعین کو ان کی ایذاء سے چھٹکارا دلا دیا اور ان کی دعا کے مطابق ایک کافر بھی ڈوبنے سے نہ بچ سکا۔ سب کے سب تباہ و برباد ہوکر رہ گئے۔ کرب عظیم سے مراد طوفان وغرقابی بھی ہوسکتی ہے۔

قصہ داؤد وسلیمان علیہما السلام:.......... اب داؤد وسلیمان علیہما السلام کے قصے سنائے جاتے ہیں۔ یہ دونوں حضرات پیغمبر ہونے کے ساتھ حاکم وفرمانروا بھی تھے۔ اس وجہ سے مقدمات کے فیصلے بھی کیا کرتے تھے۔ اس مقدمہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص کی بکریاں کسی شخص کی کھیتی رات کے وقت چر گئیں۔ وہ کھیتی غلہ کی تھی۔ جن کی کھیتی خراب ہوئی تھی وہ اس مقدمہ کو حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس لے گئے۔ انہوں نے مقدمہ کی تفصیل سن کر یہ فیصلہ دیا۔ کہ کھیت کے نقصان کے بدلے میں یہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا۔ کہ اس کا فیصلہ دوسری طرح بھی ہوسکتا ہے۔ دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا۔ کہ یہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں اور بکریوں والے سے کہا جائے کہ وہ اس کھیت میں کام کریں۔ یہاں تک کہ کھیت اسی حالت پر آجائے۔ جس حال میں یہ بکریوں کے چرنے سے قبل تھا۔ اور اس دوران یہ کھیت والا ان بکریوں کے دودھ وغیرہ سے فائدہ اٹھاتا رہے اور جب کھیت اپنی پہلی حالت پر آجائے تو کھیت والے کو کھیت اور بکریاں اس کے مالک کو واپس کردی جائیں۔

سلیمان علیہ السلام کا یہ فیصلہ بذریعہ وحی نہیں تھا۔ بلکہ آپ نے اپنی سمجھ بوجھ سے یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا۔ اسی کو قرآن نے بیان

کیا ہے۔ کہ ففھمنا ھاسلیمن. یعنی ہم نے اس فیصلہ کی سمجھ سلیمانؑ کو دے دی اور اس میں شبہ نہیں۔ کہ آج تک یہود مسیحی اقوام میں سلیمان علیہ السلام کی حکمت و دانائی اور قوت فیصلہ بطور ضرب المثل چلی آتی ہے۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ داؤد علیہ السلام کا فیصلہ خلاف شرع تھا۔ بلکہ صورت مقدمہ یہ تھی۔ کہ جس قدر کھیت کا نقصان ہوا تھا اس کی لاگت بکریوں کی قیمت کے برابر تھی۔ اس وجہ سے داؤد علیہ السلام نے ضمان میں کھیت والے کو بکریاں دلوادیں۔ اور قانون شرعی کا تقاضہ بھی یہی تھا۔ لیکن اس میں بکری والے کا بہت نقصان تھا۔ اس لئے سلیمان علیہ السلام نے دونوں فریق کی رضامندی سے دوسری ضرورت تجویز فرمائی۔ جس میں دونوں کی رعایت اور سہولت ملحوظ رکھی گئی تھی۔ اس لئے دونوں فیصلوں میں کوئی تعارض نہیں تھا۔ اسی کو قران نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ کلاً اتینا حکماً وعلما. کہ ہم نے علم وحکمت تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو دی تھی۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ داؤد علیہ السلام کے فیصلہ سے بہتر تھا۔ کیونکہ اس میں دونوں کی رعایت رکھی گئی تھی۔

مسند احمد میں حدیث ہے کہ براء ابن عازب کی اونٹنی کسی باغ میں چلی گئی اور اس باغ کا نقصان کر دیا۔ تو آنحضور ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ دن کے وقت اپنے باغ کی حفاظت باغ والوں پر ہے۔ البتہ رات کو جانوروں سے جو نقصان ہو اس کا جرمانہ جانوروں کے مالکوں پر ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو ایسی خوش الحانی دی گئی تھی۔ کہ جب وہ تسبیح کرتے یا زبور وغیرہ پڑھتے تو پرندے بھی اپنی پرواز کو چھوڑ کر رک جاتے اور آپ کے ساتھ مصروف تسبیح ہو جاتے۔ اسی طرح پہاڑ بھی تسبیح کرنے لگتے۔

ایک روایت میں ہے۔ کہ رات کے وقت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلاوت قرآن کر رہے تھے۔ کہیں سے اس طرف آنحضور ﷺ کا گزر ہوا۔ آپ ﷺ ان کی رسیلی آواز سن کر ٹھہر گئے اور دیر تک سنتے رہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو تو آل داؤد کی آواز کی شیرینی دی گئی ہے۔

حضرت ابوموسیٰؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمانے لگے۔ کہ یارسول اللہ ﷺ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ میری قرائت سن رہے ہیں تو میں اور بھی اچھی پڑھتا...... اس سے اندازہ لگایئے کہ حضرت داؤد کی آواز کیسی ہوگی۔

تسخیر جبال کے یہ معنی کرنا کہ حضرت داؤدؑ جب پہاڑوں میں تسبیح میں مشغول ہوتے تھے۔ تو پہاڑ ان کی آواز سے گونجنے لگتے تھے قطعاً غلط ہے...... اگر یہی بات تھی تو قرآن کا اسے اتنی اہمیت کے ساتھ ذکر کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ یہ کون سی حیرت انگیز اور قابل ذکر بات تھی۔ جسے بطور نعمت کے ذکر کیا جاتا۔ ایک عام انسان کی آواز بھی پہاڑوں میں گونجتی ہے۔ نیز اس کا ثبوت کہاں سے مل گیا۔ کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے محل اور مسجدوں کو چھوڑ کر پہاڑوں کی کھوہ میں جا کر تسبیح کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد اپنا ایک اور احسان بتلا رہے ہیں۔ کہ ہم نے حضرت داؤد کو زرہیں بنانی سکھا دیں۔ تو اگر ان زرہوں کی ایجاد حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی۔ جیسا کہ جلالین اور درمنثور میں ہے۔ تب تو واقعی یہ قابل ذکر بات تھی۔ لیکن اگر یہ ثابت ہو کہ زرہیں حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے بھی بنا کرتی تھیں اور یہ ان کی ایجاد نہیں ہے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ آپ کی بنائی ہوئی زرہیں حسن صنعت میں زیادہ اچھی ہوتی تھیں۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی۔ کہ آلات حرب وغیرہ بنانا مطلقاً حرام نہیں ہے بلکہ اگر اسے لغو مقاصد اور غلط جگہوں پر استعمال نہ کیا جائے تو قابل قدر سمجھی جائیں گی۔

معجزہ سلیمانی:......... اس سے پہلے داؤد علیہ السلام کے معجزہ تسخیر جبال کا ذکر ہوا۔ اب سلیمان علیہ السلام کے معجزہ تسخیر ہوا کا ذکر ہے۔ کہ ہوا کو ان کا تابع بنا دیا گیا تھا۔ وہ جہاں چاہتے ہوا کے ذریعہ منٹوں میں پہنچ جاتے۔ آپ ہوا کو حکم دیتے اور وہ آپ کو لے کر روانہ

ہو جاتی۔ بعض لوگوں نے تسخیر ہوا سے جہاز رانی مراد لی ہے۔

امام رازیؒ نے یہ خوب لکھا ہے کہ باپ حضرت داؤدؑ کے تابع کثیف ترین جسم کیا گیا۔ یعنی پتھر اور چٹان وغیرہ۔ اور بیٹے کے تابع لطیف ترین جسم کیا گیا یعنی ہوا۔

اسی طرح سرکش جنات بھی آپ کے قبضہ میں کر دیئے گئے تھے۔ جو سمندر میں غوطے لگا کر موتی اور جواہر وغیرہ نکال کر لا یا کرتے تھے۔ اسی طرح اور دوسرے کام بھی کیا کرتے تھے۔ مثلاً تعمیری خدمت وغیرہ انجام دیتے۔ جیسا کہ سورۂ سبا میں ارشاد ہے۔

یعملون له' ما یشاء من محاریب وتما ثیل وجفان کا لجواب وقدور راسیٰت شیطان سے مراد کافر جن ہیں۔ کیونکہ شیطان کے لفظی مفہوم میں ہر وہ مخلوق شامل ہے۔ جو سرکش وخبیث ہو۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہے۔ کہ ان سرکش جنوں کو سنبھالنے والے ہم ہی تھے اور ہم نے ہی ان کو سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا۔ ورنہ یہ ان کے قبضہ میں رہنے والے کب تھے؟

حضرت ایوب علیہ السلام:........... ایوب علیہ السلام حضرت اسحاقؑ کے بڑے صاحبزادے اور حضرت یعقوبؑ کے بڑے بھائی عیص کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کا وطن عوض تھا۔ جس کے متعلق علماء کی تحقیق یہ ہے۔ کہ یہ جگہ عرب کے شمال ومغرب میں فلسطین کے مشرقی سرحد کے قریب ایک ملک تھا۔ آپ بہت مال دار اور صاحب اہل وعیال تھے۔ توریت کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کے سات بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں۔ سات ہزار بھیڑیں اور تین ہزار اونٹ اور اس کے علاوہ دوسرے جانور۔ نیز بے شمار نوکر چاکر، کھیت وباغات وغیرہ بھی تھے۔

توریت کی روایت ہے۔ کہ شیطان نے ایک روز خدا تعالیٰ سے عرض کیا۔ کہ ایوب جس کے صبر وشکر کی اس قدر شہرت ہو رہی ہے وہ تو اس وجہ سے کہ تو نے اسے ہر قسم کی نعمیں دے رکھی ہیں۔ ذرا یہ نعمتیں چھین لی جائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کتنے صابر وشاکر ہیں۔ جواب ملا کہ جا تجھے اختیار ہے۔ جس طرح چاہے تو ان کی آزمائش کر کے دیکھ لے۔ چنانچہ شیطان نے طرح طرح سے پریشان کرنا شروع کر دیا۔ آپ کی امارت بھی ختم ہوئی مفلس وقلاش ہو کر رہ گئے۔ سارے کھیت وباغات، جانوروں کے گلے، نوکر چاکر اور حد تو یہ ہے کہ اولاد سے بھی محروم کر دیئے گئے۔ مگر اس کے باوجود آپ کی زبان پر کبھی کوئی شکایت کے کلمات نہیں آئے۔ اس پر مزید آپ شدید ترین بیماری میں مبتلا کئے گئے۔ جس میں ہر ایک نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری میں اختلاف ہے۔ لیکن بہر حال اتنی بات طے شدہ ہے کہ کوئی سخت بیماری تھی۔ اسی طرح مدت مرض میں بھی اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں مختلف قول ہیں۔

آپ کی بیوی ہمیشہ عرض کرتیں کہ خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے مگر آپ ہمیشہ اسے ٹال دیتے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عبید بن عمیرؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن یہ بات پیش آئی کہ آپ کے دو بھائی تھے، وہ آپ سے ملنے کے لئے آئے لیکن مرض کی شدت کی وجہ سے وہ قریب نہیں آئے اور آپس میں کہنے لگے کہ اگر اس شخص میں بھلائی ہوتی تو خدا تعالیٰ اسے ہرگز ایسی مصیبت میں مبتلا نہ کرتا۔

یہ سن کر آپؑ کو بہت صدمہ ہوا اور آپ اسی وقت دعا کرتے ہوئے سجدہ میں گر پڑے۔ چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور تمام تکلیفیں اور بیماریاں دور ہوگئیں۔ اسی کے ساتھ آپ کی اولاد اور آپ کا مال بھی آپ کو مل گیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا منافی توکل نہیں ہے۔ **وذکریٰ للعابدین** سے اس طرف اشارہ ہے کہ اہل تقویٰ کے لئے یہ یاد رکھنے کی چیز ہے کہ صابرین کو کیسے کیسے صلے ملتے ہیں۔

یہ صالح جماعت: ....حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے تھے، جن کا ذکر سورۂ مریم میں آچکا ہے اور حضرت ادریس علیہ السلام کا بھی واقعہ گزر چکا ہے۔ حضرت ذوالکفل کے بارے میں اختلاف ہے کہ آپ نبی تھے یا ایک صالح شخص۔ جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ ایک صالح شخص اور زمانے کے بہت ہی عادل اور بامروت بادشاہ تھے۔

اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک بزرگ تھے جنہوں نے اپنے زمانے کے نبی سے عہد و پیمان کرر کھے تھے اور اس پر قائم رہے۔ لیکن ترجیحی قول یہ ہے کہ آپ انبیاء بنی اسرائیل میں سے تھے اور توریت میں آپ کا نام حزقیل نبی آیا ہے۔ بخت نصر جب یروشلم پر حملہ کر کے ہزاروں اسرائیلیوں کو اپنے ساتھ لے گیا تو ان میں سے ایک آپ بھی تھے۔ ویسے بھی نبیوں کے ذکر میں آپ کا نام آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نبی ہی تھے۔

قرآن کریم کو انھم من الصالحین کی صراحت اس وجہ سے کرنی پڑی کہ بائبل والوں نے اپنے پیغمبروں کو گناہوں میں مبتلا دکھایا ہے۔ گویا نبوت ان کے یہاں محض ایک قسم کی کہانت تھی اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جب یہ حضرات نبی تھے تو صالح بدرجہ اولیٰ ہوں گے۔

قصہ حضرت یونس علیہ السلام: ....یونس بن متی علیہ السلام موصل کے علاقہ میں نینوا کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ آپ نے قوم کو دعوت ایمان دی۔ لیکن قوم نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا اور سرکشی و نافرمانی میں مبتلا رہے۔ جس پر حضرت یونس علیہ السلام نے ان کے لئے بددعا کی۔ عذاب کے آنے میں تاخیر ہوگئی۔ آپ شدت ناراضگی میں قوم کو اپنے پیچھے چھوڑ کر تنہا اس بستی سے نکل گئے۔ قوم نے جب یہ دیکھا کہ حضرت یونس علیہ السلام بددعا کر کے اس بستی کو چھوڑ چکے ہیں تو یہ سمجھے کہ بس اب عذاب آنے ہی والا ہے۔ جس کے نتیجہ میں ان کے دل میں خوف پیدا ہوا اور اب ہوش میں آگئے اور سب نے مل کر خدا تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری شروع کر دی اور اپنے کیے ہوئے گناہوں پر نادم وشرمندہ ہوئے۔ خدا تعالیٰ نے ان کی فریاد سن لی اور جو عذاب آنے ہی والا تھا اسے ٹال دیا۔

حضرت یونس علیہ السلام بلا انتظار وحی وہاں سے یہ سمجھ کر کہ اب میری یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے، روانہ ہو گئے۔ اگرچہ انہوں نے اپنی اس روانگی کو اجتہاداً صحیح سمجھا تھا۔ لیکن نبوت کے شایان شان یہی تھا کہ وحی کا انتظار کیا جاتا۔ لہٰذا انہیں تنبیہ کی ضرورت پیش آئی اور یہ ابتلاء پیش آیا کہ جب آپ قوم سے علیحدہ ہو کر روانہ ہوئے تو راستہ میں ایک دریا ملا۔ آپ کشتی میں سوار ہوگئے۔ کشتی چلتے چلتے رک گئی تو آپ کو تنبیہ ہوئی اور آپ یہ سمجھ گئے کہ میرا یہ سفر بغیر اجازت خداوندی تھا اور خدا تعالیٰ کو یہ پسند نہیں آیا۔ اسی وجہ سے کشتی رک گئی ہے۔

کشتی والوں سے آپ نے کہا کہ مجھے دریا میں ڈال دو تا کہ کشتی کا وزن کچھ ہلکا ہو جائے۔ لیکن انہوں نے آپ کی معصوم صورت کو دیکھ کر یہ گوارا نہیں کیا کہ آپ کو دریا میں ڈال دیں۔ بالآخر قرعہ اندازی میں جب آپ ہی کا نام نکلا تو کشتی والوں نے مجبور ہو کر آپ کو دریا میں ڈال دیا اور خدا تعالیٰ کے حکم سے ان کو ایک مچھلی نگل گئی۔ لیکن اس نے آپ کے جسم کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ کیونکہ آپ اس کے لئے غذا نہیں تھے بلکہ اس کا پیٹ آپ کے لئے قید خانہ تھا۔ اسی وجہ سے آپ کی نسبت مچھلی کی جانب کی گئی۔ نون عربی میں مچھلی کو کہتے ہیں۔

آپ نے مچھلی کے پیٹ میں پہنچ کر دعا شروع کر دی۔ ظلمت۔ جمع کا صیغہ ہے۔ اس وجہ سے کہ ایک تو مچھلی کے پیٹ کی تاریکی، دوسرے دریا کی گہرائی، پھر رات کی تاریکی تو ان تاریکیوں میں آپ نے دعا کی اور دعا میں آپ کا اپنے آپ کو ظالم کہنا اسی معنی

میں ہے کہ میں ترک عزیمت وافضیلت کا مرتکب ہوا ہوں۔

بہرحال آپ کی دعا قبول ہوئی اور آپ کو ہر طرح کی پریشانیوں سے نجات دی گئی۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو بھی حضرت یونس علیہ السلام کی اس دعا کے ساتھ دعا کرے گا اس کی دعا ضرور قبول ہوگی۔ بہرحال حضرت یونس علیہ السلام سے کسی امر کی مخالفت نہیں ہوئی تھی بلکہ اجتہاد میں غلطی ہوئی تھی جو امت کے لئے معاف ہے مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام کی تربیت مقصود ہوتی ہے اس وجہ سے آپ کو اسی ابتلاء میں مبتلا کیا گیا۔

قصہ حضرت زکریا علیہ السلام:............ زکریا علیہ السلام کا تفصیلی تذکرہ سورۂ مریم اور سورۂ آل عمران مین گزر چکا ہے۔ مختصراً یہاں یہ بیان ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے تنہائی میں خدا تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ اے اللہ! مجھے اولاد عطا فرما جو نبوت کے صحیح وارث ہو اور جو اس دعوت وارشاد کے کام کو بخوبی چلا سکے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی اور عمر کے اس مرحلہ میں آپ کو بچہ عطا کیا۔ درآنحالیکہ آپ کی بیوی بھی بانجھ تھی۔ جیسا کہ خود آپ کے قول وامرأتي عاقر سے مفہوم ہوتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ان کی بیوی میں استقرار حمل کی صلاحیت پیدا فرمادی تھی اور سعید ابن جبیرؒ وقتادہؒ وغیرہ سے مروی ہے کہ ان کی بیوی کی جوانی لوٹا دی گئی تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیزیں عموماً جن اسباب سے پیدا ہوتی ہیں وہی اسباب مہیا کر دیئے جاتے ہیں۔ اگرچہ خدا تعالیٰ بغیر اسباب ہی تکوین پر قادر ہے۔

آپ کی تعریف ہو رہی ہے کہ عبادات اور اعمال صالحہ میں سبقت کرتے تھے جو علامت ایمان ہے اور اس سے ان کی کمال عبدیت وعبودیت اور ہماری کمال عظمت ومعبودیت ثابت ہوتی ہے۔

تذکرہ عیسیٰ ومریم علیہما السلام:............ والتی احصنت فرجھا سے مراد مریم بنت عمران علیہا السلام ہیں۔ قرآن نے عصمت والی عورت کہہ کر خطاب کیا۔ اس وجہ سے کہ یہود نے جو آپ پر گندے الزامات لگائے اور جو آج تک ان کی کتابوں میں موجود ہیں اس کی صفائی کے لئے اس وضاحت کی ضرورت تھی۔ تو آپ کو بغیر شوہر کے عیسیٰ علیہ السلام جیسا لڑکا دے کر مخلوق کو خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کے اختیارات کے وسیع ہونے کا یقین دلانا تھا۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام جنات اور انسانوں کے لئے قدرت خداوندی کی ایک نشانی تھے۔

نیز استقرار حمل کے لئے نفخ روح کا لفظ استعمال کیا گیا تو نفخ روح تو ہر انسان کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن یہ نفخ معمول کے خلاف بواسطہ جبرئیل علیہ السلام کیا گیا۔ جس کی تفصیلی کیفیت معلوم نہیں ہوسکتی اور نفخ روح کی نسبت خدا تعالیٰ کی جانب صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اظہار عظمت کے لئے ہے۔

ان انبیاء کرامؑ کے قصے سنا کر ارشاد ہے کہ تم سب کا دین ایک ہی ہے۔ جس میں کسی نبی اور کسی شریعت کا اختلاف نہیں ہے اور وہ عقیدہ توحید ہے۔ جو کوئی اس دین سے انحراف کرے گا وہ اس کا نتیجہ دیکھ لے گا۔ کیونکہ سب کو ایک دن ہمارے ہی پاس آنا ہے۔ اس دن ان کے کئے ہوئے کا بدلہ مل جائے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ اَیْ جُحُوْدَ **لِسَعْيِهٖ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ﴿۹۴﴾** بِاَنْ نَأمُرَ الْحَفَظَةَ بِكَتْبِهٖ فَنُجَازِيْهِ عَلَيْهِ **وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ** اُرِيْدَ اَهْلَهَا **اَنَّهُمْ لَا** زَائِدَةٌ **يَرْجِعُوْنَ﴿۹۵﴾** اَیْ مُمْتَنِعٌ رُجُوْعُهُمْ اِلَى الدُّنْيَا **حَتّٰٓى** غَايَةٌ لِاِمْتِنَاعِ رُجُوْعِهِمْ **اِذَا فُتِحَتْ** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ** بِالْهَمْزَةِ وَتَرْكِهٖ اِسْمَانِ اَعْجَمِيَّانِ لِقَبِيْلَتَيْنِ وَيُقَدَّرُ قَبْلَهٗ مُضَافٌ اَیْ سَدُّهُمَا وَذٰلِكَ قُرْبَ الْقِيٰمَةِ **وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ** مُرْتَفِعٍ مِنَ الْاَرْضِ **يَّنْسِلُوْنَ﴿۹۶﴾** يُسْرِعُوْنَ **وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ** اَیْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **فَاِذَا هِيَ** اَیِ الْقِصَّةُ **شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** فِیْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ لِشِدَّتِهٖ يَقُوْلُوْنَ **يَا** لِلتَّنْبِيْهِ **وَيْلَنَا** هَلَاكُنَا **قَدْ كُنَّا** فِی الدُّنْيَا **فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا** الْيَوْمِ **بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴿۹۷﴾** اَنْفُسَنَا بِتَكْذِيْبِنَا الرُّسُلَ **اِنَّكُمْ** يَا اَهْلَ مَكَّةَ **وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَیْ غَيْرِهٖ مِنَ الْاَوْثَانِ **حَصَبُ جَهَنَّمَ** وَقُوْدُهَا **اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ﴿۹۸﴾** دَاخِلُوْنَ فِيْهَا **لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ** الْاَوْثَانُ **اٰلِهَةً** كَمَا زَعَمْتُمْ **مَّا وَرَدُوْهَا** دَخَلُوْهَا **وَكُلٌّ** مِنَ الْعَابِدِيْنَ وَالْمَعْبُوْدِيْنَ **فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴿۹۹﴾ لَهُمْ** لِلْعَابِدِيْنَ **فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ﴿۱۰۰﴾** شَيْئًا لِشِدَّةِ غَلْيَانِهَا وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ ابْنُ الزِّبَعْرٰى عُبِدَ عُزَيْرٌ وَالْمَسِيْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ فَهُمْ فِی النَّارِ عَلٰى مُقْتَضٰى مَاتَقَدَّمَ **اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا** الْمَنْزِلَةُ **الْحُسْنٰٓى** وَمِنْهُمْ مَنْ ذُكِرَ **اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا** صَوْتَهَا **وَهُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ** مِنَ النَّعِيْمِ **خٰلِدُوْنَ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ** وَهُوَ اَنْ يُّؤْمَرَ بِالْعَبْدِ اِلَى النَّارِ **وَتَتَلَقّٰهُمُ** تَسْتَقْبِلُهُمُ **الْمَلٰٓئِكَةُ** عِنْدَ خُرُوْجِهِمْ مِنَ الْقُبُوْرِ يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ **هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴿۱۰۳﴾** فِی الدُّنْيَا **يَوْمَ** مَنْصُوْبٌ بِاُذْكُرْ مُقَدَّرًا قَبْلَهٗ **نَطْوِی السَّمَآءَ كَطَیِّ السِّجِلِّ** اِسْمُ مَلَكٍ **لِلْكُتُبِ** صَحِيْفَةَ ابْنِ اٰدَمَ عِنْدَ مَوْتِهٖ وَاللَّامُ زَائِدَةٌ اَوِ السِّجِلُّ الصَّحِيْفَةُ وَالْكِتَابُ بِمَعْنَى الْمَكْتُوْبِ بِهٖ وَاللَّامُ بِمَعْنٰى عَلٰى وَفِیْ قِرَاءَةٍ لِلْكُتُبِ جَمْعًا **كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ** عَنْ عَدَمٍ **نُّعِيْدُهٗ** بَعْدَ اِعْدَامِهٖ فَالْكَافُ مُتَعَلِّقَةٌ بِنُعِيْدُ وَضَمِيْرُهٗ عَائِدٌ اِلٰى اَوَّلَ وَمَا مَصْدَرِيَّةٌ **وَعْدًا عَلَيْنَا** مَنْصُوْبٌ بِوَعَدْنَا مُقَدَّرًا قَبْلَهٗ وَهُوَ مُؤَكِّدٌ لِمَضْمُوْنِ مَا قَبْلَهٗ **اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ﴿۱۰۴﴾** مَا وَعَدْنَا **وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ** بِمَعْنَى الْكِتَابِ اَیْ كُتُبُ اللّٰهِ الْمُنَزَّلَةِ **مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ** بِمَعْنٰى اُمِّ الْكِتٰبِ الَّذِیْ عِنْدَ اللّٰهِ **اَنَّ الْاَرْضَ** اَرْضَ الْجَنَّةِ **يَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ﴿۱۰۵﴾** عَامٌّ فِیْ كُلِّ صَالِحٍ **اِنَّ فِیْ هٰذَا** الْقُرْاٰنِ **لَبَلٰغًا** كِفَايَةً فِیْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ **لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ﴿۱۰۶﴾** عَامِلِيْنَ بِهٖ **وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ** يَا مُحَمَّدُ **اِلَّا رَحْمَةً** اَیْ لِلرَّحْمَةِ **لِّلْعٰلَمِيْنَ﴿۱۰۷﴾** الْاِنْسِ وَالْجِنِّ بِكَ **قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ** اَیْ مَا يُوْحٰى اِلَیَّ فِیْ اَمْرِ الْاِلٰهِ اِلَّا وَحْدَانِيَّتَهٗ **فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴿۱۰۸﴾** مُنْقَادُوْنَ لِمَا يُوْحٰى اِلَیَّ مِنْ وَحْدَانِيَّتِهٖ

الْاِسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى الْاَمْرِ **فَاِنْ تَوَلَّوْا** عَنْ ذٰلِكَ **فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ** اَعْلَمْتُكُمْ بِالْحَرْبِ **عَلٰى سَوَآءٍ** حَالٌ مِنَ الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ اَيْ مُسْتَوِيْنَ فِيْ عِلْمِهٖ لَا اسْتَبِدُّ بِهٖ دُوْنَكُمْ لِتَتَاَهَّبُوْا **وَاِنْ مَا اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ** ﴿۱۰۹﴾ مِنَ الْعَذَابِ اَوِ الْقِيٰمَةِ الْمُشْتَمِلَةِ عَلَيْهِ وَاِنَّمَا يَعْلَمُهُ اللّٰهُ **اِنَّهٗ** تَعَالٰى **يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ** وَالْفِعْلِ مِنْكُمْ وَمِنْ غَيْرِكُمْ **وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ** ﴿۱۱۰﴾ اَنْتُمْ وَغَيْرُكُمْ مِنَ السِّرِّ **وَاِنْ مَا اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ** اَيْ مَا اَعْلَمْتُكُمْ بِهٖ وَلَمْ يُعْلَمْ وَقْتُهٗ **فِتْنَةٌ** اِخْتِبَارٌ **لَّكُمْ** لِيَرٰى كَيْفَ صُنْعُكُمْ **وَمَتَاعٌ** تَمْتِيْعٌ **اِلٰى حِيْنٍ** ﴿۱۱۱﴾ اَيْ اِنْقِضَاءِ اٰجَالِكُمْ وَهٰذَا مُقَابِلٌ لِلْاَوَّلِ الْمُتَرَجّٰى بِلَعَلَّ وَلَيْسَ الثَّانِيْ مَحَلًّا لِلتَّرَجِّيْ **قٰلَ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ قَالَ **رَبِّ احْكُمْ** بَيْنِيْ وَبَيْنَ مُكَذِّبِيَّ **بِالْحَقِّ** بِالْعَذَابِ لَهُمْ اَوِ النَّصْرِ عَلَيْهِمْ فَعُذِّبُوْا بِبَدْرٍ وَاُحُدٍ وَالْاَحْزَابِ وَحُنَيْنٍ وَالْخَنْدَقِ وَنُصِرَ عَلَيْهِمْ **وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ** ﴿۱۱۲﴾ مِنْ كَذِبِكُمْ عَلَى اللّٰهِ فِيْ قَوْلِكُمْ اتَّخَذَ وَلَدًا وَعَلَيَّ فِيْ قَوْلِكُمْ سَاحِرٌ وَعَلَى الْقُرْاٰنِ فِيْ قَوْلِكُمْ شِعْرٌ

ع ۱۹ / ۷

ترجمہ: .... جو کوئی نیک کام کرتا ہوگا وہ ایمان والا بھی ہوگا تو اس کی کوشش اکارت نہ جائے گی اور ہم تو اس کو لکھ بھی لیتے ہیں (ہماری جانب سے فرشتے متعین ہیں کتاب اعمال پر تا کہ ان کی صحیح جزا دی جا سکے) اور ہم جس بستی کو ہلاک کر دیتے ہیں ناممکن ہے کہ وہ لوگ پھر لوٹ کر آئیں (لایرجعون میں لا زائد ہے۔ یہ ان کی دنیا کی طرف مراجعت کی ممانعت اس وقت تک ہے) جب تک کہ یاجوج و ماجوج کھول دیئے جائیں (فتحت و فتحت دونوں قرأتیں ہیں۔ یاجوج و ماجوج ہمزہ و بغیر ہمزہ مستعمل ہیں۔ عجمی اسم ہیں اور ان سے دو قبیلے مراد ہیں۔ ان سے قبل ایک مضاف محذوف ہے اور وہ سد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ دیوار یاجوج و ماجوج کھولنے کے وقت اور یہ واقعہ قرب قیامت میں پیش آئے گا) اور وہ ہر بلندی سے نکل پڑیں گے (تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے اور قیامت سے متعلق) سچا وعدہ قریب آنے لگے گا تو یک بیک کافروں کی نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی (اس دن کی ہولناکی کی بناء پر فاذا ھی میں ضمیر قصہ ہے تو وہ کافر کہیں گے یا تنبیہ کے لئے ہے) ہائے ہماری کم بختی ہم اس کی طرف سے غفلت میں پڑے رہے (بلکہ انبیاء کو جھٹلا کر ہم نے خود اپنے اوپر ظلم کیا) اور ہم ہی قصور وار تھے (اے اہل مکہ) بے شک تم خود اور جو کچھ تم اللہ کے سوا بتوں وغیرہ کو پوجتے رہے ہو، سب جہنم کے کندے ہیں۔ اس جہنم میں تم سب کو داخل ہونا ہے (تمہارے خیال کے مطابق) اگر یہ بت واقعی خدا ہوتے تو اس میں کیوں جاتے (لیکن اب تو عابد و معبود) سب کو اس میں ہمیشہ کے لئے رہنا ہوگا اور اس میں ان کا شور ہوگا (اور اپنے شور وغل اور جہنم کے جوش کی وجہ سے) اس میں کسی کی بات سنیں گے بھی نہیں (یہ سن کر ابن الزبعری نے اعتراض کیا کہ عزیر و عیسیٰ علیہما السلام اور فرشتوں کی بھی پرستش کی گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے معبودوں کی طرح انہیں بھی آگ میں ڈالا جائے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ) بے شک جن لوگوں کے لئے ہماری بھلائی مقدر ہو چکی ہے (انہیں میں سے وہ لوگ ہیں جن کا ذکر کیا گیا) وہ اس سے بالکل دور رکھے جائیں گے۔ اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور وہ لوگ اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے (اور لوگوں کو جہنم میں ڈالنے کے حکم کی) گھبراہٹ انہیں ذرا بھی غم میں نہ ڈالے گی (بلکہ قبروں سے نکلتے وقت) ان کا استقبال فرشتے کریں گے (اور ان سے کہیں گے کہ) یہ ہے آپ کا وہ دن جس کا آپ سے وعدہ کیا جاتا تھا (دنیا میں) جس روز ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے۔ جس طرح اعمال نامے لپیٹ دیئے جاتے ہیں (یوم نطوی میں یوم منصوب ہے۔ اس وجہ سے کہ اس سے قبل اذکر مقدر ہے کطی السجل للکتب کے دوسرے معنی کئے گئے ہیں۔ جس دن فرشتے انسان کے اعمال نامے لپیٹ دیں گے۔ اس کی موت کے وقت۔ اس صورت میں سجل فرشتہ کا نام ہوگا اور للکتب سے انسان کے اعمالنامے مراد ہوں گے۔ اور ل معنی میں علی کے ہے) جس طرح ہم نے پہلی بار پیدا کرنے کے

وقت ہر چیز کی ابتداء کی تھی اسی طرح اسے دوبارہ کردیں گے (اور عدم سے وجود میں لے آئیں گے۔ کما میں کاف متعلق ہے۔ نعید کے ساتھ اور نعید کی ضمیر اول کی طرف لوٹ رہی ہے) یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے ہم ضرور اسے کر کے رہیں گے (وعداً منصوب اس وجہ سے ہے کہ اس سے قبل وعدنا مقدر ہے اور یہ ماقبل کے مضمون کی تاکید ہے) اور ہم نے کتب آسمانی میں لکھ رکھا ہے۔ لوح محفوظ میں لکھنے کے بعد (ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے اور زبور سے تمام آسمانی کتب نہ کہ وہ زبور جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی) کہ سرزمین جنت کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے۔ بے شک اس قرآن میں بڑی تبلیغ ہے بندگی کرنے والوں کے لئے (عابدین سے مراد عاملین ہیں کہ اس پر عمل کرنے والوں کا قرآن کی تبلیغ کردینا ہی ان کے دخول جنت کے لئے کافی ہے) اور ہم نے (اے محمد ﷺ) آپ کو دنیا جہان پر رحمت ہی کے لئے بھیجا ہے (چاہے وہ انسان ہوں یا جنات)۔

آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو صرف یہ وحی آئی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے۔ سو اب بھی تم مانتے ہو؟ (اور میرے پاس جو خدا کی وحدانیت سے متعلق وحی آئی ہے اسے تسلیم کرتے ہو یا نہیں۔ یہ استفہام سوال کے لئے نہیں ہے بلکہ معنی میں حکم کے ہے) پھر بھی اگر یہ لوگ سرتابی کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو صاف اطلاع کر چکا ہوں (اور نتائج سے باخبر کر چکا ہوں۔ علیٰ سواء حال واقع ہو رہا ہے۔ فاعل ومفعول دونوں سے۔ مطلب یہ ہوگا کہ نتائج کا علم ہمیں اور تمہیں دونوں کو ہو گیا ہے۔ اس میں کسی کی تخصیص نہیں ہے) اور میں نہیں خبر رکھتا کہ تم سے جو (عذاب کا یا قیامت کا) وعدہ کیا گیا ہے آیا وہ قریب آ گیا ہے یا دور دراز ہے۔ (اس کا علم تو خدا تعالیٰ ہی کو ہے) بے شک اللہ پکار کر کہی ہوئی بات کو بھی جانتا ہے اور (اسی طرح تمہارے افعال کو بھی، اسی طرح) اسے بھی جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور میں خبر نہیں رکھتا (قیامت کے وقت متعین اور نہ تاخیر عذاب کے سبب کا۔ جس کی ہم نے تمہیں اطلاع دی ہے) شاید کہ وہ تمہارے لئے امتحان ہی ہو (اور دیکھنا یہ ہو کہ اب تمہارا طرز عمل کیا رہتا ہے) اور ایک خاص وقت تک لئے فائدہ پہنچانا ہو (متاع الی حین مقابل میں لعله فتنة کے ہے کہ یہ تاخیر عذاب یا تو امتحان ہو تمہارے لئے اور یہ دیکھنا ہو کہ دنیاوی زندگی میں تم کیا طرز عمل اختیار کرتے ہو۔

یا پھر یہ کہ تمہاری موت تک تمہیں مہلت اور چھوٹ دے دی گئی ہو۔ ولیس الثانی محلاً للترجی کا مطلب یہ ہے کہ متاع الی حین. لعله کے تحت میں آ کر ترجی کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک یقینی امر ہے جس کا علم خدا تعالیٰ کے نزدیک قطعی ہے) پیغمبر نے کہا کہ اے میرے پروردگار آپ فیصلہ کر دیجئے حق کے موافق (میرے درمیان اور مکذبین کے درمیان۔ اگر وہ عذاب کے مستحق ہوں تو عذاب میں مبتلا کر دیجئے اور اگر نصرت ومدد کے مستحق ہوں تو اس کے مناسب معاملہ کیجئے۔)

اس دعا کے نتیجہ میں وہ عذاب میں مبتلا کر دیئے گئے۔ (جنگ بدر، جنگ احد، احزاب اور حنین میں) اور ہمارا پروردگار بڑا رحمت والا ہے جس سے مدد چاہی جاتی ہے۔ ان باتوں کے مقابل میں جو تم بتایا کرتے ہو (خدا کے صاحب اولاد ہونے، میرے جادوگر ہونے اور قرآن کے شعر ہونے کے بارے میں)۔

تحقیق وترکیب: .... فمن یعمل من الصّٰلحت وھو مؤمن. میں مومن کا تذکرہ کر کے یہ بتانا مقصود ہے کہ ایمان ہر حسن عمل کے لئے بنیادی شرط ہے۔

انا له کاتبون. فرشتوں کی کتابت اعمال کے فعل کو اپنی جانب منسوب فرمایا گیا ہے۔

لایرجعون کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ تا قیامت وہ دنیا کی طرف لوٹ کر واپس نہیں آ سکتے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ ان کی ہلاکت علم الٰہی میں مقدر ہو چکی ہے۔ وہ تو ہدایت کی جانب کسی طرح بھی رجوع نہیں کریں گے۔ اس صورت میں اھلکنا سے مراد عزم ہلاکت ہے اور یرجعون میں رجوع سے مراد ایمان کی طرف رجوع ہوگا۔

حتی اذا فتحت. میں حتی کے متعلق کے سلسلہ میں چند وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ حتی کا متعلق حرام ہے یا اس کا متعلق کوئی محذوف ہے جو معنی سے مفہوم ہے۔ یا پھر یہ کہ یہ تقطعوا سے متعلق ہے اور چوتھی صورت یہ ہے کہ اس کا متعلق یرجعون ہے اور خود حتی کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ یا تو حرف ابتداء ہے یا حرف جر ہے معنی میں الیٰ کے۔ اسی طرح اذا

فتحت میں اذا کے جواب میں دو صورتیں بیان کی گئیں ہیں۔اور یہ کہ اس کا جواب کوئی محذوف ہے۔ابواسحٰق نے قالو یاویلنا کو محذوف مان کر اس کا جواب قرار دیا۔اس کے علاوہ اور دوسروں نے فحینئذ یبعثون کو مقدر مان کر اسے اذا کا جواب قرار دیا ہے۔

فاذا ھی شاخصۃ میں ضمیر ہی قصہ ہے اور شاخصۃ خبر مقدم۔وابصار مبتداء موخر۔یہ بصریین کا مذہب ہے اور کوفیین کے نزدیک شاخصۃ مبتداء اور ابصار قائم مقام خبر۔

اولئک عنھا مبعدون. اگر یہاں یہ اشکال ہو کہ اس آیت کے مضمون سے ایک دوسری آیت جس کا حاصل یہ ہے کہ تم سب جہنم پر آ ؤ گے) تعارض ہے۔اس لئے کہ ورد جہنم سے نزدیکی کا تقاضا کرتا ہے۔حاصل یہ ہے کہ جہنم کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔جہنم پر پہنچنا عذاب کے لئے ضروری نہیں۔حدیث میں ہے کہ جب مومن جہنم میں آئے گا تو جہنم ٹھنڈی ہو جائے گی۔

لایحزنھم الفزع الاکبر. فزع اکبر کے مختلف مواقع بیان کئے گئے ہیں۔ایک تو اس وقت جب جہنمیوں کے جہنم میں ڈالے جانے کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔دوسرے اس موقعہ پر جب جہنم بند کر دیا جائے گا اور جہنمی جہنم سے نکلنے سے مایوس ہو جائیں گے۔اور تیسرے اس موقعہ پر جب جنت اور جہنم کے درمیان موت کو ذبح کر دیا جائے گا اور چوتھے فزع اکبر سے جہنم کی ہولنا کیاں مراد ہیں۔

کطی السجل. حضرت ابن عباسؓ کی تحقیق کے مطابق سجل اس فرشتہ کا نام ہے جو بندوں کا نامہ اعمال اختتام پر لپیٹ دیتا ہے اور بعض مفسرینؒ کی تحقیق ہے کہ سجل صحیفہ کے معنی میں ہیں اور کتاب اسم مفعول کے معنی میں۔معنی یہ ہوں گے کہ جس طرح نامہ اعمال لپیٹ دیئے جاتے ہیں اسی طرح یہ آسمان لپیٹ دیئے جائیں گے۔زمخشریؒ اور قاضی بیضاویؒ نے للکتب میں لام کو علت کے معنی میں لیا ہے۔اس صورت میں معنی یہ ہیں کہ نامہ اعمال لپیٹ دیئے جائیں گے اور پھر لکھنے لکھانے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

فی الزبور. زبور ہر لکھی ہوئی کتاب کو کہتے ہیں۔نیز الزبور اسم جنس ہے اور تمام آسمانی کتابوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔اس جگہ بھی کتب آسمانی ہی مراد ہیں۔

من بعد الذکر. اکثر مفسرینؒ اس پر متفق ہیں کہ ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے۔بعض صحیح احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔جس میں ذکر کو لوح محفوظ کے معنی میں لیا گیا ہے۔جیسا کہ بخاری شریف میں کتاب بدءالخلق کے تحت ایک حدیث آئی ہے۔جس کا ایک جزیہ ہے۔کان عرشه علی الماء و کتب فی الذکر کل شیء یہاں بھی ذکر کا ترجمہ لوح محفوظ کیا گیا ہے۔

ان الارض یرثھا. قرآن میں ارض کا اطلاق ارض جنت پر بھی ہوا ہے۔جیسا کہ آیت الحمدللّٰہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض نتبوأ من الجنة میں ارض سے مراد جنت لی گئی ہے۔اسی طرح یہاں بھی تمام محققینؒ اور حضرت ابن عباسؓ سے لے کر اکابر تابعینؒ تک سب نے ارض جنت ہی مراد لیا ہے۔

الا رحمۃ. اس کے منصوب ہونے کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ یہ مفعول لہ ہو۔یعنی آپ ﷺ کی رسالت سے مقصود رحمت ہے۔یا یہ منصوب حال ہونے کی بناء پر ہو۔جس سے آپ کے سراپا رحمت ہونے پر زور دیا گیا ہو اور ہو سکتا ہے کہ مضاف محذوف ہو۔ترجمہ یہ ہوگا کہ آپ کو رحمت والا رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

﴿تشریح﴾:..........ارشاد ہے کہ بندوں کے سارے اعمال لکھ لئے جاتے ہیں۔کوئی سا بھی عمل ایسا نہیں جو کتابت سے رہ جاتا ہو۔اگر انسان نے نیک اعمال کئے ہوں گے اور اسی کے ساتھ ایمان کی دولت سے بھی سرفراز ہوگا تو اسے اس کے نیک کاموں کا بہترین بدلہ دیا جائے گا۔ہر حسن عمل کے ساتھ ایمان کا ہونا بنیادی شرط ہے۔کیونکہ بغیر دولت ایمان کے حسن عمل بھی تقریباً بے کار ہی رہتا ہے۔

رجوع ناممکن ہے:..........وہ قومیں جو اپنی سرکشی و ناکامی کی وجہ سے ہلاک و برباد کر دی گئیں وہ تا قیامت پھر دنیا میں لوٹ کر

نہیں آ سکتیں۔ آیت کی دوسری تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ جن قوموں کے لئے اُن کی بدبختی کی وجہ سے ہلاکت مقدر ہو چکی ہی وہ بھی ہدایت نہیں پا سکتیں۔ اس تفسیر کی صورت میں ہلاکت نہیں۔ بلکہ ارادہ ہلاکت مراد ہوگا اور رجوع سے مراد کفر سے ایمان کی طرف رجوع ہوگا۔ لیکن پہلی تفسیر زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے۔ اس صورت میں ان کی واپسی ایک خاص وقت تک کے لئے ناممکن ہے۔ کیونکہ قیامت کے دن سب از سر نو زندہ ہو کر سامنے آئیں گے۔ اس وقت موعود کے قرب کی ایک علامت یہ ہوگی کہ یاجوج وماجوج کو سدذ والقرنین سے رہائی مل جائے گی اور وہ دندناتے ہوئے لوگوں کے سامنے نمودار ہوں گے۔

علامہ طنطاویؒ کی تحقیق یہ ہے کہ یاجوج وماجوج یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہیں اور یہ نام لفظ ''اجیج النار'' سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی آگ کا بھڑکنا ہے۔ گویا ان کی شدت اور کثرت کی طرف اشارہ ہے اور بعض اہل تحقیق کی رائے یہ ہے کہ منگولیوں اور تاتاریوں کا سلسلہ نسب ایک ''ترک'' نامی شخص تک پہنچتا ہے اور اسی کو ابو المقدار ماجوج کہتے ہیں۔ بہر حال اس سلسلہ کی تفصیلات سورۂ کہف میں گزر چکی ہیں۔ نیز انجیل میں خروج یاجوج وماجوج کو قیامت کی علامت بتایا گیا ہے۔

جب یہ وقت موعود اچانک آئے گا تو کافروں کی آنکھیں خوف ودہشت کی وجہ سے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور یہ بے اختیار کہہ اٹھیں گی کہ ہائے ہماری کیسی بدنصیبی ہے کہ ہم اس وقت موعود کی طرف سے غفلت میں پڑے رہے۔ بلکہ واقعۃً ہم قصوروار ہیں۔ کیونکہ تنبیہ کے باوجود ہم بیدار نہیں ہوئے اور کفر وانکار میں مبتلا رہے۔

ترغیب وترہیب: .... بت پرستوں کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم اور تمہارے یہ بت جن کی تم پرستش کر رہے ہو سب کے سب جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ مگر ظاہر ہے کہ انبیاءؑ اور ملائکہ وغیرہ اس سے مستثنیٰ رہیں گے۔ کیونکہ کفار کی پرستش میں ان کی رضا کو قطعاً کوئی دخل نہیں۔ کفار کے ساتھ ان کے معبودوں کا بھی جہنم میں جانا ان کی پرستش کرنے والوں کے لئے اور بھی تکلیف وحسرت کا باعث ہوگا۔ اگر یہ سچے معبود ہوتے تو آگ میں کیوں جلتے؟ یہاں تو معبود اور عابد دونوں ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے۔ یہ جہنمی شدت تکلیف میں اس قدر چلائیں گے کہ ان کے سوا اور کوئی آواز سنائی بھی نہ دے گی۔

سبقت لهم منا الحسنى. میں حسنیٰ سے مراد رحمت وسعادت ہے۔ جہنمیوں اور اس کے عذاب کا ذکر کر کے اس کے مقابل میں نیک لوگوں اور ان کی جزاء کا ذکر ہے۔ وہ لوگ جو مومن تھے اور جنہوں نے دنیا میں نیک اعمال کئے تھے، انہیں بہترین بدلہ ملے گا۔ دنیا میں ان کے اعمال نیک تھے تو آخرت میں ثواب اور بہترین بدلہ ملے گا اور رحمت خداوندی سے سرفراز ہوں گے۔ جہنم اور اس کی ہولناکیوں سے محفوظ رہیں گے اور صرف یہی نہیں بلکہ انہیں جنت ملے گی جس کی تعریف کمال بلاغت کے ساتھ اس جملہ میں کر دی گئی کہ **وهم في مااشتهت انفسهم خالدون.** یعنی وہ جگہ ایسی ہوگی جہاں سب کچھ انسان کی اپنی مرضی کے مطابق ہوگا جو غذا وہ چاہے گا وہی حاضر ہوگی جو مشغلہ اسے پسند ہوگا وہی اس کے لئے موجود ہوگا۔

غرض یہ کہ سب کچھ اس کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ دنیا کی مختصر ترین زندگی میں اپنے کو قوانین الٰہی کے مطابق چلانے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جنت میں سارے قوانین تکوینی اس کے ماتحت ومحکوم ہوں گے اور پھر یہ کیفیت عارضی نہیں بلکہ دائمی ہوگی۔ مومن نے ایک مختصر وقت کے لئے اپنے آپ کو احکام الٰہی کے ماتحت رکھا تو خدا تعالیٰ نے اس کے مقابل میں اس کو ابدی اور لازوال نعمتوں سے سرفراز بنایا۔

حشر ونشر آسان ہے: .... جب لوگوں کو دوبارہ حساب وکتاب کے لئے زندہ کیا جائے گا اور جنتیوں کے جنت میں جانے کا اور جہنمیوں کے جہنم میں بھیجنے کا فیصلہ ہو جائے گا تو وہ وقت انتہائی ہولناک اور خوفناک ہوگا۔ لیکن مومنین کو ذرا بھی دہشت نہیں ہوگی۔ انہیں تو موت سے جاتے ہی تسکین وتشفی کے لئے فرشتے مل جائیں گے جو اعزاز واکرام کے ساتھ انہیں ہاتھوں ہاتھ لے لیں گے اور انہیں ڈھارس دیتے ہوئے کہیں گے کہ اسی دن کا وعدہ تم سے کیا گیا تھا۔ آج کے دن تمہیں اپنے نیک اعمال کا بدلہ ملے گا۔ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ وہ دن ہوگا جب آسمان کو لپیٹ دیا جائے گا۔

بخاری شریف میں ہے کہ آنحضور ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ زمینوں کو مٹھی میں لے لیں گے اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ساتوں آسمان کو اور وہاں کی ساری مخلوق کو اسی طرح ساتوں زمینوں کو اور وہاں کی کل کائنات کو خدا تعالیٰ اپنے دائیں ہاتھ میں اسی طرح لپیٹ لیں گے۔ جیسے رائی کا دانہ تو سجل سے مراد نامہ اعمال ہے۔

اور ایک رائے یہ ہے کہ اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جو نامہ اعمال لکھتا ہے۔ جب انسان مرجاتا ہے تو یہ فرشتہ اس کے نامہ اعمال کو قیامت تک کے لئے لپیٹ کر رکھ دیتا ہے۔ لیکن اکثر مفسرینؒ نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے اور سجل سے مراد نامہ اعمال لیا ہے۔ لغت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

تو اس دن خدا تعالیٰ تمام مخلوق کو ازسرنو پیدا کرے گا اور یہ کوئی تعجب خیز اور حیرت انگیز بات نہیں۔ کیونکہ جو پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے تو اعادہ تو اس کے لئے بہت آسان ہے۔ اسی کے متعلق ارشاد ہے کہ ہم نے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کر کے رہیں گے۔

قرآن کریم قیامت اور اس کی ہولناکیوں کا اسی کے ساتھ بشارت وخوشخبری کا تذکرہ اس کثرت سے اس وجہ سے کرتا ہے کہ مخاطب کے دل میں آخرت کا عقیدہ راسخ ہو جائے۔ یہ عقیدہ آخرت اس کے دل میں وہم وگمان کے درجہ میں نہ رہے۔ بلکہ اس پر کامل و مکمل طریقہ پر یقین آجائے۔ اور یہ اس وجہ سے کہ ساری نیکیوں کی جڑ یہی عقیدہ آخرت ہے۔ اسی آخرت کے خوف سے انسان نیکیوں کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا مقصد انسان کو نیکیوں کی جانب توجہ دلانا ہے۔

مایوسی اور طلب فیصلہ:.......... خدا تعالیٰ جس طرح اپنے نیک بندوں کو اخروی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے۔ اسی طرح دنیاوی نعمتوں سے بھی مالا مال کرتا ہے اسی طرح یہ آیت مومنین کے لئے بشارت ہے دنیوی نعمتوں اور اس کی بادشاہت کی۔

اور بعض مفسرین نے ارض سے مراد جنت لی ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ لوح محفوظ میں لکھنے کے بعد ہم نے کتب آسمانی میں بھی اس کی اطلاع دے دی ہے کہ سرزمین جنت کے مستحق اور مالک تو نیک اور صالح بندے ہی ہوں گے، جنہوں نے اپنی زندگی شریعت کے مطابق گزاری ہوگی۔ ہمارے عبادت گزار بندوں کے لئے قران میں ہر طرح کی نصیحت موجود ہے۔ وہ قرآن جو نبی آخرالزمان آنحضور ﷺ پر اتارا گیا۔ جنہیں سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے تو جس نے اس نعمت کی قدر کی وہ دنیا وآخرت دونوں جگہ کامیاب رہا اور جس نے اس کی ناقدری کی وہ ناکام وبرباد ہوا۔

آنحضور ﷺ کو حکم ملا کہ آپ ﷺ مشرکین کو اطلاع دے دیجئے کہ میرے پاس خدا کی وحدانیت کی وحی آتی ہے۔ تم بھی اس پر ایمان لاؤ اور اس کے مطابق اپنا طرز عمل قائم کرو۔ اگر اس اطلاع کے بعد بھی تم لوگوں نے اعراض کیا اور خدا کی وحدانیت پر ایمان نہیں لائے اور اس کے احکام کی تعمیل نہیں کی تو نتائج کے ذمہ دار تم خود ہوگے۔ میرے اوپر کسی طرح کی ذمہ داری نہیں رہے گی اور نہ تمہارے لئے کسی عذر ومعذرت کا موقعہ رہے گا۔ کیونکہ ہم نے بار ہا تم کو تنبیہ کر دی اور غفلت کے نتائج سے باخبر کر چکا ہوں۔

نیز اعراض کی صورت میں ہم نے جس عذاب کی تمہیں اطلاع دی ہے وہ آکر رہے گا۔ خواہ وہ عذاب جلد آجائے یا دیر سے آئے۔ انبیاء کرام علیہ السلام کو زیادہ سے زیادہ وقوع عذاب کی اطلاع دی جاتی ہے۔ وقت اور زمانہ کے تعین کی اطلاع تو انہیں بھی نہیں ہوتی ہے۔ رہی عذاب میں تاخیر کی وجہ تو ممکن ہے اس میں تمہارا امتحان ہو اور یہ دیکھنا کہ شاید اب بھی تم ایمان لے آؤ یا پھر تمہیں یہ عارضی مہلت دینا اس وجہ سے ہو کہ تمہاری غفلت میں اور اضافہ ہو جائے جس سے تم سخت سے سخت عذاب کے مستحق ہو جاؤ۔

جب آنحضور ﷺ ہر طرح تبلیغ کرنے کے بعد ان کے اصلاح حال سے مایوس ہو گئے تو آپ نے خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! اب حق اور باطل کا فیصلہ کر دے۔ یعنی ان کافروں کو ساز وسامان کے باوجود نیست ونابود کر دے تاکہ لوگ ان کی تباہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور ان کے کفر والحاد کی انہیں پوری سزا مل جائے۔ اسی طرح مسلمانوں کے نام ونشان کے مٹانے کی تمنا خاک میں مل کر رہ جائے۔

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَكِّيَّةٌ اِلَّاوَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ الْاٰيَتَيْنِ اَوْاِلَّاهٰذٰنِ خَصْمَانِ السِّتُّ اٰيَاتٍ فَمَدَنِيَّاتٌ وَهِيَ اَرْبَعٌ اَوْخَمْسٌ اَوْسِتٌّ اَوْسَبْعٌ اَوْثَمَانٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَاالنَّاسُ اَىْ اَهْلَ مَكَّةَ وَغَيْرُهُمْ **اتَّقُوْا رَبَّكُمْ** اَىْ عِقَابَهٗ بِاَنْ تُطِيْعُوْهُ **اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ** اَيِ الْحَرَكَةَ الشَّدِيْدَةَ لِلْاَرْضِ الَّتِىْ يَكُوْنُ بَعْدَهَا طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا الَّذِىْ هُوَ قُرْبُ السَّاعَةِ **شَىْءٌ عَظِيْمٌ**﴿۱﴾ فِى اِزْعَاجِ النَّاسِ هُوَنَوْعٌ مِنَ الْعِقَابِ **يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ** بِسَبَبِهَا **كُلُّ مُرْضِعَةٍ** بِالْفِعْلِ **عَمَّآ اَرْضَعَتْ** اَىْ تَنْسَاهُ **وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ** اَىْ حُبْلٰى **حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى** مِنْ شِدَّةِ الْخَوْفِ **وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى** مِنَ الشَّرَابِ **وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ**﴿۲﴾ فَهُمْ يَخَافُوْنَهٗ وَنَزَلَ فِى النَّضْرِ ابْنِ الْحَارِثِ وَجَمَاعَةٍ **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ** قَالُوْا الْمَلٰئِكَةُ بَنَاتُ اللّٰهِ وَالْقُرْاٰنُ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ وَاَنْكَرُوْا الْبَعْثَ وَاِحْيَاءَ مَنْ صَارَتُرَابًا **وَّيَتَّبِعُ** فِى جِدَالِهٖ **كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ**﴿۳﴾ اَىْ مُتَمَرِّدٍ **كُتِبَ عَلَيْهِ** قُضِىَ عَلَى الشَّيْطَانِ **اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ** اَىِ اتَّبَعَهٗ **فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ** يَدْعُوْهُ **اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ**﴿۴﴾ اَيِ النَّارِ **يٰاَيُّهَا النَّاسُ** اَىْ اَهْلَ مَكَّةَ **اِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ** شَكٍّ **مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ** اَىْ اَصْلَكُمْ اٰدَمَ **مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ** خَلَقْنَا ذُرِّيَّتَهٗ **مِنْ نُّطْفَةٍ** مَنِيٍّ **ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ** وَهِىَ الدَّمُ الْجَامِدُ **ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ** وَهِىَ لَحْمَةٌ قَدْرَمَا يُمْضَغُ **مُّخَلَّقَةٍ** مُصَوَّرَةٍ تَامَّةِ الْخَلْقِ **وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ** اَىْ غَيْرِ تَامَّةِ الْخَلْقِ **لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ** كَمَالَ قُدْرَتِنَا لِتَسْتَدِلُّوْا بِهَا فِىْ اِبْتِدَاءِ الْخَلْقِ عَلٰى اِعَادَتِهٖ **وَنُقِرُّ** مُسْتَانِفٌ **فِى الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى** وَقْتَ خُرُوْجِهٖ **ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ** مِنْ بُطُوْنِ اُمَّهَاتِكُمْ **طِفْلًا** بِمَعْنٰى اَطْفَالًا **ثُمَّ** نُعَمِّرُكُمْ **لِتَبْلُغُوْآ**

اَشُدَّکُمْ اَیِ الْکَمَالَ وَالْقُوَّۃَ وَھُوَ مَابَیْنَ الثَّلَاثِیْنَ اِلَی الْاَرْبَعِیْنَ سَنَۃً **وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی** یَمُوْتُ قَبْلَ بُلُوْغِ الْاَشُدِّ **وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰٓی اَرْذَلِ الْعُمُرِ** اَخَسِّہٖ مِنَ الْھَرَمِ وَالْخَرَفِ **لِکَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْئًا** قَالَ عِکْرِمَۃُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ لَمْ یَصِرْ بِھٰذِہِ الْحَالَۃِ **وَتَرَی الْاَرْضَ ھَامِدَۃً** یَابِسَۃً **فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْھَا الْمَآءَ اھْتَزَّتْ** تَحَرَّکَتْ **وَرَبَتْ** اِرْتَفَعَتْ وَزَادَتْ **وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ** زَائِدَۃٍ **کُلِّ زَوْجٍ** صِنْفٍ **بَھِیْجٍ ﴿۵﴾** حَسَنٍ **ذٰلِکَ** الْمَذْکُوْرُ مِنْ بَدْأِ خَلْقِ الْاِنْسَانِ اِلٰی اٰخِرِ اِحْیَاءِ الْاَرْضِ **بِاَنَّ** بِسَبَبِ اِنَّ **اللہَ ھُوَ الْحَقُّ** الثَّابِتُ الدَّائِمُ **وَاَنَّہٗ یُحْیِ الْمَوْتٰی وَاَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۶﴾ وَّاَنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ لَّا رَیْبَ** شَکَّ **فِیْھَا وَاَنَّ اللہَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ ﴿۷﴾** وَنَزَلَ فِیْ اَبِیْ جَھْلٍ **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا ھُدًی** مَعَہٗ **وَّلَا کِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ﴿۸﴾** لَہٗ نُوْرٌ مَعَہٗ **ثَانِیَ عِطْفِہٖ** حَالٌ اَیْ لَاوِیْ عُنُقَہٗ تَکَبُّرًا عَنِ الْاِیْمَانِ وَالْعِطْفُ الْجَانِبُ عَنْ یَمِیْنٍ اَوْ شِمَالٍ **لِیُضِلَّ** بِفَتْحِ الْیَاءِ وَضَمِّھَا **عَنْ سَبِیْلِ اللہِ** دِیْنِہٖ **لَہٗ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ** عَذَابٌ فَقُتِلَ یَوْمَ بَدْرٍ **وَّنُذِیْقُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۹﴾** اَیِ الْاِحْرَاقِ بِالنَّارِ وَیُقَالُ لَہٗ **ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ یَدٰکَ** اَیْ قَدَّمْتَہٗ عُبِّرَ عَنْہُ بِھِمَا دُوْنَ غَیْرِھِمَا لِاَنَّ اَکْثَرَ الْاَفْعَالِ تُزَاوِلُ بِھِمَا **وَاَنَّ اللہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ** اَیْ بِذِیْ ظُلْمٍ **لِّلْعَبِیْدِ ﴿۱۰﴾** فَیُعَذِّبُھُمْ بِغَیْرِ ذَنْبٍ ع ۸

ترجمہ: ....اے لوگو! اپنے پروردگار (کے عذاب سے) ڈرو (اور اس کی اطاعت کرو) کیونکہ قیامت کے دن کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہے (زلزلہ زمین کی شدید ترین حرکت کا نام ہے۔ یہ قرب قیامت میں پیش آئے گا۔ جس وقت کہ آفتاب بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع ہوگا اور یہ لوگوں کے لئے ایک قسم کا عذاب ہوگا) جس روز تم اسے دیکھو گے (کہ اس عذاب کی وجہ سے) ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی (اسی طرح ہر حمل والی اپنا حمل ڈال دے گی اور لوگ تجھے نشہ میں دکھائی دیں گے۔ حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے۔ (ان کا یہ نشہ کسی نشیلی چیز کے استعمال کی وجہ سے نہیں ہوگا۔ بلکہ شدت خوف کی بناء پر ان کے ہوش وحواس درست نہیں رہیں گے) بلکہ اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر جانے بوجھے جھگڑا کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کے پیچھے ہو لیتے ہیں (یہ آیت نضر بن حارث اور اس کے ہم خیال لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے اور قرآن کو پچھلوں کی داستان، اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کے منکر تھے وغیرہ وغیرہ۔ اور اپنے اس خیال میں وہ شیطان کی اتباع کیا کرتے تھے) اس کی نسبت تو یہ لکھا جا چکا ہے (اور شیطان کے بارے میں فیصلہ ہو چکا ہے کہ) جو کوئی بھی اسے دوست رکھے گا تو اسے وہ گمراہ کر کے ہی رہے گا اور اس کو عذاب دوزخ کا راستہ دکھا دے گا۔ اے لوگو! اگر تم دوبارہ زندہ اٹھنے سے شک میں ہو (یہ خطاب اہل مکہ سے ہے کہ) تو پھر غور کرو۔ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر بوٹی سے (کہ بعض) پوری ہوتی ہیں اور (بعض) ادھوری (مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کامل الخلقت ہوتے ہیں اور بعض ناقص الخلقت ہوتے ہیں) تاکہ ہم تمہارے سامنے اپنی قدرت ظاہر کر دیں (اور تمہیں یقین آ جائے کہ جو اس طرح انسان کو پیدا کر سکتا ہے وہ دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہوگا) اور ہم رحم میں جس کو چاہتے ہیں ایک مدت معین تک ٹھہرائے رکھتے ہیں۔

پھر ہم تم کو بچہ بنا کر (ماں کے پیٹ) سے باہر لاتے ہیں۔ پھر (تمہاری عمر میں اضافہ کرتے ہیں) تاکہ تم اپنی جوانی تک پہنچ جاؤ (اور تمہارے جسم میں بھرپور طاقت وقوت پیدا ہو جائے اور یہ تیس سے چالیس سال تک کی عمر ہے) اور تم میں وہ بھی ہیں جو (جوانی کو پہنچنے سے پہلے ہی) مرجاتے ہیں۔ اور تم میں وہ بھی ہیں جنہیں نکمی عمر تک پہنچا دیا جاتا ہے (اور عمر کے اس مرحلے میں پہنچ جاتے ہیں جب کہ ان کے ہوش وحواس بھی درست نہیں رہتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے) کہ وہ ایک چیز سے باخبر ہو کر بے خبر ہو جاتے ہیں (لیکن حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص تلاوت قرآن کا عادی ہوگا وہ عمر کے کسی مرحلہ میں بھی ہوش وحواس نہیں کھوئے گا) اور تو دیکھتا ہے کہ زمین خشک ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اگاتی ہے (انسان کی ابتداء پیدائش سے لے کر زمین کو سرسبز وشاداب بنا دینے تک کا بیان) یہ سب اس سبب سے کہ اللہ ہی برحق ہے اور وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے اور (اس سبب سے بھی کہ) قیامت آنے والی ہے۔ اس میں ذرا شبہ نہیں اور اللہ دوبارہ اٹھائے گا انہیں جو قبروں میں ہیں۔

اور انسانوں میں بعض ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ کے بارے میں حجت کرتا رہتا ہے۔ بغیر علم کے بغیر دلیل کے اور بدون کسی روشن کتاب کے تکبر وگردن کشی کرتے ہوئے (یہ آیت ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ تکبر کی وجہ سے وہ ایمان سے اعراض کرتا ہے۔)

ثانی عطفہ کے معنی گردن کو ادھر ادھر پھیرنا اور یہ منصوب ہے بر بنائے حال تاکہ (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے بے راہ کردے (**لیضل** کے یا میں ضمہ اور فتحہ دونوں قرأت ہے) ایسے شخص کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے (جنگ بدر میں قتل کئے گئے) اور قیامت کے دن ہم اسے جلتی آگ کا مزہ چکھائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) کہ یہ تیرے ہی کرتوتوں کا بدلہ ہے (یہاں صرف ہاتھ کا تذکرہ کیا گیا۔ وہ اس وجہ سے کہ اکثر کام انہیں ہاتھوں سے کیا جاتا ہے) اور یہ بات ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے (لہٰذا تمہیں بغیر جرم کے سزا نہیں دے گا)۔

تحقیق وترکیب:...... **زلزلة الساعة**. حضرت علقمہؒ کی رائے ہے کہ یہ زلزلہ اس وقت آئے گا جب قیامت بہت قریب آجائے گی اور بعضوں کی رائے ہے کہ یہ اس وقت آئے گا جب سورج بجائے مشرق کے مغرب سے نکلے گا اور بعض یہ کہتے ہیں کہ عین قیامت کے دن یہ زلزلہ آئے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسی زلزلہ سے قیامت کی ابتداء ہوگی۔ لیکن مشہور مفسر قرطبیؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ یہ زلزلہ قرب قیامت میں ہی پیش آئے گا۔ وہ اس وجہ سے کہ آیت میں یہ ہے کہ اس دن دودھ پلانے والی عورت اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور حاملہ عورت کا حمل ساقط ہو جائے گا۔ حالانکہ قیامت کے دن اس طرح کی کوئی بات پیش نہیں آئے گی۔ لہٰذا آیت سے قرب قیامت ہی مراد لینا چاہئے۔

اس سے یوم قیامت مراد لینے والے حضرات یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ ارشاد مجازاً ہے اور اس سے قیامت کی ہولناکیاں اور شدت مراد ہے۔ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ حضرات دلیل میں اس آیت کو پیش کرتے ہیں۔ **یوماً یجعل الولدان شیباً** کہ جس دن بچے بوڑھے بن جائیں گے...... تو جس طرح اس آیت میں قیامت کی ہولناکیوں کو بیان کیا گیا ہے اسی طرح یہاں بھی قیامت اور اس کی ہولناکیاں ہی مراد ہیں۔

یوم ترونها. **یوم** کے منصوب ہونے کی کئی وجہ ہو سکتی ہے۔ یہ **تذهل** کا مفعول فیہ مقدم ہو یا آیت سابق میں **عظیم** سے منصوب ہو۔ تیسری صورت یہ ہے کہ **اذکر** فعل محذوف اور **یوم** اس کا مفعول ہو اور ہو سکتا ہے کہ **الساعة** کا بدل ہو۔ **زلزلة** سے بدل اشتمال ہونے کی بناء پر بھی منصوب پڑھا جا سکتا ہے۔

کتب علیہ. عام طور پر اسے مبنی للمفعول پڑھا گیا ہے۔ان دونوں جگہ مفعول ہے۔ انہ اور اس کا ماتحت محلاً مرفوع ہے۔ کیونکہ وہ فاعل کے قائم مقام ہے۔علیہ اور انہ دونوں کی ضمیر من کی جانب لوٹتی ہے جو پہلے مذکور ہوا۔

لنبین لکم. لنبین کا مفعول جو کمال قدرتنا ہے محذوف ہے۔نبین لکم متعلق ہے خلقنا کم کے اور لنبین کا لام عاقبت کے لئے ہے۔لتستدلوا ابقدرتنا یہ علت ہے نبین لکم کی۔مطلب یہ ہے کہ تخلیق کے تمام مراحل کو دیکھ کر تم حشر ونشر کی قدرت پر استدلال کر سکو کہ جو مقتدر ذات ابتداءً معدوم کو اس طرح موجود کر سکتی ہے وہ عدم کے بعد دوبارہ بھی وجود میں لانے کی مکمل قدرت رکھتی ہے۔

نخرجکم طفلاً. طفلاً حال واقع ہو رہا ہے نخرجکم کے مفعول سے اور کیونکہ طفلاً مصدر ہے اس لئے اسے مفرد استعمال کرنا ضروری ہے۔

ثانی عطفہ سے مراد حق سے پہلو تہی ہے۔ بالعموم اعراض کرنے والا گردن پھیر لیتا ہے۔عدم استقامت حق کو گردن پھیرنے سے تشبیہ دی گئی۔

ثم من نطفة. نطفہ غذائے انسانی کا آخری جوہر ہوتا ہے۔

من علقة ۔علقہ اس حالت کا نام ہے جب نطفہ پر سرخی اور غلظت پیدا ہو جائے۔

من مضغة. یہ اس حالت کا نام ہے جب علقہ میں سختی پیدا ہو جائے۔

مخلقة وغیر مخلقة. مخلقۃ وہ حالت جب کہ پورے اعضاء ترکیب پا جائیں اور غیر مخلقۃ وہ حالت جب کہ بعض اعضاء ناقص رہ جائیں۔

ربط............ان کنتم فی ریب من البعث کا ماقبل سے ربط ہے کہ ماقبل میں اللہ کی وسیع ترین قدرت میں شبہ کرنے والوں کا ذکر آیا تھا۔ یہ خدا کو کمزور سمجھنے والے حشر ونشر پر خدا تعالیٰ کو غیر قادر سمجھتے تھے۔اس لئے حشر ونشر کا تذکرہ شروع کیا اور دو دلائل اس مضمون پر پیش فرمائے۔اول یہ کہ تم خود اپنی تخلیق پر غور کرو۔ ثانیاً نباتات پر نظر ڈالو کہ کس طرح ہم معدوم کو موجود کر دیتے ہیں۔اسی طرح سورۂ انبیاء اور سورۂ حج کے درمیان ربط یہ ہے۔

یاد ہوگا کہ سورۂ انبیاء میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ قدرے تفصیل سے سنایا گیا تھا۔یعنی اس نبی جلیل کا بدء فطرت سے موحد ہونا، پیغمبرانہ صلاحیتوں سے سرفراز، عنفوان شباب میں باطل پرستوں سے معرکۃ الآراء مناظرہ، بتوں کی بے بنیادی واضح کرنے کے لئے تدبیر وحکمت سے لبریز مظاہرہ اور حق پسندی وصداقت لسانی کی راہ میں درپیش مصیبتوں کو انگیز کرنا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہ اوصاف اور کارنامے سورۃ الانبیاء میں گزرے۔اکابر کی یادگار، مسرت کے مواقع پر نشاط وطرب، غم انگیز مراحل میں حزن وملال بالکل اسی طرح فطری تقاضے ہیں جس طرح بھوک، پیاس، سونا، جاگنا وغیرہ۔اسلام فطری تقاضوں پر پابندی عائد نہیں کرتا۔ہاں ان تقاضوں کی تکمیل کا جائزہ ومتوازن راہیں متعین کرتا ہے۔یہاں ماہ صیام کی پر از مشقت عبادت کے بعد عید بھی ہے اور نکاح وشادی کے موقعہ پر مظاہرۂ مسرت کیلئے اجازت بھی، سانحہ موت پر گریہ وبکاء کا جواز بھی۔یہی اسلام کا امتیاز دوسرے مذاہب سے ہے۔اگر آپ اس حقیقت کو سمجھ گئے تو کائنات انسانی کے موحد اعظم سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یادگار قائم کرنے کا مطالبہ ایک فطری مطالبہ ہے۔لیکن اسلام رسمی اور بے معنی یادگار کا کبھی قائل نہیں رہا۔ بلکہ وہ یادگار کو بھی اپنے مزاج کے مطابق ڈھال لینے کا خوگر ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سب سے بڑی یادگار حج کی عبادت ہے اور ان کے ان اہل وعیال کی بھی جن کا ذکر ضمناً سورۃ

انبیاء میں آیا تھا۔ ایک بار ان حقائق کو پھر ذہن میں تازہ کر لیجئے۔

ا۔ حج کی عبادت میں اساسی حیثیت خانہ کعبہ کی ہے۔ وہ خانہ کعبہ جس کے معمار ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام ہیں۔

۲۔ یہاں صفاومروہ کے درمیان سعی بھی ہے جو سیدہ ہاجرہ کی مضطربانہ دوڑ دھوپ کو جذب کرنے کی ایک والہانہ ادا ہے۔

۳۔ یہاں قربانی بھی ہے جو اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کا ایک تذکار ہے۔

پس دیکھتے جائیے کہ حج کی تمام عبادات کا قلب وقالب ابراہیم علیہ السلام اوران کے اہل بیت پر بیتے ہوئے کچھ واقعات ہیں جنہیں عبادت کی صورت میں تاقیامت جاری کر دیا گیا۔ پھر اسے بھی محفوظ رکھئے کہ سورۂ انبیاء کے خاتمہ پر مضمون توحید تھا۔ حج توحید پسندی کی ایک تمرین وریاضت ہے۔ سرزمین مکہ معظمہ کا ذرہ ذرہ مظاہر کا امین ہے۔ خانہ کعبہ کا پرنور ڈھانچہ، مقام ابراہیم، چاہ زمزم، صفا ومروہ، دامن دل کو الجھانے والے سینکڑوں شعائر ہیں۔ لیکن موحد کا قلب ان جھمیلوں میں بھی خدا ہی کی طرف لگا رہتا ہے۔ پھر وطن سے بے وطنی، احرام پوشی جو کفن پوشی کی ایک تصویر ہے۔ کبھی منیٰ کے ریگستان میں، گاہے عرفات کے لق ودق صحرا میں، پھر کبھی مزدلفہ کی زمین پر اور پھر کبھی منیٰ سے مکہ اور مکہ سے تا منیٰ اور اس ساری دوڑ دھوپ میں کانپتے ہوئے دل، جھکی ہوئی نگاہیں، بیم ورجاء کی گہری کیفیات، یہ اندیشہ کہ کہیں یہ سارا سفر ناکام نہ رہے اور دوسری جانب خدا کی رحمتوں پر یقین۔ گویا کہ ایک قیامت صغریٰ جو قیامت کبریٰ کا پیش خیمہ ہے۔ اسے پڑھیئے اور سورۂ انبیاء کے اختتام کو دیکھئے۔

وہ دن بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس روز ہم نفخہ اولیٰ کے وقت آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمونوں کا کاغذ لپیٹ لیا جاتا ہے ور ہم نے جس طرح اول بار پیدا کرنے کے وقت ہر چیز کی ابتداء کی تھی۔ اسی طرح آسانی سے اس کو دوبارہ پیدا کر دیں گے۔

اور ساتھ ہی سورۂ حج کی اس ابتداء پر نظر ڈالئے ...... اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔ کیونکہ یقیناً قیامت کے دن کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہوگی۔ جس روز تم اس زلزلہ کو دیکھو گے اس روز تمام دودھ پلانے والیاں مارے ہیبت کے اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیاں اپنا حمل پورے دن ہونے سے پہلے ڈال دیں گی اور اے مخاطب تجھ کو لوگ نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے۔ حالانکہ وہ واقع میں نشہ میں نہ ہوں گے۔ لیکن اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز ...... تو پھر آپ کو ان ہر دو صورت میں لفظی ومعنوی ارتباط کا ایک مسلسل نظام نظر آئیگا۔ افسوس کہ اس تفسیر کی تنگ دامنی کی بناء پر قلم مزید عرض ومعروض سے درماندہ ہے۔

شان نزول: .... آیت **ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم**: نضر بن حارث یا ابوجہل وابی ابن خلف وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کی صفات سے اختلاف کرتے تھے اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں اور قرآن کو پچھلوں کی ایک داستان قرار دیتے۔ اسی طرح پر حشر ونشر اور جزاء وسزا کے بھی منکر تھے اور آج کے دور میں تو نہ معلوم کتنے ابوجہل اس آیت کے مصداق قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ جنہیں خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کی حکمت میں بے پناہ شبہات ہیں۔ انہیں لوگوں کے بارے میں ارشاد ہے کہ انہیں نہ تو اس بارے میں کوئی علم ہے اور نہ عقل، بلاوجہ اور بغیر کسی دلیل کے اختلاف کرتے ہیں۔

﴿تشریح﴾: .... **ذکر قیامت:** .... اس سورۃ کی ابتداء میں لوگوں کو قیامت کی یاد دلائی گئی ہے اور اس دن کی گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ کا نقشہ کھینچا ہے۔ جس دن صور پھونکا جائے گا اور قیامت کی ابتداء ہوگی اس دن لوگوں کی ہیبت کا یہ عالم ہوگا کہ دودھ پلانے والی مائیں جنہیں اپنے بچوں سے بے پناہ محبت والفت ہوتی ہے اور جسے وہ کسی بھی حالت میں اپنے سے جدا کرنا

گوارا نہیں کرسکتیں۔ اولاد سے ماں کی محبت کسے نہیں معلوم اور وہ بھی ایک شیر خوار بچہ سے۔ لیکن وہ دن اتنا ہیبت ناک ہوگا کہ یہ مائیں بھی اپنے دودھ پلاتے بچوں کو بھول جائیں گی اور ڈر وخوف کے مارے حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے۔ بچے بوڑھے نظر آنے لگیں گے۔ ہر ایک شخص حیران و پریشان ہوگا۔ لیکن اس طرح نظر آئیں گے جیسے کہ نشہ میں ہوں اور اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے ہوں گے۔ حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے۔ بلکہ اس دن کی ہولنا کی کا ہلکا سا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس دن کی ہیبت بس اتنی ہی ہوگی۔

زلزلة الساعة جس کا ابتدائی آیت میں تذکرہ ہے۔ اس سے مراد وہ زلزلہ ہے جس سے قیامت کی ابتداء ہوگی۔ جس کے متعلق ارشاد ہے اذا زلزلت الارض زلزالها۔ کہ جب زمین ایک زوردار جنبش کے ساتھ ہلا کر رکھ دی جائے گی۔

اسی طرح فرمایا گیا۔ اذا رجت الارض رجاً الخ. جب زمین زور سے ہلنے لگے گی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور بھی بہت سے مواقع پر اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے اور یہ اس وقت ہوگا جب کہ اسرافیل علیہ السلام پہلی مرتبہ صور پھونکیں گے۔ اس دن کا زلزلہ نہایت سخت اور خطرناک ہوگا۔

لیکن بعض بدقسمت وہ بھی ہیں جو موت کے بعد زندگی کے منکر ہیں اور خدا تعالیٰ کو اس پر قادر ہی نہیں سمجھتے۔ یہ شیطان کی گمراہیوں کے شکار ہیں اور حق کو چھوڑ کر باطل کی اطاعت میں لگے ہوئے ہیں۔ ارشاد ہے کہ یہ لوگ جس کی عبادت واطاعت میں لگے ہوئے ہیں وہ انہیں غلط راستے پر ڈال کر عذاب کے مستحق بنا رہے ہیں۔ یا یہ مطلب ہوگا کہ یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ جو کوئی بھی ان کی اطاعت کرے گا وہ جہنم کے مستحق قرار دیئے جائیں گے۔

تخلیق انسانی دلیل حشر ونشر ہے:............ اور پھر انہی منکرین حشر ونشر کے سامنے دلیل بیان کی جاتی ہے کہ اگر تم دوسری زندگی ناممکن سمجھ رہے ہو تو اپنی پیدائش اور اپنی ابتداء پر غور کرو اور اپنی آغاز خلقت کو سوچو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ وہ اس طرح پر کہ جو بھی غذا ہے جس سے کہ خون پیدا ہوتا ہے اور پھر وہی خون منی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کا کسی نہ کسی درجہ میں مٹی سے ضرور تعلق ہے تو اس طرح پر تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور پھر پانی کے قطرے سے۔ جس نے پہلے خون بستہ کی شکل اختیار کی۔ پھر گوشت کا لوتھڑا بنا۔ پھر اس کے بعد ہاتھ، پیر اور دوسرے اعضاء ترتیب دیئے جاتے ہیں اور جب ماں کے پیٹ میں انسان مکمل صورت اختیار کر لیتا ہے تو پھر کبھی تو وہ حمل محفوظ رہتا ہے اور کبھی ساقط ہو جاتا ہے۔

ایک مشہور حدیث میں ہے کہ آنحضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کی پیدائش اس طرح پر ہوتی ہے کہ چالیس دن تک ماں کے پیٹ میں بشکل منی رہتا ہے اور پھر چالیس دن تک خون بستہ کی صورت میں اور پھر چالیس دن تک گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں۔ پھر فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ اس مولود کے بارے میں یہ لکھ دو کہ اسے کتنا رزق ملے گا، عمر کیا ہوگی اور یہ کہ موت کہاں واقع ہوگی۔ نیک ہوگا یا بد اور شقی ہوگا یا سعید۔ پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔

حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ نطفہ کے رحم میں ٹھہرتے ہی فرشتہ پوچھتا ہے کہ اس بچہ کی پیدائش مقدر ہے یا نہیں؟ اگر جواب انکار میں ملتا ہے تو استقرار حمل ہوتا ہی نہیں ہے بلکہ خون کی شکل میں رحم اسے خارج کر دیتا ہے اور اگر پیدائش مقدر ہوتی ہے تو پھر اس سے متعلق دوسری تفصیلات طے کر دی جاتی ہیں اور پھر بچہ کی پیدائش ہوتی ہے۔ نہ عقل ہوتی ہے نہ سمجھ۔ کمزور وناتواں ہوتا ہے۔ پھر اس کی پرورش کے انتظامات کر دیئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جوانی کا زمانہ آجاتا ہے اور صحت مند وتندرست دکھائی دیتا ہے اور کبھی جوانی کے آنے سے پہلے بچپن ہی میں اٹھا لیا جاتا ہے اور بعض بھی ہیں جو جوانی ختم کر کے عمر کے اس مرحلہ میں پہنچ جاتے ہیں کہ عقل وخرد

سب کھو بیٹھتے ہیں اور پھر ان میں بچپن کا ساز مانہ لوٹ آتا ہے۔

تو اس استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی ابتدائے پیدائش پر غور کرنا چاہئے کہ بتدریج اس کو کتنی منزلوں سے گزرنا پڑا اور منزل کس حکیمانہ نظم وانتظام کے ساتھ ترتیب دی گئی ہے۔ پھر عمر کے لحاظ سے بھی ایک خاص ترتیب دکھائی دیتی ہے۔ خدا تعالیٰ اپنی مصلحت کے مطابق کسی کو نوعمری میں ہی اٹھالیتا ہے اور کسی کو جوانی میں داخل کر کے اٹھایا جاتا ہے اور کچھ وہ بھی ہیں جنہیں اس عمر تک زندہ رکھا جاتا ہے کہ ضعف و بے بسی کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ انسان ان تفصیلات پر جتنا غور کرے گا اتنا ہی اس پر یہ واضح ہوگا کہ یہ نظام کسی کامل وقادر ہستی کی مضبوط تدبیر کا نتیجہ ہے۔

خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کی صنعت وحکمت پر دوسری دلیل یہ چٹیل میدان ہیں۔ جس میں سبزی کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔ لیکن بارش ہوتے ہی اس سخت اور بنجر زمین کو سرسبز وشاداب کر دیا۔ جس زمین پر سبزی کا کہیں پتہ نہیں تھا وہاں ہری ہری گھاس اور طرح طرح کے پھول اگ آئے۔ مردہ زمین زندگی کے سانس لینے لگی۔

یہ سارے مشاہدات دلیل ہیں خدا تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور صنعت پر۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ خود مختار ومالک کل ہے۔ وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور ہر انقلاب پر قادر ہے۔ منکرین حشر ونشر کے لئے تنبیہ ہے کہ قیامت بلاشبہ آنے والی ہے اور وہ قادر ومقتدر ہستی مردوں کو زندہ کر کے کھڑا کر دے گی۔

ایک صحابیؓ نے آنحضور ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہم سب کے سب قیامت کے دن خدا تعالیٰ کو دیکھیں گے اور یہ کہ دنیا میں اس کی کوئی مثال ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم سب کے سب چاند کو یکساں طور پر نہیں دیکھتے۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ کو سب یکساں طور پر دیکھیں گے۔ پھر صحابی نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی بھی کوئی مثال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم ان خشک زمینوں کو نہیں دیکھتے ہو جو ویران اور غیر آباد پڑی ہوئی ہیں۔ خاک اڑ رہی ہے۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ وہی غیر آباد زمین ہری بھری اور سرسبز ہو جاتی ہے۔ وہ زمین جو مردہ تھی اس میں زندگی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں تو جو ہستی اس مردہ زمین کو زندہ کر سکتی ہے، کیا وہ مردوں کو دوبارہ زندگی دینے پر قادر نہیں ہو سکتی؟

اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ مردوں کو دوبارہ زندگی بھی دے گا اور حشر ونشر اور جزاء وسزا کا بھی معاملہ ہوگا۔

دلائل قدرت:............ پچھلی آیت میں گمراہ مقلدین کا حال بیان کیا گیا تھا اور اب ان کے مرشدوں اور راہنماؤں کے متعلق ارشاد ہے کہ ان کے راہنماؤں کے پاس نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی دلیل۔ محض اپنی کج فہمی اور غلط روی کی وجہ سے ضلالت وگمراہی پھیلاتے رہتے ہیں۔ تکبر وغرور کی وجہ سے حق کو قبول کرنے کو تیار نہیں۔ جس طرح پر کہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو دیکھنے کے باوجود لاپرواہی کرتا ہے۔ جس کا انجام لوگوں نے دیکھ لیا۔

اسی طرح ان کے لئے دنیا میں بھی ذلت ورسوائی ہے اور آخرت میں بھی شدید ترین عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ یہ نتیجہ ہوگا ان کی سرکشی ونادانی کا اور ان کی بدعملیوں کی سزا ہوگی۔ یہ ان کے اوپر کوئی ظلم نہیں ہوگا بلکہ انہوں نے اپنے آپ کو اسی کا مستحق ٹھہرالیا تھا۔ خدا تعالیٰ کسی کے اوپر ناحق ظلم نہیں کرتے بلکہ مجرمین کو اس کے جرم کے مطابق سزا دیتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ اَیْ شَكٍّ فِیْ عِبَادَتِهٖ شُبِّهَ بِالْحَالِ عَلٰى حَرْفِ جَبَلٍ فِیْ عَدَمِ ثَبَاتِهٖ **فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ** صِحَّةٌ وَّسَلَامَةٌ فِیْ نَفْسِهٖ وَمَالِهٖ **اِطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ** مِحْنَةٌ وَّسُقْمٌ فِیْ نَفْسِهٖ وَمَالِهٖ **اِنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ** اَیْ رَجَعَ اِلَى الْكُفْرِ **خَسِرَ الدُّنْيَا** بِفَوَاتِ مَا اَمَلَهٗ مِنْهَا **وَالْاٰخِرَةَ** بِالْكُفْرِ **ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾** اَلْبَيِّنُ **يَدْعُوْا** يَعْبُدُ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** مِنَ الصَّنَمِ **مَالَا يَضُرُّهٗ** اِنْ لَمْ يَعْبُدْهُ **وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ** اِنْ عَبَدَهٗ **ذٰلِكَ** الدُّعَاءُ **هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾** عَنِ الْحَقِّ **يَدْعُوْا لَمَنْ** اللَّامُ زَائِدَةٌ **ضَرُّهٗۤ** لِعِبَادَتِهٖ **اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ** اِنْ نَفَعَ بِتَخَيُّلِهٖ **لَبِئْسَ الْمَوْلٰى** هُوَ اَیِ النَّاصِرُ **وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾** اَیِ الصَّاحِبُ هُوَ وَعَقِبَ ذِكْرَ الشَّاكِّ بِالْخُسْرَانِ بِذِكْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِالثَّوَابِ فِیْ **اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** مِنَ الْفَرْضِ وَالنَّوَافِلِ **جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾** مِنْ اِكْرَامِ مَنْ يُّطِيْعُهٗ وَاِهَانَةِ مَنْ يَّعْصِيْهِ **مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ** اَیْ مُحَمَّدًا نَبِيَّهٗ **فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ** بِحَبْلٍ **اِلَى السَّمَآءِ** اَیْ سَقْفِ بَيْتِهٖ يَشُدُّ فِيْهِ وَفِیْ عُنُقِهٖ **ثُمَّ لْيَقْطَعْ** اَیْ لِيَخْتَنِقْ بِهٖ بِاَنْ يَّقْطَعَ نَفْسَهٗ مِنَ الْاَرْضِ كَمَا فِی الصِّحَاحِ **فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ** فِیْ عَدَمِ نُصْرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾** مِنْهَا اَلْمَعْنٰى فَلْيَخْتَنِقْ غَيْظًا مِنْهَا فَلَا بُدَّ مِنْهَا **وَكَذٰلِكَ** اَیْ مِثْلِ اِنْزَالِنَا الْاٰيٰتِ السَّابِقَةِ **اَنْزَلْنٰهُ** اَیِ الْقُرْاٰنَ الْبَاقِیْ **اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ** ظَاهِرَاتٍ حَالٌ **وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِیْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾** هِدَاهُ مَعْطُوْفٌ عَلٰى هَاءِ اَنْزَلْنَاهُ **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا** وَهُمُ الْيَهُوْدُ **وَالصّٰبِئِيْنَ** طَائِفَةٌ مِنْهُمْ **وَالنَّصٰرٰی وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ** بِاِدْخَالِ الْمُؤْمِنِيْنَ الْجَنَّةَ وَغَيْرَهُمُ النَّارَ **اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ** مِنْ عَمَلِهِمْ **شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾** عَالِمٌ بِهٖ عِلْمَ مُشَاهَدَةٍ **اَلَمْ تَرَ** تَعْلَمْ **اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ** اَیْ يَخْضَعُ لَهٗ بِمَا يُرَادُ مِنْهُ **وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ** وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِزِيَادَةٍ عَلَى الْخُضُوْعِ فِیْ سُجُوْدِ الصَّلَاةِ **وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ** وَهُمُ الْكَافِرُوْنَ لِاَنَّهُمْ اَبَوُا السُّجُوْدَ الْمُتَوَقِّفَ عَلَى الْاِيْمَانِ **وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ** يُشْقِهٖ **فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ** مُسْعِدٍ **اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۱۸﴾** مِنَ الْاِهَانَةِ وَالْاِكْرَامِ **هٰذٰنِ خَصْمٰنِ** اَیِ الْمُؤْمِنُوْنَ خَصْمٌ وَالْكُفَّارُ الْخَمْسَةُ خَصْمٌ وَهُوَ يُطْلَقُ عَلَى الْوَاحِدِ وَالْجَمَاعَةِ **اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ** اَیْ فِیْ دِيْنِهٖ **فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ** يَلْبَسُوْنَهَا يَعْنِیْ اُحِيْطَتْ بِهِمُ النَّارُ **يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾** اَلْمَاءُ الْبَالِغُ نِهَايَةَ

الْحَرَارَةِ **يُصْهَرُ بِهٖ** يُذَابُ **مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ** مِنْ شُحُوْمٍ وَغَيْرِهَا **وَ**تَشْوِيْ بِهٖ **الْجُلُوْدُ** ﴿۲۰﴾ **وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ** ﴿۲۱﴾ لِضَرْبِ رُءُ وْسِهِمْ **كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا** اَيِ النَّارِ **مِنْ غَمٍّ** يَلْحَقُهُمْ بِهَا **اُعِيْدُوْا فِيْهَا** رُدُّوْا اِلَيْهَا بِالْمَقَامِعِ وَ قِيْلَ لَهُمْ **ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ** ﴿۲۲﴾ اَيِ الْبَالِغِ نِهَايَةَ الْاِحْرَاقِ ﴿۱۲﴾ وَقَالَ فِي الْمُؤْمِنِيْنَ

ترجمہ:............اور بعض آدمی اس طرح پر عبادت کرتا ہے کہ جیسے کنارے پر کھڑا ہو (مطلب یہ ہے کہ خدا کی عبادت پر جماؤ اور ٹھہراؤ نہیں ہے بلکہ تزلزل اور عدم ثبات کی کیفیت میں مبتلا ہے) اگر اسے کوئی (دنیوی) نفع پہنچ گیا تو وہ اس پر جمار ہا اور اگر اس پر کوئی (جانی یا مالی) آزمائش آپڑی تو وہ منہ اٹھا کر واپس چل دیا (اور کفر کی جانب لوٹ جاتا ہے اس طرح پر) دنیا وآخرت دونوں کو کھو بیٹھا ہے۔ یہی انتہائی محرومی ہے۔ وہ اللہ کو چھوڑ کر ایسے (بتوں وغیرہ) کی عبادت کرنے لگا ہے جو ایسے (عبادت کرنے اور نہ کرنے پر) نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع پہنچا سکتا ہے۔ یہی تو ہے انتہائی گمراہی۔ وہ ایسے کی عبادت کررہا ہے کہ اس (کی عبادت) کا ضرر بہ نسبت اس کے (موہوم) نفع کے زیادہ قریب ہے۔ کیا ہی برا ہے ایسا کارساز اور کیا ہی برا ہے (ایسا) رفیق (ان شک کرنے والوں کے نقصان کو بیان کرنے کے بعد فوراً ہی مومنین کے اجر وثواب کا تذکرہ ہے کہ) بے شک اللہ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے (فرائض ونوافل وغیرہ کا اہتمام رکھا) انہیں ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے جن کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہوں گی۔ بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ ارادہ کرلیتا ہے اسے کرڈالتا ہے (مثلاً اپنے فرمانبردار لوگوں کی تعظیم وتکریم اور نافرمان وسرکشوں کی اہانت ورسوائی) جو شخص یہ خیال رکھتا ہے کہ اللہ اپنے رسول کی مدد دنیا اور آخرت میں نہ کرے گا تو اسے چاہئے کہ ایک رسی آسمان تک تان لے۔ پھر سلسلہ وحی کو کاٹ دے۔ (دوسری تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ اپنے رسول کی مدد نہیں کریگا اسے چاہئے کہ ایک رسی اپنی چھت سے لٹکائے اور اس میں پھندا ڈال کر شدید غصہ میں خودکشی کرلے۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی امداد نہیں کرے گا) تو غور کرنا چاہئے کہ آیا اس کی تدبیر اس کی ناگواری کی چیز کو موقوف کراسکتی ہے؟ (مطلب یہ ہے کہ انہیں یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ لیکن خدا اپنی رسول کی ضرور مدد کرے گا) اسی طرح (جس طرح ہم نے یہ آیات نازل کیں۔ باقی قرآن کو بھی) ہم نے کھلی ہوئی نشانیاں بنا کر اتارا۔ اور بات یہ ہے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کر ہی دیتا ہے۔ (یهدی کا عطف انزلناہ کی ھاء پر ہے کہ جس طرح ہم نے قرآن نازل کیا، اسی طرح پر ہدایت بھی اتاری) بے شک ایمان والے اور جو لوگ یہود ہوئے ہیں اور صابی (یہ یہودیوں ہی میں کا ایک فرقہ ہے) اور نصاریٰ اور مجوس اور جو مشرک ہیں۔ اللہ ان سب کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کردے گا (مومنین کو جنت اور غیر مومنین کو جہنم میں داخل کرکے) بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہے (اور یہ جو کچھ کرتے ہیں، اس سے بھی خبردار ہے) کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں (اپنی اپنی حالت کے مناسب) جو کوئی بھی آسمان اور زمین میں ہے اور سورج اور چاند ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے او رکثرت سے انسان بھی (اور وہ مومنین ہیں جو خشوع وخضوع کے ساتھ نماز میں سجدہ کرتے ہیں) اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہوگیا ہے۔ (یعنی کفار جنہوں نے سجدہ سے انکار کردیا) اور جس کو اللہ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں ہے۔ بے شک اللہ کو اختیار ہے جو چاہے کرے (جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت دے) یہ دو فریق ہیں (ایک فریق مومنین اور دوسرے یہ پانچوں قسم کے کفار، ان پانچوں کو ایک ہی جماعت شمار کیا گیا ہے) جنہوں نے اپنے پروردگار کے باب میں (یعنی اس کے دین میں) اختلاف کیا۔ سو جو لوگ کافر ہیں، ان کے لئے (قیامت کے دن) آگ کے کپڑے قطع کئے جائیں گے۔ ان کے سروں کے اوپر سے

نہایت گرم پانی چھوڑا جائے گا۔ اس سے گل جائیں گے ان کے پیٹ کی چیزیں اور (جل جائیں گی) کھالیں اور ان کے (مارنے کے) لئے لوہے کے گرز ہوں گے۔ وہ لوگ جب کبھی گھٹے گھٹے اس (جہنم) سے باہر نکلنا چاہیں گے (تو گرز سے مار مار کر وہ) اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے اور (ان سے کہا جائے گا) چکھتے رہو جلنے کا عذاب (یعنی بری طرح جلنا ہوگا اور مومنین کے بارے میں فرمایا)

تحقیق وترکیب:............ **من یعبدالله علی حرف: علی حرف** حال واقع ہے **یعبد** کے فاعل سے۔ یعنی اسلام اس نے قبول تو کرلیا ہے لیکن بے دلی کے ساتھ۔ آیت میں استعارہ تمثیلیہ ہے اور منافق کو اس شخص سے مشابہت دی گئی ہے جیسے کوئی شخص کسی چیز کے کنارے کھڑا ہو اور موقع پاتے ہی اسے چھوڑ کر بھاگ پڑے۔ گویا ایمان کے اوپر جماؤ واستقرار نہیں ہے۔ بلکہ بے یقینی اور بددلی کی کیفیت میں مبتلا ہے۔

لمن ضره. میں لام زائدہ ہے اور **من** **یدعوا** کا مفعول ہے۔ **ضره** مبتداء اور **اقرب** اس کی خبر اور پورا جملہ مل کر **من** کا صلہ واقع ہے۔ یہاں ایک اشکال ہوسکتا ہے کہ اس سے پہلی آیت میں غیر اللہ کی پرستش سے نفع ونقصان کی نفی کی گئی تھی اور اس آیت سے نفع و نقصان ثابت ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نفی باعتبار نفس الامر کے ہے کہ حقیقۃً اس میں نفع ونقصان بالکل نہیں ہے اور اثبات اس کے گمان باطل کے اعتبار سے ہے۔

مایغیظ. ناگواری کی چیز مراد نصرت الٰہی ہے۔

ینصره. میں ضمیر رسول کی جانب راجع ہے۔

لیقطع. کا مفعول مقدر ہے اور وہ ''وحی'' ہے کہ ان کی ناگواری کی وجہ سے نصرت الٰہی منقطع نہیں ہوسکتا ہے۔ اگر وہ اس نصرت کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو اس سلسلہ وحی کو کس طرح منقطع کردیں۔ لیکن صاحب جلالینؒ کی تشریح کے مطابق مطلب یہ ہوگا کہ اس نصرت الٰہی سے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے چھت سے رسی لٹکا کر اور اس میں پھندہ ڈال کر خودکشی کرلیں اور اس دنیا سے اپنا تعلق ختم کرلیں۔ اس صورت میں سما سے مراد چھت ہوگی اور عربی میں اپنے سے ہر اوپر والی چیز کو سماء کہتے ہیں۔ لہٰذا سماء سے بھی چھت کے معنی لئے جاسکتے ہیں۔

کیده سے صاحب جلالین کی تشریح کے مطابق گلے کا گھونٹ لینا مراد ہے جو نبی کریم ﷺ کی نصرت کو روکنے کے لئے ہوگا۔

والصابئین. یہ یہودیوں کا ایک گروہ ہے اور سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ یہ فرقہ نصاریٰ میں سے ہے۔

والمجوس. یہ آگ کے پجاری ہیں اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ سورج کی پرستش کرنے والے ہیں اور ایک تحقیق یہ بھی ہے کہ یہ نجاست کا استعمال کرتے ہیں اور اصل ان کی نجوس ہے۔ نون کو میم سے بدل کر مجوس استعمال ہونے لگا۔ اور یہ تحقیق بھی ہے کہ یہ دو خدا کو ماننے والے ہیں۔ ان کے عقیدہ کے اعتبار سے ایک خدائے نور ہے جو خیر کا خدا ہے اور دوسرا خدائے ظلمت ہے جو شر کا خدا ہے۔ پہلے خدا کا نام یزداں اور دوسرے خدا کا نام اہرمن ہے۔

یصب. یہ جملہ مستانفہ ہے اور **یصهر به** جملہ حالیہ ہے **حمیم** سے۔ اور **صهر** کے معنی پگھلنا ہے۔

جلود. میں دو امکان ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کا عطف **ما** موصولہ پر ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ جسم کے اوپر کا حصہ یعنی چہرہ اور اندر کا حصہ یعنی آنتیں وغیرہ سب گل جائیں گی اور دوسری صورت یہ ہے کہ یہ مرفوع ہے۔ فعل مقدر **تخرق** کی وجہ سے۔

شان نزول:............ جب منافقین مدینہ میں آئے اور ایمان کے بعد اگر ان کو جانی و مالی فائدہ پہنچتا تو کہتے کہ یہ دین بہت اچھا ہے اور اس میں ہر طرح کی خیر ہے۔ لیکن اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچتی اور جانی و مالی نقصان ہوتا تو کہتے کہ یہ سب نقصان اس دین کو اختیار کرنے کی وجہ سے ہوا اور اسی وقت دین کو چھوڑ دیتے جس پر یہ آیت ومن الناس من یعبداللّٰہ علی حرف الخ نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:............ اور یہ منافقین:............ منافقین کے متعلق ارشاد ہے کہ ان کے نزدیک مذہب کی صداقت و حقانیت کی کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی۔ انہیں تو دنیوی منافع چاہئیں۔ اگر مسلمان رہنے میں کچھ دنیوی فائدے ہوں تو ٹھیک ہے۔ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے رہیں گے اور اگر کچھ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تو اس دین سے بیزاری ظاہر کرنے لگتے ہیں۔ آج مسلمانوں میں بھی یہ مرض عام ہوتا جا رہا ہے کہ اسلام کی قدر بس منافع دنیوی کے لحاظ سے کی جا رہی ہے۔

بخاری شریف میں ہے کہ بعض لوگ ہجرت کر کے مدینہ پہنچتے تھے۔ اب اگر اولاد ہوئی اور مال و دولت میں برکت ہوئی تو کہتے کہ یہ دین بڑا اچھا ہے اور اگر کچھ نقصان ہو جاتا تو کہتے کہ یہ نہایت برا ہے۔

یہ بھی روایت ہے کہ لوگ آپ کے پاس آتے اور اسلام قبول کر کے اپنے گھروں کو واپس جاتے اور وہاں بارش پاتے۔ گھر بار میں برکت دیکھتے تو مطمئن ہوتے اور کہتے کہ بڑا اچھا دین ہے۔ اور اگر اس کے خلاف پاتے تو کہتے کہ اس دین میں تو نقصان ہی نقصان ہے۔ غرض یہ کہ اگر دنیا مل جاتی تو خوش ہوتے اور کسی امتحان میں مبتلا ہو جاتے تو فوراً مرتد ہو جاتے۔ یہ ان کی بدنصیبی ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں کو برباد کر لیتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا بربادی ہوگی کہ توحید و خدا پرستی کو چھوڑ کر بت پرستی میں لگ گئے اور دوسری مخلوقات کو اپنا معبود بنالیا۔ جن کے پاس یہ اپنی ضرورتیں لے کر جاتے اور جسے یہ اپنا رزق رساں اور مشکل کشا سمجھتے۔ ان کا حال یہ ہے کہ نہ وہ نفع پہنچانے پر قادر اور نہ کسی طرح کے نقصان کی قدرت رکھتے ہیں بلکہ وہ تو خود عاجز اور ضرورت مند ہیں۔ یہ انہیں نہ دنیا میں نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں اور آخرت میں تو سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے؟ یہ معبود تو نہایت برے ولی اور نہایت برے ساتھی ہوں گے۔ نہ یہ بڑے ہونے کے اعتبار سے کچھ کام آئیں گے اور نہ رفیق و ساتھی ہونے کی حیثیت سے کچھ نفع پہنچا سکیں گے۔

ان کے بالمقابل دوسرا گروہ مومنین کا ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا ہی قادر مطلق ہے۔ وہی سب پر غالب اور نفع و نقصان سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ خدا پر ایمان لائے اور اسی کے ساتھ اعمال صالحہ بھی کئے۔ انہیں بہترین بدلہ ملے گا اور قیام کے لئے عالیشان محلات ہوں گے۔ جنہیں یہ کفار اور منافقین حسرت بھری نظروں سے دیکھیں گے۔

نصرت الٰہی:............ انہی مشرکین کو خطاب ہے کہ ان کا یہ خیال کتنا غلط ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے نبی کی مدد نہ دنیا میں کرے گا اور نہ آخرت میں۔ یہ چاہیں اس غم میں مر جائیں اور اپنے آپ کو ہلاک کر لیں۔ ان کا یہ خیال غلط ثابت ہوگا۔ یقیناً خدا کی نصرت اور مدد رسول کے شامل حال رہے گی۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی مدد ضرور آئے گی۔ البتہ اگر ان کے بس میں ہو تو رسی لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے آنے والی مدد کا سلسلہ منقطع کر دیں۔ لیکن پہلے معنی زیادہ واضح ہیں۔

یہ قرآن جو نازل کیا گیا۔ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے حجت ہے بندوں کے لئے۔ لیکن ہدایت و گمراہی خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اس پر کوئی جبر نہیں ہے۔ وہ خود مختار ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا ہر کام انصاف اور عدالت پر مبنی ہوتا ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ ان مختلف مذاہب کے ماننے والوں کا عملی فیصلہ قیامت کے دن کر دیا جائے گا۔ مومنین جنت میں داخل کئے

جائیں گے اور مشرکین جہنم کے مستحق ہوں گے۔ تفصیل سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

مجوس اپنے آپ کو زرتشت نامی نبی کے امتی قرار دیتے ہیں۔ لیکن عملاً یہ بھی توحید کے منکر ہیں۔ کیونکہ انہوں نے بھی دو خدا تسلیم کر رکھے ہیں۔ ایک بھلائی کا خدا جس کا نام یزداں ہے اور دوسرا برائی کا جس کا نام اہرمن ہے۔ ویسے فقہاء نے انہیں بھی اہل کتاب کے حکم میں رکھا ہے۔

صرف ایک:............ پرستش اور عبادت کے لائق صرف خدا تعالیٰ ہی ہیں۔ ان کے سامنے ہر ایک کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں۔

آسمان اور زمین کی ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔ فرشتے ہوں یا انسان، جنات ہوں یا حیوان، چرند پرند سب کے سب اس کے سامنے سربسجود ہیں اور حمد و تسبیح میں مصروف ہیں۔ سورج، چاند ستارے بھی سجدہ میں گرے ہوئے ہیں۔

سجدہ کے لفظی معنی مراد ہیں۔ یعنی انقیاد و اطاعت کے گویا کہ یہ ساری مخلوق خدا کی مطیع و منقاد ہے۔ اسی کی اطاعت میں لگی ہوئی ہے یا یہ کہ اپنے اپنے اعتبار سے سجدہ میں گرے ہوئے ہیں۔ یہاں چاند، ستارے، سورج کا تذکرہ علیحدہ اس وجہ سے کیا کہ بعض لوگ اس کی پرستش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ خود خدا کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ تو پرستش تو اسی کی کرنا چاہئے جو سب کا خالق ہے۔

آنحضور ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو یہ سورج غروب ہونے کے بعد کہاں جاتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ عرش کے نیچے جا کر خدا کو سجدہ کرتا ہے۔ پھر طلوع ہونے کی اجازت چاہتا ہے اور وقت آ رہا ہے کہ اس سے کہا جائے گا کہ جہاں سے آیا ہے وہیں واپس چلا جا۔ خدا تعالیٰ ہی قادر مطلق ہے، وہ جسے چاہے اپنی قدرت سے ہدایت دے دے اور جسے چاہے اس کی توفیق نہ دے۔

بہرحال خدا تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔ مارنا، جلانا، صحت و تندرستی، بیماری و شفا، عزت و ذلت سب کچھ اسی کے قبضہ میں ہے اور ساری مخلوق اسی کی محتاج ہے۔ جسے وہ ذلت دیدے، اسے کون عزت دے سکتا ہے۔

دو حریف:............ هٰذان خصمان سے مراد مسلمان اور اہل کتاب ہیں۔ اہل کتاب کہتے تھے کہ ہم خدا تعالیٰ سے بہ نسبت تمہارے زیادہ قریب ہیں۔ کیونکہ ہمارا نبی اور ہماری کتاب تم سے پہلے ہے اور مسلمان جواب میں کہتے کہ ہمارے نبی خاتم الانبیاء ہیں۔ اس لئے ہم تم سے بہتر ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مومن کی مثال بیان کی گئی ہے اور حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ جنت و دوزخ کا معاملہ ہے۔ دوزخ کی خواہش تھی کہ مجھے سزا کی چیز بنا اور جنت کی آرزو تھی کہ مجھے رحمت بنا۔ لیکن حضرت مجاہدؒ کا قول زیادہ صحیح ہے۔ مومن خدا کے دین کا غلبہ چاہتے تھے اور کفار حق کو مغلوب کرنے اور باطل کو ابھارنے کی فکر میں تھے۔

تو ان کی سزا تجویز کی گئی کہ انہیں آگ کا لباس پہنایا جائے گا اور گرم گرم پانی ان کی سروں پر ڈالا جائے گا۔ جس کی وجہ سے ان کی کھال جھلس جائے گی۔ حد تو یہ ہے کہ آنتیں اور پیٹ کے اندر کی چربی بھی پگھل جائے گی۔

ایک حدیث میں ہے کہ آگ جیسے گرم پانی سے ان کی آنتیں پیٹ سے نکل کر پیروں پر گر پڑیں گی۔ پھر جس حالت میں تھے اسی حالت پر لوٹ جائیں گے۔ پھر یہی ہوگا۔

حضرت زیدؒ فرماتے ہیں کہ یہ جہنم میں سانس بھی نہیں لے سکیں گے اور جب کبھی گھبرا کر اس جہنم سے نکلنا چاہیں گے تو نکلنا بھی ممکن نہ ہوگا۔ پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوں گی اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں۔ آگ کے شعلے انہیں کبھی کبھی اتنا اوپر پھینک دیں گے کہ جیسے

باہر نکل جائیں گے۔ لیکن فرشتوں کے گرز مارنے کی وجہ سے وہ پھر تہہ میں پہنچ جائیں گے۔ کہا جائے گا کہ اب اس آگ کا مزہ چکھو جسے آج تک تم اپنے اقوال سے اور افعال سے جھٹلاتے تھے۔

آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ان ہتھوڑوں کو جن سے ان جہنمیوں کی پٹائی ہوگی اگر زمین پر لاکر رکھ دیا جائے تو تمام انسان اور جنات بھی مل کر اسے اٹھا نہیں سکتے۔ اسی طرح اگر کسی پہاڑ پر مار دیا جائے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا بِالْجَرِّ اَیْ مِنْهُمَا بِاَنْ يُرَصَّعَ اللُّؤْلُؤُ بِالذَّهَبِ وَبِالنَّصْبِ عَطْفٌ عَلٰى مَحَلِّ مِنْ اَسَاوِرَ **وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾** هُوَ الْمُحَرَّمُ لُبْسُهٗ عَلَى الرِّجَالِ فِي الدُّنْيَا **وَهُدُوْٓا** فِي الدُّنْيَا **اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ** وَهُوَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ **وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾** اَیْ طَرِيْقِ اللّٰهِ الْمَحْمُوْدِ وَدِيْنِهٖ **اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** طَاعَتِهٖ وَ عَنِ **الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ** مَنْسِكًا وَّمُتَعَبَّدًا **لِلنَّاسِ سَوَآءَ** نِ **الْعَاكِفُ** الْمُقِيْمُ **فِيْهِ وَالْبَادِ** الطَّارِيْ **وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ** اَلْبَاءُ زَائِدَةٌ **بِظُلْمٍ** اَیْ بِسَبَبِهٖ بِاَنْ اِرْتَكَبَ مَنْهِيًّا وَلَوْ شَتْمَ الْخَادِمِ **نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾** مُؤْلِمٍ اَیْ بَعْضَهٗ وَمِنْ هٰذَا يُؤْخَذُ خَبَرُ اِنَّ اَیْ نُذِيْقُهُمْ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ وَ اذْكُرْ **اِذْ بَوَّاْنَا** بَيَّنَّا **لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ** لِيَبْنِيَهٗ وَكَانَ قَدْ رُفِعَ زَمَنَ الطُّوْفَانِ وَاَمَرْنَاهُ **اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ** مِنَ الْاَوْثَانِ **لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ** الْمُقِيْمِيْنَ بِهٖ **وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾** جَمْعُ رَاكِعٍ وَسَاجِدٍ اَیِ الْمُصَلِّيْنَ **وَاَذِّنْ** نَادِ **فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ** فَنَادٰى عَلٰى جَبَلِ اَبِيْ قُبَيْسٍ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّكُمْ بَنٰى بَيْتًا وَاَوْجَبَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ اِلَيْهِ فَاَجِيْبُوْا رَبَّكُمْ وَالْتَفَتَ بِوَجْهِهٖ يَمِيْنًا وَشِمَالًا وَشَرْقًا وَغَرْبًا فَاَجَابَهٗ كُلُّ مَنْ كُتِبَ لَهٗ اَنْ يَّحُجَّ مِنْ اَصْلَابِ الرِّجَالِ وَاَرْحَامِ الْاُمَّهَاتِ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ وَجَوَابُ الْاَمْرِ **يَاْتُوْكَ رِجَالًا** مُشَاةً جَمْعُ رَاجِلٍ كَقَائِمٍ وَقِيَامٍ **وَّ** رُكْبَانًا **عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ** اَیْ بَعِيْرٍ مَهْزُوْلٍ وَهُوَ يُطْلَقُ عَلَى الذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى **يَّاْتِيْنَ** اَیِ الضَّوَامِرُ حَمْلًا عَلَى الْمَعْنٰى **مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾** طَرِيْقٍ بَعِيْدٍ **لِّيَشْهَدُوْا** اَیْ يَحْضُرُوْا **مَنَافِعَ لَهُمْ** فِي الدُّنْيَا بِالتِّجَارَةِ اَوْ فِي الْاٰخِرَةِ اَوْ فِيْهِمَا اَقْوَالٌ **وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ** اَیْ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ اَوْ يَوْمِ عَرَفَةَ اَوْ يَوْمِ النَّحْرِ اِلٰى اٰخِرِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ اَقْوَالٌ **عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ** اَلْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ الَّتِيْ تُنْحَرُ فِيْ يَوْمِ الْعِيْدِ وَمَا بَعْدَهٗ مِنَ الْهَدَايَا وَالضَّحَايَا **فَكُلُوْا مِنْهَا** اِذَا كَانَتْ مُسْتَحَبَّةً **وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾** اَیِ الشَّدِيْدَ الْفَقْرِ **ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ** اَیْ يُزِيْلُوْا اَوْسَاخَهُمْ وَشَعْثَهُمْ كَطُوْلِ الظُّفْرِ **وَلْيُوْفُوْا**

بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **نُذُوْرَهُمْ** مِنَ الْهَدَايَا وَالضَّحَايَا **وَلْيَطَّوَّفُوْا** طَوَافَ الْإِفَاضَةِ **بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾** اَيِ الْقَدِيْمِ لِاَنَّهٗ اَوَّلُ بَيْتٍ وُضِعَ **ذٰلِكَ** خَبَرُ مُبْتَدَاءٍ مُقَدَّرٍ اَيِ الْاَمْرُ اَوِ الشَّاْنُ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرُ **وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ** هِيَ مَالَا يَحِلُّ اِنْتِهَاكُهٗ **فَهُوَ** اَيْ تَعْظِيْمُهَا **خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ** فِي الْاٰخِرَةِ **وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ** اَكْلًا بَعْدَ الذَّبْحِ **اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ** تَحْرِيْمُهٗ فِي حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ الْاٰيَةَ فَالْاِسْتِثْنَاءُ مُنْقَطِعٌ وَيَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ مُتَّصِلًا وَالتَّحْرِيْمُ لِمَا عَرَضَ مِنَ الْمَوْتِ وَنَحْوِهٖ **فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ** مِنْ لِلْبَيَانِ اَيِ الَّذِيْ هُوَ الْاَوْثَانُ **وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾** اَيِ الشِّرْكِ فِي تَلْبِيَتِهِمْ اَوْ شَهَادَةِ الزُّوْرِ **حُنَفَآءَ لِلّٰهِ** مُسْلِمِيْنَ عَادِلِيْنَ عَنْ كُلِّ سِوٰى دِيْنِهٖ **غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ** تَاكِيْدٌ لِمَا قَبْلَهٗ وَهُمَا حَالَانِ مِنَ الْوَاوِ **وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ** سَقَطَ **مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ** اَيْ تَاخُذُهٗ بِسُرْعَةٍ **اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ** اَيْ تُسْقِطُهٗ **فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾** بَعِيْدٍ اَيْ فَهُوَ لَا يُرْجٰى خَلَاصُهٗ **ذٰلِكَ** يُقَدَّرُ قَبْلَهُ الْاَمْرُ مُبْتَدَاءً **وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا** اَيْ فَاِنَّ تَعْظِيْمَهَا وَهِيَ الْبُدْنُ الَّتِيْ تُهْدٰى لِلْحَرَمِ بِاَنْ تُسْتَحْسَنَ وَتُسْتَسْمَنَ **مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾** مِنْهُمْ وَسُمِّيَتْ شَعَآئِرَ لِاِشْعَارِهَا بِمَا يُعْرَفُ بِهٖ اَنَّهَا هَدْيٌ كَطَعْنِ حَدِيْدَةٍ بِسَنَامِهَا **لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ** كَرُكُوْبِهَا وَالْحَمْلِ عَلَيْهَا مَالَا يَضُرُّهَا **اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى** وَقْتَ نَحْرِهَا **ثُمَّ مَحِلُّهَآ** اَيْ مَكَانُ حِلِّ نَحْرِهَا **اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾** اَيْ عِنْدَهٗ وَالْمُرَادُ الْحَرَمُ جَمِيْعُهٗ

ترجمہ:.........بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی اور وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے (اگر لولو کو ذھب پر عطف کر کے کسرہ پڑھا جائے جو کہ جمہور کی قرأت ہے تو معنی ہوں گے کہ وہ کنگن سونے کے ہوں گے اور موتیوں سے مزین ہوں گے) اور وہاں ان کی پوشاک ریشم کی ہوگی (جو کہ دنیا میں مردوں کے لئے حرام ہے) اور ان کو ہدایت کی گئی تھی (دنیا میں) کلمہ طیبہ کی اور ان کو ہدایت ہوگئی تھی لائق حمد (خدا کے) راستہ کی۔ بے شک جو لوگ کافر ہیں اور لوگوں کو روکتے ہیں اللہ کی راہ سے (اور منع کرتے ہیں اس کی اطاعت سے) اور مسجد حرام سے جس کو ہم نے مقرر کیا ہے لوگوں کے واسطے (بحیثیت عبادت خانہ کے) اس میں رہنے والے اور باہر سے آنے والے سب برابر ہیں اور جو کوئی بھی اس کے اندر کسی بے دینی کا ارادہ ظلم سے کرے گا (اور ممنوعات کا ارتکاب کرے گا) ہم اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ (نذقة ان الذین کفروا میں جوان ہے اس کا خبر واقع ہو رہا ہے) اور (وہ وقت یاد دلائیے) جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو خانہ کعبہ کی جگہ بتلا دی) تا کہ اسی بنیاد پر دوبارہ تعمیر کھڑی کر سکیں جسے طوفان کی وجہ سے اٹھالیا گیا تھا۔ اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو پاک رکھنا (بتوں سے) طواف کرنے والوں اور قیام ورکوع وسجود کرنے والوں کے لئے۔ اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔ اس حکم کے بعد حضرت ابراہیم جبل ابی قبیس پر تشریف لے گئے اور اعلان فرمایا کہ اے لوگو! خدا تعالیٰ نے ایک مکان کی تعمیر کی ہے اور ادائیگی حج کے لئے تم لوگوں کا پہنچنا ضروری قرار دیا ہے۔ للہذا تم لوگ اس حکم کی تعمیل کرو۔ آپ نے

چہار جانب رخ کر کے یہ اعلان کیا کہ جس پر پشت آباء میں موجود ان نطفوں نے جن کی تقدیر میں حج تھا لبیک کہی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو اعلان کا حکم ہوا تھا آنے والی آیت اس کا جواب ہے) کہ لوگ تمہارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی (رجالا جمع ہے راجل کی۔ جس کے معنی پیدل چلنے کے ہیں اور ضامر کے معنی کمزور اور دبلے پتلے اونٹ مذکر ہوں یا مؤنث) تاکہ اپنے (دنیوی و دینی) فوائد کے لئے آموجود ہوں اور تاکہ ایام مقررہ (یعنی ایام قربانی) میں ان مخصوص چوپایوں پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کئے ہیں (اونٹ، گائے یا بکرا وغیرہ) سو ان قربانی کے جانوروں میں سے تم بھی کھاؤ (یہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے) اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ۔

پھر لوگوں کو چاہئے کہ اپنے میل کچیل دور کریں (اور بال ترشوالیں اور ناخن وغیرہ چھوٹے کرالیں) اور اپنے واجبات کو پورا کریں (مثلاً قربانی وغیرہ) اور چاہئے کہ اس قدیم گھر کا طواف کریں۔ یہ بات تو ہو چکی (ذلک خبر ہے مبتداء محذوف کی تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ الامر ذلک المذکور) اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے محترم احکام کا ادب کرے گا (جن احکام کی بے حرمتی جائز نہیں تو ان کا یہ ادب کا معاملہ) اس کے حق میں اس کے پروردگار کے نزدیک بہتر ہوگا۔ (آخرت میں) اور اللہ تعالیٰ نے حلال کر دیئے تمہارے لئے چوپائے، بجز ان کے جو تم کو پڑھ کر سنا دیئے گئے (جس کی حرمت آیت حرمت علیکم المیتۃ الخ میں بیان کی جا چکی ہے۔ اس صورت میں استثناء منقطع ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ استثناء متصل ہو۔ اور الا ما یتلیٰ کا تعلق اسی آیت احلت لکم الا نعام سے ہو۔ اس صورت میں وہ حرمت مراد ہوگی جو جانوروں کی طبعی موت وغیرہ کی وجہ سے ہو) تم لوگ گندگی سے یعنی بتوں سے کنارہ کش رہو۔ (من بیان کے لئے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ گندگی جن سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے وہ بت ہیں) اور بچے رہو جھوٹی بات سے (یعنی شرک وغیرہ سے اور اسی طرح جھوٹی گواہی سے) جھکے رہو اللہ کی طرف (مطلب یہ ہے کہ دین اسلام پر جمے رہو جو عقل وانصاف کا تقاضہ ہے) اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ (یہ مضمون سابق کی تاکید ہے۔ اور یہ دونوں یعنی حنفاء ملته اور غیر مشرکین یہ حال واقع ہو رہا ہے اجتنبوا کے واو سے) اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے۔ تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا۔ پھر پرندوں نے اسے نوچ ڈالا یا اس کو ہوا نے کسی دور دراز جگہ پر جا پھینکا (اور اس کے چھٹکارے کی صورت باقی نہیں رہی) یہ بات ہو چکی (ذلک سے پہلے الامر مقدر ہے) جو شخص دین خداوندی کے ان یادگاروں کا لحاظ رکھے گا (اور قربانی کے جانوروں کی دیکھ بھال کرے گا) تو یہ دلوں کی پرہیز گاری سے تعلق رکھتا ہے (قربانی کے جانوروں کو شعائر اس وجہ سے کہا گیا۔ کہ یہ دیکھ کر پہچان لئے جاتے ہیں۔ کہ یہ قربانی کے جانور ہیں۔ کیونکہ نیزہ سے خون نکال کر ان کے کوہان پر لگا دیا جاتا ہے جو علامت ہوتی ہے اس بات کی کہ یہ قربانی کے لئے ہیں) تمہارے لئے ان سے فوائد حاصل کرنا جائز نہیں۔ ایک معین مدت تک (یعنی قربانی سے پہلے پہلے ان پر سواری اور بار برداری کرنا جائز ہے۔ مگر اسے کوئی نقصان نہ پہنچے) پھر اس کے ذبح کا موقعہ بیت عتیق کے قریب ہے (یعنی ذبح کی جگہ حدود حرم کے اندر ہے۔)

تحقیق وترکیب:............ان اللّٰہ یدخل الذین اٰمنوا اوپر کہا گیا تھا۔ فالذین کفروا۔ یہاں اس پر عطف کر کے صرف والذین اٰمنوا نہیں کہا گیا۔ بلکہ انداز بیان بدل کر مستقل مؤمنین کا تذکرہ آیا۔ اس سے مؤمنین کی رفعت شان اور تعظیم مقصود ہے۔

الطیب طیب ہر پاکیزہ نافع چیز کو کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اس جگہ مراد کلمہ طیبہ ہے۔ اور بعض نے قرآن مراد لیا ہے۔

ویصدون میں تین صورتیں بیان کی گئی ہیں، ایک تو یہ کہ اس کا عطف ماقبل پر ہے۔ عطف کرنے کی صورت میں تین تاویلات کی گئی ہیں۔ کیونکہ معطوف علیہ ماضی ہے اور یہ مضارع ہے۔ تو ایک تاویل تو یہ ہے کہ یہ صورۃً تو مضارع ہے۔ لیکن اس میں حال یا استقبال کا معنی نہیں ہے۔ بلکہ استمرار کے معنی میں ہے۔ دوسری تاویل یہ کی گئی ہے کہ یہ ماضی کے معنی میں ہے۔ تیسری تاویل یہ

ہے کہ یہ مضارع کا صیغہ ہی ہے اور اس سے پہلے جو ماضی ہے وہ مستقبل کے معنی میں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یہ **کفروا** کے فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے۔ لیکن بظاہر یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ مضارع مثبت پر واؤ داخل نہیں ہوتا ہے۔ درآنحالیکہ یہاں واؤ داخل ہو رہا ہے۔ اور ان دوصورتوں میں خبر محذوف ہے۔ تیسری ترکیب کے مطابق واؤ **یصدون** میں زائد ہے۔ کوفیین کے خیال کے مطابق تقدیر عبارت یوں ہے۔ **ان الذین کفروا یصدون**.

المسجد الحرام. مسجد حرام سے مراد پورا رقبہ حرم ہے۔ ابوحنیفہ، امام مالک اور ثوری رحمہم اللہ کے نزدیک اور امام شافعیؒ واحمدؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف حصہ مسجد مراد ہے۔

نظلم. ظلم سے مراد شرک بھی لیا گیا ہے اور **بالهاد** میں ب زائد ہے۔

لیشهدوا. کے لام میں دوصورت بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ متعلق ہے **اذن** کے ساتھ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا تعلق **یاتوک** کے ساتھ ہی اور یہی زیادہ مناسب ہے۔

ولیوفوا اور **ولیطوفوا** یہ دونوں امر کے صیغے ہیں اور وجوب کے معنی میں ہیں۔

شعآئر اللّٰہ شعائر ارکان حج اور افعال حج کو کہتے ہیں۔ جس کا واحد شعیرۃ یا شعارۃ ہے اور مشاعر مقامات حج کو کہتے ہیں۔

شعائر کی تشریح صاحب جلالینؒ نے **البدن** یعنی قربانی کے جانور سے کی ہے۔ اس پر صاحب جملؒ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ شعائر کی تشریح البدن سے کرنا زیادہ سے زیادہ ماقبل کے مضمون کی رعایت سے ہوسکتا ہے۔ ورنہ تو شعائر عام ہے۔ لہٰذا البدن کے ساتھ خاص کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے۔ کہ صاحب جملؒ نے جو یہ سمجھا ہے کہ صاحب جلالینؒ کی تشریح میں نقص ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ اس وجہ سے کہ شارح نے جو البدن کے ساتھ تشریح کی ہے۔ وہ آنے والے مضمون کی مطابقت سے کی ہے۔ ورنہ تعمیم کے وہ بھی منکر نہیں ہیں۔ جیسا کہ تفسیر مدارک اور روح البیان وغیرہ میں بھی شعائر کی تشریح قربانی کے جانور سے کی گئی ہے۔ کیونکہ یہ بھی ارکان حج میں سے ایک رکن ہے۔

فیها منافع. منافع کی تشریح صاحب جلالینؒ نے قربانی کے جانور پر سواری اور بار برداری سے کی ہے۔ یہ تشریح امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قربانی کے جانور پر سواری وغیرہ جائز نہیں ہے۔ صرف شدید ترین ضرورت کے وقت ہی وہ اس کی اجازت دیتے ہیں۔

﴿تشریح﴾:.......... اس سے پہلے جہنمیوں اور ان کی سزاؤں کا تذکرہ کیا گیا اور ان کے آگ کے لباس کا بھی ذکر آیا تھا۔ اب جنت اور وہاں کی نعمتوں کا اور وہاں کے رہنے والوں کے لباس وغیرہ کا تذکرہ ہے۔ ارشاد ہے کہ ایمان اور نیک عمل کے بدلہ میں جنت ملے گی۔ جہاں نہریں جاری ہوں گی اور ان کے لباس ریشمی کپڑوں سے تیار شدہ ہوں گے۔ اسی طرح انہیں زیورات اور موتیوں سے سجا دیا جائے گا۔ دنیا میں ریشمیں لباس کے استعمال سے روکا گیا تھا اور زیورات کے استعمال کو بھی مردوں کے لئے ناجائز قرار دیا گیا تھا۔ لیکن جنت میں یہی ریشمیں لباس پہنایا جائے گا اور زیورات بھی عطاء کئے جائیں گے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ تم ریشم کا لباس نہ پہنو۔ جو اسے دنیا میں پہن لے گا وہ آخرت کے دن اس سے محروم رہے گا۔ تو گویا بہت سی چیزیں اس دنیا میں حرام ہیں اور آخرت میں وہی حلال ہو جائیں گی۔ اور اس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں کیونکہ خود اس دنیا میں احوال اور مقامات کے بدلنے پر احکام بدلتے رہتے ہیں اور آخرت کا معاملہ تو یہ ہے۔ کہ پورا عالم ہی بدل گیا۔

اورانہیں کلمہ طیبہ کی توفیق مل گئی جوخود ایک بہت بڑی نعمت ہے اوراسی طرح انہیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق مل گئی اور یہ سارے انعام واکرام بھی اسی ہدایت کا نتیجہ ہیں۔ بعض مفسرینؒ نے طیب سے مراد قرآن اور صراط حمید سے مراد اسلامی راستہ لیا ہے۔ حاصل ہرایک تفسیر کا ایک ہی ہے۔

سرزمین مکہ اور اختلاف فقہاء:......... ۶ھ میں جب رسول اللہ ﷺ ایک جماعت کثیرہ کا ساتھ عمرہ کے لئے روانہ ہوئے تو مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو مقام حدیبیہ پر آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے کہ یہ مسجد حرام جسے خدا نے سب کے لئے یکساں طور پر باحرمت بنایا ہے مقیم ومسافر کا اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اہل مکہ بھی اس میں اتر سکتے ہیں اور باہر سے آنے والے بھی اور دونوں کو برابر کا حق ہے۔ مسجد حرام سے مراد پورا رقبہ حرم ہے۔

یہاں فقہاء نے ایک مسئلہ بیان کیا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مکہ کے مکانات ملکیت میں لائے جاسکتے ہیں۔ ورثے میں بٹ سکتے ہیں اور کرایہ پر بھی دیئے جاسکتے ہیں۔ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صفوان ابن امیہ کا مکان چار ہزار درہم میں خرید کر اسے جیل خانہ بنایا تھا۔

اور فقہاء حنفیہ نے آیات مذکورہ سے یہ مسئلہ اخذ کیا کہ حرم کی سرزمین مثل وقف کے ہے۔ یہ کسی کی ملکیت نہیں ہوسکتی اور کسی کو اس کے حدود میں انتفاع سے روکنا جائز نہیں اور نہ یہاں کے مکانات کا کرایہ لینا درست ہے۔ اسحٰقؒ ابن راہویہ اور حضرت مجاہدؒ وغیرہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی بھی یہی رائے ہے کہ مکے کے مکانوں کو بیچنا اور اس کا کرایہ لینا جائز نہیں۔

ابن ماجہ میں حضرت علقمہؓ سے ایک حدیث نقل ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خود آنحضور ﷺ کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں بھی مکہ کے مکانات آزاد اور بے ملکیت رکھے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ تو مکے کے مکانات میں دروازے لگانے سے بھی منع فرماتے تھے۔ کیونکہ صحن مکان میں حاجی ٹھہرا کرتے تھے۔

سب سے پہلے گھر کا دروازہ سہیل بن عمرو نے بنایا۔ جس پر حضرت عمرؓ نے انہیں بلا بھیجا اور دریافت فرمایا۔ تو حضرت سہیل نے جواب دیا کہ مجھے معاف فرمایا جائے اور اس کی اجازت دی جائے۔ کیونکہ میں تاجر ہوں اور میں نے ضرورۃً یہ دروازے بنائے ہیں تا کہ میرے جانور میرے قبضہ میں رہیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کا یہ عذر سن کر ان کو تو اجازت دے دی۔ لیکن دوسرے لوگوں کو منع فرمایا کہ دروازے مت لگاؤ۔ تا کہ باہر سے آنے والے جہاں چاہیں ٹھہر سکیں...... اور امام احمد بن حنبلؒ نے درمیانی مسلک اختیار فرمایا آپ کہتے ہیں کہ ملکیت اور وراثت تو جائز ہے۔ لیکن کرایہ لینا ہرگز جائز نہیں۔

جو شخص یہاں خلاف دین کا ارادہ کرے گا اور پھر ظلم کے ساتھ اسے یقیناً عذاب شدید بھگتنا پڑے گا۔ ظلم سے مراد شرک لیا گیا ہے۔ اور قصداً کے معنی بھی کئے گئے ہیں۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ حرم میں گناہ اور ظلم وستم کرنے والے دردناک عذاب کے مستحق ہیں۔

من یرد فیہ بالحاد کی اور بھی بہت سی تشریحات کی گئی ہیں۔ سعید ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں اپنے خادم کو گالی دینا بھی الحاد میں داخل ہے۔

کعبہ اور اس کے تاسیسی مقاصد:......... مشرکین کو تنبیہ مقصود ہے کہ وہ گھر جس کی بنیاد ہی توحید پر رکھی گئی تھی۔ اس میں تم لوگوں نے شرک کرنا شروع کر دیا اس گھر کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ ویسے تو خانہ کعبہ پہلے سے بھی موجود تھا۔ سب سے

پہلے فرشتوں نے اس کیا تعمیر کی اور پھر حضرت آدم علیہ السلام نے ان کے بعد حضرت شیث علیہ السلام نے لیکن طوفان نوحؑ میں خانہ کعبہ بھی اٹھا لیا گیا تھا اور اس کا کوئی نام نشان باقی نہیں رہا تھا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت ملی اور اس کے مطابق آپ نے خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی۔ لہٰذا اس اعتبار سے آپ کو معمار اول قرار دیا جاسکتا ہے۔

تو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی بنیاد رکھی۔ اسی وقت حکم ملا کہ اس گھر کو شرک وغیرہ سے پاک رکھنا اسے صرف موحدین کے لئے خاص کردو جو اس کا طواف کریں گے اور اس میں نمازیں قائم کریں گے۔ اور طواف وہ عبادت ہے کہ جسے خانہ کعبہ کے علاوہ کہیں اور کرنا جائز ہی نہیں۔ طواف کے ساتھ نماز کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ نماز بھی اس کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ اس کا قبلہ بھی یہی خانہ کعبہ ہے۔ بغیر قبلہ کی طرف رخ کئے ہوئے بھی نماز جائز نہیں۔

یہاں ایک نکتہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن نے ذکر خانہ کعبہ کے ساتھ ممانعت شرک بھی کردی اور یہ اس وجہ سے ضروری تھا کہ تعظیم بیت سے کہیں لوگ اس کی پرستش نہ شروع کردیں اور بجائے معبد ہونے معبود نہ ٹھہرالیں۔ اس وجہ سے شرک کی مکمل ممانعت آگئی۔

اور پھر حکم ملا۔ کہ لوگوں کو اس گھر کی طرف حج کے لئے بلاؤ۔ یہ حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس وقت ملا تھا۔ جب دنیا نہ تار سے واقف تھی اور نہ ٹیلیفون تھا اور نہ کوئی لاؤڈ اسپیکر اور ریڈیو وغیرہ تھا۔ اسی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ اے خدا ان تک میری آواز کیسے پہنچے گی۔

جواب ملا کہ آپ آواز دیجئے۔ اس آواز کو لوگوں تک پہنچانا میرا کام ہے۔ جس پر آپ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر، ایک روایت یہ ہے کہ صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر، اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ جبل ابی قبیس پر کھڑے ہو کر آپ نے لوگوں کے نام یہ پیغام نشر کیا۔ خدا تعالیٰ نے آپ کے اس پیغام کو زمین کے ایک ایک گوشہ میں، اور سمندر کے ایک ایک جزیرہ میں پہنچا دیا۔ اور آج ہزاروں سال گزر گئے۔ مگر دنیا اس بے آب وگیاہ علاقہ میں کھنچی چلی آرہی ہے اور دور دراز سے لوگ آرہے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے انہیں کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ جو آنے والے ہیں وہ ہر حال میں آئیں گے سواری ملے یا نہیں اور انہیں پیدل ہی کیوں نہ آنا پڑے۔ آج انسان اس ارشاد کی صداقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

مقاصد حج:......... مکہ میں جمع ہونے کا جو پیغام نشر کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جارہی ہے کہ یہاں جمع ہونے سے فائدہ کیا ہوگا؟ تو ارشاد ہے کہ یہاں جمع ہونے کا اصل مقصد تو دینی منافع حاصل کرنا ہیں اور رضاء الٰہی مقصود ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دنیاوی منافع بھی حاصل کرسکتے ہیں۔ مثلاً یہاں آکر تجارت وغیرہ بھی کرسکتے ہیں۔ تاہم دنیوی منافع کو مقصود بنالینا یہ ممنوع ہے اور اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی...... اس میں شبہ نہیں کہ حج ایک ایسی عبادت ہے کہ جس کے فوائد بے پناہ ہیں اور سب سے بڑا فائدہ خود احکام الٰہی کی تعمیل ہے۔ حج میں انسان کو ان مقامات کی زیارت کا موقعہ ملتا ہے۔ جس سے اسلام اور سردار اسلام کی اولین تاریخ وابستہ ہے اور پھر تمام دنیا کے مسلمانوں کو ایک جگہ جمع ہونے کا موقعہ ملتا ہے۔ تبادلہ خیالات اور یک جہتی پیدا کرنے کے لئے اس سے بہتر ایسا عالمگیر اجتماع نہیں مل سکتا ہے۔ نیز بین الاقوامی تجارت کے لئے اس سے اچھا موقعہ اور کیا مل سکتا ہے؟

تو حج ایک اہم ترین عبادت ہے۔ حج میں آنے کے بعد دوسرا کام یہ کرنا ہے کہ مقررہ دنوں میں قربانی کرنا ہے۔ وہ مقررہ دن کون سے ہیں اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ذوالحجہ کا پہلا عشرہ ہے۔ جس کی حدیث میں بہت فضیلت ہے۔

حضرت ابن عمرؓ اور ابراہیم نخعیؒ اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ کی ایک رائے یہ ہے۔ کہ اس سے مراد قربانی کا دن اور اس کے بعد

کے تین دن ہیں۔امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ بقرعیداور اس کے بعد دو دن مراد ہیں۔اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بقرعیداور اس کے بعد کا ایک دن مراد ہے۔

پھر حکم ہوا کہ ان قربانی کے جانوروں میں سے خود کھاؤ اور محتاج وضرورت مندوں کو بھی کھلاؤ۔بعض لوگوں نے اس سے یہ اخذ کیا ہے کہ قربانی کا گوشت کھانا واجب ہے۔لیکن اکثر کی رائے یہی ہے کہ قربانی کے گوشت کے کھانے کی اجازت دی گئی۔یا زیادہ سے زیادہ مستحب ہوسکتا ہے۔بعض بزرگوں کا قول ہے کہ مشرکین اپنے قربانی کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ان کے مقابل میں مومنین کو اس گوشت کے کھانے کی اجازت دی گئی۔

حج سے متعلق تیسرا حکم یہ ملا کہ اب تک جو ناخن کٹوانے اور خط بنوانے وغیرہ کی ممانعت تھی وہ ممانعت ختم کی جاتی ہے اب نہائیں دھوئیں خط بنوائیں ناخن ترشوائیں اور میل کچیل کو دور کریں، اس کے بعد حج سے متعلق جو اعمال لازم ہیں۔اس کی ادائیگی کریں۔مثلاً کنکری مارنا وغیرہ۔پھر اس کے بعد حکم ہے۔خانہ کعبہ کا طواف کریں اور اس طرح پر اپنے حج کی تکمیل کریں۔

بیت عتیق کے دو معنی کئے گئے ہیں۔ایک تو پرانا گھر اس کی قدامت کی وجہ سے اور دوسرا معنی محفوظ گھر کے ہیں۔یعنی وہ گھر جو امن کی جگہ ہے اور جو سرکشوں کے تسلط سے ہمیشہ آزاد رہا ہے۔

دعوت عام:.......... ارشاد ہے کہ حج سے متعلق احکام تو بیان کر دیئے گئے۔اب ایک عام قانون بیان کیا جاتا ہے کہ جو شخص بھی احکام الٰہی کی پابندی کرے گا اور ان کا ادب ولحاظ رکھے گا۔اور عملاً اس کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔تو یہ اس کے گناہوں کی معافی اور بلندی درجات کا سبب بن جائے گا اور حصول خیر وبرکات کا ذریعہ ہوگا۔

خیر لہ میں لام تخصیص کا ہے۔جس کا مطلب یہ ہوگا کہ فائدہ خود اسی کا ہے کسی اور کا نہیں۔

پھر فرمایا گیا کہ تمہارے لئے سارے جانور حلال ہیں سوائے ان جانوروں کے جن کی حرمت کا تذکرہ قرآن کی دوسری آیتوں میں آچکا ہے۔اور بت پرستی کی گندگی سے دور رہو اور ان بتوں کو معبود مت بناؤ،اسی طرح جھوٹی باتوں سے بچو۔**قول الزور** کے تحت ہر جھوٹ آجاتا ہے۔لیکن دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ توحید کے مقابل میں شرک ہے۔

صحیحین میں ایک روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کیا میں تمہیں دنیا کا سب سے بڑا گناہ نہ بتلا دوں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ضرور بتلائیے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کے ساتھ شریک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔اور پھر آپ ﷺ نے تکیہ سے الگ ہو کر فرمایا کہ جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا۔اسے آپ ﷺ بار بار فرماتے رہے۔یہاں تک کہ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ہم سمجھ گئے۔مزید وضاحت کی ضرورت نہیں رہی۔تکیہ سے آپ کا ہٹ کر یہ فرمانا اور بار بار ارشاد صحابہ کرام کے دلوں میں اس کی اہمیت بٹھانے کے لئے تھا۔

پھر مشرکین کی تباہی کی مثال بیان کی گئی کہ جسے کوئی آسمان سے گر پڑے اور درمیان سے پرندے اسے اچک لیں اور اس کی بوٹیاں نوچ ڈالیں یا ہوا انہیں ہلاکت کے کسی دور دراز گڑھے میں پھینک ڈالے۔غرض یہ کہ مبتلائے شرک بری طرح ہلاک ہوگیا۔تو جس طرح وہ بدنصیب اپنی منزل مقصود سے بہت دور جا پڑا۔اسی طرح مشرکین کی بدنصیبی ہے کہ یہ راہ حق کھو بیٹھے۔

بعض مفسرینؒ نے کہا ہے کہ شکاری پرندوں سے مراد نفس کے وسوسے ہیں اور ہوا کے جھکڑ سے شیطان کا حملہ۔یہ ایک عام کلیہ کا بیان ہو چکا اور اس سے پہلے شرک کی مذمت کی گئی تھی۔لیکن اس آیت میں قربانی کے جانوروں کے بارے میں جو خصوصی احکام نازل ہوئے اس سے معلوم ہوا کہ شرک تو حرام ہے۔مگر غیر اللہ کی تعظیم بری نہیں۔بلکہ جو چیزیں خدا کی طرف منسوب ہوں اس کی تعظیم تو

جزء ایمان ہے۔

فقہاء نے کہا کہ غیر اللہ کی تعظیم مستقلاً تو ممنوع و ناجائز ہے۔ لیکن خدا کی طرف نسبت ہونے کے لحاظ سے جائز ہے۔ بعض بزرگوں نے اس سے دو مسئلے اخذ کئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ تقوے کا تعلق قلب سے ہے اور دوسرے یہ کہ شعائر دین کی تعظیم حدود شرعی کے اندر رہتے ہوئے یہ خود مشروع ہے۔

فرمایا گیا کہ ان جانوروں سے ایک وقت معین تک تم فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ مثلاً سواری کا کام لینا، بار برداری کرنا اور دودھ پینا وغیرہ۔ مگر یہ اسی وقت تک ہے جب تک کہ اسے قربانی کے لئے خاص نہ کر دیا گیا ہو۔ لیکن جب اسے قربانی کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہو اور اسے ''ہدی'' بنا دیا گیا ہو تو بلاضرورت فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔ پھر ارشاد ہوا کہ ان قربانی کے جانوروں کو ذبح کرنے کی جگہ حدود حرم ہے۔ وہیں ان کی قربانی ہونی چاہئے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ اَیْ جَمَاعَةٍ مُؤْمِنَةٍ سَلَفَتْ قَبْلَكُمْ **جَعَلْنَا مَنْسَكًا** بِفَتْحِ السِّيْنِ مَصْدَرٌ وَبِكَسْرِهَا اِسْمُ مَكَانٍ اَیْ ذِبْحًا قُرْبَانًا اَوْ مَكَانَهٗ **لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ** عِنْدَ ذِبْحِهَا **فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا** اِنْقَادُوْا **وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ﴿۳۴﴾** الْمُطِيْعِيْنَ الْمُتَوَاضِعِيْنَ **الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ** خَافَتْ **قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ** مِنَ الْبَلَايَا **وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ** فِیْ اَوْقَاتِهَا **وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴿۳۵﴾** يَتَصَدَّقُوْنَ **وَالْبُدْنَ** جَمْعُ بَدَنَةٍ وَهِیَ الْاِبِلُ **جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ** اِعْلَامِ دِيْنِهٖ **لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ** نَفْعٌ فِی الدُّنْيَا كَمَا تَقَدَّمَ وَاَجْرٌ فِی الْعُقْبٰى **فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا** عِنْدَ نَحْرِهَا **صَوَآفَّ** قَائِمَةً عَلٰى ثُلُثٍ مَعْقُوْلَةَ الْيَدِ الْيُسْرٰى **فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا** سَقَطَتْ اِلَى الْاَرْضِ بَعْدَ النَّحْرِ وَهُوَ وَقْتُ الْاَكْلِ مِنْهَا **فَكُلُوْا مِنْهَا** اِنْ شِئْتُمْ **وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ** الَّذِیْ يَقْنَعُ بِمَا يُعْطٰى وَلَا يَسْاَلُ وَلَا يَتَعَرَّضُ **وَالْمُعْتَرَّ** السَّائِلَ اَوِ الْمُتَعَرِّضَ **كَذٰلِكَ** اَیْ مِثْلَ ذٰلِكَ التَّسْخِيْرِ **سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ** بِاَنْ تُنْحَرَ وَتُرْكَبَ وَاِلَّا لَمْ تُطِقْ **لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۳۶﴾** اِنْعَامِیْ عَلَيْكُمْ **لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا** اَیْ لَا يُرْفَعَانِ اِلَيْهِ **وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ** اَیْ يَرْفَعُ اِلَيْهِ مِنْكُمُ الْعَمَلُ الصَّالِحُ الْخَالِصُ لَهٗ مَعَ الْاِيْمَانِ **كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ** اَرْشَدَكُمْ لِمَعَالِمِ دِيْنِهٖ وَمَنَاسِكِ حَجِّهٖ **وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ﴿۳۷﴾** اَیِ الْمُوَحِّدِيْنَ **اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** غَوَائِلَ الْمُشْرِكِيْنَ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ** فِیْ اَمَانَتِهٖ **كَفُوْرٍ﴿۳۸﴾** لِنِعْمَتِهٖ وَهُمُ الْمُشْرِكُوْنَ الْمَعْنٰى اِنَّهٗ يُعَاقِبُهُمْ

ترجمہ: .... ہم نے ہر امت کے لئے قربانی اس غرض سے مقرر کی تھی تا کہ وہ لوگ ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انہیں عطا کئے تھے (گویا کہ پچھلی امتوں میں بھی قربانی رائج تھی۔ منسکاً سین کے فتحہ اور کسرہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ اگر اس کو فتحہ

سے پڑھیں تو مصدر کے معنی میں ہوگا۔ اور اگر کسرہ پڑھیں تو اس صورت میں نام ہوگا جگہ کا۔ گویا ہر ایک امت کے لئے قربانی کی جگہ متعین کردی گئی تھی) تمہارا خدا تو خدائے واحد ہی ہے۔ تم اس کے آگے جھکو اور آپ خوشخبری سنا دیجئے گردن جھکا دینے والوں کو (یعنی مطیع وفرمانبردار لوگوں کو) جن کے دل ڈر جاتے ہیں جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور جو مصیبتیں ان پر پڑتی ہیں ان پر صبر کرنے والوں کو اور نماز کی پابندی کرنے والوں کو اور ان کو جو خرچ کرتے رہتے ہیں اس میں سے جو ہم نے انہیں دے رکھا ہے (اور صدقہ وخیرات کرتے رہتے ہیں) اور قربانی کے جانوروں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ (کے دین) کی یادگار بنا دیا ہے تمہارے لئے اس میں فائدے ہیں (دنیاوی فائدہ مثلاً سواری اور باربرداری وغیرہ اور اسی کے ساتھ اجر آخرت بھی) سو تم انہیں کھڑے کرکے ان پر اللہ کا نام لیا کرو (ذبح کے وقت) پھر جب وہ کروٹ کے بل گر پڑیں (ذبح کے بعد) تو اس وقت خود بھی ان میں سے کھاؤ (اگر تم کھانا چاہو) اور بے سوال وسوالی کو بھی کھلاؤ (یعنی انہیں بھی کھلاؤ جو قناعت پسند ہیں اور کسی کے آگے دست سوال پھیلانا پسند نہیں کرتے ہیں اور انہیں بھی جنہوں نے مانگنے کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے) ہم نے اسی طرح ان جانوروں کو تمہارے زیر حکم کردیا (اور مکمل طور پر مسخر کردیا۔ تاکہ تم اسے ذبح کر سکو اور اس سے سواری کا کام لے سکو۔ ورنہ تمہارے لئے یہ بہت مشکل ہوتا۔ یہ سب اس لئے کیا) تاکہ تم شکر ادا کرسکو (ان انعامات کا جو ہم نے تم پر کئے ہیں) اللہ تک نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون ان کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے (یعنی خدا تعالیٰ کے پاس قربانی کا نہ گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون ان کے پاس تو انسان کا عمل صالح پہنچتا ہے۔ بشرطیکہ ایمان کی دولت بھی ہو) اسی طرح اللہ نے انہیں تمہارے زیر حکم کردیا تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی (اور مناسک حج کی توفیق عطاء فرمائی) اور آپ اخلاص والوں کو (جو موحد ہیں) ان کو خوشخبری سنا دیجئے۔ بے شک خدا تعالیٰ (ان مشرکین کے غلبہ واقتدار کو) دور کردے گا ایمان والوں سے۔ بے شک اللہ پسند نہیں کرتا ہے کسی دغاباز کفر والے کو (اور انہیں ضرور عذاب آکر رہے گا۔)

تحقیق وترکیب:.........مخبتین۔ احکام شریعت کے آگے گردن جھکا دینے والے۔

والبدن. جمع ہے بدنۃ کی اصل معنی موٹے تازہ اونٹ کے ہیں۔ اسی وجہ سے امام شافعیؒ نے بدن سے مراد صرف اون ہی لیا ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بــــدن کے معنی اونٹ اور گائے دونوں کے ہیں۔ جیسا کہ لغت کی کتابوں مثلاً قاموس، صراح، منتخب وغیرہ میں بدن کے دونوں معنی موجود ہیں اور بعض احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ البدن کا اطلاق اونٹ اور گائے دونوں پر ہے۔

القـانـع والمعتر. قانع اسے کہتے ہیں۔ جو صبر کئے بیٹھا ہے۔ جو کچھ مل جائے اسے قبول کرلیتا ہے۔ اور نہ ملے جب بھی کسی کے سامنے دست سوال نہیں پھیلاتا۔ اور معترا سے کہتے ہیں جو بے قرار ہوکر مانگتا رہتا ہے اور بغیر لئے ہوئے ہٹتا نہیں۔

یدافع عن الذین اٰمنوا کے بعد صاحب جلالینؒ **غوائل المشرکین** لائے۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ **یدافع** کا مفعول مقدر ہے۔ جو کہ **غوائل المشرکین** ہے۔ **غوائل** جمع ہے **غائلۃ** کی۔ **غائلہ** ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے انسان کو تکلیف پہنچے۔

شان نزول:.........مشرکین کا یہ معمول تھا کہ قربانی کا گوشت اپنے بتوں کے سامنے رکھ دیتے اور ان پر خون کا چھینٹا دیتے۔ اسی طرح یہ لوگ خانہ کعبہ پر قربانی کا خون چھڑکتے تھے۔ جب مسلمان حج کے ارادہ سے مکہ میں پہنچے اور انہوں نے بھی ایسا کرنا چاہا۔ تو آیت نازل ہوئی۔ کہ **لن ینال اللّٰہ لحومھا ولا دماءھا الخ.**

اور آیت **ان اللّٰــہ یدافع عن الذین اٰمنوا الخ** کا شان نزول یہ ہے کہ حدیبیہ کے سال جب آنحضور ﷺ اور مؤمنین حج

کرنے کے لئے مکہ پہنچے۔ تو مشرکین نے آپ لوگوں کو فریضہ حج کی ادائیگی سے روک دیا اور مکہ میں جو مومنین تھے انہیں طرح طرح ستانا۔ جس پر آیت نازل ہوئی کہ ان کفار کو عارضی مہلت ملی ہوئی ہے۔ نصرت الٰہی کے اصل مستحق تو مؤمنین ہیں۔ اور یہ کہ جلد ہی مشرکین کے غلبہ واقتدار کو ختم کردیا جائے گا۔ چنانچہ فتح مکہ کی صورت میں یہ وعدہ پورا کیا گیا اور مسلمانوں کو اقتدار سونپ دیا گیا۔

﴿تشریح﴾: .... ارشاد ہے کہ قربانی کا حکم ہر پچھلی شریعت اور ہر مذہب میں کسی نہ کسی صورت میں ضرور موجود رہا۔ یہ اسلام کے لئے کوئی نیا حکم نہیں۔ بلکہ بنی اسرائیل میں قربانی تو مذہب کا ایک اہم رکن ہے۔ تو تمام پچھلی امتیں خدا کے نام پر ذبیحہ کرتی تھیں اور سب کے سب مکہ میں اپنی قربانیاں کرتے اور قربانی کے حکم سے مقصد تو خدا کے نام کی تعظیم اور اللہ کے نام سے حصول تقرب ہے۔ یہ جانور وغیرہ کی حیثیت تو فقط ایک ذریعہ کی ہے۔

صحابہ کرامؓ نے آنحضور ﷺ سے دریافت فرمایا کہ یہ قربانی کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے۔ صحابہؓ نے پھر دریافت کیا کہ یارسول اللہ ہمیں اس سے کیا فائدہ ہے؟ فرمایا کہ ہر بال کے بدلے ایک نیکی۔ تو فرمایا گیا کہ تم سب کا خدا ایک ہے۔ اگرچہ شریعت کے احکام بدلتے رہتے ہیں۔ لیکن خدا کی توحید میں کسی نبی یا رسول کا کبھی اختلاف نہیں رہا۔ لہٰذا تم سب کے سب اس کی طرف جھک جاؤ اور اس کے احکام کی پابندی کرو اور توحید کا تقاضا یہ ہے کہ غیر اللہ کے آگے بھینٹ نہ چڑھاؤ اور نہ کسی مکان کو معظم بالذات سمجھ کر اپنے اندر شائبہ شرک پیدا ہونے دو اور احکام شریعت کی پابندی کرنے والوں کو خوشخبری سنادو جو خدا تعالیٰ کا ذکر سنتے ہی خوف خدا سے کانپ اٹھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی اطاعت میں لگ جاتے ہیں اور مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ احکام شریعت کے پابند ہیں اور فریضہ خداوندی کو ادا کرنے والے ہیں اور خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان کو دیا ہے اسے خرچ کرتے رہتے ہیں اور فقیروں وضرورت مندوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرتے ہیں۔ یہ سب نتیجہ ہے توحید کا جس کے اندر بھی توحید خالص ہوگا اس کے اندر یہ سارے کمالات ظاہری وباطنی پیدا ہوسکتے ہیں۔

قربانی کی حقیقت: .... پھر ارشاد ہے کہ ان قربانی کے جانوروں کو جسے شعائر اللہ قرار دیا گیا ہے اسے خود بالذات قابل تعظیم نہ سمجھو، بلکہ اس کی عظمت تو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ہے تو اس سے گویا عظمت توحید کو دل میں راسخ کرنا مقصود ہے کہ جس جانور کو خدا تعالیٰ کی جانب منسوب کردیا گیا اس پر اس کے مالک کا حکم اب نہیں چل پاتا۔ اس سے مالک مجازی کی عبدیت اور مالک حقیقی کی معبودیت ظاہر ہے۔

فرمایا گیا کہ ان قربانی کے جانوروں میں تمہارے لئے فائدے ہیں۔ تو سب سے بڑا فائدہ تو حصول اجر اور رضا الٰہی ہے۔ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بقرعید کے دن خدا تعالیٰ کے نزدیک انسان کا کوئی عمل قربانی سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے اور ضمناً دنیوی فوائد بھی ہیں۔ مثلاً گوشت کھانا کھلانا وغیرہ۔ اسی کے ساتھ حکم ہوا کہ قربانی کے وقت خدا تعالیٰ کا نام لیا کرو اور یہی طریقہ سنت کے مطابق ہے۔ آنحضور ﷺ کا معمول تھا کہ جب بھی کوئی جانور ذبح کرتے تو **بسم اللہ واللہ اکبر** پڑھا کرتے۔

صواف کے معنی ابن عباسؓ نے اونٹ کو تین پیروں پر کھڑا کر کے اس کا بایاں پیر باندھ کر **بسم اللہ واللہ اکبر لاالٰہ الا اللہ اللھم منک ولک** پڑھ کر اس کو ذبح کرنے کے کئے ہیں۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ اور آپ کے صحابہ اونٹ کے ایک پیر کو باندھ کر تین پیر پر کھڑا کر کے ہی اسے ذبح فرمایا کرتے تھے۔

اور **صــــواف** کے معنی خالص کے بھی کئے گئے ہیں۔ یعنی زمانہ جاہلیت میں جس طرح غیر خدا کے نام پر قربانیاں دی جاتی

تھیں، اس کی ممانعت کی گئی کہ غیر اللہ کے نام پر قربانیاں مت دو، بلکہ خدا صرف خدا ہی کے نام پر قربانیاں کرو اور جب یہ زمین پر گر کر ٹھنڈے ہو جائیں یعنی اچھی طرح روح نکل جائے تو پھر اس میں سے تم خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔ آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جانوروں میں جب تک جان ہے اور اس کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ لیا جائے تو اس کا کھانا حرام ہے۔

بعض لوگوں کی رائے ہے کہ قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے اور بعض وجوب کے قائل ہیں۔ امام مالکؒ مستحب قرار دیتے ہیں اور مفسرینؒ نے لکھا ہے کہ پہلا امر یعنی کلوا اباحت وجواز کے لئے ہے اور دوسرا امر یعنی اطعموا استحباب کے لئے ہے۔ براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے ہمیں عید کی نماز ادا کرنی چاہئے۔ پھر لوٹ کر قربانی کرنی چاہئے اور جس شخص نے ایسا کیا، اس نے سنت کے مطابق عمل کیا اور جس نے نماز سے پہلے ہی قربانی کر لی اس کی قربانی نہیں۔

امام شافعیؒ اور علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ قربانی کا وقت اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب سورج نکلنے کے بعد اتنا وقت گزر جائے کہ نماز اور دو خطبے ہو جائیں اور امام احمدؒ کے نزدیک مزید اتنا وقت گزر جانے کے بعد کہ امام قربانی کر لے، کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ جب تک امام قربانی نہ کرے تم قربانی نہ کرو...... اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو گاؤں والوں پر عید کی نماز ہے ہی نہیں۔ لہٰذا وہ طلوع فجر کے بعد ہی قربانی کر سکتے ہیں۔ البتہ شہری جب تک نماز سے فارغ نہ ہو لیں اس وقت تک قربانی نہ کریں۔

فرمایا گیا کہ خدا کی اس نعمت کا شکر ادا کرو کہ باوجود تمہارے کمزور وناتواں ہونے کے ان قوی تر جانوروں پر تمہیں قدرت عطا فرمائی۔ خدا تعالیٰ کی ناشکری وناقدری نہ کرو۔

ثمرات حسن نیت:............ یہاں سے مشرک قوموں کے عقیدے کی تردید کی گئی اور فرمایا گیا کہ تمہاری قربانی کے جانوروں کا نہ گوشت خدا تک پہنچتا ہے اور نہ خون۔ تمہیں تو اجر وثواب تمہاری نیت کے اوپر ملتا ہے۔ اہل کتاب بھی قربانی کے جانوروں کے خون بہانے کو کفارہ کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے۔

اہل بائبل کا عقیدہ تھا کہ آسمان پر دیوتاؤں کی دعوت ہوتی ہے اور ان کے نام کی جو بھینٹ چڑھائی جاتی ہے وہ اس کی خوشبو محسوس کرتے ہیں اور اسے کھاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

زمانہ جاہلیت میں مشرکین یہ کرتے تھے کہ قربانی کے جانور کا گوشت اپنے بتوں کے سامنے رکھ دیتے اور ان پر خون کا چھینٹا دیتے۔ یہ بھی دستور تھا کہ خانہ کعبہ پر قربانی کے گوشت کا خون چھڑکتے۔

مسلمان ہونے کے بعد صحابہؓ نے آنحضور ﷺ سے ان چیزوں کے بارے میں دریافت کیا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان مشرکانہ عقائد سے منع کیا گیا۔

ایک حدیث صحیح میں ہے کہ خدا تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا، نہ اس کی نظر تمہارے مال پر ہے۔ وہ تو تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے اور ثواب تمہارے اخلاص پر ملتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ خدا تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرو کہ اس نے تمہیں راہ حق پر رکھا۔ ورنہ تم بھی مسیحیوں کی طرح عقائد باطلہ میں مبتلا ہو کر راہ حق سے بھٹک گئے ہوتے۔

فرمایا وہ لوگ جو خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں گے اور اس پر ایمان لائیں گے انہیں یہ کفار کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور نہ انہیں حج وعمرہ وغیرہ سے روک سکیں گے۔ ان کفار ومشرکین کو جو مہلت مل جاتی ہی وہ تو عارضی ہوتی ہی ورنہ نصرت الٰہی کے اصل مستحق تو اہل ایمان ہی ہیں۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ اَیْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَنْ یُقَاتِلُوْا وَھٰذِہٖ اَوَّلُ اٰیَۃٍ نَزَلَتْ فِی الْجِھَادِ **بِاَنَّھُمْ** اَیْ بِسَبَبِ اَنَّھُمْ **ظُلِمُوْا** بِظُلْمِ الْکَافِرِیْنَ اِیَّاھُمْ **وَاِنَّ اللہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ﴿۳۹﴾** ھُمْ **الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ** فِی الْاِخْرَاجِ مَا اُخْرِجُوْا **اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا** اَیْ بِقَوْلِھِمْ **رَبُّنَا اللہُ** وَحْدَہٗ وَھٰذَا الْقَوْلُ حَقٌّ وَالْاِخْرَاجُ بِہٖ اِخْرَاجٌ بِغَیْرِ حَقٍّ **وَلَوْلَا دَفْعُ اللہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ** بَدَلُ بَعْضٍ مِنَ النَّاسِ **بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ** بِالتَّشْدِیْدِ لِلتَّکْثِیْرِ وَبِالتَّخْفِیْفِ **صَوَامِعُ** لِلرُّھْبَانِ **وَبِیَعٌ** کَنَائِسُ لِلنَّصَارٰی **وَّصَلَوٰتٌ** کَنَائِسُ لِلْیَھُوْدِ بِالْعِبْرَانِیَّۃِ **وَّمَسٰجِدُ** لِلْمُسْلِمِیْنَ **یُذْکَرُ فِیْھَا** اَیِ الْمَوَاضِعُ الْمَذْکُوْرَۃُ **اسْمُ اللہِ کَثِیْرًا** وَتَنْقَطِعُ الْعِبَادَاتُ بِخَرَابِھَا **وَلَیَنْصُرَنَّ اللہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ** اَیْ یَنْصُرُ دِیْنَہٗ **اِنَّ اللہَ لَقَوِیٌّ** عَلٰی خَلْقِہٖ **عَزِیْزٌ ﴿۴۰﴾** مَنِیْعٌ فِیْ سُلْطَانِہٖ وَقُدْرَتِہٖ **اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ** بِنَصْرِھِمْ عَلٰی عَدُوِّھِمْ **اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ** جَوَابُ الشَّرْطِ وَھُوَ وَجَوَابُہٗ صِلَۃُ الْمَوْصُوْلِ وَیُقَدَّرُ قَبْلَہٗ ھُمْ مُبْتَدَأٌ **وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾** اَیْ اِلَیْہِ مَرْجِعُھَا فِی الْاٰخِرَۃِ **وَاِنْ یُّکَذِّبُوْکَ** تَسْلِیَۃٌ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ **فَقَدْ کَذَّبَتْ قَبْلَھُمْ قَوْمُ نُوْحٍ** تَانِیْثُ قَوْمٍ بِاعْتِبَارِ الْمَعْنٰی **وَّعَادٌ** قَوْمُ ھُوْدٍ **وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾** قَوْمُ صَالِحٍ **وَقَوْمُ اِبْرٰھِیْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْیَنَ** قَوْمُ شُعَیْبٍ **وَکُذِّبَ مُوْسٰی** کَذَّبَہُ الْقِبْطُ اِلَّا قَوْمَہٗ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ اَیْ کَذَّبَ ھٰؤُلَاءِ رُسُلَھُمْ فَلَکَ اُسْوَۃٌ بِھِمْ **فَاَمْلَیْتُ لِلْکٰفِرِیْنَ** اَمْھَلْتُھُمْ بِتَاخِیْرِ الْعِقَابِ لَھُمْ **ثُمَّ اَخَذْتُھُمْ** بِالْعَذَابِ **فَکَیْفَ کَانَ نَکِیْرِ ﴿۴۴﴾** اَیْ اِنْکَارِیْ عَلَیْھِمْ بِتَکْذِیْبِھِمْ بِاِھْلَاکِھِمْ وَالْاِسْتِفْھَامُ لِلتَّقْرِیْرِ اَیْ ھُوَ وَاقِعٌ مَوْقِعَہٗ **فَکَاَیِّنْ** اَیْ کَمْ **مِّنْ قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا** وَفِیْ قِرَاءَۃٍ اَھْلَکْنَاھَا **وَھِیَ ظَالِمَۃٌ** اَیْ اَھْلُھَا بِکُفْرِھِمْ **فَھِیَ خَاوِیَۃٌ** سَاقِطَۃٌ **عَلٰی عُرُوْشِھَا** سُقُوْفِھَا وَکَمْ مِنْ **بِئْرٍ مُّعَطَّلَۃٍ** مَتْرُوْکَۃٍ بِمَوْتِ اَھْلِھَا **وَّقَصْرٍ مَّشِیْدٍ ﴿۴۵﴾** رَفِیْعٍ خَالٍ بِمَوْتِ اَھْلِہٖ **اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا** اَیْ کُفَّارُ مَکَّۃَ **فِی الْاَرْضِ فَتَکُوْنَ لَھُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِھَآ** مَا نَزَلَ بِالْمُکَذِّبِیْنَ قَبْلَھُمْ **اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِھَا** اَخْبَارَھُمْ بِالْاِھْلَاکِ وَخَرَابِ الدِّیَارِ فَیَعْتَبِرُوْا **فَاِنَّھَا** اَیِ الْقِصَّۃَ **لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾** تَاکِیْدٌ **وَیَسْتَعْجِلُوْنَکَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ یُّخْلِفَ اللہُ وَعْدَہٗ** بِاِنْزَالِ الْعَذَابِ فَاَنْجَزَہٗ یَوْمَ بَدْرٍ **وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ** مِنْ اَیَّامِ الْاٰخِرَۃِ بِالْعَذَابِ **کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾** بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ فِی الدُّنْیَا **وَکَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اَمْلَیْتُ لَھَا وَھِیَ ظَالِمَۃٌ ثُمَّ اَخَذْتُھَا** اَلْمُرَادُ اَھْلُھَا **وَاِلَیَّ الْمَصِیْرُ ﴿۴۸﴾** اَلْمَرْجِعُ

ترجمہ:.........اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے انہیں جن سے لڑائی کی جاتی ہے۔ (یعنی مومنین کو کفار سے اور یہ پہلی آیت ہے

جو جہاد کے بارے میں اتری) اس لئے کہ ان (مومنین) پر بہت ظلم ہو چکا اور بے شک اللہ ان کی نصرت پر (ہر طرح) قادر ہے جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے۔ محض اس بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کا زور ایک دوسرے سے نہ گھٹاتا رہتا (بعضھم بدل واقع ہو رہا ہے الناس سے) تو نصاریٰ کی خانقاہیں اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے (اور اس طرح پر عبادات کا سلسلہ ختم ہو جاتا۔ ھدمت میں د کے تشدید اور تخفیف دونوں طرح کی قرأت ہے اکثر مفسرینؒ تشدید کے قائل ہیں) اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کے (دین کی) مدد کرے۔ بے شک اللہ قوت والا ہے غلبہ والا ہے (اس کی قوت وطاقت ہر ایک پر غالب ہے) یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں دنیا میں حکومت دے دیں (دشمنوں کے مقابل میں ان کی مدد کر کے) تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور دوسروں کو بھی نیک کام کا حکم دیں اور برے کام سے منع کریں (ان مکنا میں جو شرط تھا اقاموا الصلوۃ اور اس کے بعد کا جملہ اس شرط کا جواب ہے۔ نیز شرط وجواب الشرط دونوں صلہ ہیں الذین موصول کے اس سے قبل ایک مبتداء محذوف ہے یعنی ھم) اور انجام سب کاموں کا اللہ ہی کے ہاتھ میں ہی (وہی ہر چیز کا مرجع ہے) اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو (کیا ہوا۔ آنحضور ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ) ان سے قبل قوم نوح وعاد وثمود اور قوم ابراہیم وقوم لوط علیہما السلام اور اہل مدین بھی اپنے اپنے پیغمبروں کو جھٹلا چکے ہیں (عاد سے مراد قوم ہود اور ثمود سے مراد قوم صالح اور اصحاب مدین سے مراد قوم شعیبؑ ہیں) اور موسیٰ علیہ السلام بھی جھٹلائے جا چکے ہیں (اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کی ان کی قوم نے تکذیب نہیں کی تھی لیکن قبطیوں نے آپ کو جھٹلایا تھا تو اے محمد ﷺ آپ کے لئے تو نمونہ موجود ہے پچھلی امتوں میں) سو پہلے تو میں نے کافروں کو مہلت دی (عذاب میں تاخیر کر کے) پھر میں نے انہیں پکڑ لیا (عذاب میں مبتلا کر دیا) پس دیکھو میرا عذاب کیسا ہوا (یعنی ان کی تکذیب کی سزا میری طرف سے ہلاکت کی صورت میں ملی یہاں سے استفہام سوال کے لئے نہیں ہے بلکہ تقریر کے لئے کہ ہم نے جو سزا دی وہ ان کے جرم کے مطابق تھی) غرض کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تباہ کر ڈالا جو نافرمان تھیں (اور کفر میں مبتلا تھیں) ایک قرأت بجائے اھلکتھا کے اھلکناھا کی ہے) سو وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور کتنے ہی بیکار کنویں اور بہت سے پختہ محل (خالی اور ویران پڑے ہیں جن میں کوئی رہنے والا بھی نہیں ہے) سو کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں (یعنی کفار مکہ) کہ ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے یہ سمجھنے لگتے (اور معلوم ہو جاتا کہ ان سے پہلے منکرین کو کیا سزا مل چکی ہے) یا کان ایسے ہو جاتے جن سے یہ سننے لگتے (اور پچھلی قوموں کی تباہی کے قصوں سے خبردار ہو جاتے اور عبرت حاصل کرتے) بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں اور آپ سے یہ لوگ عذاب کی جلدی کر رہے ہیں۔ درآنحالیکہ اللہ کبھی اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا (اور پھر وہ جنگ بدر کی صورت میں ہو کر رہا)۔

اور آپ کے پروردگار کے پاس کا ایک دن مثل ایک ہزار سال کے لئے تم لوگوں کے شمار کے مطابق (یعنی آخرت کے عذاب کا ایک دن دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ تعدون اور یعدون دونوں قرأت ہے) اور کتنی ہی بستیاں ہیں (جن کے باشندوں کو) میں نے مہلت دی تھی اور وہ نافرمان تھیں۔ پھر میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری ہی طرف سب کی واپسی ہے۔

تحقیق وترکیب:............ یقاتلون . مومنین کو مقاتلین کے ساتھ تعبیر کیا۔ وہ اس وجہ سے کہ یہ مومنین اپنی دفاع کے لئے قتال کی اجازت کے طالب تھے یا آئندہ پیش آنے والے واقعات کی مناسبت سے مقاتلین کی تعبیر اختیار کی گئی۔

الذین اخرجوا. یا تو حالت جر میں واقع ہے اور پہلے موصول کا یعنی للذین کا صفت ہے یا اس کا بیان واقع ہو رہا ہے یا پھر بدل ہو اس سے اور یہ بھی ممکن ہے کہ محلاً منصوب بر بنائے مدح ہو اور مبتداء مقدر ہونے کی صورت میں محلاً مرفوع ہونے کا امکان ہے۔

الا ان یقولوا. یہ استثناء منقطع محلاً منصوب ہے۔اس طرح کی صورت میں نصب عام دستور ہے کیونکہ عامل کو مسلط کرنا صحیح نہیں۔عامل کے تسلیط کی صورت میں معنی صحیح نہیں رہتے۔

لھدمت. مشدد اور غیر مشدد دونوں طرح مستعمل ہے۔

صوامع۔ صومعہ کی جمع ہے،جس میں راہب عبادت کرتے ہیں۔

کنائس. **کنیسۃ** کی جمع ہے۔یہ بھی عیسائیوں کے عبادت خانہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔عیسائی اپنی نمازیں کنیسہ ہی میں پڑھتے ہیں۔اس لئے صلوٰۃ سے یہاں مراد کنیسہ ہے۔

اقاموا الصلوٰۃ. الذین ان مکناھم فی الارض کا جواب شرط یعنی **اقاموا الصلوٰۃ** مع اپنے معطوف کے جواب شرط ہے **ھم** مبتداء ہے صلہ اور موصول دونوں مل کر خبر ہوں گے۔

کذب موسیٰ. کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب خود قوم موسیٰ علیہ السلام نے نہیں کی تھی۔بلکہ قبطیوں نے کی تھی۔ اس وجہ سے قرآن نے یہاں اسلوب بیان میں تبدیلی پیش نظر رکھی۔

﴿تشریح﴾:............مشرکین مکہ مسلمانوں کو طرح طرح پریشان کرتے اور تکلیفیں دیتے۔لیکن یہ لوگ ان کے مظالم کو صبر وسکون کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔مگر جب مشرکوں کی بغاوت بڑھ گئی اور ان کی سرکشی حد سے تجاوز کر گئی تو مسلمان پریشان ہو کر اپنے مال واسباب اپنے اعزہ واقرباء کو چھوڑ کر جسے جہاں موقعہ ملا روانہ ہونے لگے اور بالآخر سرکار دو عالم ﷺ بھی مدینہ کو ہجرت فرما گئے۔اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور پہلی بار مسلمانوں کو ان مشرکین کے مقابلہ کی اجازت ملی اور ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی سنادی گئی کہ خدا تعالیٰ مسلمانوں کی ظاہری بے سروسامانی کے باوجود انہیں غالب کر کے رہے گا جنہیں بلاوجہ ان کے گھروں سے بے گھر کر دیا گیا۔درآنحالیکہ ان کا کوئی جرم نہیں تھا۔سوائے اس کے کہ وہ ان کے دیوی دیوتاؤں کو چھوڑ کر ایک خدا کو مانتے تھے۔

ارشاد ہوا کہ اگر ظالموں اور سرکشوں کا زور انسانوں ہی کے بعض گروہوں کے ذریعہ نہ تڑوادیا جاتا تو زمین میں شر وفساد پھیل جاتا اور جو عمارتیں توحید کا مرکز رہی ہیں۔مثلاً مسجدیں اور اسی طرح اہل کتاب کی مذہبی عمارتیں جو اپنے زمانہ میں توحید کا مرکز تھیں سب ختم ہو گئی ہوتیں۔گویا جہاد کی مشروعیت بھی توحید ہی کی خاطر ہے۔فرمایا گیا کہ اگر مومنین دین حق پر جمے رہے تو خدا تعالیٰ بالآخر غلبہ انہیں کو دے گا اور قوت واقتدار خدا تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

اسی کے ساتھ ان کی تعریف کی گئی کہ اگر ان اہل حق اور سچے مسلمانوں کو حکومت دے دی جائے تو مسجدیں آباد و پررونق ہو جائیں اور یہ اپنے مال کی زکوٰۃ بھی ادا کریں۔جس سے غریب، محتاج لوگوں کی پرورش ہو جایا کرے اور اسی کے ساتھ دوسروں کو بھی نیک کام کا حکم اور برائی سے روکنے کی کوشش کریں۔جس کے نتیجہ میں برائیوں کا خاتمہ ہو جائے اور نیکی وانصاف اور عدالت کا دور دورہ ہو۔آخر میں ارشاد فرمایا گیا کہ سارے کاموں کا انجام خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔لہٰذا اس عارضی ناکامی اور مغلوبیت سے اہل حق کو ہراساں ودل شکستہ نہ ہونا چاہئے۔

تسلی واطلاع:............خدا تعالیٰ آنحضور ﷺ کو تسلی دیتے ہیں کہ ان مشرکین کی تکذیب کوئی انوکھی اور نئی چیز نہیں ہے۔یہی معاملہ سارے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کی قوموں نے کیا۔ان منکرین کو سوچنے سمجھنے کا موقعہ دیا گیا کہ اپنے انجام پر غور کر لیں۔ لیکن جب یہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو پھر انہیں سخت سے سخت سزائیں دی گئیں۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ ہر ظالم کو ڈھیل دیتا ہے۔ پھر جب پکڑتا ہے تو چھٹکارا ممکن نہیں اور انہی مشرکین کو خطاب کیا گیا کہ کیا یہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ پچھلی قومیں اپنی طاقت وقوت اور مال ودولت وغیرہ کے باوجود اسی تکذیب کے جرم میں کیسی تباہ وبرباد کردی گئیں۔ ان کے یہ مال ودولت اور علوم وفنون کوئی بھی ان کی ہلاکت کو روک نہ سکیں اور اگر ان کے ویران اور کھنڈر قلعہ اور محل کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے تو کیا ان کی بربادی وتباہی کے قصے بھی انہوں نے نہیں سنے؟ اور پھر اس سے عبرت حاصل کیوں نہیں کرتے؟ پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ یہ سب کچھ دیکھتے اور سنتے بھی ہیں۔ لیکن ان کے دل ہی اندھے ہوگئے ہیں۔ اس وجہ سے نہ انہیں پچھلی قوموں کی تباہی سے عبرت ہوتی ہے اور نہ ہی اس سے یہ سبق حاصل کرتے ہیں۔

فرمایا گیا کہ یہ منکرین اس مہلت سے فائدہ اٹھانے اور اپنی حالت کی اصلاح کے بجائے انبیاءؑ سے استہزاء اور مذاق میں لگے رہے اور بطور مذاق کے اس کا مطالبہ کرتے رہے کہ یہ عذاب جس سے ہمیشہ ہمیں ڈرایا دھمکایا جاتا ہے وہ جلدی کیوں نہیں آجاتا اور یوم حساب سے پہلے ہی ہمارا معاملہ صاف کیوں نہیں کردیا جاتا ہے۔

جواب دیا گیا کہ ان کے تقاضہ اور مطالبہ عذاب سے کیا ہوگا؟ وہ تو اپنے وقت موعود پر آکر رہے گا اور خدا کے وعدہ میں کسی قسم کا تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا ہے اور یہ کہ ان سے پہلی قوموں نے بھی یہی کیا تھا جس کے نتیجہ میں وہ ہلاک کردیے گئے اور ان کا بھی یہی حشر ہوکر رہے گا۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَیْ اَہْلَ مَکَّۃَ **اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾** بَیِّنُ الْاِنْذَارِ وَاَنَا بَشِیْرٌ لِلْمُؤْمِنِیْنَ **فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ** مِنَ الذُّنُوْبِ **وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾** ہُوَ الْجَنَّۃُ **وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا** الْقُرْاٰنِ بِاِبْطَالِہَا **مُعٰجِزِيْنَ** مَنِ اتَّبَعَ النَّبِیَّ اَیْ یَنْسِبُوْنَہُمْ اِلَی الْعَجْزِ وَیُثَبِّطُوْنَہُمْ عَنِ الْاِیْمَانِ اَوْ مُقَدِّرِیْنَ عَجْزَنَا عَنْہُمْ وَفِیْ قِرَاءَۃٍ مُعَاجِزِیْنَ مُسَابِقِیْنَ لَنَا یَظُنُّوْنَ اَنْ یَفُوْتُوْنَ بِاِنْکَارِہِمُ الْبَعْثَ وَالْعِقَابَ **اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾** النَّارِ **وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ** ہُوَ نَبِیٌّ اُمِرَ بِالتَّبْلِیْغِ **وَّلَا نَبِيٍّ** اَیْ لَمْ یُؤْمَرْ بِالتَّبْلِیْغِ **اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى** قَرَأَ **اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ** قِرَاءَتِہٖ مَا لَیْسَ مِنَ الْقُرْاٰنِ مِمَّا یَرْضَاہُ الْمُرْسَلُ اِلَیْہِمْ وَقَدْ قَرَأَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ سُوْرَۃِ النَّجْمِ بِمَجْلِسٍ مِنْ قُرَیْشٍ بَعْدَ اَفَرَاَیْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی بِاِلْقَاءِ الشَّیْطَانِ عَلٰی لِسَانِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ غَیْرِ عِلْمِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَعُرَبِہٖ تِلْکَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی وَاِنَّ شَفَاعَتَہُنَّ لَتُرْتَجٰی فَفَرِحُوْا بِذٰلِکَ ثُمَّ اَخْبَرَہٗ جِبْرَئِیْلُ بِمَا اَلْقَاہُ الشَّیْطَانُ عَلٰی لِسَانِہٖ مِنْ ذٰلِکَ فَحَزِنَ فَسُلِّیَ بِہٰذِہِ الْاٰیَۃِ لِیَطْمَئِنَّ **فَيَنْسَخُ اللّٰهُ** یُبْطِلُ **مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ** یُثْبِتُہَا **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ** بِاِلْقَاءِ الشَّیْطَانِ مَا ذُکِرَ **حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾** فِیْ تَمْکِیْنِہٖ مِنْہُ یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ **لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً** مِحْنَۃً **لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ** شَکٌّ وَنِفَاقٌ **وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ** اَیِ الْمُشْرِکِیْنَ عَنْ قَبُوْلِ الْحَقِّ **وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ** الْکَافِرِیْنَ **لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾**

خِلَافٍ طَوِيْلٍ مَعَ النَّبِيِّ وَالْمُؤْمِنِيْنَ حَيْثُ جَرَى عَلَى لِسَانِهٖ ذِكْرُ اٰلِهَتِهِمْ بِمَا يُرْضِيْهِمْ ثُمَّ اَبْطَلَ ذٰلِكَ **وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ** التَّوْحِيْدَ وَالْقُرْاٰنَ **اَنَّهُ** اَيِ الْقُرْاٰنُ **الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ** تَطْمَئِنَّ **لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ** طَرِيْقٍ **مُّسْتَقِيْمٍ﴿۵۴﴾** اَيْ دِيْنِ الْاِسْلَامِ **وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ** شَكٍّ **مِّنْهُ** اَيِ الْقُرْاٰنِ بِمَا اَلْقَاهُ الشَّيْطٰنُ عَلٰى لِسَانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَبْطَلَ **حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً** اَيْ سَاعَةُ مَوْتِهِمْ اَوِ الْقِيٰمَةُ فَجْاَةً **اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ﴿۵۵﴾** هُوَ يَوْمُ بَدْرٍ لَا خَيْرَ فِيْهِ لِلْكُفَّارِ كَالرِّيْحِ الْعَقِيْمِ الَّتِيْ لَا تَاْتِيْ بِخَيْرٍ اَوْ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ لَا لَيْلَ لَهٗ **اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ** اَيْ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **لِّلّٰهِ ؕ** وَحْدَهٗ وَمَا تَضَمَّنَهٗ مِنَ الْاِسْتِقْرَارِ نَاصِبٌ لِلظَّرْفِ **يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ** بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْكَافِرِيْنَ بِمَا بَيَّنَ بَعْدَهٗ **فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ﴿۵۶﴾** فَضْلًا مِنَ اللّٰهِ **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴿۵۷﴾** شَدِيْدٌ بِسَبَبِ كُفْرِهِمْ

ع ۹ ۱۴

ترجمہ:............آپ (ان اہل مکہ سے) کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تو تمہارے لئے صرف ایک صاف صاف ڈرانیوالا ہوں (اور اہل ایمان کو خوشخبری سنانے والا) سو جولوگ ایمان لے آئے اور نیک کام کرنے لگے ان کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی (یعنی جنت) ہے اور جولوگ ہماری آیتوں کے ابطال کی کوشش کرتے رہتے ہیں (انہوں نے مومنین کو عاجز سمجھ رکھا ہے اور انہیں ایمان سے روکنے کی سعی کرتے ہیں یا یہ کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کو عاجز سمجھ لیا ہے اور ایک قرأت میں **معاجزین** کے بجائے **معاجزین** ہے **مسابقین** کے معنی میں گویا ان منکرین نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے حشر ونشر کے انکار کے باوجود خدا تعالیٰ ان پر عذاب لانے پر قادر نہیں ہیں) وہی لوگ دوزخی ہیں اور ہم نے آپ سے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا (رسول اسے کہتے ہیں جنہیں تبلیغ پر مامور کیا گیا ہو اور نبی اسے کہتے ہیں جنہیں تبلیغ پر مامور نہ کیا گیا ہو) مگر یہ کہ جب اس نے کچھ پڑھا ہو تو شیطان نے اس کے پڑھنے میں شبہ ڈالا (اور قرآن میں غیر قرآن کو شامل کر دیا جس سے مشرکین خوش ہوتے۔ ایک مرتبہ جب آنحضور ﷺ نے قریش کی ایک مجلس میں سورۂ نجم کی تلاوت کرتے ہوئے **افرأیتم اللات والعزیٰ ومنٰوۃ الثالثۃ الاخریٰ** کے بعد غیر شعوری طور پر **تلک الغرانیق العلی وانا شفاعتھن لترتجی** بھی تلاوت کر دی جو شیطان کی طرف سے اضافہ تھا تو کفار بہت خوش ہوئے۔ جس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو اطلاع دی کہ یہ قرآن کی آیت نہیں ہے بلکہ شیطان کی طرف سے اضافہ ہے۔

یہ معلوم ہو کر آنحضور ﷺ بہت غمزدہ ہوئے تو آپ کو آنے والی آیت کے ذریعہ تسلی دی گئی اور مطمئن کیا گیا کہ) اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہ کو مٹا دیتا ہے۔ پھر اللہ اپنی آیات کو اور مضبوط کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب علم والا ہے (اور جانتا ہے اس اضافہ کو جو شیطان کی طرف سے کیا گیا) خوب حکمت والا ہے (لہٰذا شیطان کو جو کچھ انہوں نے اختیار دے رکھا ہے اس میں بھی کوئی حکمت ہوگی اور یہ سب اس لئے ہے) تا کہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ایسے لوگوں کے لئے آزمائش کا ذریعہ بنا دے۔ جس کے دل میں (شک کا) مرض ہے اور جن کے دل بہت سخت ہیں (حق بات کے قبول کرنے کے سلسلے میں) اور واقعی یہ ظالم لوگ بڑی مخالفت میں ہیں (آنحضور ﷺ اور مومنین کی۔ اس وجہ سے کہ آنحضور ﷺ کی زبان مبارک پر ان کے معبودوں کا تذکرہ آیا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے

اسے ختم کردیا) اور (یہ سب اس لئے بھی) تاکہ جن لوگوں کو فہم عطا ہوا ہے (توحید وقرآن کا) وہ یقین کرلیں کہ یہ (قرآن) آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے۔ سواس کے ایمان پر اور زیادہ قائم ہوجائیں۔ پھر اس کی طرف ان کے دل اور بھی جھک جائیں (اور مکمل طور پر مطمئن ہوجائیں) بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو راہ راست دکھا کر رہتا ہے اور جو کافر ہیں وہ تو ہمیشہ اس کی طرف سے شک ہی میں پڑے رہتے ہیں (یعنی قرآن کے بارے میں اور اس چیز کے بارے میں جن کا شیطان نے قرآن میں اضافہ کردیا تھا۔ لیکن پھر خدا تعالیٰ نے اسے ختم کردیا) یہاں تک کہ ان پر قیامت یک بیک آ پہنچی یا ان پر بے برکت دن کا عذاب آ پہنچے (اور وہ یوم بدر ہے۔ جس دن کہ کفار کے لئے کوئی خیر نہیں تھی یا وہ قیامت کا دن ہے) حکومت اس روز اللہ ہی کی ہوگی (قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو کچھ اختیار نہ ہوگا) اور وہ ان سب کے درمیان فیصلہ کردے گا (یعنی مومنین وکافرین کے درمیان اور وہ فیصلہ کیا ہوگا اس کی تفصیل آرہی ہے) سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے وہ (خدا تعالیٰ کے فضل سے) عیش کے باغوں میں ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا سو ان کے لئے تو عذاب ذلت والا ہوگا (ان کے کفر کی وجہ سے)۔

تحقیق وترکیب:............ **تمنی.** اس کے معنی جس طرح تمنا کرنے کے ہیں اسی طرح پڑھنے کے بھی ہیں۔ اور یہی معنی یہاں مراد ہیں۔

القی الشیطٰن. شیطان سے مراد جنس شیطان مراد لیا گیا ہے۔ جو سارے شیاطین جن وانس کو شامل ہے۔

تلک الغرانیق. یہ غرنوق کی جمع ہے ایک پرندہ کالا یا سفید رنگ کا ہوتا ہے۔ بعض لغات میں ہے کہ یہ آبی جانور ہے۔ جیسا کہ بط جو کبھی پانی میں اندر کی جانب غوطہ زن ہوتی ہے اور کبھی سطح پانی پر آجاتی ہے۔ مشرکین کا خیال تھا کہ بت ان کے لئے خدا کے یہاں سفارشی ہوں گے۔ گویا کہ بت آسمان پر چڑھتے اترتے ہیں۔ اس لئے اسے بط سے تشبیہ دیتے ہوئے غرنوق کہا گیا۔

والقاسیة. قسوۃ کے معنی دل کی سختی کے ہیں۔

یوم عقیم. عقیم کے معنی بانجھ کے ہیں۔ عقیم کی نسبت اس وجہ سے دن کی طرف کی کہ اس دن میں کوئی خیر نہیں ہے۔

فی مریة. میں منه کی ضمیر سے مراد وہ حکم بھی ہوسکتا ہے جس سے متعلق شیطان نے وسوسہ اندازی کی ہے۔ یا خود قرآن اور آنحضور ﷺ بھی مراد ہیں۔

﴿تشریح﴾:............ آنحضور ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ ان لوگوں میں جو عذاب کا مطالبہ کررہے ہیں اعلان کردیجئے کہ میں تو صرف خدا کا بھیجا ہوا ہوں۔ تاکہ تمہیں چوکنا کردوں اور خدا کے عذاب کی اطلاع دے دوں۔ اس سے زیادہ میرا کوئی اختیار نہیں۔ لہٰذا تمہارے حسب فرمائش اگر میں عذاب نہ لاسکوں تو اس سے نفس عذاب کی نفی یا تکذیب نہیں ہوسکتی ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ تم میں سے کس کی قسمت میں ہدایت ہے اور کون ہدایت سے محروم رہنے والا ہے؟ میں تو صرف اس کی اطلاع دینے آیا ہوں کہ جس کے دل میں یقین وایمان ہے اور ساتھ ہی اعمال صالحہ بھی تو اس کے سارے گناہ معاف کردیئے جائیں گے اور اس کی نیکیوں کے بدلہ میں اسے جنت ملے گی اور جو ہدایت سے محروم ہیں اور دوسروں کو بھی اطاعت خداوندی سے روکتے ہیں تو وہ جہنمی ہیں اور ان کے لئے سخت سے سخت عذاب ہے۔

شیطانی وساوس اور ان کی پادر ہوائی:............ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کیا گیا اور تسلی دی گئی کہ آپ سے پہلے بھی شیطان نے منکرین کے دل میں وسوسے ڈالے اور یہ اہل باطل اسی شیطانی حربہ سے کام لے کر انبیاء کرامؑ سے مقابلہ کرتے رہے ہیں۔ اس لئے اگر آپ کے ساتھ اس طرح کی کوئی بات پیش آئے تو یہ کوئی نادر اور نئی بات نہیں...... اس موقعہ پر بہت سے سادہ لوح مفسرین نے غرانیق العلیٰ کا ایک لغو قصہ نقل کیا ہے اور یہ بھی کہ اس واقعہ کے بعد اکثر مہاجرین حبش یہ سمجھ کر کہ مشرکین اب ایمان لے آئے ہیں۔ وہ سب کے سب مکہ واپس لوٹ آئے۔ لیکن یہ ساری روایتیں قطعاً لغو اور غلط ہیں۔

مشہور یہ کیا گیا کہ ایک مرتبہ آنحضور ﷺ مکہ میں سورۂ والنجم کی تلاوت فرما رہے تھے تو جب آپ آیت افرأیتم اللات والعزٰی ومنٰوۃ الثالثۃ الاخرٰی پر پہنچے تو شیطان نے آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ ڈال دیئے کہ تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجیٰ جسے مشرکین سن کر جو مجلس میں موجود تھے بہت خوش ہوئے کہ آج تو آنحضور ﷺ نے ہمارے معبودوں کی تعریف کردی۔ جو اس سے پہلے آپ نے کبھی نہیں کی۔ اور جب آنحضور ﷺ سجدہ میں گئے تو یہ مشرکین بھی خوشی کے عالم میں آپ کے ساتھ سجدہ میں شریک ہوگئے۔ جس سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ شاید یہ مشرکین بھی ایمان لے آئے ہیں۔ یہ واقعہ اور طریقوں سے بھی بیان کیا گیا ہے۔ لیکن محققین نے ان تمام واقعات کی شدت کے ساتھ تردید کی ہے۔

کیونکہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ جب آپ پر وحی اترتی تو فرشتوں کی ایک بڑی جماعت آپ کو احاطہ میں لے لیتی۔ تا کہ شیطان وحی میں کچھ خلط ملط نہ کردے۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ شیطان کا اس طرح کا کوئی حربہ کس طرح کامیاب ہوسکتا تھا۔

نیز خود قرآن میں ہے کہ شیطان نے خدا تعالیٰ کے سامنے اس کا اظہار کیا کہ آپ کے مخلص بندوں پر میری کوئی چال کامیاب نہیں ہوسکتی ہے تو پھر انبیاء کرامؑ سے بڑھ کر کون مخلص ہوسکتا ہے۔ لہٰذا یہ قصہ نہ روایۃً قابل قبول ہے اور نہ درایۃً۔

چنانچہ مشہور ترین سیرت نگار رسول ابن اسحٰق کا قول مشہور مفسر فخر الدینؒ رازی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہ قصہ زندیقوں کا گھڑا ہوا ہے اور انہوں نے اس کے رد میں پوری کتاب لکھ دی ہے اور اسی طرح امام بیہقیؒ نے کہا ہے کہ یہ قصہ روایۃً بے اصل ہے۔ اس کے راوی مطعون ہیں اور یہ حدیث کی کسی معتبر کتاب میں نہیں ہے۔ فخر الدین رازی ہی نے لکھا ہے کہ یہ غلط روایت جتنے طریقوں سے بھی آئی ہے کوئی بھی اس میں سند متصل کے ساتھ نہیں ہے بلکہ سب کی سب روایتیں منقطع اور مرسل ہیں۔ اس لئے قابل توجہ نہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے جوابات دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک جواب یہ بھی ہے کہ یہ الفاظ شیطان نے مشرکین کے کانوں میں ڈالے اور انہیں وہم میں ڈال دیا کہ یہ الفاظ آنحضور ﷺ کے منہ سے نکلے ہیں۔ حالانکہ یہ تو صرف شیطانی حرکت تھی۔

پھر فرمایا گیا کہ اگر شیطان اپنی طرف سے کچھ اضافہ کردیتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کا ازالہ فرمادیتے ہیں۔ نسخ کے معنی ازالہ اور رفع کے ہیں۔ یعنی خدا تعالیٰ اس زیادتی کو جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ ختم کرادیتے ہیں اور اس طرح پر آیات قرآنی واضح اور مستحکم ہوجاتی ہے۔

خدا تعالیٰ حکیم ہیں۔ ان کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ بھی حکمت سے خالی نہیں تھا۔ اس وجہ سے کہ یہ شیطانی وسوسے ان لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں شرک وکفر ہے اور جو نفاق میں مبتلا ہیں۔ ان کے لئے فتنہ بن جائے اور واقعہ یہی ہوا کہ مشرکین نے اس شیطانی وسوسے کو خدا تعالیٰ کی جانب سے سمجھ لیا۔ حالانکہ یہ الفاظ خدا کے نہیں بلکہ شیطان کی جانب سے تھے اور دوسری طرف اہل حق کے لئے ان کے ایمان میں اضافہ اور ان کے یقین کے مستحکم ہونے کا ذریعہ بنیں۔ جس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ انہیں عذاب سے محفوظ رکھتا ہے اور نعمت اخروی سے مالا مال فرماتا ہے۔

مایوسی: .... ارشاد خداوندی ہے کہ یہ کفار جن کے دلوں میں قرآن اور وحی الٰہی کی طرف سے شکوک وشبہات ہیں وہ تا قیامت ان کے دلوں سے نہیں نکل سکتے ہیں۔ شیطان انہیں اپنے مکروفریب میں ہمیشہ مبتلا رکھے گا۔ نیز جس طرح ایمان کی برکت سے دن بدن قلب میں نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح کفر وشرک کی نحوست سے قلب میں تاریکی اور ظلمانیت میں اضافہ ہوتا ہے اور انہیں اس وقت جو مہلت ملی ہوئی ہے اس سے ان کے دماغ میں کبر وغرور بھر رہا ہے۔ یہ اس وقت ہوش میں آئیں گے جب اچانک ان کے پاس قیامت کا عذاب آ پہنچے گا یا وہ نامبارک دن کے عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے جو ان کے لئے منحوس ثابت ہوگا۔ بعضوں کی رائے ہے کہ اس سے بدر کا دن مراد ہے۔ جو ان کے لئے ہر طرح کے عذاب کا دن تھا۔ یا یہ کہ ان سے مراد قیامت ہی کا دن ہے اور مکرر لانے سے مقصد اس دن کی شدت بیان کرنا مقصود ہو۔ یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

اس دن صرف خدا ہی کی بادشاہت ہوگی۔ ویسے حکومت تو آج بھی اللہ ہی کی ہے۔ مگر درمیان میں پردے پڑے ہوئے ہیں۔ لیکن قیامت کے دن یہ حجابات دور ہو جائیں گے اور ہر شخص کو براہ راست خدا تعالیٰ کی حکومت کا مشاہدہ ہو جائے گا۔ وہ دن کفار پر بہت سخت ہو کر گزرے گا۔ خدا تعالیٰ خود فیصلے کریں گے۔ جن کے دلوں میں ایمان، رسول کی صداقت اور اس کی لائی ہوئی شریعت کی حقانیت پر یقین ہوگا وہ جنت کی نعمتوں سے مالا مال ہوں گے اور جو اس دنیا میں شرک وکفر اور سرکشی میں مبتلا رہے ان کے لئے دردناک اور ذلت آمیز عذاب ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَیْ طَاعَتِهٖ مِنْ مَّكَّةَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ **ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا** هُوَ رِزْقُ الْجَنَّةِ **وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ** ﴿۵۸﴾ اَفْضَلُ الْمُعْطِيْنَ **لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا** بِضَمِّ الْمِيْمِ وَفَتْحِهَا اَیْ اِدْخَالًا اَوْ مَوْضِعًا **يَّرْضَوْنَهٗ** وَهُوَ الْجَنَّةُ **وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ** بِنِيَّاتِهِمْ **حَلِيْمٌ** ﴿۵۹﴾ عَنْ عِقَابِهِمْ اَلْاَمْرُ **ذٰلِكَ** الَّذِیْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ **وَمَنْ عَاقَبَ** جَازٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ **بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ** ظُلْمًا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اَیْ قَاتَلَهُمْ كَمَا قَاتَلُوْهُ فِی الشَّهْرِ الْمُحَرَّمِ **ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ** مِنْهُمْ اَیْ ظُلِمَ بِاِخْرَاجِهٖ مِنْ مَّنْزِلِهٖ **لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ** عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ **غَفُوْرٌ** ﴿۶۰﴾ لَهُمْ عَنْ قِتَالِهِمْ فِی الشَّهْرِ الْحَرَامِ **ذٰلِكَ** النَّصْرُ **بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ** اَیْ يُدْخِلُ كُلًّا مِّنْهُمَا فِی الْاٰخَرِ بِاَنْ يَّزِيْدَ بِهٖ وَذٰلِكَ مِنْ اَثَرِ قُدْرَتِهِ الَّتِیْ بِهَا النَّصْرُ **وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ** دُعَاءَ الْمُؤْمِنِيْنَ **بَصِيْرٌ** ﴿۶۱﴾ بِهِمْ حَيْثُ جَعَلَ فِيْهِمُ الْاِيْمَانَ فَاَجَابَ دُعَاءَهُمْ **ذٰلِكَ** النَّصْرُ اَيْضًا **بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ** الثَّابِتُ **وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ يَعْبُدُوْنَ **مِنْ دُوْنِهٖ** وَهُوَ الْاَصْنَامُ **هُوَ الْبَاطِلُ** الزَّائِلُ **وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ** اَیِ الْعَالِیْ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ بِقُدْرَتِهٖ **الْكَبِيْرُ** ﴿۶۲﴾ الَّذِیْ يَصْغُرُ كُلُّ شَیْءٍ سِوَاهُ **اَلَمْ تَرَ** تَعْلَمْ **اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً** مَطَرًا **فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً** بِالنَّبَاتِ وَهٰذَا مِنْ اَثَرِ قُدْرَتِهٖ **اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ** بِعِبَادِهٖ فِیْ اِخْرَاجِ النَّبَاتِ بِالْمَاءِ

خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ عِنْدَ تَاخِيرِ الْمَطَرِ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ عَلَى جِهَةِ الْمُلْكِ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ عَنْ عِبَادِهِ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾ لِاَوْلِيَائِهِ ع ۸ ۱۵

ترجمہ:.........اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں اپنا وطن چھوڑا (اور مکہ سے مدینہ کو ہجرت کر گئے) پھر وہ مارے گئے یا مر گئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں یقیناً بہترین رزق دے کر رہے گا (اور وہ جنت کی نعمت ہوگی) اور اللہ ہی سب رزق دینے والوں سے بہتر (دینے والا) ہے اور وہ انہیں ایسی جگہ داخل کرے گا جسے وہ بہت پسند کریں گے (یعنی جنت میں مدخلا میم کے ضمہ اور فتحہ دونوں طرح ہے) اور بے شک اللہ بڑا علم والا ہے (لوگوں کی نیتوں سے واقف ہے) بڑا علم والا ہے (یہ بات تو ہو چکی) اور جو شخص اسی قدر تکلیف پہنچائے، جتنی تکلیف اسے پہنچائی گئی (یعنی مومنین کو جتنی تکلیف پہنچی تھی اس کے برابر انہوں نے بدلہ لے لیا اور معاملہ برابر ہو گیا لیکن (اگر) پھر اس پر زیادتی کی جائے (اور انہیں ان کے گھروں سے نکالا جائے) تو اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ بڑا بخشنے والا ہے۔ یہ (یعنی مومنین کی نصرت وغلبہ) اسی سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کو داخل کر دیتا ہے دن میں اور دن کو داخل کر دیتا ہے رات میں (اور اسی طرح پر کبھی دن چھوٹا ہے اور کبھی رات چھوٹی ہو جاتی ہی تو جو ہستی اس پر قادر ہو سکتی ہے وہ مومنین کی مدد پر کیوں نہیں قادر ہو سکتی ہے) اور اس سبب سے کہ اللہ بڑا سننے والا ہے (مومنین کی دعا کو) بڑا دیکھنے والا ہے (مومنین کی ضرورتوں کو۔ اس وجہ سے کہ ان کی دعاؤں کو قبول کر لیا۔ کیونکہ ان کے دلوں میں ایمان تھا) یہ (نصرت) اس لئے بھی ہوگی کہ اللہ ہی تو بس حق ہے اور اس کے سوا یہ جس کو پکار رہے ہیں (بتوں میں سے) وہ بالکل باطل ہے اور اللہ ہی تو عالیشان ہے سب سے بڑا ہے (اس کے سوا جو چیز بھی ہے سب اس سے کمتر ہے) کیا تو یہ نہیں دیکھتا کہ اللہ ہی آسمان سے پانی برساتا ہے۔ سو زمین سرسبز ہو جاتی ہی (یہ سب خدا تعالیٰ کی قدرت میں ہے) بے شک اللہ بڑا مہربان ہے (اپنے بندوں پر پانی برسا کر سبزیاں اگا دیتا ہے) بڑا خبر رکھنے والا ہے (ان چیزوں کا جو لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ بارش میں تاخیر ہو جانے کی وجہ سے) اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک اللہ ہی بے نیاز ہے (اپنے بندوں سے) اور ہر تعریف کا سزاوار ہے۔

تحقیق وترکیب:.........**والذین هاجروا** مبتداء ہے اور **لیرزقنهم** اس کی خبر۔

مدخلاً میم کے ضمہ اور فتحہ دونوں طرح ہے یا یہ مصدر ہوگا ادخال کے معنی میں یا اسم مکان ہوگا اور جگہ کا معنی کیا جائے گا۔

خیر الرازقین. رزق کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ صرف کھانا پینا ہی مراد نہیں بلکہ ہر طرح کی نعمتیں وآسائشیں مراد ہو سکتی ہیں۔

ذالک. یہ خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ **الامر الذین قصصنا علیک ذلک.**

عاقب. یہ ماخوذ ہے تعاقب سے جس کے معنی پیچھا کرنے کے ہیں۔ بدلہ لینے کے لئے یہ لفظ اسی وجہ سے استعمال ہوا کہ بدلہ کا وقوع بھی بعد میں ہی ہوتا ہے۔

یدعون. بعضوں نے اسے تاء کے ساتھ **تدعون** پڑھا ہے۔ لیکن اکثر کے نزدیک **یدعون** یا کے ساتھ ہے۔

فتصبح. اس کا عطف **انزل** پر ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ آسمان سے پانی برساتا ہے جس سے زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ یا **فتصبح** میں **فا** عاطفہ نہ ہو بلکہ سببیت کے لئے ہو۔ اگر فا سببیہ ہوگی تو کسی ضمیر کو مقدر ماننے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اور **الم تر.** استفہام کا یہاں کوئی جواب نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو منصوب ہوتا بلکہ **الم تر** خبر کے معنی میں ہے۔ جس کا مفہوم (تم دیکھ رہے ہو) اور اگر جواب کو منصوب مانا گیا تو اخضرار کی نفی ہو جائے گی۔ حالانکہ اخضرار کو ثابت کرنا ہے اور **تصبح** جو مضارع سے ماخوذ کیا گیا ہے یہ بتانا ہے کہ

بارش کے اثرات ممتد رہتے ہیں۔

اپنی نعمتوں کے مستحق لوگوں کو خوب جانتا ہے اور ہر واقعہ کی حکمت و مصلحت اس پر اچھی طرح واضح رہتی ہے۔ اس لئے مومنین کو اگر دنیا میں ناکامی کا سامنا ہو تو اس سے مایوس و بددل ہرگز نہ ہونا چاہئے۔

اور خدا تعالیٰ حلیم بھی ہیں۔ چنانچہ بڑے سے بڑے مجرموں اور سرکشوں کو بھی فوری سزا نہیں دیتے ہیں بلکہ اسے مہلت دیتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اگر وہ نہیں سنبھلتا ہے تو پھر عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

اس کے بعد کی آیت ان مومنین کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن سے مشرکین کے ایک لشکر نے باوجود اس کے رک جانے کے حرمت والے مہینہ میں جنگ کی تو خدا تعالیٰ نے کفار کے مقابلہ میں ان مومنین کی مدد فرمائی اور مشرکین ناکام ہوئے۔ انہی کے بارے میں ارشاد ہے کہ ان کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص پر اس کے کسی دشمن نے ظلم کیا اور اس نے اس ظلم کا بدلہ لیا۔ گویا معاملہ برابر ہو گیا۔ لیکن پھر مظلوم پر از سر نو زیادتی کی گئی تو اس مظلوم یعنی مومن کی خدا تعالیٰ مدد فرمائے گا۔ دنیا اور آخرت میں بھی اور بے شک خدا تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے۔

خدا غالب ہے:.......... پھر ارشاد ہوا کہ تمام چیزوں کا خالق اور ہر چیز کا متصرف صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ رات کی تاریکی اور سناٹے کو دن کی روشنی اور چہل پہل میں اور اسی طرح دن کے ہنگامہ اور چہل پہل کو رات کے خاموش سناٹے میں تبدیل کر دیتا ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں کبھی رات بڑی اور دن چھوٹا اور کبھی دن چھوٹا رات بڑی ہو جاتی ہے اور اس طرح کے بے پناہ کارنامے دن رات اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو جو ذات اس قدر کامل و مکمل ہو اور جس کا نظام اس درجہ مستحکم ہو تو اس کے لئے مومنین کی نصرت میں کونسی تعجب کی بات ہے۔ وہ ظالموں کے ظلم کو دیکھ رہا ہے اور اسی طرح مظلوموں کی مظلومیت اس پر روشن ہے۔ لہٰذا اسی کی ذات کامل اور اسی کی نصرت حقیقی ہے۔ ان کے مقابل میں یہ مشرکین جن معبودوں کی نصرت وحمایت پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں سب باطل اور بیکار ہیں۔

خدا تعالیٰ اپنے اسی غلبہ واقتدار کو بیان فرمارہے ہیں کہ سوکھی اور غیر آباد زمین پر اس کے حکم سے بارشیں برستی ہیں۔ جس کے نتیجہ میں اچانک ان غیر آباد زمینوں میں تبدیلی آتی ہے اور وہ سرسبز ہو جاتی ہیں۔ وہی اپنے بندوں کی ضرورتوں سے اچھی طرح واقف ہے اور پھر ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا انتظام کرتے رہتے ہیں۔ وہی ہر چیز کا مالک ہے اور ہر ضرورت اور ہر حاجت سے بالاتر، نیز ہر ایک کی نصرت واعانت سے نیاز، غرض یہ کہ وہ جامع کمالات ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ مِنَ الْبَهَائِمِ **وَالْفُلْكَ** اَلسُّفُنُ **تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ** لِلرُّكُوْبِ وَالْحَمْلِ **بِاَمْرِهٖ** بِاِذْنِهٖ **وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ** مِنْ **اَنْ** اَوْلِئَلَّا **تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ** فَتَهْلِكُوْنَ **اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴿۶۵﴾** فِي التَّسْخِيْرِ وَالْاِمْسَاكِ **وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ** بِالْاِنْشَاءِ **ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ** عِنْدَ اِنْتِهَاءِ اٰجَالِكُمْ **ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ** عِنْدَ الْبَعْثِ **اِنَّ الْاِنْسَانَ** اَيِ الْمُشْرِكَ **لَكَفُوْرٌ﴿۶۶﴾** لِنِعَمِ اللّٰهِ بِتَرْكِهٖ

تَوحِیدَهٗ **لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا** بِفَتحِ السِّینِ وَکَسرِھَا شَرِیعَةً **هُمْ نَاسِكُوْهُ** عَامِلُونَ بِهٖ **فَلَا يُنَازِعُنَّكَ** یُرَادُبِهٖ لَا تُنَازِعُهُم **فِي الْاَمْرِ** اَمرِ الذَّبِیحَةِ اِذْ قَالُوا مَاقَتَلَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَاکُلُوهُ مِمَّا قَتَلتُم **وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ** اَیْ اِلٰی دِینِهٖ **اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى** دِینٍ **مُّسْتَقِيْمٍ**﴿۶۷﴾ **وَاِنْ جَادَلُوْكَ** فِی اَمرِ الدِّینِ **فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ**﴿۶۸﴾ فَیُجَازِیکُم عَلَیهِ وَھٰذَا قَبلُ الاَمرِ بِالقِتَالِ **اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ** اَیُّھَا المُؤمِنُونَ وَ الکَافِرُونَ **يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ**﴿۶۹﴾ بِاَنْ یَّقُولَ کُلٌّ مِنَ الفَرِیقَینِ خِلَافُ قَولِ الاٰخَرِ **اَلَمْ تَعْلَمْ** اَلاِستِفهَامُ فِیهِ لِلتَّقرِیرِ **اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّ ذٰلِكَ** اَیْ مَاذُکِرَ **فِيْ كِتٰبٍ** ھُوَ اللَّوحُ المَحفُوظُ **اِنَّ ذٰلِكَ** اَیْ عِلمُ مَاذُکِرَ **عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ**﴿۷۰﴾ سَهلٌ **وَيَعْبُدُوْنَ** اَیِ المُشرِکُونَ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ** ھُوَ الاَصنَامُ **سُلْطٰنًا** حُجَّةً **وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ** اَنَّھَا اٰلِهَةٌ **وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ** بِالاِشرَاكِ **مِنْ نَّصِيْرٍ**﴿۷۱﴾ یَمنَعُ عَنهُم عَذَابَ اللّٰهِ **وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا** مِنَ القُراٰنِ **بَيِّنٰتٍ** ظَاهِرَاتٍ حَالٌ **تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ** اَیِ الاِنکَارَ لَهَا اَیْ اَثَرَهٗ مِنَ الکَرَاهَةِ وَالعُبُوسِ **يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا** اَیْ یَقَعُونَ فِیهِم بِالبَطشِ **قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ** اَیْ بِاَکرَهَ اِلَیکُم مِنَ القُراٰنِ المَتلُوِّ عَلَیکُم ھُوَ **اَلنَّارُ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** بِاَنَّ مَصِیرَھُم اِلَیھَا **وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ**﴿۷۲﴾ ھِیَ

ترجمہ:......... کیا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اللہ نے تمہارے واسطے کام میں لگا رکھا ہے اس کو بھی جو کچھ زمین پر ہے (چوپایہ وغیرہ) اور کشتی کو بھی کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے (سواری اور سامان کو لانے لے جانے کی غرض سے) اور وہی آسمانوں کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے مگر ہاں کہ اسی کا حکم ہو جائے (تو وہ آسمان گر پڑے اور لوگ ہلاک ہو جائیں) بے شک اللہ تو انسانوں پر بڑا شفقت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے (کہ چیزوں کو انسان کے قبضہ میں دے رکھا ہے) اور وہ وہی ہے جس نے تم کو زندگی دی۔ پھر تمہیں موت دے گا (جب تمہاری عمر پوری ہو جائے گی) پھر تم کو جلائے گا (حشر ونشر کے وقت) بے شک انسان (یعنی مشرک) بڑا ناشکرا ہے (اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں کے باوجود ایمان نہیں لاتا) ہم نے ہر امت کے واسطے ایک طریقہ ذبح کا مقرر کر رکھا ہے (منسکاً میں س کو کسرہ اور فتحہ دونوں ہیں معنی میں طریقہ کے) وہ اس پر چلنے والے ہیں۔ سو انہیں نہ چاہئے کہ آپ سے جھگڑا کریں اس امر (ذبح) میں (اور یہ کہیں کہ خدا کا مارا ہوا زیادہ مستحق ہے کھائے جانے کا بمقابلہ ان جانوروں یا پرندوں کے کہ جس کو انسان نے مارا ہے) اور آپ ان کو اپنے پروردگار (کے دین) کی طرف بلاتے رہئے۔ بے شک آپ ہی سیدھے راستہ پر ہیں۔ اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا نکالتے رہیں (امور دین میں) تو کہہ دیجئے کہ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو (وہی تم کو اس کا بدلہ دے گا۔ یہ حکم احکامات جنگ سے پہلے کا ہے) اللہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا قیامت کے دن (اے مومنین ومشرکین) جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو (اور ایک دوسرے کے قول کی مخالفت کرتے رہتے ہو) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز کو جانتا ہے، جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ یہ سب

(قول وفعل) نامہ اعمال میں درج ہیں۔ بے شک یہ (یعنی فیصلہ) اللہ کے نزدیک بہت آسان ہے۔ یہ لوگ (یعنی مشرکین) اللہ کی سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن (کے جواز عبادت) پر اللہ نے کوئی حجت نہیں اتاری ہے۔ اور نہ ان کے پاس اس کے معبود ہونے کے) لئے کوئی دلیل ہے اور نہ ان ظالموں کا کوئی مددگار ہوگا (جو ان کے عذاب کو روک دے) اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں (جن کے مضامین) خوب واضح ہیں تو آپ ﷺ کافروں کے چہروں پر (بوجہ ناگواری کے) برے اثرات دیکھتے ہیں۔ گویا یہ لوگ ان پر حملہ کر بیٹھیں گے جو انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں (شدت ناراضگی کی وجہ سے) آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں اس (قرآن) سے بڑھ کر ناگوار چیز بتاؤں وہ دوزخ ہے۔ اللہ نے اس کا کافروں سے وعدہ لے رکھا ہے (بطور ٹھکانہ کے) اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

تحقیق وترکیب:......... **والفلک** عام طور پر فلک منصوب پڑھا گیا ہے جس کی دو وجہ ہیں۔ اول یہ کہ اس کا عطف **وما فی الارض** پر ہے ترجمہ یہ ہوگا کہ تمہارے لئے جہازوں کو مسخر کر دیا ہے۔ بظاہر جب **مافی الارض** کی تسخیر کی اطلاع دے دی گئی تھی تو **الفلک** کا تذکرہ غیر ضروری تھا لیکن دوسری صورت یہ ہے کہ عطف جلالت وعظمت ربانی پر ہو جو یہاں مقدر ہے اور اس سے پہلے **الم تر** کو مقدم مانا جائے مطلب یہ ہوگا کہ ذرا خدا تعالیٰ کی شان اور بے پناہ قدرتوں کو دیکھو کہ جہاز کس طرح پانی کی سطح پر تیرتے ہیں۔

یمسک السماء. اصل میں تو اس سے مقصود توحید پر استدلال ہے۔ ویسے بارش اور بادل بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

ان تقع. اصلاً یہ **من ان تقع** یا **لان لاتقع** ہے۔ **ان تقع** محلاً منصوب ہے یا مجرور اور حرف جر مقدر تقدیر عبارت **من ان تقع** بعضوں نے **السماء** سے بدل مشتمل مان کر اسے محلاً منصوب بھی کہا ہے۔ جبکہ بعض مفعول لہ ہونے کی بناء پر منصوب پڑھتے ہیں۔

الا باذنہ. بظاہر یہ استثناء عام حالات سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان زمین پر کسی وقت اور کسی حال میں بھی نہیں گر سکتا۔ الا یہ کہ خدا تعالیٰ ہی کی مشیت وارادہ ہو۔

منسکاً. منسک اصل معنی تو اگرچہ موضع ذبح کے ہے۔ لیکن یہ لفظ جملہ عبادت کے لئے عام ہے اور بعض نے کہا ہے کہ منسک یہاں شریعت کے مترادف ہے۔

فی الامر. یعنی مسئلہ جواز ذبیحہ میں۔

یکادون کے لفظی معنی کسی فعل یا عمل کے قریب ہو جانے کے ہیں۔

یکادون یسطون. یہ جملہ حال ہے۔ **الذین** موصول سے یا اس کا ذوالحال **وجوہ** ہے جس سے اشخاص مراد ہیں اور **یسطون. یبطشون** کے معنی میں ہے۔ اسی لئے اس کا صلہ وہی استعمال ہوا جو بطش کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

النار. یہ خبر ہے مبتداء محذوف کی اور یہ گویا کہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ سب سے زیادہ ان کے حق میں خوفناک کیا ہوگی۔ **النار** اسی سوال کا جواب ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مبتداء ہو اور خبر **وعدھا اللہ** ہو۔

سمین نامی کتاب میں ہے کہ **النار** پر تینوں اعراب آ سکتے ہیں۔ مبتداء یا خبر ہونے کی بناء پر رفع **اعنی** مضمر ہونے کی بناء پر نصب اور بشر سے بدل ہونے کی بناء پر جر۔

شان نزول:......... بعض مشرکین مثلاً بدیل بن ورقاء وبشر بن سفیان اور یزید بن خنیس وغیرہ نے مسلمانوں سی یہ کٹ حجتی کر دی کہ تم اپنے مارے ہوئے یعنی ذبح کئے ہوئے کو تو جائز سمجھ کر کھاتے ہو اور خدا کے مارے ہوئے یعنی مردار کو ناجائز سمجھتے ہو حالانکہ خدا کا

مارا ہوا کھانے کے لئے مناسب ہونا چاہئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی فلا ینازعنک فی الامر الخ.

﴿تشریح﴾:............ خدا تعالیٰ کے اسی غلبہ وقدرت کا بیان ہے کہ یہی وہ ذات ہے جس نے آسمان وزمین کی تمام چیزوں کو انسانوں کے ماتحت کر دیا۔ اسی کے فضل وکرم سے یہ بحری جہاز وکشتیاں انسانوں کی سواری اور اس کے اسباب وسامان کو لانے لے جانے کے کام آرہی ہیں۔ گویا اس سارے کارخانہ کو انسانون کے کام میں لگانے والا اور بحری قوتوں کو انسانوں کے لئے مسخر کرنے والا، اسی طرح زمین جو آسمان کو موجود ہیئتوں پر برقرار رکھنے والا وہی ذات واحد ہے۔ کوئی اور دیوی اور دیوتا ان کاموں میں شریک نہیں۔ جیسا کہ مشرکین کا خیال ہے۔ یہ اس کی صفت رحمت کا نتیجہ ہے کہ انسانوں کو ان تمام چیزوں پر قدرت دے رکھی ہے اور انسان تمام پر حاوی ہے۔

نیز وہی ذات واحد ہے جس نے سب کو پیدا کیا اور پھر انہیں فنا کر دے گا اور اس کے بعد دوبارہ زندگی دے گا۔ ساری تصرفات کی مرکز اسی کی ذات ہے۔ اسی لئے واقعی قابل پرستش اور لائق عبادت خدا تعالیٰ ہی ہیں۔ یہ بہت بڑی ناشکری وناقدری ہے کہ خدا تعالیٰ کی طاقت وقوت کو دیکھتے ہوئے بھی انسان کفر وشرک میں مبتلا ہے اور معبودان باطل کی عبادت میں لگا ہوا ہے۔ لہٰذا ان تمام شرک وکفر کو چھوڑ کر خالص خدا کی عبادت میں لگ جانا چاہئے۔

ہر قوم کا راستہ الگ رہا ہے، دینی قبلہ گاہ ہے:............ ارشاد ہے کہ ہم نے ہرامت کے لئے اس کے پیغمبر کو الگ الگ شریعت دی ہے۔ لہٰذا انہیں آپس میں لڑنا نہیں چاہئے۔ منسکاً کے معنی موضع ذبح کے لئے گئے ہیں۔ ویسے یہ لفظ جملہ عبادات کے لئے عام ہے۔ موضع ذبح مراد لینے کی صورت میں ان مشرکین سے کہا جا رہا ہے کہ انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ یہ آپ ﷺ پر اعتراض کریں اور آپ ﷺ سے کٹ حجتی کریں۔ جیسا کہ یہ ذبح کے معاملہ میں آپ ﷺ سے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسانوں کے ذبح کئے ہوئے کے مقابلہ میں مردار کو کھانا چاہئے۔ کیونکہ وہ تو خدا کا مارا ہوا ہے۔

کہا جا رہا ہے کہ یہ تو اندھے ہیں، انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ آپ کو ٹوکیں۔ البتہ آپ ﷺ کو اس کا حق ہے کہ انہیں ٹوکیں اور صحیح راستہ پر لگائیں۔ اندھوں کو اس کا کوئی حق نہیں کہ وہ آنکھ والوں کی رہنمائی کریں اور اگر یہ آپ ﷺ سے لڑائی جھگڑا کرتے ہیں تو آپ ﷺ زیادہ ردوقدح میں نہ پڑیئے، بلکہ ان سے یہ کہہ کر خاموش ہو جایئے کہ خدا تعالیٰ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو تم کہہ اور کر رہے ہو۔ وہی تمہارا اور ہمارا فیصلہ کرے گا۔

پھر خدا تعالیٰ کے کمال علم کا بیان ہے کہ وہ تو زمین وآسمان کی ہر چیز کو جانتا ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ اور چھپی ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ لوح محفوظ میں سب کچھ درج ہے یا یہ کہ انسانوں کے اقوال وافعال اس کے نامہ اعمال میں لکھ لئے گئے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ خدا کو فیصلہ کرنے میں دیر ہی کیا لگ سکتی ہے یا مشکل کیا پیش آسکتی ہے۔

ان مشرکین کی حماقت بیان کی جاتی ہے کہ جنہیں یہ خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ ان کی معبودیت پر ان کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔ محض شیطانی تقلید ہے اور کچھ نہیں۔ ان معبودان باطل کی بے کسی تو اس سے ظاہر ہے کہ یہ قیامت کے دن ان کی کوئی مدد بھی نہیں کر سکیں گے۔

جب ان مشرکین کے سامنے وعظ ونصیحت کی جاتی ہے اور قران کے واضح احکامات بیان کئے جاتے ہیں تو ان کے بدن میں آگ لگ جاتی ہے اور غصہ سے بھر جاتے ہیں اور شدید ناگواری کے اثرات ان کے چہروں سے معلوم ہونے لگتے ہیں۔ بلکہ اگر ان کا

بس چلے تو گلا گھونٹ دیں۔

فرمایا گیا۔ آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ تم جواس قرآن کو ناگوار سمجھ رہے ہو اس سے زیادہ ناگوار اور تکلیف دہ تو تمہارے لئے جہنم کا عذاب ہوگا جو نہایت بدترین جگہ اور خوفناک مقام ہے۔ جہاں آرام کا نام ونشان بھی نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَیْ اَھْلَ مَکَّۃَ **ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ** وَھُوَ **اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ** تَعْبُدُوْنَ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَیْ غَیْرَہٗ وَھُمُ الْاَصْنَامُ **لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا** اِسْمُ جِنْسٍ وَاحِدُہٗ ذُبَابَۃٌ یَقَعُ عَلَی الْمُذَکَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ **وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ** اَیْ لِخَلْقِہٖ **وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا** مِمَّا عَلَیْھِمْ مِنَ الطِّیْبِ وَالزَّعْفَرَانِ الْمُلَطَّخُوْنَ بِہٖ **لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ** یَسْتَرِدُّوْہُ **مِنْهُ** لِعَجْزِھِمْ فَکَیْفَ یَعْبُدُوْنَ شُرَکَاءَ لِلّٰہِ تَعَالٰی ھٰذَا اَمْرٌ مُسْتَغْرَبٌ عَبَّرَعَنْہُ بِضَرْبِ مَثَلٍ **ضَعُفَ الطَّالِبُ** الْعَابِدُ **وَالْمَطْلُوْبُ** ﴿۷۳﴾ اَلْمَعْبُوْدُ **مَا قَدَرُوا اللّٰهَ** عَظَّمُوْہُ **حَقَّ قَدْرِهٖ** عَظَمَتِہٖ اِذْ اَشْرَکُوْا بِہٖ مَالَمْ یَمْتَنِعْ مِنَ الذُّبَابِ وَلَا یَنْتَصِفُ مِنْہُ **اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ** ﴿۷۴﴾ غَالِبٌ **اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ** رُسُلًا نَزَلَ لَمَّا قَالَ الْمُشْرِکُوْنَ ءَ اُنْزِلَ عَلَیْہِ الذِّکْرُ مِنْ بَیْنِنَا **اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ** لِمَقَالَتِھِمْ **بَصِيْرٌ** ﴿۷۵﴾ بِمَنْ یَتَّخِذُہٗ رُسُلًا کَجِبْرِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ وَاِبْرَاھِیْمَ وَمُحَمَّدٍ وَغَیْرِھِمْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ **يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ** اَیْ مَا قَدَّمُوْا وَمَا خَلَّفُوْا اَوْمَا عَمِلُوْا وَمَاھُمْ عَامِلُوْنَ بَعْدُ **وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ** ﴿۷۶﴾ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا** اَیْ صَلُّوْا **وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ** وَحِّدُوْہُ **وَافْعَلُوا الْخَيْرَ** کَصِلَۃِ الرَّحْمِ وَمَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** ﴿۷۷﴾ تَفُوْزُوْنَ بِالْبَقَاءِ فِی الْجَنَّۃِ **وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ** لِاِقَامَۃِ دِیْنِہٖ **حَقَّ جِهَادِهٖ** بِاسْتِفْرَاغِ الطَّاقَۃِ فِیْہِ وَنَصَبُ حَقَّ عَلَی الْمَصْدَرِ **هُوَ اجْتَبٰىكُمْ** اخْتَارَکُمْ لِدِیْنِہٖ **وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ** اَیْ ضِیْقٍ بِاَنْ سَهَّلَہٗ عِنْدَ الضَّرُوْرَاتِ کَالْقَصْرِ وَالتَّیَمُّمِ وَاَکْلِ الْمَیْتَۃِ وَالْفِطْرِ لِلْمَرَضِ وَالسَّفَرِ **مِلَّةَ اَبِيْكُمْ** مَنْصُوْبٌ بِنَزْعِ الْخَافِضِ الْکَافِ **اِبْرٰهِيْمَ** عَطْفُ بَیَانٍ **هُوَ** اَیِ اللّٰہُ **سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ** اَیْ قَبْلَ ھٰذَا الْکِتَابِ **وَفِيْ هٰذَا** اَیِ الْقُرْاٰنِ **لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ** یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَنَّہٗ بَلَّغَکُمْ **وَتَكُوْنُوْا** اَنْتُمْ **شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ** اَنَّ رُسُلَھُمْ بَلَّغَتْھُمْ **فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ** دَاوِمُوْا عَلَیْھَا **وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ** ثِقُوْا بِہٖ **هُوَ مَوْلٰىكُمْ** نَاصِرُکُمْ وَمُتَوَلِّیْ اُمُوْرِکُمْ **فَنِعْمَ الْمَوْلٰى** ھُوَ **وَنِعْمَ النَّصِيْرُ** ﴿۷۸﴾ اَیِ النَّاصِرُ ھُوَلَکُمْ

ع ۱۰
۱۷

ترجمہ: .... اے لوگو(اہل مکہ) ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے سو اسے سنو۔ جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو (اور پوجا پاٹ کرتے ہو یعنی یہ بت وغیرہ) وہ ایک مکھی تک تو پیدا کر نہیں سکتے (ذبابا اسم جنس ہے واحد اس کا ذبابۃ ہے۔ مذکر اور مونث دونوں کے لئے۔ معنی مکھی کے ہیں) سب کے سب اس غرض کے لئے جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان کے سامنے سے کچھ چھین لے جائے

(ان چیزوں میں سے جوان کے اوپر چڑھاوا چڑھایا جاتا ہے) تو وہ اس سے چھڑا تک نہیں سکتے (ان کے عجز کا تو یہ عالم ہے کہ مکھی بھی نہ بھگا سکیں۔ حیرت ہے کہ پھر بھی یہ ان کی پوجا پاٹ میں لگے ہوئے ہیں۔ طالب ایسا لچر اور مطلوب بھی ایسا ہی ہے۔ ان لوگوں نے تعظیم نہ کی اللہ کی جو اس کی تعظیم کا حق ہے (ان بتوں کو خدا کا شریک ٹھہرا کر جو مکھی بھی نہ بھگا سکیں) بے شک اللہ بڑی قوت والا سب پر غالب ہے۔ اللہ انتخاب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے پیام پہنچانے والا اور آدمیوں میں سے بھی جسے چاہتا ہے (یہ اس وقت نازل ہوا جب مشرکین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ کیا ہمی رہ گئے تھے ہم میں سے جن کے اوپر قرآن نازل ہو) بے شک اللہ سننے والا ہے (ان کے اقوال کو) خوب دیکھنے والا ہے (کہ یہ کسے رسول بناتے ہیں جبرئیل و میکائیل کو یا ابراہیم علیہ السلام یا آنحضور ﷺ یا ان کے علاوہ کسی اور کو) اور وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے (اور یہ کہ یہ اب تک کیا کر چکے ہیں اور آئندہ کیا کرنے والے ہیں) اور اللہ ہی پر تمام کاموں کا مدار ہے۔

اے ایمان والو رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو (یعنی نمازیں پڑھا کرو) اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو اور نیکی کرتے رہو (مثلاً دوسروں کے صلہ رحمی اور اپنے عمدہ اخلاق کا مظاہرہ کیا کرو) تا کہ تم فلاح پا جاؤ (اور ہمیشگی کی جنت مل جائے۔)

اور اللہ کے کام میں کوشش کرتے رہو جو اس کی کوشش کا حق ہے (اور قیام دین کی جدوجہد میں مکمل طور پر لگ جاؤ۔ حق منصوب بر بنائے مصدر ہے) اس نے تمہیں برگزیدہ کیا (اپنے دین کے لئے) اور اس نے تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں کی (یعنی کوئی شدت اختیار نہیں کی۔ بلکہ تسہیل سے کام لیا اور وقت ضرورت نمازوں میں قصر اور وضو کے بجائے تیمم کی اجازت دی اور اسی طرح حالت مرض یا مسافرت میں روزہ کے اختیار کی بھی اجازت دی اور ضرورت پڑنے پر مردار کو بھی جائز قرار دیا)۔

تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر قائم رہو (ملة منصوب ہے کاف حرف جر کے ہٹا دنے کی وجہ سے اور ابراهيم عطف بیان ہے) اسی نے تمہیں مسلم قرار دیا۔ (نزول قرآن سے) پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی تا کہ رسول تمہارے اوپر گواہ ہوں (قیامت کے دن کہ وہ تمہارے پاس تبلیغ کے لئے پہنچے تھے) اور تم سب لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ٹھہرو (اس بات پر کہ یہ رسل ان کے پاس تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے تھے) سو تم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو۔ وہی تمہارا کارساز ہے۔ سو کیا اچھا کارساز اور کیسا اچھا مددگار ہے۔

تحقیق وترکیب: .... **ولو اجتمعوا.** موضع حال میں ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ساری کائنات بھی کسی مکھی کی تخلیق کا ارادہ کر لے تو ناکام ہی رہے گی۔

واركعوا واسجدوا. تمام نماز میں صرف سجدہ اور رکوع کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ یہ دونوں رکن خشوع وخضوع کے وافر حصہ پر پھیلے ہوئے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ان دونوں رکن کا تذکرہ اس وجہ سے کیا گیا ہو کہ یہ نماز کے اہم ترین ارکان میں سے ہیں۔

لعلكم تفلحون. لعل جب خدا تعالیٰ کی زبان سے ادا ہو تو صرف امید کا نہیں بلکہ یقین کا معنی ہوگا اور خدا تعالیٰ کی طرف سے وعدہ کا مفہوم پیدا کر لے گا۔

فى الله کو یہاں للہ کے مرادف لیا گیا ہے۔

جاهدوا فى الله. یہاں دو مضاف مقدر ہیں۔ ایک اقامه، دوسرا دين. تقدیر عبارت ہے۔

جاهدوا لاقامة دين الله. یعنی اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لئے جہاد کرو اور **جاهدوا** کا مفعول محذوف ہے۔ یعنی **اعداء كم.** کفار سے عداوت ظاہراً و باطناً دو طریقہ پر ہے۔ ظاہر تو یہی ہے کہ وہ صریح گمراہی پر ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل

سے مسلمانوں کو ہدایت نصیب کی۔ باطناً مجاہدہ اپنی خواہشات پر کنٹرول کرنا ہے اور مجاہدہ کی یہ آخری صورت درحقیقت بہت دشوار ہے۔

ملة ابیکم. کاف حرف جر یہاں سے ساقط کر دیا گیا۔ اصل عبارت تھی کملة ابیکم. یا پھر یہ منصوب اتبعوا فعل مقدر ہونے کی بناء پر ہے۔ جبکہ یہ مفعول ہوگا۔ یا یہ منصوب ہے ماقبل کے مضمون کی بناء پر۔ مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے دین میں اسی طرح توسع ہے۔ جیسا کہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی ملت میں تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ فعل جعل مقدر ہو اور یہ اس کا مفعول بہ ہو۔

هو سمّٰكم ضمیر هو سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں۔

من قبل یعنی قرآن مجید سے پہلے۔ **فی هذا** . یعنی قرآن مجید میں۔

﴿تشریح﴾:........خدا تعالیٰ کے علاوہ جن کی پوجا کی جاتی ہے ان کی کمزوری اور بے کسی اور ان کے پجاریوں کی کم عقلی کا ذکر ہے کہ انہوں نے اتنی عاجز اور بے کس و بے بس مخلوق کو معبود ٹھہرا رکھا ہے جن کے عجز کا یہ عالم ہے کہ سب مل کر اگر ایک مکھی کو بھی پیدا کرنا چاہیں تو ممکن نہیں اور پیدا کرنا تو دور کی بات ہے۔ اگر یہ بتوں کے سامنے سے مکھیاں ان کے چڑھاوے کی چیزیں بھی اٹھا لے جائیں تو ان میں اتنی ہمت وسکت نہیں کہ وہ ان مکھیوں کو بھگا ہی دیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ طالب سے مراد بت اور مطلوب سے مراد مکھی ہے۔ بعض دوسرے مفسرینؒ نے بھی اسے اختیار کیا ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ طالب سے مراد عابد اور مطلوب سے مراد خدا کے علاوہ دوسرے معبود ہیں۔

فرمایا گیا کہ ان کے دلوں میں خدا تعالیٰ کی قدر ومنزلت اور اس کی عظمت اس درجہ میں بھی نہیں ہے کہ جو عبدیت کے تعلق کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہو اور جس کا کہ انسان کو مکلف بنایا گیا ہے۔ ورنہ تو خدا کے شایان شان عظمت تو کسی سے ممکن بھی نہیں اور نہ اس کا انسان کا مکلف بنایا گیا۔ اگر ان کے دل میں ذرا بھی خدا کی عظمت ہوتی تو یہ ان کے مقابل میں اتنے عاجز اور درماندہ مخلوق کو معبود کیوں ٹھہراتے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ اپنی طاقت وقدرت میں یکتا ہیں۔ ان کی عظمت وسلطنت کا کوئی مقابلہ کرنے والا بھی نہیں۔ لہٰذا معبودیت والوہیت کا حق صرف اسی کو پہنچتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی کو نہیں۔ وہی قابل پرستش اور لائق حمد ہے۔

نزول وحی وانتخاب رسول:........ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے اختیار سے جس فرشتے کو چاہتے ہیں مقرر کر لیتے ہیں اور اس کے ذمہ آنحضور ﷺ تک شریعت کو پہنچانے کا کام سپرد کر دیتے ہیں اور اسی طرح بندوں میں سے بھی جسے چاہتے ہیں پیغمبری کا جلیل القدر منصب عطاء فرماتے ہیں۔ پیغمبروں کا انتخاب تمام تر خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہیں منتخب کریں کیونکہ وہ ہر ایک کی ظاہری وباطنی صلاحیتوں سے خوب اچھی طرح واقف ہیں۔ ان کے انتخاب میں کسی غلطی کا امکان نہیں اور وہ ہر ایک کی ماضی ومستقبل کا حال اچھی طرح جانتے ہیں۔

پھر مومنین کو حکم ملا کہ اسلام کے بعد نماز اور دوسری عبادتوں کو بجالاتے رہو۔ اسی طرح نیکیوں میں لگے رہو اور دین کے کاموں میں سستی نہ کرو۔ بلکہ خدا کا کام سمجھ کر پوری مستعدی اور اخلاص نیت کے ساتھ اسے کرتے رہو۔ اسی میں تمہارے لئے بھلائی ہے۔ جان ومال سے خدا کی راہ میں لگ جاؤ اور دین کو قائم کرو کیونکہ اس نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے اور دوسری امتوں کے مقابل میں تمہیں اشرف واکرم بنایا ہے۔ کامل رسول اور کامل ومکمل شریعت سے تمہیں نوازا۔ اور آسان وسہل احکامات دیئے۔ کوئی ایسا بوجھ تم پر نہیں ڈالا جو تمہارے بس سے باہر ہو اور جسے تم ادا نہ کر سکو۔ چونکہ قرآن مجید کے مخاطب اول عرب تھے جو ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے تو انہیں اس دین کی طرف مزید رغبت اور شوق دلانے کے لئے فرمایا گیا کہ یہ مذہب کوئی نیا نہیں بلکہ یہ تو تمہارے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔ پھر اس امت کی بزرگی ظاہر کرنے اور انہیں اس دین کی طرف مائل کرنے کے لئے فرمایا گیا کہ تمہارا ذکر پہلی کتابوں میں بھی ہے اور

مدتوں سے آسمانی کتابوں میں تمہارے چرچے ہیں۔ اس قرآن میں اور اس سے پہلے تمہیں مسلم کے نام سے یاد کیا گیا ہے جو خود اللہ تعالیٰ کا رکھا ہوا نام ہے۔

آنحضور ﷺ کی پاکیزہ سیرت اور آپ ﷺ کی پوری زندگی مومن کے لئے معیار ہے۔ قیامت میں اسی معیار پر مومن کو جانچا جائے گا اور دوسری قوموں کے مقابل میں مومن معیار ہوگا اور وہ ان کے اوپر گواہ بنایا جائے گا۔

پھر فرمایا گیا کہ اس عظیم الشان نعمت کا تمہیں شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ وہ اس صورت میں کہ خدا تعالیٰ نے جو فرائض عائد کئے ہیں۔ اسے پورے شوق کے ساتھ ادا کرو۔ خصوصاً نماز اور زکوٰۃ کا خیال رکھو۔ نماز اور زکوٰۃ سے اشارہ تمام بدنی اور مالی عبادتوں کی طرف ہے اور اسی کے ساتھ عقیدۂ توحید پر جمے رہو۔ اعتماد علی اللہ جس قدر قوی ہوگا اسی قدر قرب خداوندی نصیب ہوگا اور جب قرب خداوندی کی دولت نصیب ہو جائے تو نصرت الٰہی اس کے ساتھ ہوگی اور غیر اللہ سے قلب بے نیاز ہو جائے گا۔

خود قرآن نے بار بار یہ اعلان کیا کہ کارساز اور نصرت واعانت کرنے والا تو صرف خدا تعالیٰ ہے۔ ان کے ہوتے ہوئے کسی اور کی طرف خیال لے جانا بھی حماقت ونادانی ہے۔ لہٰذا مومن کو مکمل طور پر خدا کا ہو کر رہنا چاہئے۔ **وما ذلک علی اللہ بعزیز**.

﴿الحمدللہ کہ پارہ نمبر ۱۷ کی تفسیر ختم ہوئی﴾

پارہ نمبر ۱۸
قَدۡ اَفۡلَحَ

فہرست پارہ «قد افلح»

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَثَمَانٌ اَوْ تِسْعَ عَشَرَةَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ لِلتَّحقِيْقِ **اَفْلَحَ** فَازَ **الْمُؤْمِنُوْنَ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ﴿۲﴾** مُتَواضِعُوْنَ **وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ** مِنَ الْكَلَامِ وَغَيْرِهٖ **مُعْرِضُوْنَ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ﴿۴﴾** مُؤَدُّوْنَ **وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ﴿۵﴾** عَنِ الْحَرَامِ **اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ** اَىْ مِنْ زَوْجَاتِهِمْ **اَوْ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ** اَىِ السَّرَارِىْ **فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ﴿۶﴾** فِىْ اِتْيَانِهِنَّ **فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ** اَىْ مِنَ الزَّوْجَاتِ وَالسَّرَارِىْ كَالْاِسْتِمْنَاءِ بِيَدِهٖ **فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ﴿۷﴾** اَلْمُتَجَاوِزُوْنَ اِلٰى مَالَا يَحِلُّ لَهُمْ **وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ** جَمْعًا وَمُفْرَدًا **وَعَهْدِهِمْ** فِيْمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللّٰهِ مِنْ صَلٰوةٍ وَغَيْرِهَا **رَاعُوْنَ﴿۸﴾** حَافِظُوْنَ **وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ** جَمْعًا وَمُفْرَدًا **يُحَافِظُوْنَ﴿۹﴾** يُقِيْمُوْنَهَا فِىْ اَوْقَاتِهَا **اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ﴿۱۰﴾** لَاغَيْرُهُمْ **الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ** هُوَ جَنَّةُ اَعْلَى الْجِنَانِ **هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴿۱۱﴾** فِىْ ذٰلِكَ اِشَارَةٌ اِلَى الْمَعَادِ وَيُنَاسِبُهٗ ذِكْرُ الْمَبْدَاِ بَعْدَهٗ **وَ** اللّٰهِ **لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ** اٰدَمَ **مِنْ سُلٰلَةٍ** هِىَ مِنْ سَلَلْتُ الشَّيْءَ مِنَ الشَّيْءِ اَىْ اِسْتَخْرَجْتُهٗ مِنْهُ وَهُوَ خُلَاصَتُهٗ **مِّنْ طِيْنٍ﴿۱۲﴾** مُتَعَلِّقٌ بِسُلَالَةٍ **ثُمَّ جَعَلْنٰهُ** اَىِ الْاِنْسَانَ نَسْلَ اٰدَمَ **نُطْفَةً** مَنِيًّا **فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ﴿۱۳﴾** هُوَ الرَّحْمُ **ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً** دَمًا جَامِدًا **فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً** لَحْمَةً قَدْرَمَا يُمْضَغُ **فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا** وَفِىْ قِرَاءَةٍ عَظْمًا فِى الْمَوْضِعَيْنِ وَخَلَقْنَا فِى الْمَوَاضِعِ الثَّلٰثَةِ بِمَعْنٰى صَيَّرْنَا **ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ** بِنَفْخِ الرُّوْحِ فِيْهِ **فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ**

الْخَالِقِیْنَ ﴿۱۴﴾ اَیِ الْمُقَدِّرِیْنَ وَمُمَیِّزُ اَحْسَنَ مَحْذُوْفٌ لِلْعِلْمِ بِہٖ اَیْ خَلْقًا ثُمَّ اِنَّکُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ لَمَیِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾ لِلْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَکُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ اَیْ سَمٰوَاتٍ جَمْعُ طَرِیْقَۃٍ لِاَنَّھَا طُرُقُ الْمَلَائِکَۃِ وَمَا کُنَّا عَنِ الْخَلْقِ تَحْتَھَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۷﴾ اَنْ تَسْقُطَ عَلَیْھِمْ فَتُھْلِکَھُمْ بَلْ نُمْسِکُھَا کَاٰیَۃٍ یُمْسِکُ السَّمَاءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ مِنْ کِفَایَتِھِمْ فَاَسْکَنّٰہُ فِی الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰی ذَھَابٍ بِہٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَیَمُوْتُوْنَ مَعَ دَوَابِّھِمْ عَطَشًا فَاَنْشَاْنَا لَکُمْ بِہٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ ھُمَا اَکْثَرُ فَوَاکِہِ الْعَرَبِ لَکُمْ فِیْھَا فَوَاکِہُ کَثِیْرَۃٌ وَّمِنْھَا تَاْکُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ صَیْفًا وَشِتَاءً وَ اَنْشَاْنَا شَجَرَۃً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَیْنَآءَ جَبَلٌ بِکَسْرِ السِّیْنِ وَفَتْحِھَا وَمَنْعُ الصَّرْفِ لِلْعَلَمِیَّۃِ وَالتَّانِیْثِ لِلْبُقْعَۃِ تَنْبُتُ مِنَ الرُّبَاعِی وَالثُّلَاثِی بِالدُّھْنِ اَلْبَاءُ زَائِدَۃٌ عَلَی الْاَوَّلِ وَمُعَدِّیَۃٌ عَلَی الثَّانِیْ وَھِیَ شَجَرَۃُ الزَّیْتُوْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰکِلِیْنَ ﴿۲۰﴾ عَطْفٌ عَلَی الدُّھْنِ اَیْ اِدَامٌ یَصْبُغُ اللُّقْمَۃَ بِغَمْسِھَا فِیْہِ ھُوَ الزَّیْتُ وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ لَعِبْرَۃً عِظَۃً تَعْتَبِرُوْنَ بِھَا نُسْقِیْکُمْ بِفَتْحِ النُّوْنِ وَضَمِّھَا مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِھَا اَیِ اللَّبَنَ وَلَکُمْ فِیْھَا مَنَافِعُ کَثِیْرَۃٌ مِنَ الْاَصْوَافِ وَالْاَوْبَارِ وَالْاَشْعَارِ وَغَیْرِ ذٰلِکَ وَّمِنْھَا تَاْکُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَیْھَا اَیِ الْاِبِلِ وَعَلَی الْفُلْکِ اَیِ السُّفُنِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ:......... یقیناً وہ مومنین فلاح پاگئے جو اپنی نماز میں خشوع رکھنے والے ہیں اور جو لغو (باتوں) سے برکنار رہنے والے ہیں ار جو اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت کرنے والے ہیں (حرام کاری وغیرہ سے) ہاں البتہ اپنی بیویوں اور باندیوں سے (حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ ان پر (اس صورت میں) کوئی الزام نہیں۔ ہاں جو کوئی اس کے علاوہ (اور جگہ شہوت رانی) کا طلب گار ہوگا (مثلاً زنا، لواطت یا مشت زنی وغیرہ) تو ایسے ہی لوگ حد سے نکل جانے والے ہیں (ان چیزوں کی طرف مائل ہوکر جو ان کے لئے حلال نہیں کی گئیں) اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا لحاظ رکھنے والے ہیں (جو ان کے اور خدا کے درمیان مثلاً ادائیگی نماز وغیرہ) اور جو اپنی نمازوں کی پابندی رکھنے والے ہیں (ان کے اوقات میں) ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں (ان کے علاوہ اور کوئی نہیں) جو فردوس کے وارث ہوں گے اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (ان آیات میں آخرت کا ذکر ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ ابتدائے آفرینش کا بھی تذکرہ کردیا جائے۔ تو ارشاد ہوا کہ) بالیقین ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا (من طین متعلق ہے سلالۃ کے اور سلالۃ کے معنی کسی چیز کے خلاصہ کے ہیں) پھر ہم نے اس (نسل آدم) کو نطفہ بنایا ایک محفوظ مقام میں (اور وہ رحم مادر ہے) پھر ہم نے نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنادیا۔ پھر ہم نے خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنادیا پھر ہم نے بوٹی کو ہڈی بنادیا پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھادیا (عظاماً ض ایک قراءت میں عظماً ہے۔ اور خلقنا تینوں جگہ پر صیرنا کے معنی میں ہے) پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) ایک دوسری ہی مخلوق بنادیا۔ سو کیسی شان والا ہے اللہ تمام صناعوں سے بڑھ کر۔ پھر تم اس (تمام قصہ) کے بعد ضرور ہی مرکر رہوگے ۔پھر تم قیامت کے دن از سرنو اٹھائے جاؤ گے (جزا وسزا کے لئے) اور ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے (طرائق جمع ہے طریقہ کی

۔آسمان کو طرائق سے اس وجہ سے تعبیر کیا کیونکہ یہ راستے ہیں فرشتوں کے آنے جانے کے) اور ہم مخلوق سے بے خبر نہ تھے (اس وجہ سے ہم نے ان آسمانوں کو اوپر ہی تھامے رکھا تا کہ کہیں یہ گر کر نیچے مخلوق کو تباہ نہ کردے) اور ہم نے آسمان سے اندازہ کے ساتھ پانی برسایا (جو کہ مخلوق کے لئے کفایت کر جائے) پھر ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرایا اور ہم اس کے معدوم کرنے پر بھی قادر ہیں (جس کے نتیجہ میں یہ نسل آدم اور ان کے چوپائے بھی مر کر رہ جائیں۔) پھر ہم نے اس کے ذریعہ تمہارے لئے کھجوروں کے اور انگوروں کے باغ اگائے (یہ دونوں عرب کے خاص پھل ہیں) ان میں تمہارے لئے بہت سے میوے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو (ہر موسم میں) اور ایک اور درخت بھی (پیدا کیا) جو طور سینا میں پیدا ہوتا ہے (سینا۔ ایک پہاڑ ہے سین کو زیر اور زبر دونوں پڑھا گیا ہے۔ یہ غیر منصرف ہے اس میں ایک تو علمیت ہے اور دوسرا سبب تانیث ہے) وہ اگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کے لئے سالن لئے ہوئے (تنبت ۔رباعی اور ثلاثی دونوں طرح ہے۔ اگر رباعی ہوگا تو اس صورت میں " بـالـدهـن" کا باز ائد ہوگا۔ اور ثلاثی ہونے پر بـا تعدیہ کے لئے ہوگا اور یہ زیتون کا درخت ہے صبغ للاکلین کا عطف بالدهن پر ہے) اور تمہارے لئے مویشیوں میں غور کرنے کا موقعہ ہے۔ ہم تمہیں پینے کو دیتے ہیں ان کے جوف میں کی چیز (یعنی دودھ) اور تمہارے لئے ان میں بہت سے فائدے ہیں (مثلاً ان کے بال اور اون وغیرہ سے) اور ان میں سے (بعض کو) تم کھاتے بھی ہو۔ اور ان (اونٹوں وغیرہ) پر اور کشتی پر سوار ہوتے ہو۔

تحقیق وترکیب: ....**خشـوع** کی حقیقت اصل میں سکون ہے۔ قلبی اعتبار سے بھی اور یہ کہ جوارح سے کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو اس سکون کے منافی ہو۔

لغو . ہر اس حرکت کو کہتے ہیں جو لایعنی ہو۔ **للـزکوٰة فعلون** ل غایت کے لئے ہے زکوٰۃ اس جگہ لغوی معنی میں ہے اور بعضوں نے اصطلاحی معنی بھی مراد لئے ہیں۔

علی ازواجهم...... میں **علی** .من کے مرادف ہے۔ **علی صلوٰتهم** . ماقبل میں نماز، زکوٰۃ، تحفظ عفت، ادائیگی امانت اور ایفائے عہد وغیرہ کا ذکر آیا اب اگر کوئی ان تمام امور کی صحیح ادائیگی کرے یا ان میں سے کسی ایک کی تو وہ جنت میں جائے گا۔ جہاں تک جنت میں جانے کا معاملہ ہے تو بعض روایات سے ثابت ہے کہ مجنون اور اولاد مسلمین جو بچپن ہی میں انتقال کر گئے وہ بھی جنت میں جائیں گے حالانکہ انہوں نے ان اعمال میں سے کسی کو بھی ادا نہیں کیا ہوگا۔ اس لئے مفسرؒ نے جمعاً و مفرداً کا اضافہ کیا۔

طـرائق...... لفظی معنی راستہ کے ہیں مجازاً یہاں مراد آسمان سے لی گئی ہے اس وجہ سے کہ یہ فرشتوں کے آمدورفت کے راستے ہیں۔ نیز جو چیز کسی چیز کی اوپر ہو اسے بھی عربی میں طریقہ کہتے ہیں۔

علی ذهاب به لقادرون...... **ذهاب** مصدر ہے ذهب کا با تعدیہ کے لئے استعمال ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم اس کے ازالہ پر قادر ہیں۔

ممافی بطونها ...... سورۂ نحل میں بجائے اس کے "**ممافی بطونه**" کہا گیا۔ دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ ایک جگہ مذکر ومؤنث دونوں کا ذکر مقصود ہے اور دوسری جگہ صرف مؤنث پیش نظر ہے اس فرق کے بعد معنی یہ ہوں گے کہ چوپاؤں کی ایک صنف میں گر کوئی قابل ذکر منفعت نہیں تو دوسری صنف میں نفع تام موجود ہے۔

ربط: ....سورۂ حج کا اختتام ہے اور سورۃ المؤمنون کا آغاز ہوتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں لفظاً و معنیً ارتباط کا ایک مسلسل رشتہ ہے مفصل نہ سہی مختصر گذارشات پیش خدمت ہیں جن سے انشاء اللہ ہر دو صورت کے ارتباطی رشتے واضح ہوں گے۔ اسلامی عبادات جن

کو ہم اہم کہہ سکتے ہیں اور قرار دے سکتے ہیں یہ چند ہیں۔نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ۔

حج۔سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے مقدس خانوادہ کی ایک بلند پایہ یادگار ہے سورۂ حج میں کچھ اس کی تفصیلات زیر گفتگو رہیں۔ابراہیمؑ اور حج ایک ہی رشتہ کے دو گوہر آبدار ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اختتام سورۂ حج پر اس امام الموغدین کا تذکرہ ان الفاظ میں آیا۔ملة ابیکم ابراهیم هو سمّٰکم المسلمین.

تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر قائم رہو۔اسی نے تمہیں مسلم قرار دیا۔

کیونکہ حج اقصائے عالم میں منتشر اہل اسلام کا ایک عظیم ملی اجتماع ہے اور پھر وہ بھی سالانہ۔اس لئے اس کے بعد ایک پنج وقتی اجتماع کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ارشاد ہے۔

قد افلح المؤمنون الذین هم فی صلوٰتهم خاشعون.

بالتحقیق ان مسلمانون نے آخرت میں فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔

سبحان اللہ ان آیات میں بکمال بلاغت اگر ایک جانب الصلوٰۃ کے ظاہر کی طرف توجہ دلائی گئی تو اس کی روح الخشوع پر بھی متنبہ فرما دیا گیا۔حج کا اجتماع بیت اللہ کے لئے تھا۔نمازوں میں ظاہراً رخ بیت اللہ کی جانب اور جسماً حاضری بیت اللہ (مساجد) میں ہے۔حج اور نماز میں قریبی مناسبت ہی کا تقاضہ تھا کہ سورۃ حج کے اختتام پر یہ ارشاد ہوا تھا۔

یا یها الذین اٰمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون.

اے ایمان والو! تم رکوع کیا کرو، سجدہ کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور تم نیک کام بھی کیا کرو۔امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔

لعلکم تفلحون میں جس فلاح کی طرف نشان دہی کی گئی تھی اس کے حصول کی راہیں خشوع والی نمازیں ہیں اس لئے ارشاد ہوا۔

قد افلح المؤ منون الذین هم فی صلوٰتهم خاشعون.

بالتحقیق ان مسلمانوں نے آخرت میں فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔

اختتام سورہ حج پر زکوٰۃ کا بھی ذکر آیا تھا۔سورہ مومنون کی ابتداء میں اس حکم کی مکرر تذکیر کردی گئی اسلام اطاعت خداوندی کا پہلا درجہ وزینہ ہے اور ایمان اطاعت کی معراج **سمّٰکم المسلمین** میں اگر اس ابتدا کی جانب اشارہ تھا تو **قد افلح المؤمنون** ...... میں منتہیٰ سامنے کردیا گیا **واعبدوا** سورہ حج کے خاتمہ پر ایک عام حکم تھا۔**المومنون** میں بہت سی عبادتوں کا ذکر تفصیلاً آ گیا جملہ عبادات میں لغو یات سے بچنا بےحد ضروری ہے اور ایمان کامل وہی ہے جس میں مومن لغویات سے قطعاً مجتنب ہو۔اس لئے ارشاد ہوا کہ......

هم عن اللغو معرضون.

اور جو لغو باتوں سے برکنار رہنے والے ہیں۔

معلوم ہوا کہ ایام حج میں بعض مراحل وہ بھی ہیں کہ جہاں ہمبستری کی ممانعت ہے کہیں کوئی اس ممانعت کو دائمی نہ سمجھ لے اس لئے سورۂ مومنون میں حلت بعد حرمت کا بیان ان الفاظ میں آیا۔

الا علیٰ ازواجهم اوما ملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین.

لیکن اپنی بیویوں سے یا اپنی لونڈیوں سے (حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ ان پر (اس میں) کوئی الزام نہیں۔

مگر جس طرح اس تحریم عارضی کو دائمی سمجھنے کا اندیشہ تھا جس کو ایک بیان سے ختم کیا گیا۔تو ایسے ہی حلت کو بھی عام سمجھنے کے امکانات موجود تھے کہ کوئی کج فہم بیوی وغیرہ بیوی سب ہی سے مقاربت کو جائز سمجھ لے تو اس امکان جواز کا سدباب فرمایا گیا۔

فمن ابتغی ورآء ذٰلک فاولئک ھم العٰدون.

ہاں جو اس کی علاوہ (اور جگہ شہوت رانی کا) طلبگار ہو ایسے لوگ حد شرعی سے نکلنے والے ہیں۔

افسوس کہ صفحات کی تنگ دامنی قلم گیر ہے ورنہ ہر دو صورتوں کے روابط بہت کچھ لکھنے کے قابل تھے۔ لیکن جو کچھ سپرد قلم ہوا وہ بھی ہر دو سورتوں میں معنوی ولفظی ربط کو سمجھنے کے لئے کافی ہوگا۔

﴿تشریح﴾: ....مومنین کی کامیابی اور ان کے فلاح کا تذکرہ ہے کہ وہ مومنین کامیاب ہیں جو خوع وخضوع کے ساتھ اپنی نمازیں ادا کرتے ہیں اور جن کے دلوں میں خوف خدا ہے، نماز پڑھتے ہوئے ان کو سکون قلبی بھی میسر ہو اور اعضاء وجوارح بھی عبث حرکتوں سے محفوظ ہوں۔ اور یہ کیفیت اسی شخص کو حاصل ہوسکتی ہے جس کا دل تمام چیزوں سے فارغ ہو اور خلوص دل کے ساتھ نماز سے پوری دلچسپی ہو جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے خوشبو اور عورت بہت پسند ہے۔ اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ ویسے اس فلاح کے لئے ایمان کا ہونا شرط ہے بغیر ایمان اور صحت عقیدہ کے کوئی سا بھی عمل مقبول نہیں۔

انہیں فلاح یاب مومنین کی دوسری صفت یہ بیان کی گئی کہ وہ لغویات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہیں خواہ وہ لغویت فعلی ہو یا قولی۔ زندگی ایک بڑی ہی قیمتی شئے ہے مومن کی یہ شان نہیں کہ ایک لمحہ بھی وہ کسی لغو اور فضول شئے میں گذارے بلکہ اسے خدا کی دی ہوئی اس زندگی کی قدر کرنی چاہئے امام رازیؒ نے کہا ہے کہ لغویات سے بچنے کا تذکرہ خشوع صلوٰۃ کے ساتھ متصلاً اور حکم زکوٰۃ سے پہلے کیا گیا۔ اس کا راز یہ ہے کہ لغویات سے اجتناب نماز کی واقعی تکمیل ہے۔ نیز مومنین کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ وہ ادائیگی زکوٰۃ کرتے ہیں۔

اکثر مفسرینؒ کی رائے یہی ہے کہ زکوٰۃ سے یہاں مراد فقہی معنی یعنی مال کے زکوٰۃ کے ہیں۔ اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ زکوٰۃ کے اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہیں تزکیہ نفس۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آیت میں زکوٰۃ نفس اور زکوٰۃ مال دونوں مراد ہوں کیونکہ واقعی مومن کامل تو وہی ہے جو اپنے نفس کو بھی ہر طرح کی برائیوں اور شرک وکفر سے صاف رکھے اور مال کی زکوٰۃ بھی ادا کرے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ان کے اوصاف میں سے ہے کہ وہ حرام کاری، زنا اور لواطت وغیرہ سے خود کو دور رکھتے ہیں اور سوائے اپنی بیویوں اور شرعی باندیوں کے جو کہ ان کے لئے حلال کردی گئی ہیں کسی اور کے ساتھ قضاء شہوت نہیں کرتے۔ ارشاد ہے کہ جو شخص ان کے علاوہ کسی اور طریقہ سے یا کسی دوسرے سے اپنی خواہش پوری کرتا ہے وہ حد سے گذر جانے والا ہے گویا کہ زنا، لواطت یا مشت زنی یا اخراج مادہ کی جتنی بھی صورتیں ہوسکتی ہیں سب حرام ہیں لیکن امام ابو حنیفہؒ نے مشت زنی کو اس صورت میں جائز قرار دیا ہے جب کہ کسی فتنہ میں مبتلا ہوجانے اور برائی کے ارتکاب کا اندیشہ ہوجائے۔ ان مومنین کا وصف یہ بھی ہے کہ وہ اپنے وعدے پورے کرتے ہیں اور امانت میں خیانت نہیں کرتے۔ اس کے برخلاف حدیث میں منافقین کی تین علامتیں بتائی گئی ہیں۔ (۱) جب بات کرے جھوٹ بولے (۲) جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے (۳) اور امانت میں خیانت کرے...... اور پھر آخر میں مومنین کا یہ وصف بھی بیان کیا گیا کہ وہ نمازوں کو ان کے وقت پر پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ان فلاح یاب مومنین کے صفات حسنہ کا آغاز خشوع نماز کے تذکرہ کے ساتھ کیا گیا اور اختتام بھی اسی نماز کی حفاظت اور اس کی مداومت پر ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز تمام عبادتوں میں سے افضل ترین عبادت ہے...... ان صفات کو بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا کہ یہی لوگ جنت الفردوس کے دائمی وارث ہوں گے جنت الفردوس حدیث کے بیان کے مطابق جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے ویسے جنت تو عام مومنین کو بھی ملے گی جن کے اندر یہ سب کے سب اوصاف بیک وقت نہ بھی ہوں مگر جنت الفردوس انہیں کو ملے گی جو ان تمام اوصاف حسنہ کے پیکر ہوں گے۔

تخلیق کے مختلف مراحل:............اب انسانی تخلیق کے بارے میں ارشاد ہے کہ انسانوں کی اصل پیدائش مٹی سے ہوئی۔ عام مفسرین تو یہی لکھتے ہیں کہ اصل میں آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ تمام انسانوں ہی کا تعلق آخر میں مٹی ہی سے ہے۔

پھر ارشاد ہوا کہ ہم نے انسان کو نطفہ سے بنایا جو کہ ایک مدت متعینہ تک رحم مادر میں رہا پھر وہ نطفہ لوتھڑے کی شکل اختیار کر گیا اور پھر وہ لوتھڑا گوشت کی بوٹی بن گئی اور پھر اس گوشت کی بوٹی میں سے بعض اجزا ہڈی کی شکل اختیار کر گئے۔ اسی کی تفسیر حدیث میں اس طرح ہے کہ تم میں سے ہر ایک کی پیدائش اس طرح پر ہوتی ہے کہ چالیس دن تک نطفہ رحم مادر میں جمع رہتا ہے پھر چالیس دن تک وہ خون بستہ کی صورت میں رہتا ہے اور چالیس دن تک وہ گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں۔ اس کے بعد فرشتے کو بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونکتے ہیں اور پھر خدا تعالیٰ کے حکم سے اس کے تقدیری امور طے کر دیئے جاتے ہیں۔ روح پھونک کر اسے ایک شکل عنایت کر دی جاتی ہے جو اور مخلوقات سے ممتاز ہوتی ہیں۔ پھر ارشاد ہوا کہ خدا تعالیٰ بہترین تخلیق کرنے والا ہے اس کی صناعی تک کسی کی رسائی ممکن نہیں۔ تخلیق صرف خدا تعالیٰ ہی کا خصوصی وصف ہے کیونکہ خلق کے معنی عربی میں ایجاد کے آتے ہیں یعنی نیست سے ہست کرنا اور یہ خدا کے علاوہ کسی کے لئے ممکن نہیں۔

ارشاد ہے کہ اس زندگی کے بعد پھر مرنا بھی ہے اور پھر قیامت کے دن حساب وکتاب کے لئے اٹھایا جائے گا۔ تو گویا ایجاد، فنا اور احیاء تینوں مراحل کا تذکرہ آ گیا۔

خدا تعالیٰ کی نعمتیں:............انسان کی پیدائش کا تذکرہ کرنے کے بعد آسمانوں کی تخلیق بیان کی جاتی ہے۔

اس سے مقصد یہ بھی بتانا ہے کہ خدا تعالیٰ کے لئے انسانوں کی پیدائش کیا مشکل ہے وہ تو آسمان جیسی بھاری بھرکم چیز کی بھی تخلیق کر سکتا ہے اور اپنے کمال صناعی کا مظاہرہ کر سکتا ہے اور پھر یہ کہ اناڑیوں کی طرح کوئی چیز بناتا نہیں چلا جاتا ہے بلکہ مخلوق کی ضرورت اور مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی چیز کی تخلیق کرتے ہیں۔ نیز تمام چیزوں کی خبر بھی رکھتے ہیں کوئی چیز ان سے پوشیدہ اور چھپی ہوئی نہیں ہے اور نہ وہ کسی چیز سے غافل ہیں۔

پھر ارشاد ہوا کہ وہ آسمان سے بقدر ضرورت پانی برساتا ہے نہ اتنی مقدار میں کہ فصل ہی تباہ ہو جائے اور نہ اتنا کم کہ غلہ وغیرہ اگے ہی نہیں بلکہ جہاں جتنی مقدار میں پانی کی ضرورت ہوتی ہے اسی کے مطابق بارش ہوتی رہتی ہے۔ اور پھر خدا تعالیٰ کی یہ قدرت کہ زمین کے اندر اس کی صلاحیت پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ اس پانی کو اپنے اندر جذب کر لے جس کے نتیجہ میں کھیت لہلہا اٹھیں اور باغات ہرے بھرے نظر آنے لگیں۔ یہ ساری کرشمہ سازی خدا تعالیٰ ہی کی ہے۔ ان کے علاوہ کوئی اور دیوی دیوتا اس پر قادر نہیں جیسا کہ مشرکین کا عقیدہ ہے۔ اسی کو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر ہم چاہیں تو بارش بالکل ہی نہ برسائیں یا اگر برسائیں بھی تو وہ زمین اور کھیتی کے لئے بالکل غیر مفید ہو۔ یا اسی طرح پر اگر چاہیں تو پانی کو کڑوا کر دیں جو نہ پینے کے قابل رہے اور نہ کسی اور کام کے قابل۔ یا زمین سے جذب کرنے کی صلاحیت ہی کو ختم کر دیں جب بھی یہ پانی بیکار اور غیر مفید ہو جائے گا۔

بہرحال یہ سب صرف خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے ان کے علاوہ کوئی اور ان چیزوں پر قادر نہیں یہ صرف انہیں کا انعام ہے کہ اس بارش کے نتیجہ میں کھیتوں اور باغات کو پھل اور میوے اگانے کے قابل بنا دیتے ہیں یہاں صرف کھجور اور انگور کا تذکرہ اس وجہ سے آیا کہ یہ عرب کے خاص پھل ہیں ورنہ تو ہر ملک میں الگ الگ پھل اور میوے پیدا کر دیئے۔ پھر مطلقاً ایک درخت کا تذکرہ کیا گیا جو کہ طور سینا

میں اگتا ہے۔ اگر چہ اس جگہ اس درخت کا نام نہیں لیا گیا مگر سب کا اتفاق ہے کہ اس سے زیتون کا درخت مراد ہے اور طور سینا وہ پہاڑ ہے جہاں خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ طور عربی میں اس پہاڑ کو کہتے ہیں جو ہرا بھرا ہو ورنہ تو خشک پہاڑوں کو جبل کہا جاتا ہے۔ تو اس طور سینا کے درخت زیتون کو خاص طور پر ذکر کیا گیا جس سے تیل نکلتا ہے اور جو کھانے والوں کے لئے سالن کا بھی کام دیتا ہے ویسے روغن زیتون کے فوائد ذاتی اور خارجی طب قدیم وجدید میں مسلم ہیں۔ حدیث میں بھی ہے کہ زیتون کا تیل کھاؤ اور لگاؤ کہ وہ مبارک درخت میں سے نکلتا ہے۔

اس کے بعد چوپایوں کا ذکر ہے جس سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے ان میں سے بعض کا دودھ پیتے ہیں اور گوشت کھاتے ہیں بعض کے بالوں اور اون سے لباس تیار کیا جاتا ہے اور ان کے چمڑوں سے بھی بہت سے کام لئے جاتے ہیں اور پھر انہیں سواری اور بار برداری کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں تو گویا ان چوپایوں کا وجود میں آنا بھی انسانوں ہی کے منافع کے لئے ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ اَطِيْعُوْهُ وَوَحِّدُوْهُ **مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ** هُوَ اسْمُ مَا وَمَا قَبْلَهُ الْخَبَرُ وَمِنْ زَائِدَةٌ **اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴿۲۳﴾** تَخَافُوْنَ عُقُوْبَتَهٗ بِعِبَادَتِكُمْ غَيْرَهٗ **فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ** لِاَتْبَاعِهِمْ **مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ** يَتَشَرَّفَ **عَلَيْكُمْ** بِاَنْ يَكُوْنَ مَتْبُوْعًا وَاَنْتُمْ اَتْبَاعَهٗ **وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ** اَنْ لَّا يُعْبَدَ غَيْرُهٗ **لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً** بِذٰلِكَ لَا بَشَرًا **مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا** الَّذِيْ دَعَا اِلَيْهِ نُوْحٌ مِنَ التَّوْحِيْدِ **فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ﴿۲۴﴾** اَيِ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ **اِنْ هُوَ** مَا نُوْحٌ **اِلَّا رَجُلٌ بِهٖ جِنَّةٌ** حَالَةُ جُنُوْنٍ **فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ** اِنْتَظِرُوْهُ **حَتّٰى حِيْنٍ﴿۲۵﴾** اِلٰى زَمَنِ مَوْتِهٖ **قَالَ** نُوْحٌ **رَبِّ انْصُرْنِيْ** عَلَيْهِمْ **بِمَا كَذَّبُوْنِ﴿۲۶﴾** اَيْ بِسَبَبِ تَكْذِيْبِهِمْ اِيَّايَ بِاَنْ تُهْلِكَهُمْ قَالَ تَعَالٰى مُجِيْبًا دُعَاءَهٗ **فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ** السَّفِيْنَةَ **بِاَعْيُنِنَا** بِمَرْاٰيٍ مِّنَّا وَحِفْظِنَا **وَوَحْيِنَا** اَمْرِنَا **فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا** بِاِهْلَاكِهِمْ **وَفَارَ التَّنُّوْرُ** لِلْخَبَّازِ بِالْمَاءِ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَامَةً لِنُوْحٍ **فَاسْلُكْ فِيْهَا** اَيْ اُدْخُلْ فِي السَّفِيْنَةِ **مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ** ذَكَرًا وَاُنْثٰى اَيْ مِنْ كُلِّ اَنْوَاعِهِمَا **اثْنَيْنِ** ذَكَرًا وَاُنْثٰى وَهُوَ مَفْعُوْلٌ وَمِنْ مُتَعَلِّقٌ بِاُسْلُكْ وَفِي الْقِصَّةِ اِنَّ اللّٰهَ حَشَرَ لِنُوْحٍ السِّبَاعَ وَالطَّيْرَ وَغَيْرَهُمَا فَجَعَلَ يَضْرِبُ بِيَدَيْهِ فِيْ كُلِّ نَوْعٍ فَيَقَعُ يَدُهُ الْيُمْنٰى عَلَى الذَّكَرِ وَالْيُسْرٰى عَلَى الْاُنْثٰى فَيَحْمِلُهُمَا فِي السَّفِيْنَةِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ كُلٍّ بِالتَّنْوِيْنِ فَزَوْجَيْنِ مَفْعُوْلٌ وَاثْنَيْنِ تَاكِيْدٌ لَهٗ **وَاَهْلَكَ** اَيْ زَوْجَتَهٗ وَاَوْلَادَهٗ **اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ** بِالْاِهْلَاكِ وَهُوَ زَوْجَتُهٗ وَوَلَدُهٗ كَنْعَانُ بِخِلَافِ سَامٍ وَحَامٍ وَيَافِثَ فَحَمَلَهُمْ وَزَوْجَاتِهِمْ ثَلٰثَةً وَفِيْ سُوْرَةِ هُوْدٍ وَمَنْ اٰمَنَ وَمَا اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ قِيْلَ كَانُوْا سِتَّةَ رِجَالٍ وَنِسَاؤُهُمْ وَقِيْلَ جَمِيْعُ مَنْ كَانَ فِي السَّفِيْنَةِ ثَمَانِيَةٌ وَسَبْعُوْنَ نِصْفُهُمْ رِجَالٌ وَنِصْفُهُمْ نِسَاءٌ **وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** كَفَرُوْا بِتَرْكِ اِهْلَاكِهِمْ **اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ﴿۲۷﴾**

فَإِذَا اسْتَوَيْتَ اِعْتَدَلْتَ **اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴿۲۸﴾** الْكَافِرِيْنَ وَاِهْلَاكِهِمْ **وَقُلْ** عِنْدَ نُزُوْلِكَ مِنَ الْفُلْكِ **رَّبِّ اَنْزِلْنِىْ مُنْزَلًا** بِضَمِّ الْمِيْمِ وَفَتْحِ الزَّاىِ مَصْدَرٌ اَوِ اسْمُ مَكَانٍ وَبِفَتْحِ الْمِيْمِ وَكَسْرِ الزَّاىِ مَكَانُ النُّزُوْلِ **مُّبٰرَكًا** ذٰلِكَ الْاِنْزَالُ اَوِ الْمَكَانُ **وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ﴿۲۹﴾** مَاذُكِرَ **اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرِ مِنْ اَمْرِ نُوْحٍ وَالسَّفِيْنَةِ وَاِهْلَاكِ الْكُفَّارِ **لَاٰيٰتٍ** دَلَالَاتٍ عَلٰى قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى **وَّاِنْ** مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاِسْمُهَا ضَمِيْرُ الشَّانِ **كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ﴿۳۰﴾** مُخْتَبِرِيْنَ قَوْمَ نُوْحٍ بِاِرْسَالِهٖ اِلَيْهِمْ وَوَعْظِهٖ **ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا** قَوْمًا **اٰخَرِيْنَ﴿۳۱﴾** هُمْ عَادٌ **فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ** هُوْدًا **اَنِ** اَىْ بِاَنِ **اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴿۳۲﴾** عِقَابَهٗ فَتُؤْمِنُوْنَ **وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ** اَىْ بِالْمَصِيْرِ اِلَيْهَا **وَاَتْرَفْنٰهُمْ** اَنْعَمْنَاهُمْ **فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ﴿۳۳﴾ وَ**اللّٰهِ **لَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ** فِيْهِ قَسَمٌ وَشَرْطٌ وَالْجَوَابُ لِاَوَّلِهِمَا وَهُوَ مُغْنٍ عَنْ جَوَابِ الثَّانِىْ **اِنَّكُمْ اِذًا** اَىْ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُ **لَّخٰسِرُوْنَ﴿۳۴﴾** اَىْ مَغْبُوْنُوْنَ **اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ﴿۳۵﴾** هُوَ خَبَرُ اَنَّكُمُ الْاُوْلٰى وَاَنَّكُمُ الثَّانِيَةُ تَاكِيْدٌ لَهَا لِمَا طَالَ الْفَصْلُ **هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ** اِسْمُ فِعْلٍ مَاضٍ بِمَعْنٰى مَصْدَرٍ اَىْ بَعُدَ بَعُدَ **لِمَا تُوْعَدُوْنَ﴿۳۶﴾** مِنَ الْاِخْرَاجِ مِنَ الْقُبُوْرِ وَاللَّامُ زَائِدَةٌ لِلْبَيَانِ **اِنْ هِىَ** اَىْ مَا الْحَيٰوةُ **اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا** بِحَيٰوةِ اَبْنَائِنَا **وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ﴿۳۷﴾ اِنْ هُوَ** اَىْ مَا الرَّسُوْلُ **اِلَّا رَجُلُ ۨافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ﴿۳۸﴾** اَىْ مُصَدِّقِيْنَ فِى الْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ **قَالَ رَبِّ انْصُرْنِىْ بِمَا كَذَّبُوْنِ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ** مِنَ الزَّمَانِ وَمَازَائِدَةٌ **لَّيُصْبِحُنَّ** يَصِيْرُوْنَ **نٰدِمِيْنَ﴿۴۰﴾** عَلٰى كُفْرِهِمْ وَتَكْذِيْبِهِمْ **فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ** صَيْحَةُ الْعَذَابِ وَالْهَلَاكِ كَائِنَةٌ **بِالْحَقِّ** فَمَاتُوْا **فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً** وَهُوَ نَبْتٌ يَبِسَ اَىْ صَيَّرْنَاهُمْ مِثْلَهٗ فِى الْيُبْسِ **فَبُعْدًا** مِنَ الرَّحْمَةِ **لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴿۴۱﴾** الْمُكَذِّبِيْنَ **ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا** اَىْ اَقْوَامًا **اٰخَرِيْنَ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا** بِاَنْ تَمُوْتَ قَبْلَهٗ **وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ﴿۴۳﴾** عَنْهُ ذُكِّرَ الضَّمِيْرُ بَعْدَ تَانِيْثِهٖ رِعَايَةً لِلْمَعْنٰى **ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا** بِالتَّنْوِيْنِ وَعَدَمِهٖ اَىْ مُتَتَابِعِيْنَ بَيْنَ كُلِّ اِثْنَيْنِ زَمَانٌ طَوِيْلٌ **كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْوَاوِ **رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا** فِى الْهَلَاكِ **وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴿۴۴﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ**

بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۴۵﴾ حُجَّةٍ بَیِّنَةٍ وَهِیَ الْیَدُ وَالْعَصَا وَغَیْرُهُمَا مِنَ الْاٰیَاتِ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَکْبَرُوْا عَنِ الْاِیْمَانِ بِهَا وَبِاللّٰهِ وَکَانُوْا قَوْمًا عَالِیْنَ ﴿۴۶﴾ قَاهِرِیْنَ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ بِالظُّلْمِ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ مُطِیْعُوْنَ خَاضِعُوْنَ فَکَذَّبُوْهُمَا فَکَانُوْا مِنَ الْمُهْلَکِیْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ اَلتَّوْرٰةَ لَعَلَّهُمْ اَیْ قَوْمَهٗ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ یَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ بِهٖ مِنَ الضَّلَالَةِ وَاُوْتِیَهَا بَعْدَ هَلَاكِ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ جُمْلَةً وَاحِدَةً وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْیَمَ عِیْسٰی وَاُمَّهٗٓ اٰیَةً لَمْ یَقُلْ اٰیَتَیْنِ لِاَنَّ الْاٰیَةَ فِیْهِمَا وَاحِدَةٌ وِلَادَتُهٗ مِنْ غَیْرِ فَحْلٍ وَّاٰوَیْنٰهُمَآ اِلٰی رَبْوَةٍ مَکَانٍ مُرْتَفِعٍ وَهُوَ بَیْتُ الْمُقَدَّسِ اَوْ دِمَشْقُ اَوْ فَلَسْطِیْنُ اَقْوَالٌ ذَاتِ قَرَارٍ اَیْ مُسْتَوِیَةٍ لِیَسْتَقِرَّ عَلَیْهَا سَاکِنُوْهَا وَّمَعِیْنٍ ﴿۵۰﴾ اَیْ مَاءٍ جَارٍ ظَاهِرٍ تَرَاهُ الْعُیُوْنُ

ترجمہ: .... اور بے شک ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کیا کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں تو کیا تم ڈرتے نہیں۔ (اس کی سزا سے غیر اللہ کی عبادت کرنے کے جرم میں **وما لکم من الله** میں **لکم** خبر ہے ما کی اور اللہ اس کا اسم ہے اور من زائد ہے) تو ان کی قوم میں جو کافر رئیس تھے وہ کہنے لگے کہ یہ شخص بجز اس کے کہ تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہے اور کچھ نہیں۔ یہ چاہتا ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے (اس طرح پر کہ یہ تمہارا قائد ہو اور تم اس کے مقتدی ہو) اور اگر خدا تعالیٰ یہی چاہتا (کہ غیر اللہ کی عبادت نہ کی جائے تو وہ) فرشتوں کو (رسول بنا کر) بھیجتا (نہ کہ کسی انسان کو) ہم نے یہ بات اپنے پہلے بڑوں سے تو سنی ہی نہیں (جس توحید کی طرف نوحؑ ہم لوگوں کو دعوت دیتا ہے) بس یہ (نوح) ایک آدمی ہے جس کو جنون ہو گیا ہے۔ سو ایک خاص وقت (یعنی اس کے مرنے) تک انتظار کرو (نوح علیہ السلام نے) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرا بدلہ لیجئے کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا ہے (یعنی تکذیب کے جرم میں انہیں ہلاک کر دیجئے: جس پر خدا تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کرتے ہوئے فرمایا) پس ہم نے ان کے پاس حکم بھیجا کہ تم ہماری نگرانی اور ہمارے حکم سے کشتی تیار کرو۔ پھر جب ہمارا حکم آپہنچے (ان کی ہلاکت کا) اور زمین سے پانی ابلنا شروع ہو جائے (یہ گویا نوح علیہ السلام کو عذاب کے آنے کی ایک نشانی بتائی گئی تھی) تو ہر قسم کے جانوروں میں سے ایک نر اور ایک مادہ یعنی دو دو عدد اس (کشتی) میں داخل کر لو (اس سلسلہ میں ایک قصہ یہ بیان کیا گیا کہ خدا تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کے لئے ہر قسم کے درندے اور پرندے وغیرہ کو اکٹھا کر دیا۔ اور حضرت نوح علیہ السلام اپنا ہاتھ بڑھاتے تو آپ کا داہنا ہاتھ اس نوع کے مذکر پر اور بایاں ہاتھ مادہ پر پڑتا جسے آپ اٹھا کر کشتی میں سوار کر لیتے۔ اثنین مفعول واقع ہو رہا ہے اور من متعلق ہے **فاسلک** کے۔ اور ایک قراءت میں کل کو تنوین پڑھا گیا ہے۔ اس صورت میں زوجین مفعول واقع ہوگا اور اثنین اس کی تاکید) اور اپنے گھر والوں کو بھی اس میں سوار کر لو۔ بجز اس کے جس پر ان میں سے (غرق ہونے کا) حکم نازل ہو چکا ہے (مثلاً حضرت نوحؑ کی بیوی اور ان کا لڑکا کنعان۔ ان کے علاوہ اور صاحبزادے سام۔ حام اور یافث اور ان کی بیویوں کو کشتی میں سوار کر لیا گیا۔ سورۂ ہود میں ارشاد ہے کہ ان لوگوں کو بھی کشتی میں سوار کر لیا گیا جو حضرت نوحؑ کے اوپر ایمان لائے تھے اور جن کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ کل چھ مرد اور چھ عورتیں تھیں اور دوسری روایت کے مطابق ان کی کل تعداد اٹھتر ۷۸ تھی (جس میں سے نصف مرد اور نصف عورتیں تھیں) اور مجھ سے ظالموں (یعنی کافروں کی نجات) کے بارے میں کچھ نہ کہنا بے شک وہ سب غرق ہو کر رہیں گے۔ پھر جب تم اور تمہارے ساتھی (اچھی

طرح) کشتی پر بیٹھ چکیں تو کہنا کہ ساری حمد خدا تعالیٰ ہی کے لئے ہے جس نے ہم کو ظالموں (یعنی کافروں) سے نجات دی (اور کشتی سے اترنے کے وقت) کہنا کہ اے پروردگار مجھے برکت کا اتارنا اتاریو۔ اور تو سب اتارنے والوں سے اچھا ہے (منزلاً اگر میم کے ضمہ اور ز کے فتحہ کے ساتھ پڑھیں تو مصدر یا اسم مکان کے معنی میں ہوگا۔ اور اگر میم کے فتحہ اور ز کے کسرہ کے ساتھ پڑھیں تو معنی ہوگا اترنے کی جگہ) اس (سارے واقعہ نوح اور ہلاکت کفار) میں بہت سی نشانیاں ہیں (خدا تعالیٰ کی قدرت پر) اور ہم آزماتے ہی رہتے ہیں (ان مخففہ من الثقیلہ ہے اور اس کا اسم وہ ضمیر شان ہے جو اس کے معنی میں پائی جارہی ہے) پھر ہم نے دوسرا گروہ ان کے بعد پیدا کیا (اور وہ قوم عاد ہیں) پھر ہم نے ان کی طرف انہیں میں سے ایک پیغمبر (حضرت ہودؑ کو) بھیجا (یہ پیام دے کر) کہ اللہ ہی کی پرستش کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ سو کیا تم (اس کے عذاب سے) ڈرتے نہیں ہو۔ ان کی قوم میں جو سردار تھے اور جو کافر اور آخرت کے آنے کے منکر تھے اور ہم نے انہیں دنیا کی زندگی میں عیش بھی دے رکھی تھی۔ وہ کہنے لگے کہ یہ تو تمہارے ہی جیسا ایک معمولی آدمی ہے ۔ وہی کھاتے ہیں۔ جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتے ہیں جو تم پیتے ہو۔ اور اگر اپنے ہی جیسے معمولی آدمی کے کہنے پر چلنے لگے تو بے شک تم گھاٹے ہی میں رہے (اس آیت میں ایک تو قسم ہے اور دوسرا شرط۔ اور قسم کا جو جواب ہے۔ وہی شرط کا بھی جواب بن جائے گا۔)

کیا یہ شخص تم سے یہ کہتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور (مرکر) مٹی اور ہڈیاں ہوجاؤ گے تو تم (پھر سے) نکالے جاؤ گے۔ (مخرجون پہلے ان کا جواب ہے اور دوسرا ان یہ پہلے ان کے تاکید کے لئے ہے کیونکہ ان اور اس کے خبر کے درمیان فاصلہ بہت کافی ہوگیا تھا۔) بہت ہی بعید بہت ہی بعید ہے۔ جو بات تم سے کہی جاتی ہے (یعنی قبروں سے نکالنا۔ لما میں لام زائد ہے بیان کے لئے اور ھیھات ھیھات فعل ماضی کا اسم ہے۔ معنے میں مصدر کے یعنی بعد کے معنی میں) بس زندگی تو ہماری یہی دنیوی زندگی ہے کہ ہم میں کوئی مرتا ہے کوئی پیدا ہوتا ہے اور ہم ہرگز (دوبارہ) اٹھائے جانے والے نہیں۔ یہ (رسول) تو بس ایک انسان ہے جس نے خدا پر جھوٹ گھڑ لیا ہے۔ اور ہم تو ہرگز اس کو ماننے والے نہیں (اس لئے دوبارہ اٹھائے جانے پر یقین نہیں لاسکتے جس پر پیغمبر نے) کہا کہ اے میرے پروردگار میرا بدلہ لے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا۔ خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب یہ لوگ پچھتا کر رہیں گے (اپنے کفر اور تکذیب پر) چنانچہ پھر انہیں ایک سخت آواز نے (عذاب کی صورت میں) موافق وعدہ برحق کے آپکڑا تو ہم نے ان کو خس وخاشاک بنادیا (گویا سب کے سب ہلاک ہوگئے) سو خدا کی مار ظالم لوگوں پر (یعنی منکرین پر) پھر ہم نے ان کے بعد دوسرے گروہوں کو پیدا کیا۔ کوئی امت اپنے مقررہ وقت سے (ہلاک ہونے میں) نہ پیش دستی کرسکتی ہے اور نہ (اس مدت سے) وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے تھے (یہاں مذکر کی ضمیر لائی گئی جو کہ امتہ کی طرف راجع ہے معنی کی رعایت کرتے ہوئے کیونکہ امۃ قوم کے معنی میں ہے اور یہ مذکر ہے) پھر ہم نے اپنے پیغمبروں کو متواتر بھیجا (یکے بعد دیگرے اور ہر ایک پیغمبر کے درمیان ایک طویل وقفہ رکھا گیا تترًا تنوین اور بغیر تنوین دونوں طرح ہے) جب کبھی کسی امت کے پاس اس کا پیغمبر آیا انہوں نے اسے جھٹلایا سو ہم نے بھی انہیں (ہلاک کرنے میں) ایک کے بعد ایک کا نمبر لگادیا اور ہم نے انہیں کہانیاں بنادیا۔ سو خدا کی مار ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے تھے۔ پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو بھیجا اپنے احکام اور کھلی دلیل (یعنی لاٹھی اور ہاتھ کی سپیدی وغیرہ کا معجزہ) دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس۔ سو ان لوگوں نے (خدا اور اس کے پیغمبر پر ایمان لانے سے) تکبر کیا اور وہ لوگ تھے ہی متکبر۔ چنانچہ وہ کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے ہی جیسے دو انسانوں پر ایمان لے آئیں درانحالیکہ ان کی قوم بھی ہمارے زیر حکم ہے۔ غرض وہ لوگ ان دونوں کی تکذیب ہی کرتے رہے سو وہ ہلاک ہوکر رہے (اور ان کی ہلاکت کے بعد) ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تاکہ وہ لوگ (یعنی قوم بنی اسرائیل) ہدایت پاویں۔ اور ہم نے ابن مریم (یعنی عیسیٰ) اور ان کی والدہ کو ایک بڑی نشانی بنایا (یہاں عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ دونوں کے لئے لفظ استعمال کیا گیا ایک بڑی نشانی کا درآنحالیکہ

یہ دو تھے مگر جس نشانی کا تذکرہ مقصود ہے اس میں دونوں مشترک تھے یعنی بغیر باپ کے ولادت۔ اس لئے ایک ہی بڑی نشانی کا تذکرہ ہوا) اور ہم نے ان دونوں کو بلند زمین پر پناہ دی جو ٹھہرنے کے قابل اور شاداب تھی (یہ بلند جگہ کون سی تھی اس میں مختلف اقوال ہیں بعض بیت المقدس کہتے ہیں، کوئی فلسطین اور کوئی دمشق قرار دیتے ہیں۔)

تحقیق وترکیب:............نوحؑ۔ آپ کا لقب تھا اور نام بعض لوگوں نے عبدالغفار اور بعض نے عبداللہ کہا ہے۔ آپ کی عمر ایک ہزار پچاس سال ہوئی۔ طوفان کے بعد ساٹھ سال تک آپ بقید حیات رہے۔

من الٰہ غیرہ.

اللہ اسم ہے ما کا اور غیرہ میں رفع اور جر دونوں قراءت ہے۔

فتربصوا. اس کی شرح بیضاویؒ نے یہ کی ہے کہ انتظار کرو شاید اس کا جنون کچھ کم ہو جائے۔ اور کرخیؒ نے اس کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ انکی موت تک انتظار کرو۔ بہر حال یہ جملہ مستانفہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ کچھ دن صبر کرو۔

باعیننا. یہ مجاز مرسل ہے اس سے مراد اپنی نگرانی ہے گویا لازم بول کر ملزوم مراد لیا گیا ہے۔

ووحینا. گویا یہ کشتی میری ہدایت کے مطابق تیار کرو۔ اس کشتی کے متعلق ایک روایت ہے کہ یہ تین سو گز لمبی اور پچاس گز چوڑی تھی اور اس کی اونچائی تیس گز کی تھی اور اس میں تین درجے تھے نیچے کا درندوں کے لئے تھا اور درمیانی حصہ چوپایوں کے لئے اور اوپر کا حصہ انسانوں کے لئے۔

اثنین. یہ مفعول ہے اس صورت میں جب کہ من کل زوجین میں کل پر تنوین نہ پڑھیں جیسا کہ عام قراءت ہے۔ اور اگر حفصؒ کی قراءت کے مطابق کل پر تنوین پڑھیں تو اس صورت میں زوجین مفعول واقع ہوگا۔

واھلک سے مراد آپ کی مومنہ بیوی ہیں۔ اور **الا من سبق علیہ القول** سے مراد آپ کی کافرہ بیوی ہیں جن کا نام واعلہ تھا اور جو کنعان کی والدہ تھی۔

فقل الحمد للہ...... یہ جواب ہے اذا شرطیہ کا جو استویت سے پہلے واقع ہے۔ یہاں ایک اعتراض یہ واقع ہو رہا ہے کہ قل کے بجائے قولوا کہنا چاہئے تھا کیونکہ حضرت نوحؑ کے ساتھ پوری قوم تھی۔ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ صرف حضرت نوحؑ کا تذکرہ یہ آپ کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے یا یہ کہ آپ کا دعا کرنا گویا پوری قوم کی طرف سے تھا۔ **قرنا اخرین** سے مراد قوم عاد ہے جیسا کہ ابن عباسؓ اور اکثر مفسرینؒ کی رائے ہے۔ اس کی دلیل میں یہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ سورۂ اعراف میں قصہ نوح علیہ السلام کے بعد فوراً قصہ ہود علیہ السلام کا تذکرہ ہے لہذا اس سے مراد قوم عاد ہی ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد قوم ثمود ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس جگہ اس قوم کے بارے میں فرمایا گیا کہ **فاخذتھم الصیحۃ** یعنی ایک چیخ نے انہیں آدبوچا اور چیخ کے ذریعہ قوم ثمود کی ہلاکت ہوئی ہے لہذا اس سے مراد قوم ثمود ہی ہوئی۔ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ **صیحۃ** سے مراد اس جگہ ہلاک کر دینے والا عذاب ہے نہ کہ لفظی ترجمہ یعنی چیخ......**انکم مخرجون** ......میں کئی اعراب ہو سکتے ہیں سب سے پہلی صورت یہ ہے کہ پہلے ان کا اسم جو ضمیر خطاب کی طرف مضاف تھا حذف کر دیا گیا۔ مضاف الیہ اس کا اب قائم مقام ہے اور **اذا متم** خبر ہے۔ **انکم مخرجون** تکرار کے لئے ہے کیونکہ ان اولیٰ تاکید کے لئے تھا اور محذوف پر دلالت کرنے کے لئے اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ تم جب مرجاؤ گے تو تمہیں دوبارہ پیدا کیا جائے گا۔ دوسری صورت یہ ممکن ہے کہ ان اولیٰ کی خبر جو **مخرجون** ہے وہی خبر **اذا** میں عمل کر رہی ہے اور کیونکہ فصل طویل ہو گیا تھا اس لئے ان ثانی تاکید کے لئے استعمال کیا گیا...... تیسری ترکیب یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان اولیٰ کی خبر محذوف ہے اور ان ثانیہ اس

منصوب پر دلالت کر رہا ہے اصل عبارت یہ ہے انکم تبعثون اور ان ثانیہ اپنے معمولات کے ساتھ بدل واقع ہو رہا ہے ان اولیٰ سے۔

لـمـا تـوعـدون...... کلمہ أو فصل کے لئے ہے لیکن جلالین کے بعض نسخوں میں بجائے او کے واؤ عاطفہ استعمال ہوا ہے۔ مصنف نے جو لا کو زائد قرار دیا ہے بعض شارحین کی رائے میں وہ زائد نہیں ہے بلکہ ضرورت کے مطابق ہے۔

عما قلیل...... میں تین صورتیں ہیں کہ یہ لیصبحن کے متعلق ہے یا ندمین کے متعلق ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ننصرہ فعل محذوف کے متعلق ہے جس پر دلالت سابق کا قول رب انصرنی کرتا ہے ترجمہ یہ ہوگا کہ ہم بہت جلد انبیاء کی مدد کریں گے یا بہت جلد ہوں گے نادم۔

﴿تشریح﴾:......... نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم میں تبلیغ شروع کی اور لوگوں تک خدا کی وحدانیت کا پیغام پہنچایا تو قوم کے سرداروں نے اپنے عوام سے کہا کہ تم کس پاگل کے چکر میں ہو یہ تو نبوت کا دعویٰ کر کے بڑا بننا چاہتا ہے اور سرداری کا خواہش مند ہے۔ بھلا تم خود سوچو کہ یہ تو ہم ہی جیسا ایک انسان ہے اس کے پاس خدا تعالیٰ کی وحی کس طرح آسکتی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کو کوئی نبی ہی بھیجنا تھا تو کسی فرشتہ کو بھیجتے نہ کہ ہم میں سے ایک معمولی انسان کو۔ کیونکہ مشرکین اس گمراہی میں مبتلا تھے کہ انسان کی ہدایت کے لئے کوئی مافوق البشر طاقت آسکتی ہے یا کوئی دیوتا اس کام کو انجام دے سکتا ہے نہ کہ انسان۔

یہ تو اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے کہ جس نے اس نظریہ کی تردید کی اور بار بار اعلان کیا کہ رسول تو بشر ہی ہوتا ہے اس میں اور عام انسانوں میں صرف یہ فرق ہوتا ہے کہ رسول کے پاس وحی آتی ہے اور عام انسانوں کے پاس وحی نہیں آتی۔ لیکن یہ بات کسی طرح کفار کی سمجھ میں آتی ہی نہیں تھی۔

ان سرداروں نے مزید یہ کہا کہ کیسی نئی اور انوکھی بات یہ کرتا ہے دیوی دیوتا جنہیں ہمارے آباء واجداد مانتے چلے آئے اس کا یہ منکر ہے اور صرف ایک خدا کی خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ تو کوئی پاگل معلوم ہوتا ہے کچھ دنوں کے بعد خود اس کا جنون ختم ہو جائے گا اس لئے یہ جو کچھ بک رہا ہے بکنے دو اس کی باتوں پر قطعاً دھیان مت دو۔

بشریت انبیاءؑ:......... یہ پیغمبر بھی انسان ہی ہوتے ہیں یہ جب دیکھتے ہیں کہ ان کی دعوت کی برابر تکذیب کی جارہی ہے تو ان کا پیمانہ صبر لبریز ہو جاتا ہے اور پھر خدا سے نصرتِ الٰہی کے طالب ہوتے ہیں اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام جب تنگ آ گئے اور ان سے مایوس ہو گئے تو خدا تعالیٰ سے التجا کی کہ اے خدا میں لاچار و بے بس ہو گیا ہوں آپ میری مدد فرمائیے اور ان منکرین کے مقابل میں غلبہ عطا فرمائیے۔

جس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ اے نوح! ایک مضبوط اور وسیع وعریض کشتی بناؤ اور اس میں ہر جنس سے ایک ایک جوڑا رکھ لو اور ساتھ ہی مومنین اور اپنے ان اعزہ واقارب کو بھی سوار کر لو جو تم پر ایمان رکھتے ہوں لیکن وہ لوگ جو کافر ہیں اور جن کی ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا ہے ان کے حق میں کوئی سفارش نہ کرنا۔ چاہے وہ تمہارے اعزہ واقارب ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ ان کے حق میں سعی وکوشش لا حاصل ہے۔

انبیاءؑ اور مومنین کو ہر قسم کے آداب اور ہر نعمت کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے اسی قانون کے مطابق اس کی تعلیم دی جارہی ہے کہ جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی پر سوار ہو جائیں تو یہ کہنا کہ سب تعریفیں خدا ہی کے لئے ہیں جس نے ہمیں ان ظالموں سے نجات دی۔ اسی طرح جب کشتی خشکی پر ٹھہرنے کے قریب ہوئی تو اس دعاء کی تعلیم دی گئی کہ اے خدا مجھے مبارک منزل پر

اتارنا اور تو ہی بہتر اتارنے والا ہے۔

خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو اس طرح کے حوادث میں مبتلا کر کے آزمانا چاہتا ہے اور ان کا امتحان لیتا ہے۔ نیز ان واقعات میں انبیاءؑ کی تصدیق اور خدا تعالیٰ کی قدرت وحکمت کی بیشمار نشانیاں ہیں۔

پھر ارشاد ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد بھی بہت سی قومیں آئیں جیسا کہ قوم عاد وثمود وغیرہ اور ان میں بھی خدا تعالیٰ کے رسول آئے اور خدا کی عبادت اور اس کی وحدانیت کی تعلیم دی مگر انہوں نے بھی ان انبیاءؑ کی تکذیب کی اور انہیں صرف اسی بناء پر جھٹلایا کہ یہ انہیں کی طرح ایک انسان ہے۔ اور انہیں جیسی حاجتیں رکھتا ہے وہ بھی انہیں کی طرح کھاتا پیتا، اٹھتا، جاگتا، سوتا ہے۔ یہ انہیں کس طرح نبی مان لیں۔ خدا کا رسول تو وہ ہوسکتا ہے جو عجیب وغیرب کرشمے دکھائے، بھوک و پیاس سے آزاد ہو اور کوئی مافوق البشر قوت ہو۔

اور یہ سردار اپنی قوم سے کہتے کہ اگر تم اپنے ہی جیسے ایک انسان کی بتائی ہوئی راہ پر چل پڑے تو اس سے بڑھ کر اور کیا بیوقوفی ہوگی اور یہ تو انتہائی کم عقلی کی دلیل ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے قیامت اور حشر ونشر کو بھی ماننے سے انکار کر دیا۔ اور کہنے لگے کہ یہ سب دور از قیاس باتیں ہیں۔ قیامت اور حشر ونشر کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اس شخص نے یہ سب باتیں خود گھڑ لی ہیں ہم اسے ہرگز نہیں مان سکتے۔

ان کے کفر وانکار سے عاجز آ کر انبیاءؑ نے ان کے حق میں بد دعائیں کیں جس کے نتیجہ میں یہ تباہ و برباد ہو کر رہے چنانچہ حضرت نوحؑ کے بعد قوم ثمود پر بھی اسی جرم میں عذاب آیا اور ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا صرف ان کے کھنڈر مکانات ان کی تباہی و بربادی کی گواہی دے رہے تھے اور یہ سب خدا تعالیٰ کی جانب سے ان پر کوئی ظلم نہیں تھا بلکہ انہیں کے کئے ہوئے کی سزا تھی۔ اس سے لوگوں کو عبرت حاصل کرنا چاہئے اور انبیاءؑ کی مخالفت سے ڈرنا چاہئے۔

مسلسل انکار اور اس کی پاداش:......... قوم عاد وثمود کے بعد بھی بہت سی قومیں آئیں اور جن کی تقدیر میں تباہی و بربادی لکھ دی گئی تھی وہ ہو کر رہی اس میں نہ تقدیم ہوئی اور نہ تاخیر۔ اسی طرح مسلسل انبیاءؑ آتے رہے اور خدا کی وحدانیت کی تبلیغ کرتے رہے۔ اب ان میں سے جس نے اس تبلیغ پر عمل کیا وہ راہ راست پر آ گئے اور جن کی تقدیر میں بربادی مقدر تھی وہ انبیاءؑ کا انکار ہی کرتے رہے۔

یہاں یہ کہنا کہ جب ان کی تقدیر میں انبیاءؑ کی تکذیب کے نتیجہ میں تباہی لکھ دی گئی تھی پھر ان پر الزام کس طوح کا...... تو اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی حاذق حکیم کسی مریض کو دیکھ کر یہ کہہ دے کہ یہ ہرگز نہیں بچے گا۔ اور حکیم کے کہنے کے مطابق وہ واقعی مر بھی گیا تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ حکیم نے اسے مار دیا بلکہ حکیم نے تو اپنے تجربہ کے نتیجہ میں یہ پیشین گوئی کی تھی کہ اس کے بچنے کی اب کوئی توقع نہیں ہے۔ اسی طرح ان قوموں کی ہلاکت ان کی نافرمانی کے نتیجہ میں ہے یہ ان پر کوئی ظلم نہیں ہے۔ اور کیونکہ یہ نافرمانی ہی کرنے والے تھے اس وجہ سے خدا تعالیٰ نے حاذق حکیم کی طرح قبل از وقت ان کی ہلاکت سے مطلع کر دیا۔

اسی سلسلہ انبیاءؑ میں سے حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی حضرت ہارونؑ کو خدا تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کے پاس بھیجا تا کہ یہ انہیں راہ راست پر لاسکیں لیکن انہوں نے بھی حضرت موسیٰؑ کے واضح معجزات دیکھنے کے باوجود دوسری قوموں کی طرح ان کی تکذیب و مخالفت کی اور وہی اعتراضات کئے جو دیگر اقوام کرتی رہی ہیں۔ اور یہاں تو تذکرہ فرعون کے دربار کا ہے تو وہ تو واقعۃً اپنے آپ کو حاکم سمجھتے تھے اور بقیہ ان کے محکوم و رعایا تھی۔ اور ظاہر ہے کہ رعایا کے کسی فرد کی ان کی نظر میں کیا حیثیت ہوسکتی تھی...... بہر حال دوسری قوموں کی طرح یہ بھی ہلاک کر دیئے گئے اور ان کی ہلاکت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت دی گئی تا کہ وہ اپنی قوم کی اس کے ذریعہ ہدایت کر سکیں۔

حضرت موسیٰ کے تذکرہ کے بعد جو اسرائیلیوں میں سب سے پہلے نبی تھے ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کیا جاتا ہے

• جو اسرائیلیوں کے آخری نبی تھے۔ان کے بارے میں ارشاد ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ مریمؑ کو خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کے اظہار کے لئے ایک بڑی نشانی بنائی تھی اور انہیں بغیر باپ کے پیدا کر دیا جس طرح حضرت حوا بغیر ماں کے صرف مرد سے پیدا ہوئیں تھیں اور اس سے بڑھ کر حیرت انگیز حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش تھی جہاں نہ ماں تھی اور نہ کوئی باپ۔گویا بغیر مرد عورت کے آپ کی پیدائش ہوگئی اور پھر کہا گیا ہے کہ ہم نے انہیں ایک بلند جگہ پر پناہ دی۔تو یہ جگہ کون سی تھی اور یہ واقعہ کب کا ہے اس سلسلے میں مختلف رائیں ہیں۔بعض مفسرینؒ نے کہا ہے کہ یہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے وقت کا واقعہ ہے اس وقت حضرت مریمؑ کسی بلند مقام پر مقیم تھیں اور نیچے چشمہ بہہ رہا تھا اور یہ دمشق یا فلسطین وغیرہ کی کوئی جگہ تھی۔لیکن محققین مفسرینؒ کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد ملک مصر ہے اور آیت کا تعلق کسی اور واقعہ سے ہے جیسا کہ انجیل کی بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔اور خود آیت میں اوینھما سے بھی اشارہ اسی طرف ہے کہ کوئی خطرہ کا موقعہ تھا جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو بچایا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ الحَلَالَاتِ **وَاعْمَلُوْا صَالِحًا** مِنْ فَرْضٍ وَنَفْلٍ **اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴿۵۱﴾** فَاُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ وَاعْلَمُوْا **اِنَّ هٰذِهٖٓ** اَيْ مِلَّةَ الْاِسْلَامِ **اُمَّتُكُمْ** دِيْنُكُمْ اَيُّهَا الْمُخَاطَبُوْنَ اَيْ يَجِبُ اَنْ تَكُوْنُوْا عَلَيْهَا **اُمَّةً وَّاحِدَةً** حَالٌ لَازِمَةٌ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِتَخْفِيْفِ النُّوْنِ وَفِيْ اُخْرٰى بِكَسْرِهَا مُشَدَّدَةً اِسْتِيْنَافًا **وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ﴿۵۲﴾** فَاحْذَرُوْنِ **فَتَقَطَّعُوْٓا** اَيِ الْاَتْبَاعُ **اَمْرَهُمْ** دِيْنَهُمْ **بَيْنَهُمْ زُبُرًا** حَالٌ مِنْ فَاعِلِ تَقَطَّعُوْا اَيْ اَحْزَابًا مُتَخَالِفِيْنَ كَالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى وَغَيْرِهِمَا **كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ** اَيْ عِنْدَهُمْ مِنَ الدِّيْنِ **فَرِحُوْنَ﴿۵۳﴾** مَسْرُوْرُوْنَ **فَذَرْهُمْ** اُتْرُكْ كُفَّارَ مَكَّةَ **فِيْ غَمْرَتِهِمْ** ضَلَالَتِهِمْ **حَتّٰى حِيْنٍ﴿۵۴﴾** اَيْ حِيْنَ مَوْتِهِمْ **اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ** نُعْطِيْهِمْ **مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ﴿۵۵﴾** فِي الدُّنْيَا **نُسَارِعُ** نُعَجِّلُ **لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ** لَا **بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ﴿۵۶﴾** اَنَّ ذٰلِكَ اِسْتِدْرَاجٌ لَهُمْ **اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ** خَوْفِهِمْ مِنْهُ **مُّشْفِقُوْنَ﴿۵۷﴾** خَائِفُوْنَ مِنْ عَذَابِهٖ **وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ** اَلْقُرْاٰنِ **يُؤْمِنُوْنَ﴿۵۸﴾** يُصَدِّقُوْنَ **وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ﴿۵۹﴾** مَعَهُ غَيْرَهُ **وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ** يُعْطُوْنَ **مَآ اٰتَوْا** اَعْطَوْا مِنَ الصَّدَقَةِ وَالْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ **وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ** خَائِفَةٌ اَنْ لَا تُقْبَلَ مِنْهُمْ **اَنَّهُمْ** يُقَدَّرُ قَبْلَهُ لَامُ الْجَرِّ **اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ﴿۶۰﴾ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ﴿۶۱﴾** فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ **وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا** اَيْ طَاقَتَهَا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يُصَلِّيَ قَائِمًا فَلْيُصَلِّ جَالِسًا وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يَصُوْمَ فَلْيَاْكُلْ **وَلَدَيْنَا** عِنْدَنَا **كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ** بِمَا عَمِلَتْهُ وَهُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ تُسْطَرُ فِيْهِ الْاَعْمَالُ **وَهُمْ** اَيِ النُّفُوْسُ الْعَامِلَةُ **لَا يُظْلَمُوْنَ﴿۶۲﴾** شَيْئًا مِنْهَا فَلَا يُنْقَصُ مِنْ ثَوَابِ اَعْمَالِ الْخَيْرِ وَلَا يُزَادُ فِي السَّيِّئَاتِ **بَلْ قُلُوْبُهُمْ** اَيِ الْكُفَّارِ **فِيْ غَمْرَةٍ** جَهَالَةٍ **مِّنْ هٰذَا** الْقُرْاٰنِ **وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ**

الْمَذْكُورِ لِلْمُؤْمِنِينَ **هُمْ لَهَا عَامِلُونَ**﴿۶۳﴾ فَيُعَذَّبُونَ عَلَيْهَا **حَتّٰى** اِبْتِدَائِيَّةٌ **اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيهِمْ** اَغْنِيَائَهُمْ وَرُؤْسَائَهُمْ **بِالْعَذَابِ** اَيِ السَّيْفِ يَوْمَ بَدْرٍ **اِذَا هُمْ يَجْئَرُوْنَ**﴿۶۴﴾ يَضِجُّوْنَ يُقَالُ لَهُمْ **لَا تَجْئَرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ**﴿۶۵﴾ لَا تَمْنَعُوْنَ **قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ** مِنَ الْقُرْاٰنِ **تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ**﴿۶۶﴾ تَرْجِعُوْنَ قَهْقَرٰى **مُسْتَكْبِرِيْنَ** عَنِ الْاِيْمَانِ بِهٖ **بِهٖ** اَيْ بِالْبَيْتِ اَوِ الْحَرَمِ بِاَنَّهُمْ اَهْلُهٗ فِيْ اَمْنٍ بِخِلَافِ سَائِرِ النَّاسِ فِيْ مَوَاطِنِهِمْ **سٰمِرًا** حَالٌ اَيْ جَمَاعَةً يَتَحَدَّثُوْنَ بِاللَّيْلِ حَوْلَ الْبَيْتِ **تَهْجُرُوْنَ**﴿۶۷﴾ مِنَ الثُّلَاثِيْ تَتْرُكُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَمِنَ الرُّبَاعِيْ اَيْ تَقُوْلُوْنَ غَيْرَ الْحَقِّ فِي النَّبِيِّ وَالْقُرْاٰنِ قَالَ تَعَالٰى **اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا** اَصْلُهٗ يَتَدَبَّرُوْا فَاُدْغِمَتِ التَّاءُ فِي الدَّالِ **الْقَوْلَ** اَيِ الْقُرْاٰنَ الدَّالَّ عَلٰى صِدْقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ**﴿۶۸﴾ **اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ**﴿۶۹﴾ **اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ** اَلْاِسْتِفْهَامُ فِيْهِ لِلتَّقْرِيْرِ بِالْحَقِّ مِنْ صِدْقِ النَّبِيِّ وَمَجِيْءِ الرُّسُلِ لِلْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ وَمَعْرِفَةِ رَسُوْلِهِمْ بِالصِّدْقِ وَالْاَمَانَةِ وَاَنْ لَا جُنُوْنَ بِهٖ **بَلْ** لِلْاِنْتِقَالِ **جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ** اَيِ الْقُرْاٰنِ الْمُشْتَمِلِ عَلَى التَّوْحِيْدِ وَشَرَائِعِ الْاِسْلَامِ **وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ**﴿۷۰﴾ **وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ** اَيِ الْقُرْاٰنُ **اَهْوَآءَهُمْ** بِاَنْ جَاءَ بِمَا يَهْوُوْنَهٗ مِنَ الشَّرِيْكِ وَالْوَلَدِ لِلّٰهِ تَعَالٰى عَنْ ذٰلِكَ **لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ** اَيْ خَرَجَتْ عَنْ نِظَامِهَا الْمُشَاهَدِ لِوُجُوْدِ التَّمَانُعِ فِي الشَّيْءِ عَادَةً عِنْدَ تَعَدُّدِ الْحَاكِمِ **بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ** اَيْ بِالْقُرْاٰنِ الَّذِيْ فِيْهِ ذِكْرُهُمْ وَشَرَفُهُمْ **فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ**﴿۷۱﴾ **اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا** اَجْرًا عَلٰى مَا جِئْتَهُمْ بِهٖ مِنَ الْاِيْمَانِ **فَخَرَاجُ رَبِّكَ** اَجْرُهٗ وَثَوَابُهٗ وَرِزْقُهٗ **خَيْرٌ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ خَرْجًا فِي الْمَوْضِعَيْنِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ اُخْرٰى خَرَاجًا فِيْهِمَا **وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ**﴿۷۲﴾ اَفْضَلُ مَنْ اَعْطٰى وَاٰجَرَ **وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ** طَرِيْقٍ **مُّسْتَقِيْمٍ**﴿۷۳﴾ اَيْ دِيْنِ الْاِسْلَامِ **وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ** بِالْبَعْثِ وَالثَّوَابِ وَالْعِقَابِ **عَنِ الصِّرَاطِ** اَيِ الطَّرِيْقِ **لَنٰكِبُوْنَ**﴿۷۴﴾ عَادِلُوْنَ **وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ** اَيْ جُوْعٍ اَصَابَهُمْ بِمَكَّةَ سَبْعَ سِنِيْنَ **لَّلَجُّوْا** تَمَادَوْا **فِيْ طُغْيَانِهِمْ** ضَلَالَتِهِمْ **يَعْمَهُوْنَ**﴿۷۵﴾ يَتَرَدَّدُوْنَ **وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ** الْجُوْعِ **فَمَا اسْتَكَانُوْا** تَوَاضَعُوْا **لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ**﴿۷۶﴾ يَرْغَبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ فِي الدُّعَاءِ **حَتّٰى** اِبْتِدَائِيَّةٌ **اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا** صَاحِبَ **عَذَابٍ شَدِيْدٍ** هُوَ يَوْمُ بَدْرٍ بِالْقَتْلِ **اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ**﴿۷۷﴾ اٰئِسُوْنَ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ

ترجمہ:............اے پیغمبرو! نفیس چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو (فرض بھی اور نفل بھی) تم جو کچھ کرتے ہو میں اسے خوب جانتا ہوں

(اس لئے اس پر جزا بھی دوں گا) اور (دیکھو) یہ (سلام) تمہارا دین ہے۔ (اس لئے اس پر مستقیم رہو) جو (عقائد اور) اصول شریعت میں متحد ہے (امۃً واحدۃً حال لازم ہے۔ ایک قراءت میں ان کے بجائے اِن بھی آیا ہے اور دوسری قراءت میں اَن استعمال ہوا ہے جو کہ مستانفہ ہے) میں تمہارا رب ہوں مجھ سے ڈرتے رہو (ہمارے اس واضح حکم کے بعد متبعین نے وحدت دین کو کثرت سے بدل دیا۔ زبراً. تقطعوا کے فاعل سے حال ہے یعنی مختلف گروہ بن گئے جیسا کہ یہود و نصاریٰ وغیرہ) اب ہر گروہ اپنے عقائد پر فرحاں وشاداں ہیں۔ تو آپ کفار مکہ کو ان کی گمراہی میں رہنے دیجئے کچھ وقت تک (یعنی ان کی موت تک) کیا یہ سمجھتے ہیں کہ جو ہم ان کو مال واولاد (دنیا میں) دے رہے ہیں وہ ہم بعجلت ان کے ساتھ بھلائی کرر ہے ہیں (یہ خام خیالی ہے) بلکہ ان کو احساس تک نہیں (کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ ایک ڈھیل ہے ہم نیک معاملہ تو ان لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں۔) جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں (اور اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں) اور جو اپنے رب کی آیات (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں۔ نیز وہ جو شرک نہیں کرتے اور وہ بھی جو دیتے ہیں (صدقہ، خیر خیرات وغیرہ) درآنحالیکہ اُن کے دل اس تصور سے کانپتے ہوتے ہیں (کہ کہیں خدا تعالیٰ ان کی خیر خیرات کو قبول نہ کرے) اور جو اپنے رب کے پاس جانے کا پورا یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ البتہ فائدے جلدی جلدی حاصل کرر ہے ہیں اور وہی ان کی طرف دوڑ رہے ہیں (اللہ کے علم میں اور ہمارا یہ دستور ہے) کہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کسی حکم کا پابند نہیں کرتے (چنانچہ مسئلہ صاف ہے کہ اگر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر پڑھ لو۔ روزہ کی طاقت نہ ہو تو افطار کرلو) اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو صحیح صحیح انسان کے اعمال کو بتائے گی (لوح محفوظ جس میں سب کے اعمال لکھے جاتے ہیں) اور ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی (نیک اعمال کا ثواب کم نہیں کیا جائے گا...... اور یہ بھی نہ ہوگا کہ برائیوں میں ہم از خود کوئی اضافہ کردیں لیکن (اس کے باوجود) ان (کافروں) کے دل جہالت میں پڑے ہوئے ہیں (اس قرآن سے یا اسی حقیقت مذکورہ سے) اور یہ کافر اہل ایمان کے بیان کردہ اعمال صالح سے گھٹے ہوئے عمل کرتے ہیں (تو جس طرح اہل ایمان کو جزا ملے گی انہیں بالیقین اپنے برے اعمال پر سزا ملے گی) یہاں تک کہ جب ہم پکڑتے ہیں ان کے مالداروں کو یا سرداروں کو عذاب میں (جیسا کہ بدر میں ان کو جھنجھوڑا تھا) تو پھر یہ چلا اٹھتے ہیں (اس وقت ان سے کہا جائے گا) کہ اب چلاؤ مت آج تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکے گا (پھر چلانے سے کیا فائدہ) قرآن کی آیات تمہارے سامنے پڑھی جاتی تھیں لیکن تم الٹے پاؤں لوٹ جاتے تھے اور تکبر کرتے تھے (قبول ایمان سے وامن کعبہ اور جوار حرم میں جو امن وامان تمہارے لئے مہیا تھا جس سے دوسرے محروم تھے وہی تمہارے تکبر کی بنیاد بنا۔ سامراً ...... منصوب بر بناء حال ہے جوار کعبہ میں) قصہ گوئی کے لئے تم چلے جاتے اور قرآن مجید کا سننا چھوڑ دیتے۔ (تھجرون...... ثلاثی اور رباعی دونوں باب سے مستعمل ہے۔ ثلاثی سے تو معنی چھوڑنے ہی کے ہیں اور رباعی کی صورت میں معنی ہوں گے کہ تم قرآن اور نبی کے بارے میں خلاف واقعہ باتیں بناتے ہو) کیا تم نے غور نہیں کیا (یدبروا اصل میں یتدبر وا تھا تا کو دال میں مدغم کردیا گیا۔ القول...... کیا تم نے قران پر غور نہیں کیا جو بجائے خود نبی کی صداقت کی دلیل ہے) یا تمہارے پاس کوئی ایسی بات آئی جو تمہارے آباء واجداد کے پاس نہیں تھی۔ کیا انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا کہ یہ اس کا انکار کرتے ہیں یا کہتے ہیں کہ نبی مجنون ہے (جملہ سوالات میں استفہام آنحضور ﷺ کی نبوت کو ثابت کرنے، پچھلی امتوں میں انبیاءؑ کے آنے اور امم سابقہ کا اپنے پیغمبروں کو پہچاننے اور ان کی صداقت وامانت کو تسلیم کرنے اور یہ کہ کوئی نبی مجنون نہیں تھا۔ ان سب مضامین کی تاکید ہے) نہیں ایسا نہیں بلکہ حق پہنچ چکا (یعنی قرآن ان کے پاس پہنچ چکا جو مضمون توحید اور قوانین اسلام پر مشتمل ہے) مگر ان میں اکثر حق کو ناپسند کرتے ہیں اور (ادھر بات یہ ہے کہ) اگر قرآن ان کی بیجا خواہشات کی پیروی کرنے لگے (مثلاً ان کے شرک وغیرہ کی تائید جس سے خدا تعالیٰ بری ہے) تو زمین وآسمان پھٹ جائیں اور جو کچھ ان کے درمیان ہیں (موجودہ نظام شکست وریخت ہو جائے کیونکہ

عادۃً حکام کے متعدد ہونے کی صورت میں باہمی کشمکش ضروری ہے) ہم نے تو ان پر قرآن نازل کیا تھا (جس میں ان کے تذکرے اور ان کے شرف وامتیاز کے مضامین تھے) لیکن یہ تو اپنے ذکر سے بھی اعراض کرتے ہیں (خدا جانے اعراض کی وجہ کیا ہے) کیا آپ ان سے معاوضہ طلب کرتے ہیں (اس دعوت ایمان کا جو آپ نے ان کو دی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ ان سے کیا مانگتے اور یہ آپ کو کیا دیتے) معاوضہ جو آپ کو خدا کی طرف سے ملنے والا ہے اعلیٰ وارفع ہے (تو کون احمق ہوگا جو اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کا طالب ہو) خدا تعالیٰ بہترین رزق دینے والا ہے (سب اجر ومعاوضہ دینے والوں سے) اور آپ انہیں صحیح راستہ کی جانب بلاتے ہیں لیکن آخرت پر ایمان نہ رکھنے والے (منکرین حشر ونشر اور منکرین ثواب وعقاب) صحیح راستہ سے کتراتے ہیں اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور ان کی تکلیف کو دور کریں (اور اس خشک سالی کو بھی ہٹادیں جو اہل مکہ پر سات سال سے مسلط ہے تو بجائے احسان مند ہونے کے) یہ اپنی سرکشی میں اور بڑھ جائیں گے اور اسی سرکشی میں مبتلا رہیں گے اور ہم نے ان کو عذاب (قحط سالی) میں مبتلا کیا۔ لیکن نہ تو انہوں نے تواضع اختیار کی اور نہ ہی یہ گڑگڑائے (کہ ان کی دعاؤں میں شان اخلاص پیدا ہوتی) اور جب سخت عذاب کا دروازہ کھول دیا گیا (جس کے نتیجہ میں یہ بدر میں مارے جانے لگے) تو بس مایوس ہوگئے (اور کسی خیر کی بھی ان کو توقع نہ رہی)

تحقیق وترکیب: ....**ان ھٰذہ امتکم** ...... **ان** مفتوحہ ایک محذوف کا معمول ہے اس محذوف پر آخری دو قرأتوں میں نشان دہی ہوگی۔ **ھٰذہ** **ان** کا اسم ہے اور **امتکم** اس میں خبر ہے۔ دوسرا لفظ **امتہ** حال لازم ہے اور **واحدۃ** اس کی صفت ہے۔ یہ اعراب ان صورتوں میں ہے جبکہ **ان** کو مشدد پڑھا جائے اور اگر **ان** کو مخفف پڑھیں تو اس کا اسم ضمیر شان ہے جو اپنے حال کی ساتھ ایک محذوف کا معمول ہے۔ **ھٰذہ** مبتدا...... **ان ھٰذہ** ...... **ان** کا ہمزہ مفتوح ہے لام یہاں مقدر ہوگا تقدیر عبارت ہوگی۔ **لان ھٰذہ** اور جملہ تعلیل کا مفہوم ادا کرے گا ترجمہ یہ ہوگا کہ مجھ ہی سے ڈرو کیونکہ تمہاری ملت، ملت واحدہ ہے اور میں ہی رب ہوں۔

زبرا ...... زبور کی جمع ہے جس کے معنی ٹکڑے کے آتے ہیں۔ **تقطعوا** سے حال واقع ہو رہا ہے اور یہی اس کے منصوب ہونے کی وجہ ہے۔

وقلوبھم وجلۃ ...... جملہ حالیہ ہے **یوتون** کے فاعل سے ترجمہ یہ ہے کہ یہ لوگ اعمال صالحہ کے باوجود عدم قبولیت کے اندیشہ میں رہتے ہیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ ان کے دل ہیبت وجلال الٰہی سے لبریز ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مشہور جملہ بھی اسی معنی میں ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی مخفی کارروائی سے خود کو محفوظ نہیں سمجھتا۔ اگرچہ میرا ایک پاؤں جنت ہی میں کیوں نہ ہو۔ صاوی میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خوف خدا کی وجہ سے اس قدر روتے کہ ان کے رخسار پر آنسوؤں کے گڑھے پڑ گئے تھے۔

وھم لھا سابقون ...... ضمیر **لھا** میں تین اعراب میں بظاہر اس کا مرجع خیرات ہے۔ یا پھر **جنۃ** اور ہوسکتا ہے کہ سعادت مرجع ہو۔ **سابقون** خبر ہے اور **لھا** اس کے متعلق جسے فاصلہ یا اختصاص کے لئے استعمال کیا گیا۔ معنی یہ ہوں گے کہ طاعات وعبادات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ **من دون ذلک** اس کا تعلق مومنین ہی سے ہے۔ لیکن قتادہؒ کی تحقیق کے مطابق **لھم** ضمیر **مسلمین** کی طرف لوٹتی ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ مسلمان اعمال خیر کے علاوہ ان سے گھٹیا بھی کچھ عمل کرتے ہیں...... **اذاھم یجئرون** ...... **اذاھم** جملہ مفاجاتیہ شرط کا جواب ہے اور شرط کی قید بھی ہوسکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں جواب یہ ہوگا کہ اب مت چلاؤ۔ اس جواب کی جانب اللہ تعالیٰ کا ارشاد **لاتجئروا** اشارہ کرتا ہے۔ **تھجرون** یہ ہجر سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ترک یا ہذیان کے آتے ہیں۔ نافعؒ **اھجار** سے ماخوذ مانتے ہیں معنی بیہودہ گوئی۔

للجوا. یہ **لو** کا جواب ہے اور اس میں دو لام مسلسل آرہے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ جب **لو** کے ساتھ کوئی بات

شروع کی جائے تو جواب میں نفی جس کا آغاز لم سے ہو، ہونی چاہئے۔ یہ اس لئے کہ قرآن مجید میں اس موقعہ پر اس قاعدہ کی کوئی نشان دہی نہیں ہے جو اس کی علامت ہے کہ قاعدہ مذکورہ بالا زیادہ صحیح نہیں ہے۔

﴿ تشریح ﴾: ....ارشاد ہے کہ اے پیغمبرو! تم......اور تمہاری امت بھی حلال چیزیں کھایا کرو اور ساتھ ہی عمل صالح کی بھی فکر رہے۔ اگر چہ خطاب تو پیغمبروں کو کیا گیا ہے مگر ان کے ذیل میں ان کے پیروکار اور ان کی امتیں بھی مخاطب ہیں...... **کلوا من الطیبت** سے لذیذ اور نفیس کھانوں سے مراد ان کے انواع واقسام نہیں بلکہ رزق مراد ہے۔ حرام رزق میں اگر لذت ہے بھی تو وہ عارضی ہے۔ حقیقی لذت اس میں موجود نہیں، ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا گیا کہ یہ نہ سمجھنا کہ تم جو کچھ کر رہے ہو اس کا ہمیں علم ہی نہیں ہے بلکہ ہم تو اچھی طرح خبردار ہیں...... نیز مجھ سے ڈرتے رہو کیونکہ میں ہی تم سب کا رب اور خدا ہوں اور میں ہی قابل پرستش ہوں۔ اس لئے میری وحدانیت کی طرف لوگوں کو بلاتے رہو اور اسی طریقہ پر جے رہو۔ یہی طریقہ صحیح اور برحق ہے۔

انبیاء کرام اپنی امتوں کو دین برحق کی دعوت دیتے رہے۔ لیکن بدقسمتی سے انہوں نے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور جس گمراہی میں مبتلا تھے اسی کو حق سمجھ کر اس پر جے رہے۔ انہیں کے متعلق فرمایا گیا کہ اے پیغمبر آپ کا کام صرف دعوت دینا تھا، اگر یہ اس دعوت کو قبول نہیں کرتے ہیں تو آپ غم نہ کیجئے، انہیں ان کی گمراہی میں مبتلا رہنے دیجئے۔ یہاں تک کہ ان کی تباہی و بربادی کا وقت آ جائے۔ کیا یہ اپنی گمراہی کے باوجود یہ گمان کر رہے ہیں کہ انہیں جو مال واولاد اور دنیاوی عیش وعشرت ملی ہوئی ہے وہ ان کے نیک اعمال کے نتیجہ میں ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ دھوکہ میں مبتلا ہیں اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ عیش وعشرت اور مال و دولت جو انہیں دنیا میں ملی ہوئی ہے وہ آخرت میں بھی باقی رہے گی۔ یہ ممکن نہیں بلکہ انہیں جو کچھ دنیاوی زندگی میں ملا ہوا ہے وہ تو ایک مختصر وقت کے لئے مہلت اور ڈھیل دی گئی ہے تاکہ شاید یہ حق کو قبول کر لیں اور راہ راست پر آ جائیں اور جب ان کی تباہی کا وقت آ جائے گا تو نہ یہ مال باقی رہیں گے اور نہ اولاد...... ان کے مقابل میں مومنین کا بھی تذکرہ ہے اور ان کا یہ وصف بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایمان اور نیک اعمال کرنے کے باوجود خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن نیکی اور خوف خدا کا مجموعہ ہوتا ہے اور منافق برائی کے باوجود نڈر اور بے خوف ہوتا ہے۔ مشرکین عرب خدا تعالیٰ کی الوہیت کو مانتے ہوئے دوسروں کو اس کا شریک بھی قرار دیتے تھے اسی وجہ سے شریعت میں صرف اقرارِ وجود باری ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ نفی شرک بھی ضروری ہے۔ اسی وجہ سے اہل ایمان خدا تعالیٰ کو واحد اور بے نیاز مانتے ہیں اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتے۔ مومن کی دوسری شان یہ بیان کی گئی کہ وہ اللہ کی راہ میں خیرات کرتے رہتے ہیں اور اس سے خوفزدہ بھی رہتے ہیں کہ کہیں اس کا دینا لینا خدا کے یہاں قبول نہ ہوا ہو۔ یہ اہل ایمان اور اہل تقویٰ ہی نفع میں ہیں نہ کہ کافر و مشرکین جو اپنی دنیوی کامیابی و کامرانی پر مغرور ہو کر خود کو برحق سمجھ رہے ہیں۔

ایک حقیقت:............ خدا تعالیٰ نے ایسے احکامات نازل فرمائے ہیں جسے انسان بسہولت ادا کر سکتا ہو۔ کوئی ایسا حکم نہیں دیا جو انسان کے بس سے باہر ہو اور پھر قیامت کے دن خدا تعالیٰ ان کے اعمال کا حساب لے گا جو ان کے نامہ اعمال میں درج ہے، جس میں سہو وغلطی کا کوئی امکان بھی نہیں۔ کسی پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا اور نہ کوئی نیکی کم کی جائے گی۔ لیکن مشرکین کے دل قرآن سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی بداعمالیاں ہیں جس طرح مومنین کے پاس دولت ایمان کے علاوہ اعمال حسنہ کا بھی سرمایہ ہوتا ہے تو جب ان کے سرداروں کو ان بداعمالیوں کے نتیجہ میں پکڑا جاتا ہے تو وہ اپنا غرور و تکبر بھول کر فریاد اور رحم کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں

۔اس وقت کہا جائے گا کہ یہ دارالجزاء ہے۔دارالعمل نہیں۔اب چیخنے چلانے سے کیا فائدہ۔جو کچھ کرنا تھا کر چکے اور اب کون ہے جو تمہیں خدا کے عذاب سے بچائے گا اور خدا کے مقابل میں تمہاری مدد کر سکے گا۔

ان کا ایک بہت بڑا جرم یہ بیان کیا گیا کہ یہ خدا تعالیٰ کی آیات کے منکر تھے، انہیں دعوت دی جاتی تھی مگر یہ اس کا مذاق اڑاتے اور خدا کی وحدانیت کو تسلیم کرنے کے بجائے شرک وکفر پر جمے ہوئے تھے اور اہل حق کو حقیر وذلیل سمجھتے تھے۔

مستکبرین بہ میں بہ کی ضمیر کا مرجع یا تو حرم ہے کہ یہ اس میں بے ہودہ باتیں کرتے تھے یا اس کا مرجع قرآن ہے جس کا یہ مذاق اڑاتے تھے یا خود آنحضور ﷺ مراد ہیں جنہیں یہ شاعر وکاہن کہا کرتے تھے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بیت اللہ کی تولیت پر فخر کیا کرتے تھے اور اپنے آپ کو اولیاء اللہ سمجھتے جو ان کا محض وہم تھا۔ محققین نے اس سے اخذ کیا ہے کہ اپنی کسی نسبت اضافی پر فخر کرنا مثلاً یہ کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں یا فلاں فلاں برکات کے حامل ہیں، یہ مذموم ہے۔

انکار کیوں؟............مشرکین جو آیات قرآنی کا انکار کرتے تھے اس سلسلہ میں ارشاد ہے کہ کیا یہ لوگ آیات کے منکر صرف اس وجہ سے تھے کہ وحی ورسالت کا تخیل ان کے لئے نامانوس تھا اور یہ دعوت پہلی مرتبہ ان تک پہنچی تھی۔کیونکہ ان کے آباء واجداد زمانہ جاہلیت میں مرے تھے جن کے پاس نہ کوئی خدا کی طرف سے نازل شدہ کتاب تھی اور نہ کوئی رسول ان تک پہنچا تھا۔اگر یہی بات تھی تو انہیں چاہئے تھا کہ غور وفکر کرتے اور کتاب اللہ کی قدر کرتے۔اگر یہ خالی الذہن ہو کر غور وفکر سے کام لیتے تو یقیناً قرآن کے اعجاز کے قائل ہو جاتے اور تکذیب سے باز آ جاتے۔لیکن انہوں نے کبھی اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔گویا تکذیب کا اصل سبب ان کی بے التفاتی رہی۔

یا ان کی تکذیب کی یہ وجہ ہو سکتی تھی کہ یہ رسول کے صدق اور دیانت وامانت سے ناواقف تھے تو یہ بات بھی نہیں کیونکہ آنحضور ﷺ تو انہیں میں پیدا ہوئے اور اسی ماحول میں آپ ﷺ نے پرورش پائی اور یہ لوگ آپ ﷺ کی پاکیزہ سیرت سے خوب اچھی طرح واقف تھے بلکہ آپ ﷺ کی امانت وصداقت اور آپ کی فہم وذکاوت کے قائل تھے۔اس دور میں بھی اہل یورپ آپ کی دانائی اور خوش تدبیری کے پوری طرح معترف ہیں مگر اس کے باوجود حق کو تسلیم نہیں کرتے۔

تو گویا ان کے انکار کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ یہ حق ہی سے بیزار ہیں اور طلب حق کی ان کے اندر کوئی تڑپ موجود نہیں ...... اور اتباع حق تو کیا کرتے دین ہی کو اپنا تختہ مشق بنانا چاہتے تھے اور ان کی یہ خواہش تھی کہ دین کے احکامات ان کی مرضی کے مطابق ہوتے۔ان کا یہ بھی مطالبہ تھا کہ نزول قرآن کسی معزز ومکرم شخص پر ہونا چاہئے تھا۔

اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ کیا رحمت خداوندی کی تقسیم انہیں کے ہاتھوں میں ہے؟ اور اگر دین ان کی مرضی کے مطابق نازل ہوتا تو سارا نظام ہی درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔کیونکہ انسانی دماغ اس کا اہل ہی نہیں ہے کہ وہ مخلوق کے انتظامات کی صلاحیت رکھتا ہو...... یہ تو خدا تعالیٰ کی شان اور قدرت ہے کہ وہ تمام مخلوق کی حاجت برآری اس کی ضرورت اور مصلحت کے مطابق کرتے رہتے ہیں۔فرمایا گیا کہ یہ قرآن تو ان کی نصیحت کے لئے نازل کیا گیا تھا مگر یہ اپنے نفع ونقصان کی طرف سے اندھے ہو چکے ہیں۔انہیں اس کا کوئی خیال ہی نہیں۔

پھر فرمایا گیا کہ آپ ﷺ تو تبلیغ قرآن پر ان سے کوئی اجرت اور معاوضہ بھی نہیں مانگتے جیسا کہ اکثر دوسرے مذاہب کے پجاری اپنے ماننے والوں سے طلب کیا کرتے ہیں۔اسی سے فقہاء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ علماء اور واعظین کو اجرت طلب کرنا جائز نہیں...... نیز فرمایا گیا کہ آپ ﷺ اعلان کر دیجئے کہ میں تم لوگوں سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا ہوں۔سب سے بہتر بدلہ دینے والا تو خدا تعالیٰ ہی ہے۔

کہا گیا کہ ان کی فطرت مسخ ہو چکی ہے۔اگر ان کی پریشانیوں اور ان کے عذاب کو دور بھی کر دیا جائے تو بھی اپنے اعناد وسرکشی کی

وجہ سے دین حق قبول نہیں کر سکتے۔

ارشاد ہے کہ انہیں ان کے اسی کفروشرک کی وجہ سے مصیبتوں میں مبتلا کیا گیا۔ اس سے اشارہ اس قحط سالی کی طرف ہے جو ۸ ہجری میں مکہ میں ہوئی تھی۔ جس سے اہل مکہ نے پریشان ہو کر آنحضور ﷺ کے پاس ابوسفیان کو بھیجا تھا کہ آنحضور ﷺ سے دعا کرائیں۔ تو ان مصیبتوں میں مبتلا ہونے کے باوجود خدا کے سامنے عاجزی وانکساری کا ہاتھ نہیں پھیلایا۔ بلکہ اپنے کبر وغرور پر جمے رہے اور شرک وکفر میں مبتلا رہے۔ یہاں تک کہ انہیں ان عذابوں میں مبتلا کر دیا جائے گا جس کا ان کو وہم وگمان بھی نہ ہوگا اور پھر حسرت کے ساتھ دیکھتے رہ جائیں گے اور وہ ہر بھلائی سے مایوس ہوں گے۔

وَهُوَ الَّذِیٓ اَنْشَاَ خَلَقَ **لَكُمُ السَّمْعَ** بِمَعْنَى الْاَسْمَاعِ **وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ** الْقُلُوْبَ **قَلِيْلًا مَّا** تَاكِيْدٌ لِلْقِلَّةِ **تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ** خَلَقَكُمْ **فِی الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾** تُبْعَثُوْنَ **وَهُوَ الَّذِیْ يُحْیٖ** بِنَفْخِ الرُّوْحِ فِی الْمُضْغَةِ **وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ** بِالسَّوَادِ وَالْبَيَاضِ وَالزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ **اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾** صَنِيْعَهٗ تَعَالٰى فَتَعْتَبِرُوْنَ **بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا** اَیِ الْاَوَّلُوْنَ **ءَ اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾** لَا وَفِی الْهَمْزَتَيْنِ فِی الْمَوْضَعَيْنِ التَّحْقِيْقُ وَتَسْهِيْلُ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالُ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ **لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا** اَیِ الْبَعْثُ بَعْدَ الْمَوْتِ **مِنْ قَبْلُ اِنْ** مَا **هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ** اَكَاذِيْبُ **الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾** كَالْاَضَاحِيْكِ وَالْاَعَاجِيْبِ جَمْعُ اُسْطُوْرَةٍ بِالضَّمِّ **قُلْ** لَهُمْ **لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ** مِنَ الْخَلْقِ **اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾** خَالِقَهَا وَمَالِكَهَا **سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ** لَهُمْ **اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾** بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِی الذَّالِ تَتَّعِظُوْنَ فَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْقَادِرَ عَلَى الْخَلْقِ اِبْتِدَاءً قَادِرٌ عَلَى الْاِحْيَاءِ بَعْدَ الْمَوْتِ **قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾** الْكُرْسِیِّ **سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾** تَحْذَرُوْنَ عِبَادَةَ غَيْرِهٖ **قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ** مُلْكُ **كُلِّ شَیْءٍ** وَالتَّاءُ لِلْمُبَالَغَةِ **وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ** يُحْمٰى وَلَا يُحْمٰى عَلَيْهِ **اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ** وَفِیْ قِرَاءَةٍ لِلّٰهِ بِلَامِ الْجَرِّ فِی الْمَوْضَعَيْنِ نَظَرًا اِلٰى اَنَّ الْمَعْنٰى مَنْ لَّهٗ مَاذُكِرَ **قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾** تُخْدَعُوْنَ وَتُصْرَفُوْنَ عَنِ الْحَقِّ عِبَادَةَ اللّٰهِ وَحْدَهٗ اَیْ كَيْفَ يُخَيَّلُ لَكُمْ اَنَّهٗ بَاطِلٌ **بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ** بِالصِّدْقِ **وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾** فِیْ نَفْيِهٖ وَهُوَ **مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا** اَیْ لَوْ كَانَ مَعَهٗ اِلٰهٌ **لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ** اَیْ اِنْفَرَدَ بِهٖ وَمَنَعَ الْاٰخَرَ مِنَ الْاِسْتِيْلَاءِ عَلَيْهِ **وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ** مُغَالَبَةً كَفِعْلِ مُلُوْكِ الدُّنْيَا **سُبْحٰنَ اللّٰهِ** تَنْزِيْهًا لَهٗ **عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾** بِهٖ مِمَّا ذُكِرَ **عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ** مَا غَابَ وَمَا شُوْهِدَ بِالْجَرِّ صِفَةٌ وَالرَّفْعِ خَبَرُ هُوَ

مُقَدَّرًا فَتَعٰلٰى تَعَظَّمَ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ مَعَهٗ

ع ۱۵ ۵

ترجمہ: .... اور اللہ وہ ذات گرامی ہے جس نے تم کو کان دیئے، نیز آنکھیں اور قلب (جو مرکز حیات ہے) مگر پھر بھی تم شکر ادا نہیں کرتے (قلیلاما میں قلت کی تاکید کے لئے ہے) اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پیدا کیا اور اسی کی جانب تم (مرنے کے بعد) لوٹائے جاؤ گے اور وہی ہے جو زندگی دیتا ہے (لوتھڑے میں روح ڈال کر) اور موت بھی اسی کی طرف ہے اور وہی رات اور دن کو مختلف کرتا رہتا ہے (کہ کبھی چاندنی ہوتی ہے کبھی اندھیرا اور کبھی دن چھوٹے ہوتے ہیں اور راتیں بڑی اور گاہے اس کے برعکس) پھر بھی تم نہیں سوچتے (اللہ کی صنعتوں کو کہ تمہیں عبرت ہوتی) بلکہ یہ (کفار مکہ) تو وہی باتیں کہتے ہیں جو پہلوں نے کہی تھیں (ان پہلوں نے) کہا تھا کہ جب ہم مرجائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی اور ہڈیاں تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے (کہتے تھے کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ ء اذا اور ء انسا میں ہمزہ پڑھا جائے گا اور دنوں ہمزہ میں الف داخل کیا جائے گا) حشر ونشر کے وعدے تو ہم سے بھی کئے گئے اور ہمارے آباؤ اجداد سے بھی (سو جب یہ ناممکن ہے تو یوں سمجھو) کہ سب جھوٹ ہے پہلوں کا (اساطیر جمع اسطورۃ کی ہے۔ ترجمہ مضحکہ خیز وتعجب انگیز باتیں) ان سے یوں کہئے کہ اچھا تم ہی بتاؤ یہ زمین اور جو کچھ اس پر ہے کس کی پیدا کردہ ہے۔ اگر تم جانتے ہو (دوسرا خالق ومالک۔ اس سوال کے جواب میں) بے اختیار کہہ اٹھیں گے۔ خالق ارض وسما تو خدا ہی ہے (فطرت کے اس حقیقی جواب پر) ان سے کہئے کہ پھر بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے (کہ تمہیں یقین آتا، ابتداءً پیدا کرنے والا دوبارہ بھی زندگی دے سکتا ہے۔ تذکرون میں جو اصل ہے تتذکرون تھا دوسری تا ذال میں مدغم ہوگئی (اور اگر) ان سے پوچھئے کہ ساتوں آسمان اور کرسی کا مالک کون ہے؟ تو خود ہی کہیں گے صرف خدا (اس جواب پر ان سے) کہئے کہ پھر بھی تم (دوسروں کو معبود بنانے سے) پرہیز نہیں کرتے (لگے ہاتھ یہ بھی) سوال کر لیجئے کہ ہر چیز کا اختیار کس کو ہے اور (مختار ایسا ہو کہ) جو سب کا نگران ہو اور خود محتاج نگران نہ ہو (خدا کے علاوہ) کسی اور کو جانتے ہو تو بتاؤ (دیکھئے اس سوال کے جواب میں بھی) یہی کہیں گے کہ صرف اللہ ہی ہے (ملکوت میں تا مبالغہ کی ہے اور سیقولون اللہ میں ایک قرأت لام جارہ کے ساتھ ہے۔ یعنی سیقولون للہ یہ قرأت معنوی کے اعتبار سے برجستہ ہے کیونکہ سوالات کا مفہوم یہ تھا کہ بیان کردہ چیزیں کس کی ہیں۔ اگر جواب ''اللہ ہی کی'' ہو تو سوال وجواب بالکل مطابق ہو جائیں گے) تو ان سے کہئے کہ پھر سب کچھ جاننے کے باوجود کس دھوکہ میں پڑے ہوئے ہو (کیسے تم نے سمجھ لیا کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ غلط ہے اور کیوں تم خدائے واحد کی عبادت چھوڑ کر حق سے پہلو تہی کرنے والے ہوگئے۔ بات وہ نہیں جو یہ کہتے ہیں) درحقیقت ان کے پاس حق بات پہنچ چکی ہے مگر یہ (صداقت کو) جھٹلا کر خود جھوٹے بن رہے ہیں (سنو) خدا کی اولاد نہیں ہے نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی مخلوق کو لے کر علیحدہ ہو جاتا (اور اپنی مخلوق پر دوسرے کو غالب نہ آنے دیتا بلکہ) ایک معبود دوسرے پر چڑھ دوڑتا (جیسے دنیا کے بادشاہ حصول جاہ وملک کے لئے ایک دوسرے پر چڑھائی کرتے رہتے ہیں) وہ جو بیان کرتے ہیں اس سے خدا بالکل ہی پاک ہے۔ اللہ تو غائب وحاضر کا جاننے والا ہے۔ (الغیب والشھادۃ اگر مجرور ہیں تو صفت ہیں موصوف عالم۔ اور اگر مرفوع ہے تو ھو مبتدا مقدر کی خبر۔ جب ایسا ہے) تو خدا ان کے شرک سے بالاتر ہے۔

تحقیق وترکیب: .... افلا تعقلون. میں ہمزہ محذوف پر داخل ہے اور فا عاطفہ ہے اصل عبارت ہے **اغفلتم فلا تعقلون.**

اذا لذھب میں اذا سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ اذ جملہ شرطیہ میں داخل ہوتا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ کا ارشاد ''لذھب'' جزا کیسے بنے گا۔ درآنحالیکہ شرط کا کوئی تذکرہ بھی نہیں آیا۔ مصنفؒ نے شرط محذوف نکال کر دکھائی جو کہ **اذ لو کان معہ** ہے۔

عالم الغیب والشھادۃ. اکثر قراء نے اسے مرفوع ہی پڑھا ہے۔ مبتداء محذوف کی خبر مان کراور باقی مجرور پڑھتے ہیں اللہ کی صفت قرار دیتے ہوئے۔

﴿تشریح﴾:............ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھو کہ سننے کو کان دیئے، دیکھنے کو آنکھیں دیں اور اسی کے ساتھ عقل وفہم بھی عطا فرمائی تا کہ خدا تعالیٰ کی آیات پر غور کریں اور اس منعم حقیقی پر ایمان لے آئیں۔ مگر ان ناشکروں سے یہ بھی نہ ہوسکا بلکہ انہیں جوں جوں نعمتیں ملیں یہ اور بہکتے رہے۔ اس لئے آگے ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ ہی نے تمام مخلوق کو پیدا کیا۔ اسی کے اختیار میں مارنا اور جلانا ہے اور پھر وہی قیامت کے دن سب کو جمع کرے گا۔ اس سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جب یہ قیامت کے دن جمع کئے جائیں گے تب انہیں اس کفران نعمت کی حقیقت معلوم ہوجائے گی جو یہ دنیا میں کرتے رہے ہیں۔ انہیں سوچنا چاہئے تھا کہ وہی قادر مطلق تمام قوتوں کا مرجع ہے۔ اسی کے حکم سے سورج نکل رہا ہے جس کے نتیجہ میں دن نمودار ہوتا ہے اور اسی کے حکم سے سورج ڈوب رہا ہے جس کے نتیجہ میں رات آتی ہے۔ یہ سب کچھ ایک لگے بندھے نظام کے ماتحت ہورہا ہے۔ ان سارے شواہد ودلائل کے بعد انکار کی کیا گنجائش باقی رہ گئی تھی۔ مگر ان احمقوں نے بھی وہی سب کچھ کیا جو ان کے آباء واجداد کہتے چلے آئے تھے کہ مرکر مٹی ہوجانے اور صرف ہماری بوسیدہ ہڈیاں رہ جانے کے بعد ہم کس طرح دوبارہ پیدا کئے جاسکتے ہیں۔ یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ اور جو کچھ ہم سے اس وقت کہا جارہا ہے وہی ہم سے پہلے ہمارے آباؤ اجداد کو کہہ کر ڈرایا گیا تھا۔ لیکن ہم نے تو آج تک کسی کو مرکر دوبارہ زندہ ہوتے دیکھا ہی نہیں۔ یہ تو بلاوجہ کی ایک بکواس ہے۔

پوچھئے:............خدا تعالیٰ اپنی خالقیت اور تصرف لوگوں کو دکھانے کے لئے آنحضور ﷺ سے فرماتے ہیں کہ اگر تم خود ان کفار سے سوال کرو کہ زمین اور اس پر رہنے والوں کا رب کون ہے؟ تو یقیناً وہ جواب میں یہ کہیں گے کہ خدا ہی ان تمام چیزوں کا رب ہے۔ اسی طرح اگر ان سے یہ پوچھو کہ زمین وآسمان کا بنانے والا اور تمام چیزوں کا متصرف کون ہے تو بلاشبہ یہی جواب دیں گے کہ تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا اور بنانے والا خدا ہی ہے اور وہی تمام چیزوں کا مالک اور متصرف ہے۔

ارشاد ہے کہ پھر آپ ﷺ ان سے سوال کیجئے کہ جب تمام چیزوں کا خالق اور اس میں متصرف خدا تعالیٰ ہی ہیں تو پھر آخر تم لوگوں کو کیا خبط ہے کہ قبول حق سے روگردانی کرتے ہو۔

اسی طرح پر عربوں میں یہ دستور تھا کہ اگر قبیلہ کا سردار کسی کو پناہ دے دے تو کسی کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ اس پناہ کو ختم کردے۔ لیکن اگر کسی عام آدمی نے کسی کو پناہ دی ہو تو سردار کے لئے اس کی پابندی کوئی ضروری نہیں ہوتی۔ تو اس دستور کے مطابق آنحضور ﷺ سے فرمایا گیا کہ اگر آپ ﷺ ان سے یہ پوچھیں کہ ایسی کونسی طاقت ہے کہ جس کی پناہ کو کوئی توڑ نہیں سکتا اور اس کے مقابل میں کوئی کسی کو پناہ نہ دے سکتا ہو تو یقیناً جواب وہی ہوگا کہ ایسا قادر مطلق صرف خدا ہی ہوسکتا ہے کہ جس کا حکم نہ ٹل سکے اور جس سے کوئی روگردانی نہیں کرسکتا۔ تو گویا کہ حق ان کی سامنے کھل کر آچکا تھا مگر اس کے باوجود یہ غیر اللہ کو شریک ٹھہراتے رہے۔ گویا ان کا یہ کہنا جھوٹ تھا کہ حق بات ان تک نہیں پہنچی۔

شرک کی تردید کرتے ہوئے اپنی برتری ظاہر فرمارہے ہیں۔ ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ تمام کائنات کا بلاشرکت غیرے مالک ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کے کاموں میں شریک اور اگر یہ مان لیا جائے کہ کئی خدا ہیں تو ہر ایک خدا کی ایک الگ مخلوق ہونی چاہئے۔ جس کا کہ وہ مستقل مالک ہوتا ہے اور اس طرح سارے عالم کا نظام درہم وبرہم ہوکر رہ جاتا۔ حالانکہ کائنات کا انتظام مکمل

صورت میں موجود ہے۔ اس میں کوئی انتشار نہیں پایا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں اور وہ ان تمام چیزوں سے پاک ہے جسے مشرکین خدا کا شریک قرار دیتے ہیں۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا فِيهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِي مَا الزَّائِدَةِ **تُرِيَنِّي مَا يُوْعَدُوْنَ**﴿۹۳﴾ مِنَ الْعَذَابِ هُوَ صَادِقٌ بِالْقَتْلِ بِبَدْرٍ **رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ**﴿۹۴﴾ فَاُهْلِكَ بِهَلَاكِهِمْ **وَاِنَّا عَلٰى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ**﴿۹۵﴾ **اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ** اَيِ الْخُلَّةَ مِنَ الصَّفْحِ وَالْاِعْرَاضِ عَنْهُمْ **السَّيِّئَةَ** اَذَاهُمْ اِيَّاكَ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ **نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ**﴿۹۶﴾ اَيْ يُكَذِّبُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ فَنُجَازِيْهِمْ عَلَيْهِ **وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ** اَعْتَصِمُ **بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ**﴿۹۷﴾ نَزَغَاتِهِمْ بِمَا يُوَسْوِسُوْنَ بِهِ **وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ**﴿۹۸﴾ فِيْ اُمُوْرِيْ لِاَنَّهُمْ اِنَّمَا يَحْضُرُوْنَ بِسُوْءٍ **حَتّٰى** اِبْتِدَائِيَّةٌ **اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ** وَرَاٰى مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ لَوْ اٰمَنَ **قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ**﴿۹۹﴾ اَلْجَمْعُ لِلتَّعْظِيْمِ **لَعَلِّيْ اَعْمَلُ صَالِحًا** بِاَنْ اَشْهَدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَكُوْنُ **فِيْمَا تَرَكْتُ** ضَيَّعْتُ مِنْ عُمْرِيْ اَيْ فِيْ مُقَابَلَتِهِ قَالَ تَعَالٰى **كَلَّا** اَيْ لَا رُجُوْعَ **اِنَّهَا** اَيْ رَبِّ ارْجِعُوْنِ **كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا** وَلَا فَائِدَةَ لَهُ فِيْهَا **وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ** اَمَامِهِمْ **بَرْزَخٌ** حَاجِزٌ يَصُدُّهُمْ عَنِ الرُّجُوْعِ **اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ**﴿۱۰۰﴾ وَلَا رُجُوْعَ بَعْدَهُ **فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ** اَلْقَرْنِ النَّفْخَةُ الْاُوْلٰى اَوِ الثَّانِيَةُ **فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ** يَتَفَاخَرُوْنَ بِهَا **وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ**﴿۱۰۱﴾ عَنْهَا خِلَافَ حَالِهِمْ فِي الدُّنْيَا لِمَا يَشْغَلُهُمْ مِنْ عِظَمِ الْاَمْرِ عَنْ ذٰلِكَ فِيْ بَعْضِ مَوَاضِعِ الْقِيٰمَةِ وَفِيْ بَعْضِهَا يُفِيْقُوْنَ وَفِيْ اٰيَةٍ اُخْرٰى وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ **فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ** بِالْحَسَنَاتِ **فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ**﴿۱۰۲﴾ اَلْفَائِزُوْنَ **وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ** بِالسَّيِّئَاتِ **فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ** فَهُمْ **فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ**﴿۱۰۳﴾ **تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ** تَحْرِقُهَا **وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ**﴿۱۰۴﴾ شُمِّرَتْ شِفَاهُهُمُ الْعُلْيَا وَالسُّفْلٰى عَنْ اَسْنَانِهِمْ وَيُقَالُ لَهُمْ **اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ** مِنَ الْقُرْاٰنِ **تُتْلٰى عَلَيْكُمْ** تُخَوَّفُوْنَ بِهَا **فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ**﴿۱۰۵﴾ **قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا** وَفِيْ قِرَاءَةٍ شَقَاوَتُنَا بِفَتْحِ اَوَّلِهِ وَاَلِفٍ وَهُمَا مَصْدَرَانِ بِمَعْنًى **وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ**﴿۱۰۶﴾ عَنِ الْهِدَايَةِ **رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا** اِلَى الْمُخَالَفَةِ **فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ**﴿۱۰۷﴾ **قَالَ** لَهُمْ بِلِسَانِ مَالِكٍ بَعْدَ قَدْرِ الدُّنْيَا مَرَّتَيْنِ **اخْسَئُوْا فِيْهَا** اُقْعُدُوْا فِي النَّارِ اَذِلَّاءَ **وَلَا تُكَلِّمُوْنِ**﴿۱۰۸﴾ فِيْ رَفْعِ الْعَذَابِ عَنْكُمْ فَيَنْقَطِعُ رِجَاؤُهُمْ **اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ** هُمُ الْمُهَاجِرُوْنَ **يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ**﴿۱۰۹﴾ **فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا** بِضَمِّ

السِّیْنِ وَکَسْرِهَا مَصْدَرٌ بِمَعْنَی الْهَزْءِ مِنْهُمْ بِلَالٌ وَصُهَیْبٌ وَعَمَّارٌ وَسَلْمَانُ **حَتّٰٓی اَنْسَوْکُمْ ذِکْرِیْ** فَتَرَکْتُمُوْهُ لِاشْتِغَالِکُمْ بِالْاِسْتِهْزَاءِ بِهِمْ فَهُمْ سَبَبُ الْاِنْسَاءِ فَنُسِبَ اِلَیْهِمْ **وَکُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَکُوْنَ﴿۱۱۰﴾ اِنِّیْ جَزَیْتُهُمُ الْیَوْمَ** النَّعِیْمَ الْمُقِیْمَ **بِمَا صَبَرُوْٓا** عَلٰی اِسْتِهْزَائِکُمْ بِهِمْ وَاَذٰکُمْ اِیَّاهُمْ **اَنَّهُمْ** بِکَسْرِ الْهَمْزَةِ **هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴿۱۱۱﴾** بِمَطْلُوْبِهِمْ اِسْتِیْنَافٌ وَبِفَتْحِهَا مَفْعُوْلٌ ثَانٍ لِجَزَیْتُهُمْ **قٰلَ** تَعَالٰی لَهُمْ بِلِسَانِ مَالِکٍ وَفِیْ قِرَاءَةٍ قُلْ **کَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ** فِی الدُّنْیَا وَفِیْ قُبُوْرِکُمْ **عَدَدَ سِنِیْنَ﴿۱۱۲﴾** تَمْیِیْزٌ **قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ** شَکُّوْا فِیْ ذٰلِکَ وَاسْتَقْصَرُوْهُ لِعَظْمِ مَاهُمْ فِیْهِ مِنَ الْعَذَابِ **فَسْئَلِ الْعَآدِّیْنَ﴿۱۱۳﴾** اَیِ الْمَلٰٓئِکَةَ الْمُحْصِیْنَ اَعْمَالَ الْخَلْقِ **قٰلَ** تَعَالٰی بِلِسَانِ مَالِکٍ وَفِیْ قِرَاءَةٍ قُلْ **اِنْ** اَیْ مَا **لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا لَّوْ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴿۱۱۴﴾** مِقْدَارَ لَبْثِکُمْ مِنَ الطُّوْلِ کَانَ قَلِیْلًا بِالنِّسْبَةِ اِلٰی لَبْثِکُمْ فِی النَّارِ **اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا** لَا لِحِکْمَةٍ **وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ﴿۱۱۵﴾** بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَلِلْمَفْعُوْلِ لَا بَلْ لِنَتَعَبَّدَکُمْ بِالْاَمْرِ وَالنَّهْیِ وَتَرْجِعُوْا اِلَیْنَا وَنُجَازِیَ عَلٰی ذٰلِکَ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ **فَتَعٰلَی اللّٰهُ** عَنِ الْعَبَثِ وَغَیْرِهٖ مِمَّا لَا یَلِیْقُ بِهٖ **الْمَلِکُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ﴿۱۱۶﴾** اَلْکُرْسِیُّ هُوَ السَّرِیْرُ الْحَسَنُ **وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ** صِفَةٌ کَاشِفَةٌ لَا مَفْهُوْمَ لَهَا **فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ** جَزَاؤُهٗ **عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ﴿۱۱۷﴾** لَا یُسْعِدُوْنَ **وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ** الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الرَّحْمَةِ زِیَادَةٌ عَلَی الْمَغْفِرَةِ **وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ﴿۱۱۸﴾** اَفْضَلُ رَاحِمٍ

ترجمہ:......... آپ کہئے کہ اے میرے پروردگار اگر آپ وہ عذاب مجھ کو دکھائیں جس کا مشرکین سے وعدہ کیا جارہا ہے تو مجھے آپ ان ظالموں کے ساتھ مبتلا عذاب نہ کردیجئو (کہ کہیں میں بھی انہیں کی طرح ہلاک نہ کردیا جاؤں۔ خدائے تعالیٰ کا یہ وعدہ عذاب جنگ بدر کی صورت میں سامنے آیا کہ مشرکین قتل بھی ہوئے اور گرفتار بھی) اور ہم اپنے وعدہ کے مطابق عذاب دکھانے پر بخوبی واقف ہیں۔ سردست تو آپ ان کے برے معاملات کا حسن اخلاق سے جواب دیتے رہئے (اور جو یہ آپ کو تکلیف پہنچارہے ہیں) اسے نظر انداز کیجئے۔ بقول مفسرین نظر انداز کرنے کا حکم جہاد سے پہلے تھا) ہم خوب جانتے ہیں یہ کیا کہتے ہیں (کہتے کیا ہیں۔ آپ کو جھٹلاتے ہیں۔ اپنی اس روش کی پوری سزا بھگت کر رہیں گے۔ اعراض کی پالیسی میں مظلوم کو شیطان اکثر بہکاتا رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس طرز سے ہٹادے۔ سواس کے لئے) آپ یہ دعا کیجئے کہ اے اللہ! مجھے وساوس شیطانی سے محفوظ رکھنا اور اس سے بھی کہ شیطان میرے پاس آکر پھٹکے (اس لئے کہ شیطان کا آنا برائیوں پر ابھارنے کے لئے ہوتا ہے۔ اب تو جو کچھ یہ کررہے ہیں کرنے دیجئے) لیکن جب موت آئے گی (اور انہیں جہنم دکھائی دے گی) تو اس وقت دنیا میں واپسی کی تمنا کریں گے اور کہیں گے کہ اب میں دنیا میں ٹھیک ٹھاک رہوں گا اور اپنی ماضی کی بھی تلافی کردوں گا (یعنی ایمان لے آؤں گا اور جو عمر کفر وشرک میں گذاری اس کی تلافی کروں گا۔ اس تمنائے خام کے

جواب میں ہماری طرف سے بھی اعلان ہوگا کہ) ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا (اب واپسی کا کیا سوال) بس ایک بات ہے جو ان کی زبانوں پر آرہی ہے (جس کا فائدہ کچھ بھی نہیں) اور آگے ان کے ایک اور عالم ہوگا۔ یعنی قبر کی زندگی (وہ انہیں دنیا میں لوٹنے سے خودروکنے والا ہے اور عالم قبر میں) حشر ونشر تک رہیں گے۔ پھر جب صور پھونکا جائے گا تو قرابتیں بھی ختم ہوجائیں گی (جن پر اکڑتے تھے اور جن پر مصائب میں اعتماد کرتے تھے) اور ان رشتہ داریوں کے بارے میں کوئی سوال تک نہ ہوگا (جبکہ دنیا میں رشتہ دار کسی مصیبت میں پوچھ گچھ اور مدد کرتا ہے۔ قیامت میں تو وہ ہولناک منظر ہوگا کہ اس کی نوبت ہی کہاں آئے گی۔ کبھی اگر کچھ ہوش وحواس ٹھکانے ہوں گے تو ایک دوسرے سے پوچھ بھی لیں گے۔ یہی مطلب ہے اس دوسری آیت کا واقبل بعضهم علی بعضٍ یتساء لون اس دن فیصلہ کی بنیاد صرف یہ ہوگی) کہ جس کی نیکیاں زائد ہوں گی وہ کامیاب اور جس کے پاس نیکیاں نہ ہوں وہی نقصان میں ہیں اور ہمیشہ جہنم میں رہنے والے۔ آتش جہنم کی لپٹیں ان کے چہروں کو جھلس دیں گی جس سے چہرہ متورم ہوکر بگڑ جائے گا (اوپر کا ہونٹ کہیں سے کہیں اور نیچے کا کہیں سے کہیں جا پہنچے گا اور ہم ان سے یوں کہیں گی کہ) کیا نہ میری آیات تمہیں سنائی جاتی تھیں تو تم ان کی تکذیب کرتے تھے (سواپنا کیا ہوا بھگتو) بولیں گے کہ اے اللہ ہماری بدنصیبی سامنے آکررہی۔ اور واقعی ہم گمراہ تھے (ایک قراءت میں بجائے شقوۃ کے شقاوۃ ہے۔ دونوں صورتوں میں متحد المعنیٰ مصدر ہیں۔ دعا یہ بھی کریں گے) کہ ہمیں جہنم سے نکال دیجئے۔ اگر ہم پھر کفروشرک اختیار کریں تو بلاشبہ گناہگار ہوں گے (ایک فرشتہ کی زبانی ان سے اس کے جواب میں کہلایا جائے گا) کہ بس پڑے رہواب جہنم میں۔ اب نہ مجھ سے کچھ کہو نہ کچھ سنو (بعض مفسرین کہتے ہیں کہ جہنمیوں کو اس درخواست کا موقعہ جہنم میں اتنی مدت دراز کے بعد ملے گا کہ اس عالم دنیا کے دوعمروں کے برابر ہوگا۔ مگر خدا تعالیٰ نہ تو ان سے عذاب ہی ہٹائیں گے بلکہ یہ فرما کر کہ ''مجھ سے مت بولو'' ان کی آئندہ کے لئے توقعات ختم کردیں گے) ارشاد ہوگا کہ میرے کچھ (مہاجر) بندے تھے جو دعائیں کرتے تھے کہ اے اللہ ہم ایمان لائے ہمارے سب گناہ معاف کردیجئے۔ ہم پر رحم کیجئے آپ بہترین رحم کرنے والے ہیں (اتنی پاکیزہ، مہذب دعا پر بھی) تم نے ان کا مذاق بنالیا تھا (یہ بے اختیار دعائیں مظلوم بلال، صہیب، عمار، سلمان رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تھی) تم مجھے قطعاً ہی بھول گئے تھے (ان غریبوں کے ساتھ بس مذاق ہی میں لگے رہتے اور مذاق ہی کیا) تم تو ان کی ہنسی اڑاتے تھے (لو پھر دیکھو) ان کو تو آج (ان دل آزار حرکتوں پر) صبر کی میں نے خوب ہی جزا دی اور یہی اپنے مقصد میں کامیاب ہوکر رہے (هم الفائزون. جزیتهم کا مفعول ثانی ہے۔ ایک فرشتہ کی زبانی (ان سے) پوچھا جائے گا کہ (کچھ یاد ہے) تم دنیا میں کتنے زمانہ رہے۔) سنین تمیز ہونے کی بناء پر منصوب ہے) کہیں گے کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ (جواب بھی یقین نہیں دے سکیں گے۔ جس عذاب میں مبتلا ہیں اس کی ہولناکیوں میں ایام دنیا بہت ہی مختصر نظر آئیں گے اور پھر یوں کہیں گے کہ صحیح مدت ہماری دنیاوی قیام کی) ان فرشتوں سے پوچھ لیجئے جو ہمارے اعمال لکھا کرتے تھے۔ ارشاد ہوگا کہ دنیا میں تم کہاں ٹھہرے۔ بہت مختصر قیام اگر تم اس کی کمی کو سمجھتے (کیونکہ جہنم میں قیام بمقابل دنیوی قیام کے بلاشبہ زائد ہوگا ۔منکرین کیونکہ دنیا کو لافانی سمجھتے تھے اور انہیں موت اور حشر ونشر کا تصور تک نہیں تھا اس لئے دنیا کی فناء بلکہ اس کی قلیل مدت آج انہیں کی زبانوں سے تسلیم کرالی گئی۔ کفروشرک، انکار ومعاندت ان سب کی بنیادی وجہ انسان کی ایک بہت بڑی بھول ہے اور وہ یہ) کہ کیا تم یہ گمان کرتے تھے کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے (گویا کہ مقصد تخلیق سے عدم واقفیت اور حشر ونشر کا یقین نہ ہونا ہر گمراہی کی جڑ ہے۔ حالانکہ کتنا غلط خیال ہے۔ انسان ایک عظیم مقصد کے پیش نظر پیدا کیا گیا اور وہ ہے عبادت اپنے رب

حقیقی کی اور اس عبادت پر جزا بھی یقینی ہے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کو بیکار کاموں کا مرتکب سمجھتے ہیں تو وہ سن لیں کہ) اللہ تعالیٰ بیکار مشغلوں سے) بہت بلند و بالا ہے۔ وہ تو بادشاہ برحق ہے بلکہ معبود یکتا ہے اور مالک ہے تخت اعظم کا (عرش اعظم کا تذکرہ بادشاہت کو ثابت کرنے کے لئے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ) جو خدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا تجویز کرتا ہی درآنحالیکہ اس خدائے باطل پر کوئی دلیل بھی نہیں رکھتا تو اس سے خدا تعالیٰ ہی خود نمٹیں گے (بات یہ ہے کہ کافر بھی کامیاب نہ ہوں گے اور رہ گئے مومن تو بس وہ تو ہمیشہ یہی دعا کرتے ہیں اور خود آپ بھی کہ) اے اللہ ہمیں معاف کیجئے، رحم کیجئے۔ واقعۃً آپ بہت رحمت کرنے والے ہیں (رحمت تو مومن پر پہلے ہی سے ورنہ توفیق ایمان اور توفیق اعمال صالحہ کہاں سے ہوتی۔ دعا میں مزید رحمت کو طلب کرنے کی تعلیم ہے)۔

تحقیق وترکیب: .... **اما تريني** ۔ تريني نون تاکید ہونے کی بناء پر فعل مضارع ہونے کے باوجود مبنی علی الفتحہ ہے اور **ما** مفعول بہ ہے۔ بصریوں کی رائے ہے کہ یہ دو مفعول چاہے گا کیونکہ رباعی سے مستعمل ہوا ہے۔ **یا** متکلم اس کا پہلا مفعول اور **ما** موصولہ مفعول ثانی ہے۔

فلا تجعلني ...... یہ جواب ہے شرط کا اس میں لفظ رب کا تکرار تضرع وزاری میں مبالغہ کے لئے اور فی معنی میں مع کے ہے۔

رب ارجعون ...... بظاہری صیغہ واحد کا ہونا چاہئے تھا کیونکہ مخاطب خدائے تعالیٰ ہیں اور وہ واحد ہیں اس کے باوجود جمع کا استعمال خدا میں تعدد کے لئے نہیں بلکہ ان کی عظمت شان کے پیش نظر ہے اور ہوسکتا ہے کہ مخاطب فرشتے ہوں، جنہوں نے روح قبض کی تھی۔ اس صورت میں اس طرح تفصیل ہوگی کہ پہلے خدا سے کہا پھر ان فرشتوں سے کہا، جیسا کہ مجرم حاکم کے بعد رہائی کی درخواست گرفتار کرنے والے سپاہیوں ہی سے کرتا ہے۔

ولا يتسآءلون ...... یہاں ایک اشکال ہے کہ دو مختلف آیتوں میں تضاد ہوگیا۔ یہاں یہ ذکر ہے کہ اہل جہنم ایک دوسرے سے کچھ نہ پوچھ سکیں گے اور دوسری آیت یعنی **اقبل بعضهم الخ** کا حاصل ہے کہ ایک دوسرے سے پوچھ پاچھ کریں گے۔ رفع تضاد میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا جواب بہتر ہے کہ کبھی کفار شدت خوف کی بناء پر ساکت وصامت رہیں گے اور کبھی کچھ ہول ودہشت ختم ہوگی تو باہم دگر سوال وجواب کرلیں گے۔

الم تكن اٰياتي ۔ یہاں یہ بتانا ہے کہ لفظ قول مقدر ہے اور اس کا عطف صلہ پر ہورہا ہے یا **كالحون** **وجوههم** کی ضمیر سے حال واقع ہورہا ہے۔

سخريا ۔ دو قراءتیں ہیں نافعؒ نے سین کے ضمہ کے ساتھ اور باقی قراء سین کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

انهم هم الفائزون ...... حمزہؒ قاری اسے جملہ مستانفہ ہونے کی بناء پر ان کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں اور باقی سب قراء **جزيتهم** کا مفعول ثانی بنا کر ان پڑھتے ہیں۔

عبثاً ۔ منصوب ہونے کی دو وجہیں ہیں۔ مصدر ہو اور موقعہ حال میں ہو۔ اس لئے منصوب پڑھا جائے اور ہوسکتا ہے کہ مفعول لہ ہونے کی بناء پر منصوب ہو۔

﴿تشریح﴾: .... خدا تعالیٰ کی طرف سے آنحضور ﷺ کو تعلیم دی جارہی ہے کہ جب بدعملی کے نتیجہ میں ان کفار ومشرکین پر عذاب آنے کا اندیشہ ہو تو اس وقت یہ دعا کرتے رہا کرو کہ اے اللہ مجھے ان عذابوں سے محفوظ ومستثنیٰ رکھنا۔ کہیں میں بھی (اس لپیٹ میں

نہ آ جاؤں۔ چنانچہ ترمذی شریف میں ہے کہ آنحضور ﷺ کی ایک دعا یہ بھی تھی کہ اے اللہ جب تو کسی قوم کے ساتھ فتنہ کا ارادہ کرے تو مجھے فتنہ میں ڈالنے سے پہلے اٹھا لے۔ بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر چہ اس دعا کی تعلیم آنحضور ﷺ کو دی گئی تھی مگر اصل مخاطب امت تھی۔ آپ ﷺ کو تو محض واسطہ بنایا گیا تھا کیونکہ پیغمبر کے عذاب میں مبتلا ہونے کا تو امکان ہی نہیں۔

پھر ارشاد ہوا کہ ہم تمہارے سامنے انہیں عذاب میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ لیکن آپ ﷺ اس کی تمنا نہ کیجئے اور نہ اپنی طرف سے کوئی انتقامی کارروائی کیجئے بلکہ ان کی خباثتوں کا جواب بھلائی سے دیجئے تا کہ شاید آپ ﷺ سے ان کی عداوت ونفرت، محبت والفت میں تبدیل ہو جائے۔ ویسے بھی آپ ﷺ کو انتقام لینے کی کیا ضرورت ہے۔ میں ان کو سزا دینے کے لئے کافی ہوں۔

ان مشرکین کی برائیوں سے بچنے کی ترکیب بتانے کے بعد فرمایا گیا کہ شیطانوں سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ اس سلسلہ میں خدا سے دعا کیا کرو کیونکہ شیطان کے وسوسے سے بچنے کے لئے اس کے سوا اور کوئی ہتھیار مؤثر وکارآمد نہیں۔

لمحات حسرت:.......... ارشاد ہے کہ یہ کفار دنیاوی زندگی میں تو سوچتے نہیں ہیں اور مرنے کے وقت جب ان پر حقیقت حال منکشف ہوتی ہے تو حسرت وافسوس کے ساتھ اس کی آرزو کرتے ہیں کہ کاش ہم دنیا کی طرف لوٹا دیئے جائیں اور ہمیں کچھ اور زندگی مل جائے تو ہم نیک اعمال کر لیں۔ لیکن اس وقت ان کی یہ آرزو فضول اور لا حاصل ہو گی ان کی اس تمنا کی تکمیل ممکن نہ ہو گی۔

ارشاد ہے کہ اگر ان کی یہ تمنا پوری بھی کر دی جائے جب بھی یہ نیکی نہیں کریں گے بلکہ دنیا میں پہنچ کر پھر اسی کفر وانکار میں لگ جائیں گے۔ انہیں ڈرایا جا رہا ہے کہ اب مرنے کے بعد قیامت سے پہلے پہلے عالم برزخ میں رہنا ہو گا اور عذاب میں مبتلا ہوں گے اور پھر قیامت قائم ہو گی تو اس دن کی ہولناکی اور عذاب عالم برزخ سے بھی زیادہ شدید ہو گا۔ اس دن سارے دنیاوی رشتے ناطے ختم ہو جائیں گے، دوستی بھی کچھ کام نہ آئے گی۔ اس دن تو نہ والدین کو اپنی اولاد کی کوئی فکر ہو گی اور نہ اولاد کو اپنے ماں باپ کا کچھ غم ہو گا، نہ شوہر بیوی کے کام آئے گا نہ بیوی شوہر کے۔ نفسا نفسی کا عالم ہو گا۔ ہر ایک کو اپنی فکر ہو گی۔ بلکہ اگر کسی کا کوئی حق اپنے والدین یا بچوں پر ہی کیوں نہ ہو وہ بھی اسے چھوڑنے کو تیار نہ ہو گا۔ جیسا کہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ سب کو جمع کریں گے اور پھر اعلان کرائیں گے کہ جس کسی کا کوئی حق کسی کے ذمہ ہو وہ اسے وصول کر لے تو اگر چہ کسی کا کوئی حق اپنے والدین یا بیوی یا اولاد ہی پر کیوں نہ ہو گا وہ بھی بھاگا ہوا آئے گا اور اپنے حق کا تقاضہ شروع کر دے گا۔ اس دن تو نہ صرف اپنے اعمال حسنہ ہی کام آئیں گے۔ جس کی ایک نیکی بھی گناہوں سے بڑھ گئی وہ کامیاب ہو جائے گا اور اسے جنت مل جائے گی اور جس کی برائیاں نیکیوں کے مقابل میں زائد ہوں گی وہ ناکام ونامراد ہو گا ور ہمیشہ کے لئے جہنم میں جلنا مقدر ہو جائے گا ۔ دوزخ کی آگ ان کے چہروں کو جھلسا دے گی اور اوپر کا ہونٹ اوپر اور نیچے کا ہونٹ نیچے کو لٹک جائے گا۔ یہ بالکل بے بس ہوں گے۔ آگ کو بھی نہیں ہٹا سکیں گے۔ قیامت کے دن جب ان کے کفر وشرک پر ڈانٹ ڈپٹ ہو گی اور کہا جائے گا تمہارے پاس رسول کو بھیجا تھا، تمہاری ہدایت کے لئے کتابیں نازل کی تھیں، لیکن اس کے باوجود تم شرک وکفر میں مبتلا رہے اور انبیاءؑ کی تکذیب کرتے رہے۔ یہ اسی کی سزا مل رہی ہے۔ اس وقت یہ اپنے جرم کا اعتراف کریں گے اور کہیں گے کہ واقعۃً آپ کی حجت پوری ہو چکی تھی۔ مگر ہم اپنی بدنصیبی سے گمراہی میں مبتلا رہے۔ اب آپ ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج کر دیکھئے، اگر ہم نے اب بھی ویسا ہی معاملہ کیا تو واقعی ہم قصوروار ہوں گے اور پھر جو سزا چاہیں دیں۔ اس وقت بڑے سے بڑا منکر بھی اعتراف جرم اور حسرت وندامت پر اپنے آپ کو مجبور

پائے گا۔اس وقت انہیں جواب ملے گا کہ اب تو تم اسی ذلت میں پڑے رہو اور خبردار اب آئندہ مجھ سے سوال مت کرنا۔یہ تو دارالجزا ہے دارالعمل ختم ہو چکا۔اب پچھتانے سے کیا فائدہ......انہیں شرمندہ اور پشیمان کرنے کے لئے ان کا یہ گناہ بیان کیا جائے گا کہ تم خدا کے محبوب بندوں کا مذاق بنایا کرتے تھے اور ان سے دل لگی کرتے تھے۔اب دیکھ لو اس اخروی زندگی میں وہی لوگ کامیاب ہیں اور تم اپنے کئے ہوئے کا مزہ چکھ رہے ہو۔تمہارا قصور اس قابل نہیں کہ اقرار اور اظہار ندامت کرنے سے اسے معاف کر دیا جائے۔اسے اس طرح سمجھئے کہ کیا کوئی مجرم کسی کو قتل کرنے کے بعد حاکم عدالت سے کہنے لگے کہ اب معاف کر دیجئے، آئندہ ایسا نہیں کروں گا.....تو کیا کوئی دنیاوی عدالت اس کے اس اعتراف اور آئندہ کے نہ کرنے کے وعدہ کے باوجود چھوڑ سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔تو اس اخروی عدالت میں بھی یہ اعتراف کام نہ آئے گا۔

ایک سوال:..........ارشاد ہے کہ دنیا کی مختصر زندگی میں یہ بداعمالیوں میں مشغول رہے۔کاش یہ نیکی کرتے اور اپنے آپ کو اجر کا مستحق قرار دیتے۔انہیں سے سوال کیا جائے گا کہ تم دنیا میں کتنی مدت رہے وہ سراسیمگی اور بدحواسی کے عالم میں جواب دیں گے کہ ہمیں کچھ یاد تو ہے نہیں ویسے ایک دن یا اس سے بھی کم رہے۔صحیح صحیح فرشتوں سے معلوم کر لیجئے جن کے پاس حساب وکتاب تھا۔

ارشاد ہوگا کہ آخرت کی مدت کے مقابلہ میں واقعۃً تم دنیا میں بہت کم رہے اور کاش تم نے دنیا ہی میں اس کا احساس کر لیا ہوتا۔تم کیسی شدید حماقت میں مبتلا تھے کہ اپنی تخلیق کا مقصد بھی نہیں سمجھ سکے اور یہ سمجھتے رہے کہ تمہاری پیدائش میں کوئی حکمت ہی نہیں ہے۔بیکار اور بے مقصد ہی پیدا کئے گئے ہو۔کیا تم ثواب وعذاب کے مستحق نہیں ہو گے؟ اگر تمہارا یہ گمان ہے تو غلط ہے۔خدا تعالیٰ اس سے برتر ہے کہ وہ کوئی عبث کام کرے۔جس کا کوئی مقصد ہی نہ ہو۔وہ حقیقی بادشاہ اور وہی لائق عبادت ہے وہ عرش کا مالک ہے جو مخلوقات میں سب سے بڑی چیز ہے۔

پھر مشرکین کو تنبیہ کی جاتی ہے اور احساس ذمہ داری دلاتے ہوئے ارشاد ہے کہ غیر اللہ سے لو لگانا کچھ کام نہ آئے گا۔حساب وکتاب خدا تعالیٰ کے پاس ہے۔اس وقت پوری جوابدہی کرنی پڑے گی۔خدا تعالیٰ کی عدالت میں کفار کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

پھر آنحضور ﷺ کو ایک دعاء کی تعلیم دی جا رہی ہے۔رب اغفر میں طلب مغفرت ہے اور پیغمبروں کی مغفرت سے مراد ظاہر ہے کہ طلب بلندی مراتب ہی ہو سکتی ہے۔وارحم میں طلب رحمت کی درخواست ہے۔غفر اور رحمۃ کے درمیان یہ بھی فرق بیان کیا گیا ہے کہ غفر کے معنی تو گناہوں کو مٹا دینا اور مخلوق کی نظر سے مخفی رکھنے کے ہیں اور رحمت کے معنی اقوال وافعال میں توفیق خیر دینے اور صحیح راہ پر قائم رکھنے کے ہیں۔

سُوْرَۃُ النُّوْرِ مَدَنِیَّۃٌ وَهِیَ اِثْنَتَانِ اَوْ اَرْبَعٌ وَ سِتُّوْنَ اٰیَۃً

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴿﴾ هٰذِهٖ **سُوْرَۃٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا** مُخَفَّفًا وَمُشَدَّدًا لِکَثْرَۃِ الْمَفْرُوْضِ فِیْهَا **وَاَنْزَلْنَا فِیْهَا اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ** وَاضِحَاتِ الدَّلَالَۃِ **لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ﴿۱﴾** بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِیَۃِ فِی الذَّالِ تَتَّعِظُوْنَ **اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ** اَیْ غَیْرُ الْمُحْصِنِیْنَ لِرَجْمِهِمَا بِالسُّنَّۃِ وَاَلْ فِیْمَا ذُکِرَ مَوْصُوْلَۃٌ وَهُوَ مُبْتَدَاءٌ وَلِشُبْهِهٖ بِالشَّرْطِ دَخَلَتِ الْفَاءُ فِیْ خَبَرِهٖ وَهُوَ **فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ** اَیْ ضَرْبَۃٍ یُقَالُ جَلَدَهٗ ضَرَبَ جِلْدَهٗ وَیُزَادُ عَلٰی ذٰلِکَ بِالسُّنَّۃِ تَغْرِیْبُ عَامٍ وَالرَّقِیْقُ عَلَی النِّصْفِ مِمَّا ذُکِرَ **وَّلَا تَاْخُذْکُمْ بِهِمَا رَاْفَۃٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ** اَیْ حُکْمِهٖ بِاَنْ تَتْرُکُوْا شَیْئًا مِنْ حَدِّهِمَا **اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ** اَیْ یَوْمِ الْبَعْثِ فِیْ هٰذَا تَحْرِیْضٌ عَلٰی مَاقَبْلَ الشَّرْطِ وَهُوَ جَوَابُهٗ اَوْدَالٌّ عَلٰی جَوَابِهٖ **وَلْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا** اَیِ الْجَلْدَ **طَآئِفَۃٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴿۲﴾** قِیْلَ ثَلَاثَۃٌ وَقِیْلَ اَرْبَعَۃٌ عَدَدَ شُهُوْدِ الزِّنَا **اَلزَّانِیْ لَایَنْکِحُ** یَتَزَوَّجُ **اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْمُشْرِکٌ** اَیِ الْمُنَاسِبُ لِکُلٍّ مِنْهُمَامَاذُکِرَ **وَحُرِّمَ ذٰلِکَ** اَیْ نِکَاحُ الزَّوَانِیْ **عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ﴿۳﴾** الْاَخْیَارِ نَزَلَ ذٰلِکَ لَمَّا هَمَّ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِیْنَ اَنْ یَتَزَوَّجُوْا بَغَایَا الْمُشْرِکِیْنَ وَهُنَّ مُوْسِرَاتٌ لِیُنْفِقْنَ عَلَیْهِمْ فَقِیْلَ التَّحْرِیْمُ خَاصٌّ بِهِمْ وَقِیْلَ عَامٌّ وَنُسِخَ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰی وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ **وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ** الْعَفِیْفَاتِ بِالزِّنَا **ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَۃِ شُهَدَآءَ** عَلٰی زِنَاهُنَّ بِرُؤْیَتِهِمْ **فَاجْلِدُوْهُمْ** اَیْ کُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ **ثَمٰنِیْنَ جَلْدَۃً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَۃً** فِیْ شَیْءٍ **اَبَدًا وَاُولٰٓئِکَ هُمْ**

الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴﴾ لِاِتْیَانِهِمْ كَبِیْرَةً اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا عَمَلَهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لَهُمْ قَذْفَهُمْ رَّحِیْمٌ ﴿۵﴾ بِهِمْ بِاِلْهَامِهِمُ التَّوْبَةَ فَبِهَا یَنْتَهِیْ فِسْقُهُمْ وَتُقْبَلُ شَهَادَتُهُمْ وَقِیْلَ لَا تُقْبَلُ رُجُوْعًا بِالْاِسْتِثْنَاءِ اِلَى الْجُمْلَةِ الْاَخِیْرَةِ وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ بِالزِّنَا وَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ عَلَیْهِ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ وَقَعَ ذٰلِكَ لِجَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ مُبْتَدَاءٌ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ نَصَبٌ عَلَى الْمَصْدَرِ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۶﴾ فِیْمَا رَمٰى بِهٖ زَوْجَتَهٗ مِنَ الزِّنَا وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۷﴾ فِیْ ذٰلِكَ وَخَبَرُ الْمُبْتَدَاءِ یَدْفَعُ عَنْهُ حَدَّ الْقَذْفِ وَیَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَیْ حَدَّ الزِّنَا الَّذِیْ ثَبَتَ بِشَهَادَاتِهٖ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۸﴾ فِیْمَا رَمَاهَا بِهٖ مِنَ الزِّنَا وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَیْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۹﴾ فِیْ ذٰلِكَ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ بِالسَّتْرِ فِیْ ذٰلِكَ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ بِقَبُوْلِهِ التَّوْبَةَ فِیْ ذٰلِكَ وَغَیْرِهٖ حَكِیْمٌ ﴿۱۰﴾ فِیْمَا حَكَمَ بِهٖ فِیْ ذٰلِكَ وَغَیْرِهٖ لَبَیَّنَ الْحَقَّ فِیْ ذٰلِكَ وَعَاجَلَ بِالْعُقُوْبَةِ مَنْ یَّسْتَحِقُّهَا

ترجمہ: .... یہ سورت ہے جسے ہم نے نازل کیا اور جسے ہم نے فرض کیا (فرضنها بالتخفیف وبالتشدید دونوں طرح استعمال ہے۔ کیونکہ جو احکام اس سورت میں نازل ہوئے وہ تعداد میں بہت ہیں) اور ہم نے اس سورت میں قوانین واضح اور صاف صاف نازل کئے تاکہ تم انہیں سمجھ سکو (اور عمل میں سہولت ہو۔ تذکرون میں تا ثانی ذال میں مدغم ہے۔ سب سے پہلا قانون معاشرہ کی ایک بہت بڑی گندگی کو روکنے کے لئے یہ ہے کہ) بدکار عورت اور بدکار مرد کو ارتکاب زنا کی صورت میں سو سو کوڑے لگاؤ (حدیث نے یہ واضح کردیا کہ اس قانون کا تعلق غیر شادی شدہ جوڑے سے ہے۔ الزانیة والزانی پر الف لام الذی کے معنی میں ہے۔ نیز یہی مبتداء ہے اور کیونکہ اس کا مضمون شرط کا ہے اسی لئے خبر فاجلدوا پر فا داخل ہوئی۔ گویا کہ سو کوڑے اس وقت لگائے جائیں گے جب زنا پائی جائے۔ شوافع کے خیال میں اس سزا کے علاوہ ایک سال کے لئے جلاوطن بھی کیا جائے گا۔ سزا میں یہ اضافہ ان کے خیال میں سنت سزا سے ثابت ہے۔ نیز اگر غلام سے یہ بدفعلی غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں پائی جائے تو اس کی سزا پچاس کوڑے ہیں) دیکھو اس سزا کے نفاذ میں ترحم کے جذبہ کے تحت کوئی کارروائی نہیں ہونی چاہئے (کہ بالکل ہی سزا نہ دو یا کچھ تخفیف کردو) اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو (کہ مومن قانون الٰہی کے نافذ ہونے میں کوئی رورعایت نہیں کرتا۔)

یہ ارشاد یعنی "لاتاخذکم" الخ کارروائی کو ٹھیک طور پر انجام دینے کے لئے ہوا۔ اور بطور عبرت جب انہیں سزا دی جارہی ہو تو مسلمان کو بر موقعہ حاضر ہونے کی اجازت ہونی چاہئے (اگر تین چار مسلمان بھی ہوں تو عبرت پذیری کے لئے کافی نہیں۔ دوسرا قانون جو ایک طبعی تقاضہ ہے یہ ہے کہ) زانی زانیہ ہی سے شادی کرے گا یا مشرکہ سے اور زانیہ کا میلان طبیعت زانی یا کسی مشرک ہی کی جانب ہوگا۔ رہے اہل ایمان تو وہ اس صورت میں بتقاضہ ایمان یقیناً گریز کریں گے۔ (یہ قانون ...... کند ہم جنس با ہم جنس پرواز ...... کا آئینہ ہے۔ حاصل جس کا یہ ہے کہ یہ میلان طبیعت کے مظاہرے ہیں کوئی قانون نہیں۔ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب غیر مہاجرین نے مالدار بدکار عورتوں سے شادی کرنی چاہی، تاکہ ان کی ریاست ان کے لئے کارآمد ہو۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ حرمت خاص ہے یا عام

اور پھر یہ قانون وانکحو االایامی والی آیت سے منسوخ ہو گیا۔ تیسرا قانون یہ ہے کہ) جو 'بدظن' پاکدامن لڑکیوں پر تہمت (زنا) لگائیں اور چار گواہ (بحیثیت عینی) شاہد پیش نہ کر سکیں تو ان تہمت تراشوں کو اسی کوڑوں کی سزا دی جائے اور پھر (کسی بھی معاملہ میں) ان کی شہادت قبول نہ کی جائے۔ اس طرح کے لوگ فاسق ہیں۔ (کیونکہ تہمت اور زنا کی اور کسی پاک دامن لڑکی پر گناہ کبیرہ ہے) ہاں وہ لوگ جو توبہ کرلیں اور اپنا رویہ بھی درست کرلیں تو اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے۔ (ان کی افتراء پردازیوں کو معاف کردیں گے اور توفیق توبہ دے کر ان پر رحم فرمائیں گے۔

شوافعؒ کی رائے ہے کہ توبہ کرنے کے بعد اس کا فسق ختم ہو گیا اور ان کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے۔ مگر امام ابوحنیفہؒ توبہ کے بعد بھی انہیں شہادت کا اہل نہیں سمجھتے۔ کیونکہ قرآن نے **لاتقبلو الهم شهادة ابدا** فرمایا ہے اور **اولئك هم الفاسقون** فرما کر ان کے لئے دائمی فسق کا اعلان کیا ہے۔

چوتھا قانون یہ ہے کہ جو شوہر اپنی بیوی پر تہمت زنا لگائیں اور کوئی عینی شاہد نہ ہو بجز ان کے (اس طرح کا واقعہ صحابہؓ ہی کو پیش آیا تھا) تو شوہر اور بیوی کی شہادت ایک دوسرے کے خلاف چار شہادتیں ہیں کہ خدا کو گواہ بنا کر کہیں کہ وہ اپنے الزام زنا میں جو بیوی پر لگایا ہے سچا ہے (یہ چار مرتبہ کا بیان گویا چار آدمیوں کی شہادت ہے) اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اللہ کی لعنت الزام زنا عائد کرنے والے پر۔ اگر اس نے جھوٹا الزام لگایا (جب یہ بیان ہو چکے گا تو پھر الزام لگانے والے پر تہمت تراشی کی سزا جاری نہیں کی جائے گی) اور عورت پر زنا کی سزا نافذ نہیں کریں گے۔ بشرطیکہ وہ بھی چار مرتبہ یہ کہے کہ شوہر نے مجھ پر جھوٹا الزام لگایا اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اللہ کا غضب اس پر اگر اس کا شوہر الزام زنا میں سچا ہے اور دیکھو اگر خدا تعالیٰ تمہاری پردہ پوشی کر کے تم پر فضل نہ فرماتا (تو کتنا برا ہوتا اور کیسی تمہاری رسوائی ہوتی) وار اللہ تعالیٰ توبہ کا قبول کرنے والا اور دانا ہے (اگر کسی کو سزا دے تو وہ بھی پر حکمت قدم ہوگا اور اسی طرح معافی بھی حکمت سے خالی نہیں)۔

تحقیق وترکیب:........... اس سورت کا نام "نور" اس وجہ سے ہے کہ اس میں لفظ نور آ رہا ہے۔ **کما قال الله تعالیٰ الله نور.** اس سورت میں عفت اور پاکدامنی نیز پردہ وغیرہ سے متعلق تفصیلی احکام ہیں۔ اسی لئے حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ اپنی بچیوں اور عورتوں کو سورۂ نور پڑھاؤ۔

هذه سورة. **هذه** کی تقدیر سے اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ یہ **هذه** مبتداء اور **سورة** اس کی خبر ہے۔

فرضناها. بعض قراء نے فرض کو راء کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ جبکہ دوسرے قراء نے راء کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔

آیت بینت. مراد ہیں قوانین۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ اس سورت کی ابتداء میں احکام اور سزاؤں کا تذکرہ ہے اور آخر سورت میں دلائل توحید کے آتے ہیں۔

الزانية والزاني. زانیہ کو زانی پر مقدم کیا گیا۔ یہ اس لئے کہ اگر عورت باستثنائے جبر وقہر تیار نہ ہو تو زنا واقع ہی نہ ہو سکے گی۔

فشهادة کے مرفوع ہونے کی تین وجہیں ہو سکتی ہیں۔ **شهادة** مرفوع ہو۔ مبتداء ہونے کی بناء پر **عليهم** خبر مقدم ومقدر یا خبر موخر ہے۔ تقدیری عبارت ہوگی۔ **فشهادة احدهم كائنة او واجبة**...... دوسری صورت یہ ہے کہ یہ خود خبر ہے مبتداء محذوف کی، عبارت ہوگی **فالواجب شهادة احدهم.** تیسری صورت یہ ہے کہ یہ فعل مقدر کا فاعل ہے اور عبارت ہوگی۔ **فيكفي شهادة احدهم.**

ربط:........... سورۂ نور سے پہلے سورۂ مومنون گزری۔ جس کی ابتداء میں فلاح یاب مومنین کی صفات کا تذکرہ تھا۔ ان صفات میں

ایک بڑی خوبی یہ ذکر کی گئی تھی۔ والذین ھم لفروجھم حافظون کہ مومن وہ ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ شرمگاہ کی حفاظت یا بالفاظ دیگر عفت و پاکدامنی مرد اور عورت کا ایک جوہر خصوصی ہے۔ جس پر اجتماعی وانفرادی زندگی کا صلاح اور معاشرہ کا سدھار موقوف ہے۔ قیام عفت میں داخلی وخارجی اسباب مفید وموثر ہیں۔ داخلی اسباب یہی ہیں کہ طبعاً مرد اور عورت بدکاری سے متنفر، حیا اور شرافت انسانی کا پیکر ہوں اور خارجی اسباب میں مرد اور عورت کا عدم اختلاط خصوصاً پردہ کا اہتمام تا آنکہ عورت اپنی آواز کا بھی پردہ کرے۔ اس لئے سورۂ مومنون کے بعد سورۂ نور متصل آئی۔ جس میں اختلاط زن ومرد پر مکمل پابندی پردہ کا حکم، اس کے حدود کا تذکرہ اور تمام مفید احتیاطی تدابیر کا مفصل بیان ہے۔

کسی عفیفہ پر الزام زنا کس قدر بھیانک ظلم ہے اور پھر رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت پر یہ قبیح الزام، مزاج اور طبیعت کی طغیانی کا بدترین مظاہرہ تھا۔ سیدۃ النساء حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جن کی نسبت ایک طرف حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسے عظیم باپ سے اور دوسری جانب سردار دوجہاں ﷺ ایسے شوہر نامدار سے ہے اور وہ خود عفت و پاکدامنی کا پیکر مجسم ہیں۔ جس کے متعلق کسی دوسرے اقدام کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ منافقین کی دسیسہ کاریوں کا وہ شکار ہوگئیں۔

اسی سورۂ نور میں شان نبوت کو آشکارا کرتے ہوئے فرمایا گیا تھا۔ **لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا** کہ تم رسول کے بلانے کو ایسا نہ سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلا لیتا ہے۔

۱۔ سبحان اللہ! النبی الجلیل کے ساتھ گفتگو میں بھی ان کی جلالت شان کو قائم رکھنے کا حکم ہوا۔ پھر ذرا سوچئے کہ نبی کے خانوادہ کے ساتھ وہ نازیبا الزام تراشیاں روا ہوں گی۔ جو ایک آدمی دوسرے آدمی پر بھی نہیں لگا سکتا۔

۲۔ سورۂ مومنون میں دلائل توحید کا انبار لگا دیا تھا۔ ایک مومن ان دلائل پر غور وفکر کے بعد ایک ذات کا سراغ لگائے گا۔ اس سراغ میں کامیابی اسے سورۂ نور میں جا کر ہوگی۔ جہاں ارشاد ہوا۔ **اللہ نور السموات والارض** کہ اللہ زمین وہ آسمان کا نور ہے۔ گویا کہ دلائل مذکورہ سورۂ مومنون معرف (پہچان کرانے والے) تھے اور سورۂ نور میں معرف (یعنی اللہ) کا تذکرہ آ گیا۔

۳۔ قیام عفت ومعاشرہ کی اصلاح کے لئے نکاح بھی بہت ضروری ہے جو قضائے شہوت کا جائز راستہ ہے۔ یہ کچھ مناسب نہ ہوتا کہ صرف عفت ہی پر زور دیتے چلتے اور قیام عفت کے اسباب کا تذکرہ نہ ہوتا۔ اس لئے سورۂ نور میں **وانکحوا الایامی** کے ساتھ نکاح کا حکم بھی آ گیا۔ مرد کی غربت اور ناداری اسے نکاح سے روکتی ہے تو اس پر بھی توجہ فرمائی گئی اور ارشاد ہوا کہ غربت کے اندیشہ سے ترک نکاح نہ کرو۔ خدا تعالیٰ غیب سے تمہاری مدد فرمائیں گے۔ پھر بھی بعض وہ بدنصیب ہیں کہ جن کی ناداریاں انتہاء کو پہنچی ہوئی ہیں۔ ان کے لئے نکاح کا حکم غیر حکیمانہ امر ہوتا۔ انہیں کے بارے میں ارشاد ہوا کہ جن لوگوں کو نکاح کا مقدور نہیں۔ انہیں چاہئے کہ ضبط سے کام لیں۔

پھر سورۂ نور میں دلائل توحید، اکرام نبوت، نبی کی مخالفت پر وعید اور سای طرح کے دوسرے مضامین زیر گفتگو آئے۔ انشاء اللہ اس ربط کو اگر سمجھ کر مطالعہ کیا گیا تو دونوں سورتیں معنوی اتحاد کا مظہر کامل نظر آئیں گی۔

شان نزول: .... ترمذی شریف میں ہے کہ مرثد ابن ابوالمرثد نامی ایک صحابی رات کے اوقات میں مکہ سے مسلمان قیدیوں کو خفیہ طور پر مدینے لے آتے۔ ایک رات وہ اسی مہم پر روانہ ہوئے اور مکے پہنچ کر دیوار پھلانگ کر ایک باغ میں پہنچے تو وہاں آپ کو عناق نامی ایک بدنام عورت سے ٹکراؤ ہوگیا۔ جس سے مکی زندگی میں آپ کے تعلقات رہ چکے تھے۔ اس نے حضرت مرثدؓ کو پہچان لیا تو اسے بڑی خوشی ہوئی اور انہیں اپنے گھر شب باشی کی دعوت دی۔ مگر حضرت مرثدؓ نے یہ کہہ کر انکار فرمادیا کہ اے عناق! زنا حرام کردیا گیا ہے۔

جب وہ مایوس ہوگئی تو غصہ میں اس نے شور مچا کر آپ کو پکڑ وادینا چاہئے۔ اس کے شور مچانے پر لوگ جاگ گئے اور ان کا تعاقب شروع ہوگیا۔ حضرت مرثدؓ کسی طرح بھاگنے میں کامیاب ہوگئے اور راستہ میں آپ ایک غار میں چھپ گئے۔ جب وہ لوگ تلاش کر کے مایوس ہوگئے تو اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت مرثدؓ کو یقین ہوگیا کہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں پہنچ کر سو چکے ہوں گے تو آپؓ پھر مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں سے ایک مسلمان قیدی کو ہمراہ لے آئے۔ جب حضرت مرثدؓ مدینے پہنچے تو آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ سنا کر عناق سے نکاح کی اجازت طلب کی۔ کیونکہ عناق کی محبت ان کے دل میں اب بھی موجود تھی۔ آنحضور ﷺ ان کی یہ بات سن کر خاموش رہے۔ حضرت مرثدؓ نے دوبارہ آپ ﷺ سے اجازت طلب کی۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ الزانی لاینکح الا زانیة او مشرکة الخ. پھر آنحضور ﷺ نے حضرت مرثدؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے مرثدؓ زانیہ سے نکاح زانی یا مشرک ہی کرسکتا۔ تم اس سے نکاح کا ارادہ ترک کردو۔

یہ آیات حضرت عائشہؓ کی برأت میں بھی ناطق ہیں۔ کیونکہ نبی معاذ اللہ زنا کار نہیں ہوسکتا کہ اس کا میلان کسی بدکار عورت کی طرف ہو۔ اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کے گھر میں کوئی بدکار عورت نہیں آسکتی۔

اور آیت والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء الخ کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت ہلال ابن امیہؓ کچھ رات گزرنے پر کھیت سے اپنے گھر پہنچے تو ایک غیر مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ بدکاری کرتے ہوئے پایا۔ اور ان کی گفتگو کو بھی خوب اچھی طرح سنا۔ صبح ہوتے ہی حضرت ہلالؓ آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ سنادیا۔ مگر ان کے پاس کوئی شاہد نہیں تھا جو آنحضور ﷺ پر بہت شاق گزرا۔ اس سے قبل کہ آنحضور ﷺ ہلال بن امیہؓ پر حد جاری کریں اور اس کی شہادت کو غیر معتبر ٹھہرائیں۔ حضرت ہلالؓ کہنے لگے کہ یارسول اللہ! میری بات آپ ﷺ کی طبیعت پر بہت گراں گزری۔ لیکن واللہ میں سچا ہوں۔ اس میں کسی قسم کا جھوٹ نہیں ہے۔ مگر چونکہ یہ کوئی گواہ پیش نہیں کرسکتے تھے تو قریب تھا کہ آنحضرت ﷺ ان پر حد جاری کرنے کا حکم فرماتے اتنے میں وحی اترنی شروع ہوئی۔ نزول وحی کے بعد آنحضور ﷺ نے حضرت ہلالؓ کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ اے ہلال! مبارک ہو۔ خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے نجات کی راہ پیدا فرمادی اور پھر یہ حکم سنایا۔

﴿تشریح﴾:............ اس سورت کی ابتداء یہاں سے کی گئی کہ ہم نے اس سورت کو نازل کیا اور اس کے مضامین ومطالب ہم نے مقرر کئے ہیں تو ظاہر ہے کہ قرآن تو مکمل خدا تعالیٰ ہی کا نازل کردہ اور اس کے احکام بھی اسی کے مقرر کئے ہوئے ہیں۔ پھر یہاں خصوصیت کے ساتھ ان چیزوں کو اپنی جانب منسوب کرنا اس سورت اور اس کے احکامات کی اہمیت کو بتلانے کے لئے۔ حدیث میں بھی ہے عورتوں کو سورۂ نور کی تعلیم دو کیونکہ اس سورت کے مضامین عورتوں کی عفت سے متعلق ہیں۔

اور اس کے بعد پھر زنا کی سزا بیان کی گئی کہ زانی اور زانیہ کو سو سو کوڑے مارے جائیں۔ لیکن آنحضور ﷺ نے اس حکم کو غیر شادی شدہ کے لئے مخصوص کردیا کہ اگر کسی عاقل بالغ نے اس جرم کا ارتکاب کیا ہو۔ لیکن ابھی اس کی شادی نہیں ہوئی تو سو سو کوڑے مارے جائیں۔ اور اگر وہ زانی یا زانیہ شادی شدہ ہو تو پھر اس کی سزا سنگساری ہوگی۔ آنحضور ﷺ کے اور پھر صحابہؓ کے دور میں بھی شادی شدہ کی یہی سزا رہی اور مجتہدین امت کا بھی اسی پر اجماع ہے۔ شریعت اسلامی نے شادی شدہ اور غیر شادی شدہ میں جو فرق رکھا، یہ اس کی دقت نظری کی علامت ہے۔

آپ خود سوچئے کہ ایک وہ شخص ہے جس کے گھر میں بیوی موجود ہے۔ قضائے شہوت کے جائز اور صحیح مواقع حاصل ہیں مگر اس

کے باوجود وہ حرامکاری کا مرتکب ہوتا ہے تو یہ اس کے خبث باطنی کی علامت ہے اور یہی حال عورت کا ہے تو اس کا یہ فعل کسی رعایت کا مستحق نہیں۔ اسی وجہ سے شریعت نے بھی انہیں سنگسار کر کے مار ڈالنے کا حکم جاری کیا اور رہا غیر شادی شدہ مرد اور عورت کا معاملہ تو ان کے ساتھ شریعت کچھ نرمی اختیار کرتی ہے۔ وہ اس وجہ سے کہ جوانی کی امنگیں ہیں اور کوئی جائز موقع قضائے شہوت کا اس کو حاصل نہیں، اب وہ قوت مردمی سے مغلوب ہو کر یہ حرکت کرتا ہے۔ اسی طرح کنواری لڑکی بدکاری کرالے تو اس کے اس عذر کی وجہ سے شریعت نے ان کی سزا میں نرمی برتی۔ کیونکہ ان کا جرم شادی شدہ کے مقابلہ میں ہلکا تھا۔

اسی کے ساتھ یہ بھی فرمادیا گیا کہ یہ سزا شریعت کی مقرر کردہ ہے۔ اس میں تخفیف وترحم کا حق کسی کو حاصل نہیں۔ نیز سزا اعلانیہ طور پر مجمع کثیر میں دی جائے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور ان کے دلوں میں خوف پیدا ہو۔ اسی کے ساتھ زانی کی رسوائی بھی ہوگی۔ متوقع ہے کہ اس سے لوگ رک جائیں گے۔ لیکن اس سزا کا نفاذ اس صورت میں کیا جاسکتا ہے کہ جہاں اسلامی حکومت ہو۔

ارشاد ہے کہ زانیہ کی طرف وہی متوجہ ہوسکتا ہے جو خود زانی یا مشرک ہو کہ جس کے نزدیک حلال وحرام کا کوئی سوال ہی نہیں۔ اسی طرح زانی کی طرف وہی رغبت کرسکتی ہے جو خود بدچلن ہو۔ نیز مشرکہ اور زانیہ سے نکاح بھی حرام ہے۔ مشرکہ سے جواز نکاح کی تو کوئی صورت ہے ہی نہیں ہے۔ البتہ زانیہ سے قانونی طور پر نکاح تو ہو جائے گا لیکن عنداللہ تو بہرحال معصیت ہی ہوگی۔

زانی اور زانیہ کی سزا بیان کرنے کے بعد ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو دوسروں پر تہمت زنا لگائیں اور اسے ثابت نہ کرسکیں تو ان کی سزا کیا ہوگی؟ ارشاد ہے کہ اگر کسی نے پاکدامن مرد یا عورت پر الزام زنا لگایا لیکن چار گواہ پیش نہ کرسکا تو اس کی سزا یہ ہے کہ اسے اسی کوڑے مارے جائیں اور ساتھ ہی ہمیشہ کے لئے اس کی گواہی غیر معتبر قرار دی جائے۔

آپ اندازہ لگائیں کہ اسلام نے معاشرہ کی صفائی اور پاکیزگی کا کس درجہ اہتمام کیا اور ساتھ ہی مسلم مرد وعورت کی عزت کے تحفظ کا کتنا خیال رکھا کہ زنا کے ثبوت کے لئے ایک دو نہیں بلکہ چار چار گواہ مقرر کئے اور پھر یہ بھی شرط لگادی کہ گواہ چشم دید ہوں اور دوسری طرف عدم ثبوت کی صورت میں تہمت لگانے والوں کے لئے اسی کوڑے سزا مقرر کی۔

اسی کے بعد فرمایا گیا کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی پر بدکاری کا الزام لگائے لیکن اس کے پاس گواہ نہ ہو تو اس سے حلفیہ بیان لیا جائے گا جسے اصطلاح میں لعان کہا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ گواہ پیش نہ کرنے کی صورت میں قاضی اس سے قسم کا مطالبہ کرے گا اور وہ چار مرتبہ قسم کھا کر یہ کہے گا کہ وہ سچا ہے اور جو بات وہ کہہ رہا ہے وہ حق ہے۔ اس کی یہ چار قسم ہی چار گواہوں کے قائم مقام ہو جائیں گی اور پانچویں مرتبہ یہ کہے گا کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت ہو۔

شوہر کے اس بیان حلفی پر بیوی کے اوپر حد زنا جاری کردی جائے گی۔ لیکن اگر بیوی اس کی تردید کرے تو وہ بھی اسی طرح چار مرتبہ قسم کھا کر کہے گی کہ اس کا شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے گی کہ اگر وہ سچا ہے تو اس کے اوپر خدا کی لعنت ہو۔ عورت کے اس بیان حلفی پر وہ حد سے تو بچ جائے گی مگر اس مرد پر حرام ہوگی۔ قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کرادے گا۔

پھر ساری امت کو مخاطب بنا کر فرمایا گیا کہ یہ خدا تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ ایسا جامع قانون عطا فرمادیا۔ جس میں ہر ایک کی مصلحتوں کی رعایت رکھی گئی ہے۔ ورنہ تو شدید پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ اَسْوَءَ الْكِذْبِ عَلٰى عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا بِقَذْفِهَا **عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ** جَمَاعَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَتْ حَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ اُبَيٍّ وَمِسْطَحٌ وَحَمْنَةُ بِنْتُ جَحْشٍ **لَا تَحْسَبُوْهُ** اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ غَيْرَ الْعُصْبَةِ **شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ** يَاْجُرُكُمُ اللّٰهُ بِهٖ وَيُظْهِرُ بَرَاءَةَ عَائِشَةَ وَمَنْ جَاءَ مَعَهَا مِنْهُ وَهُوَ صَفْوَانُ فَاِنَّهَا قَالَتْ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةٍ بَعْدَ مَا اُنْزِلَ الْحِجَابُ فَفَرَغَ مِنْهَا وَرَجَعَ وَدَنَا مِنَ الْمَدِيْنَةِ وَاٰذَنَ بِالرَّحِيْلِ لَيْلَةً فَمَشَيْتُ وَقَضَيْتُ شَانِيْ وَاَقْبَلْتُ اِلَى الرَّحْلِ فَاِذَا عِقْدِيْ اِنْقَطَعَ هُوَ بِكَسْرِ الْمُهْمَلَةِ الْقِلَادَةُ فَرَجَعْتُ اَلْتَمِسُهٗ وَحَمَلُوْا هَوْدَجِيْ هُوَ مَا يُرْكَبُ فِيْهِ عَلٰى بَعِيْرِيْ يَحْسَبُوْنَنِيْ فِيْهِ وَكَانَتِ النِّسَاءُ خِفَافًا اِنَّمَا يَاْكُلْنَ الْعُلْقَةَ هُوَ بِضَمِّ الْمُهْمَلَةِ وَسُكُوْنِ اللَّامِ مِنَ الطَّعَامِ اَيِ الْقَلِيْلِ وَوَجَدْتُّ عِقْدِيْ وَجِئْتُ بَعْدَ مَا سَارُوْا فَجَلَسْتُ فِي الْمَنْزِلِ الَّذِيْ كُنْتُ فِيْهِ وَظَنَنْتُ اَنَّ الْقَوْمَ سَيَفْقِدُوْنَنِيْ فَيَرْجِعُوْنَ اِلَيَّ فَغَلَبَتْنِيْ عَيْنَايَ فَنِمْتُ وَكَانَ صَفْوَانُ قَدْ عَرَّسَ مِنْ وَرَاءِ الْجَيْشِ فَادَّلَجَ هُمَا بِتَشْدِيْدِ الرَّاءِ وَالدَّالِ اَيْ نَزَلَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ لِلْاِسْتِرَاحَةِ فَسَارَ مِنْهُ فَاَصْبَحَ فِيْ مَنْزِلِيْ فَرَاٰى سَوَادَ اِنْسَانٍ نَائِمٍ اَيْ شَخْصَهٗ فَعَرَفَنِيْ حِيْنَ رَاٰنِيْ وَكَانَ يَرَانِيْ قَبْلَ الْحِجَابِ فَاسْتَيْقَظْتُ بِاسْتِرْجَاعِهٖ حِيْنَ عَرَفَنِيْ اَيْ قَوْلَهٗ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ فَخَمَّرْتُ وَجْهِيْ بِجِلْبَابِيْ اَيْ غَطَّيْتُهٗ بِالْمَلَاءَةِ وَاللّٰهِ مَا كَلَّمَنِيْ بِكَلِمَةٍ وَلَا سَمِعْتُ مِنْهُ كَلِمَةً غَيْرَ اسْتِرْجَاعِهٖ حِيْنَ اَنَاخَ رَاحِلَتَهٗ وَوَطِئَ عَلٰى يَدِهَا فَرَكِبْتُهَا فَانْطَلَقَ يَقُوْدُ بِيَ الرَّاحِلَةَ حَتّٰى اَتَيْنَا الْجَيْشَ بَعْدَ مَا نَزَلُوْا مُوْغِرِيْنَ فِيْ نَحْرِ الظَّهِيْرَةِ اَيْ مِنْ اَوْغَرَ اَيْ وَاقِفِيْنَ فِيْ مَكَانٍ وَغْرُهُ شِدَّةُ الْحَرِّ فَهَلَكَ مَنْ هَلَكَ فِيَّ وَكَانَ الَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَيِّ بْنِ سَلُوْلٍ اِنْتَهٰى قَوْلُهَا رَوَاهُ الشَّيْخَانِ قَالَ تَعَالٰى **لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ** اَيْ عَلَيْهِ **مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ** فِيْ ذٰلِكَ **وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ** اَيْ تَحَمَّلَ مُعْظَمَهٗ فَبَدَاَ بِالْخَوْضِ فِيْهِ وَاَشَاعَهٗ وَهُوَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَيٍّ **لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ**﴿۱۱﴾ هُوَ النَّارُ فِي الْاٰخِرَةِ **لَوْلَآ** هَلَّا **اِذْ** حِيْنَ **سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ** اَيْ ظَنَّ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ **خَيْرًا وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ**﴿۱۲﴾ كِذْبٌ بَيِّنٌ فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ اَيْ ظَنَنْتُمْ اَيُّهَا الْعُصْبَةُ وَقُلْتُمْ **لَوْلَا** هَلَّا **جَآءُوْ** اَيِ الْعُصْبَةُ **عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ** شَاهَدُوْهُ **فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ** اَيْ فِيْ حُكْمِهٖ **هُمُ الْكٰذِبُوْنَ**﴿۱۳﴾ فِيْهِ **وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ** اَيُّهَا الْعُصْبَةُ اَيْ خُضْتُمْ **عَذَابٌ عَظِيْمٌ**﴿۱۴﴾ فِي الْاٰخِرَةِ **اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ** اَيْ يَرْوِيْهِ بَعْضُكُمْ عَنْ بَعْضٍ وَحُذِفَ مِنْ

الْفِعْلِ اِحْدَى التَّائَيْنِ وَاِذْ مَنْصُوبٌ بِمَسَّكُمْ اَوْ بِاَفَضْتُمْ **وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا** لَا اِثْمَ فِيْهِ **وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾** فِي الْاِثْمِ **وَلَوْلَآ** هَلَّا **اِذْ** حِيْنَ **سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ** مَا يَنْبَغِيْ **لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ** هُوَ لِلتَّعَجُّبِ هُنَا **هٰذَا بُهْتَانٌ** كَذِبٌ **عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ** يَنْهَاكُمْ **اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾** تَتَّعِظُوْا بِذٰلِكَ **وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ** فِي الْاَمْرِ وَالنَّهْيِ **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ** بِمَا يَاْمُرُبِهٖ وَيَنْهٰى عَنْهُ **حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾** فِيْهِ **اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ** بِاللِّسَانِ **فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** بِنِسْبَتِهَا اِلَيْهِمْ وَهُمُ الْعُصْبَةُ **لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا** بِالْحَدِّ لِلْقَذْفِ **وَالْاٰخِرَةِ** بِالنَّارِ لِحَقِّ اللّٰهِ **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ** اِنْتِفَاءَ هَا عَنْهُمْ **وَاَنْتُمْ** اَيُّهَا الْعُصْبَةُ **لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾** وُجُوْدَهَا فِيْهِمْ **وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ** اَيُّهَا الْعُصْبَةُ **وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾** بِكُمْ لَعَاجَلَكُمْ بِالْعُقُوْبَةِ

ع ۲ / ۸

ترجمہ:.........جن لوگوں نے ایک بدترین افتراء پردازی کی وہ تمہیں سے ایک گروہ ہے۔ان کے اس اقدام کو اپنے حق میں مضر نہیں بلکہ مفید ہی سمجھو (یہ زنا کا الزام تھا جو العیاذ باللہ مادر ملت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر چسپا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ بدقسمتی سے اس میں مشہور صحابی شاعر اسلام حسان بن ثابتؓ مسطح اور حمنہ بنت جحش بعض غلط فہمیوں کی بناء پر رئیس المنافقین ابی ابن سلول کے ہمنوا ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ خود اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کرتی ہیں کہ وہ آنحضور ﷺ کی ہمراہی میں غزوہ بنی مصطلق میں تھیں۔اس سے پہلے پردے کا حکم آ چکا تھا۔ غزوہ سے فراغت کے بعد مدینہ کی طرف واپسی ہوئی اور قافلہ مدینہ سے قریب تر ہو گیا۔ آخر شب میں آنحضور ﷺ نے کاروان مجاہدین کو مدینہ کی سمت روانگی کا حکم دیا۔ حضرت عائشہؓ قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئیں۔ واپسی پر دیکھا کہ ان کے گلے کا ہار گم ہے۔ وہ اسے تلاش کرنے کے لئے واپس گئیں۔ اس عرصہ میں قافلہ روانہ ہو گیا۔ حضرت عائشہؓ کے ہودج کو اونٹ پر رکھ دیا گیا۔ سوار کرانے والے یہ سمجھ رہے تھے کہ حضرت عائشہؓ اس میں ہیں۔ یہ زمانہ بڑی غربت وناداری کا تھا۔ سیر شکم ہو کر کسی کو کھانا میسر نہ آتا تھا۔ جس کی بناء پر سب لوگ نہایت ہی دبلے پتلے تھے اور حضرت عائشہؓ تو خلقۃً بھی نہایت ہی دبلی پتلی تھیں۔ بیان کرتی ہیں کہ میں اپنی جگہ بیٹھ گئی اور سوچا کہ جب مجھے ہودج میں نہ پائیں گے تو تلاش کرتے ہوئے یہیں آئیں گے۔ بیٹھے بیٹھے میری آنکھ لگ گئی۔

ادھر صفوان جو قافلہ کی روانگی کے بعد اس خیال سے کہ کسی کی کوئی چیز چھوٹ نہ گئی ہو۔ میدان دیکھنے بھالنے کی ڈیوٹی پر مامور تھے۔ مہاجرین کی فرودگاہ کو حسب دستور دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے جو ایک انسان کو سوتے ہوئے دیکھا اور کیونکہ حضرت عائشہؓ کو پردہ کے حکم سے پہلے دیکھ چکے تھے اس لئے پہچان کر با آواز بلند انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ جس سے حضرت عائشہؓ بیدار ہو گئیں۔ خود بیان کرتی ہیں کہ میں نے فوراً چادر اوڑھ لی اور بحلف کہتی ہیں کہ نہ میں ان سے بولی، نہ وہ مجھ سے بولے۔ صفوان نے اپنا اونٹ بٹھا دیا۔ حضرت عائشہؓ اس پر سوار ہو گئیں اور دن چڑھے مجاہدین اور آنحضور ﷺ تک پہنچ گئیں۔ بس اتنی سی بات تھی جسے داستان بنالیا گیا اور لوگوں نے لغویات کہہ سن کر اپنی عاقبت خوب برباد کی۔ سب سے زیادہ مفسدانہ کردار اس میں ابی ابن سلول کا تھا۔

اس قصہ میں جس نے جتنا گناہ کمایا اور وہ شخص جو سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا تھا شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ ایسا کیوں نہیں ہوا (یعنی ہونا یہ چاہئے تھا کہ) جب اس طرح کی باتیں سن رہے تھے تو ایک دوسرے کے ساتھ اہل ایمان حسن ظن سے کام لیتے اور برملا کہہ دیتے تاکہ یہ کھلی تہمت ہے اور یہ کیوں نہیں کیا گیا (یعنی کرنا چاہئے تھا) کہ اپنے اس الزام کے ثبوت میں چار گواہیاں پیش کی جاتیں۔ جب مطلوبہ گواہیاں نہیں ہیں تو پھر یہ الزام دینے والا عنداللہ کھلے جھوٹے ہیں۔ اور یہ تو خدا کا فضل ہو گیا اور اس کی رحمت تھی ورنہ جو کچھ تم نے کہا سنا اس پر تمہیں عذاب آخرت کا مزہ چکھنا پڑتا (کیا لغویت ہے) کہ بلا تحقیق ہانکتے چلے جا رہے ہو اور جو کچھ بک رہے ہو اس کی حقیقت حال کا تمہیں علم تک نہیں اور پھر یہ بھی سمجھ رہے ہو کہ تمہارا یہ پاپ کوئی بڑا پاپ نہیں۔ حالانکہ اللہ کے یہاں یہ بہت بڑا پاپ ہے اور تم نے جب اسے سنا تھا تو یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہم کیسے ایسی بات منہ سے نکالیں (جو کہ ہمارے لئے کسی بھی طرح مناسب نہیں) نعوذ باللہ یہ تو سخت بہتان ہے۔ اللہ تمہیں سخت نصیحت کرتا ہے (اور منع کرتا ہے) کہ اس قسم کی حرکت کبھی مت کرنا۔ اگر تم صاحب ایمان ہو اور اللہ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ بڑا علم و حکمت والا ہے (اس کا کوئی فعل غیر حکیمانہ نہیں ہوتا) یقیناً جو لوگ چاہتے ہیں کہ مومنین کے درمیان بے حیائی کا چرچا رہے ان کے لئے دردناک سزا دنیا اور آخرت میں بھی ہے (دنیا میں بصورت حد قذف اور آخرت میں جہنم) اور اللہ تو جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑا شفیق ہے، بڑا رحیم ہے (تو تم بھی عذاب سے نہ بچتے)

شانِ نزول:.......... یہ آیات حضرت عائشہؓ کی برأت میں نازل ہوئی ہیں۔ جبکہ منافقین نے ان پر تہمت زنا لگادی اور بھولے بھالے کچھ مسلمان بھی اس میں شریک ہو گئے۔ قریباً ایک ماہ تک اس طرح کی افواہیں اڑتی رہیں۔ لیکن اس سلسلہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہدایت یا حضرت عائشہؓ کی برأت میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ جس سے آنحضور ﷺ کو شدید تکلیف پہنچی اور حضرت عائشہؓ کی طرف سے بدگمانی بڑھتی گئی۔ دوسری طرف جب عائشہؓ کو واقعہ تفصیل سے معلوم ہوا تو وہ بہت رنجیدہ ہوئیں اور بہت بڑے صدمے میں مبتلا ہو گئیں۔ جس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت کی گئی۔

﴿تشریح﴾:.......... آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب بھی آپ ﷺ سفر میں تشریف لے جاتے تو اپنی ازواج مطہرات کے نام کی قرعہ اندازی کرتے۔ قرعہ میں جس کا نام نکلتا، انہیں آپ ﷺ اپنے ساتھ سفر میں شریک رکھتے۔ ۶ ہجری میں جب آپ ﷺ غزوہ بنی مصطلق کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت عائشہؓ آپ کے ہمراہ تھیں۔ واپسی میں ایک جگہ آپ ﷺ نے قیام فرمایا وار آخر شب میں قافلہ کو روانگی کا حکم دیا۔ وہ لوگ جو حضرت عائشہؓ کے ہودج کے اٹھانے پر مامور تھے۔ انہوں نے یہ سمجھ کر حضرت عائشہؓ اس میں موجود ہیں ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا۔ انہیں اس کا احساس بھی نہ ہوا کہ ہودج خالی کیونکہ حضرت عائشہؓ ایک تو کمسن تھیں دوسرے نہایت ہلکی پھلکی۔ تو جب آپ کا ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا گیا اور قافلہ روانہ ہو گیا۔ حضرت عائشہؓ جو قضائے حاجت کی غرض سے جنگل گئی ہوئی تھیں، اتفاق سے وہاں آپ کے گلے کا ہار کھو گیا۔ جسے ڈھونڈنے میں ان کو کافی تاخیر ہو گئی۔ جب آپ واپس آئیں تو دیکھا کہ قافلہ روانہ ہو چکا ہے۔ جس سے آپ بہت پریشان ہوئیں۔ مگر یہ سوچ کر کہ جب مجھے ہودج میں نہیں پائیں گے تو تلاش کرنے کے لئے کسی نہ کسی کو اس جگہ ضرور بھیجا جائے گا اور آپ وہیں چادر اوڑھ کر بیٹھ گئیں۔ بیٹھے بیٹھے نیند آ گئی۔ حضرت صفوانؓ جن کی ڈیوٹی یہ تھی کہ وہ قافلہ سے کچھ فاصلہ پر رہیں۔ تاکہ اگر لوگوں کی کوئی چیز چھوٹ گئی ہو یا راستہ میں گر گئی ہو تو وہ اس کی خبر گیری رکھیں۔ وہ جب قریب آئے تو کسی کو سوتا ہوا دیکھ کر چونک پڑے اور غور سے دیکھنے پر انہوں نے حضرت عائشہؓ کو پہچان لیا۔ کیونکہ پردہ کا حکم نازل ہونے

سے قبل آپ نے حضرت عائشہؓ کو دیکھ رکھا تھا۔ انہوں نے زور سے انا للّٰه وانا الیه راجعون پڑھا۔ جس سے حضرت عائشہؓ آنکھ کھل گئی۔ آپ فوراً اٹھیں اور چادر لپیٹ کر بیٹھ گئیں۔ حضرت صفوانؓ نے اپنا اونٹ بٹھایا اور حضرت عائشہؓ اس پر سوار ہوگئیں اس کے بعد حضرت صفوانؓ اونٹ کا نکیل پکڑ کر روانہ ہوگئے اور کچھ دیر میں قافلہ سے جا ملے۔ بات صرف اتنی تھی۔ مگر مدینہ جہاں کے منافقین بھی بہت تھے، ان کے سردار عبداللہ بن ابی کو ایک موقعہ مل گیا۔ اس نے اپنی خباثت سے اس میں خوب حاشیہ آرائی کی اور طرح طرح باتیں اڑائیں۔ بدقسمتی سے چند سادہ لوح مسلمان بھی اس کے فریب میں آگئے۔ مثلاً حسانؓ بن ثابت، حضرت مسطحؓ اور حمنہؓ بنت جحش۔ اور وہ بھی ان کے اس پروپیگنڈے میں شریک ہوگئے۔ لیکن عام مسلمانوں کو اس سے شدید ترین تکلیف ہوئی اور بڑا رنج ہوا آنحضور ﷺ کو جس قدر تکلیف پہنچی ہوگی وہ تو بیان بھی نہیں کی جاسکتی۔ مدینہ کی گلیوں میں اس کے چرچے ہوتے رہے۔ اس دوران آنحضور ﷺ تحقیق و تفتیش میں لگے رہے۔ لیکن اس طرح کی کوئی بات ہاتھ نہ لگ سکی جس سے یہ ثابت ہوتا کہ واقعتاً حضرت عائشہؓ سے اس طرح کا کوئی فعل بدسرزد ہوا ہے۔ مگر اس کے باوجود حضرت عائشہؓ کے بیان کے مطابق آنحضور ﷺ ان سے کافی کشیدہ رہتے یہاں تک کہ ایک مہینہ کے بعد قرآن میں ان کی برأت کی گئی اور آنحضور ﷺ اور مومنین کو تسلی دی گئی کہ اس بدنامی کا کچھ خیال نہ کیجئے اس کا پھیلانے والا تو رئیس المنافقین ہے۔ اور مسلمانوں میں سے صرف تین حضرات اپنے بھولے پن کی وجہ سے اس میں شریک ہوگئے تھے۔ جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

جب یہ حادثہ پیش آیا تھا آپ ﷺ حضرت عائشہؓ سے بہت کشیدہ رہتے اور قریب بھی نہیں جاتے تھے۔ ایک دن آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور انہیں نصیحت کررہے تھے۔ ساتھ ہی حقیقت حال معلوم کرنے کی کوشش کررہے تھے، اسی دوران میں یہ آیات نازل ہوئیں اور آپ ﷺ نے خوشخبری حضرت عائشہؓ کو سنادی۔

حسنِ ظن: .... اس کے بعد قرآن نے اپنے ماننے والوں کو اس کی تعلیم دی ہے کہ جب بھی مسلمانوں سے متعلق کوئی روایت معلوم ہو تو پہلے حسن ظن سے کام لینا چاہئے تاوقتیکہ اس کے خلاف کوئی شہادت یا ثبوت نہ مل جائے۔ سوچنا چاہئے کہ جب عام مسلمانوں کے متعلق ارشاد ہے تو حضرت صدیقہؓ سے تو ویسے بھی حسن ظن رکھنا چاہئے تھا اور اب جب کہ قرآن نے ان کی برأت میں شہادت دے دی پھر تو شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہی۔ اب حضرت عائشہؓ کی عصمت میں شک کرنا قرآن میں شک کرنے کے ہم معنی ہوگا۔

فقہاء نے کہا ہے کہ اگرچہ یہاں امر کا صیغہ نہیں ہے۔ لیکن یہ کلمہ تمنا امر سے بھی زیادہ موکد ہے۔ لہٰذا مومن کے لئے ضروری ہے کہ جب کسی کی برائی سے اور اس کا کوئی ثبوت یا اس پر کوئی معتبر شہادت نہ ہو تو حسن ظن سے کام لیتے ہوئے اس پر یقین نہ کرنا چاہئے اسی طرح صوفیائے نے کہا ہے کہ خبروں میں احتیاط و تحقیق سے کام لینا چاہئے۔

پھر فرمایا گیا کہ اثبات زنا کے لئے چار چشم دید گواہوں کا ہونا ضروری ہے تو اگر یہ لوگ سچے ہیں تو پھر چار گواہ کیوں نہیں پیش کرتے ان کا گواہوں کا پیش نہ کرنا خود ان کے کاذب ہونے کی علامت ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کو جو مومن تھے، لیکن اپنی نادانی وسادگی کی وجہ سے اس فریب میں مبتلا ہوگئے تھے۔ انہیں خطاب کیا گیا کہ کسی پاکدامن مومنہ پر تہمت لگانا شدید ترین معصیت ہے۔ چہ جائیکہ زوجہ رسول ﷺ پر زنا کا الزام لگایا۔ یہ خوفناک قسم کی معصیت تھی۔ اگر خدا تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے تمہیں توبہ کی توفیق نہ دیتا اور آخرت میں تمہارے ایمان کی وجہ سے معاف نہ کردیتا تو سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوجاتے۔

پھر فرمایا گیا کہ تم لوگوں نے جس وقت حضرت صدیقہؓ کے متعلق یہ سنا تھا تو حیرت اس پر ہے کہ تمہارے قلوب نے اسے قبول کر

طرح کرلیا۔ تامل وتذبذب تو الگ رہا سنتے ہی فوراً اسے قبول کرنے سے انکار کردینا چاہئے تھا اور خبردار رہو، دیکھو! اس طرح کی کوئی حرکت نہ ہونے پائے اور اس قدرتی برأت کے بعد بھی جو لوگ اس گندے تذکرے کو باقی رکھنا چاہتے ہیں وہ دردناک عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔

بعض مفسرینؒ کی رائے یہ ہے کہ اگرچہ آیت میں اشارہ اسی خاص واقعہ کی طرف ہے، لیکن اس آیت کے مصداق وہ لوگ بھی ہوں گے جو مسلمانوں کے کسی بھی معاشرے میں گندی روایتوں کا چرچا کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں بھی ہے کہ:

''بندگان خدا کو ایذاء وتکلیف نہ دیا کرو اور ان کی پوشیدہ باتوں کو ٹٹولنے کی کوشش نہ کرو اور جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب کو معلوم کرنے کی کوشش کرے گا اسے خدا تعالیٰ اتنا رسوا کرے گا کہ اس کے گھر والے بھی اس سے نفرت کرنے لگیں گے۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ طُرُقَ **الشَّيْطٰنِ** اَیْ تَزْيِيْنِهٖ **وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ** اَیِ الْمُتَّبَعَ **يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ** اَیِ الْقَبِيْحِ **وَالْمُنْكَرِ** شَرْعًا بِاتِّبَاعِهَا **وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَازَكٰى مِنْكُمْ** اَيُّهَا الْعُصْبَةُ بِمَا قُلْتُمْ مِنَ الْاِفْكِ **مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا** اَیْ مَاصَلَحَ وَطَهُرَ مِنْ هٰذَا الذَّنْبِ بِالتَّوْبَةِ مِنْهُ **وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ** يُطَهِّرُ **مَنْ يَّشَآءُ** مِنَ الذَّنْبِ بِقَبُوْلِ تَوْبَتِهٖ مِنْهُ **وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ** لِمَا قُلْتُمْ **عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾** بِمَا قَصَدْتُمْ **وَلَا يَاْتَلِ** يَحْلِفْ **اُولُوا الْفَضْلِ** اَیْ اَصْحَابُ الْغِنٰى **مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ لَّا يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** نَزَلَتْ فِیْ اَبِیْ بَكْرٍ حَلَفَ اَنْ لَا يُنْفِقَ عَلٰى مُسْطَحٍ وَهُوَ ابْنُ خَالَتِهٖ مِسْكِيْنٌ مُهَاجِرٌ بَدْرِیٌّ لِمَا خَاضَ فِی الْاِفْكِ بَعْدَ اَنْ كَانَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ وَنَاسٍ مِنَ الصَّحَابَةِ اَقْسَمُوْا اَنْ لَا يَتَصَدَّقُوْا عَلٰى مَنْ تَكَلَّمَ بِشَیْءٍ مِنَ الْاِفْكِ **وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا** عَنْهُمْ فِیْ ذٰلِكَ **اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾** لِلْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ بَلٰى اَنَا اُحِبُّ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لِیْ وَرَجَعَ اِلٰى مُسْطَحٍ مَا كَانَ يُنْفِقُهٗ عَلَيْهِ **اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ** بِالزِّنَا **الْمُحْصَنٰتِ** الْعَفَائِفَ **الْغٰفِلٰتِ** عَنِ الْفَوَاحِشِ بِاَنْ لَا يَقَعَ فِیْ قُلُوْبِهِنَّ فِعْلُهَا **الْمُؤْمِنٰتِ** بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ **لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ يَّوْمَ** نَاصِبُهُ الْاِسْتِقْرَارُ الَّذِیْ تَعَلَّقَ بِهٖ لَهُمْ **تَشْهَدُ** بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَالتَّحْتَانِيَّةِ **عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾** مِنْ قَوْلٍ وَفِعْلٍ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ** يُجَازِيْهِمْ جَزَاءَهُ الْوَاجِبَ عَلَيْهِمْ **وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾** حَيْثُ حَقَّقَ لَهُمْ جَزَاءَهُ الَّذِیْ كَانُوْا يَشُكُّوْنَ فِيْهِ مِنْهُمْ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ اُبَیٍّ وَالْمُحْصَنٰتُ هُنَا اَزْوَاجُ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُذْكَرُ فِیْ قَذْفِهِنَّ تَوْبَةٌ وَمَنْ ذُكِرَ فِیْ قَذْفِهِنَّ اَوَّلَ سُوْرَةِ التَّوْبَةِ غَيْرُهُنَّ **اَلْخَبِيْثٰتُ** مِنَ النِّسَاءِ وَمِنَ الْكَلِمٰتِ **لِلْخَبِيْثِيْنَ** مِنَ النَّاسِ **وَالْخَبِيْثُوْنَ** مِنَ النَّاسِ **لِلْخَبِيْثٰتِ** مِمَّا ذُكِرَ **وَالطَّيِّبٰتُ** مِمَّا ذُكِرَ **لِلطَّيِّبِيْنَ** مِنَ النَّاسِ **وَالطَّيِّبُوْنَ** مِنْهُمْ **لِلطَّيِّبٰتِ** مِمَّا ذُكِرَ اَیِ اللَّائِقُ بِالْخَبِيْثِ مِثْلُهٗ وَبِالطَّيِّبِ

مِثْلَهٗ اُولٰٓئِكَ الطَّيِّبُوْنَ وَالطَّيِّبَاتُ مِنَ النِّسَاءِ وَمِنْهُمْ عَائِشَةُ وَصَفْوَانُ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ اَيِ الْخَبِيْثُوْنَ وَالْخَبِيْثَاتُ مِنَ النِّسَاءِ فِيْهِمْ لَهُمْ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ النِّسَآءِ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ فِي الْجَنَّةِ وَقَدِ افْتَخَرَتْ عَائِشَةُ بِاَشْيَاءَ مِنْهَا اَنَّهَا خُلِقَتْ طَيِّبَةً وَّوُعِدَتْ مَغْفِرَةً وَّرِزْقًا كَرِيْمًا

ترجمہ:......... اے ایمان والو! تم شیطان کے قدم بقدم مت چلو، جو شیطان کی اتباع کرتا ہے تو وہ اس کو بری باتوں اور شرعاً منع کردہ چیزوں کی راہ پر ڈال دیتا ہے اور اگر خدا تعالیٰ کا تم پر فضل اور رحمت نہ ہوتی تو (تہمت تراش گروہ میں سے) کبھی بھی وہ کسی کو پاک نہ کرتا (اور اس سلسلہ میں تو یہ بھی بے سود رہتا) لیکن بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں (توبہ قبول کر کے گناہوں سے) پاک کر دیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والے اور جاننے والے ہیں (آور یہ بھی سنو کہ) مالدار اور دولت منداس کا عہد نہ کریں کہ وہ رشتہ دار اور مسکینوں کو یا اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہ دیں گے (خاص خطاب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ہے جو حضرت مسطحؓ کی کفالت فرماتے تھے۔ یہ ان کے خالہ کے لڑکے اور ضرورت مند مہاجرین میں سے تھے۔ لیکن بد قسمتی سے حضرت عائشہؓ پر تہمت تراشی میں شریک ہو گئے تھے اور کچھ دوسرے صحابہؓ نے بھی صورت حال سے متاثر ہو کر عہد کیا تھا کہ اس واقعہ میں شریک لوگوں کو مالی امداد سے محروم کر دیں گے) انہیں معاف کر دو اور ان سے درگزر کرو۔ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ خدا تعالیٰ تم کو معاف فرمائے (اور یقیناً یہ پسند ہے تو پھر تم بھی دوسروں کی غلطیوں کو معاف کرو) خدا تعالیٰ بڑے بخشنے والے، رحم کرنے والے ہیں۔ (ان آیات کے نزول پر حضرت ابوبکرؓ بول اٹھے کہ میں خدا تعالیٰ سے اپنی لغزشوں کی معافی چاہتا ہوں اور مسطح کی بدستور مدد کرنے لگے) جو لوگ پاکدامن اور بھولی بھالی بیبیوں پر درآنحالیکہ وہ مسلمان ہیں تہمت تراشی کرتے ہیں تو ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت اور ان کو بہت بڑے عذاب سے سابقہ پڑے گا۔ جس دن (یوماً منصوب ہے استقر فعل کی وجہ سے یعنی بدستور اس عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ وہ دن ایسا خوفناک ہوگا کہ) ان کے کرتوت کی شہادت خود ان کی زبانیں اور ہاتھ پاؤں دیں گے (اور جب ایسا ہوگا) تو خدا تعالیٰ بھی ان کے کرتوت کا بھرپور بدلہ دے گا اور جان لیویں گے کہ اللہ تعالیٰ حق پسند اور حق کا انکشاف کرنے والے ہیں (یہی وجہ تو ہے کہ حق میں شک کرنے والے جیسے عبداللہ ابن ابی وغیرہ تھے ان کے سامنے حق کھول دیا اور پاکدامن بیبیوں سے مراد یہاں ازواج مطہرات ہیں۔ ان آیات میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ حضرت عائشہؓ پر بہتان تراشی کرنے والوں کو معاف کر دیا گیا تھا۔ رہا سورۂ توبہ میں معافی کا تذکرہ۔ وہ دوسری بیبیوں پر تہمت تراشی کے بارے میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عائشہ صدیقہؓ پر تہمت تراشی ایسا بدترین گناہ تھا جس کی معافی نہیں اور طے شدہ بات یہ ہے کہ) بدکار عورتیں برے مردوں کے لئے اور برے مرد پاپی عورتوں کے لئے اور پاکیزہ خصلت بیبیاں پاکیزہ صفات مردوں کے لئے اور پاکباز مرد پاکدامن عورتوں کے لئے منتخب کئے گئے ہیں (پھر آنحضور ﷺ کے نکاح میں کوئی بدکار کیسے آ سکتی ہے) یہ (پاکدامن بی بی یعنی عائشہؓ ور یہ پاکباز مرد یعنی صفوانؓ) بالکل بری ہیں۔ اس تہمت سے جو ان پر باندھی گئی۔ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت ہے اور عمدہ رزق (جنت میں، عائشہ رضی اللہ عنہا چند چیزوں پر ہمیشہ فخر فرماتی تھیں۔ ایک یہ کہ میں پاک نہاد ہوں اور یہ کہ مجھ سے مغفرت ورزق کریم کا وعدہ کیا گیا ہے)

شان نزول:......... آیت ولا یاتل اولوا الفضل منکم الخ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جبکہ انہوں نے حضرت مسطحؓ کا وہ وظیفہ بند کر دیا جو وہ حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے سے پہلے ان کو دیا کرتے تھے۔

تفصیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو اپنی سادگی و بھولے پن میں حضرت مسطحؓ بھی اس میں شریک

ہو گئے۔ جو حضرت صدیق اکبرؓ کے خالہ زاد بھائی تھے اور غیر مہاجر تھے۔ ان کی کفالت حضرت صدیق اکبرؓ ہی کیا کرتے تھے۔ جب حضرت عائشہؓ کی برأت میں آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شدت ناراضگی میں ان کا وہ وظیفہ بند کر دیا جو وہ انہیں دیا کرتے تھے۔ اسی پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:............ارشاد ہے کہ اے لوگو! شیطان کے نقش قدم پر مت چلو۔ وہ تو بے حیائی، بدکاری اور برائی کے راستے بتاتا ہے، اس لئے اس کے وسوسوں سے بچنے کی کوشش کرو۔ پھر کہا گیا کہ اگر خدا تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہو تو تم میں سے کوئی بھی شرک و کفر سے نہیں بچ سکتا تھا۔ یہ تو اس کا بہت بڑا احسان ہے کہ وہ تمہیں توبہ کی توفیق عطا فرماتا ہے اور اس طرح پر تمہیں پاک وصاف بنا دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ جسے چاہے راہ ہدایت عطا فرمادے اور جسے چاہے ہلاکت میں مبتلا کر دے۔ وہ جانتا ہے کہ کون مستحق ہدایت ہے اور کسے اس کی ضلالت و گمراہی میں مبتلا رہنے دیا جائے۔

پھر حضرت ابوبکرؓ کو حضرت مسطحؓ کا وظیفہ شدت ناراضگی میں بند کر دینے پر مخاطب بنا کر ایک عام بات بیان کی گئی کہ تم میں سے جو صاحب مقدرت ہیں اور صدقہ و خیرات کرنے والے ہیں، انہیں اس بات کی قسم نہ کھانا چاہئے کہ وہ اپنے رشتہ داروں، مسکینوں اور مہاجروں کی کوئی مدد نہ کریں گے۔

مزید توجہ دلانے کے لئے فرمایا گیا کہ اگر ان سے کوئی قصور ہو گیا ہو یا ان سے کوئی تکلیف پہنچی تو معاف کر دینا چاہئے۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کا لطف و کرم ہے کہ وہ اپنے بندوں کو نیکی اور خیر ہی کا حکم دیتا ہے۔ گویا ان آیتوں میں بندوں کو اس کی تلقین کی گئی کہ جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ ان کی خطائیں اور قصور معاف کر دیئے جائیں اسی طرح انہیں چاہئے کہ وہ دوسروں کی تقصیروں سے درگزر کریں۔

بدترین جرم:............ارشاد ہوا کہ جو نیک اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا اور آخرت میں خدا تعالیٰ کی لعنت کے مستحق ہیں۔ جب عام عورتوں مومنہ پر تہمت لگانے والوں کی یہ سزا ہے تو خود سوچئے کہ حضرت عائشہؓ پر الزام زنا لگانے والوں کی کیا سزا ہو سکتی ہے۔ نیز بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ یہ آیت حضرت عائشہؓ سے متعلق ہے اور عام مومنہ عورتوں کے بارے میں وہ آیت ہے جس میں کہا گیا کہ اگر کسی نے پاکدامن عورت پر تہمت لگائی اور چار گواہ نہ پیش کر سکا تو اس پر حد قذف جاری کی جائے گی۔ لیکن دوسرے مفسرینؒ کی رائے یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ اس میں کوئی تخصیص نہیں۔

کافروں کے سامنے جب ان کی بداعمالیاں پیش کی جائیں گی تو وہ صاف انکار کر جائیں گے۔ اور اپنی بے گناہی بیان کرنے لگیں گے۔ اس وقت خود ان کے اعضاء ان کے خلاف شہادت دیں گے۔ زبان کہہ اٹھے گی کہ اس نے میرے ذریعہ فلاں فلاں کفر قولی کئے ہیں۔ اسی طرح ہاتھ پیر بھی کہنے لگیں کہ اس نے میرے ذریعہ فلاں فلاں عملی گناہ کئے ہیں۔ اس دن خدا تعالیٰ اس کے کئے ہوئے کا پورا بدلہ دیں گے۔ اس وقت انہیں احساس ہو جائے گا کہ خدا تعالیٰ صاحب عدل ہیں۔ ظلم سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں اور پھر یہ اپنی نجات سے بالکل مایوس ہو جائیں گے۔

پھر ارشاد ہوا کہ آنحضور ﷺ جو پاک وطیب ہیں، یہ ممکن نہیں کہ ان کے نکاح میں کوئی ایسی عورت آئے جو بد باطن و بدکردار ہو۔ خبیثہ عورتیں خبیث مردوں کے لئے ہی لائق ہو سکتی ہیں۔ اس لئے فرمایا گیا کہ یہ لوگ ان تہمتوں سے پاک ہیں جو منافقین واسلام دشمن حضرات لگا رہے ہیں اور ان منافقین کی بدکلامیوں سے جو انہیں اذیت اور تکلیف پہنچ رہی ہے وہ ان کے لئے مغفرت اور بلندی درجات کا سبب ہو گی۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا اَیْ تَسْتَاْذِنُوْا **وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَهْلِهَا** فَیَقُوْلُ الْوَاحِدُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ اَ اَدْخُلُ كَمَا وَرَدَ فِیْ حَدِیْثٍ **ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ** مِنَ الدُّخُوْلِ بِغَیْرِ اِسْتِیْذَانٍ **لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾** بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِیَةِ فِی الذَّالِ خَیْرِیَّتَهٗ فَتَعْلَمُوْنَ بِهٖ **فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَآ اَحَدًا** یَاْذَنُ لَكُمْ **فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰی یُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِیْلَ لَكُمْ** بَعْدَ الْاِسْتِیْذَانِ **ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ** اَیِ الرُّجُوْعُ **اَزْكٰی** اَیْ خَیْرٌ **لَكُمْ** مِنَ الْقُعُوْدِ عَلَی الْبَابِ **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ** مِنَ الدُّخُوْلِ بِاِذْنٍ وَغَیْرِ اِذْنٍ **عَلِیْمٌ ﴿۲۸﴾** فَیُجَازِیْكُمْ عَلَیْهِ **لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِیْهَا مَتَاعٌ** اَیْ مَنْفَعَةٌ **لَّكُمْ** بِاسْتِكْنَانٍ وَغَیْرِهٖ كَبُیُوْتِ الرُّبُطِ وَالْخَانَاتِ الْمُسْبَلَةِ **وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ** تُظْهِرُوْنَ **وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾** تُخْفُوْنَ فِیْ دُخُوْلِ غَیْرِ بُیُوْتِكُمْ مِنْ قَصْدِ صَلَاحٍ اَوْ غَیْرِهٖ وَسَیَاْتِیْ اَنَّهُمْ اِذَا دَخَلُوْا بُیُوْتَهُمْ یُسَلِّمُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ **قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ** عَمَّا لَا یَحِلُّ لَهُمْ نَظْرُهٗ وَمِنْ زَائِدَةٌ **وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ** عَمَّا لَا یَحِلُّ لَهُمْ فِعْلُهٗ بِهَا **ذٰلِكَ اَزْكٰی** اَیْ خَیْرٌ **لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾** بِالْاَبْصَارِ وَالْفُرُوْجِ فَیُجَازِیْهِمْ عَلَیْهِ **وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ** عَمَّا لَا یَحِلُّ لَهُنَّ نَظْرُهٗ **وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ** عَمَّا لَا یَحِلُّ فِعْلُهٗ بِهَا **وَلَا یُبْدِیْنَ** یُظْهِرْنَ **زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا** وَهُوَ الْوَجْهُ وَالْكَفَّانِ فَیَجُوْزُ نَظْرُهٗ لِاَجْنَبِیٍّ اِنْ لَمْ یَخَفْ فِتْنَةً فِیْ اَحَدِ الْوَجْهَیْنِ وَالثَّانِیْ یَحْرُمُ لِاَنَّهٗ مَظَنَّةُ الْفِتْنَةِ وَرُجِّحَ حَسْمًا لِلْبَابِ **وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ** اَیْ یَسْتُرْنَ الرُّءُوْسَ وَالْاَعْنَاقَ وَالصُّدُوْرَ بِالْمَقَانِعِ **وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ** الْخَفِیَّةَ وَهِیَ مَا عَدَا الْوَجْهِ وَالْكَفَّیْنِ **اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ** جَمْعُ بَعْلٍ اَیْ زَوْجٍ **اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ** فَیَجُوْزُ لَهُمْ نَظْرُهٗ اِلَّا مَا بَیْنَ السُّرَّةِ وَالرُّكْبَةِ فَیَحْرُمُ نَظْرُهٗ لِغَیْرِ الْاَزْوَاجِ وَخَرَجَ بِنِسَائِهِنَّ الْكَافِرَاتُ فَلَا یَجُوْزُ لِلْمُسْلِمٰتِ الْكَشْفُ لَهُنَّ وَشَمَلَ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ الْعَبِیْدَ **اَوِ التّٰبِعِیْنَ** فِیْ فُضُوْلِ الطَّعَامِ **غَیْرِ** بِالْجَرِّ صِفَةٌ وَالنَّصْبِ اِسْتِثْنَاءٌ **اُولِی الْاِرْبَةِ** اَصْحَابِ الْحَاجَةِ اِلَی النِّسَاءِ **مِنَ الرِّجَالِ** بِاَنْ لَمْ یَنْتَشِرْ ذَكَرُ كُلٍّ **اَوِ الطِّفْلِ** بِمَعْنَی الْاَطْفَالِ **الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا** یَطَّلِعُوْا **عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ** لِلْجِمَاعِ فَیَجُوْزُ اَنْ یُّبْدِیْنَ لَهُمْ مَا عَدَا مَا بَیْنَ السُّرَّةِ وَالرُّكْبَةِ **وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ** مِنْ خَلْخَالٍ یَتَقَعْقَعُ **وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ**

مّا وَقَعَ لَكُمْ مِنَ النَّظَرِ الْمَمْنُوعِ مِنْهُ وَمِنْ غَيْرِهِ **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ**﴿۳۱﴾ تَنْجُوْنَ مِنْ ذٰلِكَ لِقُبُوْلِ التَّوْبَةِ مِنْهُ فِي الْاٰيَةِ تَغْلِيْبُ الذُّكُوْرِ عَلَى الْاِنَاثِ **وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ** جَمْعُ اَيِّمٍ وَهِيَ مَنْ لَيْسَ لَهَا زَوْجٌ بِكْرًا كَانَتْ اَوْ ثَيِّبًا وَمَنْ لَيْسَ لَهٗ زَوْجَةٌ وَهٰذَا فِي الْاَحْرَارِ وَالْحَرَائِرِ **وَالصّٰلِحِيْنَ** اَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ **مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ** وَعِبَادٍ مِنْ جُمُوْعِ عَبْدٍ **اِنْ يَّكُوْنُوْا** اَيِ الْاَحْرَارِ **فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ** بِالتَّزَوُّجِ **مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ** لِخَلْقِهٖ **عَلِيْمٌ**﴿۳۲﴾ بِهِمْ **وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا** اَيْ مَا يَنْكِحُوْنَ بِهٖ مِنْ مَهْرٍ وَنَفَقَةٍ مِنَ الزِّنَا **حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ** يُوَسِّعَ عَلَيْهِمْ **مِنْ فَضْلِهٖ** فَيَنْكِحُوْنَ **وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ** بِمَعْنَى الْمُكَاتَبَةِ **مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ** مِنَ الْعَبِيْدِ وَالْاِمَاءِ **فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا** اَيْ اَمَانَةً وَقُدْرَةً عَلَى الْكَسْبِ لِاَدَاءِ مَالِ الْكِتَابَةِ وَصِيْغَتُهَا مَثَلًا كَاتَبْتُكَ عَلَى اَلْفَيْنِ فِيْ شَهْرَيْنِ كُلَّ شَهْرٍ اَلْفٌ فَاِذَا اَدَّيْتَهَا فَاَنْتَ حُرٌّ فَيَقُوْلُ قَبِلْتُ ذٰلِكَ **وَّاٰتُوْهُمْ** اَمْرٌ لِلسَّادَةِ **مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ** مَا يَسْتَعِيْنُوْنَ بِهٖ فِيْ اَدَاءِ مَا الْتَزَمُوْهُ لَكُمْ وَفِيْ مَعْنَى اِيْتَاءٍ حَطُّ شَيْءٍ مِمَّا الْتَزَمُوْهُ **وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ** اَيْ اِمَائِكُمْ **عَلَى الْبِغَآءِ** اَيِ الزِّنَا **اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا** تَعَفُّفًا عَنْهُ وَهٰذِهِ الْاِرَادَةُ مَحَلُّ الْاِكْرَاهِ فَلَا مَفْهُوْمَ لِلشَّرْطِ **لِّتَبْتَغُوْا** بِالْاِكْرَاهِ **عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** نَزَلَتْ فِيْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُبَيٍّ كَانَ يُكْرِهُ جَوَارِيَ لَهٗ عَلَى الْكَسْبِ بِالزِّنَا **وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ** لَهُنَّ **رَّحِيْمٌ**﴿۳۳﴾ بِهِنَّ **وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ** بِفَتْحِ الْيَاءِ وَكَسْرِهَا فِيْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ بَيَّنَ فِيْهَا مَاذُكِرَ اَوْ بَيِّنَةً **وَّمَثَلًا** اَيْ خَبَرًا عَجِيْبًا وَهُوَ خَبَرُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا **مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ** اَيْ مِنْ جِنْسِ اَمْثَالِهِمْ اَيْ اَخْبَارِهِمُ الْعَجِيْبَةِ كَخَبَرِ يُوْسُفَ وَمَرْيَمَ **وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ**﴿۳۴﴾ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ الخ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ الخ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ الخ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا الخ وَتَخْصِيْصُهَا بِالْمُتَّقِيْنَ لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهَا

ع ۸ ۴ ۱۰

ترجمہ: .... اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں داخل مت ہو۔ جب تک کہ اجازت حاصل نہ کرلو اوران کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو (جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی کسی کے گھر پر جائے تو اسے چاہئے کہ دروازہ پر سے صاحب خانہ کو سلام کر کے اس کے اندر داخل ہونے کی اجازت لے لے) تمہارے حق میں یہی بہتر ہے (اس سے کہ تم لوگ بغیر اجازت اندر داخل ہو) شاید کہ تم لوگ اس کا خیال رکھو (تذکرون اصل میں تتذکرون تھا۔ دوسرے تا کو ذال میں ادغام کردیا گیا ہے) پھر اگر ان میں تمہیں کوئی آدمی نہ معلوم ہو (جو تمہیں اجازت دے) تو بھی ان میں داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ

مل جائے اور اگر تم سے کہہ دیا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آیا کرو۔ یہی (لوٹ جانا) تمہارے لئے بہتر ہے (اس سے کہ تم اس کے گھر پر دھرنا دے کر بیٹھ جاؤ) اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے (اور اس پر بھی نظر ہے کہ تم دوسرے کے گھروں میں اجازت سے داخل ہوتے ہو۔ یا بغیر اجازت کے اور اسی کے مطابق تمہیں بدلہ بھی دے گا) تم پر کوئی گناہ اس میں نہیں ہے کہ تم ان مکانات میں داخل ہو جاؤ جن میں کوئی رہتا نہ ہو اور ان میں تمہارا کچھ مال ہو (مثلاً مسافر خانوں یا عامۃ الورود اصطبل وغیرہ میں چلتے چلاتے سردی اور گرمی سے بچنے کے لئے) اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو (اور وہ اسے بھی جانتا ہے کہ تم دوسروں کے گھروں میں کسی نیک ارادہ سے داخل ہور ہے ہو یا کوئی بد ارادہ رکھتے ہو) آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں (ان چیزوں سے جن کا دیکھنا ان کے لئے جائز نہیں) اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں (ان چیزوں سے جس کا ارتکاب جائز نہیں) اور اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ ہونے دیں۔ مگر ہاں جو اس (موقع زینت) میں سے کھلا ہی رہتا ہے (اور جس کے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے۔ مثلاً چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں۔ بشرطیکہ اجنبی کے لئے ان کو دیکھنے میں کوئی اندیشہ نہ ہو اور یہ بھی ہے کہ مطلقاً دیکھنے کی ممانعت ہے۔ کیونکہ ابتلاء کا امکان بہرحال موجود ہے)۔

اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں (جس سے کہ سر، گردن اور سینہ وغیرہ ڈھکا رہے) اور اپنی زینت (کے مواقع مذکورہ) کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہر پر اور اپنے باپ پر اور اپنے شوہر کے باپ پر اور اپنے بیٹوں پر اور اپنے شوہر کے بیٹوں پر اور اپنے بھائیوں پر اور اپنے بھائیوں کے لڑکوں پر یا اپنی بہنوں کے لڑکوں پر اور اپنی (ہم مذہب) عورتوں پر اور اپنی باندی پر (کہ ان لوگوں سے کوئی پردہ نہیں ہے۔ البتہ ناف اور گھٹنوں کے درمیان کی شے سوائے شوہر کے کسی دوسرے کے سامنے کھولنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح دوسرے مذاہب کی عورتوں اور غلاموں سے بھی تمام چیزوں کا پردہ ہونا چاہئے) اور ان مردوں پر جو طفیلی ہوں (اور عورت کی طرف انہیں ذرا توجہ نہ ہو (غیــر کو اگر جر پڑھیں گے تو صفت ہوگی ماقبل کی اور اگر نصب پڑھیں تو استثناء ہوگا) اور ان لڑکوں پر جو ابھی عورتوں کی پردہ کی بات سے واقف نہیں ہوئے (یعنی جو ابھی بالکل بے شعور ہوں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ایسے بے شعور لڑکوں کے سامنے ناف اور گھٹنا کے درمیان کی شے کے انکشاف میں بھی کوئی حرج نہیں) اور عورتیں اپنے پیر زور سے نہ رکھیں کہ ان کا زیور مخفی معلوم ہو جائے (مثلاً جانجھر وغیرہ کہ جس میں آواز ہو) اور تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو۔ اے ایمان والو! (اگر تمہاری نظر ان ممنوع چیزوں پر پڑ گئی ہو) تا کہ تم فلاح پاؤ (اور تمہاری توبہ قبول ہو جائے۔ آیت میں غلبہ دے دیا گیا مردوں کو عورتوں پر۔ یعنی اس آیت میں خطاب مردوں کو کیا گیا اگر چہ عورتیں مراد ہیں)۔

اور تم اپنے بے نکاحوں کا نکاح کرو (ایــامٰی جمع ہے ایم کی جس کے معنی وہ عورت جس کا شوہر نہ ہو خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ ہو اسی طرح وہ مرد جس کی بیوی نہ ہو) اور تمہارے غلام اور باندیوں میں جو اس کے (یعنی نکاح کے) لائق ہوں اس کا بھی۔ اگر یہ لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا اور اللہ بڑا وسعت والا، بڑا جاننے والا ہے اور جن لوگوں کو نکاح کا مقدور نہیں۔ انہیں چاہئے کہ ضبط سے کام لیں (یعنی جن کے پاس مہر ونفقہ وغیرہ کے لئے کوئی چیز نہ ہو جس کی وجہ سے نکاح نہ کر سکتا ہو تو چاہئے کہ ضبط سے کام لے اور زنا سے بچے) یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے (تو پھر نکاح کا قصد کرے) اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتب ہونے کے خواہاں ہوں تو انہیں مکاتب بنا دیا کرو۔ اگر ان میں بہتری کے آثار پاؤ (مثلاً امانت اور کمانے پر قدرت وغیرہ رکھتا ہو تا کہ مال کتابت ادا کر سکے۔ کتابت کی صورت یہ ہے کہ مثلاً مالک یہ کہے کہ میں نے تمہیں دو ہزر پر مکاتب بنایا۔ ہر مہینہ تمہیں ایک ہزار روپے ادا کرنے ہوں گے، جسے غلام قبول کر لے) اور اللہ کے اس مال میں سے بھی انہیں دو جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے (یعنی یہ

غلام اگر مال کتابت کی ادائیگی میں جو تم نے ان پر لازم کیا ہے اس سلسلہ میں اگر وہ کچھ مالی مدد کے طالب نہ ہوں تو دریغ نہ کرنا چاہئے اور ایتاء کے دوسرے معنی کئے گئے ہیں کہ غلام کی درخواست پر مال کتابت میں سے کچھ معاف کر دو) اور اپنی باندیوں کو مجبور مت کرو زنا پر۔ جبکہ وہ پاکدامن رہنا چاہیں (اس ارادہ کی صورت میں ان کو بدکاری پر مجبور کرنا تو بڑا ہی پاپ ہے۔ درآنحالیکہ ان کو پاک رکھنا مطلقاً مطلوب ہے۔ خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں) محض اس کے لئے دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ تمہیں حاصل ہو جائے۔ (یہ آیت عبداللہ بن ابی سے متعلق نازل ہوئی جو اپنی باندی کو زنا کی کمائی پر مجبور کیا کرتا تھا) اور جو کوئی انہیں مجبور کرے گا سو اللہ ان کے مجبور کئے جانے کے بعد بخشنے والا ہے، مہربان ہے۔

اور ہم نے تمہارے پاس کھلے کھلے احکام بھیجے ہیں۔ (مبیٓنٰت کے یا کو کسرہ اور فتحہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے) اور جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ان کی حکایتیں (مثلاً قصہ عائشہ رضی اللہ عنہا۔ اسی طرح ان سے پہلے قصہ یوسف و مریم وغیرہ) اور خدا سے ڈرنے والوں کے لئے نصیحت کی باتیں۔ (مثلاً ایک جگہ **لاتاخذکم بھما رافۃ فی الدین اللّٰہ الخ** اسی طرح دوسری جگہ **لو لا اذسمعتموہ ظن المؤمنون الخ** اور **یعظکم اللّٰہ ان تعودوا** وغیرہ اور متقین کی تخصیص اس وجہ سی کی کہ یہی ان آیتوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب:.........**حتیٰ تستانسوا.** اجازت و اذن کے معنی میں ہے۔ طالب اجازت، اجازت سے قبل ذہنی وحشت میں مبتلا ہوتا ہے کہ اجازت ملتی ہے یا نہیں۔ حصول اجازت اس کی وحشت کے ازالہ کا موجب ہے۔ اس لئے یہ لفظ اختیار کیا گیا۔

تسلموا علی اھلھا. حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اجازت کے بعد باقاعدہ سلام مسنون بھی ضروری ہے اور یہ بھی دریافت کرنا کہ کیا میں آسکتا ہوں۔ اپنے ذاتی گھر میں داخل ہونے سے پہلے صراحۃً یا اشارۃً اجازت طلبی بھی ضروری ہے کیونکہ کبھی گھر میں غیر عورتیں یا خود اہل خانہ ایسی حالت میں ہوتے ہیں کہ بغیر اجازت ان کے پاس جانا مناسب نہیں ہے۔

کبیوت الربط. بیوت ربط۔ رباط کی جمع ہے۔ وہ جگہ جہاں جانور باندھے جاتے ہیں۔

خاناۃ. کا ترجمہ قاضی بیضاویؒ نے سرائے کیا ہے۔

مسبلۃ. مسافر جو کہیں قیام کا ارادہ کرتا ہو۔

یغضوا من ابصارھم. من زائدہ ہے آیت میں غض بصر کا حکم دیدہ بازی کے عام مرض کا سد باب ہے۔

الایامٰی جمع ہے ایم کی۔ غیر شادی شدہ مرد ہو یا عورت۔ اولیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ ان کی شادی کا فکر و اہتمام کریں۔

ان اردن تحصنا. یہ مطلب نہیں کہ اگر باندیاں خود عفت پسند نہ ہوں تو انہیں کھلی آزادی دے دی جائے۔ ہر حال میں اس کی احتیاط ضروری ہے۔ اس لئے یہ شرط اپنے مفہوم مخالفت کے ساتھ معتبر نہیں۔

فان اللّٰہ من بعد اکراھھن. یہ جملہ شرط کی جزا واقع ہو رہا ہے۔ اس میں شرط کا عائد محذوف ہے۔ اصل عبارت **غفور لھم** ہے۔

﴿تشریح﴾:.........دوسرے کے گھروں میں داخل ہونے کے شرعی آداب کا بیان ہے کہ جب کسی کے مکان پر جاؤ تو پہلے صاحب خانہ کو سلام کر کے اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کرو جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے۔ باہر کھڑے ہو کر آپؓ نے تین مرتبہ اجازت طلب کی۔ جب اندر سے کوئی جواب نہ ملا تو واپس ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ دیکھو عبداللہ ابن قیس آنا چاہتے ہیں۔ انہیں بلالو۔ جب باہر دیکھا گیا تو وہ جا چکے تھے۔ اس کے بعد جب حضرت ابوموسیٰ کی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو فاروق اعظمؓ نے دریافت فرمایا

کہ آپ واپس کیوں چلے گئے تھے؟

اس پر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے وہ حدیث سنائی کہ اگر تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلا جانا چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس حدیث پر کوئی شہادت پیش کرو ورنہ تمہیں سزا دی جائے گی۔ وہاں سے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ انصار کے ایک مجمع میں پہنچے اور سارا واقعہ بیان کر کے کہا کہ اگر تم میں سے کسی نے یہ حدیث سنی ہو تو میرے ساتھ چل کر شہادت دے دو۔ جس پر اسی مجمع میں موجود لوگوں نے کہا کہ ہم سب نے آنحضورﷺ کی یہ حدیث سنی ہے اور ان میں سے ایک شخص آپ کے ساتھ ہولیا اور حضرت فاروق اعظمؓ کے سامنے جا کر شہادت دے دی جس پر حضرت عمرؓ کو بہت افسوس ہوا کہ اب تک مجھے اس حدیث کا علم نہیں تھا۔

اسی طرح اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اجازت مانگنے والا دروازہ کے بالکل سامنے نہ کھڑا ہو بلکہ ادھر ادھر ہٹ کر کھڑا ہوتا کہ گھر کا سامنا نہ ہو۔ جس سے کہ بے پردگی کا اندیشہ ہو۔

نیز مکان مردانہ ہو یا زنانہ، دونوں صورتوں میں اجازت کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ البتہ کسی مکان میں سوائے بیوی یا باندی وغیرہ کے کوئی اور نہ ہو جو شرعاً حلال ہے وہ مکان اس سے مستثنٰی سمجھا جائے گا۔ اسی طرح وہ مردانہ مکان بھی اس سے مستثنٰی ہوگا جہاں آنے جانے پر کوئی پابندی نہ ہو اور اس کی اجازت ہو کہ جو چاہے آ جا سکتا ہے۔

نیز خطاب اگرچہ مردوں کو کیا گیا۔ مگر عورتوں کا بھی یہی حکم ہے۔ پھر فرمایا گیا کہ اجازت مانگنے میں کوئی ذلت محسوس نہ کرو۔ وہ تو بہت مفاسد کی جڑ کاٹ دینے کا ایک ذریعہ ہے جو ہر طرح مفید ہی مفید ہے اور اسی طرح اجازت مانگنے پر اگر صاحب مکان اجازت نہ دے تو اس پر کسی ناگواری کا اظہار بھی نہ کرنا چاہئے۔ اسی طرح پر اگر گھر سے تین مرتبہ اجازت مانگنے کے باوجود کوئی جواب نہ ملے تو واپس ہو جانا چاہئے۔ البتہ اگر اس طرح کے مکانات ہوں جس میں کسی خاص شخص کا قیام نہ ہو بلکہ ایسی عمارت ہو کہ جس میں ہر ایک کو داخلہ کی عام اجازت ہو۔ مثلاً مسافر خانہ، مہمان خانہ، دکانیں یا خانقاہیں وغیرہ تو اس طرح کی عمارتوں میں داخلہ کے وقت اجازت لینے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔

عفت و پاکدامنی:........... مومنین اور مومنات کو حکم دیا گیا کہ دنیا میں پاکیزہ زندگی گزارو اور جن چیزوں کو دیکھنا حرام کر دیا گیا ہے اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھو کہ اس میں تمہارے لئے بہتری ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ اس ممانعت میں ہر وہ چیز آ جائے گی جو بدکاری اور ناجائز شہوت رانی کے باعث ہو سکتے ہیں۔ مثلاً شہوت کے ساتھ کسی اجنبی کو دیکھنا، عاشقانہ افسانے اور ڈرامے، اسی طرح سینما اور شہوت انگیز تصویریں وغیرہ۔

اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ آنحضورﷺ نے فرمایا کہ اگر تم چھ چیزوں کی ضمانت دے دو تو میں تمہارے لئے جنت کا ضامن بنتا ہوں۔ ان چھ چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ اپنی نظریں نیچی رکھو اور دوسرے یہ بھی کہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو اور چونکہ بدکاری وغیرہ کے ارتکاب میں انسان اخفاء اور پردہ کا خاص اہتمام رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا گیا کہ تم لاکھ چھپانے کی کوشش کرو، مگر خدا تعالیٰ سے کوئی چیز چھپا نہیں سکتے ہو۔ وہ تمام چیزوں سے واقف اور خبردار ہے۔

اس کے بعد بعض وہ احکامات بیان کئے گئے جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ فرمایا گیا کہ جس طرح مردوں کو حکم ہے کہ وہ اجنبی عورت کو شہوت کے ساتھ نہ دیکھیں اسی طرح عورتوں کو بھی حکم ہے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنے خاوند کے علاوہ کسی دوسرے مرد کو شہوت کی نظر سے نہ دیکھیں۔

حدیث میں بھی ہے کہ آنحضور ﷺ کے پاس حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیٹھی تھیں۔ اسی دوران حضرت ابن مکتوم ؓ تشریف لے آئے۔ آیت پردہ نازل ہو چکی تھی۔ آنحضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ پردہ کرلو۔ جس پر انہوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ وہ تو نابینا ہیں نہ ہمیں دیکھ سکیں گے نہ پہچان سکیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم تو نابینا نہیں ہو کہ انہیں دیکھ نہ سکو گی؟

لہٰذا عورتوں کو خود اپنی عصمت کی حفاظت کرنی چاہئے اور بدکاری سے بچنا چاہئے۔ نیز اپنے جسم کا مکمل پردہ کرنا چاہئے اور ہر اس چیز کا پردہ کرنا چاہئے جو مردوں کے لئے باعث شوق ورغبت ہو سکتی ہیں۔ نیز اپنے دوپٹہ کو اپنے سینہ پر لپیٹے رہیں اور پردہ کا مکمل اہتمام کریں۔ ہاں ان رشتہ داروں کے سامنے کچھ بے پردگی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ مثلاً شوہر، باپ، خسر، بیٹے اور اپنے شوہر کے بیٹوں اور اپنے بھائیوں۔ اسی طرح اپنے بھانجوں یا بہن کے لڑکوں اور اپنی ہم مذہب عورتوں اور اپنی باندیوں اور ان مردوں کے سامنے جو طفیلی ہوں۔

یہ تمام رشتہ دار محرم کہلاتے ہیں۔ یعنی جن سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہو۔ ان کے سامنے بے پردگی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن اس پرفتن دور میں ان سے بھی احتیاط سے کام لینا چاہئے۔

فرمایا گیا کہ جس طرح محرم رشتہ داروں کے سامنے بے پردگی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح مسلمان عورتوں کے سامنے بھی بے پردگی میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ غیر مسلم عورتوں سے بھی احتیاط ہونی چاہئے کیونکہ ممکن ہے کہ یہ غیر مسلم عورتیں اپنے شوہروں سے ان کی خوبصورتی اور حسن کے تذکرے کریں۔ جس کی مسلمان عورتوں سے توقع نہیں۔ کیونکہ اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ کسی عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے مردوں کے سامنے دوسری عورتوں کے تذکرے اس طرح کرے کہ جیسے وہ اسے دیکھ رہا ہو۔

اس وجہ سے عمر فاروق ؓ نے حضرت ابوعبیدہ ؓ کو خط لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض مسلمان عورتیں غیر مسلم عورتوں کے ساتھ حمام میں جایا کرتی ہیں۔ یہ کسی طرح بھی جائز نہیں...... اسی طرح وہ مرد جو گھر میں کام کاج کرتے ہوں اور ان کی قوت شہوانیہ ختم ہو چکی ہو اور جنہیں عورتوں کی طرف التفات نہ ہو ان کا حکم بھی محرم مردوں جیسا ہے۔ یعنی ان کے سامنے اظہار زینت میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر وہ بدگو ہوں اور ان سے برائیوں کے پھیلنے کا اندیشہ ہو تو ان سے بھی احتیاط ہونی چاہئے۔

گویا کہ اسلام نے ان تمام مواقع سے روکا ہے جہاں کسی فتنہ کا اندیشہ ہو اور عورت کو اپنی عفت و پاکدامنی کی حفاظت کی تعلیم دی ہے اور اس سلسلہ میں اس درجہ احتیاط سے کام لیا کہ عورتوں کو اس سے بھی منع کر دیا گیا اتنی زور سے اور پاؤں کو زمین پر مار کر نہ چلیں کہ جس سے ان کے زیورات کی آواز پیدا ہو۔ اور چلنے والے اس کی طرف متوجہ ہوں۔ اسی وجہ سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ ہر وہ آواز اور ہر وہ صورت جو رغبت اور دل کشی کا سبب ہو اور جو مردوں کو عورتوں کی طرف متوجہ کرے۔ وہ ساری صورتیں ممنوع ہوں گی۔

اب آپ سوچئے کہ ایک طرف اسلام نے کس قدر پابندیاں عائد کی ہیں اور فتنہ کے تمام راستوں کو کتنی سختی سے بند کیا ہے اور دوسری طرف اس مہذب اور ترقی یافتہ دور میں طرح طرح کے سریلے باجے اور گانے ہی نہیں بلکہ عورتوں اور مردوں کے مشترک ناچ اور ڈانس کی کتنی آزادیاں ہیں اور جن کے نتائج سب کے سامنے ہیں۔

نکاح کی ترغیب:......... ارشاد ہے کہ تم میں سے جو بغیر بیویوں کے ہوں ان کی شادی کرادیا کرو۔ خواہ وہ غیر شادہ شدہ ہوں یا وفات اور طلاق وغیرہ کی صورت میں ان کی بیویاں نہ رہی ہوں۔ کیونکہ ایم کے معنی میں عورت بلا شوہر یا شوہر بلا عورت کے۔ خواہ سرے

•سے ان کی شادی ہی نہ ہوئی ہو۔ یا وفات وطلاق کی وجہ سے نہ رہی ہو۔ جیسا کہ احادیث میں بھی ارشاد ہے کہ تم میں سے جو نکاح کی قدرت اور وسعت رکھتا ہو اسے چاہئے کہ وہ نکاح کر لے اور جسے اس کی قدرت نہ ہو اسے روزے رکھنے چاہئیں تا کہ اس سے قوت شہوانی کم ہو۔ بعض کی رائے تو یہ ہے کہ جسے نکاح کی قدرت ہو اسے نکاح کرنا واجب ہے۔

پھر فرمایا گیا کہ اپنے غلاموں اور باندیوں کی بھی جو نکاح کے لائق ہوں ان کی شادی کرادینی چاہئے۔ مزید فرمایا گیا کہ اگر چہ وہ تنگ دست اور غریب ہوں، ان کی شادی کرادینی چاہئے۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے انہیں مالدار بنادے گا۔ یہ ارشاد یا تو نکاح و شادی کی طرف رغبت دلانے کے لئے ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ فقر وافلاس کو نکاح کے مانع نہ قرار دینا چاہئے۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ جو سردست فقیر ہے خدا تعالیٰ آئندہ اس کے فقر کو دور کر کے اس کی معاشی حالت درست کر دے۔ نکاح اس مشیت میں مانع نہیں۔ لیکن آیت میں کوئی وعدہ نہیں ہے کہ اہل فقر وافلاس کو نکاح کے بعد یقیناً غنا حاصل ہی ہو جائے گا بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ اگر تمام موافق حالات میسر ہوں تو محض فقر کو نکاح کا مانع قرار نہیں دینا چاہئے۔ ویسے حدیث میں ہے کہ تین قسم کے لوگ وہ ہیں جن کی خدا تعالیٰ مدد فرماتا ہے اور جب وہ اس کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو غیب سے خدا تعالیٰ اس کے انتظامات فرمادیتے ہیں۔ ان میں سے ایک وہ لوگ بھی ہیں جو بدکاری سے بچنے کے لئے نکاح کا ارادہ کر لیں تو ان کے لئے بھی خدا تعالیٰ غیب سے انتظامات فرمادیتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ جو نکاح کی قدرت نہ رکھتا ہو اور سامان نکاح سے بالکل محروم ہو اسے چاہئے کہ صبر سے کام لے اور عفت و پاکدامنی کی حفاظت کے لئے روزے رکھے۔ تا کہ اس سے شہوت کم ہو اور کسی برائی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ رہے۔

اس کے بعد ان لوگوں کو خطاب ہے جو غلاموں کے مالک ہیں۔ ارشاد ہے کہ اگر ان کے غلام ان سے اپنی آزادی کے بارے میں کوئی معاملہ کرنا چاہیں تو انہیں انکار نہیں کرنا چاہئے۔ یہ معاملہ جسے اصطلاح شریعت میں مکاتبت کہا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ غلام اپنے مالک سے کہے کہ میں کما کر تمہیں اتنا مال ادا کر دوں تو میں آزاد ہو جاؤں گا جسے مالک منظور کر لے تو اب تاوقتیکہ غلام مال کتابت ادا نہ کر دے اس وقت تک اگر چہ وہ غلام ہی رہے گا لیکن تجارت وغیرہ کرنے کا اسے اختیار ہوگا۔ اگر وہ اس مقررہ مدت میں متعینہ مال ادا کر دے تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا اور اگر شرط کو پورا نہ کر سکا تو قاضی مکاتبت کو فسخ کرادے گا۔ اسی کے متعلق ارشاد ہے کہ اگر غلام مال کتابت ادا کر کے آزاد ہو جانا چاہے تو اس کی اس درخواست کو منظور کر لینا چاہئے۔ اکثر علماء کی رائے ہے کہ یہ حکم ضروری نہیں ہے بلکہ بطور استحباب کے ہے۔

اسی سے متعلق ایک دوسرا ارشاد ہے کہ اگر غلام اپنے اس مال کتابت کی ادائیگی میں تم سے امداد کا طالب ہو تو اس سے بھی اعراض نہ کرنا چاہئے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ یا تو خدا تعالیٰ نے جو دولت تمہیں عطا کی ہے۔ اس میں سے کچھ غلام کو دے دیا یا یہ کہ اس طے شدہ رقم میں سے کچھ چھوٹ دے دو۔ یہ بھی امداد کی ایک صورت ہے اور اس کا دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ مالک اور دوسرے مسلمان بھی زکوٰۃ سے اس کی امداد کریں تا کہ وہ وقت مقررہ میں طے شدہ رقم ادا کر کے آزادی حاصل کر سکے۔

پھر ارشاد ہے کہ اپنی باندیوں سے زبردستی بدکاریاں نہ کراؤ۔ زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ آقا اپنی باندیوں سے عصمت فروشی کرا کے روپے کمایا کرتے تھے۔ اگر باندی انکار کرتی تو اسے زدوکوب کیا جاتا تھا تو حکم ہوا کہ باندیوں پر یہ ظلم نہ کرو۔ اس طرح کی کمائی بالکل حرام ہے۔ اس لئے اسے چھوڑ دو۔ سورت میں شروع سے بدکرداری کی قباحت اور عفت و پاکدامنی کی تاکید نیز غلاموں اور باندیوں کے نکاح کی تاکید اور باندیوں کی عصمت کے تحفظ کا مضمون سب اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَیْ مُنَوِّرُهُمَا بِالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ **مَثَلُ نُوْرِهٖ** اَیْ صِفَتُهٗ فِیْ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ
كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ هِیَ الْقِنْدِيْلُ وَالْمِصْبَاحُ السِّرَاجُ اَیِ الْفَتِيْلَةُ الْمَوْقُوْدَةُ
وَالْمِشْكٰوةُ الطَّاقَةُ غَيْرُ النَّافِذَةِ اَیِ الْاَنْبُوْبَةِ فِی الْقِنْدِيْلِ **الزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا** وَالنُّوْرُ فِيْهَا **كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ** اَیْ
مُضِیْءٌ بِكَسْرِ الدَّالِ وَضَمِّهَا مِنَ الدَّرْءِ بِمَعْنَى الدَّفْعِ لِدَفْعِهِ الظَّلَامَ وَبِضَمِّهَا وَتَشْدِيْدِ الْيَاءِ مَنْسُوْبٌ اِلَى
الدُّرِّ اللُّؤْلُؤِ **يُوْقَدُ** الْمِصْبَاحُ بِالْمَاضِیْ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِمُضَارِعِ اَوْقَدَ مَبْنِيًّا لِلْمَفْعُوْلِ بِالتَّحْتَانِيَّةِ وَفِیْ اُخْرٰی
بِالْفَوْقَانِيَّةِ اَیِ الزُّجَاجَةُ **مِنْ زَيْتِ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ** بَلْ بَيْنَهُمَا فَلَا يَتَمَكَّنُ
مِنْهَا حَرٌّ وَلَا بَرْدٌ مُضِرَّيْنِ **يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ** لِصَفَائِهٖ **نُوْرٌ** بِهٖ **عَلٰی نُوْرٍ** بِالنَّارِ وَنُوْرُ
اللّٰهِ اَیْ هُدَاهُ لِلْمُؤْمِنِ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرِ الْاِيْمَانِ **يَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ** اَیْ دِيْنِ الْاِسْلَامِ **مَنْ يَّشَآءُ وَيَضْرِبُ**
يُبَيِّنُ **اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ** تَقْرِيْبًا لِاَفْهَامِهِمْ لِيَعْتَبِرُوْا فَيُؤْمِنُوْا **وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ** ﴿۳۵﴾ مِنْهُ ضَرْبُ
الْاَمْثَالِ **فِیْ بُيُوْتٍ** مُتَعَلِّقٌ بِيُسَبِّحُ الْاٰتِیْ **اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ** تُعَظَّمَ **وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ** بِتَوْحِيْدِهٖ **يُسَبِّحُ**
بِفَتْحِ الْمُوَحَّدَةِ وَكَسْرِهَا اَیْ يُصَلِّیْ **لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ** مَصْدَرٌ بِمَعْنَى الْغَدَوَاتِ اَیِ الْبُكَرِ **وَالْاٰصَالِ** ﴿۳۶﴾
الْعَشَايَا مِنْ بَعْدِ الزَّوَالِ **رِجَالٌ** فَاعِلُ يُسَبِّحُ بِكَسْرِ الْبَاءِ وَعَلٰی فَتْحِهَا نَائِبُ الْفَاعِلِ لَهٗ وَرِجَالٌ فَاعِلُ فِعْلٍ
مُقَدَّرٍ جَوَابُ سُؤَالٍ مُقَدَّرٍ كَاَنَّهٗ قِيْلَ مَنْ يُسَبِّحُهٗ **لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ** اَیْ شِرَاءٌ **وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ**
الصَّلٰوةِ حُذِفَ هَاءُ اِقَامَةِ تَخْفِيْفًا **وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ** تَضْطَرِبُ **فِيْهِ الْقُلُوْبُ**
وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ مِنَ الْخَوْفِ الْقُلُوْبُ بَيْنَ النَّجَاةِ وَالْهَلَاكِ وَالْاَبْصَارُ بَيْنَ نَاحِيَتَیِ الْيَمِيْنِ وَالشِّمَالِ هُوَ يَوْمُ
الْقِيٰمَةِ **لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا** اَیْ ثَوَابَهٗ وَاَحْسَنَ بِمَعْنَى حَسَنٍ **وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ**
يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾ يُقَالُ فُلَانٌ يُنْفِقُ بِغَيْرِ حِسَابٍ اَیْ يُوَسِّعُ كَاَنَّهٗ لَا يَحْسِبُ مَا يُنْفِقُهٗ
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ جَمْعُ قَاعٍ اَیْ فِیْ فَلَاةٍ وَهُوَ شُعَاعٌ يُرٰی فِيْهَا نِصْفَ النَّهَارِ
فِیْ شِدَّةِ الْحَرِّ يُشْبِهُ الْمَاءَ الْجَارِیَ **يَّحْسَبُهُ** يَظُنُّهُ **الظَّمْاٰنُ** اَیِ الْعَطْشَانُ **مَآءً حَتّٰٓی اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ**
شَيْئًا مِّمَّا حَسِبَهٗ كَذٰلِكَ الْكَافِرُ يَحْسِبُ اَنَّ عَمَلَهٗ كَصَدَقَةٍ تَنْفَعُهٗ حَتّٰی اِذَا مَاتَ وَقَدِمَ عَلٰی رَبِّهٖ لَمْ يَجِدْ
عَمَلَهٗ اَیْ لَمْ يَنْفَعْهُ **وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ** عِنْدَ عَمَلِهٖ **فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ** اَیْ جَازَاهُ عَلَيْهِ فِی الدُّنْيَا **وَاللّٰهُ سَرِيْعُ**
الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اَیِ الْمُجَازَاةِ **اَوْ** الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَعْمَالُهُمُ السَّيِّئَةُ **كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ** عَمِيْقٍ **يَّغْشٰهُ**
مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ اَیِ الْمَوْجُ **مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ** اَیِ الْمَوْجُ الثَّانِیْ **سَحَابٌ** اَیْ غَيْمٌ هٰذِهٖ **ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا**

فَوۡقَ بَعۡضٍ ظُلۡمَةُ الۡبَحۡرِ وَظُلۡمَةُ الۡمَوۡجِ الۡاَوَّلِ وَظُلۡمَةُ الۡمَوۡجِ الثَّانِي وَظُلۡمَةُ السَّحَابِ **اِذَآ اَخۡرَجَ** النَّاظِرُ **يَدَهٗ** فِي هٰذِهِ الظُّلُمٰتِ **لَمۡ يَكَدۡ يَرٰهَا** اَيۡ لَمۡ يَقۡرُبۡ مِنۡ رُؤۡيَتِهَا **وَمَنۡ لَّمۡ يَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا فَمَا لَهٗ مِنۡ نُّوۡرٍ﴿۴۰﴾** اَيۡ مَنۡ لَّمۡ يَهۡدِهِ اللّٰهُ لَمۡ يَهۡتَدِ

ترجمہ:........... اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے (جس نے ان دونوں کو سورج اور چاند کے ذریعہ منور کر رکھا ہے) اس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک طاق ہے اس میں چراغ ہے اور چراغ قندیل میں ہے۔ قندیل گویا ایک چمکدار ستارہ ہے۔ (دری بمعنی منور۔ دال کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ ماخوذ ہے درء سے معنی دفع کرنا۔ اس وجہ سے کہ یہ تاریکی کو دور کرتا ہے اور دال کے ضمہ اور یا کی تشدید کے ساتھ ہے۔ منسوب الی درموتی کے معنی میں) چراغ روشن کیا جاتا ہے۔ ایک نہایت مفید درخت زیتون سے جو نہ پورب رخ ہے اور نہ پچھم رخ (بلکہ ان کے درمیان ہے۔ اس وجہ سے کہ اس میں نہ مضر رساں سردی پائی جاتی ہے اور نہ گرمی۔ یوقد میں ماضی اور مضارع دونوں قرأت ہیں۔ یا یہ مبنی للمفعول ہے۔ نیز یو قدیا اور تا دونوں سے پڑھا گیا ہے) اس کا تیل ایسا صاف اور سلگنے والا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا۔ اگر چہ آگ اسے نہ بھی چھوئے اور اگر آگ بھی لگ گئی تو پھر نور ہی نور ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے اس نور ہدایت (یعنی دین اسلام) کی طرف جسے چاہتا ہے، ہدایت دے دیتا ہے اور خدا تعالیٰ لوگوں کے لئے یہ مثالیں بیان کرتا ہے (تاکہ جو بات کہنی ہے وہ قریب الفہم ہو جائے اور اس سے فائدہ اٹھا کر لوگ ایمان لے آئیں) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ وہ (ہدایت یافتہ اشخاص) ایسے گھروں میں (عبادت کرتے ہیں) جن کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔ اس میں وہ لوگ صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ (فی بیوت یہ متعلق ہے یسبح کے یسبح کے با کو فتحہ اور کسرہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ غدو مصدر ہے معنی میں صبح کی وقت کے اور اصال سے مراد زوال کے بعد سے غروب تک کا وقت ہے۔ رجال یسبح کا فاعل ہوگا۔ جب باء کو کسرہ پڑھا جائے اور اگر یسبح کے با کو فتحہ پڑھا جائے تو نائب فاعل ہوگا۔ اور رجال فاعل ہو جائے گا۔ فعل مقدر کا جو جواب ہوگا سوال مقدر کا۔ مثلاً اگر سوال کیا جائے کہ من یسبحہ تو جواب ہوگا رجال ایسے لوگ جنہیں اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے نیز ادائیگی زکوٰۃ نہ تجارت غفلت میں ڈالتی ہے اور نہ خرید وفروخت۔ وہ ڈرتے رہتے ہیں۔ ایسے دن سے جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں لٹ جائیں گی (نجات اور ہلاکت کے خوف سے یعنی قیامت کے دن) ان لوگوں کا انجام یہ ہوگا کہ اللہ ان کے اعمال کا ان کو بہت ہی اچھا بدلہ دے گا۔ بلکہ اپنے فضل سے ان کو اور بھی زیادہ دے گا اور خدا تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے چٹیل میدان میں چمکتی ہوئی ریت (قیعۃ جمع ہے قاع کی معنی چٹیل میدان۔ یعنی ایسا میدان کہ جس میں چمکتے ہوئے ریت ہوں جو دوپہر میں سورج کی شعاعوں کے پڑنے سے ایسے معلوم ہوں جیسے پانی ہو کہ) جسے پیاسا آدمی دور سے پانی خیال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اسے کچھ بھی نہ پایا (اور جو کچھ خیال کر رکھا تھا وہ غلط نکلا۔ یہی مثال کافروں کی ہے جو یہ خیال رکھتے ہیں کہ ان کے اعمال ان کو فائدہ پہنچائیں گے۔ لیکن جب وہ دنیا کو چھوڑتے ہیں اور خدا کی حضور میں حاضر ہوتے ہیں تو انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اعمال بے کار اور غیر مفید ثابت ہوئے۔ جو کچھ بھی نفع نہ پہنچا سکے) اور اس کے پاس قضائے الٰہی کو پایا۔ سو اللہ نے ان کا حساب پورا چکا دیا (اور دنیا ہی میں اس کے اعمال کا بدلہ دے دیا) اللہ بہت ہی جلد حساب کر دیتا ہے۔ یا (کفار کے اعمال) جیسے بڑے گہرے سمندر کے اندرونی اندھیرے کو اس کو ایک بڑی موج نے ڈھانپ لیا ہو۔ پھر اس موج کے اوپر ایک اور موج ہو۔ پھر اس کے اوپر بادل ہو۔ غرض اوپر تلے اندھیرے

ہیں۔ (ایک تو گہرے سمندر کی تاریکی، دوسرے موج اول، تیسری موج ثانی اور چوتھے بادل کی تاریکی) اگر کوئی اپنا ہاتھ نکالے (اس تاریکی میں) تو اس کے دیکھنے کا کوئی احتمال نہیں اور جس کو اللہ ہی نور ہدایت نہ دے اس کے لئے کہیں سے نور نہیں (یعنی جس کو اللہ ہدایت نہ دے وہ ہدایت نہیں پا سکتا)۔

تحقیق وترکیب: .... **اللہ نور السمٰوٰت.** نور کو اسم فاعل منوّر کے معنی میں لیا گیا ہے اس لئے کہ نور ایک ایسی کیفیت ہے جس کا بینائی سے ادراک کیا جاتا ہے۔ اس لئے اس کا اطلاق ذات خدا پر نہیں ہو سکتا۔ صحت اطلاق کے لئے اسم فاعل کے معنی میں لینا ضروری ہے۔

کمشکوٰۃ. مضاف محذوف ہے عبارت ہے **کنور مشکوۃ.** مومن کے قلب میں جو علوم ومعارف ہیں انہیں کو نور مشکوٰۃ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ گویا کہ مومن کا سینہ چراغ ہے اور علم ومعرفت اس کی روشنی۔

زیتونۃ. یا یہ بدل ہے یا پھر عطف بیان مبدل منہ **شجرۃ** ہے۔

لاشرقیۃ ولا غربیۃ. یعنی ایسا نہیں ہے کہ کبھی سورج کی شعاعیں اس پر پڑتی ہوں اور کبھی نہ پڑتی ہوں۔ بلکہ ہمیشہ اس پر روشنی پڑتی ہے، جیسا کہ پہاڑ کی چوٹیاں یا کھلے صحرا، جن پر سورج کی کرنیں ہمیشہ پہنچتی رہتی ہیں۔

فی بیوت. اس میں چھ اعراب ہیں۔ پہلی صورت تو یہ ہے کہ یہ صفت ہو **مشکوٰۃ** کی اصل عبارت یہ ہوگی۔ **کمشکوٰۃ فی بیوت.** دوسری صورت یہ ہے کہ یہ صفت ہو **مصباح** کے لئے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ یہ صفت ہو، **زجاجہ** کے لئے اور چوتھی صورت یہ ہے کہ یہ متعلق ہو **توقد** کے۔ ان صورتوں میں بیوت کے اوپر وقف نہیں کیا جائے گا۔ پانچویں صورت یہ ہوگی کہ یہ متعلق ہو محذوف کا۔ اصل عبارت یہ ہوگی **سبحوہ فی بیوت** اور چھٹی صورت یہ ہوگی کہ یہ **یسبح** سے متعلق ہو۔ اصل عبارت ہوگی۔ **یسبح رجال فی بیوت.** آخر کی دو صورتوں میں فی بیوت پر توقف کیا جائے گا۔

یخافون یوماً تتقلب. یا تو یہ صفت ثانی ہوگا۔ **رجال** کے لئے **تلھیھم** کے مفعول سے حال واقع ہوگا اور یوماً مفعول بہ ہوگا۔ ظاہری قول کے مطابق یہ ظرف نہیں ہوگا اور تتقلب صفت ہوگی یوماً کی۔

والذین کفروا اسم موصول مبتداء ہے **کفروا.** اس کا صلہ **اعمالھم** مبتداء ثانی **کسراب** خبر ثانی۔ یہ دونوں جملہ ہو کر پھر خبر ہیں مبتداء اول کی۔

﴿ تشریح ﴾: .... ارشاد ہے کہ اہل آسمان اور اہل زمین یعنی جملہ مخلوقات کو خدا تعالیٰ ہی نور ہدایت بخشنے والا ہے اس کے بعد **مثل نورہٖ** کی ضمیر کا مرجع بعض کے نزدیک تو خود خدا تعالیٰ ہی ہیں۔ یعنی خدا تعالیٰ کی ہدایت جو مومن کے قلب میں ہے اس کی مثال یہ ہے اور بعض کے نزدیک اس کا مرجع مومن ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مومن کے دل کے نور کی مثال مثل طاق کے ہے۔ گویا کہ مومن کے دل کی صفائی کو بلوری فانوس سے تشبیہ دی گئی اور اسے قرآن وحدیث سے جو خارجی مدد ملتی رہتی ہے اسے زیتون کے تیل سے تشبیہ دی گئی جو کہ صاف وشفاف اور چمکیلا ہوتا ہے۔

روغن زیتون اپنی لطافت وصفائی کے لئے عرب میں مشہور ہے۔ زیتون کے بارے میں جو یہ فرمایا گیا کہ یہ نہ پورب رخ ہے نہ پچھم رخ۔ مطلب یہ ہے کہ اس کا فیض شرق وغرب کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کا فیض ہر ایک کے لئے یکساں ہے۔

یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اس کا رخ نہ مشرق کی جانب ہے کہ سورج نکلتے ہی دھوپ پڑنے لگے اور نہ رخ مغرب کی جانب

ہے کہ سورج غروب ہونے سے پہلے اس سے سایہ ہٹ جائے۔ بلکہ وسط میں ہے، جس کی وجہ سے صاف دھوپ اور کھلی ہوا اسے لگتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا تیل بھی پاک وصاف اور روشن ہوتا ہے۔

بہر کیف مومن کے ایمان کو زیتون سے تشبیہ دی گئی جس میں خود اعلیٰ درجہ کے نور کی قابلیت تھی اور اس قدر لطیف گویا بغیر جلائے روشنی دے اور پھر اس کا آگ کی ساتھ اجتماع ہو گیا۔ ان کیفیات کے ساتھ کہ چراغ قندیل میں رکھا ہو۔ جس سے روشنی خود بڑھ جاتی ہے اور پھر وہ ایسے مکان میں رکھا ہو جو ایک طرف سے بند ہے۔ ایسے موقعہ پر شعاعیں ایک جگہ جمع ہو کر روشنی تیز ہو جاتی ہیں۔ اور پھر تیل بھی زیتون کا جو روشنی کی زیادتی میں مشہور ہے۔ تو ان وجوہ کی بناء پر روشنی اس قدر تیز ہو گئی جیسے بہت سی روشنیاں جمع ہو گئی ہوں۔ اسی کو **نور علی نور** فرمایا گیا۔

تو خدا تعالیٰ نے مومن کے دل کی ہدایت کی مثال نور سے دے کر گویا یہ بتانا چاہا کہ مومن کے قلب میں خدا تعالیٰ جب نور ہدایت ڈالتا ہے تو دن بدن اس میں قبول حق کی صلاحیت بڑھتی جاتی ہے اور ہر وقت عمل کے لئے تیار رہتا ہے۔

مومن کے دل کی ہدایت کی مثال نور سے دے کر فرمایا گیا کہ یہ مثالیں اس وجہ سے بیان کی جاتی ہیں تا کہ بات قریب الفہم ہو جائے اور لوگ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔

پھر ارشاد ہوا کہ یہ ہدایت یافتہ اشخاص ان گھروں میں عبادت کرتے ہیں جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب و احترام کیا جائے اور اس میں خدا تعالیٰ کا نام لیا جائے تو یہ حضرات ان گھروں میں صبح وشام خدا تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ اس صبح و شام سے محاورہ میں دوام مراد لیا جاتا ہے۔ گویا کہ یہ ہمیشہ تسبیح وتہلیل ہی میں لگے رہتے ہیں۔

ان ترفع میں رفع کے لفظی معنی تو بلند کرنے کے لئے ہیں۔ لیکن یہاں مادی بلندی مراد نہیں بلکہ معنوی بلندی مراد ہے۔ یعنی ان مساجد کی تعظیم وتکریم۔

پھر فرمایا گیا کہ ان حضرات کو نماز اور ادائیگی زکوٰۃ سے نہ ان کی تجارتیں روکتی ہیں۔ اور نہ خرید وفروخت بلکہ ان تمام دنیاوی کاموں کے ساتھ ساتھ یہ اپنے اس فریضہ کی ادائیگی میں بھی لگے رہتے ہیں۔ یہ دنیوی معاملات میں پڑے رہنے کے باوجود فرائض میں غفلت نہیں کرتے اور نہ ادائیگی حقوق میں سستی برتتے ہیں۔ نیز یہ کمال خشیت وتقویٰ کی وجہ سے احکام خداوندی کے اتنے پابند ہوتے ہوئے بھی ہر وقت روزِ جزا سے ڈرتے رہتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ احسن الجزاء یعنی جنت عطا فرمائے گا۔ اس کے علاوہ خدا تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے جسے جتنا چاہے نواز سکتا ہے۔ اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں۔

مومنین کی مثال بیان کرنے کے بعد کفار کی مثال بیان کی جاتی ہے۔ ان میں دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو ان کافروں کی ہے جو اپنے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے اپنے گمان کے مطابق وہ اعمال صالحہ میں لگے رہے اور ساتھ ہی جزائے آخرت کے امیدوار رہے۔ ان کی مثال تو ایسی ہے جیسے کسی پیاسے کو جنگل میں دور سے ریت کا چمکتا ہوا تو دہ دکھائی دے اور وہ اسے پانی سمجھ بیٹھے۔ جیسا کہ جنگلوں میں دوپہر کے وقت سورج کی تیز روشنی پڑنے سے ریت اس طرح چمکتی ہے جیسے کہ پانی ہو اور شدت پیاس میں جب انسان وہاں تک پہنچتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وہاں پانی کا نام ونشان بھی نہیں تو اس کی حیرت وحسرت کی انتہاء نہیں رہتی ہے۔ اسی طرح یہ کفار سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے بہت کچھ نیک اعمال کئے ہیں۔ لیکن قیامت کے دن ان پر حقیقت حال منکشف ہو گی اور دیکھیں گے کہ ان کے پاس کوئی بھی نیکی نہیں تو ان کی حسرت کی انتہاء نہ رہے گی۔

اور دوسری مثال ان کافروں کی ہے جو سرے سے لامذہب اور ملحد تھے اور جنہیں آخرت کا کوئی تصور بھی نہیں تھا۔ ان کی غایت

ظلمانیت کی مثال گہرے سمندر کی اندھیریوں جیسی ہے جسے اوپر سے تہہ بہ تہہ موجوں نے ڈھانپ رکھا ہے اور اوپر سے ابر چھایا ہوا ہو۔ غرضیکہ تاریکی ہی تاریکی ہے۔ ایک سمندر کی تاریکی اور پھر سطح سمندر کے اوپر موج در موج اور پھر اس پر چھائی ہوئی گھٹائیں۔

تو گویا کہ اپنے اعراض اور سرکشی کی وجہ سے ایسی تاریکیوں میں گھرے ہوئے ہیں کہ ان کا کوئی سہارا نہیں اور انجام کار یہ کہ جسے خدا تعالیٰ اپنے نور کی ہدایت نہ دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور پھر وہ جہالت میں مبتلا رہ کر ہلاکت میں پڑ جاتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمِنَ التَّسْبِيْحِ صَلٰوةٌ **وَالطَّيْرُ** جَمْعُ طَائِرٍ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ **صٰٓفّٰتٍ** حَالٌ بَاسِطَاتٌ اَجْنِحَتِهِنَّ **كُلٌّ قَدْ عَلِمَ** اللّٰهُ **صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾** فِيهِ تَغْلِيبُ العَاقِلِ **وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** خَزَائِنُ الْمَطَرِ وَالرِّزْقِ وَالنَّبَاتِ **وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾** اَلْمَرْجِعُ **اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِىْ سَحَابًا** يَسُوْقُهٗ بِرِفْقٍ **ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ** يَضُمُّ بَعْضَهٗ اِلٰى بَعْضٍ فَيَجْعَلُ الْقِطَعَ الْمُتَفَرِّقَةَ قِطْعَةً وَاحِدَةً **ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا** بَعْضُهٗ فَوْقَ بَعْضٍ **فَتَرَى الْوَدْقَ** الْمَطَرَ **يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ** مَخَارِجِهٖ **وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ** زَائِدَةٌ **جِبَالٍ فِيْهَا** فِى السَّمَاءِ بَدَلٌ بِاِعَادَةِ الْجَارِ **مِنْ بَرَدٍ** اَىْ بَعْضَهٗ **فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ يَكَادُ** يَقْرُبُ **سَنَا بَرْقِهٖ** لَمَعَانُهٗ **يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾** النَّاظِرَةِ لَهٗ اَىْ يَخْطَفُهَا **يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ** اَىْ يَاتِىْ بِكُلٍّ مِنْهُمَا بَدَلَ الْاٰخَرِ **اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ** التَّقْلِيْبِ **لَعِبْرَةً** دَلَالَةً **لِّاُولِى الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾** لِاَصْحَابِ الْبَصَائِرِ عَلٰى قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى **وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ** اَىْ حَيَوَانٍ **مِّنْ مَّآءٍ** اَىْ نُطْفَةٍ **فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى بَطْنِهٖ** كَالْحَيَّاتِ وَالْهَوَامِ **وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى رِجْلَيْنِ** كَالْاِنْسَانِ وَالطَّيْرِ **وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى اَرْبَعٍ** كَالْبَهَائِمِ وَالْاَنْعَامِ **يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ** اَىْ بَيِّنَاتٍ هِىَ الْقُرْاٰنُ **وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ** طَرِيْقٍ **مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾** اَىْ دِيْنِ الْاِسْلَامِ **وَيَقُوْلُوْنَ** اَىِ الْمُنَافِقُوْنَ **اٰمَنَّا** صَدَّقْنَا **بِاللّٰهِ** بِتَوْحِيْدِهٖ **وَبِالرَّسُوْلِ** مُحَمَّدٍ **وَاَطَعْنَا** هُمَا فِيْمَا حَكَمَا بِهٖ **ثُمَّ يَتَوَلّٰى** يُعْرِضُ **فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ** عَنْهُ **وَمَآ اُولٰٓئِكَ** الْمُعْرِضُوْنَ **بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾** اَلْمَعْهُوْدِيْنَ الْمُوَافِقُ قُلُوْبُهُمْ لِاَلْسِنَتِهِمْ **وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ** الْمُبَلِّغِ عَنْهُ **لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾** عَنِ الْمَجِىْءِ اِلَيْهِ **وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾** مُسْرِعِيْنَ طَائِعِيْنَ **اَفِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ** كُفْرٌ **اَمِ ارْتَابُوْٓا** اَىْ شَكُّوْا فِىْ نُبُوَّتِهٖ **اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ** فِى الْحُكْمِ اَىْ يُظْلَمُوْا فِيْهِ لَا **بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾** بِالْاِعْرَاضِ عَنْهُ

ع ۶ ۱۰ ۱۲

ترجمہ: .... کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور پرند بھی جو پر پھیلائے ہوئے ہیں (اور زمین وآسمان کے درمیان پرواز کررہے ہیں) ہر ایک کو اپنی اپنی دعا اور تسبیح معلوم ہے اور خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں اور اللہ ہی کی ملک ہیں زمین اور آسمان (اسی طرح بارشیں اور سبزیوں کا اگانا اور رزق رسانی بھی خدا تعالیٰ ہی کا کام ہے) اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف واپسی ہے۔ کیا تجھے یہ علم نہیں کہ اللہ ایک ایک بادل کو چلاتا رہتا ہے۔ پھر سب کو باہم ملا دیتا ہے (اس طرح چھوٹے چھوٹے ٹکڑے باہم مل کر ایک ٹکڑا بن جاتے ہیں) پھر اس کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے۔ پھر تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس بادل کے بیچ میں سے نکلتی ہے اور پھر اسی بادل سے یعنی اس کے بڑے بڑے حصوں میں سے اولے برساتا ہے، پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ہٹا دیتا ہے اور اس بادل کی بجلی کی چمک کی یہ حالت ہے کہ جیسے اس نے اب بینائی لی (اور آنکھوں کو چکا چوند کر دیتی ہے) اور اللہ تعالیٰ رات کو اور دن کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے (یعنی رات کو دن میں تبدیل کرتا رہتا ہے) اس (الٹ پھیر) میں اہل دانش کے لئے (خدا تعالیٰ کی قدرت پر) بڑا سبق ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نے ہر چلنے والے جانور کو پانی (نطفہ) سے پیدا کیا۔ پھر ان میں سے بعض وہ ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں۔ (مثلاً سانپ اور حشرات الارض وغیرہ) اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں (جیسے انسان اور پرندے وغیرہ) اور بعض وہ ہیں جو چار پیروں سے چلتے ہیں (جیسے چوپائے اور درندے وغیرہ) خدا تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ بے شک ہم نے کھلے ہوئے نشان (یعنی حق کو سمجھانے کے لئے دلائل مثلاً قرآن) نازل کئے اور اللہ جسے چاہے راہ راست (یعنی دین اسلام) کی طرف ہدایت کر دیتا ہے اور یہ (منافق) لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ (کی وحدانیت) اور رسول (کی رسالت) پر ایمان لے آئے اور ان کا (یعنی خدا اور رسول کا) حکم مانا۔ پھر ان میں کا ایک گروہ اس کے بعد سرتابی کر جاتا ہے اور یہ لوگ ہرگز ایمان والے نہیں (اور ان کے قلوب ان کے اقوال کے مطابق نہیں) اور جب یہ (مبلغین کے ذریعہ) اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ رسول ﷺ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو ان میں کا ایک گروہ (آنے سے) پہلو تہی کرتا ہے اور اگر ان کا حق (کسی کی طرف نکلتا) ہے تو سر تسلیم خم کئے ہوئے آپ کے پاس چلے آتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض ہے یا یہ (نبوت کی طرف سے) شک میں پڑے ہوئے ہیں یا ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم نہ کرنے لگیں۔ نہیں بلکہ یہ لوگ تو خود ہی ظالم ہیں (اعراض کر کے)۔

تحقیق وترکیب: .... کل قد علم. ان ضمائر کے بارے میں متعدد صورتیں ہوسکتی ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ کہ یہ تمام ضمائر کل قد علم کی طرف راجع ہوں۔ یہ صورت سب سے زیادہ بہتر ہے۔ اس لئے کہ اس میں سب ضمائر متفق ہو جاتی ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جو ضمیر لہ من فی السموات والارض میں ہے وہ خدا کی طرف لوٹتی ہو اور صلاته و تسبیحه کی ضمیر کل کی طرف لوٹتی ہو اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ ضمیر لہ کی المسبح کی طرف لوٹتی ہے۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ ہر چیز اس تسبیح کے طور و طریق کو جانتی ہے۔ جس کا اسے حکم کیا گیا ہے۔ علم میں جو ضمیر ہے اور صلاته و تسبیحه میں ان کا مرجع کل ہے۔ خدا تعالیٰ نے حیوانات کو بھی تسبیح اسی طرح الہام کی ہے جیسا کہ انسانوں کو علوم کا الہام کیا گیا ہے۔

یؤلف بینهم. یعنی مختلف اجزاء کو جمع کرتا ہے اور اجزاء کے متعدد ہونے کی بناء پر بین کا استعمال صحیح ہے۔ مختلف بادل کے ٹکڑے ایک ٹکڑے کے حکم میں ہیں اور اگر سحاب سحابة کی جمع ہے تو بات صاف ہے۔ کوئی چیز مقدر نہیں ماننا پڑے گی۔

وینزل من السماء من جبال. السماء سے بدل بعض واقع ہو رہا ہے۔ اس صورت میں من زائدہ ہے اور رابطہ دونوں کے درمیان

فیھا ہے۔ یہ بھی امکان ہے کہ جار مجرور یعنی من جبال پہلے جار مجرور یعنی من السماء کا بدل ہو۔ اس صورت میں من ابتدائیہ ہوگا۔

من برد. مصنف نے اس کے بعد بعضہ نکال کر من کے تبعیضیہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ترجمہ یہ ہوگا کہ آسمان میں موجود برفانی پہاڑوں سے کچھ حصہ اتارتا ہے۔ بعض مفسرین نے من کو بیانیہ بھی بنایا ہے اور من ثانیہ کو زائدہ قرار دیا ہے۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ آسمان سے برف کے تودے اتارتے ہیں۔

﴿تشریح﴾:..........ارشاد ہے کہ تمام انسان، جنات، فرشتے، حیوان اور پرندے یہاں تک کہ جمادات بھی خدا تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ہیں۔ جو جو تسبیح ان کے مناسب تھیں وہ انہیں سکھا دیں اور ان کی عبادت کے جداگانہ طریقے مقرر فرمادیئے۔ عبدیت کے بیان کے موقعہ پر پرندوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر ممکن ہے۔ اس مصلحت کی بنیاد پر کہ جاہلی قوموں میں پرندہ پرستی سب سے زیادہ پھیلتی رہی ہے اور باز، طوطے، نیل کنٹھ اور نہ معلوم کتنے پرندے پوجے جاچکے ہیں۔

خدا تعالیٰ پر کوئی کام مخفی نہیں۔ وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کو جو دلالتوں کے باوجود ایمان سے اعراض وانکار میں لگے ہوئے ہیں ان کو وہ وقت مناسب پر سزا دے کر رہے گا۔ حاکم ومتصرف اور تمام کائنات کے مالک صرف خدا تعالیٰ ہی ہیں اور قیامت کے دن سب کو انہیں کی طرف لوٹنا ہے۔ اس وقت خدا تعالیٰ کی ملکیت اور حاکمیت یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

یہ بادل جو شروع میں دھوئیں کی شکل میں ہوتے ہیں، پھر وہ سب مل کر ایک جسم بن جاتے ہیں اور ایک دوسرے پر جم جاتے ہیں۔ پھر ان سے بارشیں برستی ہیں۔ جس کے نتیجہ میں زمین قابل کاشت ہوجاتی ہے اور اسی بال سے اولے بھی برساتے ہیں۔ تو ایک مناسب وقت پر مناسب موسم پر ابر کو پیدا کرنا مناسب بلندی پر لے جانا۔ ہوا میں ان کے مناسب تغیر پیدا کرنا اور ابر کے منتشر ٹکڑوں کو یکجا جمع کر کے ان کو گھنگھور گھٹا کی شکل میں تبدیل کر دینا اور پھر ایک مناسب مقدار میں بارشیں برسانا۔ یہ سب کام اسی صانع مطلق کے ہیں۔ غرض یہ کہ خدا تعالیٰ اپنی مشیت تکوینی کے یہ عجیب وغریب مناظر ہر وقت دکھاتا رہتا ہے۔ مگر اسے دیکھنے کے لئے بصیرت وبصارت سے بھرپور آنکھیں ہونی چاہئیں۔

اور پھر اسی بادل سے خدا تعالیٰ اولے بھی برساتا ہے اور جسے چاہتا ہے اپنی مشیت کے مطابق جان ومال کو نقصان پہنچا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس کے جان ومال کو اس کی تباہی وبربادی سے محفوظ کر دیتا ہے۔

پھر بجلی کی چمک کی قوت کے بارے میں ارشاد ہے کہ اس کی چمک اتنی تیز ہے کہ جیسے آنکھوں کی روشنی کھودے گی۔ دن اور رات کا تصرف بھی اسی کے قبضہ میں ہے۔ کبھی رات کو بڑی اور دن کو چھوٹا اور کبھی دن کو بڑا اور رات کو چھوٹی کر دیتا ہے۔ اسی طرح دن ختم کر کے رات اور رات کی تاریکی سے صبح کا نور پھیلا دیتا ہے۔ یہ سب کے سب خدا تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ جس میں صاحب عقل ودانش کے لئے بہت سی دلیلیں موجود ہیں۔

پھر خدا تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا مزید بیان فرماتے ہیں کہ اس نے طرح طرح کی مخلوق پیدا فرمادی۔ بعض وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلنے والے ہیں۔ جیسے سانپ اور دیگر حشرات الارض اور بعض وہ ہیں جو دو پیروں پر چلنے والے ہیں جیسے انسان اور پرندے وغیرہ۔ اسی طرح بعض ایسے جانور پیدا کئے جو چار پیروں پر چلنے والے ہیں جیسے حیوان اور چوپائے وغیرہ۔ خدا تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے جس طرح کا چاہے جانور پیدا فرمادے۔

یہ پر راز حکمت احکام اور یہ واضح مثالیں خدا تعالیٰ نے اسی لئے بیان فرمائی ہیں۔ تاکہ صاحب عقل اور حق کے متلاشی اس سے راہ راست پر آسکیں۔

اس کے بعد منافقین کے احوال بیان کئے جاتے ہیں کہ یہ لوگ زبان سے تو ایمان اور اطاعت کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن دل میں اس کے خلاف بات ہوتی ہے اور ان کا عمل ان کے قول کے خلاف ہوتا ہے۔ انہیں جب ان کے جھگڑوں اور قضیوں کے فیصلہ کے لئے آنحضور ﷺ کی خدمت میں بلایا جاتا ہے۔ تو یہ لوگ یہ سمجھ کر کہ وہاں تو فیصلہ تمام تر حق و انصاف کے مطابق ہوگا۔ اس وجہ سے وہاں جانے میں ٹال مٹول کرتے ہیں اور اگر خود ان کا حق کسی کے ذمہ نکلتا ہے اور یہ مظلوم ہوتے ہیں تو پھر یہ بے تکلف وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ مگر چونکہ یہ خود ظالم ہوتے ہیں اس لئے ان مقدمات کو آنحضور ﷺ کی عدالت میں لانے سے پہلو بچاتے ہیں۔ لہٰذا ان کا ایمان سے کوئی واسطہ نہیں بلکہ یہ کفر میں مبتلا ہیں۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَیْ بِالْقَوْلِ اللَّائِقِ بِهِمْ **اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا** بِالْاِجَابَةِ **وَاُولٰٓئِكَ** حِيْنَئِذٍ **هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿۵۱﴾** اَلنَّاجُوْنَ **وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَى اللّٰهَ** يَخَافَهُ **وَيَتَّقْهِ** بِسُكُوْنِ الْهَاءِ وَكَسْرِهَا بِاَنْ يُطِيْعَهُ **فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴿۵۲﴾** بِالْجَنَّةِ **وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ** غَايَتَهَا **لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ** بِالْجِهَادِ **لَيَخْرُجُنَّ قُلْ** لَهُمْ **لَّا تُقْسِمُوْا طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ** لِلنَّبِيِّ خَيْرٌ مِنْ قَسَمِكُمُ الَّذِيْ لَا تَصْدُقُوْنَ فِيْهِ **اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴿۵۳﴾** مِنْ طَاعَتِكُمْ بِالْقَوْلِ وَمُخَالَفَتِكُمْ بِالْفِعْلِ **قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا** عَنْ طَاعَتِهِ بِحَذْفِ اِحْدَى التَّائَيْنِ خِطَابٌ لَهُمْ **فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ** مِنَ التَّبْلِيْغِ **وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ** مِنْ طَاعَتِهِ **وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴿۵۴﴾** اَیِ التَّبْلِيْغُ الْبَيِّنُ **وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ** بَدَلًا عَنِ الْكُفَّارِ **كَمَا اسْتَخْلَفَ** بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ **الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ بَدَلًا عَنِ الْجَبَابِرَةِ **وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ** وَهُوَ الْاِسْلَامُ بِاَنْ يُظْهِرَهُ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَدْيَانِ وَيُوَسِّعُ لَهُمْ فِي الْبِلَادِ فَيَمْلِكُوْهَا **وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ** مِنَ الْكُفَّارِ **اَمْنًا** وَقَدْ اَنْجَزَ اللّٰهُ وَعْدَهُ لَهُمْ بِمَا ذَكَرَهُ وَاَثْنٰى عَلَيْهِمْ بِقَوْلِهٖ **يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا** هُوَ مُسْتَانِفٌ فِيْ حُكْمِ التَّعْلِيْلِ **وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ** الْاِنْعَامِ مِنْهُمْ بِهٖ **فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴿۵۵﴾** وَاَوَّلُ مَنْ كَفَرَ بِهٖ قَتَلَةُ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَصَارُوْا يَقْتَتِلُوْنَ بَعْدَ اَنْ كَانُوْا اِخْوَانًا **وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴿۵۶﴾** اَیْ رَجَاءَ الرَّحْمَةِ **لَا تَحْسَبَنَّ** بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَالتَّحْتَانِيَّةِ وَالْفَاعِلُ الرَّسُوْلُ **الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ** لَنَا **فِي الْاَرْضِ** بِاَنْ يَفُوْتُوْنَا **وَمَاْوٰىهُمْ** مَرْجِعُهُمُ **النَّارُ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴿۵۷﴾** اَلْمَرْجِعُ هِيَ

ع ۱۲

ترجمہ:............ مسلمانوں کا قول تو یہ ہے کہ جب وہ بلائے جاتے ہیں (کسی مقدمہ میں) اللہ اور اس کے رسول کی طرف تا کہ ان کے درمیان فیصلہ کردیں تو وہ کہہ اٹھتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور (اس کو) مان لیا تو ایسے ہی لوگ فلاح یاب ہیں اور جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانے گا اور اللہ سے ڈرے گا اور اس کی نافرمانی سے بچے گا تو بس ایسے ہی لوگ بامراد ہوں گے۔ (یتقہ میں ھا کا کسرہ اور سکون دونوں قرأت ہیں) اور یہ لوگ بڑے زور سے اللہ کی قسمیں کھاتے رہتے ہیں کہ اگر آپ ہمیں حکم دیں (جہاد کا) تو ہم ابھی نکل پڑیں۔ آپ کہئے کہ بس قسمیں نہ کھاؤ۔ تمہاری فرمانبرداری کی حقیقت معلوم ہے (اس لئے تمہارا اظہار فرمانبرداری نہ کرنا زیادہ بہتر ہے اس سے کہ تم قسمیں کھاؤ۔ اور اسے پورا نہ کرو) خدا تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے (کہ تم قولاً تو اظہار وفاداری کرتے ہو اور عملاً اس کے خلاف معاملہ ہوتا ہے) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر روگردانی کرو گے (اطاعت سے تولوا اصل میں تتولوا تھا ایک تا کو حذف کردیا گیا ہے۔ خطاب ان منافقین سے ہے) تو سمجھ لو کہ رسول کے ذمہ اسی قدر ہے (یعنی تبلیغ) جس کا بار ان پر رکھا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کا تم پر بار رکھا گیا ہے (یعنی اطاعت) اور اگر تم نے ان کی اطاعت کرلی تو راہ پر جالگو گے اور رسول کے ذمہ تو صاف پہنچا دینا ہے (اور تبلیغ کردینا) تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ وعدہ کرتا ہے کہ (کفار کے بجائے) انہیں زمین میں حکومت عطا کرے گا۔ جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو (یعنی ظالم قوموں کے بجائے بنی اسرائیل کو) حکومت دے چکا ہے اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے ان کو ان کے واسطے قوت دے گا (وہ دین، دین اسلام ہے۔ اس کی قوت کی صورت یہ ہوگی کہ اسے دوسرے ادیان پر غلبہ عطا فرمائے گا اور تمام ممالک میں اسے پھیلا دے گا۔ جس کے نتیجہ میں یہ ممالک ان کے زیر اقتدار آ جائیں گے) اور ان کے خوف کے بعد اس کو امن میں تبدیل کردے گا۔ بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں اور کسی کو میرا شریک نہ بنائیں (یہ جملہ مستانفہ ہے اور گویا کہ ماقبل کے لئے علت ہے) اور جو شخص اس (انعام واکرام) کے بعد بھی کفر کرے گا سو ایسے ہی لوگ تو نافرمان ہیں (اس وعدہ کے باوجود سب سے پہلے اس کی خلاف ورزی کرنے والے وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ پر چڑھائی کی اور پھر اس کے بعد برادر کشی کا سلسلہ شروع ہوگیا) اور نماز کی پابندی رکھو۔ زکوٰۃ دیتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو تا کہ تم پر رحمت (کامل) کی جائے۔ جو لوگ کافر ہیں ان کے متعلق یہ خیال نہ کرنا کہ وہ زمین میں ہمیں ہرادیں گے (یحسبن میں یا اور تا دونوں قرأت ہیں۔ اور یحسبن کے فاعل آنحضور ﷺ ہیں) اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

تحقیق وترکیب:............ انما کان قول. عام رائے یہ ہے کہ قول کان کی خبر ہونے کی بناء پر منصوب ہے اور اس کا اسم ان مصدریہ اور اس کے مابعد والی عبارت ہے۔ بعض مفسرین قول کو مرفوع بھی پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں یہ اسم ہوگا اور ان مصدریہ کے مابعد والی عبارت اس کی خبر۔

یتقہ. ھا کا سکون اور قاف مکسورہ پڑھا گیا ہے۔ اکثر قراء دونوں کو مکسور پڑھتے ہیں۔

جھد ایمانھم. جہد مفعول مطلق ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مصدریت کی بناء پر منصوب ہو۔ اصل عبارت اقسم باللہ جھد الیمین جھدا ہو۔ فعل یعنی جھد حذف کردیا گیا اور مصدر کو مقدر کردیا گیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ حال ہو۔ اصل عبارت ہے مجتھدین فی ایمانھم.

طاعۃ معروفۃ. اس کے بعد مصنفؒ نے خیر من قسمکم کی عبارت مقدر مان کر اشارہ کیا ہے کہ یہ مبتداء موصوف ہے۔ جس کی خبر محذوف ہے اور یہ بھی امکان ہے کہ اصل عبارت یہ ہو امر کم ای الذی یطلب منکم طاعۃ معروفۃ. یعنی ہم تم سے جو

چیز چاہتے ہیں وہ متعارف طاعت ہے۔

منکم. اس میں من تبعیضیہ ہے جو اپنے مجرور کے ساتھ مل کر صلہ ہے الذین کا۔

لایشرکون بی شیاء. جملہ مستانفہ ہے اور اس میں چند اعرابی صورتیں ہیں کہ یہ سوال مقدر کا جواب ہو یا مبتداء مقدر کی خبر ہو۔ وعداللّٰہ کے مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے۔لیستخلفنھم کے مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے یا اسی کے فاعل سے لیبدلنھم کے مفعول سے حال واقع ہو رہا ہو یا پھر اسی کے فاعل سے۔

لایحسبن. یحسبن اور تحسبن دونوں ہوسکتا ہے۔دونوں صورتوں میں رسول فاعل ہوگا اور الذین کفروا اور اس کا مابعد اس کا مفعول۔

﴿تشریح﴾: ....منافقین کے تذکرہ کے بعد اب مومنین کا ذکر ہے کہ یہ لوگ قرآن وحدیث کے احکام کی کامل ومکمل پابندی کرتے ہیں اور اس پر فوراً لبیک کہتے ہیں۔ان کا عمل ان کے قول کے مطابق ہوتا ہے۔اس کی خلاف ورزی کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتے۔ تو ایسے ہی لوگ کامیاب وبامراد ہیں اور جو شخص خدا اور رسول کا فرمانبردار بن جائے جو حکم ملے اسے بجالائے اور جن چیزوں سے روکا جائے اس سے باز رہے وہ دنیا وآخرت میں فلاح یاب ہیں۔ان کے مقابل میں پھر انہیں منافقین کا تذکرہ ہے کہ وہ آنحضور ﷺ کے پاس آکر خیر خواہی اور وفاداری کرتے ہیں اور قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتے ہیں کہ ہم جہاد کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔صرف آپ کے حکم کی تاخیر ہے۔حکم ملتے ہی بال بچوں کو چھوڑ کر میدان جنگ میں پہنچ جائیں گے۔اس پر ارشاد خداوندی ہے کہ قسمیں نہ کھاؤ۔تمہاری اطاعت وفرمانبرداری کی حقیقت خوب اچھی طرح معلوم ہے۔زبانی دعوؤں سے کچھ نہیں ہوتا۔مخلصانہ عمل کی ضرورت ہے۔تم کچھ بھی ظاہر کرتے رہو۔خدا تعالیٰ تمام چیزوں سے واقف ہے۔

ارشاد ہے کہ خدا اور اس کے رسول کی اتباع کرو۔اگر تم نے اس سے روگردانی کی تو اس کا وبال تمہارے سروں پر ہے۔کیونکہ نبی کے ذمہ تو صرف پیغام خداوندی کو لوگوں تک پہنچا دینا تھا۔سو وہ تبلیغ کے فرائض کو پوری طرح ادا کرچکے۔اب اس پر عمل کرنا نہ کرنا تمہارا کام ہے۔اور ہدایت صرف اطاعت رسول میں ہے کیونکہ صراط مستقیم کا داعی وہی ہے اور احکام خداوندی ومرضیات الٰہی کے علم کا بندوں کے پاس سوائے وساطت رسول کے اور کوئی راستہ نہیں۔رسول کا کام تو صرف بندوں تک پہنچا دینا تھا۔زبردستی کسی کو ہدایت پر مجبور کرنا اس کا کام نہیں۔

پھر آنحضور ﷺ کو خطاب ہے کہ آپ کی امت کو حکومت وسلطنت عطا کی جائے گی۔ممالک پر ان کا قبضہ ہوگا۔آج یہ کفار سے لرزاں وترساں ہیں۔آئندہ کل میں حکومت ان کی ہوگی۔یہ اطمینان وسکون کی زندگی گزاریں گے۔جیسا کہ ان سے پہلے جالوت اور دوسری ظالم قوموں کے مقابل میں طالوت کو حکومت ملی اور اسی طرح سرکش ونافرمان قوم عمالقہ کے مقابلہ میں بنو اسرائیل کو حکومت دی گئی۔

ارشاد ہے کہ جو قوم بھی ایمان ومقتضیات ایمان پر عمل کرے گی اسے خدا تعالیٰ ایسے ہی غلبہ عطا فرماتے ہیں۔یہ پیشین گوئی صحیح اور درست ہوکر رہی کہ خیبر، جزیرہ عرب اور یمن وغیرہ تو خود آنحضور ﷺ کے دور میں ہی فتح ہوچکے تھے اور آپ ﷺ کے بعد بھی فتوحات کا یہ سلسلہ جاری رہا اور شام، مصر، اندلس، قبرص اور یہاں تک کہ چین تک یہ فتوحات حاصل ہوئیں اور اقصائے مشرق سے انتہائے مغرب تک یہ دین پھیل گیا۔اس آیت کی وضاحت کے وقت اس کا زمانہ نزول ذہن میں ضرور ہے۔جبکہ مسلمان تمام تر حالت مغلوبیت میں تھے۔آنحضور ﷺ کی تکذیب کی جارہی تھی۔مسلمان ہر وقت خائف وپریشان رہتے تھے۔اس وقت یہ حکومت ارضی کی پیشین گوئی صحیح

ثابت ہوئی اور فتوحات کا یہ سلسلہ قائم ہوا۔ لیکن اس حکومت وسلطنت کے حصول کے لئے شرط یہ تھی کہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے رہیں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔

اور جب تک یہ بات رہی اس وقت تک مسلمانوں کا غلبہ واقتدار قائم رہا اور ان کی سلطنتیں قائم رہیں اور جوں جوں ایمان کمزور ہوتا گیا یہ دنیوی سلطنت اور شان وشوکت بھی جاتی رہی۔ اور آج مسلمانوں کی بدحالی وپستی کی یہی وجہ ہے۔ اسی کو فرمایا گیا کہ اس وعدۂ حکومت ارضی کے پورا ہونے کے باوجود جو کوئی کفر کرے گا وہ نافرمان وسرکش ہوگا اور ایسے لوگوں سے حکومت ارضی کا کوئی وعدہ نہیں۔

اسی مضمون کی تاکید کے لئے مزید ارشاد ہے کہ نمازوں کی پابندی کرو۔ غریبوں اور مسکینوں کی خبر گیری رکھو اور اپنے مال میں سے ان فقراء کے لئے بھی خدا کے نام پر کچھ نکالو اور ہر چیز میں خدا اور خدا کے رسول کی اطاعت کرو۔ یہی طریقہ خدا کی رحمت کے حاصل کرنے کا ہے۔

آنحضور ﷺ سے فرمایا گیا کہ آپ یہ گمان نہ کریں کہ آپ کو جھٹلانے والے یا آپ کو نہ ماننے والے ہم پر غالب آجائیں گے یا ادھر ادھر بھاگ کر ہمارے عذاب اور ہماری گرفت سے بچ جائیں گے۔ ہم نے ان کا ٹھکانہ جہنم مقرر کر دیا ہے اور یہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِنَ الْعَبِيْدِ وَالْاِمَاءِ **وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ** مِنَ الْاَحْرَارِ وَعَرَفُوْا اَمْرَ النِّسَاءِ **ثَلٰثَ مَرّٰتٍ** فِيْ ثَلٰثَةِ اَوْقَاتٍ **مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ** اَيْ وَقْتِ الظُّهْرِ **وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ** بِالرَّفْعِ خَبَرُ مُبْتَدَأٍ مُقَدَّرٍ بَعْدَهُ مُضَافٌ وَقَامَ الْمُضَافُ اِلَيْهِ مَقَامَهُ اَيْ هِيَ اَوْقَاتٌ وَبِالنَّصْبِ بِتَقْدِيْرِ اَوْقَاتٍ مَنْصُوْبًا بَدَلًا مِنْ مَحَلِّ مَاقَبْلَهُ قَامَ الْمُضَافُ اِلَيْهِ مَقَامَهُ وَهِيَ لِاِلْقَاءِ الثِّيَابِ فِيْهَا تَبْدُوْ فِيْهَا الْعَوْرَاتُ **لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ** اَيِ الْمَمَالِيْكِ وَالصِّبْيَانِ **جُنَاحٌ** فِي الدُّخُوْلِ عَلَيْكُمْ بِغَيْرِ اِسْتِيْذَانٍ **بَعْدَهُنَّ** اَيْ بَعْدَ الْاَوْقَاتِ الثَّلٰثَةِ هُمْ **طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ** لِلْخِدْمَةِ **بَعْضُكُمْ** طَائِفٌ **عَلٰى بَعْضٍ** وَالْجُمْلَةُ مُؤَكِّدَةٌ لِمَا قَبْلَهَا **كَذٰلِكَ** كَمَا بَيَّنَ مَا ذُكِرَ **يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ** اَيِ الْاَحْكَامَ **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ** بِاُمُوْرِ خَلْقِهِ **حَكِيْمٌ﴿۵۸﴾** بِمَا دَبَّرَهُ لَهُمْ وَاٰيَةُ الْاِسْتِيْذَانِ قِيْلَ مَنْسُوْخَةٌ وَقِيْلَ لَا وَلٰكِنْ تَهَاوَنَ النَّاسُ فِيْ تَرْكِ الْاِسْتِيْذَانِ **وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمْ** اَيُّهَا الْاَحْرَارُ **الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا** فِيْ جَمِيْعِ الْاَوْقَاتِ **كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** اَيِ الْاَحْرَارُ الْكِبَارُ **كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴿۵۹﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ** قَعَدْنَ عَنِ الْحَيْضِ وَالْوَلَدِ لِكِبَرِهِنَّ **الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا** لِذٰلِكَ **فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ** مِنَ الْجِلْبَابِ وَالرِّدَاءِ وَالْقِنَاعِ فَوْقَ الْخِمَارِ **غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ** مُظْهِرَاتٍ **بِزِيْنَةٍ** خَفِيَّةٍ كَقِلَادَةٍ وَسِوَارٍ وَخَلْخَالٍ **وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ** بِاَنْ لَا يَضَعْنَهَا **خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ** لِقَوْلِكُمْ **عَلِيْمٌ﴿۶۰﴾**

بِمَا فِیْ قُلُوْبِکُمْ **لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ** فِی مَوَاکِلَةِ مُقَابِلِیْهِم **وَّلَا** حَرَجَ **عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَنْ تَاْکُلُوْا مِنْۢ بُیُوْتِکُمْ** اَیْ بُیُوْتِ اَوْلَادِکُمْ **اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآئِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اُمَّهٰتِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخَوٰتِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَعْمَامِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ عَمّٰتِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخْوَالِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ خٰلٰتِکُمْ اَوْ مَا مَلَکْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ** اَیْ خَزَنْتُمُوْهُ لِغَیْرِکُمْ **اَوْ صَدِیْقِکُمْ ط** وَهُوَ مَنْ صَدَّقَکُمْ فِیْ مَوَدَّتِهٖ الْمَعْنٰی یَجُوْزُ الْاَکْلُ مِنْ بُیُوْتِ مَنْ ذُکِرَ وَاِنْ لَّمْ یَحْضُرُوْا اَیْ اِذَا عَلِمَ رِضَاءَ هُمْ بِهٖ **لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْکُلُوْا جَمِیْعًا** مُجْتَمِعِیْنَ **اَوْ اَشْتَاتًا ط** مُتَفَرِّقِیْنَ جَمْعُ شَتٍّ نَزَلَ فِیْمَنْ تَحَرَّجَ اَنْ یَّاْکُلَ وَحْدَهٗ وَاِذَا لَمْ یَجِدْ مَنْ یُّوَاکِلُهٗ یَتْرُکُ الْاَکْلَ **فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا** لَکُمْ لَا اَهْلَ فِیْهَا **فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ** اَیْ قُوْلُوْا اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ فَاِنَّ الْمَلَآئِکَةَ تَرُدُّ عَلَیْکُمْ وَاِنْ کَانَ بِهَا اَهْلٌ فَسَلِّمُوْا عَلَیْهِمْ **تَحِیَّةً** مَصْدَرُ حَیِّ **مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَکَةً طَیِّبَةً ط** مُثَابٌ عَلَیْهَا **کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ** اَیْ یُفَصِّلُ لَکُمْ مَعَالِمَ دِیْنِکُمْ **لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ع ﴿۶۱﴾** لِکَیْ تَفْهَمُوْا ذٰلِکَ **اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا کَانُوْا مَعَهٗ** اَیِ الرَّسُوْلِ **عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ** کَخُطْبَةِ الْجُمُعَةِ **لَّمْ یَذْهَبُوْا** لِعُرُوْضِ عُذْرٍ لَهُمْ **حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْهُ ط اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَکَ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ج فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْکَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ** اَمْرِهِمْ **فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ** بِالْاِنْصِرَافِ **وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۶۲﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا ط** بِاَنْ تَقُوْلُوْا یَا مُحَمَّدُ بَلْ قُوْلُوْا یَا نَبِیَّ اللّٰهِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِیْ لِیْنٍ وَّتَوَاضُعٍ وَّخَفْضِ صَوْتٍ **قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْکُمْ لِوَاذًا ج** اَیْ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْمَسْجِدِ فِی الْخُطْبَةِ مِنْ غَیْرِ اِسْتِیْذَانٍ خُفْیَةً مُسْتَتِرِیْنَ بِشَیْءٍ وَقَدْ لِلتَّحْقِیْقِ **فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ** اَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ **اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ** بَلَاءٌ **اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۶۳﴾** فِی الْاٰخِرَةِ **اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط** مُلْکًا وَّخَلْقًا وَّعَبِیْدًا **قَدْ یَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ** اَیُّهَا الْمُکَلَّفُوْنَ **عَلَیْهِ ط** مِنَ الْاِیْمَانِ وَالنِّفَاقِ **وَیَعْلَمُ یَوْمَ یُرْجَعُوْنَ اِلَیْهِ** فِیْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ اَیْ مَتٰی یَکُوْنُ **فَیُنَبِّئُهُمْ** فِیْهِ **بِمَا عَمِلُوْا ط** مِنَ الْخَیْرِ وَالشَّرِّ **وَاللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ** مِنْ اَعْمَالِهِمْ وَغَیْرِهَا **عَلِیْمٌ ع ﴿۶۴﴾**

ع ۸ / ۱۴ — ع ۳ / ۹ / ۱۵

ترجمہ: .... اے ایمان والو! تمہارے مملوکوں کو اور تم میں جولڑکے حد بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں (لیکن عورتوں سے دلچسپی لینے لگے

ہیں اوران کے مسائل سے واقف ہو چکے ہیں) ان کوتم سے تین وقتوں میں اجازت لینا چاہئے۔ ایک نماز صبح سے پہلے، دوسرے دوپہر کو جب اپنے کپڑے کواتار دیا کرتے ہواور تیسرے نماز عشاء کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے پردہ کے ہیں (ثلث مرفوع ہے مبتداء مقدر کی خبر ہونے کی بناء پر اس مبتداء کے بعد ایک مضاف ہے۔ مضاف الیہ یعنی ثلث۔ اس مقدر مضاف کے قائم مقام کیا گیا۔ عبارت اس طرح ہے۔ ھی اوقات ثلث عورۃ یا ثلث منصوب ہے اور لفظ اوقات مقدر ہے جو محلاً منصوب ہے بدل ہونے کی بناء پر مضاف الیہ قائم مقام مضاف ہے۔ اب عبارت یوں ہوگی۔ تلک الاوقات الثلثة لالقاء الثیاب فیھا من الجسد ان اوقات کے سوانہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ ان (مملوکوں) پر (بغیر جازت کے داخل ہونے پر) وہ (ان تینوں اوقات کے علاوہ) بکثرت آتے جاتے رہتے ہیں۔ کوئی کسی کے پاس (خدمت کے لئے) اسی طرح پر خدا تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے (لوگوں کے امور کو) حکمت والا ہے (اوراپنی اسی حکمت کے مطابق لوگوں کو یہ تدبیر بتائی۔ یہ آیت جس میں بغیر اجازت کے داخلہ کوممنوع قرار دیا گیا ہے۔ بعضوں کی رائے ہے کہ یہ منسوخ ہو چکی ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم ابھی باقی ہے۔ لیکن خودلوگوں نے اجازت لینے میں سستی کررکھی ہے) اور جب تم میں کے لڑکے بلوغ کو پہنچ جائیں تو انہیں بھی (تمام اوقات میں) اجازت لینی چاہئے۔ جیسا کہ ان سے اگلے لوگ (یعنی وہ لوگ جو بالغ ہیں) اجازت لیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تم سے احکام صاف صاف بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جاننے والا، حکمت والا ہے اور بڑی بوڑھیاں (جنہیں حیض کا آنا بند ہو گیا اور پیدائش اولاد کا سلسلہ رک چکا ہے) جن کو نکاح کی امید نہ رہی ہو، ان کو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے زائد کپڑے (مثلاً پردہ، چادر اور سر پر ڈالنے والا رومال) اتار رکھیں۔ بشرطیکہ زینت کو دکھلانے والیاں نہ ہوں۔ اوراگر (اس اجازت کے باوجود اس سے بھی) احتیاط رکھیں تو ان کے حق میں اور بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ (سب کچھ) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے۔ نہ اندھے آدمی کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے آدمی کے لئے کچھ مضائقہ، اور نہ بیمار کے لئے کچھ مضائقہ اور نہ خود تمہارے لئے اس میں کچھ مضائقہ کہ تم اپنے گھروں سے (یعنی اپنی اولاد کے گھروں سے) کھانا کھالو۔ یا اپنے باپ کے گھر سے یا اپنی ماں کے گھر سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے (مطلوب یہ ہے کہ ان مذکورہ گھروں سے بغیر ان کی اجازت کے ان کی عدم موجودگی میں بھی کھا سکتے ہو۔ کیونکہ ان گھروں میں عموماً اجازت حاصل ہی ہوتی ہے) تم پر (اس میں بھی) کوئی الزام نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ (اشتاتاً جمع ہے شت کی۔ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو تنہا کھانے میں دشواری محسوس کرتے تھے اور جب تک کوئی دوسرا ساتھ کھانے والا نہ ہوتا تو کھانا چھوڑ دیتے) پھر جب گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے لوگوں کو سلام کرلیا کرو (دوسرا ترجمہ۔ جب گھر میں داخل ہونے لگو اور وہاں کوئی موجود نہ ہو تو اپنے اوپر سلام کرلیا کرو اور کہو کہ السلام علینا وعلٰی عباداللّٰہ الصالحین. اور اگر گھر میں کوئی موجود ہو تو انہیں سلام کرلیا کرو) جو کہ دعا کے طور پر ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے اور برکت والی عمدہ چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ تم سے کھول کر اسی طرح احکام بیان کرتا ہے تا کہ تم سمجھو۔ پس مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے مجمع کیا گیا ہے (جیسے خطبہ جمعہ وغیرہ کے لئے) اور اتفاقاً وہاں سے جانے کی ضرورت پڑتی ہے تو جب تک اجازت نہیں لے لیتے نہیں جاتے۔ بے شک جو لوگ آپ سے (ایسے موقعہ پر) اجازت لیتے ہیں تو وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ تو جب (اہل ایمان) ایسے مواقع پر اپنے کسی کام کے لئے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جس کے لئے چاہیں اجازت دے دیا کریں اور آپ ان کے لئے اللہ

سے مغفرت کی دعا بھی کیجئے۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلا لیتا ہے (اور نبی کو جب تمہیں مخاطب کرنا ہو تو یا محمد ''ﷺ'' کہہ کر آواز نہ دو۔ بلکہ ادب واحترام کے ساتھ یا نبی اللہ یا یا رسول اللہ وغیرہ جیسے الفاظ کے ساتھ نرمی سے آواز دو۔ اللہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو دوسروں کی آڑ میں ہو کر تم میں سے (مجلس نبوی ﷺ سے) کھسک جاتے ہیں (اسی طرح خطبہ جمعہ وغیرہ کے درمیان بغیر کسی اجازت کے چھپ چھپا کر چلے جاتے ہیں) ان لوگوں کو جو اللہ کے حکم کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں ان پر (دنیا ہی میں) کوئی آفت نازل ہو جائے یا انہیں کوئی دردناک عذاب آ پکڑے۔ یاد رکھو کہ اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حالت کو بھی جانتا ہے جس پر تم اب ہو (یعنی ایمان یا نفاق پر) اور اللہ تعالیٰ اس دن کو بھی جانتا ہے جس میں سب اس کے پاس لوٹائے جائیں گے۔ پھر وہ ان سب کو جتلا دے گا جو کچھ انہوں نے (اچھا یا برا) کیا تھا اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔

تحقیق وترکیب:.......... **ثلث مرات.** ثلث منصوب بر بناء ظرف ہے۔ عبارت ہے۔ **ثلث اوقات** یہ بھی ممکن ہے کہ منصوب مصدریت کی بناء پر ہو۔ اب عبارت ہوگی۔ **ثلث استیذانات** . **ثلث عورات لکم.** یہ خبر مقدر ہے **عشاء** پر وقف کرنا ہوگا اور اگر ثلث کو منصوب پڑھیں تو پھر لکم پر وقف کرنا ہوگا۔

بدلا من محل. یعنی من قبل صلوٰۃ الفجر سے بدل واقع ہو رہا ہے اور ایک صورت یہ ہے کہ **ھی الاوقات الثلثۃ** مبتدا ہو اور **تبدوا فیھا العورات** اس کی خبر۔

غیر متبرجٰت بزینۃ اس میں با تعدیہ کی ہے۔ اسی وجہ سے متعدی کے ساتھ تفسیر کی گئی۔ لازم کی متعدی کے ساتھ تفسیر اکثر و بیشتر کر دی جاتی ہے۔ زینۃ تبرج کے مفعول میں داخل نہیں جیسا کہ بعضوں کو وہم ہو گیا۔ اس لئے با کو مفعول پر زائد ماننا غلط ہے۔

بیوت اولادکم اپنی اولاد کے گھر مراد ہیں۔ کیونکہ اولاد اور ان کے اموال عرفاً وشرعاً باپ ہی کی ملکیت سمجھے جاتے ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ ذاتی گھر مراد لینے میں کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ انسان کو اپنے گھر کھانے میں کوئی تکلف نہیں ہوتا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اعزہ و اقارب کے گھروں کو ذاتی گھر کا درجہ دیا گیا ہو۔

لواذاً ممکن ہے کہ یہ مصدر ہونے کی بناء پر منصوب ہو اور اصل عبارت یوں ہو۔ **یتسللون منکم تسللاً ویلا بذون لواذا.** اور دوسرا امکان یہ ہے کہ مصدر قائم مقام حال ہے یعنی بمعنی ملابذین.

﴿تشریح﴾:.......... اس سورت کے شروع میں اجنبیوں وغیرہ سے متعلق حکم آ چکا ہے۔ اب یہ حکم اپنے قریبی رشتہ داروں، نوکروں اور نابالغ لڑکوں سے متعلق ہے، جنہیں گھروں میں بار بار آنے جانے کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ ان کے لئے سابقہ حکم کی پابندی دشوار تھی۔ اس وجہ سے ان کے لئے الگ سے حکم نازل ہو رہا ہے۔

ارشاد ہے کہ تین وقتوں میں نوکروں اور نابالغ بچوں کو بھی اجازت مانگنی چاہئے۔ صبح کی نماز سے پہلے، دوپہر میں اور عشاء کی نماز کے بعد۔ کیونکہ یہ تینوں وقت عام طور پر تخلیہ واستراحت کے ہوتے ہیں۔ لیکن فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ان تینوں وقتوں کی تخصیص نہیں ہے بلکہ جہاں جیسی ضرورت ہوگی اسی کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔ ہاں ان اوقات کے علاوہ دوسرے وقتوں میں ان کے اوپر کوئی پابندی نہیں۔ ورنہ دشواری ہو جائے گی۔ البتہ اگر بچہ جوان ہو جائے تو پھر انہیں ان تین وقتوں کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی اجازت لے

کر ہی آنا چاہئے۔ جیسا کہ اس سے پہلے حکم آچکا ہے اور وہ عورتیں جو بوڑھی ہو چکی ہوں اور ان کی طرف اب کوئی رغبت باقی نہ رہی ہو اور ان کی بے پردگی سے کسی فتنہ کا احتمال نہ ہو تو پھر انہیں اجازت ہے کہ وہ پردہ کا زیادہ اہتمام نہ کریں۔ لیکن اظہار زینت مقصود نہ ہو۔ ویسے اگر یہ بوڑھی عورتیں بھی احتیاط سے کام لیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے۔

ایک خاص حکم:......... جاہلیت عرب میں دستور یہ تھا کہ جو شخص کسی کے یہاں جاتا تو بے تکلف اس کے یہاں کی چیزیں کھانا پینا شروع کر دیتا۔ بلکہ اس میں نوبت ظلم تک پہنچ چکی تھی۔ جس سے گھر والے پریشان ہو جاتے۔ جب آیت **لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل** نازل ہوئی تو متقی مسلمان ضرورت سے زیادہ احتیاط کرنے لگے اور ان جگہوں میں بھی کھانے پینے سے پرہیز کرنے لگے جہاں رضا یقینی طور پر معلوم تھی۔ اور اپنے ساتھ اندھے، لنگڑے اور معذوروں وغیرہ کا لے جانا تو بالکل ہی ختم ہو گیا۔ اس شدت احتیاط کو توڑنے اور اعتدال قائم کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

مطلب یہ ہے کہ ان مذکورہ گھروں میں خود کھا لینے یا معذورین کو کھلا دینے میں جب کہ صاحب خانہ کی رضا کا یقین ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ گھروں کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا گیا کہ اپنے لڑکوں کے گھروں میں، اپنے باپ اور ماں کے گھروں میں، بھائی اور بہنوں کے گھروں میں، چچا، ماموں، پھوپھی، خالہ کے گھروں میں، اسی طرح اپنے دوستوں کے گھروں میں اور وجہ اس کی یہی ہے کہ اغلباً ان جگہوں پر رضا حاصل ہی ہوتی ہے۔ البتہ اگر کہیں عدم رضا ہو تو فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ان جگہوں پر یہ حکم باقی نہیں رہے گا۔

اسی طرح ان گھروں کے علاوہ بھی کہیں رضا حاصل ہو تو وہاں بھی یہ حکم ثابت ہو جائے گا۔ غرض یہ کہ اس حکم کا مدار صاحب خانہ کی رضا وعدم رضا ہے۔ البتہ اجازت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ صریحی ہو۔ بلکہ ضمنی وعرفی اجازت بھی اجازت ہی ہے۔

بعض صحابہ کرامؓ کو فرط تقویٰ میں اپنے متعلق یہ خیال ہو گیا کہ ساتھ ساتھ کھانے میں کہیں ایسا نہ ہو کہ میں زیادہ کھا جاؤں اور ساتھیوں کی حق تلفی ہو۔ اس تنگی اور دشواری کو دور کرنے کے لئے ارشاد ہوا کہ اس طرح کے دقیق احتمالات قابل اعتنا نہیں۔ یعنی صرف اس وسوسے کی بناء پر کہ کہیں میں زیادہ نہ کھا لوں، ساتھ کھانا چھوڑ دیا جائے۔ یہ کوئی بات نہیں۔ البتہ اگر کسی کے ساتھ کھانے پر گھر والے کی رضا نہ ہو تو اس صورت میں اجتناب کرنا چاہئے۔

فرمایا گیا کہ جب اپنے گھروں میں داخل ہو سلام کر لیا کرو۔ یہ خیر و برکت کی چیز ہے۔ اسی طرح بعضوں نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب تم ان مذکورہ گھروں میں داخل ہو اور وہاں کوئی موجود نہ ہو تو پھر بھی سلام کر لیا کرو۔ جس کے الفاظ یہ ہوں۔ **السلام علینا وعلی عباداللہ الصالحین**. کیونکہ انسانوں کی عدم موجودگی میں فرشتے اس کا جواب دیا کرتے ہیں۔

بارگاہ رسالت:......... منافقین کو تو آنحضور ﷺ کی مجلس میں حاضری ہی بار گزرتی تھی اور اگر آ بھی جاتے تو موقعہ پا کر چپکے سے کھسک جاتے۔ ان کے مقابل میں مومنین کا یہ معاملہ تھا کہ اگر انہیں جانے کی کوئی ضرورت بھی پیش آ جاتی تو بغیر اجازت کے مجلس سے نہ اٹھتے۔ بلکہ پہلے آنحضور ﷺ سے اجازت طلب کرتے اور جب اجازت مل جاتی تو جاتے تھے۔

اسی کی تعلیم قرآن نے ان کو دی بھی کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ جب رسول ﷺ کسی کام کے لئے انہیں جمع کریں اور درمیان میں کسی ضرورت کی وجہ سے جانے کی ضرورت پیش آ جائے تو اجازت لے کر وہاں سے اٹھنا چاہئے اور خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ کسی ضروری

امر کے لئے مجلس ہورہی ہو۔ مثلاً نماز جمعہ، نماز عید یا اسی طرح کی کوئی مجلس شوریٰ ہو اور دوسری تعلیم آنحضور ﷺ کو دی گئی کہ اگر ان مسلمانوں میں سے کوئی اپنے کسی ضروری کام کے لئے آپ سے اجازت طلب کرلے تو آپ ﷺ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیا کریں اور جس کا جانا آپ مناسب نہ سمجھیں، اسے روک لیا کریں۔

پھر ارشاد ہوا کہ نبی کا ادب واحترام رکھو اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو آواز دیتے ہو۔ اسی طرح آنحضور ﷺ کو بھی صرف یا محمد کہہ کر نہ پکارو۔ بلکہ کمال ادب واحترام کے ساتھ یا نبی اللہ...... یا...... یا رسول اللہ کہہ کر آواز دو اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ رسول ﷺ جب تم کو بلائیں تو ان کے ساتھ یہ معاملہ نہ ہونا چاہئے کہ جی چاہا آگئے اور جی چاہا تو نہ آئے بلکہ رسول کا بلانا ایک حاکمانہ حیثیت رکھتا ہے۔ جس پر لبیک کہنا واجب ہے۔ فقہاء نے کہا ہے کہ یہی حکم امام کا ہے کہ اگر وہ بلائے تو جانا واجب ہے اور بغیر اجازت وہاں سے آنا ناجائز ہے اور یہی مطلب ماقبل کے مضمون کے اعتبار سے زیادہ مناسب ہے۔

بعد کی آیت میں انہیں منافقین کے لئے وعید آئی ہے جو بغیر اجازت کے چھپ چھپا کر مجلس سے چلے جاتے تھے کہ کہیں ان پر دنیا ہی میں کوئی آفت نہ آجائے یا پھر آخرت میں کسی دردناک عذاب میں مبتلا کردیئے جائیں۔

اب اپنے اختیار واقتدار کا تزکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہے کہ وہ ذات جو زمین وآسمان کی مالک ہے وہ بندوں کے تمام احوال سے واقف ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ بندوں کے تمام اعمال وعقائد کو خوب جانتا ہے اور جب یہ خدا تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے تو انہیں اپنے کئے ہوئے کی سزا مل جائے گی۔

سُوْرَةُ الفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اِلٰى رَحِيْمًا فَمَدَنِيٌّ وَهُوَ سَبْعٌ وَسَبْعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴿﴾ **تَبٰرَكَ** تَعَالٰى **الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ** القُرْاٰنَ لِاَنَّهُ فَرَّقَ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ **عَلٰى عَبْدِهٖ** مُحَمَّدٍ **لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ** اَيِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ دُوْنَ الْمَلٰئِكَةِ **نَذِيْرًا**﴿۱﴾ مُخَوِّفًا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ **اِلَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ** مِنْ شَانِهٖ اَنْ يُخْلَقَ **فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا**﴿۲﴾ سَوَّاهُ تَسْوِيَةً **وَاتَّخَذُوْا** اَيِ الْكُفَّارُ **مِنْ دُوْنِهٖٓ** اَيِ اللّٰهِ اَيْ غَيْرِهٖ **اٰلِهَةً** هِيَ الْاَصْنَامُ **لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا** اَيْ دَفْعَهٗ **وَّلَا نَفْعًا** اَيْ جَرَّهٗ **وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً** اَيْ اِمَاتَةً لِاَحَدٍ وَاِحْيَاءً لِاَحَدٍ **وَّلَا نُشُوْرًا**﴿۳﴾ اَيْ بَعْثًا لِلْاَمْوَاتِ **وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ** اَيْ مَا الْقُرْاٰنُ **اِلَّآ اِفْكُ** كِذْبُ **نِ افْتَرٰىهُ** مُحَمَّدٌ **وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ** وَهُمْ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ قَالَ تَعَالٰى **فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا**﴿۴﴾ كُفْرًا وَكِذْبًا اَيْ بِهِمَا **وَقَالُوْٓا** اَيْضًا هُوَ **اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ** اَكَاذِيْبُهُمْ جَمْعُ اُسْطُوْرَةٍ بِالضَّمِّ **اكْتَتَبَهَا** اِنْتَسَخَهَا مِنْ ذٰلِكَ الْقَوْمِ بِغَيْرِهٖ **فَهِيَ تُمْلٰى** تُقْرَاُ **عَلَيْهِ** لِيَحْفَظَهَا **بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا**﴿۵﴾ غُدْوَةً وَعَشِيًّا قَالَ تَعَالٰى رَدًّا عَلَيْهِمْ **قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ** الْغَيْبَ **فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا** لِلْمُؤْمِنِيْنَ **رَّحِيْمًا**﴿۶﴾ بِهِمْ **وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْلَآ** هَلَّا **اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا**﴿۷﴾ يُصَدِّقُهٗ **اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ** مِنَ السَّمَاءِ يُنْفِقُهٗ وَلَا يَحْتَاجُ اِلَى الْمَشْيِ فِي الْاَسْوَاقِ لِطَلَبِ الْمَعَاشِ **اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ** بُسْتَانٌ **يَّاْكُلُ مِنْهَا** اَيْ مِنْ ثِمَارِهَا

فَيَكْتَفِيْ بِهَا وَفِيْ قِرَاءَةٍ تَاكُلُ بِالنُّوْنِ اَيْ نَحْنُ فَيَكُوْنُ لَهٗ مَزِيَّةٌ عَلَيْنَا بِهَا **وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ** اَيِ الْكَافِرُوْنَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ **اِنْ مَا تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۸﴾** مَخْدُوْعًا مَغْلُوْبًا عَلٰى عَقْلِهٖ قَالَ تَعَالٰى **اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ** بِالْمَسْحُوْرِ وَالْمُحْتَاجِ اِلٰى مَا يُنْفِقُهٗ وَاِلٰى مَلَكٍ يَقُوْمُ مَعَهٗ بِالْاَمْرِ **فَضَلُّوْا** بِذٰلِكَ عَنِ الْهُدٰى **فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹﴾** طَرِيْقًا اِلَيْهِ **تَبٰرَكَ** تَكَاثَرَ خَيْرًا **الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ** الَّذِيْ قَالُوْا مِنَ الْكَنْزِ وَالْبُسْتَانِ **جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ** اَيْ فِي الدُّنْيَا لِاَنَّهٗ شَاءَ اَنْ يُعْطِيَهٗ اِيَّاهَا فِي الْاٰخِرَةِ **وَيَجْعَلْ** بِالْجَزْمِ **لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾** اَيْضًا وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ اِسْتِيْنَافًا **بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ** الْقِيَامَةِ **وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿۱۱﴾** نَارًا مُسْعَرَةً اَيْ مُشْتَدَّةً **اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا** غِلْيَانًا كَالْغَضْبَانِ اِذَا غَلَا صَدْرُهٗ مِنَ الْغَضَبِ **وَّزَفِيْرًا ﴿۱۲﴾** صَوْتًا شَدِيْدًا اَوْ سَمَاعُ التَّغَيُّظِ رُؤْيَتُهٗ وَعِلْمُهٗ **وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ بِاَنْ يُضَيَّقَ عَلَيْهِمْ وَمِنْهَا حَالٌ مِنْ مَكَانًا لِاَنَّهٗ فِي الْاَصْلِ صِفَةٌ لَهٗ **مُقَرَّنِيْنَ** مُصَفَّدِيْنَ قَدْ قُرِنَتْ اَيْدِيْهِمْ اِلٰى اَعْنَاقِهِمْ فِي الْاَغْلَالِ وَالتَّشْدِيْدُ لِلتَّكْثِيْرِ **دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾** هَلَاكًا فَيُقَالُ لَهُمْ **لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾** لِعَذَابِكُمْ **قُلْ اَذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرُ مِنَ الْوَعِيْدِ وَصِفَةِ النَّارِ **خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ** هَا **الْمُتَّقُوْنَ كَانَتْ لَهُمْ** فِيْ عِلْمِهٖ تَعَالٰى **جَزَآءً** ثَوَابًا **وَّمَصِيْرًا ﴿۱۵﴾** مَرْجِعًا **لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ** حَالٌ لَازِمَةٌ **كَانَ** وَعْدُهُمْ مَا ذُكِرَ **عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا ﴿۱۶﴾** فَيَسْاَلُهٗ مَنْ وَعَدَ بِهٖ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلٰى رُسُلِكَ اَوْ يَسْاَلُهٗ لَهُمُ الْمَلَائِكَةُ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنَّاتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدْتَهُمْ **وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ** بِالنُّوْنِ وَالتَّحْتَانِيَةِ **وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَيْ غَيْرَهٗ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَعِيْسٰى وَعُزَيْرٍ وَالْجِنِّ **فَيَقُوْلُ** تَعَالٰى بِالتَّحْتَانِيَةِ وَالنُّوْنِ لِلْمَعْبُوْدِيْنَ اِثْبَاتًا لِلْحُجَّةِ عَلَى الْعَابِدِيْنَ **ءَ اَنْتُمْ** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وَتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْاُخْرٰى وَتَرْكِهٖ **اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ** اَوْقَعْتُمُوْهُمْ فِي الضَّلَالِ بِاَمْرِكُمْ اِيَّاهُمْ بِعِبَادَتِكُمْ **اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾** طَرِيْقَ الْحَقِّ بِاَنْفُسِهِمْ **قَالُوْا سُبْحٰنَكَ** تَنْزِيْهًا لَكَ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِكَ **مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ** يَسْتَقِيْمُ **لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ** اَيْ غَيْرِكَ **مِنْ اَوْلِيَآءَ** مَفْعُوْلٌ اَوَّلٌ وَمِنْ زَائِدَةٌ لِتَاكِيْدِ النَّفْيِ وَمَا قَبْلَهُ الثَّانِيْ فَكَيْفَ نَامُرُ بِعِبَادَتِنَا **وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ** مِنْ قَبْلِهِمْ بِاِطَالَةِ الْعُمْرِ وَسَعَةِ الرِّزْقِ **حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ** تَرَكُوا الْمَوْعِظَةَ وَالْاِيْمَانَ بِالْقُرْاٰنِ **وَكَانُوْا قَوْمًاۢ بُوْرًا ﴿۱۸﴾** هَلْكٰى قَالَ تَعَالٰى **فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ** اَيْ كَذَّبَ الْمَعْبُوْدُوْنَ **بِمَا**

تَقُوْلُوْنَ بِالْفَوْقَانِيَةِ اَنَّهُمْ اٰلِهَةٌ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ بِالْفَوْقَانِيَةِ وَالتَّحْتَانِيَةِ اَیْ لَاهُمْ وَلَا اَنْتُمْ صَرْفًا دَفْعًا لِلْعَذَابِ عَنْكُمْ وَّلَا نَصْرًا مَنْعًا لَكُمْ مِنْهُ وَمَنْ يَّظْلِمْ يُشْرِكْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾ شَدِيْدًا فِي الْاٰخِرَةِ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ فَاَنْتَ مِثْلُهُمْ فِيْ ذٰلِكَ وَقَدْ قِيْلَ لَهُمْ كَمَا قِيْلَ لَكَ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً بَلِيَّةً اِبْتَلَى الْغَنِيَّ بِالْفَقِيْرِ وَالصَّحِيْحَ بِالْمَرِيْضِ وَالشَّرِيْفَ بِالْوَضِيْعِ يَقُوْلُ الثَّانِيْ فِيْ كُلِّ مَالِيْ لَا اَكُوْنُ كَالْاَوَّلِ فِيْ كُلِّ اَتَصْبِرُوْنَ عَلٰى مَا تَسْمَعُوْنَ مِمَّنْ اُبْتُلِيْتُمْ بِهِمْ بِمَعْنَى الْاَمْرِ اَیْ اِصْبِرُوْا وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ بِمَنْ يَصْبِرُ وَبِمَنْ يَجْزَعُ

ترجمہ:.......... بڑی عالیشان ہے وہ ذات جس نے یہ فیصلہ کیا کہ کتاب (یعنی قرآن) اپنے بندۂ خاص (آنحضور ﷺ) پر اتاری تا کہ وہ سارے دنیا جہان والوں کے لئے (باستثناء فرشتہ) ڈرانے والا ہو (خدا تعالیٰ کے عذاب سے۔ قرآن کے لئے فرقان کا لفظ اس وجہ سے مستعمل ہے کہ یہ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے) ایسی ذات کہ آسمان وزمین اس کی ملک ہیں اور اس نے کسی کو اپنی اولاد قرار نہیں دیا اور نہ اس کا کوئی حکومت میں شریک ہے اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ پھر سب کا الگ الگ انداز رکھا اور (مشرکوں نے) اللہ کے علاوہ (دیگر ایسے) خدا قرار دے رکھے ہیں جو کسی چیز کے خالق نہیں (بلکہ) خود ہی مخلوق ہیں اور خود اپنے لئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی نفع کا اور نہ کسی کی موت کا اختیار رکھتے ہیں، نہ کسی کی زندگی کا اور نہ کسی کے دوبارہ اٹھانے کا (یعنی نہ تو یہ کسی کو مارنا چاہیں تو مار سکتے ہیں اور نہ مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں اور نہ مرنے کے بعد حیات ثانی دینے کا اختیار رکھتے ہیں) اور جو لوگ کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) نرا جھوٹ ہے جس کو اس شخص (یعنی محمد ﷺ) نے گھڑ لیا ہے اور دوسرے لوگ (یعنی اہل کتاب) نے اس میں ان کی مدد کی ہے (اس کے جواب میں خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ) یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) تو اگلوں کی بے سند باتیں ہیں (اساطیر جمع سے اسطورۃ کی) جن کو اس شخص نے لکھوالیا ہے پھر وہی اس (شخص) کو صبح شام پڑھ کر سناتا ہے (خدا تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ) آپ کہہ دیجئے کہ اس کو اس ذات نے اتارا ہے جس کو آسمانوں اور زمین کے ہر راز کی خبر ہے۔ بے شک وہ بڑا مغفرت والا ہے (مومنین کے ساتھ) اور بڑا رحمت والا ہے (مومنین کے ساتھ) اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیسا ہے یہ رسول، جو کہ کھانا کھاتا ہے اور (ہماری طرح) بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ اس کے ساتھ رہ کر ڈراتا یا اس کے پاس کوئی خزانہ غیب سے آ پڑتا (تا کہ اسے کسب معاش کے لئے بازار وغیرہ جانا نہ پڑتا) یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا پیتا (اور جو اس کے لئے کفایت کرتا) اور ایک قرأت میں بجائے یاکل کے ناکل جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس باغ ہوتا تو ہم اس سے کھاتے پیتے اور یہ ہماری او پر ان کی فضیلت کا ایک ذریعہ ہوتا) اور (ایمانداروں سے) یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم لوگ تو بس ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو (جس کی عقل سلب ہو چکی ہے) اللہ نے فرمایا دیکھئے تو یہ لوگ آپ کے لئے کیسی عجیب عجیب باتیں بیان کرتے ہیں (کہ یہ سحر زدہ اور غریب ہیں یا یہ کہ کوئی فرشتہ ان کے شریک کار ہونا چاہئے تھا) سو وہ بالکل گمراہ ہو گئے۔ پھر وہ بالکل راہ نہ پا سکے۔ وہ ذات بڑی عالیشان ہے۔ اگر وہ چاہے تو آپ کو اس (باغ اور خزانہ) سے بھی بہتر چیز دے دے (یعنی بہت سے) باغات کہ ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور آپ کو (بہت سے) محل دے دے۔ اصل یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کے منکر ہیں اور ہم نے اس کے لئے جو قیامت کو جھٹلائے، دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ وہ ان کو

دور سے دیکھے گی تو یہ اس کا جوش وخروش (دور ہی سے) سنیں گے۔ (وہ شدت غضب میں اس طرح کھول رہی ہوگی جیسے غصہ کی حالت میں دل دھڑکنے لگتا ہے۔ اور اس کے اندر خوفناک قسم کی آواز بھی ہوگی) اور جب وہ اس میں کسی تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دیئے جائیں گے (ضیقاً تشدید اور بغیر تشدید دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور منھا حال واقع ہو رہا ہے۔ مکاناً سے ویسے اصل میں یہ صفت ہے مکاناً کی۔ لیکن جب نکرہ کی صفت موصوف پر مقدم ہو تو اسے حال کا اعراب دیتے ہیں) تو وہ موت کو پکاریں گے (اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ) آج ایک ہی موت کو مت پکارو۔ بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو۔ آپ کہئے کہ آیا (یہ آگ کی مصیبت) اچھی ہے یا ہمیشہ رہنے کی جنت (اچھی ہے) جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ ان کے لئے (ان کی اطاعت کا) صلہ ہے اور آخری ٹھکانہ۔ انہیں وہاں جو کچھ وہ چاہیں گے ملے گا (آمین) وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ وعدہ ہے ان کے پروردگار کے ذمہ اور قابل درخواست ہے (یا تو وہ شخص خود درخواست کرے گا اور کہے گا۔ ربنا اتنا ما وعدتنا علی رسلك کہ آپ نے جو اپنے رسول کے ذریعہ وعدہ کر رکھا ہے اسے پورا کیجئے یا فرشتے ان کی طرف سے درخواست کریں گے اور کہیں گے کہ اے اللہ آپ انہیں اس جنت میں داخل کر دیجئے جس کا آپ نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے۔) اور جس روز اللہ جمع کرے گا انہیں اور ان لوگوں کو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے (یعنی فرشتے۔ حضرت عیسیٰ، حضرت عزیز اور اسی طرح جنوں وغیرہ کو) یحشرھم ی کے ساتھ اور نون کے ساتھ دونوں قرأت ہیں۔ پھر ان (معبودین) سے (بطور اتمام حجت) کہے گا کہ کیا تمہیں نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا۔ یا یہ (خود ہی) راہ سے بھٹک گئے تھے؟ وہ (معبودین) عرض کریں گے کہ سبحان اللہ، ہماری مجال نہ تھی کہ ہم آپ کے سوا اور کارسازوں کو تجویز کریں (اولیاء مفعول اول ہے نتخذ کا اور من زائد ہے نفی کی تاکید کے لئے)۔

لیکن آپ نے تو ان کو اور ان کے بڑوں کو خوب آسودہ کیا (طول عمر اور کثرت رزق دے کر) یہاں تک کہ یہ آپ کی یاد ہی کو بھلا بیٹھے اور یہ لوگ خود ہی برباد ہو کر رہے (اس وقت خدا تعالیٰ ان عابدین سے کہے گا کہ تمہارے معبودوں ہی نے) تمہاری باتوں کو جھٹلا دیا۔ سو اب نہ تو تم خود (عذاب کو) ٹال سکتے ہو اور نہ تمہیں مدد ہی پہنچ سکتی ہے اور جو تم میں سے ظلم کرے گا اپنے اوپر (شدت کرکے) اسے ہم بڑا عذاب چکھائیں گے۔

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازروں میں چلتے پھرتے تھے (آپ بھی انہیں کی طرح ہیں۔ نیز آپ سے پہلے ان انبیاء پر بھی اسی قسم کے اعتراضات کیئے گئے) اور ہم نے تم میں سے ایک کو دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے (مثلاً امیر کو غریب کے ساتھ، تندرست کو بیمار کے ساتھ اور شریف کو رذیل کے ساتھ۔ چنانچہ یہ دوسرے طبقہ کے لوگ کہتے ہیں کہ ہم اول کی طرح نہیں) تو اب بھی صبر کرو گے؟ (اس آزمائش پر جس کا تذکرہ ہوا یہ استفہام معنی میں امر کے ہے کہ صبر کرنا چاہئے) اور آپ کا پروردگار بڑا دیکھنے والا ہے (کہ کون صبر کرتا ہے اور کون جزع فزع کرتا ہے اور بے صبری کا مظاہرہ کرتا ہے۔

تحقیق وترکیب: .... جرہ۔ یہ حاصل معنی کا بیان ہے۔ نفع وضرر میں مضاف کی تقدیر نہیں۔ نفع ونقصان ملک کی ضروریات میں سے ہیں۔ اس لئے بھی مضاف مقدر ماننے کی ضرورت ہوگی۔

ظلماً۔ منصوب ہے نبزع الخافض اور جمل میں ہے کہ ظلماً جاء وا سے منصوب ہے۔ کیونکہ یہ متعدی استعمال ہوتا ہے۔

قال الظالمون۔ ضمیر کے بجائے اسم ظاہر استعمال کیا گیا۔ تاکہ معلوم ہو کہ ان کے ظلم کی انتہاء ہوگئی۔

التی وعدھا المتقون۔ قاضی بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ موصول کی جانب راجع ضمیر محذوف ہے اور خطیب کی عبارت یہ ہے کہ وعدھا اللہ تعالیٰ لھم اس صورت میں موصول کی جانب لوٹنے والی وعدھا میں ھا ضمیر مونث ہے۔

ءانتم. دونوں ہمزوں کے درمیان الف کا استعمال وترک استعمال ہوسکتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دیا جائے اور الف کو مسہلہ کے درمیان داخل کر کے دوسرے کو ترک کر دیا جائے۔

من اولیاء. یہ مفعول اول ہے نتخذوا کا۔ من زائدہ ہے نفی کی تاکید کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔اس سے پہلے یعنی من دونک مفعول ثانی تھا۔

بورا. بائر کی جمع ہوسکتی ہے جیسے عائذ کی جمع عوذ. اور یہ بورا مصدر بھی ہوسکتا ہے۔ بورا سے ماخوذ ہوگا جس کے معنی ہلاکت کے ہیں۔ مصدر ہونے کی صورت میں مذکر ومونث، مفرد وتثنیہ وجمع برابر ہوں گے۔

ربط:.........سورۂ فرقان سے پہلے سورۂ نور گزری ہے۔ جس میں خانوادۂ رسول ﷺ کی تقدیس حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تقدس کا تفصیلی تذکرہ اور منافقین کی چیرہ دستیوں کا بیان تھا۔ مگر ان کور باطنوں کے لئے اہلبیت کی عظمت کا بیان کیا تشفی بخش ہوتا جب کہ ان کو خود نبوت، نبی اور کتاب منزل کے بارے میں شکوک وشبہات تھے۔ بنیاد کی مضبوطی واستحکام کے بغیر اس پر کھڑی عمارت ہر وقت خطرہ میں ہے۔ اس لئے طبعی طور پر بنیاد کی استواری پہلی ضرورت ہے۔ اس لئے سورۃ الفرقان میں انہیں اشکالات واعتراضات اور شکوک وشبہات کا جواب ہے جو نبوت کے سلسلہ میں تھے۔ جہالت پیشہ افراد انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو مافوق الفطرت صفات و خصوصیات سے آراستہ دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کی نظروں میں انبیاء کی بشریت، اکل وشرب، ضروریات زندگی کی تکمیل کے لئے خرید و فروخت حیرت انگیز تھی۔

اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ انبیاء بشر ہیں اور تمام بشری ضرورتیں ان کے ساتھ وابستہ ہیں۔ بشریت ان کے لئے عیب نہیں بلکہ ہنر ہے اور بہت سی مصالح کی بناء پر ان کا بشر ہی ہونا ضروری ہے۔

قرآن مجید کے بارے میں ان کا خیال خام یہ تھا کہ یہ ایک کتاب ہے جسے محمد (ﷺ) دوسروں کی مدد سے تصنیف کر رہے ہیں۔ سورۂ فرقان میں اس مہمل شبہ کا بھی جواب دیا گیا۔ مزید یہ بھی بتایا گیا کہ ان کو چند ہی چیزوں میں شبہ نہیں بلکہ حقائق کا کل دفتر ان کے نزدیک مشکوک ومشتبہ ہے۔ اس لئے اس سورت میں زیادہ تر رخ ان واہی شبہات کے ازالہ کی طرف ہی رہا۔ اس طرح یہ سورت سورۃ النور کا تتمہ وتکملہ کہلانے کی مستحق ہے۔

﴿تشریح﴾:.........ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ ہی کی ذات ہے جس نے اس قرآن کو آنحضور ﷺ پر اتارا۔ یہاں لفظ نزل لایا گیا ہے۔ جس سے بار بار اور بکثرت اترنے کے معنی مفہوم ہیں۔ جبکہ دوسری آسمانی کتب کے لئے لفظ انزل استعمال کیا گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ قرآن کے علاوہ اور بقیہ کتب پوری کی پوری ایک مرتبہ نازل ہوتی تھیں اور قرآن کریم تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت اترتا رہا۔ کبھی کچھ آیتیں، کبھی کچھ سورتیں اتر گئیں۔ کبھی کوئی احکام نازل ہو گئے۔ جیسی ضرورت ہے اسی کے مطابق ہدایت ملتی اور اس میں ایک حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ لوگوں کو اس پر عمل کرنا دشوار نہ ہو۔

اس سورت میں ہے کہ کافروں کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ یہ قرآن پورا کا پورا ایک بار کیوں نازل نہ ہوگیا۔ جواب یہی دیا گیا کہ بتدریج اس وجہ سے نازل ہوا کہ اس پر عمل کرنا دشوار نہ ہو۔ اگر سارے کے سارے ایک ہی بار نازل ہوجاتے تو طبیعت گھبرا جاتی۔ نیز قرآن کے لئے فرقان کا لفظ استعمال کیا گیا۔ اس وجہ سے کہ یہ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے اور اس کتاب کے نازل کرنے کا مطلب یہ بتایا گیا کہ اس سے آپ تخویف وترہیب کا کام لے سکیں۔

عالمین کے لفظ سے اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ اس کی مخاطب ساری دنیا ہے۔ کوئی

مخصوص قوم یا جماعت نہیں۔ پھر آگے چل کر شرک کی تردید کردی گئی کہ نہ تو خدا کے اولاد ہے جیسا کہ عیسائیوں نے سمجھ لیا اور نہ اس کا کوئی اور شریک ہے۔ جیسا کہ کافروں کا عقیدہ ہے اور کائنات میں جو چیز بھی ہو رہی ہے، وہ سب مشیت الٰہی کے مطابق ہے۔ اسی کے ساتھ مشرکین کی جہالت کا بیان ہے کہ ایسی قادر مطلق خدا کے ساتھ ایک ایسی مخلوق کو شریک کر رہے ہیں جو بے بس ہیں کہ کسی چیز کی تخلیق پر قدرت نہیں رکھتے، بلکہ وہ خود بھی خدا کے بنائے ہوئے ہیں اور اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ انہیں تو اتنا بھی اختیار نہیں کہ کوئی نقصان خود اپنے سے دور کر سکیں یا کوئی نفع اپنے لئے حاصل کر سکیں۔ چہ جائیکہ دوسروں کو وہ نفع و نقصان پہنچا سکیں۔ نیز وہ تو اپنی موت و زیست کا بھی اختیار نہیں رکھتے۔ پھر دوسروں کی کیا جان لے سکتے ہیں یا کسی کو کیا زندگی دے سکتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان چیزوں کا اختیار صرف خدا ہی کو ہے وہی مار سکتا ہے۔ وہی جلا سکتا ہے اور پھر وہی قیامت کے دن تمام مخلوق کو از سرنو زندہ کرے گا۔

مشرکین کی ایک جہالت جو خدا تعالیٰ کی ذات سے متعلق تھی اس کی تردید کردی گئی۔ اب ان کی دوسری جہالت کا تذکرہ ہے جو آنحضور ﷺ سے متعلق ہے۔ یہ مشرکین کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ قرآن خدا کی طرف سے نازل کردہ کتاب نہیں ہے۔ وہ تو خود محمد (ﷺ) نے اوروں کی مدد سے گھڑ لیا ہے۔ یہ الزام آج بھی یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف سے لگائے جاتے ہیں۔

اس کی تردید میں ارشاد ہے کہ یہ ان کا ظلم اور سراسر جھوٹ ہے۔ حقیقت اور اصلیت سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ثبوت و تحقیق سے قطعاً عاری یہ لوگ الزام تو لگاتے ہیں۔ لیکن ثبوت ان کے پاس ادنیٰ سا بھی موجود نہیں۔ ارشاد ہے کہ قرآن کی سچائی کی خبریں خدا تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی ہیں جو عالم الغیب ہے۔ جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ اس کے بعد اپنی غفاریت اور رحم و کرم کا بیان ہے کہ خدا تعالیٰ مغفرت کرنے والا اور رحمت والا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ ان بے ہودہ گوئیوں پر بھی فوراً گرفت نہیں کرتا۔ بلکہ انہیں ملت دیتا ہے اور اگر یہ اپنی اس مذموم حرکت سے باز آ جائیں اور توبہ کرلیں تو وہ انہیں معاف بھی کر دے گا۔

اب مشرکین رسالت کے انکار کی جو وجہ بیان کرتے تھے اس کا مختصر تذکرہ اور پھر تردید آ گئی۔ کہا گیا کہ ان مشرکین کی حماقت کا کیا علاج کیا جائے جو رسالت کے انکار کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ رسول تو ہم لوگوں کی طرح پر ہی کھاتا پیتا ہے اور بازاروں میں لین دین کے لئے بھی آتا ہے۔ آخر کیوں؟ نبی کو ان چیزوں سے کیا واسطہ۔ نیز ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں جو ان کے دعوے کی تصدیق کرتا اور لوگوں کو اس کے دین کی طرف بلاتا۔ نیز خدا تعالیٰ اسے کوئی خزانہ یا باغ وغیرہ دے دیتا تا کہ یہ معاشی اعتبار سے بے فکر ہوتا۔ خود بھی آرام سے زندگی بسر کرتا اور لوگوں کو دے دلا کر اپنے ساتھ لگاتا۔

خود تو یہ بے بنیاد اعتراضات کرتے ہی تھے بلکہ مسلمانوں کو بھی بہکاتے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے کہ جب اس میں کوئی خدائی یا ملکوتی قوت موجود ہی نہیں اور پھر اس پر یہ مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی عقل میں فتور ہے اور یہ مجنون یا سحر زدہ ہے اور تم لوگ اس کے چکر میں آ گئے ہو۔ اس پر قرآن مجید میں آنحضور ﷺ کو مخاطب کر کے کہا گیا کہ دیکھئے یہ لوگ آپ کی نبوت کے انکار میں کس حد تک پہنچ گئے ہیں اور اسے نہ مان کر کیسی کیسی لغو اور بے سروپا باتوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ یہ کبھی آپ کو شاعر، کبھی ساحر، کبھی سحر زدہ، کبھی مجنون اور کبھی کذاب کہتے ہیں۔ خود ان کی باتوں میں تضاد ہے، کسی چیز پر ٹھہراؤ اور اطمینان تو ہے ہی نہیں۔

کہا گیا کہ ویسے اگر خدا تعالیٰ چاہتا اور اس کی مشیت ہوتی تو وہ اپنے رسول کو اس سے بہت بڑھ کر اور اس سے بھی زیادہ دیتا جس کا یہ کفار مطالبہ کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے لئے تو یہ بہت آسان کام تھا۔ جیسا کہ آپ سے پہلے بعض انبیاءؑ کو اس قدر دیا جا چکا ہے کہ ان کے آگے دنیا کی حکومتیں بھی ہیچ تھیں۔ جیسے حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام وغیرہ کو۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ خود آنحضور ﷺ کو بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ پیشکش کی جا چکی ہے کہ اگر آپ چاہیں تو زمین کے خزانے اور اس قدر دنیا کا مالک بنا دیا جائے کہ اس سے کسی کو

بھی اتنا نہ ملا ہو اور ساتھ ہی آپ کی آخرت کی نعمتیں بھی باقی رہیں گی۔ لیکن آپ نے خود ہی اسے پسند نہیں کیا اور جواب دیا کہ مجھے تو آخرت ہی میں چاہئے۔ دنیا کی دولت اور حکومت کی کوئی ضرورت نہیں...... پھر ارشاد ہوا کہ یہ لوگ جو واہی مطالبات پیش کر رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہیں حق کی تلاش وطلب ہے اور دوران تحقیق کچھ شکوک پیش آ گئے بلکہ اپنے تکبر، ضد اور عناد کی وجہ سے شکوک و شبہات پیش کرتے ہیں۔ بالفرض اگر ان کے شبہات دور بھی کر دیئے جائیں تو پھر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ممکن ہے کہ اپنی خباثت کی بناء پر کچھ اور شکوک نکال لیں اور یہ لوگ تو قیامت کے بھی منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ آئے گی نہیں۔ تو ایسے لوگوں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھے ہیں اور دوزخ ان بدبختوں کو دیکھ کر اس قدر غضبناک ہوگی کہ یہ دور ہی سے اس کا جوش وخروش سن لیں گے۔ اس وقت ان کے اوسان خطا اور ہوش وحواس ختم ہو جائیں گے اور یہ بدبخت وبدنصیب دوزخی جو دوزخ کی ناقابل برداشت ہولنا کیوں سے گھبرا کر پکار اٹھیں گے کہ کاش ہمیں موت ہی آ جاتی۔ اس وقت انہیں جواب دیا جائے گا کہ ایک موت کیسی، اب تو تمہاری قسمت میں موت ہی موت ہے۔ اس سے قبل ان لوگوں کا بیان تھا جو اپنی سرکشی ونادانی کی وجہ سے جہنم کے مستحق ہوں گے۔ اب اس کے بعد ارشاد ہے کہ انہیں ان دردناک عذابوں کی اطلاع دے کر پوچھئے کہ یہ اچھے ہیں یا وہ جو دنیا میں گناہوں سے بچتے رہے اور جن کے دلوں میں خوف خدا تھا۔ جس کی جزا انہیں یہ ملے گی کہ وہ جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔ جہاں ہر قسم کی ابدی اور لازول نعمتیں انہیں میسر ہوں گی۔ ان سے کہئے کہ انہیں اب بھی سوچنے سمجھنے کی مہلت ہے۔ یہ خود غور وخوض کر کے یہ فیصلہ کریں کہ ایک طرف دوزخ کی یہ ناقابل برداشت مصیبتیں ہیں جو کفر وانکار کی سزا ہے اور دوسری طرف جنت اور اس کی بے شمار راحتیں ہیں جو اطاعت وفرمانبرداری کرنے والوں کے لئے ہیں۔ جہاں عمدہ قسم کے کھانے، بہترین لباس، عالیشان محلات، بنی سنوری ہوئی حوریں اور نا معلوم کیسی کیسی نعمتیں ہوں گی کہ جس کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مگر یہ سب کے سب انہیں کو ملیں گے جو صاحب ایمان ہوں گے۔ انہیں سے خداتعالیٰ نے ان نعمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جو یقیناً ہو کر رہے گا۔ جس کا عدم ایفاء ناممکن ہے۔ خود مومن کو بھی توجہ دلا دی گئی کہ تم سے جو وعدہ کیا گیا ہے اس کی طرف خداتعالیٰ کو توجہ دلاؤ اور اس کے ایفاء کا مطالبہ کرو۔ بلکہ قیامت کے دن فرشتے بھی مومن سے کئے گئے وعدہ کے پورا کرنے کا مطالبہ کریں گے۔ بہرکیف خداتعالیٰ مومن سے جو جنت اور اس کی راحتوں کا وعدہ کئے ہوئے ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔

سوال وجواب:......... مشرکین کو قائل اور نادم کرنے کے لئے انبیاء، ملائکہ اور ان لوگوں سے جن کی یہ خدا کے سوا عبادت کیا کرتے تھے، ان عابدوں کے سامنے ان سے سوال کیا جائے گا کہ کیا تم نے ان سے اپنی عبادت کرنے کو کہا تھا اور انہیں زبانی سرزنش بھی کی جائے گی۔ تاکہ ان عابدوں کے سامنے ان کے ان معبودوں کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ جس طرح ان کے اور معبودوں سے سوال ہوگا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی یہی سوال کیا جائے گا۔ جس پر وہ جواب دیں گے کہ میں نے انہیں ہرگز اس بات کی تعلیم نہیں دی تھی جس کا آپ کو خوب اچھی طرح علم ہے۔ میں نے تو ان سے وہی کہا تھا جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ عبادت کے لائق صرف خداتعالیٰ ہی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی قابل پرستش نہیں۔

دوسرے معبودوں کا بھی یہی جواب ہوگا اور کہیں گے کہ ہمارے لئے یہ کس قدر مناسب تھا کہ آپ کو چھوڑ کر انہیں اپنی عبادت کا حکم دیتے۔ یہ تو خود گمراہ ہوئے ہیں اور ان کی گمراہی کا سبب یہ ہے کہ انہیں طویل عمریں اور اچھی غذائیں میسر آئیں جو اسباب شکر تھے اور جس کا مقتضی یہ تھا کہ منعم کا شکر اور اس کی عبادت وطاعت میں لگ جاتے۔ مگر ان بدبختوں نے اس کے برعکس راستہ اختیار کیا اور بدمستی میں بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ اپنے آپ کو تباہی وبربادی میں ڈال لیا۔

اس کے بعد خداتعالیٰ ان مشرکین سے فرمائیں گے کہ لو یہ تمہارے معبود بھی تمہاری تکذیب کر رہے ہیں۔ جسے تم نے اپنا سمجھ

کر پوجا تھا اور جن کی پرستش تم نے اس خیال سے کی تھی کہ یہ تمہیں خدا کا مقرب بنا دیں گے۔ مگر یہ تو اظہار بیزاری کر رہے ہیں۔ لہذا اب تمہارے چھٹکارے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی اور نہ کوئی تمہارا مددگار ہوگا جو یہاں تمہارے کام آ سکے گا۔ خدا کے ساتھ شرک کرنے والوں کے لئے ایسا ہی سخت عذاب ہے۔

کافر جو یہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ نبی کو کھانے پینے سے کیا واسطہ۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ بشریت اور رسالت میں کوئی تضاد نہیں اور ان سے پہلے سارے پیغمبر بھی انسانی ضرورتیں رکھتے تھے۔ کھانا پینا ان کے ساتھ بھی تھا۔ اسی طرح کسب معاش اور دوسری ضروریات ان سے بھی وابستہ تھیں۔ اس لئے یہ کوئی اعتراض نہیں اور نہ یہ کوئی نئی بات ہے۔ البتہ خدا تعالیٰ انہیں پاکیزہ اوصاف وعمدہ خصائل اسی طرح معجزے عنایت فرماتے ہیں جس کی بناء پر صاحب عقل مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ ان کی نبوت کو تسلیم کرے۔

اور ہم تو تم میں سے ایک کی دوسرے سے آزمائش کر لیا کرتے ہیں۔ تا کہ فرمانبردار اور نافرمان کا پتہ چل جائے۔ چنانچہ انبیاءؑ کو بھی ایسے حالات میں رکھا کہ جن سے امت کی پوری آزمائش ہو جائے کہ کون ان کی صفات بشری پر نظر رکھتے ہوئے تکذیب کر رہا ہے اور کون ان کے کمالات نبوت کی تصدیق کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی لوگوں کے حالات کو بھی خدا تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ تا کہ ان کے اعمال کے مطابق انہیں جزا اور سزا دی جائے۔ **واللہ اعلم بالصواب**۔

﴿الحمدللہ کہ پارہ نمبر ۱۸ کی تفسیر تمام ہوئی﴾

پارہ نمبر ﴿۱۹﴾

فہرست پارہ ﴿وقال الذین﴾

وَقَــالَ الَّذِيْــنَ

وَقَـالَ الَّذِيْنَ لَايَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا لَايَخَافُوْنَ الْبَعْثَ **لَوْلَآ** هَلَّا **اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ** فَكَانُوْا رُسُلًا اِلَيْنَا **اَوْنَرٰى رَبَّنَا** ط فَيُخْبِرُنَا بِاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ تَعَالٰى **لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا** تَكَبَّرُوْا **فِيٓ** شَانِ **اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا** طَغَوْا **عُتُوًّا كَبِيْرًا** ﴿۲۱﴾ بِطَلَبِهِمْ رُؤْيَةَ اللّٰهِ فِى الدُّنْيَا وَعَتَوْا بِالْوَاوِعَلٰى اَصْلِهٖ بِخِلَافِ عُتِيٍّ بِالْاِبْدَالِ فِيْ مَرْيَمَ **يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ** فِىْ جُمْلَةِ الْخَلَا ئِقِ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَنَصْبُهٗ بِاُذْكُرْ مُقَدَّرًا **لَابُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ** اَىِ الْكَافِرِيْنَ بِخِلَافِ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَهُمُ الْبُشْرٰى بِالْجَنَّةِ **وَيَـقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا** ﴿۲۲﴾ عَلٰى عَادَتِهِمْ فِى الدُّنْيَا اِذَا نَزَلَتْ بِهِمْ شِدَّةٌ اَىْ عَوْذًا مَعَاذًا يَسْتَعِيْذُوْنَ مِنَ الْمَلَا ئِكَةِ قَالَ تَعَالٰى **وَقَدِمْنَآ** عَمِدْنَا **اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ** مِنَ الْخَيْرِ كَصَدَ قَةٍ وَصِلَةِ رَحِمٍ وَقِرٰى ضَيْفٍ وَاِغَاثَةِ مَلْهُوْفٍ فِى الدُّنْيَا **فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا** ﴿۲۳﴾ هُوَمَايُرٰى فِىْ الْكُوٰى الَّتِى عَلَيْهَا الشَّمْسُ كَالْغُبَارِ الْمُفَرَّقِ اَىْ مِثْلُهٗ فِى عَدَمِ النَّفْعِ بِهٖ اِذْ لَاثَوَابَ فِيْهِ لِعَدَمِ شَرْطِهٖ وَيُجَازُوْنَ عَلَيْهِ فِى الدُّنْيَا **اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا** مِنَ الْكَافِرِيْنَ فِى الدُّنْيَا **وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا** ﴿۲۴﴾ مِنْهُمْ اَىْ مَوْضَعَ قَائِلَةٍ فِيْهَا وَهِىَ الْاِسْتِرَاحَةُ نِصْفَ النَّهَارِ فِى الْحَرِّ وَاُخِذَ مِنْ ذٰلِكَ اِنْقِضَاءُ الْحِسَابِ فِىْ نِصْفِ نَهَارٍ كَمَا وَرَدَ فِى حَدِيْثٍ **وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ** اَىْ كُلُّ سَمَاءٍ **بِالْغَمَامِ** اَىْ مَعَهٗ وَهُوَغَيْمٌ اَبْيَضُ **وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ** مِنْ كُلِّ سَمَاءٍ **تَنْزِيْلًا** ﴿۲۵﴾ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَنَصْبُهٗ بِاُذْكُرْ مُقَدَّرًا وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِتَشْدِيْدِ شِيْنِ تَشَقَّقُ بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِى الْاَصْلِ فِيْهَا وَفِىْ اُخْرٰى نُنْزِلُ بِنُوْنَيْنِ الثَّانِيَةِ سَاكِنَةً وَضَمِّ اللَّامِ وَنَصْبِ الْمَلَا ئِكَةَ **اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ نِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ** ط لَايُشْرِكُهٗ فِيْهِ اَحَدٌ **وَكَانَ** الْيَوْمُ **يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا** ﴿۲۶﴾ بِخِلَافِ الْمُؤْمِنِيْنَ **وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ** الْمُشْرِكُ عُقْبَةُ بْنُ اَبِىْ مُعَيْطٍ كَانَ نَطَقَ بِالشَّهَادَتَيْنِ ثُمَّ رَجَعَ رِضَاءً لِاُبَىِّ بْنِ خَلَفٍ

عَلٰى يَدَيْهِ نَدَمًا وَتَحَسُّرًا فِي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ يَقُوْلُ يَا لِلتَّنْبِيهِ لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ مُحَمَّدٍ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ طَرِيْقًا اِلَى الْهُدٰى يٰوَيْلَتٰى اَلِفُهُ عِوَضٌ عَنْ يَاءِ الْاِضَافَةِ اَيْ وَيْلَتِي وَمَعْنَاهُ هَلَكَتِي لَيْتَنِي لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا اَيْ اُبَيًّا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ اَيِ الْقُرْاٰنِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِي ط بِاَنْ رَدَّنِي عَنِ الْاِيْمَانِ بِهٖ قَالَ تَعَالٰى وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ الْكَافِرِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ بِاَنْ يَتْرُكَهٗ وَيَتَبَرَّءَ مِنْهُ عِنْدَ الْبَلَاءِ وَقَالَ الرَّسُوْلُ مُحَمَّدٌ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي قُرَيْشًا اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ مَتْرُوْكًا قَالَ تَعَالٰى وَكَذٰلِكَ كَمَا جَعَلْنَا لَكَ عَدُوًّا مِنْ مُشْرِكِي قَوْمِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ قَبْلَكَ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ط اَلْمُشْرِكِيْنَ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرُوْا وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا لَكَ وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾ نَاصِرًا لَكَ عَلٰى اَعْدَائِكَ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا هَلَّا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ج كَالتَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالزَّبُوْرِ قَالَ تَعَالٰى نَزَّلْنَاهُ كَذٰلِكَ ج اَيْ مُتَفَرِّقًا لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ نُقَوِّيْ قَلْبَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ اَيْ اَتَيْنَا بِهٖ شَيْئًا بَعْدَ شَيْءٍ بِتَمَهُّلٍ وَتُؤَدَةٍ لِيَتَيَسَّرَ فَهْمُهٗ وَحِفْظُهٗ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ فِيْ اِبْطَالِ اَمْرِكَ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ الدَّافِعِ لَهٗ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ ط بَيَانًا هُمُ الَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اَيْ يُسَاقُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ لا اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا هُوَ جَهَنَّمُ وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾ ع اَخْطَاءُ طَرِيْقًا مِنْ غَيْرِهِمْ وَهُوَ كُفْرُهُمْ

ترجمہ:.......... وہ لوگ جو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں رکھتے (بعثت بعد الموت کا اندیشہ نہ ہونے کی وجہ سے) وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے۔ یا ہم اپنے پروردگار کو دیکھ ہی لیتے (تاکہ وہ خود اس کی اطلاع دے دیتے کہ محمد خدا کے رسول ہیں۔ ارشاد ہوکہ) یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں۔ اور یہ لوگ حد سے بہت دور نکل گئے ہیں (دنیا میں خدا تعالیٰ کی رویت کا مطالبہ کرکے۔ عتو، واو کے ساتھ اپنے اصل پر ہے۔ بخلاف عتی کے سورہ مریم میں کہ وہ بدل دیا گیا) جس روز یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے (دیگر مخلوقات کے ساتھ قیامت کے دن) اس روز مجرموں کے لئے کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی (بخلاف مومنین کے کہ انہیں جنت کی خوشی ہوگی) اور یہ (کفار) کہیں گے کہ پناہ پناہ (جیسا کہ ان کی دنیا میں عادت تھی کہ انہیں جب کوئی تکلیف پہنچتی تو فرشتوں سے پناہ مانگتے۔ ارشاد باری ہے کہ) ہم ان کے کاموں کی طرف متوجہ ہوں گے جو یہ کر چکے ہیں (دنیا میں مثلاً صدقہ، صلہ رحمی، مہمان نوازی، مظلوم کی دادرسی اور دیگر اعمال خیر) سو ان کو ایسا بیکار کردیں گے جیسے پریشان غبار (جیسا کہ روشندان سے جب سورج کی شعاع پڑتی ہے تو اس سے منتشر گردوغبار کی ایک لکیر نظر آتی ہے۔ اس تمثیل سے مقصد کفار کے اعمال کو ایمان کی عدم موجودگی میں غیر نفع بخش بتانا ہے) البتہ اہل جنت اس روز قیام گاہ (یعنی دنیا) میں بھی اچھے رہیں گے (کفار سے) اور آرام گاہ (یعنی جنت) میں بھی اچھے رہیں گے (ان کفار سے۔ مقیلاً سے مراد جنت میں قیلولہ کرنے کی جگہ۔ قیلولہ دوپہر میں آرام کرنے کو کہتے ہیں۔ اسی سے لوگوں نے یہ اخذ کیا ہے کہ حساب وکتاب دوپہر تک ختم ہو جائے گا اور اس سے فراغت کے بعد مومنین کو قیلولہ کو موقع مل جائے گا۔ حدیث سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے) اور جس روز آسمان ایک بدلی پر سے پھٹ جائے گا اور فرشتے (آسمان سے زمین پر) بکثرت اتارے جائیں گے (اور وہ قیامت کا دن ہوگا۔ یوم کا نصب اس وجہ سے ہے کہ اس سے پہلے اذکر

مقدر ہے اور ایک قرأت میں تشقق کے شین کو تشدید ہے اور ایک قرأت میں ننزل میں دونون ہیں۔ دوسرا نون ساکن اور ل کو ضمہ اور ملائکۃ کے تا کو فتحہ ہے) اس روز حقیقی حکومت خدائے رحمٰن ہی کی ہوگی (اس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہوگا) اور وہ دن کافروں پر بہت سخت ہوگا جس روز ظالم اپنا ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا (جیسے عقبہ ابن معیط وغیرہ جو کہ ایمان لے آنے کے بعد ابی بن خلف کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مرتد ہوگیا۔ وہ حسرت وندامت سے کہے گا) کاش میں رسول ﷺ کے ساتھ (دین کی) راہ پر لگ جاتا۔ ہائے میری شامت! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ (یویلتا میں الف یاء اضافی کے بدلہ میں ہے۔ اصل عبارت ہے ویلتی معنی ہلاکت کے ہیں۔ یقیناً اس کمبخت نے مجھ کو نصیحت آئے پیچھے بہکا دیا (اور مرتد بنادیا۔ ارشاد باری ہوا) شیطان تو انسان کو (عین وقت پر) امداد کرنے سے جواب دے ہی دیتا ہے (اور ابتلاء و پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے) اور اس دن رسول کہیں گے اے میرے پروردگار میری اس قوم (قریش) نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا (ارشاد ہوا) اور ہم اس طرح (جس طرح یہ لوگ آپ سے عداوت رکھتے ہیں) ہر نبی کے دشمن مجرم لوگوں میں سے بناتے رہتے ہیں (تو جس طرح ان لوگوں نے صبر کیا، آپ بھی صبر سے کام لیجئے) اور ہدایت کرنے کو اور (دشمنوں کے مقابل میں) مدد کرنے کو آپ کا رب کافی ہے۔ اور کافر یہ کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) پر قرآن ایک بارگی پورا کیوں نہیں نازل کر دیا گیا (جیسا کہ توریت وزبور وانجیل نازل ہوا۔ ارشاد خداوندی ہو کہ) اس طرح تدریجاً ہم نے اس لئے نازل کیا کہ ہم اس کے ذریعہ سے آپ کے دل کو قوی رکھیں۔ اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے۔ (وقتاً فوقتاً تاکہ اس کا یاد کرنا اور سمجھنا آسان ہو جائے) اور یہ لوگ (آپ کی باتوں کو غلط ثابت کرنے کے لئے) کیا ہی عجیب سوال آپ کے سامنے پیش کریں۔ مگر ہم اس کا ٹھیک اور نہایت واضح جواب آپ کو عنایت کر دیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے۔ یہ لوگ جگہ کے لحاظ سے بدترین اور طریقہ میں بھی بہت گمراہ ہیں۔ (دوسروں سے اپنے کفر کے سبب)۔

تحقیق وترکیب: ....عتوا عتوا کبیرا. عتوا. یہاں اپنی اصل پر ہے۔ جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور سورۂ مریم میں فواصل کی رعایت کی بناء پر بجائے عتوا کے عتی استعمال ہوا ہے۔

هجرا مهجورا. معنی میں استعاذہ کے ہے۔ مهجوراً بطور تاکید ایسے ہی استعمال ہوا۔ جیسے حرام محرم میں محرم حرام کی تاکید کے لئے استعمال ہوا۔ هجو کے معنی روک دینا۔ جس وقت کوئی کامیاب نہیں ہوتا تو عرب هجرا مجهورا استعمال کرتے ہیں۔ مخاطب ناکامی کو سمجھ لیتا ہے۔ دوسرے معنی اس کے استعاذہ کے بھی آتے ہیں اور یہاں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

قری ضیف. مہمان نوازی اور اگر قاف کا کسرہ ہو مع الف مکسورہ یا قاف کا فتح مع الف ممدودہ تو بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

یوم یرون الملائکة. یعنی وہ فرشتے جو عذاب پر مسلط کئے گئے ہیں۔ **لابشرٰی یومئذ.** یہ حال ہے ملائکہ سے عبارت اس طرح ہے کہ فرشتے ان کو دیکھ کر کہیں گے لابشریٰ لهم. اس کے لئے کوئی خوشخبری نہیں ہے۔

تشقق السماء بالغمام. با اس میں تین معنی کے لئے ہو سکتی ہے۔ یا تو یہ باسببیت کے لئے یا حال کے لئے۔ یا پھر معنی عن کے یعنی عن الغمام عبارت ہوگی۔ جیسا کہ یوم تشقق الارض عنهم میں عنهم سے مراد وہی لوگ ہیں جن سے زمین ہٹالی جائے گی۔

الملك يومئذ. الملك مبتداء ہے اور یومئذ ظرف ہے اس مبتداء کا۔ الحق اسی مبتداء کی صفت ہے اور الرحمٰن اس مبتداء کی خبر ہے۔ کفی بربك میں باء زائدہ ہے۔

﴿ تشریح ﴾:........... یہ کفار انکار نبوت کے لئے ایک بہانہ یہ بھی بناتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ کو کوئی رسول ہی بھیجنا تھا تو کسی فرشتہ کو کیوں نہیں بھیجا اور چونکہ یہ مشرکین دیوی دیوتا کے قائل تھے تو اپنی اسی عادت کے مطابق کہتے کہ اگر یہ رسول اپنی دعوے نبوت میں سچے ہیں تو ان کے ساتھ کوئی آسمانی دیوتا یعنی فرشتے کیوں نہیں بھیجے جو ان کے دعویٰ کی تصدیق کرتے۔ یا اس سے آگے کی بات یہ ہے کہ خدا نے خود کو کیوں نہیں دکھا دیا تا کہ ہم براہ راست اس کی زبان سے اس کے دعوؤں کی تصدیق سن لیتے اور ہمارے دلوں میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہتا۔ ان کا یہ قول صرف کبر وغرور اور عناد وسرکشی کی وجہ سے تھا۔ ورنہ ایمان لانے کی نیت نہیں تھی۔ جیسا کہ خود خدا تعالیٰ نے ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ اگر ہم ان پر فرشتوں کو اتارتے اور مردے ان سے باتیں کرنے لگتے اور دوسری غیب کی چیزیں بھی ان کے سامنے کر دیتے، جب بھی انہیں ایمان کی توفیق نصیب نہ ہوتی۔

ان کا یہ مطالبہ ویسے بھی پورا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ کافروں کا کفر وعدم ایمان نہ رویت باری کی صلاحیت رکھتا ہے اور نہ ملائکہ رحمت ان سے دوچار ہو سکتے تھے۔ اسی وجہ سے فرمایا گیا کہ جب بھی کافروں کا فرشتوں سے سامنا ہوگا تو وہ عذاب ہی کے فرشتے ہوں گے۔ وہ وقت کافروں کی مسرت وخوشی کا نہیں بلکہ انتہائی مصیبت کا وقت ہوگا۔ فرشتے ان سے کہیں گے کہ (جو خوشخبریاں مومنوں کے واسطے ہیں ان سے تم محروم ہو۔ یہ ترجمہ اس وقت ہوگا جب **ھجراً محجوراً** فرشتوں کا قول مانا جائے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مقولہ اس وقت کافروں کا ہوگا وہ فرشتوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ خدا کرے تم ہم سے آڑ میں رہو۔ تمہیں ہمارے پاس آنا نہ ملے۔ یہ **ھجراً محجوراً** ایک محاورہ ہے جو جاہلیت میں جب کسی کو کوئی ابتلاء پیش آتا یا کوئی اپنے دشمن کو دیکھتا اور یہ خیال ہوتا کہ وہ اس پر حملہ کرے گا تو اس وقت یہ جملہ کہتا۔

پھر ارشاد ہے کہ قیامت کے دن جب اعمال کا حساب وکتاب ہوگا اس وقت کافروں کو اپنے جن جن اعمال پر غرور ہوگا وہ سب کے سب اکارت ہو جائیں گے اور یہ جنہیں اپنی نجات کا ذریعہ سمجھے ہوئے تھے قیامت کے دن انہیں بے مصرف کر کے دکھا دیا جائے گا۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ کافروں کے اعمال کی مثال راکھ جیسی ہے جسے تیز ہوا اڑا دے۔ ان کے مقابل میں اہل ایمان کے ساتھ یہ معاملہ ہوگا کہ وہ جنت کے اعلیٰ درجوں میں عیش وعشرت کے ساتھ ہوں گے۔

سعید ابن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ آدھے دن میں بندوں کے حساب وکتاب سے فارغ ہو جائیں گے اور جنتیوں کے دوپہر کے سونے کا وقت جنت میں ہوگا اور جہنمیوں کا جہنم میں۔

قیامت کے دن جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو آسمان اور زمین پھٹ پڑیں گے اور پوری کائنات تباہ وبرباد ہو جائے گی۔ اس کے بعد پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا۔ جس کے نتیجہ میں زمین وآسمان از سر نو درست ہو جائیں گے۔ پھر زمین پر ملائکہ کا نزول ہوگا۔ حساب وکتاب شروع ہو جائے گا۔ خدا تعالیٰ کی ایک تجلی خاص اس حساب وکتاب کے لئے ہوگی۔ جس کے اردگرد ملائکہ کا ہجوم ہوگا۔

یہاں **تشقق السماء** سے مراد آسمان کا پھٹنا بطور تخریب اور فنا کے نہیں ہے کیونکہ وہ تو نفخ اول کے وقت ہو چکا ہوگا۔ بلکہ یہاں آسمان کا پھٹنا بطور کھلنے کے ہوگا۔ گویا کہ اب یہ آسمان وزمین از سر نو دوبارہ وجود میں آئیں گے جو کہ نفخ ثانیہ کے وقت ہوگا۔ اس دن بادشاہت صرف خدا ہی کے لئے ہوگی۔ کسی اور کو دخل وتصرف کی قطعاً گنجائش نہ ہوگی۔ وہ دن کافروں پر بہت گراں گزرے گا۔ لیکن مومنین کو قطعاً گھبراہٹ یا پریشانی نہ ہوگی۔

ارشاد ہے کہ جو کوئی پیغمبر علیہ السلام کے طریقہ سے اعراض کرے گا، اس کے لائے ہوئے دین سے روگردانی کرے گا وہ اس

دن بہت نادم ہوں گے اور حسرت وافسوس کے ساتھ اپنے ہاتھ کاٹ رہے ہوں گے اور آہ وزاری کرتے ہوئے کہہ رہے ہوں گے کہ کاش ہم نبی ﷺ کی راہ چھوڑ کر دوسرے راستے اختیار نہ کرتے۔

ارشاد ہے کہ شیطان انسان کو رسوا کرنے والا ہے اور وہ اسے ناحق کی طرف بلاتا ہے۔ حالانکہ قیامت کے دن زبانی ہمدردی بھی نصیب نہ ہوگی۔ دنیا میں ہر طرح کی گمراہی کسی نہ کسی انسان ہی کے ذریعہ آتی ہے اور شیطان جب بھی آتا ہے تو کسی دوست وآشنا کے قالب میں آتا ہے۔ اسی سے فقہاء نے یہ بات نکالی ہے کہ صحبت بد کا ترک واجب ہے۔

حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ آیت میں اشرار کی صحبت سے بچنے کی تعلیم ہے اور شریرا سے کہتے ہیں جو ذکر الٰہی سے بعید ہونے کا سبب بن جائے۔

قیامت کے دن سردار دوجہاں ﷺ جناب باری میں اپنی امت کی شکایت کریں گے کہ یہ قوم جو میری مخاطب بنائی گئی تھی اس کا قرآن کو ماننا اور اس پر عمل کرنا تو درکنار رہا۔ انہوں نے تو قران کو قابل التفات بھی نہ سمجھا۔ بلکہ یہ دوسروں کو بھی اس کے سننے سے روکتے۔ جیسا کہ کفار کا یہ مقولہ خود قرآن میں نقل کیا گیا کہ **لاتسمعوا لهٰذا القراٰن والغوا فيه**. یعنی اس قرآن کو نہ سنو اور اس کے پڑھے جانے کے وقت شور وغل مچاؤ۔

آپ غور کریں کہ آنحضور ﷺ کو اپنی مظلومیت کی شکایت نہ ہوگی۔ نہ آپ طائف کے باشندوں کی شکایت کریں گے اور نہ کفار مکہ کے مظالم کا شکوہ فرمائیں گے بلکہ اگر شکایت ہوگی تو قرآن مجید کے چھوڑنے کی اور اس کی طرف سے بے توجہی کی۔

جواب میں ارشاد ہوا کہ اے نبی ﷺ جس طرح آپ کی قوم میں قرآن کو نظر انداز کردینے والے لوگ ہیں۔ اسی طرح پچھلی امتوں میں بھی ایسے افراد تھے جو خود بھی کفر کرتے اور دوسروں کو بھی اپنے کفر میں شریک کرتے اور گمراہی پھیلانے کی فکر میں لگے رہتے۔ نیز ناحق شناس تو ہر زمانہ میں اپنے وقت کے پیغمبر کے دشمن رہے ہیں۔ لہذا کفر پسند عناصر جو آپ سے بھی عداوت رکھتے ہیں، آپ اس کا کوئی غم نہ کیجئے۔ خدا تعالیٰ ان میں سے جسے چاہے گا ہدایت عطا فرمائے گا اور وہ لوگ جو راہ راست پر نہ آئیں گے ان مجرموں اور سرکشوں سے جب مقابلہ کی ضرورت ہوگی تو منجانب اللہ آپ ﷺ کی مدد بھی ہوتی رہے گی۔ اس لئے آپ بے فکر رہیں۔

اعتراض اور اس کا جواب: .... کافروں کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ جس طرح توریت، انجیل، زبور وغیرہ پوری کی پوری ایک مرتبہ پیغمبروں پر نازل ہوتی رہیں، اسی طرح یہ قرآن بھی ایک دفعہ ہی آنحضور ﷺ پر نازل کیوں نہیں ہوا۔ اگر یہ خدا کا کلام ہوتا تو رفتہ رفتہ کیوں نازل ہوتا۔ یہ تو (نعوذ باللہ) انہیں کا کلام معلوم ہوتا ہے۔ سوچ سوچ کر حسب ضرورت تصنیف کرتے رہتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ واقعۃً یہ قرآن متفرق طور پر رفتہ رفتہ نازل ہوا۔ جیسی جیسی ضرورت پڑتی گئی۔ جو واقعات ہوتے رہے اسی کے مطابق احکام نازل ہوتے رہے۔ لیکن اس تدریجی نزول میں ایک بڑی مصلحت یہ تھی کہ رسول کی تقویت قلب رہے۔ نیز اس پر عمل کرنا کوئی مشکل ودشوار نہ ہو۔

پھر فرمایا گیا کہ ہم ان کے اعتراضات کا صحیح صحیح اور تسلی بخش جواب دیں گے جو قطعی بھی ہوگا اور قریب الفہم بھی۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو منہ کے بل جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے۔ یہ برے ٹھکانے اور گمراہ طریقے والے ہیں۔ جگہ سے مراد جہنم اور طریقہ سے مرد مسلک اور مذہب ہے۔

ایک شخص نے آنحضور ﷺ سے دریافت کیا کہ کافر جہنم میں منہ کے بل کس طرح لے جائے جائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ جس نے انہیں پیر کے بل چلایا ہے وہ سر کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔ اس سے یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ قادر مطلق اس پر پوری طرح قادر ہے کہ جس عضو اور جس قوت سے جو کام جس وقت چاہے لے لے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التَّوْرٰةَ **وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا﴿۳۵﴾** مُعِيْنًا **فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا** اَيِ الْقِبْطِ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ فَذَهَبَا اِلَيْهِمْ بِالرِّسَالَةِ فَكَذَّبُوْهُمَا **فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا﴿۳۶﴾** اَهْلَكْنَاهُمْ اِهْلَاكًا **وَ** اذْكُرْ **قَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ** بِتَكْذِيْبِهِمْ نُوْحًا لِطُوْلِ لُبْثِهٖ فِيْهِمْ فَكَاَنَّهٗ رُسُلٌ اَوْلِاَنَّ تَكْذِيْبَهٗ تَكْذِيْبٌ لِبَاقِي الرُّسُلِ لِاِشْتِرَاكِهِمْ فِي الْمَجِيْءِ بِالتَّوْحِيْدِ **اَغْرَقْنٰهُمْ** جَوَابُ لَمَّا **وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ** بَعْدَهُمْ **اٰيَةً** عِبْرَةً **وَاَعْتَدْنَا** فِي الْاٰخِرَةِ **لِلظّٰلِمِيْنَ** الْكَافِرِيْنَ **عَذَابًا اَلِيْمًا﴿۳۷﴾** مُؤْلِمًا سِوٰى مَا يَحُلُّ بِهِمْ فِي الدُّنْيَا **وَّ** اذْكُرْ **عَادًا** قَوْمَ هُوْدٍ **وَّثَمُوْدَاْ** قَوْمَ صَالِحٍ **وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ** اِسْمُ بِئْرٍ وَنَبِيُّهُمْ قِيْلَ شُعَيْبٌ وَقِيْلَ غَيْرُهٗ كَانُوْا قُعُوْدًا حَوْلَهَا فَانْهَارَتْ بِهِمْ وَبِمَنَازِلِهِمْ **وَقُرُوْنًاۢ** اَقْوَامًا **بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا﴿۳۸﴾** اَيْ بَيْنَ عَادٍ وَاَصْحٰبِ الرَّسِّ **وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ** فِيْ اِقَامَةِ الْحُجَّةِ عَلَيْهِمْ فَلَمْ نُهْلِكْهُمْ اِلَّا بَعْدَ الْاِنْذَارِ **وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا﴿۳۹﴾** اَهْلَكْنَا اِهْلَاكًا بِتَكْذِيْبِهِمْ اَنْبِيَاءَهُمْ **وَلَقَدْ اَتَوْا** مَرُّوْا اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ **عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْۤ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ** مَصْدَرُ سَاءَ اَيْ بِالْحِجَارَةِ وَهِيَ عُظْمٰى قُرٰى قَوْمِ لُوْطٍ فَاَهْلَكَ اللّٰهُ اَهْلَهَا لِفِعْلِهِمُ الْفَاحِشَةَ **اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا** فِيْ سَفَرِهِمْ اِلَى الشَّامِ فَيَعْتَبِرُوْنَ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ **بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ** يَخَافُوْنَ **نُشُوْرًا﴿۴۰﴾** بَعْثًا فَلَا يُؤْمِنُوْنَ **وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ** مَا **يَتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا** مَهْزُوًّا بِهٖ يَقُوْلُوْنَ **اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا﴿۴۱﴾** فِيْ دَعْوَاهُ مُحْتَقِرِيْنَ لَهٗ عَنِ الرِّسَالَةِ **اِنْ** مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاِسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ اِنَّهٗ **كَادَ لَيُضِلُّنَا** يَصْرِفُنَا **عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا** لَصَرَفْنَا عَنْهَا قَالَ تَعَالٰى **وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ** عِيَانًا فِي الْاٰخِرَةِ **مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴿۴۲﴾** اَخْطَأُ طَرِيْقًا اَهُمْ اَمِ الْمُؤْمِنُوْنَ **اَرَءَيْتَ** اَخْبِرْنِيْ **مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ** اَيْ مَهْوِيَّهٗ قَدَّمَ الْمَفْعُوْلَ الثَّانِيَ لِاَنَّهٗ اَهَمُّ وَجُمْلَةُ مَنِ اتَّخَذَ مَفْعُوْلٌ اَوَّلٌ لِرَاَيْتَ وَالثَّانِيْ **اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا﴿۴۳﴾** حَافِظًا تَحْفَظُهٗ عَنِ اتِّبَاعِ هَوَاهُ لَا **اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ** سَمَاعَ تَفَهُّمٍ **اَوْ يَعْقِلُوْنَ** مَا تَقُوْلُ لَهُمْ **اِنْ** مَا **هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴿۴۴﴾** اَخْطَأُ طَرِيْقًا مِنْهَا لِاَنَّهَا تَنْقَادُ لِمَنْ يَتَعَهَّدُهَا وَهُمْ لَا يُطِيْعُوْنَ مَوْلَاهُمُ الْمُنْعِمَ عَلَيْهِمْ

ع ۱۰ / ۲

ترجمہ:.........اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (یعنی توریت) دی تھی اور ہم نے ان کے ساتھ ان کے بھائی کو معین بنادیا تھا۔ پھر ہم نے کہا کہ دونوں آدمی ان لوگوں کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا ہے (یعنی فرعون اور اس کی قوم۔ باری تعالیٰ کے حکم پر یہ دونوں ان کے پاس پیغام خداوندی لے کر گئے۔ مگر انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا۔ سو ہم نے انہیں بالکل ہی ہلاک کر دیا اور (یاد کیجئے)

قوم نوح ؑ کو...... کہ جب انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا (کذبوا الرسل. یہاں جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ حالانکہ پیغمبر صرف ایک یعنی حضرت نوح علیہ السلام تھے تو ان کے دو جواب ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں اتنی مدت تک رہے کہ گویا کئی رسولوں کے قائم مقام ہوگئے۔ دوسرا جواب یہ کہ ان کا جھٹلایا گویا کہ انبیاء علیہ السلام کی پوری جماعت کو جھٹلانا ہوا۔ کیونکہ مقصد ہر نبی کا ایک ہوتا ہے۔ یعنی توحید کی دعوت دینا۔ اس وجہ سے رسل جمع کا صیغہ لایا گیا) ہم نے ان کو (طوفان سے) غرق کر دیا اور ہم نے ان (کے واقعہ) کو لوگوں کے لئے ایک نشان عبرت بنا دیا۔ (اغرقنا جواب ہے لما کذبوا کا) اور ہم نے ان ظالموں کے لئے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے (جو دنیاوی عذاب کے علاوہ ہوگا) اور (یاد کیجئے) ہم نے اسی طرح عاد (یعنی قوم ہودؑ) اور ثمود (یعنی قوم صالحؑ) اور اصحاب الرس کو (یہ ایک قوم تھی جس کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام تھے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ان کے علاوہ کوئی اور نبی تھے) اور ان کے درمیان میں بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا۔ اور ہم نے (امم مذکورہ میں سے) ہر ایک (کی ہدایت) کے لئے عجیب عجیب مضامین بیان کئے (ان لوگوں کے اتمام حجت کے لئے اور (جب نہ مانے تو) ہر ایک کو ہم نے بالکل ہی برباد کر دیا (انبیاء کی تکذیب کی سزا میں) اور یہ (کفار مکہ) اس بستی پر سے گزر رہے ہیں جس پر پتھر بری طرح برسائے گئے تھے (مطر السوء میں سوء مصدر ہے ساء کا معنی پتھر برسانا۔ یہ پتھروں کی بارش قوم لوط کے ایک بڑے گاؤں پر ہوئی تھی۔ جس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نے پوری آبادی کو ہلاک کر کے رکھ دیا تھا اور یہ سزا تھی ان کے برے اعمال کی) سو کیا یہ لوگ اسے دیکھتے نہیں رہتے (جب یہ ملک شام کی طرف سفر کرتے تھے۔ پس انہیں اس سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ یہاں استفہام تقریر کے لئے ہے) بات یہ ہے کہ یہ لوگ مر کر دوبارہ زندہ ہونے کا خیال ہی نہیں رکھتے (گویا کہ آخرت کے منکر ہیں اس وجہ سے یہ لوگ ان چیزوں سے ڈرتے نہیں اور نہ ایمان لاتے ہیں) اور جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ سے تمسخر کرنے لگتے ہیں (اور مذاق بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ) کیا یہی ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے (اور پھر حقارت کے ساتھ کہتے ہیں کہ) اس شخص نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے ہٹا ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر (مضبوطی سے) قائم نہ رہتے (ان کاد میں ان مخففہ من الثقیلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے جو انہ ہے۔ ان کے مذاق کے جواب میں ارشاد باری ہے کہ) عنقریب یہ جان لیں گے۔ جب عذاب دیکھ لیں گے کہ کون شخص راہ سے ہٹا ہوا تھا (یہ لوگ یا مومنین؟ اے پیغمبر آپ نے اس کی بھی حالت دیکھی ہے جس نے اپنی خواہشوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے (مفعول ثانی کو اس کی اہمیت کی بنا پر مقدم کر دیا گیا ہے اور جملہ من اتخذ رأیت کا مفعول اول ہے۔ اور مفعول ثانی افانت تکون ہے) سو کیا آپ اس کے ذمہ دار رہ سکتے ہیں (کہ انہیں ان کی خواہشات نفسانی سے باز رکھ سکیں۔ نہیں ایسا نہیں آپ کر سکتے) یا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں (جو کچھ آپ ان سے کہتے ہیں) نہیں یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں (اس لئے کہ یہ تو ان کی اتباع کرتے ہیں جو ان سے کسی چیز کا وعدہ کر لیتے ہیں نہ کہ اپنے منعم حقیقی کی۔

تحقیق وترکیب:......... کلا ضربنا میں کلا منصوب ہے فعل محذوف کی بناء پر فعل محذوف خوفنا ہے۔ معنی یہ ہیں کہ ہم نے سمجھانے بجھانے کی لاکھ کوششیں کیں مگر وہ راہ راست پر نہیں آئے۔ پھر ہم نے بھی انہیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔

مطرا لسوء. مفعول ثانی ہے اصل عبارت یہ ہے کہ **امطرت القوم مطر السوء** یعنی قوم پر بدترین بارش برسی۔

من اضل سبیلاً. من استفہامیہ مبتداء ہے اضل اس کی خبر ہے۔ سبیلا تمیز ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ پھر یہ جملہ محلاً منصوب ہے **یعلمون** کے دو مفعول کے قائم مقام ہونے کی بناء پر۔

من اتخذ الٰھہ ھواہ. یہاں مفعول ثانی کو مقدم کیا گیا۔ ایک ترکیب میں تقدیم وتاخیر نہیں ہے۔ کیونکہ معرفہ ہونے

میں دونوں برابر ہیں۔ابوسعود نے لکھا ہے کہ الـٰه اتخذ کا مفعول ثانی ہے جسے مفعول پر بربنائے اہتمام مقدم کردیا گیا۔مطلب یہ ہے کہ اپنی خواہشات کو اپنا امام بنالیا اور قطعی دلائل بھی نظر انداز کردیئے۔

الا هزواً . یہ مصدر ہے معنی میں مفعول کے اور اس کا متعلق محذوف ہے۔

﴿تشریح﴾:............ان آیات میں خدا تعالیٰ مشرکین اور آنحضور ﷺ کے مخالفین کو اپنے عذاب سے ڈرار ہے ہیں کہ جس طرح تم سے پہلے جن لوگوں نے انبیاءؑ کی تکذیب کی اور ان کی مخالفت کی، انہیں تباہ و برباد کردیا گیا۔چنانچہ قوم فرعون کی غرقابی مشہور واقعہ ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کو ان کے طرف نبی بنا کر بھیجا گیا۔لیکن انہوں نے ان کے ساتھ برا معاملہ کیا۔ جس کے نتیجہ میں ہلاک کردیئے گئے۔قوم نوحؑ کو دیکھو۔انہوں نے بھی نبی کو جھٹلایا۔جس کی وجہ سے تہس نہس کردیئے گئے۔اسی طرح قوم عاد وثمود واصحاب الرس وغیرہ بھی اسی جرم میں ہلاک کئے گئے۔قوم نوح کے ساتھ رسل کا صیغہ لایا گیا۔حالانکہ ان میں حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا۔

تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ کیونکہ حضرت نوحؑ اپنی قوم کے درمیان بہت لمبی مدت تک قیام پزیر رہے اس لئے انہیں گویا کہ کئی رسول کے قائم مقام تصور کیا گیا اور جمع کا صیغہ استعمال ہوا۔

دوسرا جواب کسی ایک نبی کو جھٹلانا گویا تمام انبیاءؑ کی تکذیب کے ہم معنی ہے۔اس وجہ سے جمع لایا گیا۔یا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لوگ سلسلہ نبوت ہی کے منکر ہوں۔جیسا کہ امام رازیؒ اور بعض دوسرے مفسرینؒ کی رائے ہے اور اصحاب رس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔لیکن محققین کی تحقیق کے مطابق ایک شہر یمامہ کے علاقہ میں تھا اور یہاں قوم ثمود کا کوئی قبیلہ آباد تھا۔بہرکیف اور بھی بہت سی امتیں آئیں جو اس جرم میں ہلاک کردی گئیں اور ہم نے ان سب کے سامنے دلیلیں پیش کردی تھیں۔معجزے دکھا دیئے تھے، مگر اس کے باوجود بھی جب یہ لوگ ایمان نہ لائے تو ہلاک کردیئے گئے۔

پھر ارشاد ہوا کہ یہ منکرین شام کے علاقہ سے گزرتے رہتے ہیں جہاں قوم لوط وغیرہ کی بستیوں کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، جن پر آسمان سے پتھر برسائے گئے۔جس کے نتیجہ میں ساری آبادی ہلاک ہوکر رہ گئی اور ان کی بستیاں کھنڈر وویران بن گئیں۔گویا کہ خدائی قانون سے بغاوت وسرکشی کرنے والی قوموں کی عبرتناک سزائیں اور بربادیاں ان کے علم میں ہیں اور ان کے کھنڈرات اور مٹے ہوئے آثار ان کی نظروں کے سامنے ہیں۔مگر اس کے باوجود یہ لوگ عبرت حاصل نہیں کرتے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں اس کا یقین ہی نہیں کہ عمل کی جزا اور سزا ملنے والی ہے۔

پیغمبر سے استہزاء:............یہ کفار آنحضور ﷺ کا مذاق اڑاتے اور عیب جوئی کرتے۔استہزاءً کہتے کہ اگر رسالت کوئی چیز ہے تو رسول کسی بڑے اور معزز شخص کو ہونا چاہئے تھا نہ کہ ایک معمولی آدمی کو۔اور یہ کہ وہ تو اچھا ہوا کہ ہم استقامت کے ساتھ اپنے قدیم طرز پر جمے رہے، ورنہ اس نے تو ہمیں بہکانے میں کوئی کسر ہی نہیں چھوڑی تھی۔اور اس شخص میں اس غضب کی جادو بیانی ہے کہ اس نے اکھاڑ ہی دیا ہوتا۔جواب ملا کہ انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ گمراہی میں مبتلا کون تھے؟ عذاب کو دیکھتے ہی ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

کہا گیا ان کی گمراہی کی بنیاد کوئی واقعی اور حقیقی شکوک وشبہات تو ہے نہیں۔یہ تو محض خواہش پرستی پر مبتلا ہیں اور آپ ان پر مسلط کر کے تو بھیجے نہیں گئے ہیں۔پھر آپ ان کی راہ روی پر کیوں غم کرتے ہیں۔

پھر ان کی بے حسی کو چوپایوں سے تشبیہ دی گئی اور کہا گیا کہ چوپائے تو مکلف بھی نہیں ہیں اور یہ مکلف ہوتے ہوئے چوپایوں سے بھی بدترین ہیں۔ دلائل ومعجزات کے بعد بھی نہ حق بات سنتے ہیں اور نہ فہم سے کام لیتے ہیں۔ نہ خدا کی وحدانیت اور نہ رسول ﷺ کی رسالت کو مانتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ تَنْظُرْ **اِلٰی** فِعْلِ **رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ** مِنْ وَقْتِ الْاِسْفَارِ اِلٰی وَقْتِ طُلُوْعِ الشَّمْسِ **وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا** مُقِيْمًا لَايَزُوْلُ بِطُلُوْعِ الشَّمْسِ **ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ** اَيِ الظِّلِّ **دَلِيْلًا ﴿۴۵﴾** فَلَوْلَا الشَّمْسُ مَاعُرِفَ الظِّلُّ **ثُمَّ قَبَضْنٰهُ** اَيِ الظِّلَّ الْمَمْدُوْدَ **اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾** خَفِيًّا بِطُلُوْعِ الشَّمْسِ **وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا** سَاتِرًا كَاللِّبَاسِ **وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا** رَاحَةً لِلْاَبْدَانِ بِقَطْعِ الْاَعْمَالِ **وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾** مَنْشُوْرًا فِيْهِ لِاِبْتِغَاءِ الرِّزْقِ وَغَيْرِهٖ **وَهُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ اَلرِّيْحَ **بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ** اَيْ مُتَفَرِّقَةً قُدَّامَ الْمَطَرِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِسُكُوْنِ الشِّيْنِ تَخْفِيْفًا وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِسُكُوْنِهَا وَفَتْحِ النُّوْنِ مَصْدَرٌ وَفِيْ اُخْرٰى بِسُكُوْنِهَا وَضَمِّ الْمُوَحَّدَةِ بَدَلَ النُّوْنِ اَيْ مُبَشِّرَاتٍ وَمُفْرَدُ الْاُوْلٰى نُشُوْرٌ كَرَسُوْلٍ وَالْاَخِيْرَةُ بَشِيْرٌ **وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾** مُطَهِّرٌ **لِّنُحْيِيَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا** بِالتَّخْفِيْفِ يَسْتَوِيْ فِيْهِ الْمُذَكَّرُ وَالْمُؤَنَّثُ ذَكَرَهٗ بِاِعْتِبَارِ الْمَكَانِ **وَّنُسْقِيَهٗ** اَيِ الْمَاءِ **مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا** اِبِلًاوَبَقَرًا وَغَنَمًا **وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾** جَمْعُ اِنْسَانٍ وَاَصْلُهٗ اَنَاسِيْنُ فَاُبْدِلَتِ النُّوْنُ يَاءً وَاُدْغِمَتْ فِيْهَا الْيَاءُ اَوْ جَمْعُ اِنْسِيٍّ **وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ** اَيِ الْمَاءَ **بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا** اَصْلُهٗ يَتَذَكَّرُوْا اُدْغِمَتِ التَّاءُ فِي الذَّالِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ لِيَذْكُرُوْا بِسُكُوْنِ الذَّالِ وَضَمِّ الْكَافِ اَيْ نِعْمَةَ اللّٰهِ بِهٖ **فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾** جُحُوْدَ النِّعْمَةِ حَيْثُ قَالُوْا مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا **وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾** يُخَوِّفُ اَهْلَهَا وَلٰكِنْ بَعَثْنَاكَ اِلٰى اَهْلِ الْقُرٰى كُلِّهَا نَذِيْرًا لِيَعْظُمَ اَجْرُكَ **فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ** فِيْ هَوَاهُمْ **وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ** اَيِ الْقُرْاٰنِ **جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ** اَرْسَلَهُمَا مُتَجَاوِرَيْنِ **هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ** شَدِيْدُ الْعُذُوْبَةِ **وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ** شَدِيْدُ الْمُلُوْحَةِ **وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا** حَاجِزًا لَايَخْتَلِطُ اَحَدُهُمَا بِالْاٰخَرِ **وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾** اَيْ سَتْرًا مَمْنُوْعًا بِهٖ اِخْتِلَاطُهُمَا **وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا** مِنَ الْمَنِيِّ اِنْسَانًا **فَجَعَلَهٗ نَسَبًا** ذَا نَسَبٍ **وَّصِهْرًا** بِاَنْ يَتَزَوَّجَ ذَكَرًاكَانَ اَوْ اُنْثٰى طَلَبًا لِلتَّنَاسُلِ **وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾** قَادِرًا عَلٰى مَا يَشَاءُ **وَيَعْبُدُوْنَ** اَيِ الْكُفَّارُ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُهُمْ** بِعِبَادَتِهٖ **وَلَا يَضُرُّهُمْ** بِتَرْكِهَا وَهُوَ الْاَصْنَامُ **وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾** مُعِيْنًا لِلشَّيْطَانِ بِطَاعَتِهٖ **وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا** بِالْجَنَّةِ **وَّنَذِيْرًا ﴿۵۶﴾** مُخَوِّفًا مِنَ النَّارِ **قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ**

عَلَيْهِ اَیْ عَلٰی تَبْلِیْغِ مَا اُرْسِلْتُ بِهٖ **مِنْ اَجْرٍ اِلَّا** لٰکِنْ **مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا** ﴿۵۷﴾ طَرِیْقًا بِاِنْفَاقِ مَالٍ فِیْ مَرْضَاتِهٖ تَعَالٰی فَلَا اَمْنَعُهٗ مِنْ ذٰلِكَ **وَتَوَكَّلْ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَسَبِّحْ** مُتَلَبِّسًا **بِحَمْدِهٖ** اَیْ قُلْ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ **وَكَفٰی بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِیْرَا** ﴿۵۸﴾ عَالِمًا تَعَلَّقَ بِهٖ بِذُنُوْبِ هُوَ نِ **الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ** مِنْ اَیَّامِ الدُّنْیَا اَیْ فِیْ قَدْرِهَا لِاَنَّهٗ لَمْ یَكُنْ ثَمَّ شَمْسٌ وَلَوْ شَاءَ لَخَلَقَهُنَّ فِیْ لَمْحَةٍ وَالْعُدُوْلُ عَنْهُ لِتَعْلِیْمِ خَلْقِهِ التَّثَبُّتُ **ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ** هُوَ فِی اللُّغَةِ سَرِیْرُ الْمَلِكِ **اَلرَّحْمٰنُ** بَدَلٌ مِنْ ضَمِیْرِ اسْتَوٰی اَیْ اِسْتِوَاءً یَلِیْقُ بِهٖ **فَسْئَلْ** اَیُّهَا الْاِنْسَانُ **بِهٖ** بِالرَّحْمٰنِ **خَبِیْرًا** ﴿۵۹﴾ یُخْبِرُكَ بِصِفَاتِهٖ **وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ** لِکُفَّارِ مَکَّةَ **اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا** بِالْفَوْقَانِیَّةِ وَالتَّحْتَانِیَّةِ وَالْاٰمِرُ مُحَمَّدٌ وَلَا نَعْرِفُهٗ لَا **وَزَادَهُمْ** هٰذَا الْقَوْلُ لَهُمْ **نُفُوْرًا** ﴿۶۰﴾ عَنِ الْاِیْمَانِ

ترجمہ: .... کیا تو نے اپنے پروردگار (کے کام) پر نظر نہیں کی کہ اس نے سایہ کو کیونکر پھیلا دیا اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک حالت پر ٹھہرایا ہوا رکھتا (اور یہ سایہ طلوع آفتاب کے نتیجہ میں غائب نہ ہوا کرتا) پھر ہم نے آفتاب کو اس (سایہ کی درازی اور کمی) پر ایک علامت مقرر کر دیا۔ (پس اگر یہ آفتاب نہ ہوتا تو سایہ کی معرفت مشکل ہوتی) پھر ہم نے اس (سایہ کی درازی) کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا (سورج کو روشن کر کے) اور وہی تو ہے جس نے تمہاری لئے رات کو پردہ کی چیز اور نیند کو (کام کاج کا سلسلہ منقطع کرا کے) آرام کی چیز بنا دیا اور دن کو گویا جی اٹھنے کا وقت بنا دیا (تاکہ حصول معاش کر سکو) اور وہی ہے جو اپنی بارش رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیج دیتا ہے کہ وہ (بارش کی امید لا کر) خوش کر دیتی ہیں (الریاح ایک قرأت میں الریح ہے۔بشراً میں ایک قرأت باء اور شین کے ضمہ کے ساتھ ہے۔دوسری قرأت شین کے سکون کے ساتھ ہے اور ایک قرأت شین کے سکون اور نون کے فتحہ کا ہے۔یعنی نشراً ہے) اور ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں، خوب پاک وصاف کرنے والا تاکہ اس کے ذریعہ ہم مردہ بستی میں جان ڈال دیں (یہاں یہ اعتراض واقع ہوتا ہے کہ بلدۃ جو کہ موصوف ہے تو صفت میتاً کو بھی مؤنث لانا چاہئے تھا۔اس کا جواب دیا گیا کہ اس میں مذکر ومؤنث دونوں برابر ہیں اور میتاً کو مذکر باعتبار بلدۃ کے مکانیت کے استعمال کیا گیا) اور اپنی مخلوقات میں سے بہت مویشیوں اور بہت سے انسانوں کو سیراب کر دیں۔

(اناسی جمع ہے انسان کی اصل ان کی اناسین ہے۔نون کو یا سے بدل دیا گیا اور اس کو پہلے یا میں مدغم کر دیا گیا) اور ہم پانی کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں۔

لیذکروا کی اصل یتذکروا ہے تا کو ذال میں ادغام کر دیا گیا اور ایک قرأت میں لیذکروا ذال کے سکون اور کاف کے ضمہ کے ساتھ ہے) سو (چاہئے تھا کہ اس نعمت کا حق ادا کرتے۔لیکن) اکثر لوگ ناشکر گزار ہوئے بغیر نہیں رہتے (اس نعمت کا انکار کر کے اور کہتے ہیں کہ بارش نچھتر کی وجہ سے ہوئی) اگر ہم چاہتے تو آپ کے علاوہ ہر بستی میں ایک ایک ڈرانے والا بھیج دیتے (تاکہ وہ وہاں کے باشندوں کو ڈرائے۔لیکن ہم نے آپ ہی کو ساری بستی والوں کے لئے بھیجا۔ تاکہ آپ کے اجر میں اضافہ

کردیں) سو آپ کافروں کا کہا نہ مانیئے اور (قرآن کے ذریعہ سے) ان کا مقابلہ زور وشور سے کیجئے اور وہی اللہ ہے جس نے دو دریاؤں کو ملایا (اور دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر بہایا) جن میں ایک (کا پانی) شیریں، تسکین بخش ہے۔ اور ایک (کا پانی) کھارا اور تلخ ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان (اپنی قدرت سے) ایک حجاب اور ایک مانع قوی رکھ دیا ہے (جس سے کہ وہ ایک ساتھ چلنے کے باوجود ایک دوسرے سے ملتے نہیں) اور وہ وہی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا (یعنی انسان منی سے جو کہ خود پانی ہی ہے) پھر اسے خاندان والا اور سسرال والا بنایا (اس طرح پر کہ مرد ہو یا عورت وہ ایک دوسرے سے افزائش نسل کے لئے شادیاں کرتے ہیں) اور آپ کا پروردگار بڑا قدرت والا ہے (وہ ہر چیز پر قادر ہے) اور (اس کے باوجود یہ مشرک) اللہ کے مقابلہ میں انکی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ نفع پہنچا سکیں (عبادت کرنے پر) اور نہ انہیں نقصان پہنچا سکیں (ترک عبادت پر) اور کافر تو اپنے پروردگار کا مخالف ہی ہے (اور شیطان کا معین و مددگار بنا ہوا ہے بتوں کی پرستش کر کے) اور ہم نے تو آپ کو صرف اس لئے بھیجا ہے (کہ اہل ایمان کو جنت کی) خوشخبری سنائیں اور (کافروں کو جہنم سے) ڈرائیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی معاوضہ تو مانگتا نہیں۔ ہاں (یہ البتہ چاہتا ہوں کہ) جو کوئی چاہے اپنے پروردگار تک راستہ اختیار کر لے (انفاق فی سبیل اللہ کر کے) اور آپ بھروسہ اسی زندگی پر رکھئے جسے کبھی موت نہیں اور اسی کی تسبیح وتحمید میں لگے رہئے اور اپنے بندوں کے گناہوں سے خوب خبردار ہے (بذنوب متعلق ہے خبیراً کے) وہ وہی ہے جس نے آسمان وزمین اور جو کچھ دونوں کے درمیان ہے اسے پیدا کردیا۔ چھ دنوں میں (یعنی چھ روز کی مقدار میں پیدا کردیا۔ یہ جواب ہے اس اعتراض کا کہ دن اور رات کا تو اس وقت وجود ہی نہیں تھا۔ پھر یہ چھ دن کس طرح کہہ دیا گیا؟ اور اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو ان چیزوں کو ایک لحہ میں پیدا کرسکتا تھا۔ مگر اس ترتیب سے مقصد مخلوق کو تدریج کی تعلیم دینا ہے) پھر وہ تخت (شاہی) پر قائم ہوگیا۔ وہی ہے خدائے رحمٰن سو (اے انسان) اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھنا چاہئے (جو اس کی صفات سے واقف ہے) اور جب ان (کفار مکہ) سے کہا جاتا ہے کہ خدائے رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن ہے کیا چیز؟ کیا ہم اسے سجدہ کرنے لگیں گے جس کے لئے تم ہمیں حکم دوگے (اے محمد ﷺ حالانکہ ہم اسے جانتے بھی نہیں۔ تامر. تا اور یا دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے) اور انہیں اور زیادہ نفرت ہوگئی ہے (ایمان سے)۔

تحقیق وترکیب:......... الم تر الی ربك. خدا تعالیٰ نے اپنی وحدانیت پر ان آیات میں محسوسات سے پانچ دلائل قائم کئے ہیں۔ پہلی دلیل تو یہی کہ سایہ کو گھٹاتے اور بڑھاتے ہیں۔ دوسری دلیل یہ کہ رات کو تمہارے لئے ایک تاریک پردہ بنادیا۔ تیسری دلیل یہ کہ باران رحمت سے پہلے خوشگوار ہوائیں چلاتے ہیں۔ چوتھی یہ کہ میٹھا اور شور پانی ایک دوسرے سے قریب چلتے ہیں۔ پھر ایک دوسرے پر اثر انداز نہیں اور پانچویں یہ کہ ایک قطرہ سے تخلیق انسان کی۔ ان دلائل پر اگر کوئی غور کرے گا تو اسے خدا تعالیٰ کی وحدت اور کمال قدرت واضح طور پر معلوم ہوجائے گی۔

بشرا بین یدی. با اور شین کے ضمہ کے ساتھ۔ ابو عمرؒ اور ابن کثیرؒ کی یہی قرأت ہے اور ابن عامرؒ کی قرأت کے مطابق سکون شین کے ساتھ ہے اور حمزہ کی قرأت کے مطابق سکون شین اور نون کا فتحہ مصدر ہے اور عاصم کے یہاں با کا ضمہ نون کے عوض ہے۔ عاصمؒ کی قرأت میں یہ بشور کی جمع ہے جو معنی میں مبشر کے ہے۔ امام رازیؒ نے ابو مسلم اصفہانیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ بشراً جمع بشیر کی ہے۔

اناسی کثیراً. یہ اصل میں اناسین تھا۔ جیسا کہ سراجین. سیبویہؒ کی یہی تحقیق ہے اور اسی کو راجح قرار دیا گیا ہے۔ فرا اسے انسی کی جمع بتاتے ہیں۔ اگرچہ فراؒ کے مذہب پر بعض اشکالات ہیں۔ کیونکہ انسی کی جمع اناسی نہیں آتی۔

اسجدوا للرحمٰن. الرحمن مرفوع ہے الذی خلق مبتداء کی خبر ہونے کی بناء پر یا مبتدا محذوف ہے۔ یعنی ھو الرحمن اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ بدل ہو اس ضمیر سے جو استوی میں ہے اور اگر اسے مبتداء بنالیں تو فسئل به خبیراً پورا جملہ اس کی خبر ہو جائے گا۔

فسئل به خبیراً. یہ صلہ ہے جیسا کہ سئل سائل بعذاب واقع صلہ ہے یا صلہ صرف خبیر ہے یا خبیر سل کا مفعول بہ ہے۔

رحمٰن. خدا تعالیٰ کا وہ نام ہے جس کا سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی تذکرہ آچکا ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا گیا۔ اس رحمٰن کے بارے میں ان لوگوں سے پوچھئے جو سابقہ آسمانی کتاب کا علم رکھتے ہیں۔

﴿تشریح﴾:............اب خدا تعالیٰ کی قدرت کے دلائل بیان کئے جا رہے ہیں۔ ارشاد ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد چیزوں کے سایہ کا بڑھنا اور دوپہر کے وقت گھٹ جانا اور پھر بڑھتے بڑھتے شام تک معدوم ہو جانا۔ یہ سب امور خدا تعالیٰ کی قدرت پر موقوف ہے۔ یہ کوئی خود بخود نہیں ہو رہا ہے اور اس کا دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ متضاد چیزوں کو پیدا کر رہا ہے۔ صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک سایہ رہتا ہے اور پھر طلوع آفتاب پر سایہ ختم ہو کر دھوپ نکل آتی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ دھوپ کو ختم کر کے پھر سایہ کر دیتا ہے۔ یہ انقلاب تیزی سے ہوتا رہتا ہے۔ اور اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو اسے ایک ہی حالت پر باقی رکھتا۔ جیسے ارشاد ہے کہ اگر وہ رات ہی رات رکھے تو کوئی دن نہیں کر سکتا اور اگر دن ہی دن رکھے تو کوئی رات نہیں لا سکتا۔ لیکن خدا تعالیٰ ہر چیز کی ضد پیدا کرتا ہے تا کہ وہ چیز پہچان میں آسکے۔ اسی طرح اگر سورج نہ نکلتا تو سایہ کا حال معلوم نہ ہوگا اور نہ اس کی قدر ہوتی۔ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ پہلے سایہ پھر اس کے بعد دھوپ اور پھر دھوپ اور پھر اس کے بعد سایہ۔ یہ سب کا سب قدرت کا انتظام ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ اسی نے رات کو تمہارے لئے لباس بنایا اور حقیقت یہ ہے کہ رات کی تاریکی میں انسان جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کسی کو کچھ پتہ نہیں چلتا۔ یہاں بھی خدا تعالیٰ کی توحید و یکتائی کا بیان ہے کہ اس نے بغیر کسی کی شرکت کے کسی خاص مقصد و مصلحت کے لئے دن اور رات بنائے اور پھر اسی نے نیند کو راحت وسکون کا ذریعہ بنا دیا۔ دن بھر کے کام کاج سے جو تھکن ہوگئی تھی وہ اس آرام سے ختم ہو جاتی ہے اور نیند کا باعث تفریح وتازگی ہونا خود ایک طبی حقیقت ہے۔ اسی کو کہا گیا کہ اس نے اپنی رحمت سے دن اور رات مقرر کئے تا کہ سکون و راحت بھی حاصل کرلو اور پھر دن کے اوقات میں فکر معاش میں لگ سکو۔

خدا تعالیٰ کی ایک تیسری قدرت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ بارش سے پہلے بارش کی خوشخبری دینے والی ہوائیں چلاتا ہے۔ ان ہواؤں میں بھی بہت سے خواص ہیں۔ بعض بادلوں کو منتشر کر دیتی ہیں۔ بعض انہیں اٹھاتی ہیں۔ بعض انہیں لے چلتی ہیں اور بعض بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں اور پھر آسمان سے پاک وصاف پانی برساتے ہیں۔ پھر فرمایا گیا کہ اسی پانی سے ہم بنجر اور غیر آباد زمین کو زندہ کر دیتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں وہ لہلہانے لگتی ہے اور تر وتازہ ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ پانی انسانوں اور حیوانوں کے پینے میں بھی کام آتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ میری یہ قدرت بھی دیکھو کہ گھٹا زوروں کی آئی ہے مگر بارش نہیں برستی۔ خدا تعالیٰ جہاں چاہتا ہے برساتا ہے اور جہاں چاہتا ہے نہیں برساتا۔ یہ سارے تصرفات اور پھر انسانوں کے درمیان پانی کی حسب مصلحت تقسیم کسی قادر مطلق ہی کی ہوسکتی ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ان دلائل وشواہد کو دیکھ کر خدا تعالیٰ پر ایمان لاتے اور اس کی ان نعمتوں کا حق ادا کرتے لیکن، یہ لوگ ناشکرے ہیں اور سب سے بڑی ناشکری تو کفر وشرک ہے۔

مصلحت اور دلیل قدرت:......... پھر ارشاد ہوا کہ اگر میں چاہتا تو ہر ہر بستی میں ایک نبی بھیج دیتا اور تنہا آپ پر اتنا بار نہ ڈالتا۔ لیکن ہماری مشیت اس کی مقتضی نہیں۔ ہم تو دنیا کی اصلاح کا کام آپ ہی کے ذریعہ چاہتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا گیا کہ کافر تو یہ چاہتے ہیں کہ ان کی آزادی میں کوئی فرق نہ آنے پائے اور آپ ﷺ تبلیغ کے کام میں سست پڑ جائیں تو کہیں آپ ﷺ ان کے کہنے میں نہ آ جائیں۔ بلکہ آپ ﷺ قرآن کے بیان کئے ہوئے دلائل کے ساتھ اپنی تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھیں۔

نیز یہ بھی خدا تعالیٰ ہی کی قدرت ہے کہ اس نے ایک ہی ساتھ میٹھا اور کھارا پانی جاری کر دیا۔ دونوں ایک ساتھ چلنے کے باوجود ایک دوسرے سے ملتے نہیں۔ حالانکہ اوپر سے دونوں کی سطح ایک معلوم ہوتی ہے۔ لیکن قدرت الٰہی نے اس میں ایک ایسی حد فاصل رکھی ہے کہ ایک جانب سے پانی جائے تو شیریں ہے اور دوسری جانب سے لیا جائے تو تلخ۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے حاشیہ ترجمۃ القرآن کے بیان کردہ تفصیلات کے مطابق دو دریاؤں کے درمیان اس اختلاط کا مشاہدہ متعدد مقامات پر کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ہندوستان کے مشرقی سرحد پر اراکان اور چاٹگام کے درمیان، اسی طرح ضلع باریسال موجودہ بنگلہ دیش میں بھی دو ندیاں ایک دوسرے سے متصل اس قسم کی بیان کی گئی ہیں۔

اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں پانی کے دو ذخیرے ہیں۔ ایک سمندری پانی جو کہ کھارا اور بدمزہ ہوتا ہے، دوسرا پانی جو دریا، جھیل، چشموں اور کنوؤں وغیرہ میں ملتا ہے۔ جو کہ شیریں اور خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ تو دونوں پانی ایک قسم کے ہونے کے باوجود الگ الگ خصوصیات پر قائم رہتے ہیں۔

نیز اسی قادر مطلق نے انسان کو ایک معمولی نطفہ سے پیدا کیا اور پھر کچھ نسبی رشتہ دار پیدا کر دیئے اور کچھ سسرالی رشتہ دار اور اس میں عقد و مناکحت کے نتیجہ میں دور دراز کے دو خاندانوں کے درمیان تعلقات قائم کر دیئے۔ خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کی قدرتیں سب کے سامنے ہیں۔ مگر اس کے باوجود یہ مشرکین بت پرستی میں لگے ہوئے ہیں جو انہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ ان مشرکین کو تو خدا اور اس کے رسول سے کچھ دشمنی سی ہے۔ اس لئے آپ ان کا فکر کیوں کرتے ہیں اور ان کے ایمان و ہدایت کی پرواہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ ﷺ کا کام تو صرف اطاعت گزاروں کو جنت کی خوشخبری دینا اور نافرمانوں کو جہنم کے عذاب سے ڈرانا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی کوئی ذمہ داری ہی نہیں۔ ویسے آپ ﷺ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میں اپنی تبلیغ اور اپنے وعظ کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا ہوں، بلکہ میرا مقصد تو صرف اتنا ہے کہ تم میں سے جو کوئی راہ راست پر آنا چاہے اسے صحیح راستے کی رہنمائی کر دوں۔

اس کے بعد آنحضور ﷺ کو مخاطب کیا گیا کہ آپ ﷺ تمام کاموں میں خدا تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے جو حی و قیوم ہے اور تمام چیزوں کا مالک ہے۔ اپنی تمام پریشانیوں میں اسی کی طرف رجوع کیجئے۔ وہی ناصر و مددگار ہے اور اپنے بندوں کے تمام اعمال سے واقف ہے۔ وہ خود ہی جب مناسب سمجھے گا ان مخالفین کو پوری سزا دے گا۔ خدا تعالیٰ تمام چیزوں کا مالک ہے۔ وہی ہر جاندار کا روزی رساں ہے۔ اس نے اپنی قدرت سے آسمان و زمین جیسی عظیم مخلوق کو صرف چھ دن میں پیدا کر دیا اور پھر تخت حکومت پر خود تخت نشین ہو گیا۔

ارشاد ہوا کہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کی شان و شوکت تو ان لوگوں سے معلوم کی جائے جو اس کی حقیقت سے واقف ہیں۔ یہ کفار و مشرکین خدا تعالیٰ کی رحمت کی کیا قدر جانیں۔ ان مشرکین نے تو اپنے دیوی دیوتاؤں کو ہوا بنا رکھا ہے۔ ان کا کام تو ان سے ڈرنا اور خوف کھانا ہے۔ صفت رحمانیت کا مظہر ہونا ان کی سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ کہا کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ کو تو ہم بھی معبود کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ لیکن یہ رحمٰن کیا بلا ہے۔ کیا یہ کوئی دوسرا خدا ہے۔ بہرکیف یہ مشرکین بجائے اسلام سے قریب ہونے کے اور دور ہوتے چلے گئے۔

قَالَ تَعَالٰى **تَبٰرَكَ** تَعَظَّمَ **الَّذِىْ جَعَلَ فِى السَّمَآءِ بُرُوْجًا** اِثْنَىْ عَشَرَ الْحَمَلَ وَالثَّوْرَ وَالْجَوْزَاءَ وَالسَّرْطَانَ وَالْاَسَدَ وَالسُّنْبُلَةَ وَالْمِيْزَانَ وَالْعَقْرَبَ وَالْقَوْسَ وَالْجَدْىَ وَالدَّلْوَ وَالْحُوْتَ وَهِىَ مَنَازِلَ الْكَوَاكِبِ السَّبْعَةِ السَّيَّارَةِ الْمَرِّيْخِ وَلَهُ الْحَمَلُ وَالْعَقْرَبُ وَالزُّهْرَةُ وَلَهَا الثَّوْرُ وَالْمِيْزَانُ وَعَطَارِدُ وَلَهُ الْجَوْزَاءُ وَالسُّنْبُلَةَ وَالْقَمَرُ وَلَهُ السَّرْطَانُ وَالشَّمْسُ وَلَهُ الْاَسَدُ وَالْمُشْتَرِىْ وَلَهُ الْقَوْسُ وَالْحُوْتُ وَزُحَلُ وَلَهُ الْجَدْىُ وَالدَّلْوُ **وَّجَعَلَ فِيْهَا** اَيْضًا **سِرٰجًا** هُوَ الشَّمْسُ **وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا** ﴿۶۱﴾ وَفِى قِرَاءَةٍ سُرُجًا بِالْجَمْعِ اَىْ نَيِّرَاتٍ وَخُصَّ الْقَمَرُ مِنْهَا بِالذِّكْرِ لِنَوْعِ فَضِيْلَةٍ **وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً** اَىْ يَخْلُفُ كُلٌّ مِنْهُمَا الْاٰخَرَ **لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ كَمَا تَقَدَّمَ مَافَاتَهُ فِى اَحَدِهِمَا مِنْ خَيْرٍ فَيَفْعَلَهُ فِى الْاٰخَرِ **اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا** ﴿۶۲﴾ اَىْ شُكْرًا لِنِعْمَةِ رَبِّهِ عَلَيْهِ فِيْهِمَا **وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ** مُبْتَدأٌ وَمَا بَعْدَهُ صِفَاتٌ لَهُ اِلَى اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ غَيْرَ الْمُعْتَرِضِ فِيْهِ **الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا** اَىْ بِسَكِيْنَةٍ وَتَوَاضُعٍ **وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ** بِمَا يَكْرَهُوْنَهُ **قَالُوْا سَلٰمًا** ﴿۶۳﴾ اَىْ قَوْلًا يَسْلَمُوْنَ فِيْهِ مِنَ الْاِثْمِ **وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا** جَمْعُ سَاجِدٍ **وَّقِيَامًا** ﴿۶۴﴾ بِمَعْنٰى قَائِمِيْنَ اَىْ يُصَلُّوْنَ بِاللَّيْلِ **وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا** ﴿۶۵﴾ اَىْ لَازِمًا **اِنَّهَا سَآءَتْ** بِئْسَتْ **مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا** ﴿۶۶﴾ هِىَ اَىْ مَوْضِعُ اِسْتِقْرَارٍ وَاِقَامَةٍ **وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا** عَلٰى عِيَالِهِمْ **لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا** بِفَتْحِ اَوَّلِهِ وَضَمِّهِ اَىْ يُضَيِّقُوْا **وَكَانَ** اِنْفَاقُهُمْ **بَيْنَ ذٰلِكَ** الْاِسْرَافِ وَالْاِقْتَارِ **قَوَامًا** ﴿۶۷﴾ وَسَطًا **وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ** قَتْلَهَا **اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ** اَىْ وَاحِدًا مِنَ الثَّلٰثَةِ **يَلْقَ اَثَامًا** ﴿۶۸﴾ اَىْ عُقُوْبَةً **يُّضٰعَفْ** وَفِى قِرَاءَةٍ يُضَعَّفُ بِالتَّشْدِيْدِ **لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهِ** بِجَزْمِ الْفِعْلَيْنِ بَدَلًا وَبِرَفْعِهِمَا اِسْتِيْنَافًا **مُهَانًا** ﴿۶۹﴾ حَالٌ **اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا** مِنْهُمْ **فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ** الْمَذْكُوْرَةَ **حَسَنٰتٍ** فِى الْاٰخِرَةِ **وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا** ﴿۷۰﴾ اَىْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ **وَمَنْ تَابَ** مِنْ ذُنُوْبِهِ غَيْرَ مَنْ ذُكِرَ **وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهُ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا** ﴿۷۱﴾ اَىْ يَرْجِعُ اِلَيْهِ رُجُوْعًا فَيُجَازِيْهِ خَيْرًا **وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ** اَىِ الْكِذْبَ وَالْبَاطِلَ **وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ** مِنَ الْكَلَامِ الْقَبِيْحِ وَغَيْرِهِ **مَرُّوْا كِرَامًا** ﴿۷۲﴾ مُعْرِضِيْنَ عَنْهُ **وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا** وُعِظُوْا **بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ** اَىِ الْقُرْاٰنِ **لَمْ يَخِرُّوْا** يَسْقُطُوْا **عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا** ﴿۷۳﴾ بَلْ خَرُّوْا سَامِعِيْنَ نَاظِرِيْنَ مُنْتَفِعِيْنَ **وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا**

هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا بِالْجَمْعِ وَالْاَفْرَادِ **قُرَّةَ اَعْيُنٍ** لَنَا بِاَنْ نَرَاهُمْ مُطِيعِيْنَ لَكَ **وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا** ﴿۷۴﴾ فِي الْخَيْرِ **اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ** اَلدَّرَجَةَ فِي الْجَنَّةِ **بِمَا صَبَرُوْا** عَلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ **وَيُلَقَّوْنَ** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ مَعَ فَتْحِ الْيَاءِ **فِيْهَا** فِي الْغُرْفَةِ **تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا** ﴿۷۵﴾ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ **خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا** ﴿۷۶﴾ مَوْضَعُ اِقَامَةٍ لَهُمْ وَاُولٰئِكَ وَمَا بَعْدَهُ خَبَرُ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الْمُبْتَدَاءِ **قُلْ** يَا مُحَمَّدُ لِاَهْلِ مَكَّةَ **مَا** نَافِيَةٌ **يَعْبَؤُا** يَكْتَرِثُ **بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ** ج اِيَّاهُ فِي الشَّدَائِدِ فَيَكْشِفُهَا **فَقَدْ** اَيْ فَكَيْفَ يَعْبَؤُ بِكُمْ وَقَدْ **كَذَّبْتُمْ** الرَّسُوْلَ وَالْقُرْاٰنَ **فَسَوْفَ يَكُوْنُ** الْعَذَابُ **لِزَامًا** ﴿۷۷﴾ مُلَازِمًا لَكُمْ فِي الْاٰخِرَةِ بَعْدَ مَا يَحُلُّ بِكُمْ فِي الدُّنْيَا فَقُتِلَ مِنْهُمْ يَوْمَ بَدْرٍ سَبْعُوْنَ وَجَوَابُ لَوْلَا دَلَّ عَلَيْهِ مَاقَبْلَهَا

ترجمہ:.........(ارشاد باری تعالیٰ) بڑا عالی شان ہے وہ جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے (جن کی تعداد بارہ ہے اور وہ یہ ہیں حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت اور یہ بارہ ستارے گویا کہ قیامگاہ ہیں۔ ساتوں سیارہ ستاروں کے اور وہ اس طرح پر کہ مریخ کا قیام گاہ حمل اور عقرب ہے۔ زہرہ کا قیام گاہ ثور و میزان ہے۔ عطارد کا قیام گاہ جوزاء اور سنبلہ ہے، قمر کا قیام گاہ سرطان ہے۔ شمس کا قیام گاہ اسد، مشتری کا قیام گاہ قوس وحوت ہے اور زحل کا قیام گاہ جدی اور دلو ہے) اور اس (آسمان) میں ایک چراغ (یعنی سورج) اور نورانی چاند بنادیا (سراجاً ایک قرأت میں سرجاً ہے۔ جمع کے معنی میں یعنی روشن سیارے اور چاند کا تذکرہ خاص طور پر اس لئے کیا گیا کہ وہ زیادہ روشن ہے) اور وہ وہی تو ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنادیا (اس طرح پر کہ دن ختم ہوتے ہی رات اور رات ختم ہوتے ہی دن آجاتا ہے۔ یہ سارے دلائل) اس شخص کے لئے ہیں جو سمجھنا چاہے یا شکر ادا کرنا چاہے (یذکر میں دو قرأت ہے۔ ایک قرأت میں ذال اور کاف مشدد ہے اور دوسری قرأت میں ذال اور کاف بغیر تشدید کے۔ اس صورت میں ذال ساکن ہوگا اور کاف کو ضمہ ہوگا) اور خدائے رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں۔ (عبادالرحمٰن مبتداء ہے اور اس کے بعد کی آیتیں اولئک یجزون تک اس کی صفت ہیں۔ درمیان میں جملہ معترضہ مثلاً ان عذابها کان غراما اور ومن یفعل ذٰلک یلق اثاماً وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں) اور جب ان سے جہالت والے لوگ (ناپسندیدہ) باتیں کرتے ہیں تو وہ رفع شر کی بات کہتے ہیں اور جو راتوں کو اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ و قیام (یعنی نماز) میں لگے رہتے ہیں اور وہ جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھیو۔ بے شک اس کا عذاب پوری تباہی ہے اور بے شک وہ (جہنم) برا ٹھکانہ اور برا مقام ہے اور وہ لوگ جب (اپنے اہل وعیال پر) خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس (افراط وتفریط) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص (کے قتل کرنے) کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے۔ ہاں مگر حق پر۔ اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص (ان تینوں میں سے کوئی) کام کرے گا تو اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل وخوار ہو کر رہے گا۔

یضٰعف ایک قرأت میں عین کے تشدید کے ساتھ ہے۔ یضعف اور یخلدون دونوں کو جزم پڑھیں تو بدل واقع ہوگا۔ یلق سے اور اگر ان دونوں کو رفع پڑھیں تو جملہ مستانفہ ہوگا) مگر ہاں (ان میں سے) جو توبہ کرلے ایمان لے آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ان کے (گذشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ تو بڑا مغفرت والا، بڑا رحمت والا ہے۔ (یعنی وہ تو

متصف ہی ہے صفت رحمت ومغفرت کے ساتھ) اور جو کوئی توبہ کرتا ہے (اس کے علاوہ دوسرے گناہوں سے بھی) اور نیک کام کرتا ہے تو وہ (بھی عذاب سے بچا رہے گا کیونکہ وہ) اللہ تعالیٰ کی طرف خاص رجوع کر رہا ہے۔ اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ بے ہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور جب وہ لغومشغلوں (یعنی جہاں بیہودہ باتیں وغیرہ ہو رہی ہوں۔ اس) کے پاس سے گزرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ (اس سے منہ موڑے ہوئے) گزر جاتے ہیں اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے ان کے پروردگار کی آیت (یعنی قرآن) کے ذریعہ تو یہ ان پر اندھے، بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ یہ اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس سے نفع اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں) اور یہ وہ لوگ ہیں جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) عطا فرما (اس طرح پر کہ یہ آپ کے اطاعت گزار اور فرمانبردار ہوں۔ ذریتنا میں جمع اور واحد دونوں قرأت ہیں) اور ہم کو پرہیزگاروں کا سردار بنا دے۔ ایسے لوگوں کو بالا خانے ملیں گے (جو جنت کا ایک درجہ ہے) بوجہ (اطاعت پر) ثابت قدم رہنے کے اور ان کو اس (جنت کے بالا خانے) میں (فرشتوں کی جانب سے) دعا وسلام ملے گا۔
(یلقون میں تشدید وتخفیف دونوں قرأت ہیں۔ تخفیف کی صورت میں یا کوفتحہ ہوگا) اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیا اچھا ہے وہ ٹھکانہ اور مقام (جوان کے مقام کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔ عبادالرحمن مبتداء ہے اور اولئک اور اس کے بعد کی آیتیں اس کی خبر ہیں) آپ ﷺ (اے محمد ﷺ کفار مکہ سے) کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار تمہاری پرواہ ذرا بھی نہیں کرے گا اگر تم عبادت نہ کرو گے۔ (اور اگر عبادت کرو گے تو وہ تمہاری پریشانیوں کو دور کر دے گا) سوتم (کس طرح لاپرواہ وبے فکر ہو حالانکہ) خوب جھٹلا چکے (رسول اور قرآن کو) سو عنقریب (یہ تکذیب) وبال بن کر رہے گی (آخرت میں جب کہ دنیا میں بھی سزا مل گئی جیسا کہ جنگ بدر میں یہ لوگ مارے گئے۔ لولا کا جواب اس سے پہلے کا جملہ یعنی ما یعبؤ بکم ہے)

تحقیق وترکیب: ....فی السماء بروجاً. بروج برج کی جمع ہے۔ بلند مقام اور محل کو کہتے ہیں۔ یہ برج سات ستاروں کے لئے بطور محل ہیں۔ اس لئے انہیں بروج کہا گیا۔

خلفة. رات اور دن میں ان احوال کو گردش دیتے رہتے ہیں جو ان کے مناسب ہے۔ یہ اصل میں ذوالحلفة تھا۔ کیفیت حالت کے نمایاں کرنے کے لئے ہے۔ جیسا کہ جلسة نشست کی کیفیت کو بیان کرتا ہے اور اگر قاموس کی اس تشریح کو سامنے رکھا جائے کہ یہ مختلفہ کے معنی میں ہے تو پھر کسی مضاف کی تقدیر کی بھی ضرورت نہیں رہے گی اور خلفة کو مفرد اس لئے استعمال کیا کہ مصدر کے وزن پر ہے۔

سجداً. یہ حال ہے اور لربهم سجداً کے متعلق ہے۔

ساء ت. یہ معنی میں احزنت کے ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں یہ مفعول کا صیغہ ہوگا اور ترجمہ ہوگا کہ جہنم جہنمیوں کے لئے موجب رنج ہوگی۔

لم یقتروا. لم یضیقوا. کے معنی میں ہے۔ یعنی خرچ واخراجات میں تنگی نہیں کرتے۔

- فیہ مهاناً. یخلد اور یضعف دونوں مجزوم ہیں اور بدل واقع ہو رہے ہیں یلقٰی سے۔

لزاماً. یہ مصدر لازم ہے لیکن یہاں اسم فاعل کے معنی میں ہے۔

﴿تشریح﴾: ....ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت دیکھو کہ اس نے آسمان میں برج بنائے۔ برج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں اور اس میں ایک چراغ یعنی سورج بنایا اور چاند بنایا جو منور اور روشن ہے اور دن رات کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنایا۔ یعنی دن جاتا ہے تو رات آتی ہے اور رات جاتی ہے تو دن آتا ہے۔ چاند اور سورج کا اپنے مقررہ وقت پر طلوع ہونا (اس طرح کہ نہ سورج چاند سے آگے بڑھ سکے اور نہ رات دن سے سبقت کر سکے۔ ان سب کا ایک نظام کے ماتحت ہونا یہ

سب کا سب اس خالق کی قدرت ہے اور اس کی صفت یکتائی پر ایک دلیل ہے۔ سمجھنے والوں کے لئے ہی استدلال کا کام دے سکتی ہے اور شکر ادا کرنے والوں کی نظر میں انعامات ہیں۔

مکارم اخلاق اور پاکیزہ خصلتیں:.......... اس کے بعد خدا تعالیٰ کے مطیع وفرمانبردار بندوں کے اوصاف بیان کئے جاتے ہیں کہ یہ لوگ بجائے فخر وغرور کو جو جاہلیت اور جاہل قوموں کا شعار ہے۔ وہ زمین پر سکون اور وقار کے ساتھ تواضع اور فروتنی اختیار کر کے چلتے پھرتے ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ بیماروں اور کمزوروں جیسی چال چلی جائے۔ بلکہ اسے تو سلف صالحین نے مکروہ قرار دیا ہے اور حضرت فاروق اعظمؓ نے جیسا کہ ایک نوجوان کو دیکھا کہ وہ آہستہ آہستہ چل رہا ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم بیمار ہو۔ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر یہ کیا چال ہے۔ خبردار آئندہ اس طرح کبھی نہ چلنا ورنہ کوڑے لگیں گے۔

تو اپنی چال میں عاجزی اور فروتنی اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پروقار اور شریفانہ چال ہونی چاہئے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جب نماز کے لئے آؤ تو دوڑو نہیں بلکہ وقار کے ساتھ آؤ جو حصہ جماعت کے ساتھ مل جائے ادا کرلو اور جتنی رکعتیں فوت ہو جائیں اسے بعد میں پوری کرلو۔

عبادالرحمٰن میں بندوں کی اضافت رحمن کی جانب ان کے اظہار فضیلت کے لئے ہے۔ ورنہ تو سارے ہی انسان خدا کے بندے ہیں۔ نیز ان حضرات کا جب جاہلوں سے واسطہ پڑتا ہے اور وہ لغو بے ہودہ باتیں کرتے ہیں تو جواب میں یہ بھی جہالت پر نہیں اتر آتے بلکہ درگزر سے کام لیتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ نہ صرف اپنے معالات میں متواضع ہیں بلکہ دوسروں کے مقابلہ کے وقت بھی ضبط وتحمل سے کام لیتے ہیں اور خود کسی پر زیادتی کرنا تو دور کی بات، اگر دوسرے ان پر زیادتی کرنے لگیں جب بھی مشتعل ہو کر آمادہ جنگ نہیں ہو جاتے بلکہ صبر سے کام لیتے ہیں۔ سلاماً کے معنی خیر کے ہیں اور اردو محاورے میں یہ ایسے ہی موقع پر آتا ہے جہاں بات کو ختم کرنا اور درگزر کرنا مقصود ہو۔

ان کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ ان کی راتیں خدا تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت میں بسر ہوتی ہیں۔ کسی غلط کام میں ان کے اوقات ضائع نہیں ہوتے۔ اس درجہ طاعت وعبادت کے باوجود ان کی خشیت قلب کی کیفیت یہ رہتی ہے کہ ہر وقت اس کی دعا کرتے رہتے ہیں کہ خدایا جہنم سے دور رکھیو۔ وہ تو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

ان کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ وہ خرچ واخراجات میں اعتدال ومیانہ روی سے کام لیتے ہیں۔ نہ تو اسراف ہی کرتے ہیں اور نہ بخل۔ یعنی نہ تو اپنے ضروری اخراجات اور طاعت وعبادت کے موقعہ پر خرچ کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں اور نہ افراط سے کام لے کر کسی غلط مصرف میں خرچ کرتے اور غیر ضروری کاموں میں لٹاتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جو افراط وتفریط سے بچتا ہے وہ کبھی فقیر ومحتاج نہیں ہوتا۔

خدا کے انہی برگزیدہ بندوں کے اوصاف چل رہے ہیں۔ ان کے اندر یہ بھی وصف ہے کہ اپنی توحید میں شرک کا کوئی شائبہ بھی نہیں آنے دیتے اور نہ بجز اس صورت کے کہ کسی کے قتل کے جواز پر کوئی شرعی سند مل جائے۔ ان کا دامن قتل وخونریزی سے پاک و صاف رہتا ہے۔ اس وصف کی قدر آپ کے اس وقت ہوگی جب آپ کے پیش نظر یہ بھی رہے کہ اہل عرب اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں قتل وخونریزی میں کس قدر بے باک تھے۔ بات بات پر تلواریں نکل آتیں اور گردنیں کٹ جاتی تھیں۔

حدیث کی مشہور کتاب بخاری ومسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آنحضور ﷺ سے دریافت کیا کہ سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ خدا کے ساتھ شرک کرنا۔ حالانکہ اسی نے سب کو پیدا کیا۔ انہوں نے کہا اس سے کم۔ آپ نے فرمایا۔ تمہارا اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالنا کہ تم اسے کہاں سے کھلاؤ گے۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ نے پوچھا اس کے بعد؟ آپ نے جواب دیا تمہارا اپنے پڑوس کی عورت سے زنا کرنا۔ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ پڑوس کی عورت سے زنا کرنا دس عورتوں سے زنا کرنے سے بھی بدتر ہے۔

مگر اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ پڑوس کے علاوہ دوسری عورتوں سے زنا کرنا ہلکے درجہ کا گناہ ہے۔ نہیں۔ چونکہ پڑوس کی عورت کے ساتھ بمقابلہ دوسری عورتوں کے زنا کے امکانات زیادہ ہیں۔ کیونکہ وہ قریب رہتی ہے۔ اس وجہ سے آپ نے بتا کید اس سے روک دیا اور اس کے بارے میں سخت سے سخت وعید کا ذکر فرمایا۔

ارشاد ہوا کہ جو ان مذکورہ اعمال یعنی شرک، قتل، زنا وغیرہ کو کرے گا انہیں سخت سے سخت عذاب دیا جائے گا۔ ویسے یہاں عذاب کے ساتھ زیادتی عذاب و دوام عذاب کی قیدوں سے مقصود کفار و مشرکین ہی معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ گنہگار مومن پر اگر عذاب ہوگا بھی تو اصلاح تطہیر کی غرض سے ہوگا۔ مگر اس سزا سے وہ بچ جائیں گے جو دنیا ہی میں اس سے توبہ کرلیں۔ یعنی جو شخص اپنے کفر کو اسلام سے بدل دے اور اپنے فسق کو طاعت سے تو خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کی توبہ کو قبول کرلیں گے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاتل کی توبہ بھی قبول ہوگی۔ ویسے سورۂ نساء میں جو آیا ہے کہ و من یقتل مومناً متعمداً الخ تو وہ مطلق ہے، اس وجہ سے کہ اسے ان قاتلوں پر محمول کی جائے گی جو اپنے اس فعل سے توبہ نہ کریں اور یہ آیت ان قاتلوں کے بارے میں ہے جو توبہ کرلیں۔ صحیح حدیثوں سے بھی قاتل کی توبہ کا قبول ہونا ثابت ہے۔

ان کے اوصاف میں ایک وصف یہ بھی ہے کہ وہ لایعنی مشاغل میں مشغول نہیں ہوتے بلکہ وہ بے ہودگیوں سے نظریں نیچی کئے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ زور کے معنی جھوٹ کے ہیں اور یشھدون الزور کے معنی لئے گئے ہیں ناجائز مجمع میں حاضری۔ اسی کے تحت میلے ٹھیلے، ناچ رنگ کی محفلیں، تھیٹر و سینما وغیرہ داخل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ لغو اور باطل کاموں سے پرہیز کرتے ہیں۔ بری محفلوں میں نشست و برخاست نہیں رکھتے۔ زور کے دوسرے معنی جھوٹی گواہی دینے کے بھی کئے گئے ہیں۔ اس صورت میں مطلب ہوگا جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس سے مراد مجلس زور ہے جس میں اللہ و رسول سے متعلق باتیں گھڑ گھڑ کر بیان کی جاتی ہیں۔

امام رازیؒ نے بیان کیا ہے کہ یہ سب معنی درست ہو سکتے ہیں، مگر زور کا استعمال جھوٹ کے معنی میں زیادہ تر ہوتا ہے۔ ان کے بہت سے اوصاف میں سے ایک وصف یہ ہے کہ قرآن کی آیتیں سن کر ان کے دل دہل جاتے ہیں اور قرآن کے حقائق و معارف کی طرف سے اندھے بہرے نہیں ہو جاتی ہیں بلکہ عقل و فہم کے ساتھ اس کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور تعمیل احکام میں لگ جاتے ہیں اور اس سے نفع حاصل کرتے اور اپنی اصلاح کرتے ہیں بخلاف کفار کے کہ ان پر کلام الٰہی کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ اپنی سرکشی و طغیانی سے باز آتے ہیں۔

ان اوصاف کو بیان کرنے کے بعد اب ان کی ایک دعا نقل کی جاتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کے گھر والے اور ان کے بیوی بچے بھی انہیں کی طرح خدا تعالیٰ کی فرمانبردار و اطاعت گزار اور موحد ہوں تاکہ انہیں دیکھ کر ان کا دل ٹھنڈا رہے اور آخرت میں بھی انہیں اچھی حالت میں دیکھ کر خوش ہوں۔ نیز ان کی یہ دعا بھی تھی کہ انہیں تقویٰ میں اس درجہ کمال حاصل ہو کہ دوسرے اہل تقویٰ بھی ان سے ہدایت پائیں۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ انسان کا خود دیندار ہونا کافی نہیں۔ بلکہ اپنے گھر والوں کی دینداری کی دیکھ بھال بھی ضروری ہے۔

اب آخر میں ان کے اوصاف اور ان کی دعا بیان کرنے کے بعد ان کے اجر کا تذکرہ ہے۔ ارشاد ہے کہ انہیں جنت ملے گی۔ وہاں ان کی عزت ہوگی۔ ان کے ساتھ ادب و احترام کا معاملہ ہوگا۔ فرشتے بھی تعظیماً و تکریماً ان پر سلام بھیجیں گے اور ان کی سلامتی کی دعا کریں گے او ر یہ سب کچھ ان کے ساتھ اس وجہ سے ہوگا کہ یہ دین پر ثابت قدم رہے اور ہجوم مشکلات میں صبر و استقامت سے کام لیا۔ یہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ نہ از خود نکلیں گے اور نہ نکالے جائیں گے اور نہ ان کی نعمتوں و راحتوں میں کوئی فرق آئے گا۔ وہ جگہ بڑی سہانی اور خوش منظر ہوگی۔

اب آخر میں ایک تنبیہ ہے۔ ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی تسبیح و تہلیل کے لئے پیدا کیا ہے۔ اگر مخلوق نے اس فریضہ کو انجام نہیں دیا تو خدا تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے۔ اس میں ان لوگوں کا رد بھی آ گیا جو محض تبرکات یا کسی بزرگ کے ساتھ انتساب کو مقبولیت کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ مشرکین کو خطاب کیا گیا کہ تم نے احکام الٰہیہ کو جھٹلایا تو یہ نہ سمجھو کہ بس معاملہ ختم ہو گیا۔ نہیں بلکہ اس کا وبال تمہارے سر ہے، دنیا اور آخرت میں تم تباہ و برباد ہوگے۔ عذاب الٰہی سے چھٹکارا ممکن نہیں۔

سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ

سُوْرَةُ الشُّعَرَاءِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَالشُّعَرَآءُ اِلٰى اٰخِرِهَا فَمَدَنِيٌّ وَهِيَ مِائَتَانِ وَسَبْعٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمّٓ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ **تِلْكَ** اَيْ هٰذِهِ الْاٰيَاتُ **اٰيٰتُ الْكِتٰبِ** الْقُرْاٰنِ الْاِضَافَةُ بِمَعْنٰى مِنَ **الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾** اَلْمُظْهِرُ الْحَقَّ مِنَ الْبَاطِلِ **لَعَلَّكَ** يَامُحَمَّدُ **بَاخِعٌ نَّفْسَكَ** قَاتِلُهَا غَمًّا مِنْ اَجْلِ **اَنْ لَّايَكُوْنُوْا** اَيْ اَهْلَ مَكَّةَ **مُؤْمِنِيْنَ﴿۳﴾** وَلَعَلَّ هُنَا لِلْاِشْفَاقِ اَيْ اَشْفِقْ عَلَيْهَا بِتَخْفِيْفِ هٰذَا الْغَمِّ **اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ** بِمَعْنَى الْمُضَارِعِ اَيْ تَدُوْمُ **اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ﴿۴﴾** فَيُؤْمِنُوْنَ وَلَمَّا وُصِفَتِ الْاَعْنَاقُ بِالْخُضُوْعِ الَّذِيْ هُوَلِاَرْبَابِهَا جُمِعَتِ الصِّفَةُ مِنْهُ جَمْعَ الْعُقَلَاءِ **وَمَايَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ** قُرْاٰنٍ **مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ** صِفَةٌ كَاشِفَةٌ **اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ﴿۵﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا** بِهٖ **فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا** عَوَاقِبُ **مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴿۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا** يَنْظُرُوْا **اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا** اَيْ كَثِيْرًا **مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ﴿۷﴾** نَوْعٍ حَسَنٍ **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً** دَلَالَةً عَلٰى كَمَالِ قُدْرَتِهٖ تَعَالٰى **وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴿۸﴾** فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ وَكَانَ قَالَ سِيْبَوَيْهِ زَائِدَةٌ **وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ** ذُوالْعِزَّةِ يَنْتَقِمُ مِنَ الْكَافِرِيْنَ **الرَّحِيْمُ﴿۹﴾** يَرْحَمُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاذْكُرْ يَامُحَمَّدُ لِقَوْمِكَ **اِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى** لَيْلَةَ رَاَى النَّارَ وَالشَّجَرَةَ **اَنِ** اَيْ بِاَنِ **ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰﴾** رَسُوْلًا **قَوْمَ فِرْعَوْنَ** مَعَهٗ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ بِالْكُفْرِ بِاللّٰهِ وَبَنِيْ اِسْرَاءِيْلَ بِاسْتِعْبَادِهِمْ **اَلَا** الْهَمْزَةُ لِلْاِسْتِفْهَامِ الْاِنْكَارِيْ **يَتَّقُوْنَ﴿۱۱﴾** اللّٰهَ بِطَاعَتِهٖ فَيُوَحِّدُوْنَهٗ **قَالَ** مُوْسٰى **رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ﴿۱۲﴾ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ** مِنْ تَكْذِيْبِهِمْ لِيْ **وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ** بِاَدَاءِ

الرِّسَالَةِ لِلْعُقْدَةِ الَّتِي فِيْهِ **فَاَرْسِلْ اِلٰى اَخِىْ هٰرُوْنَ** ﴿١٣﴾ مَعِىَ **وَلَهُمْ عَلَىَّ ذَنْۢبٌ** بِقَتْلِى الْقِبْطِىَّ مِنْهُمْ **فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ** ﴿١٤﴾ بِهٖ **قَالَ** تَعَالٰى **كَلَّا** ۚ اَىْ لَايَقْتُلُوْنَكَ **فَاذْهَبَا** اَىْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ فَفِيْهِ تَغْلِيْبُ الْحَاضِرِ عَلَى الْغَائِبِ **بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ** ﴿١٥﴾ مَاتَقُوْلُوْنَ وَمَا يُقَالُ لَكُمْ اَجْرِيَا مَجْرَى الْجَمَاعَةِ **فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا** اَىْ كُلًّا مِنَّا **رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿١٦﴾ اِلَيْكَ **اَنْ** اَىْ بِاَنْ **اَرْسِلْ مَعَنَا** اِلَى الشَّامِ **بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ** ﴿١٧﴾ فَاَتَيَاهُ فَقَالَالَهُ مَاذُكِرَ **قَالَ** فِرْعَوْنُ لِمُوْسٰى **اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا** فِىْ مَنَازِلِنَا **وَلِيْدًا** صَغِيْرًا قَرِيْبًا مِنَ الْوِلَادَةِ بَعْدَ فِطَامِهٖ **وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ** ﴿١٨﴾ ثَلَاثِيْنَ سَنَةً يَلْبَسُ مِنْ مَلَابِسِ فِرْعَوْنَ وَيَرْكَبُ مِنْ مَرَاكِبِهٖ وَكَانَ يُسَمّٰى اِبْنَهٗ **وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِىْ فَعَلْتَ** هِىَ قَتْلُهُ الْقِبْطِىَّ **وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ** ﴿١٩﴾ اَلْجَاحِدِيْنَ لِنِعْمَتِىْ عَلَيْكَ بِالتَّرْبِيَةِ وَعَدَمِ الْاِسْتِعْبَادِ **قَالَ** مُوْسٰى **فَعَلْتُهَآ اِذًا** اَىْ حِيْنَئِذٍ **وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ** ﴿٢٠﴾ عَمَّا اٰتَانِىَ اللّٰهُ بَعْدَ هَا مِنَ الْعِلْمِ وَالرِّسَالَةِ **فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِىْ رَبِّىْ حُكْمًا** عِلْمًا **وَّجَعَلَنِىْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ** ﴿٢١﴾ **وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَىَّ** اَصْلُهٗ تَمُنُّ بِهَا **اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ** ﴿٢٢﴾ بَيَانًا لِتِلْكَ النِّعْمَةِ اَىْ اتَّخَذْ تَهُمْ عَبِيْدًا وَلَمْ تَسْتَعْبِدْ نِىْ لَانِعْمَةَ لَكَ بِذٰلِكَ لِظُلْمِكَ بِاسْتِعْبَادِهِمْ وَقَدَّرَ بَعْضُهُمْ اَوَّلَ الْكَلَامِ هَمْزَةَ اِسْتِفْهَامٍ لِلْاِنْكَارِ **قَالَ فِرْعَوْنُ** لِمُوْسٰى **وَمَارَبُّ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿٢٣﴾ الَّذِىْ قُلْتَ اِنَّكَ رَسُوْلُهٗ اَىْ اَىُّ شَىْءٍ هُوَ وَلَمَّا لَمْ يَكُنْ سَبِيْلٌ لِلْخَلْقِ اِلٰى مَعْرِفَةِ حَقِيْقَتِهٖ تَعَالٰى وَاِنَّمَا يَعْرِفُوْنَهٗ بِصِفَاتِهٖ اَجَابَ مُوْسٰى عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ بِبَعْضِهَا **قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا** ۭ اَىْ خَالِقُ ذٰلِكَ **اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ** ﴿٢٤﴾ بِاَنَّهٗ تَعَالٰى خَالِقُهٗ فَاٰمِنُوْا بِهٖ وَحْدَهٗ **قَالَ** فِرْعَوْنُ **لِمَنْ حَوْلَهٗٓ** مِنْ اَشْرَافِ قَوْمِهٖ **اَلَاتَسْتَمِعُوْنَ** ﴿٢٥﴾ جَوَابَهُ الَّذِىْ لَمْ يُطَابِقِ السُّؤَالَ **قَالَ** مُوْسٰى **رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ** ﴿٢٦﴾ وَهٰذَا وَاِنْ كَانَ دَاخِلًا فِيْمَا قَبْلَهٗ يَغِيْظُ فِرْعَوْنُ وَلِذٰلِكَ **قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِىْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ** ﴿٢٧﴾ **قَالَ** مُوْسٰى **رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا** ۭ **اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ** ﴿٢٨﴾ اِنَّهٗ كَذٰلِكَ فَاٰمِنُوْا بِهٖ وَحْدَهٗ **قَالَ** فِرْعَوْنُ لِمُوْسٰى **لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِىْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ** ﴿٢٩﴾ كَانَ سِجْنُهٗ شَدِيْدًا يُحْبِسُ الشَّخْصَ فِىْ مَكَانٍ تَحْتَ الْاَرْضِ وَحْدَهٗ لَايُبْصِرُ وَلَا يَسْمَعُ فِيْهِ اَحَدًا **قَالَ** لَهٗ مُوْسٰى **اَوَلَوْ** اَىْ اَتَفْعَلُ ذٰلِكَ وَلَوْ **جِئْتُكَ بِشَىْءٍ مُّبِيْنٍ** ﴿٣٠﴾ اَىْ بُرْهَانٍ بَيِّنٍ عَلٰى رِسَالَتِىْ **قَالَ** فِرْعَوْنُ لَهٗ **فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ** ﴿٣١﴾ فِيْهِ **فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ** ﴿٣٢﴾ حَيَّةٌ عَظِيْمَةٌ **وَّنَزَعَ**

يَدَهٗ اَخْرَجَهَا مِنْ جَيْبِهٖ **فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ** ذَاتَ شُعَاعٍ **لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾** خِلَافَ مَا كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْاُدْمَةِ **قَالَ** فِرْعَوْنُ **لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾** فَائِقٌ فِىْ عِلْمِ السِّحْرِ **يُرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ** اَخِّرْ اَمْرَهُمَا **وَابْعَثْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾** جَامِعِيْنَ **يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾** يَفْضُلُ مُوْسٰى فِىْ عِلْمِ السِّحْرِ **فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾** وَهُوَ وَقْتُ الضُّحٰى مِنْ يَوْمِ الزِّيْنَةِ **وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾** اَلْاِسْتِفْهَامُ لِلْحَثِّ عَلَى الْاِجْتِمَاعِ وَالتَّرَجِّىْ عَلٰى تَقْدِيْرِ غَلَبَتِهِمْ لِيَسْتَمِرُّوْا عَلٰى دِيْنِهِمْ فَلَا يَتَّبِعُوْا مُوْسٰى **فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ **لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا** حِيْنَئِذٍ **لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى** بَعْدَ مَا قَالُوْا لَهٗ اِمَّا اَنْ تُلْقِىَ وَاِمَّا اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ **اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾** فَالْاَمْرُ مِنْهُ لِلْاِذْنِ بِتَقْدِيْمِ اِلْقَائِهِمْ تَوَسُّلًا بِهٖ اِلٰى اِظْهَارِ الْحَقِّ **فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ** بِحَذْفِ اِحْدَى التَّائَيْنِ مِنَ الْاَصْلِ تَبْتَلِعُ **مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾** يُقَلِّبُوْنَهٗ بِتَمْوِيْهِهِمْ فَيَتَخَيَّلُوْنَ حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ اَنَّهَا حَيَّاتٌ تَسْعٰى **فَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾** لِعِلْمِهِمْ بِاَنَّ مَا شَاهَدُوْهُ مِنَ الْعَصَا لَا يَتَاَتّٰى بِالسِّحْرِ **قَالَ** فِرْعَوْنُ **ءَاٰمَنْتُمْ** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا **لَهٗ** لِمُوْسٰى **قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ** اَنَا **لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِىْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ** فَعَلَّمَكُمْ شَيْئًا مِنْهُ وَغَلَبَكُمْ بِاٰخَرَ **فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۚ** مَا يَنَالُكُمْ مِنِّىْ **لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ** اَىْ يَدَ كُلِّ وَاحِدٍ الْيُمْنٰى وَرِجْلَهُ الْيُسْرٰى **وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۫** لَا ضَرَرَ عَلَيْنَا فِىْ ذٰلِكَ **اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا** بَعْدَ مَوْتِنَا بِاَىِّ وَجْهٍ كَانَ **مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾** رَاجِعُوْنَ فِى الْاٰخِرَةِ **اِنَّا نَطْمَعُ** نَرْجُوْ **اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ** اَىْ بِاَنْ **كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾** فِىْ زَمَانِنَا

ترجمہ: .... طٰسٓمٓ (خدا تعالیٰ اس کی مراد کو جانتا ہے) یہ (مضامین جو آپ پر نازل ہوتے ہیں) کتاب واضح (یعنی قرآن کریم) کی آیتیں ہیں۔ شاید کہ آپ (اے محمد ﷺ) ان (کفار مکہ) کے ایمان نہ لانے پر (رنج کرتے کرتے) اپنی جان دے دیں۔ (لعل مضمون شفقت کے اظہار کے لئے ہے۔ شفقۃً آنحضور ﷺ کو یہ مشورہ دیا کہ آپ کفار کی روش پر خود کو غم مفرط میں نہ ڈالئے) ہم اگر چاہیں تو ان پر آسمان سے کوئی ایسا نشان اتار دیں کہ ان کی گردنیں اس کے آگے بالکل جھک جائیں (اور وہ ایمان لے آئیں اور

کیونکہ خضوع انسانوں کی صفت ہے اور آیت میں اسے گردن کی صفت بنادیا گیا۔ اس لئے جمع میں اہل عقل کی رعایت کی گئی) اور ان کے پاس کوئی بھی تازہ فہمائش خدائے رحمٰن کی طرف سے ایسی نہیں آتی کہ یہ اس سے بے رخی نہ کرتے ہوں۔ چنانچہ یہ جھٹلا کر رہے ہیں۔ پس عنقریب ان کو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جس کے ساتھ یہ استہزاء کر رہے ہیں۔ کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کس قدر عمدہ عمدہ قسم کی بوٹیاں اگائی ہیں۔ بے شک اس میں (توحید اور خدا تعالیٰ کے کمال قدرت کی) بڑی نشانی ہے۔ لیکن (خدا تعالیٰ کو معلوم ہے کہ) ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے (سیبویہ نے کہا ہے کہ کان اکثرھم میں کان زائد ہے) اور بلاشبہ آپ کا پروردگار بڑا غالب ہے (ان کفار سے انتقام لے کر رہے گا) اور بڑا رحیم ہے (مومنین کے حق میں) اور (اے محمد ﷺ) اپنی قوم سے اس قصہ کا ذکر کیجئے۔ جب آپ کے پروردگار نے (آگ تلاش کرنے والی رات میں) موسیٰ کو پکارا کہ تم (بحیثیت رسول) ان ظالم لوگوں یعنی قوم فرعون کے پاس جاؤ (جو فرعون کے ساتھ لگ کر اور خدا کے ساتھ کفر کر کے اور بنی اسرائیل پر جبر کر کے اپنے نفس پر ظلم کر رہے ہیں) کیا یہ لوگ نہیں ڈرتے۔ (خدا تعالیٰ سے اور اس کی وحدانیت کو تسلیم نہیں کرتے۔ انہوں نے عرض کیا (موسیٰ علیہ السلام نے) اے میرے پروردگار مجھے بس اسی کا اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے اور میرا دل (ان کی تکذیب کی وجہ سے) تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان (ادائیگی رسالت میں) اچھی طرح نہیں چلتی (اس لکنت کی وجہ سے جو میری زبان میں ہے) اس لئے (میرے بھائی) ہارون علیہ السلام کے پاس وحی بھیج دیجئے (تا کہ وہ میرے لئے مددگار ثابت ہوں) اور میرے ذمے ان لوگوں کا ایک جرم بھی ہے (قبطی کے مار ڈالنے کا) سو مجھ کو اندیشہ ہے کہ مجھے قتل ہی کر ڈالیں گے۔ ارشاد ہوا کہ ہرگز نہیں (قتل کر سکتے) تم دونوں (یعنی تم اور تمہارے بھائی) ہمارے احکام لے کر جاؤ (یہاں بجائے حاضر کے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے) ہم خود تمہارے ساتھ سنتے رہیں گے (کہ تم کیا کہتے ہو اور اس کا جواب تمہیں کیا دیا جاتا ہے۔ صرف دو کے لئے جمع کا صیغہ تعظیماً لایا گیا ہے) سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم پروردگار عالم کے رسول ہیں (تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں) تا کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ (شام) جانے دے۔ (انہوں نے حسب حکم یہ بات فرعون کو پہنچادی۔ جس پر فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا کہ ہم نے تمہیں بچپن میں (اپنے گھر میں) پرورش نہیں کیا تھا؟ (یہاں بچپن سے مراد شیر خوارگی کے بعد کا دور)۔

اور تم اپنی اس عمر میں برسوں ہم لوگوں میں رہا کئے (تقریباً تیس سال رہے اور وہی معیار زندگی رہا جو فرعون کا تھا اور اس انداز میں رہے جیسے فرعون کی اولاد ہو) اور تم نے وہ حرکت بھی تو کی جو کی تھی (یعنی قبطی کو قتل کیا تھا) اور تم بڑے ناشکرے ہو (میری نعمت کے بھی منکر ہو گئے۔ جو ہم نے زمانہ تربیت میں تمہارے ساتھ کی تھی اور مثل اپنے بیٹے کے بنا کر رکھا تھا...... موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ واقعی میں وہ حرکت کر بیٹھا تھا اور مجھ سے نادانستہ غلطی ہو گئی تھی۔ پھر جب مجھے ڈر لگا تو میں تمہارے یہاں سے مفرور ہو گیا۔ پھر میرے رب نے مجھے حکمت عطا کی اور مجھے پیغمبروں میں شامل کر دیا اور یہی وہ احسان ہے جس کا بار تو مجھ پر رکھ رہا ہے (اصل میں عبارت تمن بھا تھا۔ بــا حرف جر کو حذف کر کے ضمیر کو فعل کے ساتھ متصل کر دیا کہ تو نے بنی اسرائیل کو سخت غلامی میں ڈال رکھا ہے (یعنی کیا تمہارا یہی احسان ہے کہ تم نے بنی اسرائیلیوں کو غلام بنا رکھا ہے۔ اگر چہ تم نے میرے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا۔ لیکن ان بنی اسرائیلیوں کو غلام بنانا اور مجھے آزاد چھوڑ دینا۔ یہ میرے لئے کوئی انعام نہیں ہے اور بعض لوگوں نے تلک سے پہلے ہمزہ استفہام انکاری کو محذوف مانا ہے۔

فرعون نے (حضرت موسیٰ علیہ السلام سے) کہا کہ اچھا پروردگار عالم کیا چیز ہے (یعنی تم جو کچھ کہتے ہو کہ تم خدا کے رسول ہو تو یہ بتلاؤ کہ آخر وہ خدا کیا چیز ہے؟ اور یہ کہ اب تک لوگوں کو اس کی حقیقت کی معرفت کیوں نہ ہو سکی۔ جبکہ صرف اس کی صفات کی لوگوں کو اطلاع ہے۔ اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے) کہا کہ وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا۔

اگر تم کو یقین حاصل کرنا ہو کہ (ان چیزوں کا خالق خدا ہے تو صرف خدا پر ایمان لاؤ۔ جس پر فرعون نے) اپنے اردگرد والوں (معزز ترین قوم) سے کہا کہ تم لوگ کچھ سنتے ہو کہ (سوال کچھ جواب کچھ موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا کہ وہ پروردگار ہے تمہارا اور تمہارے پہلے بزرگوں کا (اگر یہ جواب حضرت موسیٰ کے پہلے جواب یعنی خدا پروردگار ہے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس میں آچکا تھا۔ مگر موسیٰ علیہ السلام کے اس جملہ نے فرعون کے غیظ وغضب کو بڑھا دیا اور اس نے) کہا کہ یہ تمہارا رسول جو تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہے یہ تو مجنون ہے۔

(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا کہ وہ پروردگار ہے مشرق ومغرب کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کا بھی۔ اگر تم عقل سے کام لو (تو ایسا ہی پاؤ گے اور تمہیں خدا کی وحدانیت پر ایمان لے آنا چاہئے۔ جس پر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے) کہا کہ اگر تم نے میرے سوا اور کوئی معبود تجویز کیا تو میں تمہیں قید میں ڈال دوں گا۔ (فرعون کا قید خانہ بڑا ہی خطرناک تھا۔ وہ قیدی کو زیر زمین کسی کمرہ میں تنہا بند کر دیتا۔ جہاں وہ نہ کسی کو دیکھ سکتے اور نہ کسی طرح کی آواز ان کے کانوں میں پہنچ پاتی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے) کہا کہ اگر میں کوئی صریح دلیل (اپنی رسالت پر) پیش کر دوں تو؟ (کیا پھر بھی نہیں مانے گا۔ فرعون نے) کہا کہ اچھا تو وہ دلیل پیش کرو (اگر تم سچے ہو۔ پھر (موسیٰ علیہ السلام نے) اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ یک بیک نمایاں اژدہا بن گیا اور اپنا ہاتھ (گریبان سے) نکالا تو وہ یک بیک دیکھنے والوں کی نظر میں بہت ہی چمکدار ہو گیا (جس پر فرعون نے) اپنے اہل دربار سے جو اس کے آس پاس موجود تھے کہا کہ یہ بڑا جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے ملکوں سے اپنے جادو کے زور سے نکال دے۔ سو اب کیا کہتے ہو؟ درباریوں نے کہا آپ اسے اور اس کے بھائی کو کچھ مہلت دیجئے اور شہروں میں ہرکاروں کو بھیج دیجئے کہ وہ ماہر فن جادوگروں کو جمع کر کے آپ کے پاس لے آئیں (جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سحر کا زیادہ جاننے والا ہو) چنانچہ جادوگر ایک معین دن کے خاص وقت پر جمع کر لئے گئے۔ (اور وہ عید کے دن چاشت کا وقت تھا) لوگوں سے کہہ دیا گیا کہ جمع ہو جاؤ تاکہ جادوگر اگر غالب ہو جائیں تو ہم انہیں کی راہ پر رہیں۔ (ھل انتم مجتمعون میں استفہام دراصل لوگوں کو متعینہ جگہ پر جمع ہونے کے لئے اکسانا اور برانگیختہ کرنا ہے۔ اسی طرح لعلنا نتبع السحرۃ میں ان جادوگروں کی اتباع مقصود نہیں ہے۔ بلکہ ان کی کامیابی کی صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع سے چھٹکارہ اور اپنے دین پر جمار ہنا مراد ہے۔ اسی کو کنایۃً ساحروں کی اتباع سے تعبیر کر دیا) پھر جب جادوگر آئے تو فرعون سے بولے کہ اگر ہم غالب آگئے تو کیا ہم کو کوئی بڑا انعام ملے گا؟ (ائن میں ایک قرأت دونوں ہمزہ کے باقی رکھنے کا اور ایک قرأت ہمزہ کو حذف کر دینے کا ہے۔ فرعون نے) کہا کہ ضرور اور اس صورت میں تم ہمارے مقرب لوگوں میں شمار ہو جاؤ گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں سے کہا (جب کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا کہ ہم پہلے ڈالیں یا تم پہلے ڈالو گے) کہ تم کو جو کچھ ڈالنا ہو ڈالو (امر کا صیغہ یہاں حکم کے لئے نہیں بلکہ ان لوگوں کو اپنی کارروائی کو ابتداءً دکھانے کی اجازت کے لئے تاکہ اظہار حق ہو سکے)۔

سو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور کہنے لگے کہ فرعون کے اقبال کی قسم یقیناً ہم ہی غالب رہیں گے۔ پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا۔ سو وہ ان کے بنائے ہوئے گورکھ دھندے کو نگلنے لگا (جو انہوں نے فریب کاری اور ملمع سازی کر کے اپنے لاٹھیوں اور رسیوں کو زندہ سانپوں کی صورت میں دکھایا تھا) سو (یہ دیکھ کر) جادوگر سجدہ میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے پروردگار عالم پر جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے (غالباً اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جادوگروں نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کو دیکھا تو انہیں یقین آگیا کہ یہ کرتب جادو کے ذریعہ ممکن نہیں۔ فرعون) کہنے لگا کہ تم موسیٰ پر ایمان لے آئے بغیر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں۔ ضرور یہی تمہارا سردار ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے (اس نے تمہیں جادو کے کچھ حصے سکھائے اور بعض داؤ چھپائے رکھے تھے

جس کے ذریعہ اب اس نے تمہیں مغلوب کیا) اچھا تو تمہیں ابھی حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے۔ (دیکھو میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہوں) میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا۔ جادوگروں نے کہا کچھ حرج نہیں (تم جس طرح چاہو ہمیں مارڈالو۔ مرنے کے بعد) ہم اپنے پروردگار کے پاس جا پہنچیں گے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف کرے۔ اس لئے کہ (اپنے دور میں) ہم سب سے پہلے ایمان لے آئے۔

تحقیق وترکیب:............ان نشا ننزل. میں ان حروف شرط ہے اور نشا فعل شرط۔ ننزل جواب شرط۔

فظلت اعناقهم. ماضی کا مضارع پر کلمہ فا کے ساتھ مرتب ہونا باقاعدہ عربی صحیح نہیں۔ اس لئے ماضی کو مضارع کے معنی میں لینا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شارح نے ظلت کے بعد بمعنی المضارع کے الفاظ بڑھا دیئے۔

لها خاضعين. خضوع کو گردنوں کی صفت قرار دے دیا گیا۔ حالانکہ یہ گردن والوں کی صفت ہے۔ اسی وجہ سے خاضعين کی جمع اہل عقل کی جمع کی طرح لائی گئی۔ خاضعين میں دو اعراب ہیں۔ ایک تو یہ کہ اعناقهم کو مبتداء بنا دیا جائے اور خاضعين اس کی خبر۔ لیکن یہ اشکال باقی رہتا ہے کہ غیر اہل عقل کو جمع عقلاء کی طرح کیسے لائی گئی۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اعناق سے مراد گردن والے ہیں۔ دوسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مضاف محذوف ہو اور اصل عبارت یہ ہو۔ فظل اصحاب الاعناق. تیسری صورت جب عقلاء کی طرف مضاف کر دیا گیا تو اس نے عقلاء ہی کا حکم لے لیا۔ چوتھی صورت یہ کہ اعناق سے مراد عضو (گردن) مراد ہی نہیں۔ بلکہ گردن والے مراد ہیں۔ وغیرہ نحوی ترکیب کے اعتبار سے۔ دوسری صورت یہ بھی ممکن ہے کہ یہ منصوب بر بناء حال ہو اور ذوالحال **اعناقهم** کی ضمیر۔

اذ نادیٰ ربک. یہاں پر یہ مراد نہیں کہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام کا اس وقت میں سنایا جائے جبکہ خدا تعالیٰ نے ان کو ندا دی تھی بلکہ مراد نزول قرآن کے وقت میں سنانا ہے۔

ان عبدت. نحوی ترکیب چند ممکن ہیں۔ (۱) محلاً مرفوع تلک کا عطف بیان ہونے کی وجہ سے۔ (۲) محلاً منصوب مفعول لہ ہونے کی بناء پر۔ (۳) نعمة سے بدل۔ (۴) تمنها میں جو ها ہے اس سے بدل۔ (۵) مجرور ایک باء جارہ مقدرہ کی بناء پر اصل میں عبارت ہے بان عبدت. (۶) هی مبتداء محذوف کی خبر۔ (۷) ساتواں قول منصوب ہے اعنی منصوب کا مفعول ہونے کی بناء پر۔

ماانتم ملقون. یہ ایک اشکال کا جواب ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سحر جیسی باطل چیز کی نمائش اور تقدیم کا حکم کیسے دے دیا۔ جواب یہ ہے کہ یہ عارضی نمائش اظہار حق کی تمہید بنتی۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بطلان کے اس مظاہرہ کو خواہی نخواہی برداشت کیا۔

فاذا هی تلقف. تلقف اصل میں تلقف تھا۔ پھر اسے مشدد اور مخفف ہر دو طرح پڑھ سکتے ہیں۔

ربط:............سورۂ فرقان کے خاتمہ پر ان بندوں کی کچھ خصوصیات اور صفات زیر بحث تھیں۔ جو عبدیت کے پیکر، تواضع اور فروتنی کے سراپا، قلب ودماغ کے متواضع حلم وتحمل کے مجسمے، حسن کردار وحسن اقوال کے بلند روشن مینارے تھے۔ سورۂ شعراء کے آغاز میں اسی کے بالمقابل ایک سرکش، جابر وقاہر اور کبر وغرور میں مبتلا ناپاک ترین انسان کے احوال کا عبرت انگیز مرقع پیش نظر ہے۔ یہ جابر وقاہر فرعون تھا۔ جس کی اصلاح وہدایت کے لئے ایک برگزیدہ پیغمبر (موسیٰ علیہ السلام) روانہ کئے گئے تھے۔

آنحضور ﷺ کو یہ بھی بتایا گیا کہ بدنصیب اور متکبرین کی ہدایت جب وہ مقدر نہ ہو تو ان کا زیادہ پیچھا کرنا خود کو تعب اور زحمت میں ڈالنا ہے جس سے تبلیغ اور خود امور دین میں توسط واعتدال کی تعلیم ملتی ہے۔ پھر دلائل توحید کے بیان میں دونوں سورتیں متحد ہیں۔

﴿تشریح﴾:............طسٓمٓ کے بعض مفسرینؒ نے مطلب بیان کئے ہیں۔ مثلاً مشہور تفسیر کبیر میں ہے کہ ط سے اشارہ ہے طرب قلوب عارفین کی طرف اور س سے سرور محبین کی جانب اور م سے مناجات مریدین کی طرف اور دوسرا قول روح المعانی کا ہے کہ ط ذوی الطول کا مخفف ہے اور س قدوس کا اور م رحمٰن کا۔ لیکن بات یہ ہے کہ ان حروف مقطعات کے صحیح معنی تو خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

ارشاد ہوا کہ یہ قرآن کی آیتیں ہیں جو بالکل صاف، واضح اور حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کو سمجھایا گیا کہ ان لوگوں کے ایمان نہ لانے پر اس قدر غم و تاسف بیکار ہے۔ ہمارا کام تو اثبات حق کے ساتھ صرف صحیح دلائل کا نازل کر دینا ہے۔ اب ایمان لانا نہ لانا ان لوگوں کے اختیار میں ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان لوگوں کے پیچھے آپ ﷺ اپنی جان کھودیں۔ یہاں آنحضور ﷺ کی غمخواری اور دلسوزی کا ایک نقشہ بیان کیا گیا جو آپ ﷺ کو منکرین اور کافروں کے لئے تھا۔ صاحب روح المعانی نے آیت سے دو باتیں اخذ کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ آنحضور ﷺ اپنی امت پر کمال شفقت رکھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ کافر کی ایمان پر حرص حکم ازلی کے منافی نہیں ہے۔

ارشاد ہوا کہ اگر مشیت خداوندی یہ ہوتی کہ سب کے سب ایمان لے آئیں تو غیب سے کوئی نہ کوئی ایسا نشان دکھایا جاتا اور ایسی دلیل پیش کر دی جاتی کہ جس کے بعد تردد و تامل کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی۔ بلکہ سب کے سب ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے۔ لیکن اس صورت میں یہ عالم ابتلاء باقی نہیں رہتا۔ حالانکہ یہاں تو مقصود ہی انسان کی قوت اختیار کا امتحان ہے اور یہی دیکھنا ہے کہ کون کس حد تک اپنی اختیار کو صحیح مصرف میں استعمال کرتا ہے۔ فرمایا گیا کہ جب کبھی کوئی آسمانی کتاب نازل ہوئی تو بہت سے لوگوں نے اس پیغام حق اور لانے والے پیغمبر برحق کی تکذیب کی اور اس سے اعراض کیا۔ یہاں ان کے جرم کے تینوں مرتبے بیان کر دیئے گئے۔ پہلے اعراض، پھر تکذیب اور استہزاء جو تکذیب کا آخری درجہ ہے۔ تو جس طرح پچھلی قوموں نے اپنے پیغمبروں کے ساتھ معاملہ کیا۔ اسی طرح نبی آخر الزمان کی بھی ان کی قوم نے تکذیب کی۔ انہیں بھی عنقریب اس کا بدلہ مل جائے گا اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ کس گمراہی میں مبتلا تھے۔

اس کے بعد اپنی شان وشوکت اور کمال قدرت بیان فرماتے ہیں کہ جس کے کلام کو اور جس کے قاصد کو تم جھٹلا رہے ہو اور جس کا تم مذاق اڑا رہے ہو اس کی قدرتوں اور کمال صناعی کا یہ عالم ہے کہ اسی نے زمینیں بنائیں اور اس میں جاندار و بے جان چیزیں پیدا کیں اور پھر کھیتوں میں پھل پھول، باغ و بہار سب اسی کی کرشمہ قدرت کا نتیجہ ہیں۔ اس میں اس کے علاوہ خدائے تعالیٰ کی قدرت کی اور بھی بے شمار نشانیاں ہیں۔ مگر اس کے باوجود بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے۔ بلکہ اعراض اور سرکشی میں لگے ہوئے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے۔ اس کے سامنے ساری مخلوق عاجز ہے۔ صفت عزیز کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ سب پر غالب ہے لہٰذا ان مجرموں کو ہلاک کر ڈالتا۔ مگر ساتھ ہی وہ رحیم بھی ہے اور اس کی رحمت ہر ایک کے لئے عام ہے۔ اس وجہ سے باوجود انتقام پر کمالی قدرت ہوتے ہوئے بھی ان مجرموں کو مہلت دے رکھی ہے تاکہ وہ اپنے برے اعمال سے باز آجائیں۔ لیکن اس کے باوجود اگر یہ راہ راست پر نہیں آتے تو پھر انہیں سختی سے پکڑ لیتا ہے۔

مکالمہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون: .... خدائے تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پہاڑ پر حکم دیا تھا۔ اسے بیان فرمارہے ہیں کہ ہم نے تمہیں برگزیدہ رسول بنادیا اور فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ جو ظلم پر کمربستہ تھے اور انہیں خدائے تعالیٰ کا ڈروخوف نام کا بھی باقی نہیں رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ مجھے تعمیل حکم میں کیا عذر ہوسکتا ہے۔ مگر یہ خیال ہوتا ہے کہ کہیں وہ میری تکذیب نہ کردیں۔ جس سے مجھے تکلیف پہنچے گی۔ نیز میری زبان میں لکنت بھی ہے۔

روایات میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب تین چار سال کے تھے تو ایک جلتا ہوا انگارہ آپ نے اپنی زبان پر رکھ لیا تھا۔ اس سے زبان میں لکنت پیدا ہوگئی تھی۔ اس کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمارہے ہیں کہ میری زبان میں لکنت ہونے کی وجہ سے مفہوم کو صحیح انداز میں ادا کرنے پر قادر نہیں ہوں اور اس لئے تبلیغ کے فرائض انجام دینے میں دشواری پیش آئے گی۔ لہٰذا آپ ہارون کو بھی شریک نبوت کردیجئے۔ حضرت ہارون علیہ السلام پر کسی قبطی وغیرہ کے قتل کا بھی الزام نہیں ہے اور مجھ پر ایک قبطی کو مار ڈالنے کا الزام ہے۔ اس لئے میں نے مصر چھوڑا تھا۔ اب جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ کہیں وہ بدلہ نہ لیں۔

ارشاد ہوا کہ بے خوف وخطر ہو کر تم فرعون کے پاس جاؤ۔ کسی بات کا کھٹکا نہ رکھو۔ ہم تمہارے بھائی ہارونؑ کو بھی تمہارا ساتھی بنادیتے ہیں۔ وہ لوگ تمہیں کوئی ایذاء نہیں پہنچاسکیں گے۔ تم میری آیتیں لے کر جاؤ۔ میں تمہاری ان کی سب کی باتیں سنتا رہوں گا۔ میری حفاظت اور میری نصرت وتائید تمہارے ساتھ رہے گی۔ تسکین وتشفی کا یہ اعلیٰ مقام ہے۔ بندہ کو جب پروردگار عالم کی معیت پر یقین ہوجائے تو اس سے بڑھ کر اطمینان اور کیا ہوسکتا ہے۔

چنانچہ یہ دونوں خدائے تعالیٰ کا پیغام لے کر فرعون کے پاس پہنچے اور کہا کہ ہم پرورگار عالم کے فرستادہ ہیں۔ تم ان بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ ان کے وطن ملک شام جانے دو۔ وہ خدا کے مومن بندے ہیں۔ تم نے انہیں غلام بنا رکھا ہے اور تم ان کے ساتھ ذلت آمیز معاملہ کرتے ہو۔ اب انہیں آزاد کردو۔

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس پیغام کو حقارت کے ساتھ سنا اور بگڑ کر کہنے لگا کہ کیا تم وہی نہیں ہے جسے ہم نے پرورش کیا۔ مدتوں تمہاری خبرگیری کی اور اس احسان کا بدلہ تم نے یہ دیا کہ ہم میں سے ایک شخص کو مار ڈالا۔ تم تو بڑے ناشکرے اور احسان فراموش ہو۔ قصر فرعونی میں قیام کے متعلق یہود کی روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا قیام اٹھارہ سال کی عمر تک رہا۔ دوسری روایت تیس سال تک کی ہے اور ایک روایت چالیس سال تک کی ہے۔

بہرکیف موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو جواب میں کہا کہ یہ سب باتیں نبوت سے پہلے کی ہیں اور نادانستہ طریقہ پر مجھ سے وہ غلطی سرزد ہوگئی تھی اور پھر تمہارے ڈر سے میں نے فرار اختیار کیا تھا۔ لیکن اب بحیثیت رسول خدا تعالیٰ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ اس غلطی کے بعد جو مجھ سے غیرارادی طور پر سرزد ہوگئی اور جس کے نتیجہ میں، میں فرار ہوگیا تھا۔ یہ خدائے تعالیٰ کا مجھ پر بہت بڑا کرم ہے کہ اس نے میری وہ خطا معاف فرمادی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے احسان جتلانے کا جواب دیتے ہیں کہ مجھے پرورش کرنے کا جو تو احسان جتلاتا ہے تو اس کی حقیقت بھی یہی ہے کہ تیرے ہی ظلم کی وجہ سے مجھے دریا میں بہادیا گیا اور پھر تو نے لاوارث سمجھ کر مجھے نکلوادیا اور میری پرورش کی۔ اگر بنی اسرائیل کے بچوں پر تمہارا یہ ظلم نہ ہوتا تو نہ مجھے دریا میں ڈالا جاتا اور نہ تیرے یہاں پرورش ہوتی۔ اور اگر بالفرض تو نے مجھ پر احسان بھی کیا تو مجھ پر احسان کرنے سے کیا ہوتا ہے جبکہ تم دوسری طرف میری قوم کے ساتھ ظلم وبدسلوکی کا معاملہ کررہے ہو۔

فرعون جو مبتلائے شرک تھا اور عقیدۂ توحید سے ناآشنا تھا۔ مصری عقیدہ کے اعتبار سے سورج سب سے بڑا دیوتا تھا اور پھر اس کے بعد خود فرعون۔ اور یہی فرعون نے اپنی رعایا کو بتلا رکھا تھا کہ سب سے بڑا خدا میں ہی ہوں۔ میرے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں پروردگار عالم کا رسول ہوں تو حیرت کے ساتھ فرعون نے کہا کہ یہ رب العالمین کیا چیز ہے؟ یہ کیسا انوکھا لفظ ہے۔ یہ عالمگیر ربوبیت کا تخیل ہی اس کے دماغ سے باہر تھا۔ وہ ہر ایک کا الگ الگ دیوی دیوتا تو مان لیتے۔ لیکن اس حقیقت کو کہ ساری مخلوق کا ایک خدا ہے اسے ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔

فرعون کے اس سوال پر کہ رب العالمین کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ آسمان وزمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا خالق و مالک ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اپنے جواب میں خدا تعالیٰ کی صفت ربوبیت پر سب سے زیادہ زور دے رہے ہیں۔ یعنی کوئی بھی چیز خدا تعالیٰ کی صفت خالقیت و ربوبیت سے باہر نہیں۔ نیز مصریوں کے عقیدہ کے مطابق آسمان، زمین اور فضائے درمیانی۔ تینوں کے خدا الگ الگ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب سے اس کی بھی تردید آ گئی۔

موسیٰ علیہ السلام کا جواب سن کر فرعون اپنے اہل دربار سے کہنے لگا۔ جو سب عقیدۂ توحید کے بالکل ناآشنا و نامانوس تھے کہ دیکھو تو سہی یہ شخص کیسی بے پر کی عجیب وغریب باتیں اڑا رہا ہے اور یہ میرے سوا کسی اور کو خدا مانتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے اس طرز سے گھبرائے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے وجود پر اور دلائل بیان کرنے لگے اور ساتھ ہی ان کے جواب سے مصریوں کے دوسرے عقیدے کی بھی تردید ہوتی گئی۔ مثلاً مصریوں نے انسانی آبادی کو مختلف ٹکڑیوں میں تقسیم کر رکھا تھا اور سب کے دیوی دیوتا الگ الگ تھے۔ نیز ان کا ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ خود مردہ اسلاف ہی معبودیت کے مقام پر پہنچ جاتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے جواب پر لوٹ کر فرمایا کہ وہ پروردگار ہے تمہارا اور تمہارے اگلوں بزرگوں کا بھی۔ نیز اگر آج تم لوگ فرعون کو خدا مانتے ہو تو سوچو تو سہی کہ فرعون سے پہلے اس دنیا کا کون خدا تھا؟ فرعون سے پہلے بھی تو آسمان وزمین کا وجود تھا تو آخر اس کا موجد کون ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی خدا کوئی اور ہے۔ وہی میرا خدا ہے اور سارے جہان کا۔ اسی کا میں بھیجا ہوا ہوں۔

فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان دلائل کو سن کر کہنے لگا کہ چھوڑو بھی یہ تو کوئی پاگل آدمی معلوم ہوتا ہے۔ جب ہی تو ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ جو مشرق ومغرب کا پروردگار ہے وہی میرا رب ہے۔ اسی کے حکم سے سورج، چاند، ستارے طلوع اور غروب ہوتے ہیں۔ سورج کو دیوتا ماننے والے اور اس کی پرستش کرنے والوں کے سامنے خدا کو مشرق ومغرب کا رب اور مالک کی حیثیت سے پیش کرنا کمال بلاغت ہے۔

جب فرعون کو یہ اندیشہ ہوا کہ اس سے بحث مباحثہ کرنا مضر ہوگا اور کہیں اس کے دلائل سے یہ لوگ متاثر نہ ہوں۔ تو اس بحث مباحثہ کو چھوڑ کر اس نے اپنی طاقت اور قوت کا مظاہرہ کرنا چاہا اور کہنے لگا کہ اے موسیٰ! اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو پھر تمہیں جیل میں ڈال دوں گا۔ اس زمانے کے جیل اپنی شدائد ومصائب میں مشہور تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ وعظ ونصیحت اس پر اثر نہیں کرتی ہے، لہٰذا اسے کسی اور طریقہ سے قائل کیا جائے اور چونکہ فرعون اور اس کے متبعین سحر وغیرہ جیسی خرافات میں مبتلا تھے۔ اس لئے فرمایا کہ اگر تم خرق عادت چیزوں ہی کو صداقت کی دلیل سمجھتے ہو تو کہو میں بھی کوئی خرق عادت ایسا معجزہ پیش کروں جس کا تمہیں بھی قائل ہونا پڑے۔ یہ سن کر فرعون کہہ بھی کیا سکتا تھا۔ اس نے کہا کہ اگر تو سچا ہے کہ تو کوئی چیز پیش کر۔ آپ نے سنتے ہی ایک لکڑی جو آپ کے ہاتھ میں تھی زمین پر ڈال دی۔ زمین پر ڈالنا تھا کہ وہ ایک موٹا تازہ اژدہا بن گیا جسے ہر ایک نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور ساتھ ہی اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ چاند کی

طرح چمکتا ہوا نکلا۔ فرعون کی تقدیر میں چونکہ ایمان نہیں تھا۔ ایسے واضح معجزے دیکھ کر بھی اپنی ضد پر قائم رہا اور اپنے درباریوں سے کہنے لگا کہ یہ تو کوئی بہت بڑا جادوگر ہے اور فن کا ماہر معلوم ہوتا ہے۔ پھر اپنی قوم سے کہنے لگا کہ یہ تو ایسے ایسے شعبدے دکھا کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرلے گا اور جب کچھ لوگ اس کے ساتھ لگ لیں گے تو پھر یہ بغاوت کرے گا اور تمہیں مغلوب کر کے ملک کو اپنے تسلط میں کرلے گا اور حکومت کرے گا۔ لہٰذا ابھی سے اس کے فتنوں کا مقابلہ کرنا چاہئے۔

یہ پرجوش تقریر کر کے اس نے ان لوگوں سے کہا کہ بتاؤ اس سلسلہ میں تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ بولے کہ پہلے تو انہیں کچھ مہلت دیجئے۔ شاید باز آجائیں۔ ورنہ تو پھر ان کے مقابلہ کے لئے جادوگروں کو جمع کیا جائے تاکہ وہ مقابلہ کر کے ان کے زور کو توڑیں۔ سحار مبالغہ کا صیغہ ہے۔ ساحر کا اور علیم بھی اسی صفت سحر کو بڑھانے کے لئے لایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ماہر فن جادوگروں کو جمع کیا جائے جو ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرسکیں۔

معرکہ حق و باطل، حق کا غلبہ اور باطل کی سرنگونی:............ان لوگوں کے مشورہ کے مطابق ماہر فن جادوگروں کو جمع کیا گیا اور ان کے سامنے تمام صورت حال رکھ دی گئی۔ مقابلہ کا وقت اور مقام طے ہوگیا۔ اور اس کے بعد حکومت کی طرف سے عام منادی کرادی گئی کہ لوگ اپنی نظروں سے اس مقابلہ کو دیکھ لیں۔ ماہرین فن کے کمالات کا مشاہدہ کریں اور مشاہدہ کے بعد اپنے اسی دین فرعونی کی صداقت پر جم جائیں۔ فرعون نے جم کر یہ بات اس وجہ سے کہی کہ اسے یقین تھا کہ اس کے جادوگروں کی پارٹی کامیاب ہوکر رہے گی۔

جب یہ جادوگر دربار میں حاضر ہوئے تو ان لوگوں نے فرعون سے یہ یقین دہانی حاصل کرنی چاہی کہ جب ہم کامیاب ہوجائیں گے تو ہمیں انعام واکرام سے نوازا جائے گا۔ اس پر فرعون نے کہا کہ نہ صرف انعام دیا جائے گا بلکہ تمہیں ہم اپنے مقرب لوگوں میں شامل کرلیں گے اور ہر طرح سے تمہیں نوازا جائے گا اور تمہاری حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

اس کے بعد وہ خوشی خوشی متعینہ میدان میں پہنچے اور وہاں پہنچ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ پہلے تم اپنا کارنامہ دکھاؤ گے یا ہم دکھائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ نہیں پہلے تم ہی ابتداء کرو۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کیا آپ سحر کی اجازت دے رہے ہیں جو کہ بدترین معصیت ہے۔

صاحب روح المعانیؒ نے اس کا جواب دیا کہ مقصود سحر کا رد تھا۔ لیکن وہ رد خود موقوف تھا۔ ان کے اظہار سحر پر۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسی کسی زندیق سے کہا جائے کہ اپنے دعویٰ پر دلیل دو اور مقصود اس دلیل کا ابطال ہو...... نیز امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں جو شکوک وشبہات تھے اسے مٹانے کے لئے صرف یہی صورت باقی رہ گئی تھی تو اس وجہ سے سحر کی اجازت جائز ہوگئی تھی۔

موسیٰ علیہ السلام کا جواب پاتے ہی انہوں نے اپنی چھڑیاں اور رسیاں میدان میں ڈال دیں اور کہنے لگے فرعون کی عزت کی قسم ہم ہی غالب رہیں گے۔ ان کی ڈالی ہوئی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ کی شکل اختیار کر گئیں اور پورے میدان میں سانپ ہی سانپ نظر آنے لگے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کا جواب اسی انداز میں دینا چاہا جس طرح انہوں نے کرتب دکھائے تھے اور ان کے ہاتھ میں جو لکڑی تھی اسے میدان میں ڈال دیا۔ ان کی لکڑی ایک بڑے سانپ کی شکل اختیار کرگئی اور ان جادوگروں کے مصنوعی سانپوں کو نگلنا شروع کردیا۔ ماہرین فن یہ دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ کوئی جادوگر نہیں ہے۔ اگر جادوگر ہوتا تو ہمارے مقابل میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے متاثر اور اس کے سامنے بے بس ہوکر یہ تو اسی وقت وہیں خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر

گئے اور اسی مجمع میں اپنے ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔

فرعون اپنی آنکھوں سے اتنا بڑا انقلاب دیکھ رہا تھا۔ مگر اس کے باوجود اسے ایمان نصیب نہیں ہوا، بلکہ اب بھی اپنی طاقت اور قوت کے ذریعہ حق کو کچلنے کی کوشش کی اور ان جادوگروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ہاں مجھے سارے مکروفریب کا علم ہو گیا ہے۔ یہ موسیٰ تمہارا استاد ہے اور اسے تم نے پہلے بھیج دیا اور بظاہر تم مقابلہ کے لئے آئے تھے۔ لیکن طے شدہ پروگرام کے تحت تم خود ہار گئے اور اس کی بات مان گئے۔ تو گویا تمہاری نظروں میں میری کوئی حیثیت ہی نہیں تھی اور بغیر مجھ سے پوچھے تم نے موسیٰ کی بات مان لی۔ اس بغاوت وسرکشی کا مزہ تمہیں بہت جلد چکھا دیا جائے گا۔ تم میں سے ہر ایک کے ہاتھ پاؤں الٹے جانب سے کاٹ دوں گا۔ یعنی دایاں ہاتھ بایاں پیر اور بایاں ہاتھ اور دایاں پیر۔ اور پھر تم سب کو سولی کے تختہ پر چڑھا دوں گا۔ تم میں سے ایک بھی اس سزا سے نہیں بچ سکے گا۔ فرعون نے یہ ساری تقریر اس وجہ سے کی کہ حاضرین پر ان کے ہار مان لینے کا برا اثر نہ پڑے اور اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ سب کے سب ایمان نہ لے آئیں۔

لیکن جادوگروں کا جواب بھی سننے کے قابل تھا۔ انہوں نے متفقہ طور پر جواب دیا۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ تم سے جو کچھ ہو سکے کرلو۔ ہمیں اس کی مطلق پرواہ نہیں۔ ہمیں تو خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے جو حقیقی، دائمی، امن وعافیت اور راحت کا ٹھکانہ ہے۔ ہماری تو اب صرف ایک ہی آرزو ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے پچھلے گناہوں پر ہماری پکڑ نہ کرے۔ اسی وجہ سے ہم سب سے پہلے ایمان لے آئے۔ سبحان اللہ ان کے صبر اور ایمان پر استقامت کا کیا کہنا کہ فرعون جیسا ظالم وجابر حکمران سامنے ڈرا دھمکا رہا ہے اور یہ نڈر و بے خوف ہو کر اس کی منشاء کے خلاف جواب دے رہے ہیں۔ وجہ اس کی یہی تھی کہ کفر ان کے دلوں سے دور ہو چکا تھا اور اس کا یقین ہو گیا تھا کہ خدائے تعالیٰ کے مقابلہ میں ان مادی اور عارضی طاقتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ نیز ان کے دلوں میں یہ بات جم گئی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس خدا کا دیا ہوا معجزہ ہے۔ یہ کوئی جادو نہیں ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے اسی وقت بلا کسی تاخیر کے حق کو قبول کر لیا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى بَعْدَ سِنِيْنَ اِقَامَهَا بَيْنَهُمْ يَدْعُوْهُمْ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ اِلَى الْحَقِّ فَلَمْ يَزِيْدُوْا اِلَّا عُتُوًّا **اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ** بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِكَسْرِ النُّوْنِ وَوَصْلِ هَمْزَةِ اَسْرِ مِنْ سَرٰى لُغَةٌ فِيْ اَسْرٰى اَيْ سِرْ بِهِمْ لَيْلًا اِلَى الْبَحْرِ **اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ﴿۵۲﴾** يَتَّبِعُكُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ فَيَلِجُوْنَ وَرَاءَكُمُ الْبَحْرَ فَاُنْجِيْكُمْ وَاُغْرِقُهُمْ **فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ** حِيْنَ اُخْبِرَ بِسَيْرِهِمْ **فِى الْمَدَآئِنِ** قِيْلَ كَانَ لَهٗ اَلْفُ مَدِيْنَةٍ وَاِثْنَتَا عَشَرَةَ اَلْفِ قَرْيَةٍ **حٰشِرِيْنَ﴿۵۳﴾** جَامِعِيْنَ الْجَيْشَ قَائِلًا **اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ** طَائِفَةٌ **قَلِيْلُوْنَ﴿۵۴﴾** قِيْلَ كَانُوْا سِتَّمِائَةِ اَلْفٍ وَسَبْعِيْنَ اَلْفًا وَمُقَدَّمَةُ جَيْشِهٖ سَبْعُمِائَةِ اَلْفٍ فَقَلَّلَهُمْ بِالنَّظَرِ اِلٰى كَثْرَةِ جَيْشِهٖ **وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ﴿۵۵﴾** فَاعِلُوْنَ مَا يُغِيْظُنَا **وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ﴿۵۶﴾** مُتَيَقِّظُوْنَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ حَاذِرُوْنَ مُسْتَعِدُّوْنَ قَالَ تَعَالٰى **فَاَخْرَجْنٰهُمْ** اَيْ فِرْعَوْنَ وَجُنُوْدَهٗ مِنْ مِصْرَ لِيَلْحَقُوْا مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ **مِّنْ جَنّٰتٍ** بَسَاتِيْنَ كَانَتْ عَلٰى جَانِبَي

النِّيلِ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ اِنْهَا جَارِيَةٍ فِي الدُّوْرِ مِنَ النِّيلِ وَّكُنُوْزٍ اَمْوَالٍ ظَاهِرَةٍ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَسُمِّيَتْ كُنُوْزًا لِاَنَّهُ لَمْ يُعْطَ حَقُّ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْهَا وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ مَجْلِسٍ حَسَنٍ لِلْاُمَرَاءِ وَالْوُزَرَاءِ يَحِفُّهُ اَتْبَاعُهُمْ كَذٰلِكَ ط اَيْ اِخْرَاجُنَا كَمَا وَصَفْنَا وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ ﴿۵۹﴾ بَعْدَ اِغْرَاقِ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ فَاَتْبَعُوْهُمْ لَحِقُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَقْتَ شُرُوْقِ الشَّمْسِ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ اَيْ رَاٰى كُلٌّ مِنْهُمَا الْاٰخَرَ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ يُدْرِكُنَا جَمْعُ فِرْعَوْنَ وَلَاطَاقَةَ لَنَابِهٖ قَالَ مُوْسٰى كَلَّا اَيْ لَنْ يُدْرِكُوْنَا اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ بِنَصْرِهٖ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾ طَرِيْقَ النَّجَاةِ قَالَ تَعَالٰى فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ط فَضَرَبَهٗ فَانْفَلَقَ اِنْشَقَّ اِثْنَيْ عَشَرَ فِرْقًا فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾ اَلْجَبَلِ الضَّخْمِ بَيْنَهُمَا مَسَالِكُ سَلَكُوْهَا لَمْ يَبْتَلَّ مِنْهَا سَرْجُ الرَّاكِبِ وَلَالِبْدُهٗ وَاَزْلَفْنَا قَرَّبْنَا ثَمَّ هُنَالِكَ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهٗ حَتّٰى سَلَكُوْا مَسَالِكَهُمْ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾ بِاِخْرَاجِهِمْ مِنَ الْبَحْرِ عَلٰى هَيْئَتِهِ الْمَذْكُوْرَةِ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهٗ بِاِطْبَاقِ الْبَحْرِ عَلَيْهِمْ لَمَّا تَمَّ دُخُوْلُهُمُ الْبَحْرَ وَخُرُوْجُ بَنِيْ اِسْرَاءِ يْلَ مِنْهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اَيْ اِغْرَاقِ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ لَاٰيَةً ط عِبْرَةً لِمَنْ بَعْدَهُمْ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۷﴾ بِاللّٰهِ لَمْ يُؤْمِنْ مِنْهُمْ غَيْرُ اٰسِيَةَ امْرَاَةِ فِرْعَوْنَ وَ حِزْقِيْلَ مُؤْمِنُ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَمَرْيَمُ بِنْتُ نَامُوْصٰى الَّتِيْ دَلَّتْ عَلٰى عِظَامِ يُوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ فَانْتَقَمَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ بِاِغْرَاقِهِمُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۸﴾ بِالْمُؤْمِنِيْنَ فَاَنْجَاهُمْ مِنَ الْغَرَقِ

ع ۷ / ۸

ترجمہ: ....اور ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی (چند سال ان لوگوں کے درمیان قیام کر لینے اور یہ دیکھ لینے کے بعد کہ یہ لوگ موسیٰ کی دعوت پر لبیک کہنے کے بجائے سرکشی و نافرمانی میں اور بڑھتے جا رہے ہیں) کہ شاشب میرے ان بندوں (بنو اسرائیل) کو لے کر نکل جاؤ (ان اسر میں دوسری قرأت نون کے کسرہ اور اسر کے ہمزہ کو حذف کر دینے کا ہے۔ سری یسری سے مطلب وہی ہے کہ راتوں رات انہیں سمندر کی طرف لے کر نکل جاؤ) تم لوگوں کا (فرعون کی طرف) پیچھا بھی کیا جائے گا (اور سمندر کے قریب فرعون اور اس کا لشکر تمہیں آ بھی پکڑے گا۔ لیکن ہم تمہیں بچالیں گے اور ان کو غرق کر دیں گے) فرعون نے شہروں میں جاسوس دوڑا دیئے (جب اسے اسرائیلیوں کے بھاگ جانے کا علم ہوا اور ان جاسوسوں کے ذریعہ یہ کہلا بھیجا) کہ یہ لوگ ایک چھوٹی سی جماعت ہیں (کہا گیا ہے کہ ان کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تھی۔ جب کہ فرعون کے لشکر کا اگلا دستہ ہی سات لاکھ پر مشتمل تھا۔ جملہ فوج تو بہت زیادہ تھی۔ تو فرعون کے لشکر کی تعداد کے مقابل میں انہیں قلیلون کہا گیا) انہوں نے ہم کو بہت غصہ دلایا ہے اور ہم سب کو ان سے خطرہ ہے (حذرون کے معنی چوکنا اور بیدار ہونے کے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہم ان سے غافل نہیں ہیں اور ایک قرأت میں حاذرون الف کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں معنی مستعد ہونے کے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے کہ) پھر ہم نے (فرعون اور اس کے لشکر کو) نکال باہر کیا۔

باغوں سے (جو دریائے نیل کے دونوں جانب تھے) اور چشموں سے (جو نیل کے قریب تھے) اور خزانوں سے (یعنی بے دخل کر دیا ان کے ظاہری اموال، سونا، چاندی وغیرہ سے) اور عمدہ مکانات سے (جہاں امراء و وزراء کی مجلسیں لگتی تھیں) یونہی ہوا (جس طرح ہم نے بیان کیا اور فرعون اور اس کی قوم کے ڈوبنے کے بعد) اور ان کا مالک بنی اسرائیل کو بنا دیا۔

غرض سورج نکلنے پر انہوں نے ان کو پیچھے سے جالیا۔ پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے ہمراہی گھبرا کر بول اٹھے کہ ہم تو بس پکڑے گئے (اب ہمارے لئے کوئی راہ فرار نہیں ہے) فرمایا (موسیٰ نے) کہ ہرگز نہیں (پکڑے جائیں گے) کیونکہ میرے ہمراہ پروردگار (کی مدد) ہے۔ وہ مجھے ابھی راہ (نجات) بنا دے گا۔ پھر ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ اپنے عصاء کو دریا پر مارو (چنانچہ انہوں نے اس پر عصا مارا جس سے) وہ دریا پھٹ گیا (بارہ حصوں میں) اور ہر حصہ اتنا بڑا تھا کہ جیسے بڑی پہاڑی (جن کے درمیان راستے ہیں جس سے یہ لوگ چل کر جاتے ہیں مگر چلنے والوں کے قدم تر بھی نہیں ہوئے) اور ہم نے دوسرے فریق کو بھی اس مقام کے قریب پہنچا دیا (یعنی فرعون اور اس کے لشکر کو کہ وہ بھی اسی راستہ پر چل پڑے) اور ہم نے موسیٰ اور ان کے ساتھ والوں کو بچالیا۔ (اس دریا سے بحفاظت گزار کر) پھر دوسرے فریق کو غرق کر دیا (یعنی فرعون اور اس کے لشکر کو دریا میں آپس میں ملا کر جب تمام فرعون دریا میں داخل ہو گئے اور ادھر بنی اسرائیل دریا عبور کر چکے تھے) بے شک (فرعون کی اس غرق آبی کے) واقعہ میں بڑی عبرت ہے (بعد والوں کے لئے) اس کے باوجود ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے (سوا فرعون کی بیوی آسیہ اور اس کی اولاد میں سے حزقیل کے) آپ کا پروردگار بڑا قوت والا ہے (کفار سے ان کو غرق کر کے انتقام لے لیا) اور بڑا رحمت والا ہے (کہ مومنین کو ڈوبنے سے بچالیا)۔

تحقیق وترکیب:...........اسر بعبادی. سریٰ یسری سے ماخوذ ہے جو معنی میں اسریٰ کے ہے۔

یلجون. لام کا کسرہ اور مخفف استعمال ہے۔ ولوجٌ مصدر یعنی داخل ہونا۔ انجینکم واغرقنھم. دونوں فعل مرفوع استعمال ہوئے ہیں۔ عطف ہے یلجون پر۔ لیکن جواب امر ہونے کی بناء پر منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں۔

حٰذرون. قاموس میں ہے کہ اس کے معنی احتیاط کرنے کے آتے ہیں۔ اس لئے رجل حاذر کے معنی محتاط و پرہیزگار ہیں۔

﴿تشریح﴾:...........جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تبلیغ کرتے ہوئے ایک عرصہ گزر گیا، لیکن فرعون کی سرکشی و نافرمانی میں کوئی فرق نہیں آیا اور فرعون کی طرف سے اسرائیلیوں کو ستانے کا سلسلہ جاری رہا تو اب اس کے سوا کوئی صورت باقی نہیں رہی تھی کہ ان پر عذاب آ جائے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم خداوندی یہ ملا کہ راتوں رات اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر نکل جاؤ۔ اگرچہ فرعون تمہارا زبردست تعاقب کرے گا لیکن ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق بنو اسرائیل کو لے کر روانہ ہو گئے۔ صبح کے وقت جب فرعون کو معلوم ہوا کہ بنو اسرائیل رات میں فرار ہو گئے ہیں تو سناٹے میں آ گیا اور غصے کی وجہ سے سرخ ہو گیا۔ اسی وقت اپنے لشکر کو جمع کرنے لگا۔ ان سب کو جمع کر کے ان سے کہنے لگا کہ یہ بنو اسرائیل کا چھوٹا سا گروہ ہے جس سے ہر وقت ہمیں کوفت ہوتی رہی ہے اور ان سے اندیشہ رہتا ہے کہ نا معلوم کیا کر بیٹھیں۔ لہٰذا امن عامہ کی خاطر فوراً ان کا قلع قمع کر دینا چاہئے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آج بھی حکومت کی طرف سے اس قسم کے اعلانات آتے رہتے ہیں کہ مٹھی بھر لوگ ہمارے خلاف شورش پھیلا رہے ہیں اور قانون شکنی کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا امن عامہ کی خاطر ان کو دبا دینا چاہئے اور اگر حٰذرون کے بجائے حاذرون الف کے ساتھ پڑھیں تو اس صورت میں

ترجمہ ہوگا کہ فرعون نے اپنی فوجوں کو غیرت دلاتے ہوئے کہا کہ یہ بنواسرائیل تو مٹھی بھر ہیں اور ہم ان کے مقابلے میں کثیر اور ہتھیار بند ہیں۔ لہٰذا اب انہیں ان کی سرکشی کا مزہ چکھا دینا چاہئے اور راستہ میں گھیر کر گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دینا چاہئے۔ لیکن خدا تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ وہ بجائے بنواسرائیل کو تباہ کرنے کے خود برباد ہوئے۔

ارشاد خداوندی ہے کہ یہ اپنی طاقت اور کثرت کے بل بوتے پر بنواسرائیل کے تعاقب میں انہیں نیست و نابود کر دینے کے ارادہ سے نکلے اور ہم نے اس طرح انہیں ان کے باغات، چشموں، نہروں، خزانوں اور بارونق مکانات سے نکال باہر کیا اور انہیں غرق کر کے ان چیزوں کے مالک بنواسرائیل کو بنا دیا اور انہیں تخت وتاج اور سلطنت وحکومت عطا فرمائی۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد فلسطین میں اسرائیلیوں کی حکومت قائم ہوگئی اور داؤد علیہ السلام کی بادشاہت رہی۔ نیز حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں تو مصر کا علاقہ بھی دارالسلطنت میں شامل ہوگیا اور یرمیاہ نبی کے زمانہ حکومت میں مصر از سرنو یہودیوں کا وطن بن گیا۔ یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔ اب پھر اصل قصہ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ فرعون اپنے لشکر اور مصر و بیرون مصر کے لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر بنی اسرائیل کو تہس نہس کر دینے کے ارادے سے نکل پڑا۔ ان کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ مگر قرآن نے ان کی کوئی تعداد بیان نہیں فرمائی ہے۔ اس لئے کوئی صحیح تعداد بیان نہیں کی جاسکتی۔ طلوع آفتاب کے وقت یہ ان کے پاس پہنچ گیا۔ انہیں دیکھ کر بنی اسرائیل گھبرا اٹھے اور بے ساختہ بول پڑے کہ اے موسیٰ بتلاؤ اب ہم کیا کریں۔ ہم تو پکڑ لئے گئے۔ کیونکہ آگے بحر قلزم ہے اور پیچھے فرعون کی فوج تو ظاہر ہے ان لوگوں کا اپنے مقابل میں باقاعدہ شاہی فوج کو دیکھ کر گھبرا جانا ایک طبعی امر تھا۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وعدہ نصرت الٰہی پر پورا بھروسہ تھا۔ وہ پیغمبرانہ وقار کے ساتھ بولے گھبراؤ مت ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ میرے پروردگار نے میرا کہیں ساتھ نہیں چھوڑا ہے۔ وہ کوئی نجات کا راستہ مجھے دکھا کر رہے گا۔ اسی وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اے موسیٰ اس دریا پر اپنی لکڑی مارو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بحکم خدا لکڑی مارنا تھا کہ دریا پھٹ گیا اور اس میں سے بارہ راستے نکل گئے۔ یہ اس وجہ سے کہ بنی اسرائیل کے قبیلے بھی بارہ ہی تھے اور ہر حصہ اتنا بڑا تھا جیسے کوئی پہاڑی ہو۔ خدا تعالیٰ تو موسیٰ علیہ السلام کی لکڑی کی ضرب کے بغیر بھی دریا میں سے راستہ نکال دینے پر قادر تھا مگر اس واسطہ کے اختیار کرنے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت کا بھی اظہار ہوگیا۔ دریا میں راستہ نکلتے ہی بنواسرائیل کا ہر قبیلہ ایک ایک راستے سے دریا عبور کرنے لگا اور جب حضرت موسیٰ بنواسرائیل کو لے کر دریا سے نکل گئے تو فرعونی جو کہ ان کے تعاقب میں آرہے تھے وہ بھی سمندر میں راستہ دیکھ کر اسے پار کرنے لگے تو خدا تعالیٰ کے حکم سے سمندر کا پانی جیسا تھا ویسا ہی ہوگیا اور سارے کے سارے قبطی ڈبو دیئے گئے اور ان کا کبر وغرور دھرا کا دھرا رہ گیا۔

ارشاد ہے کہ اس واقعہ میں لوگوں کے لئے بہت بڑی عبرت ہے۔ لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا قوت والا ہے اور بڑا رحمت والا ہے۔ صفت عزیز کے تقاضہ سے وہ جب اور جسے چاہے سزا دے دے اور صفت رحیم کے تقاضہ سے فوراً گرفت میں نہیں لیتا بلکہ موقع اور ڈھیل دیتا رہتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ اَیْ کُفَّارَ مَکَّۃَ نَبَاَ خَبَرَ اِبْرٰهِيْمَ﴿۶۹﴾ وَیُبْدَلُ مِنْهُ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ﴿۷۰﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا صَرَّحُوْا بِالْفِعْلِ لِیَعْطِفُوْا عَلَیْهِ فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ﴿۷۱﴾ اَیْ نُقِیْمُ نَهَارًا عَلٰی عِبَادَتِهَا زَادُوْهُ فِی الْجَوَابِ اِفْتِخَارًا بِهٖ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ حِیْنَ تَدْعُوْنَ﴿۷۲﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اِنْ عَبَدْتُّمُوْهُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ﴿۷۳﴾ کُمْ اِنْ لَمْ تَعْبُدُوْهُمْ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ﴿۷۴﴾ اَیْ مِثْلَ فِعْلِنَا قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ﴿۷۵﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْۤ لَا اَعْبُدُهُمْ اِلَّا لٰکِنْ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۷۷﴾ فَاِنِّیْ اَعْبُدُهٗ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ﴿۷۸﴾ اِلَی الدِّیْنِ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ﴿۸۰﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْۤ اَطْمَعُ اَرْجُوْا اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ﴿۸۲﴾ اَیِ الْجَزَاءِ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا عِلْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴿۸۳﴾ اَیِ النَّبِیِّیْنَ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ ثَنَاءً حَسَنًا فِي الْاٰخِرِيْنَ﴿۸۴﴾ الَّذِیْنَ یَاْتُوْنَ بَعْدِیْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ﴿۸۵﴾ اَیْ مِمَّنْ یُعْطَاهَا وَاغْفِرْ لِاَبِيْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ﴿۸۶﴾ بِاَنْ تَتُوْبَ عَلَیْهِ فَغْفِرَلَهٗ وَهٰذَا قَبْلَ اَنْ یَّتَبَیَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوُّ اللّٰهِ کَمَا ذُکِرَ فِیْ سُوْرَۃِ بَرَاءَۃٍ وَلَا تُخْزِنِيْ تُفْضِحْنِیْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ﴿۸۷﴾ اَیِ النَّاسُ قَالَ تَعَالٰی فِیْهِ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ﴿۸۸﴾ اَحَدًا اِلَّا لٰکِنْ مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴿۸۹﴾ مِنَ الشِّرْکِ وَالنِّفَاقِ وَهُوَ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْفَعُهٗ ذٰلِکَ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ قُرِّبَتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴿۹۰﴾ فَیَرَوْنَهَا وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ اُظْهِرَتْ لِلْغٰوِيْنَ﴿۹۱﴾ الْکَافِرِیْنَ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَیْ غَیْرِہٖ مِنَ الْاَصْنَامِ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ بِدَفْعِ الْعَذَابِ عَنْکُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ﴿۹۳﴾ بِدَفْعِهٖ عَنْ اَنْفُسِهِمْ لَا فَكُبْكِبُوْا اُلْقُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَتْبَاعُهٗ وَمَنْ اَطَاعَهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَجْمَعُوْنَ﴿۹۵﴾ قَالُوْا اَیِ الْغَاوٗنَ وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ﴿۹۶﴾ مَعَ مَعْبُوْدِیْهِمْ تَاللّٰهِ اِنْ مُخَفَّفَۃٌ مِنَ الثَّقِیْلَۃِ وَاِسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَیْ اَنَّهٗ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴿۹۷﴾ بَیِّنٍ اِذْ حَیْثُ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۹۸﴾ فِی الْعِبَادَۃِ وَمَاۤ اَضَلَّنَاۤ عَنِ الْهُدٰی اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ﴿۹۹﴾ اَیِ الشَّیَاطِیْنُ اَوْ اَوَّلُوْنَ الَّذِیْنَ اقْتَدَیْنَا بِهِمْ فَمَا لَنَا مِنْ شٰفِعِيْنَ﴿۱۰۰﴾ کَمَا لِلْمُؤْمِنِیْنَ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ وَالنَّبِیِّیْنَ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ﴿۱۰۱﴾ اَیْ یَهُمُّهٗ اَمْرُنَا فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً رَجْعَۃً اِلَی الدُّنْیَا فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۱۰۲﴾ لَوْهُنَا لِلتَّمَنِّیْ وَنَکُوْنَ جَوَابُهٗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ الْمَذْکُوْرِ مِنْ قِصَّۃِ اِبْرَاهِیْمَ وَقَوْمِهٖ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴿۱۰۳﴾

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ:......... اور آپ ان (کفار مکہ) کے سامنے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیجئے جب کہ انہوں نے اپنے والد اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو (اذقال لابیہ بدل واقع ہو رہا ہے (ابراہیم سے) انہوں نے کہا کہ ہم تو بتوں کی عبادت کرتے ہیں (اور مزید فخراً یہ بھی کہا کہ) ہم انہیں پر جمے رہتے ہیں۔ (قالوا نعبدا صناماً میں صرف اصناما کہہ دینا کافی تھا۔ لیکن اصناماً سے پہلے نعبد فعل بھی لایا گیا۔ تاکہ فنظل کا اس پر عطف ہو سکے ابراہیمؑ نے) فرمایا کہ یہ تمہاری سنتے ہیں۔ جب تم انہیں پکارتے ہو۔ یا یہ تم کو کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں (جب تم ان کی عبادت کرتے ہو) یا تم کو ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ (اگر تم ان کی عبادت نہ کرو) ان لوگوں نے کہا (اس طرح کی کوئی بات تو نہیں) بلکہ ہم نے اپنے بڑوں کو ایسا کرتے ہوئے پایا ہے (جس طرح ہم کر رہے ہیں ابراہیمؑ نے) فرمایا بھلا تم نے ان کی (اصلی حالت کو) دیکھا بھی ہے جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ تم خود اور تمہارے پرانے بڑے بھی۔ یہ تو میری نظر میں باعث ضرر ہیں (اسی وجہ سے میں انہیں نہیں پوجتا) مگر ہاں پروردگار عالم (جس کی میں عبادت کرتا ہوں وہ ہے) جس نے مجھ کو پیدا کیا۔ پھر وہی میری راہنمائی کرتا ہے (دین فطرت کی طرف) اور وہی مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے۔ وہی مجھے موت دے گا۔ پھر مجھے زندہ کرے گا اور وہی ہے جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ میری غلط کاری کو قیامت کے دن معاف کر دے گا۔ اے میرے رب مجھ کو حکمت (یعنی علم) عطا فرما اور مجھ کو نیک لوگوں کے ساتھ شامل فرما اور میرا ذکر (خیر) آئندہ آنے والوں میں (قیامت تک) جاری رکھ اور مجھے جنت نعیم کے مستحقوں میں سے کر دے اور میرے باپ کی مغفرت کر دیجئے کہ وہ گمراہوں میں سے ہے (حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا اس وقت تھی جب کہ یہ بات منکشف نہیں ہوئی تھی کہ وہ بھی خدا تعالیٰ کے نافرمانوں میں سے ہے۔ جیسا سورۂ برأت میں ذکر آیا ہے) اور مجھے رسوا نہ کرنا اس دن جب سب لوگ اٹھائے جائیں گے (اس کے جواب میں ارشاد ہے کہ) اس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد۔ مگر ہاں (اس کی نجات ہوگی) جو اللہ کے پاس (شرک وکفر سے) پاک دل لے کر آئے (اور وہ مومن کا دل ہی ہو سکتا ہے اور اس دن) جنت متقیوں کے نزدیک کر دی جائے گی اور گمراہوں (یعنی کافروں) کے سامنے دوزخ ظاہر کر دی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا کہ اب وہ (بت وغیرہ) کہاں گئے جن کی تم عبادت کرتے تھے اللہ کے سوا۔ کیا وہ تمہارا ساتھ دے سکتے ہیں؟ (اور تمہیں عذاب سے نجات دلا سکتے ہیں) یا وہ اپنا ہی بچاؤ کر سکتے ہیں (اس عذاب سے نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا) پھر وہ اور گمراہ لوگ اور ابلیس کا لشکر (انسانوں اور جنوں میں سے جنہوں نے ان کی اتباع کی ہوگی) سب کے سب اس دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دیئے جائیں گے۔ دوزخ میں (یہ کفار) باہم جھگڑتے ہوئے (اپنے معبودوں سے) کہیں گے کہ بخدا بے شک ہم صریح گمراہی میں تھے جبکہ تم کو (عبات میں) رب العالمین کے برابر کرتے تھے (ان کنا میں ان مخففہ من الثقیلہ اور اس کا اسم محذوف ہے) اور ہم کو تو بس ان بڑے مجرموں (شیاطین اور ان لوگوں نے جن کی ہم نے اقتداء کی انہوں) نے گمراہ کیا۔ سو اب کوئی ہمارا سفارشی نہیں (جیسا کہ مومنین کے لئے فرشتے، انبیاء اور خود دوسرے مومنین ہیں) اور نہ کوئی مخلص دوست ہی ہے کہ (دلسوزی ہی کر لے) سو کاش ہمیں دنیا میں پھر جانے کا موقع ملتا تو ہم مومن ہو جاتے (فلو ان لنا میں لو تمنی کے لئے ہے اور اس کا جواب یہ آنے والی آیت ہے) بے شک اس (واقعہ ابراہیمؑ اور ان کی قوم) میں ایک بڑی عبرت ہے (اس کے باوجود) ان مشرکین میں سے اکثر ایمان نہیں لائے اور بے شک آپ کا پروردگار بڑا قدرت والا اور بڑا رحمت والا ہے۔

تحقیق وترکیب:............اذ تدعون. منصوب ہے اپنے ماقبل سے اس کے ماقبل و مابعد دو ماضی کے صیغے ہیں۔ معنی میں اگر چہ لفظاً مستقبل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اذا. اذا کے معنی میں ہے۔ لیکن زمخشریؒ کی رائی ہے کہ اذ سے حال ماضی کی حکایت مقصود ہے۔ زمخشری کی تحقیق کے مطابق تبکیت (خاموش کرنا) کا مفہوم خوب واضح ہوگا۔

افرایتم میں فا عاطفہ ہے اور عطف ایک محذوف پر ہو رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا تم ان کی عبادت کی لغویت پر مطلع ہوئے کہ وہ نہ نفع پہنچا سکیں اور نہ نقصان۔

الا رب العالمین. الا مستثنیٰ منقطع ہے اور بعضوں کے خیال میں استثناء متصل۔

الذی خلقنی. یہ منصوب بھی ہوسکتا ہے رب العالمین کی صفت ہونے کی بناء پر یا بدل اور عطف بیان ہونے کی وجہ سے اعنی مقدر مان لیں تو جب بھی یہ منصوب ہوگا اور اگر اسے مرفوع قرار دیا جائے تو یہ ایک مبتداء محذوف کا خبر ہوگا۔

فھو یھدین محلاً مرفوع ہے مبتداء ہونے کی بناء پر

یوم لاینفع. یہ خدا تعالیٰ اور حضرت ابراہیمؑ دونوں کا قول ہوسکتا ہے۔ اگر مقولہ ابراہیمؑ ہے تو یوم یبعثون سے بدل واقع ہوگا۔

ان کنا عام طور پر اگر چہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس ان کا اسم محذوف ہے۔ لیکن ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ان مہملہ ہے۔ ان کے اسم اور خبر کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ لام موجود ہے۔

لو ان لنا۔ لو تمنا کے لئے ہے اور نکون اس کا جواب ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ لو شرطیہ ہے اور اس کا جواب محذوف ہے اور نکون کا عطف کرۃ پر ہو رہا ہے۔ عبارت ہوگی لو ان لنا کرۃ فنکون من المؤمنین لرجعنا عما کنا علیہ او خلصنا من العذاب۔

﴿تشریح﴾:............آنحضورﷺ کو حکم ملا کہ اپنی قوم کو امام الموحدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنایئے۔ تا کہ وہ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کی فطرت میں توحید رچی ہوئی تھی۔ انہوں نے لوگوں کو کفر وشرک میں مبتلا دیکھ کر اپنے والد اور اپنی قوم سے فرمایا کہ یہ کیا بت پرستی کر رہے ہو۔ اس سے کیا فائدہ؟ کیا یہ تمہاری دعاؤں کو سنتے ہیں؟ یا کسی طرح کا نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں؟ ظاہر ہے یہ اس کا کیا جواب دے سکتے تھے اور دنیا میں کسی بت پرست کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ لہٰذا قوم نے جواب دیا کہ ہم تو اپنے بڑوں کی تقلید کر رہے ہین اور ان کی اتباع کرتے ہیں۔ گویا کہ نہ کوئی دلیل عقلی اور نہ نقلی۔ بس اندھی تقلید کئے جا رہے ہیں۔

قوم کا یہ جواب سن کر ابراہیم خلیل اللہؑ نے ان کے معبودان باطل سے اظہاری بیزاری کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ یہ تمہارے معبود میرے معاون و مددگار تو کیا ہوتے یہ تو اور دشمن ہیں۔ انہی کے ذریعہ گمراہی پھیل رہی ہے اور یہ تباہی و بربادی کے باعث ہیں۔ اس لئے تو میں اس رب العالمین کا پرستار ہوں جس کی ذات تمام کمالات کی جامع ہے۔ وہی خالق ہے۔ وہی ہادی ہے اور اسی کے ہاتھ میں پوری کائنات کا نظم وانتظام ہے۔ یہ نہیں کہ پیدا کرنے والا کوئی دوسرا دیوتا اور نظم وانتظام اور ہدایت کا دیوتا کوئی اور ہو۔ اسی طرح کھانا اور پانی بھی وُہی خدائے واحد دیتا ہے۔ ایسا نہیں کہ زراعت کا دیوتا کوئی اور ہے اور بارش کا دیوتا کوئی اور۔ جیسا کہ مشرک اور جاہل قوموں نے ہر کام کے لئے علیحدہ علیحدہ دیوی دیوتا کو تسلیم کر رکھا ہے۔ اسی طرح صحت وشفا بھی اسی خدائے برتر کے ہاتھ میں

ہے۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کمال ادب دیکھئے کہ بیماری کی نسبت تو اپنی طرف کی اور شفا کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف۔ یہ نہیں کہ وہی مجھے بیمار ڈالتا ہے اور وہی شفا دیتا ہے۔ بلکہ یہ کہا کہ جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی شفاء دیتا ہے۔ اور وہی موت وفنا طاری کرنے والا ہے اور وہی جزاوسزا کے لئے دوبارہ زندہ کرنے والا ہے اور پھر مغفرت ونجات کی امیدیں بھی اسی خدائے واحد کی ذات سے ہیں۔ ابراہیم خلیل اللہؑ اپنی گفتگو میں کس درجہ ادب واحترام کوملحوظ رکھتے ہیں۔ ہر بری چیز کو اپنی جانب منسوب کرتے ہیں اور اچھی چیز کو خدائے تعالیٰ کی طرف۔ اسی طرح اپنے لئے خطیئتہ (غلط کاری) کوتسلیم کرتے ہیں اور پھر اپنی مغفوریت کو جزم کے ساتھ بیان نہیں کرتے۔ بلکہ خدا تعالیٰ سے امید وتوقع وابستہ کرتے ہیں۔ اسی کا نام رعایت ادب اور ادائے حق عبدیت ہے۔

خشوع وخضوع اور بیتاب دعائیں:......... خدا تعالیٰ کے کمالات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ یاالٰہی مجھے حکمت عطا فرما اور نیک لوگوں میں شامل رکھ۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حکمت تو آپ کو پہلے سے حاصل تھی۔ پھر اس دعا کا کیا مطلب؟ تو کہا گیا ہے کہ اس سے مراد علم وعقل میں مزید حصول کمال کی خواہش ہے۔ والحقنی بالصالحین سے مراد یہاں عالی مرتبت انبیاء ہیں۔ پھر دعا کرتے ہیں کہ میرا ذکر خیر میرے بعد بھی لوگوں میں جاری رکھیو تا کہ وہ لوگ میرے طریقہ پر چلیں اور میرے لئے اضافہ اجر وثواب کا باعث ہوں۔ خدا تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ چنانچہ آج بھی مسلمان جب نماز پڑھتا ہے تو درود میں آنحضورﷺ کے ساتھ ساتھ حضرت ابراہیمؑ پر بھی سلام بھیجتا ہے بلکہ ہر مذہب کے لوگ حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

فقہاء نے اس آیت سے یہ بات نکالی ہے کہ انسان کا اپنے ذکر خیر کو پسند کرنا اور اس کی تمنا کرنا عام حالات میں مذموم و معیوب نہیں۔ سلسلہ دعا بھی جاری ہے۔ انہیں میں سے ایک دعا یہ بھی تھی کہ دنیا میں ذکر خیر باقی رکھنے کے ساتھ آخرت میں بھی جنت کا مستحق بنا دیجئے اور اے اللہ میرے گمراہ باپ کو بھی معاف فرمادیجئے۔ کافر باپ کے لئے آپ کا استغفار کرنا اس وقت تھا جب کہ اس کا دشمن خدا ہونا آپ پر واضح نہیں ہوا۔ لیکن جب دشمن خدا ہونا ظاہر ہوگیا تو آپ نے اس سے برأت اور اظہار بیزاری فرمایا۔ جیسا کہ سورۃ توبہ میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔

اور اگر کان من الضالین میں کان کا ترجمہ "تھا" کے بجائے "ہے" کیا جائے تو پھر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ اس صورت میں گویا کہ یہ دعا مرنے کے بعد کی نہیں بلکہ آذر کی زندگی ہی میں تھی اور زندگی میں ایمان لے آنے کا امکان تھا تو دعا کا حاصل یہ ہوگا کہ اے اللہ اسے ایمان کی توفیق عطا فرما اور کفر کے زمانہ کی خطائیں معاف فرمادے۔ آپ کی ایک دعا یہ تھی کہ اے اللہ مجھے قیامت کے دن کی رسوائی سے بچالینا۔ جس دن کہ نہ مال کام آئے گا نہ اولاد۔ البتہ اسے کوئی کھٹکا نہیں ہوگا جو خدا کے پاس پاک و صاف دل لے کر آئے گا۔ ایسا دل جو کفر وشرک اور فاسد عقیدوں سے پاک ہوگا۔

سوچئے تو سہی کہ ابراہیمؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر بھی یہی دعا کر رہے ہیں کہ اے پروردگار قیامت کی رسوائی سے بچالینا تو پھر عام لوگوں کا کیا حال ہوگا۔

اکرام مومن:......... ارشاد ہے کہ قیامت کے دن جنت اپنی تمام آرائش وزیبائش کے ساتھ متقین کو قریب نظر آئے گی۔ جسے دیکھ کر وہ مسرور ومحظوظ ہوں گے۔ یہ مومنین ومتقین کا ایک اکرام ہوگا۔ کہ بجائے انہیں جنت کی طرف جانے کے الٹی جنت ہی خود ان کی طرف بڑھ آئے گی۔

اسی طرح دوزخ کو مجرموں سے قریب لے آئیں گے۔ تاکہ داخل ہونے سے پہلے ہی خوف کی وجہ سے لرز اٹھیں گے۔ پھر ان سے سوال کیا جائے گا کہ تمہارے وہ معبودان باطل کہاں گئے۔ جن کی تم خدا کے علاوہ پرستش کیا کرتے تھے۔ وہ نہ تمہاری مدد کر کے عذاب سے چھڑا سکتے ہیں اور نہ بدلہ ہی لے سکتے ہیں۔ وہ تمہاری تو کیا مدد کریں گے۔ ان کی بے بسی و بے چارگی کا تو یہ عالم ہے کہ خود اپنے کو بچانے پر بھی قادر نہیں۔ پھر یہ بت اور بت پرست اور ابلیس کا سارا لشکر جو اس کی اتباع کرنے والے تھے، سب کو اوندھے منہ دوزخ میں گرا دیا جائے گا۔ وہاں پہنچ کر آپس میں جھگڑیں گے۔ ایک دوسرے کو الزام دیں گے اور بالآخر اپنی گمراہی کا اعتراف کریں گے اور یہ مشرکین اور ان کے پجاری اپنے دیوی، دیوتاؤں سے کہیں گے کہ واقعی ہم سے بڑی سخت غلطی ہوئی کہ ہم نے تم کو رب العالمین کے برابر کر دیا اور تمہاری عبادت کرتے رہے۔ افسوس ہمیں اس غلط اور بری راہ پر ان شیطانوں نے لگائے رکھا اور اب نہ کوئی بت کام دیتا ہے اور نہ کوئی شیطان مدد کو پہنچتا ہے بلکہ وہ خود ہی دوزخ میں جل رہے ہیں۔

وہ آپس میں پوچھیں گے کہ کیا کوئی شفیع ہے جو ہماری شفاعت کرے یا کم از کم اس آڑے وقت میں کوئی دوست ہے جو ہمدردی ہی کا اظہار کرے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ہم دوبارہ دنیا کی طرف لوٹائے جائیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہم وہاں سے اب پکے اور سچے مومن بن کر آئیں گے۔

ارشاد ہے کہ اس قصہ ابراہیم میں لوگوں کے لئے عبرت ہے۔ مگر اس کے باوجود لوگ ایمان نہیں لاتے اور غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ بے شک خدا تعالیٰ بڑا قادر و غالب اور بڑا رحمت والا ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحِ نِ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾ بِتَكْذِيبِهِمْ لَهُ لِاشْتِرَاكِهِمْ فِي الْمَجِيءِ بِالتَّوْحِيدِ أَوْ لِأَنَّهُ لِطُولِ لُبْثِهِ فِيهِمْ كَأَنَّهُ رُسُلٌ وَتَأْنِيثُ قَوْمٍ بِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ وَتَذْكِيرُهُ بِاعْتِبَارِ لَفْظِهِ **إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ** نَسَبًا **نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾** اللّٰهَ **إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾** عَلٰى تَبْلِيغِ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾** فِيمَا آمُرُكُمْ بِهِ مِنْ تَوْحِيدِ اللّٰهِ وَطَاعَتِهِ **وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ** عَلٰى تَبْلِيغِهِ **مِنْ أَجْرٍ إِنْ** مَا **أَجْرِيَ** أَيْ ثَوَابِي **إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١١٠﴾** كَرَّرَهُ تَاكِيدًا **قَالُوا أَنُؤْمِنُ** نُصَدِّقُ **لَكَ** لِقَوْلِكَ **وَاتَّبَعَكَ** وَفِي قِرَاءَةٍ وَأَتْبَاعُكَ جَمْعُ تَابِعٍ مُبْتَدَأٌ **الْأَرْذَلُونَ ﴿١١١﴾** السُّفْلَةُ كَالْحَاكَةِ وَالْأَسَاكِفَةِ **قَالَ وَمَا عِلْمِي** أَيْ عِلْمَ لِي **بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١٢﴾ إِنْ** مَا **حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلٰى رَبِّي** فَيُجَازِيهِمْ **لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿١١٣﴾** تَعْلَمُونَ ذٰلِكَ مَا عِبْتُمُوهُمْ **وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٤﴾ إِنْ** مَا **أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿١١٥﴾** بَيِّنُ الْإِنْذَارِ **قَالُوا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوحُ** عَمَّا تَقُولُ لَنَا **لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ﴿١١٦﴾** بِالْحِجَارَةِ أَوْ بِالشَّتْمِ **قَالَ** نُوحٌ **رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ﴿١١٧﴾ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا** أَيْ أَحْكُمْ **وَنَجِّنِي وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٨﴾** قَالَ تَعَالٰى **فَأَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿١١٩﴾** الْمَمْلُوءِ مِنَ النَّاسِ

وَالْحَيَوَانِ وَالطَّيْرِ **ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ** اَىْ بَعْدَ اَنْجَائِهِمُ **الْبَاقِيْنَ**﴿۱۲۰﴾ مِنْ قَوْمِهٖ **اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ**﴿۱۲۱﴾ **وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ**﴿۱۲۲﴾ **كَذَّبَتْ عَادُ** نِ **الْمُرْسَلِيْنَ**﴿۱۲۳﴾ **اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ**﴿۱۲۴﴾ **اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ**﴿۱۲۵﴾ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ**﴿۱۲۶﴾ **وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ**﴿۱۲۷﴾ **اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ** مَكَانٍ مُرْتَفِعٍ **اٰيَةً** بِنَاءً عَلَمًا لِلْمَارَّةِ **تَعْبَثُوْنَ**﴿۱۲۸﴾ بِمَنْ يَمُرُّ بِكُمْ وَتَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ تَبْنُوْنَ **وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ** لِلْمَاءِ تَحْتَ الْاَرْضِ **لَعَلَّكُمْ** كَاَنَّكُمْ **تَخْلُدُوْنَ**﴿۱۲۹﴾ فِيْهَا لَاتَمُوْتُوْنَ **وَاِذَا بَطَشْتُمْ** بِضَرْبٍ اَوْ قَتْلٍ **بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ**﴿۱۳۰﴾ مِنْ غَيْرِ رَأْفَةٍ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ** فِىْ ذٰلِكَ **وَاَطِيْعُوْنِ**﴿۱۳۱﴾ فِيْمَا اَمَرْتُكُمْ بِهٖ **وَاتَّقُوا الَّذِىْٓ اَمَدَّكُمْ** اَنْعَمَ عَلَيْكُمْ **بِمَا تَعْلَمُوْنَ**﴿۱۳۲﴾ **اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ**﴿۱۳۳﴾ **وَجَنّٰتٍ** بَسَاتِيْنَ **وَّعُيُوْنٍ**﴿۱۳۴﴾ اَنْهَارٍ **اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ**﴿۱۳۵﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِنْ عَصَيْتُمُوْنِىْ **قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ** مُسْتَوٍ عِنْدَنَا **اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ**﴿۱۳۶﴾ اَصْلًا اَىْ لَانَرْعَوِىْ لِوَعْظِكَ **اِنْ مَا هٰذَآ** الَّذِىْ خَوَّفْتَنَا بِهٖ **اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ**﴿۱۳۷﴾ اَىْ اِخْتِلَاقُهُمْ وَكِذْبُهُمْ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الْخَاءِ وَاللَّامِ اَىْ مَاهٰذَا الَّذِىْ نَحْنُ عَلَيْهِ مِنْ اَنْ لَا بَعْثَ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ اَىْ طَبِيْعَتُهُمْ وَعَادَتُهُمْ **وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ**﴿۱۳۸﴾ **فَكَذَّبُوْهُ** بِالْعَذَابِ **فَاَهْلَكْنٰهُمْ** فِى الدُّنْيَا بِالرِّيْحِ **اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ**﴿۱۳۹﴾ **وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ**﴿۱۴۰﴾

ترجمہ: ....نوح علیہ السلام کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا (یہاں جمع کا صیغہ ہے۔ اس وجہ سے کہ کسی ایک نبی کا جھٹلانا گویا کہ تمام انبیاء کی تکذیب کرنا ہے۔ کیونکہ ہر ایک کا مقصد ایک ہوتا ہے۔ یعنی دعوت توحید یا یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے درمیان اتنا طویل وقت گزارا کہ انہوں نے کئی انبیاء کا دور دیکھا ہو۔ اس وجہ سے جمع کا صیغہ لایا گیا اور قوم کو مؤنث استعمال کرنا باعتبار معنی کے ہے۔ اگرچہ باعتبار لفظ کے یہ مذکر ہے) جب کہ ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟ میں ہوں تمہارا راستباز پیغمبر (بھیجا گیا ہوں اس چیز کی تبلیغ کے لئے جو مجھے عطا کی گئی ہے) سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو (جو کچھ میں تمہیں حکم دوں۔ خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کی اطاعت کے بارے میں) اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے۔ سو (میری اس نیک نیتی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ) اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو (اس جملہ کو تاکید کے لئے مکرر لایا گیا ہے) وہ لوگ بولے تو کیا ہم تمہیں ماننے لگیں درآنحالیکہ تمہارے پیرو رذیل (اور پست اقوام جیسے توربا ف اور جوتہ ساز وغیرہ) ہی ہیں۔ (واتبعک ایک قرأت ہے واتباعک ہے جمع ہے تابع کی اور ترکیب میں مبتداء واقع ہے نوح علیہ السلام نے) فرمایا کہ ان کے (پیشہ اور) کام سے مجھے کیا بحث۔ ان سے حساب کتاب لینا تو بس میرے پروردگار ہی کا کام ہے۔ (وہی انہیں جزا و سزا دے

گا) کاش تم اسے سمجھتے (اور جانتے جو تم نے انہیں عیب لگایا) اور میں ایمان والوں کو (اپنے پاس سے) دور کرنے والا نہیں۔ میں تو بس ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ اے نوح اگر تم (اس کہنے سننے سے) باز نہ آئے تو ضرور سنگسار کر دیئے جاؤ گے۔ (پتھروں سے مار مار کر ہلاک کر دیا جائے گا یا سب وشتم کر کے پریشان کر دیا جائے گا۔ نوحؑ نے) دعا کی کہ اے میرے پروردگار، میری قوم مجھے جھٹلا رہی ہے۔ سو آپ ہی میرے اور ان کے درمیان کھلا ہوا فیصلہ فرما دیجئے اور مجھے اور میرے ساتھ جو ایمان والے ہیں انہیں نجات دیجئے (ارشاد ہوا) چنانچہ ہم نے (ان کی دعا قبول کی اور) انہیں اور جو ان کے ساتھ (انسانوں، حیوانوں اور پرندوں سے) بھری ہوئی کشتی میں تھے، سب کو نجات دی۔ پھر اس کے بعد (قوم کے) باقی لوگوں کو غرق کر دیا۔ اس واقعہ میں بھی بڑی عبرت ہے اور (اس کے باوجود) ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بے شک آپ کا رب بڑا قوت والا، بڑی رحمت والا ہے۔ قوم عاد نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ہی ذمہ ہے۔ تو کیا تم ایک یادگار (کے طور پر عمارت) ہر اونچے مقام پر بناتے ہو (اور وہاں سے ہر گزرنے والوں کا مذاق بناتے اور فضول کارروائی کرتے ہو۔ یہ جملہ حال واقع ہو رہا ہے تعبثون کی ضمیر سے) اور (زمین سے نیچے پانی کے لئے) بڑے بڑے بند بناتے ہو۔ جیسے (دنیا میں) تم کو ہمیشہ رہنا ہے اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو بالکل جابر وظالم بن کر دارو گیر کرتے ہو (بغیر کسی نرمی کے) سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو (جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں) اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری مدد ان چیزوں سے کی جنہیں تم جانتے ہو (یعنی) تمہاری مدد کی مویشیوں، بیٹوں، باغوں اور چشموں سے، مجھے اندیشہ ہے تمہارے لئے بڑے سخت دن کے عذاب کا (دنیا اور آخرت میں اگر تم اپنی معصیت ونافرمانی سے باز نہ آئے) وہ لوگ بولے کہ ہمارے لئے برابر ہے خواہ تم نصیحت کرو خواہ تم ناصح نہ بنو (اس سے ہمارے اندر کوئی فرق نہیں آئے گا) یہ (تمہارا ڈرانا دھمکانا) تو بس اگلے لوگوں کی ایک عادت ہے۔ (خلق الاولین کا ترجمہ ایک تو یہ ہے کہ اگلے لوگوں کی من گھڑت اور جھوٹی باتیں ہیں اور اگر خا اور لام کو ضمہ پڑھیں تو ترجمہ ہوگا کہ یہ اگلوں کی ایک عادت ہے) اور ہم کو ہرگز عذاب نہ ہوگا۔ غرض ان لوگوں نے (حضرت ہودؑ کو اور دوسرا قول یہ ہے کہ عذاب کو) جھٹلایا تو ہم نے ان کو (دنیا میں آندھی کے عذاب سے) ہلاک کر دیا۔ اس واقعہ میں بھی عبرت ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے اور آپ کا پروردگار بے شک بڑا قوت والا، بڑا رحمت والا ہے۔

تحقیق وترکیب:......... **وما علمی.** بظاہر یہ ما استفہامیہ ہے۔ مرفوع میں بناء مبتدا ہے اور **علمی** اس کی خبر اور ہو سکتا ہے کہ ما نافیہ ہو اور با متعلق **علمی** کے ہو۔ اس صورت میں خبر مقدر ماننا پڑے گی۔

وما انا بطارد. بیضاوی میں ہے کہ **ما انا بطارد المؤمنین** تردید ہے اور ان کے اس قول کی کہ آپ ﷺ اپنے پاس سے ان حقیر مسلمانوں کو ہٹا دیجئے۔ کیونکہ یہی ہمارے واسطے ایمان لانے سے مانع ہیں۔ اس صورت میں **ان انا الا نذیر مبین** علت ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ میں نذیر ہوں۔ میرے پاس ہر قسم کے آدمیوں کا اجتماع ہوگا۔ اس لئے میں کسی کو آنے سے روک نہیں سکتا۔

کذبت عاد. عاد، مونث استعمال ہوا ہے۔ چونکہ مراد قبیلہ ہے اور قبیلہ مونث ہے۔

اٰیة بناء. صاحب جلالینؒ نے **علماً** نکال کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں موصوف مقدر ہے۔ اس طرح **علماً** تینوں کا مفعول ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ تم عمارتیں بناتے ہو جو گزرنے والے مسافروں کے لئے علامت ہوتی ہیں۔

تتخذون مصانع. مصنع کی جمع مراد ہے۔ حوض، تالاب اور پانی کے ذخیرے جو وہ جمع کرتے۔

امدکم بانعام. ہوسکتا ہے کہ ثانی جملہ اولیٰ کی تفسیر ہو۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ انعام بما تعلمون سے بدل ہو۔ لیکن اکثر بدل کی ترکیب کے مقابلہ میں اسے مکرر قرار دیتے ہیں۔

سواء علینا. خبر مقدم ہے اور اس کے بعد مفرد کی تاویل میں ہوگا۔ مراد ہے کہ الوعظ وعدمه مستو. اس میں ہمزہ مفہوم مساوات کی وضاحت کے لئے۔ مراد یہ ہے کہ نصیحت کرو یا نہ کرو، ہمارے خیالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔

الاخلق الاولین. مختلف اعراب کی بناء پر ترجمہ من گھڑت بھی ہوسکتا ہے۔یعنی تمہاری باتیں اگلوں کے گھڑے ہوئے افسانے اور تراشیدہ خیالات ہیں۔

بالوریح. برفانی ہوائیں اور سرد جھونکے۔ برفانی ہواؤں کا یہ طوفان سردی کے اختتام پر ہوا تھا۔

﴿تشریح﴾:......... زمین پر جب بت پرستی شروع ہوئی اور لوگ غلط راستوں پر چلنے لگے تو خدا تعالیٰ نے اولوالعزم پیغمبروں کا سلسلہ شروع کیا اور سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا۔ جنہوں نے آ کر لوگوں کو خدا کے عذاب سے ڈرایا اور انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ آپ نے قوم سے فرمایا کہ میں دیانت وامانت کے ساتھ خدا تعالیٰ کا پیغام بلاکم وکاست تم کو پہنچاتا ہوں۔ مجھ پر اور میرے لائے ہوئے پیغام پر اعتماد کرو اور خدا تعالیٰ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی معاوضہ بھی نہیں مانگتا۔ میرے اس تبلیغ کا اجر وثواب تو میرا پروردگار ہی مجھ کو عنایت فرمائے گا۔ ایسے بے غرض اور بے لوث آدمی کی بات مانو اور صحیح عقائد کے قائل ہو جاؤ۔ لیکن حضرت نوح علیہ السلام کی یہ تقریر سننے کے بعد بھی وہ اپنے کرتوت سے باز نہ آئے۔ بت پرستی کو چھوڑنے کے لئے آمادہ نہ ہوئے بلکہ الٹا حضرت نوح علیہ السلام کو جھوٹا کہا اور ان کے ایذاء رسانی کے درپے ہو گئے۔ اسی کو قرآن نے کہا کہ قوم نوح نے پیغمبروں کی تکذیب کی۔ مرسلین یہاں جمع اس وجہ سے ہے کہ کسی ایک پیغمبر کی تکذیب سارے سلسلہ نبوت کی تکذیب کے ہم معنی ہے۔ کیونکہ اس کا مقصد کسی خاص پیغمبر کی شخصی تکذیب نہیں ہوتی ہے بلکہ یہ تو رسالت ہی کے منکر ہوتے ہیں۔

قوم نوحؑ نے اپنے پیغمبر کی باتوں کا جواب اس انداز میں دیا کہ یہ تھوڑے سے رذیل اور نیچ قوم کے لوگ اپنی نمود کے لئے تیرے ساتھ ہو گئے تو اس سے کیا ہوتا ہے اور ہمارا اشرف وامتیاز اس کی کب اجازت دے سکتا ہے کہ ہم ان رذیلوں کے دوش بدوش تمہاری مجلسوں میں بیٹھا کریں۔ لہذا پہلے انہیں اپنے پاس سے ہٹاؤ۔ پھر دیکھا جائے گا۔

یہ بات ہمیشہ سے چلی آرہی ہے کہ پیغمبروں اور داعیان حق پر شروع شروع میں ایمان لانے والے اور ان کی دعوت کو قبول کرنے والے زیادہ تر غریب اور عوام ہی ہوا کرتے تھے۔

چنانچہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام پر بھی شروع میں ایمان والے یہی عوام تھے جنہیں ان بدبختوں نے رذیل اور نیچ قوم سے خطاب کیا ہے۔ ان کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے ان کے پیشوں کے اعلیٰ وادنیٰ ہونے سے کیا بحث۔ نیز ان کا ایمان دل سے ہے یا صرف زبانی ہے۔ اس کی بھی میرے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں۔ اس کا صلہ اور حساب تو خدا تعالیٰ کے یہاں ہوگا۔ میرا کام تبلیغ ہے۔ دلوں کو ٹٹولنا اور ان کا احتساب میرا کام نہیں۔ بہر حال ان غریب مومنین کو تمہیں خوش کرنے کی خاطر اپنے پاس سے دھکے دینا ممکن نہیں اور تمہاری اس غلط خواہش کو پورا کرنا میرے اختیار سے باہر ہے۔ جس پر قوم نے کہا کہ بس اپنی نصیحت بند کرو اور اگر تم اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے تو سنگسار کر دیئے جاؤ گے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ان باتوں سے تنگ آ کر خدا تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اٹھا دیئے اور عرض کیا کہ میرے اور ان

کے درمیان عملی فیصلہ فرمادیجئے اور ان کے راہ راست پر آنے کی کوئی توقع باقی نہیں رہی۔ میں عاجز ہو چکا ہوں۔ میری مدد فرمایئے...... اور میرے ساتھیوں کو بھی بچالیجئے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے متبعین کے کشتی میں سوار ہو جانے کے بعد آسمان وزمین میں سے ایک طوفان امنڈ آیا اور روئے زمین کے کفار ومشرکین کا قلع قمع کر دیا گیا۔ اس واقعہ میں لوگوں کے لئے بے پناہ عبرت ہے۔ لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اس میں شبہ نہیں کہ خدا تعالیٰ بہت قادر مہربان ہے۔

قوم نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ انہوں نے بھی حضرت نوح علیہ السلام کی طرح اپنی قوم عاد کو جو ملک یمن میں احقاف نامی جگہ کے رہنے والے تھے۔ اپنی اپنی اطاعت اور خدا کی وحدانیت کی دعوت دی۔ سمجھانے بجھانے کی کوشش کی اور خدا کے عذاب سے ڈرایا اور ساتھ ہی اپنی بے غرضی، نیک نیتی بھی ظاہر فرمادی اور اپنے اخلاص کا یقین دلایا۔ جس طرح کہ حضرت نوح علیہ السلام نے کیا تھا۔ مگر ان ساری کوششوں کا قوم پر کوئی اثر نہیں ہوا اور حضرت ہود علیہ السلام کو جھٹلاتے رہے۔ مگر اس کے باوجود حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ قوم عاد کا ایک خاص مشغلہ یہ تھا کہ اونچے اونچے مقامات پر بلاضرورت بطور یادگار کے عالیشان مکانات اور مینارے بناتے اور اس میں بڑی بڑی کاریگریاں دکھاتے اور اس طرح اپنے مال و دولت کو بیکار ضائع کرتے۔ اس سے بھی حضرت ہود علیہ السلام روکنے کی کوشش کرتے۔ کیونکہ اس سے دین ودنیا کا نہ کوئی فائدہ ان کے پیش نظر ہوتا اور نہ واقعتاً یہ کوئی مفید کام تھا۔ انہیں سمجھاتے ہوئے کہتے کہ تم جو یہ عالیشان مکانات بناتے ہو۔ اس سے کیا فائدہ۔ کیا تم نے یہ سوچ رکھا ہے کہ تمہیں ہمیشہ اسی دنیا میں رہنا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ خود یہ دنیا بھی ختم ہونے والی ہے۔ اور تم خود بھی فنا ہو جاؤ گے۔ نیز تم نے جو خدا کی مخلوق پر ظلم وستم کر کے اور کمزوروں کو تنگ کر کے انہیں پریشان کر رکھا ہے۔ اپنے اس ظلم وستم اور کبر وغرور سے باز آجاؤ اور میری بات مانو۔ پھر انہیں وہ نعمتیں یاد دلائیں جو خدا تعالیٰ نے انہیں عطا کی تھیں۔ ان سے کہا گیا کہ تمہیں جو اپنی کثرت تعداد اپنے ملک کے باغات اور چشموں اور اپنے مال ودولت پر ناز ہے۔ یہ سب کچھ اسی خدائے واحد کے دیئے ہوئے ہیں۔ تو کیا اس منعم حقیقی کا تمہارے ذمہ کوئی حق نہیں ہے۔ تمہیں تو اور زیادہ توحید کا قائل ہونا چاہئے تھا۔ لیکن اگر تمہاری سرکشی ونافرمانی ختم نہیں ہوئی تو مجھے اندیشہ ہے کہ پہلی قوموں کی طرح کہیں تم بھی کسی آفت میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔

حضرت ہود علیہ السلام کے ان موثر بیانات اور تقریروں سے قوم نے کوئی اثر نہیں لیا اور کہنے لگے کہ تمہارا یہ جادو ہم پر چل نہیں سکتا اور تمہاری نصیحتیں بیکار ہیں۔ اس قسم کے وعظ ونصیحت تو پرانے زمانے کے لوگ ہمیشہ کرتے آئے ہیں۔ مگر اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ تو اس سے ہم کو کیا اندیشہ ہو سکتا ہے اور نہ ان عذاب کی دھمکیوں کا ہمیں کوئی خوف اور دوسری قرأت ہے خلق الاولین. خا اور لام کے ضمہ کے ساتھ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہم جس طریقہ پر ہیں وہی ہمارے آباء واجداد کا طریقہ تھا۔ ہم تو اسی پرائی زندگی گزار دیں گے اور یہ سب بیکار اور لغو باتیں ہیں کہ ہم پھر زندہ کئے جائیں گے اور ہمیں عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ تو بالآخران کی اس تکذیب ونافرمانی کی وجہ سے زبردست اور تیز آندھیوں کے ذریعہ انہیں تباہ وبرباد کر دیا گیا۔

اس واقعہ میں لوگوں کے لئے سامان عبرت ہے کہ کس طرح ان کے مال ودولت دھرے کے دھرے رہ گئے اور کوئی چیز کام نہیں آئی۔ مگر اس کے باوجود لوگ ایمان نہیں لاتے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِىْ مَا هٰهُنَآ مِنَ الْخَيْرِ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِىْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ لَطِيْفٌ لَيِّنٌ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَطِرِيْنَ وَفِىْ قِرَاءَةٍ فَارِهِيْنَ حَاذِقِيْنَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ فِيْمَا اٰمُرُكُمْ بِهٖ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِالْمَعَاصِىْ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ بِطَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ الَّذِيْنَ سُحِرُوْا كَثِيْرًا حَتّٰى غَلَبَ عَلٰى عَقْلِهِمْ مَآ اَنْتَ اَيْضًا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ فِىْ رِسَالَتِكَ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ نَصِيْبٌ مِنَ الْمَاءِ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ بِعِظَمِ الْعَذَابِ فَعَقَرُوْهَا اَىْ عَقَرَهَا بَعْضُهُمْ بِرِضَاهُمْ فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ عَلٰى عَقْرِهَا فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ الْمَوْعُوْدُ بِهٖ فَهَلَكُوْا اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ نِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾ اَىِ النَّاسِ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اَىْ اَقْبَالِهِنَّ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ مُتَجَاوِزُوْنَ الْحَلَالَ اِلَى الْحَرَامِ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ عَنْ اِنْكَارِكَ عَلَيْنَا لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾ مِنْ بَلْدَتِنَا قَالَ لُوْطٌ اِنِّىْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ الْمُبْغِضِيْنَ رَبِّ نَجِّنِىْ وَاَهْلِىْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ اَىْ مِنْ عَذَابِهٖ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا اِمْرَاَتَهٗ فِى الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلْبَاقِيْنَ اَهْلَكْنَاهَا ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَهْلَكْنَاهُمْ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا حِجَارَةً مِنْ جُمْلَةِ الْاِهْلَاكِ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾ مَطَرُهُمْ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَّمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾

ترجمہ: .... قوم ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ ان سے ان کے بھائی صالح علیہ السلام نے کہا کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ بس میرا صلہ تو پروردگار

عالم کے ذمہ ہے۔ کیا تمہیں انہیں چیزوں میں بے فکری سے رہنے دیا جائے گا جو یہاں (دنیا میں) موجود ہیں۔ یعنی باغوں میں، چشموں میں اور کھیتوں اور خوب گندھے ہوئے گچھے والے کھجوروں میں؟ اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر اتراتے (اور فخر کرتے) ہوئے مکان بناتے ہو (اور ایک قرأت میں فرھین کے بجائے فارھین ہے۔ جس کے معنی ہیں ماہرانہ انداز) سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو (جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں) اور حدود سے نکل جانے والوں کا کہنا نہ مانو جو ملک میں فساد کرتے رہتے ہیں اور (خدا تعالیٰ کی اطاعت و بندگی اختیار کر کے اپنی) اصلاح نہیں کرتے۔ ان لوگوں نے کہا کہ تم پر تو کسی نے سخت جادو کر دیا ہے (جس کی وجہ سے تمہاری عقل مغلوب ہو کر رہ گئی ہے) تم ہمارے ہی جیسے ایک آدمی ہو۔ سو کوئی معجزہ پیش کرو۔ اگر تم (دعویٰ رسالت میں) سچے ہو۔ (صالح علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ ایک اونٹنی ہے پانی پینے کے لئے ایک باری اس کی ہے اور ایک مقرر دن میں تمہاری۔ اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا۔ ورنہ تمہیں ایک بڑے دن کا عذاب آ پکڑے گا۔ پھر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں (یہاں یہ اشکال ہے کہ کاٹنے والے تو چند تھے مگر جمع لا کر منسوب سب کی طرف کر دیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کارروائی سب کی مرضی سے کی گئی تھی۔ اس وجہ سے جمع کا صیغہ لایا گیا۔ اسی کو صاحب جلالینؒ نے **عقرھا بعضھم برضاھم** سے بتانا چاہا ہے) پھر (اس پر) پچھتائے۔ پھر ان کو عذاب نے آ لیا۔ بے شک اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے اور (اس کے باوجود) ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ بے شک آپ کا پروردگار بڑا قوت والا، بڑی رحمت والا ہے۔

قوم لوط علیہ السلام نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ ان سے ان کے بھائی لوط علیہ السلام نے کہا کہ تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے تمام دنیا جہان والوں میں سے تم (یہ حرکت کرتے ہو کہ) لڑکوں سے فعل بد کرتے ہو اور تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے جو بیبیاں پیدا کی ہیں انہیں چھوڑے رہتے ہو۔ بات یہ ہے کہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو (نہ حلال کا خیال نہ حرام کا) وہ لوگ کہنے لگے اے لوط! اگر تم (ہمارے کہنے سننے سے) باز نہیں آؤ گے تو تم ضرور (بستی سے) نکال دیئے جاؤ گے۔ (لوط علیہ السلام نے) کہا۔ میں تمہارے اس کام سے سخت نفرت رکھتا ہوں۔

(لوط علیہ السلام نے دعا کی کہ) اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے متعلقین کو اس کام (کے وبال) سے نجات دے جو یہ کرتے ہیں۔ سو ہم نے ان کو اور ان کے متعلقین کو نجات دی۔ بجز ایک بڑھیا کے کہ وہ (عذاب کے اندر) رہنے والوں میں رہ گئی (اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی والہہ تھی) پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان پر ایک خاص قسم کا (یعنی پتھروں کا) مینہ برسایا۔ سو کیسا برا مینہ تھا جو ان لوگوں پر برسا۔ جن کو (عذاب الٰہی سے) ڈرایا گیا تھا۔ بے شک اس (واقعہ) میں بھی بڑی عبرت ہے اور (باوجود اس کے) ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ بے شک آپ کا پروردگار بڑا قوت والا، بڑا رحم والا ہے۔

تحقیق وترکیب:

فیما ھھنا. مراد دنیاوی نعمتیں ہیں۔

اٰمنین. تترکون سے حال واقع ہو رہا ہے۔ اور فی جنت۔ فیما ھٰھنا کی تفسیر ہے۔

نخل. اسم جمع ہے۔ اس کا واحد نخلۃ ہے۔ اسم جمع مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ البتہ نخیل مونث ہی مستعمل ہے۔

لاتطیعوا امر المسرفین. مراد ہے مسرفین کی اطاعت نہ کرو۔ مسرفین سے مراد عام مشرکین بھی ہو سکتے ہیں اور وہ سرکش بھی جنہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں۔

من القالین. یہ ایک محذوف جو قال ہے اس سے متعلق ہے اور پھر یہ محذوف خبر ہے ان کی اور من القالین صفت ہے اور لعلکم متعلق ہے خبر محذوف کے۔ اور اگر من القالین کو ان کی خبر بنایا جائے تو قالین لعلکم میں عمل کرے گا۔ اس صورت میں صلہ موصول پر مقدم ہو جائے گا۔ الف لام کی موجودگی میں جس کا جواب ہے قالین باب ضرب سے مستعمل ہے۔ بغض شدید کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

﴿ تشریح ﴾:............ اب حضرت صالح علیہ السلام کا بیان ہو رہا ہے جو اپنی قوم ثمود کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے جو ملک شام کے قریب حجر نامی شہر میں رہتے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں خدا کی وحدانیت اور اپنی رسالت کی دعوت دی۔ جس طرح ان سے پہلے دوسرے انبیاء دیتے آئے تھے۔ مگر انہوں نے بھی انکار کیا اور اپنے پیغمبر کی تکذیب کی۔ مگر اس کے باوجود حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی تبلیغی کوششیں جاری رکھیں اور خدا کے عذاب سے ڈراتے رہے۔ ساتھ ہی اپنے رسول امین ہونے کا یقین دلاتے ہوئے اسے بھی واضح کر دیا کہ میں تم سے کسی اجر و معاوضہ کا طالب نہیں۔ میرا اجر تو خدا تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ مگر قوم نے کسی طرح راہ ہدایت اختیار نہ کی۔ حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم کو سمجھاتے ہوئے خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جس ذات نے تمہیں باغات، چشمے اور پھل پھول عنایت فرمائے ہیں اور پھر ان کھجوروں کے باغات میں تہ بہ تہ میٹھی اور خوش ذائقہ کھجوریں لگادی ہیں۔ کیا تمہاری نافرمانیوں کے باوجود وہ تمہیں انہی نعمتوں میں چھوڑ دے گا۔ کیا تم نے یہی خیال کیا ہے کہ ہمیشہ اسی عیش و آرام میں رہو گے اور پہاڑوں کو تراش کر جو پر تکلف مکان تیار کئے ہیں۔ اس سے کبھی نہ نکلو گے؟ یہ پتھر کے مضبوط مکانات تمہیں خدا کے عذاب سے بچالیں گے؟

نہیں، یہ ہرگز ممکن نہیں۔ افسوس ہے کہ تم خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتے اور بلا وجہ اپنا سرمایہ ان مکانات کے نقش و نگار میں صرف کر رہے ہو۔ جس سے کوئی نفع ہونے والا نہیں۔ بلکہ اس کا وبال تمہارے اوپر پڑ کر رہے گا۔ لہذا تمہیں خدا سے ڈرنا چاہئے اور اپنے منعم حقیقی فرمانبرداری اور اطاعت میں لگ جانا چاہئے۔ قانون خداوندی کو نہ ماننے اور اس پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ دنیا میں ہمیشہ خرابیوں کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔

عوام کو مخاطب بنا کر کہا گیا کہ تم ان مفسدوں اور شیطانوں کے پیچھے چل کر اور ان کی اتباع کر کے اپنے آپ کو تباہ و برباد نہ کرو۔ یہ تو زمین میں خرابی پھیلا رہے ہیں اور خود بھی گناہ اور فسق و فجور میں لگے ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی طرف بلا رہے ہیں۔ اصلاح کرنے اور نیک و صحیح مشورہ دینے کی کوشش نہیں کرتے۔

اس کا جواب قوم نے اس انداز میں دیا کہ حضرت صالح علیہ السلام کو سحر زدہ قرار دیا اور کہنے لگے کہ تم پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے جس سے العیاذ باللہ تمہاری عقل ماری گئی ہے اور تم ہم جیسے ہی ایک انسان ہو۔ ہم میں اور تم میں فرق کیا۔ اور اگر اپنے قول کے مطابق نبی ہو اور ہم سے کسی بھی اعتبار سے ممتاز ہو تو اپنے خدا سے کہہ کر کوئی ایسا معجزہ دکھاؤ جسے ہم بھی تسلیم کرلیں اور پھر خود ہی فرمائش کی کہ اچھا پتھر کی اس چٹان سے جو ہمارے سامنے ہے اس خصوصیت کی اونٹنی نکال دو۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر ہم نے تمہارا یہ مطالبہ پورا کر دیا اور خدا تعالیٰ میرے ہاتھوں پر تمہیں یہ معجزہ دکھادے، پھر تو تمہیں میری نبوت کے ماننے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔ سب نے وعدہ وعید کئے کہ نہیں۔ اس کے بعد انکار کی کوئی وجہ باقی نہیں رہے گی۔

چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام نے دعا کی اور خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے نتیجے میں یہ معجزہ دکھلا دیا اور اسی وقت وہ

چٹان پھٹی اوران کی فرمائش کے مطابق انہی خصوصیات کی حامل ایک اونٹنی نکل آئی۔ مگراس کے باوجود اکثر منکر ہی رہے۔ وہ اونٹنی یونہی آزاد پھرتی اور جس جنگل میں یہ چرنے جاتی یا جس تالاب پر یہ پانی پینے جاتی، تمام جانور اسے دیکھ کر بھاگ پڑتے۔ چنانچہ یہ طے کیا گیا کہ ایک دن یہ اونٹنی اس جگہ پانی پیئے اور دوسرے دن دوسروں کے جانور پانی پیا کریں اور حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو متنبہ کردیا کہ اب باری مقرر کردی گئی ہے۔ اس کے بعد کوئی اس اونٹنی کے ساتھ برا معاملہ نہ کرے ورنہ بدترین عذاب آئے گا۔ کچھ دن تو یہ اس ہدایت پر عمل کرتے رہے لیکن ان کی فطرتیں خراب تھیں۔ یہ کب تک اس سے باز رہتے۔ بالآخر بدقسمتی سے ان میں سے کسی نے اونٹنی کے پچھلے پاؤں کی رگ کاٹ ڈالی جس کے نتیجہ میں سارا خون بہہ گیا اور وہ اونٹنی مرگئی۔

اس کے بعد یہ بہت نادم ہوئے اور شرمندہ ہوگئے۔ مگر یہ پچھتانا ان کے لئے بے کار تھا۔ کیونکہ عذاب کا فیصلہ ہوچکا تھا اور پھر ایک دھماکہ ہوا جس سے سب ہلاک کردیئے گئے۔ اس واقعہ میں لوگوں کے لئے بے پناہ عبرت کے سامان ہیں۔ مگر کسی کی بدبختی و بدنصیبی کا کیا علاج کہ ان عبرت آمیز واقعات کو دیکھنے اور سننے کے باوجود ایمان نہ لائے۔

عبرت انگیز واقعہ:......... حضرت صالح علیہ السلام کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ بیان کیا جارہا ہے۔ آپ نے بھی دوسرے انبیاء علیہ السلام کی طرح اپنی قوم کو دعوت دین دی۔ مگر پچھلی قوموں کی طرح انہوں نے بھی تکذیب کی اور اپنے آپ کو ہلاک کرلیا۔

اس سورۃ میں مختلف انبیاءؑ کی دعوت میں بار بار ایک ہی طرح کے جملے کی تکرار اس وجہ سے ہے کہ ان کی تبلیغ اور طرز تبلیغ ایک ہی تھی۔ ہر ایک خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور اپنی رسالت کی لوگوں کو دعوت دینے کے لئے تشریف لائے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھاتے ہوئے کہا کہ تمہاری فطرتیں مجرمانہ ہیں۔ کیا دنیا میں صرف مرد ہی تمہاری شہوت رانی کے لئے رہ گئے ہیں؟ تم اپنی بیویوں سے خواہش پوری کیوں نہیں کرتے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسی مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ تم لڑکوں سے بدفعلی نہ کیا کرو۔ یہ خلاف فطرت کام کرکے تم حدود انسانیت سے بھی نکل چکے ہو۔

اس کا جواب قوم نے یہ دیا کہ اے لوطؑ! یہ وعظ و نصیحت چھوڑ دو اور اگر آئندہ تم نے ہمیں پریشان کیا تو ہم تمہیں جلاوطن کردیں گے۔ لوط علیہ السلام نے فرمایا۔ میں تمہاری اس حرکت سے نفرت اور اظہار بیزاری کرتا ہوں۔ نیز میں تمہاری ان دھمکیوں سے مرعوب ہوکر اپنا وعظ و نصیحت بند نہیں کرسکتا۔ پھر آپ نے خدا تعالیٰ سے ان کے لئے بددعا فرمائی اور اپنے گھرانہ و متعلقین کے لئے نجات طلب کی۔

چنانچہ خدا تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق آپ مومنین کو ساتھ لے کر اس بستی سے نکل گئے۔ آپ کا اس بستی سے نکلنا تھا کہ قوم پر پتھروں کی بارش ہوئی اور سب کے سب ہلاک کردیئے گئے۔ ان ہلاک ہونے والوں میں آپ کی بیوی والہہ بھی تھی جو قوم کے ساتھ ملی ہوئی تھی اور ان کے فعل سے خوش تھی۔ ارشاد ہوا کہ ان عبرت انگیز واقعات کے بعد بھی لوگ ایمان نہیں لاتے اور راہ ہدایت اختیار نہیں کرتے۔

كَذَّبَ اَصۡحٰبُ لۡـَٔيۡكَةِ وَفِي قِرَاءَةٍ بِحَذْفِ الْهَمْزَةِ وَالْقَاءِ حَرَكَتِهَا عَلَى اللَّامِ وَفَتْحِ الْهَاءِ هِيَ غَيْضَةُ شَجَرٍ قُرْبَ مَدْيَنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذۡ قَالَ لَهُمۡ شُعَيۡبٌ لَمْ يَقُلْ اَخُوهُمْ لِاَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مِنْهُمْ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّىۡ لَـكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ﴿۱۷۹﴾ وَمَاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۸۰﴾ اَوۡفُوا الۡـكَيۡلَ اَتِمُّوهُ وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُخۡسِرِيۡنَ ﴿۱۸۱﴾ النَّاقِصِينَ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِيۡمِ ﴿۱۸۲﴾ الْمِيزَانِ السَّوِيِّ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ لَا تَنْقُصُوهُمْ مِنْ حَقِّهِمْ شَيْئًا وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ﴿۱۸۳﴾ بِالْقَتْلِ وَغَيْرِهِ مِنْ عِثِيٍّ بِكَسْرِ الْمُثَلَّثَةِ اَفْسَدَ وَمُفْسِدِينَ حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ لِمَعْنَى عَامِلِهَا تَعْثَوْا وَاتَّقُوا الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ وَالۡجِـبِلَّةَ الْخَلِيقَةَ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۱۸۴﴾ قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مِنَ الۡمُسَحَّرِيۡنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَاۤ اَنۡتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا وَاِنۡ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوفٌ اَيْ اِنَّهُ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الۡـكٰذِبِيۡنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسۡقِطۡ عَلَيۡنَا كِسَفًا بِسُكُونِ السِّينِ وَفَتْحِهَا قِطْعَةً مِّنَ السَّمَآءِ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۱۸۷﴾ فِي رِسَالَتِكَ قَالَ رَبِّىۡۤ اَعۡلَمُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۸۸﴾ فَيُجَازِيكُمْ بِهِ فَكَذَّبُوۡهُ فَاَخَذَهُمۡ عَذَابُ يَوۡمِ الظُّلَّةِ هِيَ سَحَابَةٌ اَظَلَّتْهُمْ بَعْدَ حَرٍّ شَدِيدٍ اَصَابَهُمْ فَاَمْطَرَتْ عَلَيْهِمْ نَارًا فَاحْتَرَقُوا اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَاٰيَةً ‌ؕ وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۹۱﴾

ترجمہ:............اصحاب الایکہ نے پیغمبروں کو جھٹلایا (دوسری قرأت) میں ایکہ کے ہمزہ کو حذف کر کے اس کا اعراب لام کو دیتے ہیں اور ھا کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے اور یہ مدین کے قریب درختوں کا ایک جھنڈ ہے) جبکہ ان سے شعیب علیہ السلام نے کہا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں (دوسرے انبیاء کی طرح یہاں اخوھم شعیب نہیں کہا بلکہ صرف شعیب کہا۔ وہ اس وجہ سے کہ حضرت شعیب ان کے قبیلہ اور خاندان میں سے نہیں تھے) میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے۔ تم لوگ پورا ناپا کرو اور نقصان پہنچانے والے نہ بنو اور صحیح ترازو سے تولا کرو اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان نہ کیا کرو اور (قتل وغارت گری کے ذریعہ) ملک میں فسادات مت مچایا کرو (عثی عین کے کسرہ کے ساتھ افسد کے معنی میں مفسدین حال مؤکدہ ہے۔ جس مین عامل تعثوا کا معنی ہے) اور اس خدا سے ڈرو جس نے تمہیں اور اگلی مخلوق کو پیدا کیا۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ بس تم پر تو کسی نے بڑا جادو کر دیا ہے اور تم تو ہماری طرح محض ایک معمولی آدمی ہو اور ہم تو تم کو جھوٹے لوگوں میں سے خیال کرتے ہیں۔ اچھا تو تم ہم پر آسمان سے کوئی ٹکڑا لا کر گراؤ۔ اگر تم (اپنی رسالت میں) سچے ہو۔ (کسفاً میں س کو ساکن اور فتحہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ جس کے معنی ٹکڑا کے ہیں اور ان نظنک میں ان مخففہ من الثقیلہ ہے اور اس کا اسم انہ محذوف ہے۔ شعیب علیہ السلام نے) کہا کہ میرا پروردگار ہی خوب جانتا ہے جو تم کرتے رہتے ہو (اور اس پر جزا وسزا بھی وہی دے گا) پھر ان لوگوں نے انہیں جھٹلایا۔ سو انہیں پکڑ لیا سائبان والے دن کے عذاب نے (ہوا یہ کہ شدید ترین گرمی کے بعد

بادل آیا جو سائبان کی طرح ان پر سایہ فگن ہو گیا۔ جب سب کے سب اس سایہ کے نیچے جمع ہو گئے تو پھر ان پر آگ کی بارش ہوئی۔
جس کے نتیجہ میں سب جل کر راکھ ہو گئے۔ بے شک وہ بڑے سخت عذاب کا دن تھا۔ یقیناً اس واقعہ میں بھی لوگوں کے لئے عبرت ہے۔
مگر اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور آپ کا پروردگار بڑا قوت والا، بڑا رحم والا ہے۔

﴿تشریح﴾: .... حضرت شعیب علیہ السلام کو اس کی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا تھا جو مدین کے رہنے والے تھے۔ یہاں اسی قوم مدین کو اصحاب الایکہ کہہ کر خطاب کیا گیا۔ ایکہ ایک درخت تھا جسے یہ لوگ پوجتے تھے۔ اسی کی طرف نسبت کر کے انہیں اصحاب الایکہ کہا گیا۔ اور اسی وجہ سے حضرت شعیب علیہ السلام کو اخوھم سے تعبیر نہیں فرمایا۔ جب کہ آپ سے پہلے سارے انبیاء کو اخوھم سے تعبیر کیا گیا۔ درآنحالیکہ حضرت شعیب علیہ السلام بھی اسی قوم سے تعلق رکھتے تھے مگر چونکہ انبیاءؑ کی اخوت قومی ونسبی بنیادوں پر مبنی تھی جب کہ یہاں اصحاب الایکہ کہہ کر مذہبی نسبت سے قوم کا ذکر کیا گیا۔ لہٰذا حضرت شعیب علیہ السلام کو اخوھم فرمانا ان کے شایان شان نہیں تھا۔ اگرچہ بعض مفسرین اور خود صاحب جلالین نے یہ بیان کیا ہے کہ چونکہ حضرت شعیب علیہ السلام اس قوم سے تعلق نہیں رکھتے تھے، اس وجہ سے اخوھم نہیں کہا گیا۔

لیکن ابن کثیرؒ کی تحقیق یہی ہے کہ آپ کا تعلق اسی قوم سے تھا مگر چونکہ قوم کا تذکرہ ایک مذہبی نسبت سے کیا گیا۔ لہٰذا اب اخوھم کہنا حضرت شعیب علیہ السلام کی شان کے خلاف تھا۔ غرضیکہ یہ قوم مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی قوم ہے۔ جس کی طرف شعیب علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔

آپ نے سابقہ انبیاء کی طرح قوم کو دعوت توحید دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ معاملات میں خیانت و بے انصافی نہ کرو۔ جس طرح لینے کے وقت پورا ناپ تول کر لیتے ہو، اسی طرح دیتے وقت بھی پورا پورا ناپ کر دو۔ اس کے حق میں کچھ کمی نہ کرو۔ ترازو اور تولنے کے بانٹ بھی صحیح رکھا کرو۔ ڈنڈی مارنے اور ناپ تول میں کمی کرنے سے باز آجاؤ۔ ان ہدایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی زراعت پیشہ و تجارت پیشہ قوم تھی۔ اور تجارتی بداخلاقی و بددیانتی میں مبتلا تھی۔ اسی کو دور کرنے کی انہیں تعلیم دی جا رہی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام مزید فرما رہے ہیں کہ ملک میں لوٹ مار، غارت گری اور ڈاکے مت ڈالو اور لوگوں کو ڈرا دھمکا کر ان کے حقوق ضائع مت کرو۔ اس خدا کے عذاب سے ڈرو۔ جس نے تمہیں اور تمام اگلی مخلوق کو پیدا کیا۔

اس پر آپ کو قوم نے وہی جواب دیا جو قوم ثمود نے اپنے نبی کو دیا تھا کہ تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے جس سے تمہاری عقل ماری گئی ہے۔ (العیاذ باللہ) اور تم تو ہم ہی جیسے ایک انسان ہو۔ بلکہ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ تم نبوت کے دعوے اور عذاب وغیرہ کی دھمکیوں میں جھوٹے ہو۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اور اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ہم پر بادل یا آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا کر ہلاک کیوں نہیں کر دیتے۔

آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کو تمہارے اعمال بخوبی معلوم ہیں اور وہی جانتا ہے کہ کس جرم پر کونسی اور کتنی سزا دینی چاہئے۔ سزا دینا میرا کام نہیں۔ میرا جو کام تھا وہ میں نے انجام دے دیا۔ اب تم جانو اور خدا جانے۔ عجیب اتفاق ہے کہ جس قسم کا عذاب یہ مانگ رہے تھے اسی قسم کا عذاب ان پر آ کر رہا۔ عذاب آنے سے پہلے ایک سایہ نمودار ہوا اور اس سے پہلے شدید گرمی محسوس ہوئی۔ کسی جگہ سایہ کا نام ونشان نہیں تھا۔ لوگ بے قرار ہو اٹھے اور اس شدت کی گرمی سے تڑپنے لگے تھے۔ اچانک ایک سیاہ بادل کو آتا ہوا دیکھ کر ٹھنڈی ہوا کے شوق میں لوگ اس کے نیچے جمع ہو گئے۔ ان کا اس ابر کے نیچے جمع ہونا تھا کہ اس میں سے آگ برسنا شروع ہوئی اور

زمین کو ایک بھونچال آیا۔ جس سے ایک دھماکہ ہوا اور سب کے سب وہیں جل کر تباہ ہوگئے۔ وہ ابر سائبان کی طرح ان پر سایہ فگن ہوگئی تھی۔ اس وجہ سے اسے سائبان والے عذاب سے تعبیر کیا گیا۔ فرمایا گیا کہ ان واقعات میں لوگوں کے لئے کتنی عبرت ہے مگر پھر بھی یہ ایمان نہیں لاتے۔

وَاِنَّهٗ اَیِ الْقُرْاٰنُ **لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ﴿۱۹۳﴾** جِبْرِیْلُ **عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ﴿۱۹۵﴾** بَیِّنٍ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِتَشْدِیْدِ نَزَّلَ وَنَصْبِ الرُّوْحِ وَ الْفَاعِلُ اللّٰهُ **وَاِنَّهٗ** اَیْ ذِكْرُ الْقُرْاٰنِ الْمُنَزَّلِ عَلٰی مُحَمَّدٍ **لَفِیْ زُبُرِ** كُتُبِ **الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۹۶﴾** كَالتَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِیْلِ **اَوَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ** لِكُفَّارِ مَكَّةَ **اٰیَةً** عَلٰی ذٰلِكَ **اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۹۷﴾** كَعَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِهٖ مِمَّنْ اٰمَنُوْا فَاِنَّهُمْ یُخْبِرُوْنَ بِذٰلِكَ وَیَكُنْ بِالتَّحْتَانِیَةِ وَنَصْبَ اٰیَةً وَبِالْفَوْقَانِیَةِ وَرَفْعِ اٰیَةٌ **وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰی بَعْضِ الْاَعْجَمِیْنَ ﴿۱۹۸﴾** جَمْعُ اَعْجَمَ **فَقَرَاَهٗ عَلَیْهِمْ** اَیْ كُفَّارِ مَكَّةَ **مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۹۹﴾** اَنَفَةً مِنْ اَتْبَاعِهٖ **كَذٰلِكَ** اَیْ مِثْلَ اِدْخَالِنَا التَّكْذِیْبَ بِهٖ بِقِرَاءَةِ الْاَعْجَمِ **سَلَكْنٰهُ** اَدْخَلْنَا التَّكْذِیْبَ بِهٖ **فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۲۰۰﴾** اَیْ كُفَّارِ مَكَّةَ بِقِرَاءَةِ النَّبِیِّ **لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿۲۰۱﴾ فَیَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَیَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾** لِنُؤْمِنَ فَیُقَالُ لَهُمْ لَا قَالُوْا مَتٰی هٰذَا الْعَذَابُ قَالَ تَعَالٰی **اَفَبِعَذَابِنَا یَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَیْتَ** اَخْبِرْنِیْ **اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِیْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾** مِنَ الْعَذَابِ **مَآ** اِسْتِفْهَامِیَةٌ بِمَعْنٰی اَیُّ شَیْءٍ **اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾** فِیْ دَفْعِ الْعَذَابِ اَوْ تَخْفِیْفِهٖ اَیْ لَمْ یُغْنِ **وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾** رُسُلٌ تُنْذِرُ اَهْلَهَا **ذِكْرٰی** عِظَةً لَهُمْ **وَمَا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿۲۰۹﴾** فِیْ اِهْلَاكِهِمْ بَعْدَ اِنْذَارِهِمْ وَنَزَلَ رَدًّا لِقَوْلِ الْمُشْرِكِیْنَ **وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ** بِالْقُرْاٰنِ **الشَّیٰطِیْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا یَنْۢبَغِیْ** یَصْلُحُ **لَهُمْ** اَنْ یَنْزِلُوْا بِهٖ **وَمَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾** ذٰلِكَ **اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ** لِكَلَامِ الْمَلٰٓئِكَةِ **لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾** مَحْجُوْبُوْنَ بِالشُّهُبِ **فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِیْنَ ﴿۲۱۳﴾** اِنْ فَعَلْتَ ذٰلِكَ الَّذِیْ دَعَوْكَ اِلَیْهِ **وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ﴿۲۱۴﴾** وَهُمْ بَنُوْ هَاشِمٍ وَبَنُو الْمُطَّلِبِ وَقَدْ اَنْذَرَهُمْ جِهَارًا رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ **وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ** اَلِنْ جَانِبَكَ **لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۱۵﴾** الْمُوَحِّدِیْنَ **فَاِنْ عَصَوْكَ** اَیْ عَشِیْرَتُكَ **فَقُلْ** لَهُمْ **اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾** مِنْ عِبَادَةِ غَیْرِ اللّٰهِ **وَتَوَكَّلْ** بِالْوَاوِ وَالْفَاءِ **عَلٰی**

الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿۲۱۷﴾ اللّٰهِ اَیْ فَوِّضْ اِلَيْهِ جَمِيْعَ اُمُوْرِكَ **الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ** ﴿۲۱۸﴾ اِلَی الصَّلٰوةِ **وَتَقَلُّبَكَ** فِی اَرْكَانِ الصَّلٰوةِ قَائِمًا وَّقَاعِدًا وَّرَاكِعًا وَّسَاجِدًا **فِي السَّاجِدِينَ** ﴿۲۱۹﴾ اَیِ الْمُصَلِّيْنَ **إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ** ﴿۲۲۰﴾ **هَلْ أُنَبِّئُكُمْ** اَیْ كُفَّارَ مَكَّةَ **عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ** ﴿۲۲۱﴾ بِحَذْفِ اِحْدَی التَّائَيْنِ مِنَ الْاَصْلِ **تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ أَفَّاكٍ** كَذَّابٍ **أَثِيمٍ** ﴿۲۲۲﴾ فَاجِرٍ مِثْلَ مُسَيْلَمَةَ وَغَيْرِهٖ مِنَ الْكَهَنَةِ **يُلْقُونَ** اَیِ الشَّيَاطِيْنُ **السَّمْعَ** اَیْ مَاسَمِعُوْهُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ اِلَی الْكَهَنَةِ **وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ** ﴿۲۲۳﴾ يَضُمُّوْنَ اِلَی الْمَسْمُوْعِ كِذْبًا كَثِيْرًا وَّكَانَ هٰذَا قَبْلَ اَنْ حُجِبَتِ الشَّيَاطِيْنُ عَنِ السَّمَاءِ **وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ** ﴿۲۲۴﴾ فِی شِعْرِهِمْ فَيَقُوْلُوْنَ بِهٖ يَرْوُوْنَ عَنْهُمْ فَهُمْ مَذْمُوْمُوْنَ **أَلَمْ تَرَ** تَعْلَمْ **أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ** مِنْ اَوْدِيَةِ الْكَلَامِ وَفُنُوْنِهٖ **يَهِيمُونَ** ﴿۲۲۵﴾ يَمْضُوْنَ فَيُجَاوِزُوْنَ الْحَدَّ مَدْحًا وَّهِجَاءً **وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ** فَعَلْنَا **مَا لَا يَفْعَلُونَ** ﴿۲۲۶﴾ اَیْ يَكْذِبُوْنَ **إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ** مِنَ الشُّعَرَاءِ **وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا** اَیْ لَمْ يَشْغَلْهُمُ الشِّعْرُ عَنِ الذِّكْرِ **وَانْتَصَرُوا** بِهَجْوِهِمْ مِنَ الْكُفَّارِ **مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا** بِهَجْوِ الْكُفَّارِ لَهُمْ فِی جُمْلَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَيْسُوْا مَذْمُوْمِيْنَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَااعْتَدٰی عَلَيْكُمْ **وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا** مِنَ الشُّعَرَاءِ وَغَيْرِهِمْ **أَيَّ مُنْقَلَبٍ** مَرْجَعٍ **يَنْقَلِبُونَ** ﴿۲۲۷﴾ يَرْجِعُوْنَ بَعْدَ الْمَوْتِ ﴿ع۱۱ / ۳۶ / ۱۵﴾

ترجمہ: ....اور بے شک یہ (قرآن) پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے۔ اسے روح الامین (جبرئیل علیہ السلام) نے آپ کے قلب پر صاف عربی زبان میں اتارا تا کہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں (ایک قرأت میں نـزل تشدید کے ساتھ ہے اور روح کو نصب اور فاعل اللہ ہے) اور بے شک اس (قرآن) کا ذکر پہلی امتوں کی کتابوں (مثلاً توریت وانجیل وغیرہ) میں ہے۔ کیا ان (کفار مکہ) کے لئے یہ بات دلیل نہیں کہ اس (پیشین گوئی) کو علمائے بنی اسرائیل (جیسے عبداللہ ابن سلام اور ان کے اصحاب جن پر انہیں اعتماد ہے وہ) جانتے ہیں (اور اس کے متعلق) انہیں اطلاع بھی دیتے رہتے ہیں۔ لیکن یـاء کے ساتھ اور تـاء کے ساتھ دونوں طرح ہے۔ اسی طرح آیۃ کو رفع اور نصب دونوں طرح پڑھا گیا ہے) اگر ہم اس (قرآن) کو کسی عجمی پر نازل کرتے۔ پھر وہ ان (کفار مکہ) کے سامنے اسے پڑھ بھی دیتا۔ جب بھی یہ لوگ اسے (عناد کی وجہ سے) نہ مانتے (جس طرح ہم نے ان کے دلوں میں انکار ڈال رکھی ہے۔ اعجمی کی قرأت کی صورت میں) ہم نے اسی طرح اس (انکار اور ایمان نہ لانے) کو ان فرمانوں کے دلوں میں ڈال رکھا ہے۔ یہ لوگ اس (قرآن) پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں گے۔ جو اچانک ان کے سامنے آ کھڑا ہوگا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ پھر (اس وقت) کہیں گے کہ کیا اب ہمیں مہلت مل سکتی ہے (تا کہ ہم ایمان لے آئیں۔ کہا جائے گا ہرگز نہیں۔ اور یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ کب آئے گا وہ عذاب، ارشاد ہے کہ) یہ لوگ ہمارے عذاب (کون کراس) کی کیا جلدی چاہتے ہیں۔ ذرا بتلاؤ تم اگر ہم ان کو چند سال تک عیش میں رہنے دیں۔ پھر جس (عذاب) کا ان سے وعدہ ہے وہ آجائے تو ان کا عیش ان کے کیا کام آسکتا

ہے (عذاب کو روکنے یا اس کو ہلکا کرنے میں۔ ما اغنیٰ میں ما استفہامیہ معنی میں ای شیء کے ہے) اور ہم نے جتنی بھی بستیاں ہلاک کیں سب میں نصیحت کے واسطے ڈرانے والے (پیغمبر) آچکے (جنہوں نے وہاں کے باشندوں کو خدا کے عذاب سے ڈرایا) اور ہم کوئی ظلم کرنے والے تو تھے نہیں (کہ قبل از وقت بغیر کسی تخویف کے انہیں ہلاک کر دیتے۔ آگے کی آیت ان مشرکین کے رد میں ہے جو یہ کہا کرتے تھے کہ یہ قرآن (العیاذ باللہ) شیطان کی جانب سے ہے) اور اس (قرآن) کو شیطان لے کر نہیں آئے اور نہ وہ اس قابل اور نہ ان کے بس کی بات۔ وہ تو (وحی آسمانی کے) سننے سے محروم کئے جا چکے ہیں (اور اگر وہ سننے کی کوشش کریں تو ان پر آگ کے انگارے برسائے جاتے ہیں) آپ اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکاریئے ورنہ (اگر آپ نے ایسا کیا تو) آپ کو بھی سزا ہونے لگے گی۔ اور اپنے کنبہ کے عزیزوں میں (مثلاً بنو ہاشم و بنو مطلب وغیرہ کو) ڈراتے رہیئے اور جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلے تو آپ ان کے ساتھ (مشفقانہ) فروتنی سے پیش آیئے اور اگر یہ لوگ آپ کا کہنا نہ مانیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے اعمال سے (جو تم غیر اللہ کی پرستش کرتے ہو اس سے) بیزار ہوں اور آپ خدائے قادر ورحیم پر توکل رکھئے (اور اپنے سارے امور اس کے سپرد کر دیجئے۔ وتوکل اور فتوکل دونوں قرأت ہیں) جو آپ کو جب آپ (نماز کے لئے) کھڑے ہوتے ہیں اور نمازیوں کے ساتھ (قیام وقعود اور رکوع وسجود میں) آپ کی نشست وبرخاست کو دیکھتا رہتا ہے۔ بے شک وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔

(اے کفار مکہ) کیا میں تم کو بتاؤں کہ شیطان کس پر اترا کرتے ہیں۔ (تنزل اصل میں تتنزل تھا ایک تاء کو حذف کر دیا گیا) وہ اترتے ہیں ہر جھوٹے گناہگار (مثلاً مسلیمہ اور دوسرے کاہنوں) پر لا ڈالتے ہیں (یہ شیاطین) سنی ہوئی بات (جو کچھ وہ فرشتوں سے سن لیتے ہیں) اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہی ہوتے ہیں (کیونکہ یہ شیاطین فرشتوں سے سنی ہوئی باتوں میں اپنی طرف سے اضافے کر کے کاہنوں تک پہنچاتے ہیں اور یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ شیاطین کو آسمان پر آنے جانے کی پابندی عائد نہیں ہوئی تھی) اور شاعروں کی پیروی تو بے راہ لوگ کرتے ہیں (یہ کفار بھی شاعروں کی باتوں کو سنتے ہیں اور پھر اسی کو نقل کرتے ہیں۔ لہٰذا ان شاعروں کی مذمت کی گئی جو بے سروپا باتیں کرتے ہیں) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ (شاعر) لوگ تو (خیالی مضامین کے) ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں (اور کسی کی تعریف یا تنقیص میں حد سے آگے گزر جاتے ہیں) اور وہ باتیں کہتے ہیں جو وہ کرتے نہیں ہیں۔ البتہ جو (شعراء) لوگ ایمان لے آئے اور اچھے کام کئے اور انہوں نے (اپنے اشعار میں) کثرت سے اللہ کا ذکر کیا اور بدلہ لیا (کفار کی ہجو کر کے) بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا (کفار کی جانب سے ہجو کے نتیجہ میں جو ان کی اور جملہ مومنین کی، کی گئی تو اس صورت میں یہ برے نہیں کہلائیں گے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے کہ اللہ کو پسند نہیں کسی کی بری بات کو ظاہر کرنا۔ مگر جس پر ظلم ہو چکا ہو اور دوسری جگہ فرمایا گیا کہ جس نے تم پر زیادتی کی تو تم اس سے بدلہ لے سکتے برابر سرابر) اور عنقریب ان شعراء وغیرہ شعراء) کو معلوم ہو جائے گا جنہوں نے ظلم کر رکھا ہے کہ (مرنے کے بعد) کیسی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے۔

تحقیق وترکیب:......... **نزل به.** ایک قرأت میں **نزل تنزیل** سے استعمال ہوا ہے۔

روح. نزل کا مفعول بہ ہے۔

اٰية. یہ یکن مقدم کی خبر ہے اور اگر آیت کو مرفوع پڑھ لیا جائے تو پھر یکن کا اسم ہوگا اور **لهم** خبر۔ **ان يعلمه** اس کے اسم سے بدل ہے اور **لهم** اس صورت میں حال ہوگا۔

الا عجمين. اعجم کی جمع ہے۔ اگر مذکر ہو **افعل** کے وزن پر اور مونث کی صورت میں **فعلاء** کے وزن پر استعمال ہے۔ لیکن جمع بالیاء والنون کی شرائط میں ہے کہ وصف نہ ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعجمی کی جمع ہے۔ جس میں یاء نسبتی تھی جسے تخفیفاً حذف کر دیا گیا۔

ما کانوا بہ مؤمنین. آنفہ مجرد کا مصدر ہے۔ ناگواری واستنکاف کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ما کانوا مومنین میں ما مصدریہ، استفہامیہ اور موصولہ تینوں ہوسکتا ہے۔ ترجمہ یہ ہے کہ طویل عشرت انہیں خدا کے عذاب سے بچا نہیں سکتی۔

افرایت. اگرچہ یہ اخبرونی کے معنی میں ہو تو یہ متعدی بہ دو مفعول ہوگا۔ جس میں سے ایک مفعول مفرد ہوگا اور دوسرا جملہ استفہامیہ افرایت اور جاء ھم ما کانو یوعدون میں تنازع ہے کہ کون اس کو اپنا معمول بنائے۔ اگر ثانی کو عمل دے دیا جائے تو ما کانوا فاعل ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہوگا اور جملہ استفہامیہ مفعول ثانی بن جائے گا۔ لیکن اس ما کو اگر نافیہ بنالیا جائے تو مفعول ثانی جملہ استفہامیہ نہیں ہوگا۔

الا لھا منذرون. یہ پورا جملہ قریہ کی صفت بن سکتا ہے اور حال بھی۔ زمخشری نے لکھا ہے کہ الا کے بعد واؤ ضرور ہونا چاہئے۔ جواب یہ ہے کہ چونکہ جملہ صفت ہے قریہ کی اس لئے واؤ کا ترک ہی بہتر ہے۔

﴿تشریح﴾:............اس صورت کے ابتداء میں قرآن کریم کا ذکر آیا ہے اور اس کی تکذیب پر ڈرایا دھمکایا گیا تھا۔ درمیان میں ان مکذبین کے کچھ واقعات بیان ہوئے اور اب پھر اسی قرآن کا تفصیلی ذکر ہے۔ فرمایا گیا کہ قرآن وہ مبارک کتاب ہے کہ جسے کسی مخلوق نے نہیں بلکہ خود رب العالمین نے اتارا ہے اور روح الامین حضرت جبرئیل علیہ السلام جیسے زبردست محافظ اور امانتدار فرشتے نے انہیں پہنچایا ہے۔ جن کے لائے ہوئے پیغام پر کسی غلطی یا تحریف کا امکان نہیں۔ اور پھر آپ کے پاک وصاف قلب پر اتاری گئی اور وہ بھی نہایت فصیح، واضح اور شگفتہ عربی زبان میں۔ تا کہ آپ اپنی قوم کو خدا کے عذاب سے ڈرائیں۔ قرآن کے مخاطب اول چونکہ عرب تھے اس وجہ سے اسے عربی زبان میں نازل کیا گیا تا کہ ہر شخص اسے پڑھ سکے اور اس کے مضامین سمجھ سکے اور کسی کا کوئی عذر باقی نہ رہے۔

اس آیت سے بعض مفسرین نے یہ مطلب نکالا ہے کہ صرف مضامین قرآن آپ کے قلب پر اتار دیئے گئے اور آپ نے اسے اپنے الفاظ میں ادا کر دیا۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ بلکہ الفاظ ومعانی سب بذریعہ وحی آپ کے قلب میں القا کئے گئے۔ نیز قرآن کے عربی زبان ہونے پر جو بار بار زور دیا گیا ہے۔ اس سے فقہاء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ غیر عربی قرآن یعنی قرآن کے ترجمے پر حکم قرآن کا نہیں لگایا جاسکتا ہے اور اس کے لانے والے کی پیشین گوئی انبیاء سابقین برابر کرتے چلے آئے ہیں۔

دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس قرآن کے بیشتر مضامین سابقہ کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس آیت سے بعض مفسرین مثلاً حصاص اور صاحب مدارک وغیرہ نے بھی یہ استدلال کیا ہے کہ چونکہ قرآن کا "زبر الاولین" میں ہونا فرمایا گیا ہے۔ حالانکہ سابقہ کتابوں میں قرآن بجنسہ عربی زبانی میں نہیں۔ اس لئے قرآن کا اطلاق غیر عربی قرآن پر بھی ہوسکتا ہے۔ اسی استدلال سے کام لیتے ہوئے امام ابوحنیفہؒ نے نماز میں قرآن کے فارسی ترجمے کو خود قرآن کے قائم مقام کر دیا اور اس کی اجازت دے دی، مگر پھر بعد میں امام اعظمؒ نے اپنے اس قول سے رجوع فرمالیا تھا۔

انکار قرآن:............پھر ارشاد ہوا کہ اگر یہ کفار ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہ لیں تو قرآن کی حقانیت پر کیا یہی دلیل کم ہے کہ خود بنی اسرائیل کے علماء جانتے ہیں کہ یہ وہی کتاب ہے اور پیغمبر ہے جس کی اطلاع سابقہ آسمانی کتابوں میں دی گئی تھی اور وہ اسے مانتے بھی ہیں اور ان علماء میں سے بعض جو حق گو ہیں وہ اس کا لوگوں کے سامنے اعلانیہ اظہار بھی کر رہے ہیں۔

پھر فرمایا گیا کہ آپ تو فصحاء عرب میں سے ہیں۔ ممکن ہے مشرکین مکہ بات بنانے کو یہ کہیں کہ قرآن خود آپ کی اپنی تصنیف

ہے اور وہ اسے ماننے کے لئے آمادہ نہ ہوں۔ لیکن ان کی ہٹ دھرمی اور بدبختی کا تو یہ عالم ہے کہ اگر یہ قرآن کو کسی غیر فصیح عرب یا عجمی انسان پر اتار دیتے جو عربی سے بالکل ناآشنا ہوتا اور اس کا ایک حرف بھی بولنے پر قادر نہ ہوتا پھر تو قرآن کے ہمارا کلام ہونے میں کوئی شک نہ ہوگا مگر یہ اس وقت بھی اپنی سرکشی کی وجہ سے ایمان نہ لاتے۔

جب انسان گناہوں کا خوگر ہو جاتا ہے اور نافرمانی اور سرکشی میں لگا رہتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی اپنی عادت کے مطابق ڈھیل دیتا رہتا ہے۔ اسی کو فرمایا گیا ہے کہ وہ لوگ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر شدت کے ساتھ قائم ہیں اور جب تک یہ عذاب اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیں گے اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے اور جب عذاب کو آتا ہوا دیکھ لیں گے اس وقت یہ پیغمبر اور اس کی لائی ہوئی کتاب کی صداقت کا اقرار کریں گے۔ مگر اس وقت کا اقرار اور تسلیم کرنا بے سود ہوگا۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ عذاب کے آجانے کے بعد یہ کہیں گے کہ کیا اب ہمیں کچھ مہلت مل سکتی ہے۔ تاکہ ہم توبہ کرلیں اور نیک بن جائیں۔ مگر وہ وقت نہ مہلت ملنے کا ہوگا اور نہ قبول ایمان کا ہوگا۔

ان کی بدبختی کا حال یہ ہے کہ عذاب کی وعیدیں سن کر کہتے ہیں کہ اگر یہ اطلاع صحیح ہے اور اس کی کوئی حقیقت ہے تو عذاب آخر کیوں نہیں آجاتا۔ ارشاد ہوا کہ اگر بالفرض ہم انہیں کچھ مہلت دے بھی دیں اور عذاب کچھ دنوں کے لئے روک دیں تو اس سے کیا فائدہ۔ یہ سالہا سال کی ڈھیل اور مہلت بھی جو انہیں دی گئی تھی اس وقت کچھ کام نہ آئے گی جب ان پر عذاب آنا ہی ہے اور ان کا ایمان نہ لانا بھی طے ہے۔ تو پھر اس عارضی مہلت اور التواء سے کوئی ان کی جان تو نہ بچ جائے گی؟ اور اس وقت نہ ان کا مال و دولت اور نہ عزت و مرتبہ انہیں کوئی فائدہ پہنچا سکے گا۔

پھر فرمایا گیا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انبیاءؑ کو بھیجنے سے پہلے کسی امت کو ہلاک کر دیا گیا ہو۔ عذاب بھیجنے سے پہلے انہیں کافی مہلت دی گئی اور راہ راست پر لانے کے لئے انبیاء بھیجے گئے تاکہ لوگ غفلت میں نہ رہیں۔ لیکن جب یہ کسی طرح نہ مانے اور اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے بلکہ الٹی انبیاء کی تکذیب و تضحیک میں لگ گئے تو پھر انہیں ہلاک کر دیا گیا۔

ایک غلط فہمی اور اس کی تردید:......... ابتداء سورت میں قرآن کا تذکرہ تھا اور درمیان میں مکہ میں قرآن کے کچھ احوال بیان فرما کر پھر اسی موضوع کو دہرا رہے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ یہ کتاب خدا تعالیٰ کے یہاں سے جبرئیل امین لے کر آئے۔ یہ کوئی شیاطین کے ذریعے نہیں بھیجی گئی ہے۔ اس وجہ سے اس میں کسی تحریف یا ردوبدل کا امکان نہیں ہے اور شیاطین تو اس عظیم و متبرک امانت کو اٹھانے کے اہل اور لائق بھی نہیں چہ جائیکہ وہ اپنی طرف سے ایسی کوئی کتاب پیش کرسکیں۔ جیسا کہ مشرکین کا خیال تھا کہ شیاطین آکر یہ قرآن آنحضور ﷺ کو سکھا جاتے ہیں (العیاذ باللہ) اسی کو فرمایا گیا کہ شیاطین کا کام تو بہکانا اور گمراہ کرنا ہے نہ کہ راہ راست پر لانا۔ نیز شیاطین تو تمام تر ظلمت و ضلالت ہیں اور قرآن از اول تا آخر نور ہدایت۔ اور پھر شیطانوں میں اتنی قوت و قدرت ہی کہاں کہ وہ وحی الٰہی کو گھڑ سکیں یا اپنی طرف سے اس میں کچھ اجزاء شامل کرسکیں۔ کیونکہ نزول قرآن کے زمانہ میں اس کی حفاظت کے لئے تمام آسمانوں پر سخت پہرے لگا دیئے گئے تھے۔ جس کی وجہ سے شیطان اس کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتے تھے۔ اور اگر یہ اوپر چڑھنے کی کوشش بھی کرتے تو ان پر اوپر سے آگ برسائی جاتی۔ لہٰذا ایک حرف بھی سن لینا ان کے لئے ممکن نہ تھا۔ جب اسے واضح کر دیا گیا کہ یہ قرآن منجانب اللہ نازل شدہ ایک متبرک کتاب ہے۔ شیطان کا اس میں ذرہ برابر بھی دخل نہیں تو ارشاد ہوا کہ اب اس پر عمل کرو۔ اس کی اصل تعلیم وحدانیت کا سبق دینا اور کفر و شرک سے روکنا ہے۔ لہٰذا ان چیزوں سے باز آجاؤ اور خدا کے علاوہ اور کسی کو عبادت میں شریک نہ کرو۔ جو بھی خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک

کرے گا وہ ضرور مستحق سزا ہوگا۔ یہاں اگرچہ خطاب آنحضور ﷺ کو کیا گیا مگر مراد کوئی اور ہیں۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ آنحضور ﷺ کو مخاطب بنانا لوگوں کو ڈرانے اور اس کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے ورنہ ظاہر ہے کہ پیغمبر سے شرک کس طرح ممکن ہے۔

پھر فرمایا گیا کہ دوسروں سے پہلے اپنے عزیز واقارب کو تنبیہ کیجئے اور انہیں سمجھائیے کہ ایمان کے علاوہ کوئی چیز کام آنے والی نہیں ہے۔ قریبی عزیزوں کا ذکر خاص طور پر اس وجہ سے کیا گیا تا کہ انہیں بھی معلوم ہو جائے کہ پیغمبروں کی اتباع کے بغیر نجات ممکن نہیں ہے۔ صرف رشتہ داری قیامت کے دن کچھ کام نہ دے گی۔ چنانچہ آپ نے اس کی تعمیل کی اور اپنے رشتہ داروں کو جمع کر کے اس بات کی تبلیغ فرمائی۔ جس کی تفصیلات احادیث میں موجود ہیں۔

آپ نے اپنی صاحبزادی اور پھوپھی کو مخاطب بنا کر فرمایا کہ اے فاطمہ بنت محمد ﷺ اور اے صفیہ بنت عبدالمطلب میرے پاس جو کچھ مال ہو اس میں سے تم جتنا چاہو دینے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن یہ خوب اچھی طرح سن لو کہ خدا کے یہاں میں کچھ کام نہیں آسکتا ہوں۔ اسی طرح ایک جگہ آپ نے فرمایا کہ اے فاطمہ بنت محمد (ﷺ) اپنے کو دوزخ سے بچالو۔ قسم ہے خدا کے یہاں کسی چیز کا میں مالک نہیں ہوں۔ البتہ تمہاری قرابت داری ہے جس کے دنیوی حقوق ادا کرنے کے لئے میں ہر طرح تیار ہوں۔

اس کے بعد حکم ملا کہ اپنے موحدین اور سچے متبعین کے ساتھ خواہ وہ اپنے ہوں یا پرائے، لیکن ایمان لا چکے ہوں تو ان کے ساتھ شفقت کا معاملہ کیجئے اور فروتنی عاجزی کے ساتھ ملئے جو خدا کے حکم کی نافرمانی کرے اور مخالف توحید وسنت ہو تو اس سے بے تعلق رہئے اور ان سے اظہار بیزاری کر دیجئے۔ یہ نافرمانی کرنے والے کوئی ہوں اور تعداد میں کتنے ہی ہوں وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ صرف خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھئے۔ وہی حافظ و ناصر ہے اور اس کی نظر عنایت ہر وقت آپ ﷺ پر ہے۔ وہ آپ کی دعاؤں کو خوب سننے والا اور آپ کے حالات سے اچھی طرح واقف ہے۔ نیز آپ ﷺ کے دشمنوں کی دشمنی بھی اس کے سامنے ہے۔

شیطانی الہام:......... مشرکین کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ کا لایا ہوا یہ قرآن حق نہیں ہے۔ اسے اس نے یا تو خود گھڑ لیا ہے یا شیاطین اس کے پاس اس قرآن کو لاتے ہیں۔ قرآن مجید ان کو اسی شبہ کا جواب دے رہا ہے اور خود مشرکین کو مخاطب بنا کر فرمایا گیا کہ آؤ تمہیں بتائیں کہ شیطانی الہام کس قسم کے لوگوں پر ہوتا ہے۔ یہ الہام جھوٹے، بدکردار اور بدکاروں پر ہوتا ہے جو شیطان کے متبعین ہیں اور اس کی مرضی پر چلتے ہیں نہ کہ اس پاکیزہ اور فرشتہ صفت انسان پر جس کا صدق وامانت اور پاکبازی وخدا ترسی سب کو معلوم ہے۔ نیز قرآنی تعلیمات تو شیطانی خواہشات کے قطعاً خلاف ہیں۔

اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ شیطان سے تعلق رکھنے والے اور اس کے فیض یافتہ کس سیرت اور کس اخلاق کے ہوتے ہیں۔ پھر کیا یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایسا پاکیزہ اور لوگوں کو ہدایت کی راہ دکھانے والا وہ قرآن لاسکتا ہے۔ ان کا کام تو غلط راستہ دکھانا ہے نہ راہ راست پر لگانا۔ فرمایا گیا کہ غیبی امور سے متعلق ایک آدھ بات کی بھنک ان شیاطین کے کانوں میں پڑ جاتی ہے تو وہ اسے لے بھاگتے ہیں۔ اور پھر اس میں اپنی طرف سے جھوٹ سچ ملا کر انسانوں تک پہنچا دیتے ہیں اور یہ بھی اس وقت تھا جب کہ انہیں آسمان پر آنے جانے کی اجازت تھی اور جب نزول قرآن کے وقت اس پر بھی پابندی لگادی گئی تو اس کا بھی امکان باقی نہ رہا تو ان کی وحی کی یہ حقیقت ہے۔ برخلاف انبیاء کی وحی کے کہ اس میں ایک حرف بھی جھوٹ کا نہیں ہو سکتا۔ اسی کو فرمایا گیا کہ یہ مشرکین سب کے سب جھوٹے ہیں۔

اکثرهم کاذبون میں سے اکثر مراد کل لیا گیا ہے اور زمخشریؒ نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ان میں سے اکثر خود دعویٰ کہانت میں جھوٹے ہیں۔ مشرکین آنحضور ﷺ کو کبھی کاہن کہتے اور کبھی شاعر بتاتے۔

فرمایا گیا کہ شاعری کی باتیں تو محض خیالی ہوتی ہیں۔ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا اور یہ تو محض ایک تفریح طبع کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اس سے کوئی ہدایت یاب نہیں ہوتا۔ حالانکہ قران کی حقیقت تو یہ ہے کہ اسی کو سن کر ہزاروں انسان نیک و پرہیزگار بن گئے۔ شاعروں کی پشت پناہی اور اس کی اتباع تو اوباش اور وہ لوگ کرتے ہیں جو خود بھٹکے ہوئے ہوں۔ شاعروں کو عمل کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوا۔ بس زبانی باتیں کرتے ہیں اور عمل سے بالکل کورے۔ ان کا قول کچھ ہوتا ہے اور عمل کچھ۔ نیز شعراء خالی مضامین میں ٹکریں مارتے پھرتے ہیں۔

جھوٹ، مبالغہ آمیزی صبح شام کا مشغلہ۔ کسی کی تعریف کرتے ہیں تو آسمان پر پہنچا دیتے ہیں اور کسی مذمت و برائی پر آتے ہیں تو دنیا کے سارے عیوب اس میں جمع کر دیتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ ایک پیغمبر کو اس طرز زندگی سے کیا واسطہ اور لگاؤ ہوسکتا ہے۔ اسی کو فرمایا گیا کہ وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ. کہ ہم نے نہ تو انہیں شعر سکھایا اور نہ ہی ان کے لئے مناسب تھا۔ آپ ﷺ تو حسن عمل کے پیکر تھے۔ آپ ﷺ کے اعمال اقوال کے عین مطابق یہ نہیں کہ کہتے کچھ اور کرتے کچھ تھے اور آپ ﷺ کی جو بات ہوتی وہ نہایت جچی تلی اور حقیقت سے قریب ہوتی۔ پھر آپ ﷺ کو شاعر اور قرآن کو ایک شاعرانہ کلام کہنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے۔

اسلام نہ عام شاعری کو پسند کرتا ہے اور نہ شاعروں کی کچھ ہمت افزائی کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اس عام شاعری سے وہ شاعری یقیناً مستثنٰی ہوگی جس میں حقائق وصداقت سے کام لیا گیا ہو اور وہ اشعار جو اسلام کی حمایت اور اللہ تعالیٰ کی حمد میں کہے گئے ہوں گے اور جس سے کسی نیکی اور بھلائی کی ترغیب ہوتی ہو۔ اسی طرح وہ اشعار جو کفر کی مذمت اور گناہوں کی برائی میں کہے گئے ہوں۔ اس طرح کے اشعار مذموم اور غیر پسندیدہ نہیں کہے جاسکتے۔

اب آخر میں ارشاد ہوا کہ یہ ظالم جو آنحضور ﷺ کو شاعر و کاہن قرار دے کر ان کی تکذیب کر رہے ہیں اور جو خدا اور اس کے رسول کے حقوق تلف کر رہے ہیں، انہیں بہت جلد اس کا انجام معلوم ہوجائے گا اور پتہ چل جائے گا کہ جہاں وہ لوٹ کر جانے والے ہیں وہ کتنی تکلیف دہ اور بری جگہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثٌ اَوْ اَرْبَعٌ اَوْ خَمْسٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ **تِلْكَ** هٰذِهِ الْاٰيَاتُ **اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ** اَيْ اٰيَاتٌ مِنْهُ **وَكِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴿۱﴾** مُظْهِرُ الْحَقِّ الْبَاطِلَ عَطْفٌ بِزِيَادَةِ صِفَةٍ **هُوَ هُدًى** اَيْ هَادٍ مِنَ الضَّلَالَةِ **وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴿۲﴾** اَلْمُصَدِّقِيْنَ بِهٖ بِالْجَنَّةِ **الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ** يَاتُوْنَ بِهَا عَلٰى وَجْهِهَا **وَيُؤْتُوْنَ** يُعْطُوْنَ **الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴿۳﴾** يَعْلَمُوْنَهَا بِالْاِسْتِدْلَالِ وَاُعِيْدَهُمْ لِمَا فُصِّلَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْخَبَرِ **اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ** الْقَبِيْحَةَ بِتَرْكِيْبِ الشَّهْوَةِ حَتّٰى رَاَوْهَا حَسَنَةً **فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ﴿۴﴾** يَتَحَيَّرُوْنَ فِيْهَا لِقُبْحِهَا عِنْدَنَا **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ** اَشَدُّهٗ فِي الدُّنْيَا الْقَتْلُ وَالْاِسْرُ **وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ﴿۵﴾** لِمَصِيْرِهِمْ اِلَى النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِمْ **وَاِنَّكَ** خِطَابٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ** اَيْ يُلْقٰى عَلَيْكَ بِشِدَّةٍ **مِنْ لَّدُنْ** مِنْ عِنْدِ **حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ﴿۶﴾** فِيْ ذٰلِكَ اُذْكُرْ **اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ** زَوْجَتِهٖ عِنْدَ مَسِيْرِهٖ مِنْ مَدْيَنَ اِلٰى مِصْرَ **اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ** اَبْصَرْتُ مِنْ بَعِيْدٍ **نَارًا ؕ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ** عَنْ حَالِ الطَّرِيْقِ وَكَانَ قَدْ ضَلَّهَا **اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ** بِالْاِضَافَةِ لِلْبَيَانِ وَتَرْكِهَا اَيْ شُعْلَةَ نَارٍ فِيْ رَاْسِ فَتِيْلَةٍ اَوْ عُوْدٍ **لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ﴿۷﴾** وَالطَّاءُ بَدَلٌ مِنْ تَاءِ الْاِفْتِعَالِ مِنْ صَلِيَ بِالنَّارِ بِكَسْرِ اللَّامِ وَفَتْحِهَا تَسْتَدْفِئُوْنَ مِنَ الْبَرْدِ **فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ** اَيْ بِاَنْ **بُوْرِكَ** اَيْ بَارَكَ اللّٰهُ **مَنْ فِي النَّارِ** اَيْ مُوْسٰى **وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ** اَيِ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوِ الْعَكْسُ وَبَارَكَ يَتَعَدّٰى بِنَفْسِهٖ وَبِالْحَرْفِ وَيُقَدَّرُ بَعْدُ فِيْ مَكَانٍ **وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۸﴾** مِنْ جُمْلَةِ مَانُوْدِيَ وَمَعْنَاهُ تَنْزِيْهُ اللّٰهِ مِنَ السُّوْءِ **يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗ** اَيِ الشَّانُ

اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۹﴾ وَاَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاَلْقَاهَا فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ تَتَحَرَّكُ كَاَنَّهَا جَآنٌّ حَيَّةٌ خَفِيْفَةٌ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يَرْجِعُ قَالَ تَعَالٰى يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۖ مِنْهَا اِنِّیْ لَا يَخَافُ لَدَیَّ عِنْدِیْ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۰﴾ مِنْ حَيَّةٍ وَّغَيْرِهَا اِلَّا لٰكِنْ مَنْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا اٰتَاهُ بَعْدَ سُوْٓءٍ اَیْ تَابَ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱﴾ اَقْبَلُ التَّوْبَةَ وَاَغْفِرُلَهٗ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِیْ جَيْبِكَ طَوْقِ الْقَمِيْصِ تَخْرُجْ خِلَافَ لَوْنِهَا مِنَ الْاُدْمَةِ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۖ بَرَصٍ لَهَا شُعَاعٌ يُغْشِی الْبَصَرَ اٰيَةً فِیْ تِسْعِ اٰيٰتٍ مُرْسَلًا بِهَا اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۱۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً اَیْ مُضِيْئَةً وَاضِحَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ بَيِّنٌ ظَاهِرٌ وَجَحَدُوْا بِهَا اَیْ لَمْ يُقِرُّوْا وَقَدِ اسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ اَیْ تَيَقَّنُوْا اَنَّهَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۚ تَكَبُّرًا عَنِ الْاِيْمَانِ بِمَاجَاءَ بِهٖ مُوْسٰى رَاجِعٌ اِلَى الْجَحْدِ فَانْظُرْ يَامُحَمَّدُ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴﴾ الَّتِیْ عَلِمْتَهَا مِنْ اِهْلَاكِهِمْ

ترجمہ:.........طٰسٓ (خدا تعالیٰ جانتا ہے اس کی مراد) یہ آیتیں ہیں قرآن اور ایک واضح کتاب کی (جو کہ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔ قرآن کا عطف کتب مبین کے اوپر صفت کی زیادتی کی وجہ سے کیا گیا۔ یہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ قرآن اور کتاب دونوں ہم معنی الفاظ ہیں۔ پھر اس عطف کی کیا ضرورت تھی تو اس کا جواب ہے کہ اگرچہ یہ دونوں ہم معنی الفاظ ہیں۔ مگر جب معطوف علیہ سے معطوف میں زیادہ صفت پائے جاتے ہوں اور اس سے معطوف علیہ کی وضاحت ہوتی ہو تو اس صورت میں عطف مفید ہوتا ہے) یہ آیتیں ایمان والوں کے لئے موجب ہدایت و بشارت ہیں (خوشخبری یہ ہے کہ یہ جنت کی تصدیق کرنے والی ہیں) اور یہ خوشخبری ان کے لئے ہے جو نماز پابندی سے پڑھتے رہتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں اور آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں (اور دلائل کے ساتھ اس کا علم رکھتے ہیں۔ ضمیر ھم دو مرتبہ لانے کی وجہ لکھتے ہیں کہ ھم مبتداء اور اس کی خبر یوقنون کے درمیان بالآخرۃ کا فصل آ گیا تھا۔ اس وجہ سے پھر دوبارہ فرمایا گیا ھم یوقنون) اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ ہم نے ان کے اعمال (بد) ان کی نظر میں خوشنما بنا رکھے ہیں (وہ معاصی اور شہوت دنیا میں مبتلا ہیں اور اسے بہت اچھا سمجھ رہے ہیں) سو وہ بھٹکتے پھرتے ہیں (اور ان کا یہ بھٹکنا ہماری نظروں میں ہے بوجہ معاصی کی قباحت کے ورنہ تو ان کی نظروں میں تو یہ ایک پسندیدہ چیز ہے۔ اس وجہ سے اس کا اس طرف خیال بھی نہیں جاتا ہے) یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے سخت عذاب ہے (دنیا میں بصورت قتل اور قید) اور آخرت میں تو وہ بڑا سخت نقصان اٹھانے والے ہیں (بوجہ جہنم میں ڈالتے جانے کے ہمیشہ کے لئے) اور آپ کو (اے محمد ﷺ) یقیناً قرآن دیا جا رہا ہے (جس میں آپ کو کچھ دشواری محسوس ہوگی لیکن یہ) ایک بڑے حکمت والے بڑے علم والے کی طرف سے ہے (وہ قصہ یاد کیجئے) جب موسیٰ نے (مدین سے مصر کی جانب سفر کے دوران) اپنے گھر والوں (یعنی بیوی) سے کہا میں نے (دور سے) آگ دیکھی ہے (اور ہم جو راستہ بھول گئے ہیں تو راستہ کی صحیح تفصیلات کی) میں ابھی وہاں سے کوئی خبر لے کر آتا ہوں یا تمہارے پاس آگ کا شعلہ لکڑی وغیرہ میں لگا ہوا لاتا ہوں (شھاب کی اضافت قبس کی جانب اس کی مزید تشریح کے لئے ہے اور بعضوں نے اس اضافت کی کوئی چیز محسوس نہیں کی وہ اس وجہ سے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ قبس یا شھاب سے واقع ہو رہا ہے یا اس کی صفت ہے کہ ایسی

آ گ جولکڑی وغیرہ میں لگی ہوئی ہو) تا کہ تم تاپ سکو (تصطلون کی طاء تاء افتعال سے بدلی ہوئی ہےاور یہ ماخوذ صلی بالنار سے ہے۔اس کے مصدر میں لام کے کسرہ اورفتحہ دونوں طرح کی قرأت ہے۔ معنی ہے سردی سے بچنے کے لئے تاپنا) پھر جب وہ اس (آگ) کے پاس پہنچے تو انہیں آواز دی گئی کہ برکت ہوان پر جوآگ کے اندر ہیں (یعنی موسیٰ) اور اس پر بھی جواس کے پاس ہیں (یعنی فرشتے یا اس کا الٹا یعنی من فی النار سے مراد فرشتے اور من حولها سے مراد موسیٰ ہیں اور لفظ بارک یہ متعدی بنفسہ اور متعدی بالحرف بھی ہے۔یعنی اس کا صلہ فی علی اور لام وغیرہ بھی آتا ہے اور اس کے بغیر بھی استعمال ہے اور فی کے بعد لفظ کان مقدر مانا گیا ہے۔عبارت اس طرح ہوگی۔بورک من فی مکان النار اور پاک ہے اللہ پروردگار عالم (ہرنقص سے) اے موسیٰ یہ (جوکلام کررہا ہے) میں اللہ ہوں بڑا غلبہ والا، بڑا حکمت والا اور تم اپنا عصا ڈال دو (حکم ملتے ہی۔انہوں نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی) پھر جب انہوں نے اسے دیکھا کہ وہ حرکت کررہا ہے جیسے (ایک چھوٹا) سانپ ہو تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (ارشاد ہوا کہ) اے موسیٰ (اس سے) ڈرو نہیں۔ ہمارے حضور میں پیغمبر (سانپ وغیرہ سے) نہیں ڈرا کرتے۔ ہاں البتہ جس سے کوئی قصور ہوجائے۔پھر برائی کے بعد بجائے اس کے نیک کام کرے (یعنی توبہ کرلے) تو میں بڑا مغفرت والا، رحمت والا ہوں (توبہ قبول کرکے معاف کردیتا ہوں) اور تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر لے جاؤ تو وہ بلا کسی عیب (یعنی بغیر کسی مرض برص وغیرہ) کے سفید ہوکر نکلے گا (جس میں اس قدر چمک ہوگی کہ آنکھوں کو چکا چوند کردے گی۔ یہ نو معجزات میں سے ہیں (جوحضرت موسیٰ علیہ السلام کو) فرعون اور اس کی قوم کے مقابل میں (دے کر بھیجا گیا) بے شک وہ لوگ حد سے گزر جانے والے ہیں۔

غرض ان لوگوں کے پاس جب ہمارے معجزات پہنچے جو نہایت واضح تھے تو وہ بولے یہ تو محض کھلا ہوا جادو ہے۔اور ظلم وتکبر کی راہ سے ان معجزات کے بالکل منکر ہوگئے۔ درآنحالیکہ ان کے دلوں نے اس کا یقین کرلیا تھا (کہ یہ منجانب اللہ ہے) سو (اے محمد ﷺ) دیکھئے کیسا انجام ہوا ان مفسدوں کا (جیسا کہ آپ کو ان کی ہلاکت کا حال معلوم ہو چکا ہے)۔

تحقیق وترکیب:.........هم یوقنون. هم مبتداء ہے یوقنون اس کی خبر۔بالآخرة متعلق ہے کبو کے۔خبر اور مبتداء میں فصل ہونے کی بناء پر مبتداء کا تکرار کیا گیا۔زمخشریؒ نے لکھا ہے کہ تکرار ضمیر تخصیص وتاکید کے لئے ہے ورنہ ضمیر ثانی خود اختصار کا فائدہ دے رہی تھی۔واو عاطفہ اور حالیہ دونوں طرح ہوسکتا ہے۔

هم الاخسرون. افعل تفضیل کے لئے اور بتانا یہ ہے کہ کفار کا خسران آخرت میں اور بھی بڑھ گیا اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ اخسر افعل کے وزن پر مبالغہ کے لئے۔مضمون شرکت کی ادائیگی کے لئے نہیں۔کیونکہ آخرت میں مومن کسی بھی خسران میں مبتلا نہ ہوگا۔

بشهاب قبس. کوفی کیونکہ اس کو بدل قرار دیتے ہیں۔اس لئے ترک اضافت کرتے ہیں۔

نودی. کیونکہ یہ فعال کے قائم مقام ہے۔اس لئے چند صورتیں ہوں گی۔اول یہ کہ ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب راجح ہے۔اس صورت میں ان مفسرہ للمضارع ہوگا جو ماقبل کے قول کی تفسیر کرتا ہے۔ثانی یہ ان ناصب مضارع ہوگا۔تیسرے ان مخففه ہے اور ضمیر شان اس کا اسم ہے اور بورک خبر۔

تخرج بیضاء. بظاہر یہ ادخل کا جواب ہے۔مطلب ہے کہ تم اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالو تو وہ چمکتا ہوا نکلے گا اور بعضوں نے کچھ کلام حذف مانا ہے۔عبارت یوں ہوگی۔ ادخل یدك ندخل واخرجها تخرج۔

کیف کان. کیف خبر مقدم ہے۔عاقبة اس کا اسم اور پورا جملہ محل نصب میں ہے۔

ربط :............ کفار مکہ اور مشرکین عرب قرآن مجید کو ایک شعری مجموعہ قرار دیتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ میں حقیقت پر سے نقاب کشائی کرتے ہوئے فرمایا کہ خیالات اور افکار کا فیضان شیطان کی جانب سے بھی ہوتا ہے اور پاک رحمٰن کی طرف سے بھی۔ شیطان کا دیا ہوا فکر اور تخیل، خیالات کی وادیوں میں بھٹکنا، بے عمل زندگی، غیر مہذب خیالات کی اشاعت وغیرہ ہے اور رحمانی افکار پاکیزہ، صاف ستھرے، عمل کی دعوت دینے والے اور عمل پر ابھارنے والے ہوتے ہیں۔ سورہ شعراء کے خاتمہ پر شاعروں کی فکری ماخذ کی نشاندہی کرنے کے بعد سورۂ نمل کے آغاز میں انک لتلقی القراٰن من لدن حکیم علیم (اور آپ کو یقیناً قرآن دیا جارہا ہے۔ ایک بڑے حکمت والے، بڑے علم والے کی طرف سے) فرما کر آنحضور ﷺ کے شستہ و رفتہ ماخذ کی تعیین کی ہے اور توحید کے دلائل، کفر و شرک کی باہمی تفریق، جانوروں کا تکلم اور ان کا شعور، فطرات کا ادراک بتا کر کافروں کی اس زندگی کو سامنے لایا گیا ہے۔ جس میں نہ اپنے رب حقیقی کی معرفت ہے اور نہ فکر آخرت ہے۔ مواخذہ آخرت کا اندیشہ گویا ان کی زندگی جانوروں سے بھی گئی گزری ہوئی ہے۔ اس طرح ان دونوں سورتوں میں معنوی ارتباط واضح طور پر موجود ہے۔

﴿تشریح﴾:............ ارشاد ہوا کہ یہ آیتیں اس قرآن کی ہیں جو واضح اور روشن ہے۔ اس میں اہل ایمان کے لئے ہدایت اور بشارت ہے۔ کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے احکامات پر عمل کرتے ہیں۔ نمازیں قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ بھی پوری کی پوری ادا کرتے ہیں اور ساتھ ہی آخرت پر یقین کامل رکھتے ہیں۔ یعنی عقائد و اعمال دونوں کے بارے میں بڑے پختہ ہیں اور وہ لوگ جو اسے جھٹلاتے ہیں اور قیامت کو نہیں مانتے تو ہم بھی انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ انہیں ان کی برائیاں اچھی لگتی ہیں۔ یعنی جنہیں اپنے انجام کی فکر نہیں ہوتی وہ اپنی ساری زندگی اس دنیا کے حصول اور اس کی ترقیوں میں لگائے رکھتے ہیں۔ ان تمام کوششوں کا مرکز یہی چند روزہ زندگی ہوتی ہے اور اپنی سرکشی و گمراہی میں بڑھتے رہتے ہیں۔ انہیں دنیا اور آخرت میں بدترین سزا ملے گی اور قیامت کے دن یہ سب سے زیادہ نقصان میں رہیں گے۔ فرمایا گیا کہ ان بدبختوں کو ان کی گمراہی میں بھٹکنے دیجئے اور آپ خدا کا شکر ادا کیجئے کہ آپ کو اس علیم و حکیم کی جانب سے ایسی عظیم الشان کتاب (قرآن) دی گئی جو انسانی ضرورتوں کا ایک جامع نسخہ ہے۔

خدا کا دین:............ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ یاد دلایا جارہا ہے۔ جب وہ حضرت شعیب علیہ السلام سے رخصت لے کر اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر مدین سے مصر کی طرف روانہ ہوئے تو کوہ طور کے قریب سے گزرتے ہوئے جب آپ مصر کا راستہ بھول گئے، سردی کا موسم اور اندھیری رات تھی تو آپ نے اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ تم یہیں ٹھہرو، مجھے ایک جگہ آگ کا شعلہ دکھائی دے رہا ہے۔ میں اس روشنی کے پاس جاتا ہوں۔ اگر کوئی وہاں موجود ہوا تو اس سے راستہ معلوم کرتا ہوں ورنہ کم از کم وہاں سے تاپنے کے لئے کچھ آگ لیتا آؤں گا۔ فرماتے ہیں کہ جب وہاں پہنچے تو معاملہ ہی عجیب دیکھا۔ وہ دنیا کی آگ نہیں بلکہ نورانی آگ ہے۔ حضرت موسیٰ سخت متعجب تھے اور ان کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آرہی تھی کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ اچانک آواز آئی کہ آگ میں جو تجلی ہے وہ بھی مبارک ہے اور اس کے دائرہ میں یا اس کے آس پاس جو ہستیاں ہیں مثلاً فرشتے یا خود حضرت موسیٰ علیہ السلام وہ سب بھی مقدس ہیں۔ یہ کلام غالباً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانوس کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔

اس کے بعد فوراً اس خیال سے کہیں کوئی اس تجلی کو جو بشکل آگ محدود تھی اسے خدا نہ سمجھ لے تو فرمایا گیا کہ خدا تعالیٰ کی ذات مکان، جسم، صورت اور رنگ وغیرہ سے پاک ہے۔ اس لئے بشکل آگ اس کی تجلی کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ اس کی ذات آگ

میں حلول کر آئی ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا کہ اس وقت تم سے کلام کرنے والا میں ہوں، جو سب پر غالب ہے اور ساری چیزیں اس کے ماتحت اور اس کے زیر حکم ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ اے موسیٰ اپنی لکڑی زمین پر ڈال دو اور پھر اپنی آنکھوں سے خدا تعالیٰ کی قدرت دیکھ لو۔ حکم ملتے ہی موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لکڑی زمین پر ڈال دی اور اسی وقت وہ ایک سانپ کی شکل اختیار کر گئی۔ اسے چلتا پھرتا دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام خوفزدہ ہو گئے اور اس تیزی کے ساتھ بھاگے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ یہ خوف، خوف طبعی تھا۔ جو نبوت کے منافی نہیں ہے۔ پھر خدا تعالیٰ نے آواز دی کہ اے موسیٰ! ڈرو نہیں۔ میں تمہیں اپنا برگزیدہ رسول بنانا چاہتا ہوں۔ اس مقام پر پہنچ کر کسی مخلوق یا سانپ وغیرہ سے ڈرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ خدا کے حضور میں تو خوف واندیشہ صرف اسے ہونا چاہئے جو کوئی غلطی کر کے آیا ہو۔ درآں حالیکہ اس کے بارے میں بھی ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ وہ دل سے توبہ کر لے اور برائیوں کے بدلہ نیکیاں کرنے لگے تو خدا تعالیٰ اپنی رحمت سے اسے معاف کر دیں گے۔

تو ایک معجزہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لکڑی کے سانپ بنانے کا ملا اور دوسرا معجزہ یہ دیا جاتا ہے کہ جب بھی آپ اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال کر نکالیں گے تو وہ چاند کی طرح چمکتا ہوا نکلے گا۔ یہ دونوں معجزے ان نو معجزات میں سے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملے تھے اور جن کی تفصیل آیت **ولقد اتینا تسع ایات بینات** الخ میں ذکر کی گئی ہے۔

جب یہ واضح اور صریح معجزات فرعونیوں کو دکھلائے گئے تو اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ لینے کے باوجود اس میں تاویلات کرنے شروع کر دیں اور کہنے لگے کہ اسے حقانیت سے کیا واسطہ۔ یہ تو سب جادو کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ انہیں یقین تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام برحق ہیں اور یہ معجزات منجانب اللہ ہیں۔ یہ جادو اور نظر بندی نہیں ہے۔ مگر پھر بھی صرف اپنی ضد اور نفسانیت کی وجہ سے اپنے ضمیر کے خلاف انکار کرتے رہے۔ جس کا نتیجہ کیا نکلا۔ چند روز کے بعد معلوم ہو گیا کہ ان مفسدین کا انجام کیا ہوتا ہے۔ دنیا میں سب کے سب غرقاب کئے گئے اور آخرت میں شدید ترین عذاب کے مستحق ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ کو سنانے سے مقصد آنحضرت ﷺ کے منکرین کو تنبیہ کرنا ہے کہ تم بھی اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ ورنہ اسی طرح تباہ و برباد کر دیئے جاؤ گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِبْنَهٗ **عِلْمًا** بِالْقَضَاءِ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْطِقِ الطَّيْرِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ **وَقَالَا** شُكْرًا لِلّٰهِ **الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا** بِالنُّبُوَّةِ وَتَسْخِيْرِ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالشَّيَاطِيْنِ **عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ** النُّبُوَّةَ وَالْعِلْمَ **وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ** اَيْ فَهْمَ اَصْوَاتِهِ **وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ** يُؤْتَاهُ الْاَنْبِيَاءُ وَالْمُلُوْكُ **اِنَّ هٰذَا** الْمُؤْتٰى **لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾** اَلْبَيِّنُ الظَّاهِرُ **وَحُشِرَ** جُمِعَ **لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ** فِيْ مَسِيْرٍ لَهٗ **فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾** يُجْمَعُوْنَ ثُمَّ يُسَاقُوْنَ **حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ** هُوَ بِالطَّائِفِ اَوْ بِالشَّامِ نَمْلُهٗ صِغَارٌ اَوْ كِبَارٌ **قَالَتْ نَمْلَةٌ** مَلِكَةُ النَّمْلِ وَقَدْ رَاَتْ جُنْدَ سُلَيْمَانَ **يٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ** يُكْسِرَنَّكُمْ **سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾** بِهَلَاكِكُمْ نَزَلَ النَّمْلُ مَنْزِلَةَ الْعُقَلَاءِ فِي الْخِطَابِ بِخِطَابِهِمْ **فَتَبَسَّمَ** سُلَيْمَانُ اِبْتِدَاءً **ضَاحِكًا** اِنْتِهَاءً **مِّنْ قَوْلِهَا** وَقَدْ سَمِعَهٗ مِنْ ثَلٰثَةِ اَمْيَالٍ حَمَلَتْهُ الرِّيْحُ اِلَيْهِ فَحَبَسَ

جُنْدَهُ حِينَ اَشْرَفَ عَلٰى وَادِيهِم حَتّٰى دَخَلُوا بُيُوتَهُمْ وَكَانَ جُنْدُهُ رُكْبَانًا وَمَشَاةً فِي هٰذَا الْمَسِيرِ **وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ** اَلْهِمْنِيْ **اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ** بِهَا **عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ﴿۱۹﴾** الْاَنْبِيَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ **وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ** لِيَرَى الْهُدْهُدَ الَّذِيْ يَرَى الْمَاءَ تَحْتَ الْاَرْضِ وَيَدُلُّ عَلَيْهِ بِنَقْرِهِ فِيهَا فَتَسْتَخْرِجُهُ الشَّيٰطِيْنُ لِاحْتِيَاجِ سُلَيْمَانَ اِلَيْهِ لِلصَّلٰوةِ فَلَمْ يَرَهُ **فَقَالَ مَالِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ** اَيْ اَعَرَضَ لِيْ مَا مَنَعَنِيْ مِنْ رُؤْيَتِهِ **اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ﴿۲۰﴾** فَلَمْ اَرَهُ لِغَيْبَتِهِ فَلَمَّا تَحَقَّقَهَا قَالَ **لَاُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا** اَيْ تَعْذِيْبًا **شَدِيْدًا** بِنَتْفِ رِيْشِهِ وَذَنْبِهِ وَرَمْيِهِ فِي الشَّمْسِ فَلَا يَمْتَنِعُ مِنَ الْهَوَامِ **اَوْلَاَاذْبَحَنَّهُٓ** بِقَطْعِ حُلْقُوْمِهِ **اَوْلَيَاْتِيَنِّيْ** بِنُوْنٍ مُشَدَّدَةٍ مَكْسُوْرَةٍ اَوْ مَفْتُوْحَةٍ يَلِيْهَا نُوْنٌ مَكْسُوْرَةٌ **بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴿۲۱﴾** بُرْهَانٍ بَيِّنٍ ظَاهِرٍ عَلٰى عُذْرِهِ **فَمَكَثَ** بِضَمِّ الْكَافِ وَفَتْحِهَا **غَيْرَ بَعِيْدٍ** اَيْ يَسِيْرًا مِنَ الزَّمَانِ وَحَضَرَ لِسُلَيْمَانَ مُتَوَاضِعًا بِرَفْعِ رَاسِهِ وَاِرْخَاءِ ذَنْبِهِ وَجَنَاحَيْهِ فَعَفَا عَنْهُ وَسَأَلَهُ عَمَّا لَقِيَ فِي غَيْبَتِهِ **فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَالَمْ تُحِطْ بِهٖ** اَيْ اِطَّلَعْتُ بِمَالَمْ تَطَّلِعْ عَلَيْهِ **وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ** بِالصَّرْفِ وَتَرْكِهِ قَبِيْلَةٌ بِالْيَمَنِ سُمِّيَتْ بِاسْمِ جَدِّلَهُمْ بِاعْتِبَارِهِ صُرِفَ **بِنَبَاٍ** بِخَبَرٍ **يَّقِيْنٍ﴿۲۲﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ** اَيْ هِيَ مَلَكَةٌ لَهُمْ اِسْمُهَا بِلْقِيْسُ **وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ** تَحْتَاجُ اِلَيْهِ الْمُلُوْكُ مِنَ الْاٰلَةِ وَالْعُدَّةِ **وَّلَهَا عَرْشٌ** سَرِيْرٌ **عَظِيْمٌ﴿۲۳﴾** طُوْلُهُ ثَمَانُوْنَ ذِرَاعًا وَعَرْضُهُ اَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا وَارْتِفَاعُهُ ثَلٰثُوْنَ ذِرَاعًا مَضْرُوْبٌ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ مُكَلَّلٌ بِالدُّرِّ وَالْيَاقُوْتِ الْاَحْمَرِ وَالزَّبَرْجَدِ الْاَخْضَرِ وَالزُّمُرُّدِ وَقَوَائِمُهُ مِنَ الْيَاقُوْتِ الْاَحْمَرِ وَالزَّبَرْجَدِ الْاَخْضَرِ وَالزُّمُرُّدِ عَلَيْهِ سَبْعَةُ بُيُوْتٍ عَلٰى كُلِّ بَيْتٍ بَابٌ مُغْلَقٌ **وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ** طَرِيْقِ الْحَقِّ **فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ** اَيْ اَنْ يَسْجُدُوْا لَهُ فَزِيْدَتْ لَا وَاُدْغِمَ فِيهَا نُوْنُ اَنْ كَمَا فِيْ قَوْلِهِ تَعَالٰى لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ وَالْجُمْلَةُ فِيْ مَوْضِعِ مَفْعُوْلِ يَهْتَدُوْنَ بِاِسْقَاطِ اِلٰى **الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ** مَصْدَرٌ بِمَعْنَى الْمَخْبُوْءِ مِنَ الْمَطَرِ وَالنَّبَاتِ **فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ** فِيْ قُلُوْبِهِمْ **وَمَا تُعْلِنُوْنَ﴿۲۵﴾** بِاَلْسِنَتِهِمْ **اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴿۲۶﴾** اِسْتِيْنَافٌ جُمْلَةُ ثَنَاءٍ مُشْتَمِلٍ عَلٰى عَرْشِ الرَّحْمٰنِ فِيْ مُقَابَلَةِ عَرْشِ بِلْقِيْسَ وَبَيْنَهُمَا بَوْنٌ عَظِيْمٌ **قَالَ** سُلَيْمَانُ لِلْهُدْهُدِ **سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ** فِيْمَا اَخْبَرْتَنَا بِهِ **اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴿۲۷﴾** اَيْ مِنْ هٰذَا النَّوْعِ فَهُوَ اَبْلَغُ مِنْ اَمْ كَذَبْتَ فِيْهِ ثُمَّ دَلَّهُمْ عَلَى الْمَاءِ فَاسْتُخْرِجَ وَارْتَوَوْا وَتَوَضَّأُوْا وَصَلَّوْا ثُمَّ كَتَبَ

سُلَیْمَانُ کِتَابًا صُوْرَتُہٗ مِنْ عَبْدِاللّٰہِ سُلَیْمَانَ بْنِ دَاوٗدَ اِلٰی بِلْقِیْسَ مَلِکَۃِ سَبَا بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ السَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی اَمَّا بَعْدُ فَلَا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ثُمَّ طَبَعَہٗ بِالْمِسْکِ وَخَتَمَہٗ بِخَاتِمِہٖ ثُمَّ قَالَ لِلْھُدْھُدِ **اِذْھَبْ بِّکِتٰبِیْ ھٰذَا فَاَلْقِہْ اِلَیْھِمْ** اَیْ بِلْقِیْسَ وَقَوْمِھَا **ثُمَّ تَوَلَّ** اِنْصَرِفْ **عَنْھُمْ** وَقِفْ قَرِیْبًا مِنْھُمْ **فَانْظُرْ مَاذَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾** یَرُدُّوْنَ مِنَ الْجَوَابِ فَاَخَذَہٗ وَاَتَاھَا وَحَوْلَھَا جُنُوْدُھَا فَاَلْقَاہُ فِیْ حِجْرِھَا فَلَمَّا رَاَتْہُ اِرْتَعَدَتْ وَخَضَعَتْ خَوْفًا ثُمَّ **قَالَتْ** لِاَشْرَافِ قَوْمِھَا **یٰۤاَیُّھَا الْمَلَؤُا** بِتَحْقِیْقِ الْھَمْزَتَیْنِ وَتَسْھِیْلِ الثَّانِیَۃِ بِقَلْبِھَا وَاوًا مَکْسُوْرَۃً **اِنِّیْۤ اُلْقِیَ اِلَیَّ کِتٰبٌ کَرِیْمٌ ﴿۲۹﴾** مَخْتُوْمٌ **اِنَّہٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّہٗ** اَیْ مَضْمُوْنَہٗ **بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ یٰۤاَیُّھَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ** بِتَحْقِیْقِ الْھَمْزَتَیْنِ وَتَسْھِیْلِ الثَّانِیَۃِ بِقَلْبِھَا وَاوًا اَیْ اَشِیْرُوْا عَلَیَّ **فِیْۤ اَمْرِیْ ۚ مَا کُنْتُ قَاطِعَۃً اَمْرًا** قَاضِیَۃً **حَتّٰی تَشْھَدُوْنِ ﴿۳۲﴾** تَحْضُرُوْنَ **قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّۃٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِیْدٍ ۙ** اَیْ اَصْحَابُ شِدَّۃٍ فِی الْحَرْبِ **وَّالْاَمْرُ اِلَیْکِ فَانْظُرِیْ مَاذَا تَاْمُرِیْنَ ﴿۳۳﴾** نُطِعْکِ **قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَۃً اَفْسَدُوْھَا** بِالتَّخْرِیْبِ **وَجَعَلُوْۤا اَعِزَّۃَ اَھْلِھَاۤ اَذِلَّۃً ۚ وَکَذٰلِکَ یَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾** اَیْ مُرْسِلُوْا الْکِتَابِ **وَاِنِّیْ مُرْسِلَۃٌ اِلَیْھِمْ بِھَدِیَّۃٍ فَنٰظِرَۃٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾** مِنْ قُبُوْلِ الْھَدِیَّۃِ اَوْرَدِّھَا اِنْ کَانَ مَلِکًا قَبِلَھَا اَوْ نَبِیًّا لَمْ یَقْبَلْھَا فَاَرْسَلَتْ خَدَمًا ذُکُوْرًا اَوْ اِنَاثًا اَلْفًا بِالسَّوِیَّۃِ وَخَمْسَمِائَۃِ لَبِنَۃٍ مِنَ الذَّھَبِ وَتَاجًا مُکَلَّلًا بِالْجَوَاھِرِ وَمِسْکًا وَعَنْبَرًا اَوْغَیْرَ ذٰلِکَ مَعَ رَسُوْلٍ بِکِتَابٍ فَاَسْرَعَ الْھُدْھُدُ اِلٰی سُلَیْمَانَ یُخْبِرُہُ الْخَبَرَ فَاَمَرَ اَنْ تَضْرِبَ لَبِنَاتِ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ وَاَنْ تَبْسُطَ مِنْ مَوْضِعِہٖ اِلٰی تِسْعَۃِ فَرَاسِخَ مَیْدَانًا وَاَنْ یَبْنُوْا حَوْلَہٗ حَائِطًا مُشَرَّفًا مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ وَاَنْ یُؤْتٰی بِاَحْسَنِ دَوَابِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ مَعَ اَوْلَادِ الْجِنِّ عَنْ یَمِیْنِ الْمَیْدَانِ وَشِمَالِہٖ **فَلَمَّا جَآءَ** الرَّسُوْلُ بِالْھَدِیَّۃِ وَمَعَہٗ اَتْبَاعُہٗ **سُلَیْمٰنَ قَالَ** سُلَیْمَانُ **اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَاۤ اٰتٰنِۦَ اللّٰہُ** مِنَ النُّبُوَّۃِ وَالْمُلْکِ **خَیْرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰکُمْ ۚ** مِنَ الدُّنْیَا **بَلْ اَنْتُمْ بِھَدِیَّتِکُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾** بِفَخْرِکُمْ بِزَخَارِفِ الدُّنْیَا **اِرْجِعْ اِلَیْھِمْ** بِمَا اَتَیْتَ بِہٖ مِنَ الْھَدِیَّۃِ **فَلَنَاْتِیَنَّھُمْ بِجُنُوْدٍ لَّاقِبَلَ** لَاطَاقَۃَ **لَھُمْ بِھَا وَلَنُخْرِجَنَّھُمْ مِّنْھَاۤ** مِنْ بَلَدِھِمْ سَبَا سُمِّیَتْ بِاِسْمِ اَبِیْ قَبِیْلَتِھِمْ **اَذِلَّۃً وَّھُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾** اَیْ اِنْ لَمْ یَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ فَلَمَّا رَجَعَ اِلَیْھَا الرَّسُوْلُ بِالْھَدِیَّۃِ جَعَلَتْ سَرِیْرَھَا دَاخِلَ سَبْعَۃِ اَبْوَابٍ دَاخِلَ قَصْرِھَا قَصْرُھَا دَاخِلَ سَبْعَۃِ قُصُوْرٍ وَاَغْلَقَتِ الْاَبْوَابَ وَجَعَلَتْ عَلَیْھَا سَرِیْرَھَا حَرَسًا وَتَجَھَّزَتْ لِلْمَسِیْرِ اِلٰی سُلَیْمَانَ لِتَنْظُرَ مَا یَاْمُرُھَا بِہٖ فَارْتَحَلَتْ فِیْ اِثْنَیْ عَشَرَ اَلْفِ قَیْلٍ مَعَ کُلِّ قَیْلٍ اُلُوْفٌ کَثِیْرَۃٌ اِلٰی اَنْ قَرُبَتْ مِنْہُ

عَلٰی فَرْسَخٍ شَعْرِبِهَا **قَالَ يٰاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ** فِى الْهَمْزَتَيْنِ مَاتَقَدَّمَ **يَاْتِيْنِىْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِىْ مُسْلِمِيْنَ﴿۳۸﴾** اَىْ مُنْقَادِيْنَ طَائِعِيْنَ فَلِىْ اَخْذُهٗ قَبْلَ ذٰلِكَ لَا بَعْدَهٗ **قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ** هُوَ الْقَوِىُّ الشَّدِيْدُ **اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ** ج اَلَّذِىْ تَجْلِسُ فِيْهِ لِلْقَضَاءِ وَهُوَ مِنَ الْغَدَاةِ اِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ **وَاِنِّىْ عَلَيْهِ لَقَوِىٌّ** اَىْ عَلٰى حَمْلِهٖ **اَمِيْنٌ﴿۳۹﴾** اَىْ عَلٰى مَافِيْهِ مِنَ الْجَوَاهِرِ وَغَيْرِهَا قَالَ سُلَيْمَانُ اُرِيْدُ اَسْرَعَ مِنْ ذٰلِكَ **قَالَ الَّذِىْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ** الْمُنْزَلِ وَهُوَ اٰصِفُ بْنُ بَرْخِيَا كَانَ صَدِيْقًا يَعْلَمُ اِسْمَ اللّٰهِ الْاَعْظَمِ الَّذِىْ اِذَا دُعِىَ بِهٖ اَجَابَ **اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ** ط اِذَا نَظَرْتَ بِهٖ اِلٰى شَيْءٍ مَا قَالَ لَهٗ اُنْظُرْ اِلَى السَّمَاءِ فَنَظَرَ اِلَيْهَا ثُمَّ رَدَّ بِطَرْفِهٖ فَوَجَدَهٗ مَوْضُوْعًا بَيْنَ يَدَيْهِ فَفِىْ نَظْرِهٖ اِلَى السَّمَاءِ دَعَا اٰصِفُ بِالْاِسْمِ الْاَعْظَمِ اَنْ يَّاْتِىَ اللّٰهُ بِهٖ فَحَصَلَ بِاَنْ جَرٰى تَحْتَ الْاَرْضِ حَتّٰى ارْتَفَعَ عِنْدَ كُرْسِىِّ سُلَيْمَانَ **فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا** اَىْ سَاكِنًا **عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا** اَىِ الْاِتْيَانُ لِىْ بِهٖ **مِنْ فَضْلِ رَبِّىْ لِيَبْلُوَنِىْٓ** لِيَخْتَبِرَنِىْ **ءَاَشْكُرُ** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وَتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْاُخْرٰى وَتَرْكِهٖ **اَمْ اَكْفُرُ** ط النِّعْمَةَ **وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ** ج اَىْ لِاَجْلِهَا لِاَنَّ ثَوَابَ شُكْرِهٖ لَهٗ **وَمَنْ كَفَرَ** النِّعْمَةَ **فَاِنَّ رَبِّىْ غَنِىٌّ** عَنْ شُكْرِهٖ **كَرِيْمٌ﴿۴۰﴾** بِالْاِفْضَالِ عَلٰى مَنْ يَّكْفُرُهَا **قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا** اَىْ غَيِّرُوْهُ اِلٰى حَالٍ تُنْكِرُهٗ اِذَا رَاَتْهُ **نَنْظُرْ اَتَهْتَدِىْٓ** اِلٰى مَعْرِفَتِهٖ **اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ﴿۴۱﴾** اِلٰى مَعْرِفَةِ مَا تَغَيَّرَ عَلَيْهِمْ قَصَدَ بِذٰلِكَ اِخْتِبَارَ عَقْلِهَا لَمَّا قِيْلَ لَهٗ اَنَّ فِيْهِ شَيْئًا فَغَيَّرُوْهُ بِزِيَادَةٍ اَوْ نَقْصٍ اَوْغَيْرِ ذٰلِكَ **فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ** لَهَا **اَهٰكَذَا عَرْشُكِ** ط اَىْ اَمِثْلُ هٰذَا عَرْشُكِ **قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ** ج اَىْ فَعَرَفَتْهُ وَشَبَّهَتْ عَلَيْهِمْ كَمَا شَبَّهُوْا عَلَيْهَا اِذْ لَمْ يَقُلْ اَهٰذَا عَرْشُكِ وَ لَوْقِيْلَ هٰذَا قَالَتْ نَعَمْ قَالَ سُلَيْمَانُ لَمَّا رَاٰى لَهَا مَعْرِفَةً وَعِلْمًا **وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا** عَنْ عِبَادَةِ اللّٰهِ **مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** ط اَىْ غَيْرِهٖ **اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ﴿۴۳﴾ قِيْلَ لَهَا** اَيْضًا **ادْخُلِى الصَّرْحَ** ج هُوَ سَطْحٌ مِنْ زُجَاجٍ اَبْيَضَ شَفَّافٍ تَحْتَهٗ مَاءٌ جَارٍ فِيْهِ سَمَكٌ اِصْطَنَعَهٗ سُلَيْمَانُ لَمَّا قِيْلَ لَهٗ اِنَّ سَاقَيْهَا وَرِجْلَيْهَا كَقَدَمَىْ حِمَارٍ **فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً** مِنَ الْمَاءِ **وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا** ط لِتَخُوْضَهٗ وَكَانَ سُلَيْمَانُ عَلٰى سَرِيْرِهٖ فِىْ صَدْرِ الصَّرْحِ فَرَاٰى سَاقَيْهَا وَقَدَمَيْهَا حِسَانًا **قَالَ** لَهَا **اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ** مُمَلَّسٌ **مِّنْ قَوَارِيْرَ** ۵ اَىْ زُجَاجٍ وَدَعَاهَا اِلَى الْاِسْلَامِ **قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ** بِعِبَادَةِ غَيْرِكَ **وَ اَسْلَمْتُ** كَائِنَةً **مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۴۴﴾** وَاَرَادَ تَزَوُّجَهَا فَكَرِهَ شَعْرَ سَاقَيْهَا فَعَمِلَتْ لَهٗ

ع ۱۳ ۳ ۱۸

الشَّیَاطِیْنُ النُّوْرَۃَ فَازَالَتْهُ بِهَا فَتَزَوَّجَهَا وَاَحَبَّهَا وَاَقَرَّهَا عَلٰی مُلْکِهَا وَکَانَ یَزُوْرُهَا کُلَّ شَهْرٍ مَرَّةً وَیُقِیْمُ عِنْدَهَا ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ وَانْقَضٰی مُلْکُهَا بِانْقِضَاءِ مُلْکِ سُلَیْمَانَ رُوِیَ اَنَّهٗ مَلَکَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثَ عَشَرَةَ سَنَةً وَمَاتَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَّخَمْسِیْنَ سَنَةً فَسُبْحَانَ مَنْ لَّا انْقِضَاءَ لِدَوَامِ مُلْکِهٖ

ترجمہ:.........اور ہم نے داؤد اور (ان کے بیٹے) سلیمان کو (ایک خاص) علم (اصول حکمرانی اور پرندوں کی زبان دانی وغیرہ سے متعلق) عطا فرمایا اور یہ دونوں (خدا تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے) کہنے لگے کہ ساری تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ جس نے ہمیں (نبوت اور جن وانس اور شیاطین کو مسخر کر کے) اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی اور داؤد کے جانشین (اس علم اور نبوت کے) سلیمانؑ ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی سمجھنے کی تعلیم دی گئی ہے اور ہم کو ہر قسم کی چیزیں (جو انبیاء اور بادشاہوں کو ملتی ہیں) عطا ہوئی ہیں۔ بے شک یہ تو خدا تعالیٰ کا کھلا ہوا فضل ہے اور سلیمانؑ کے لئے ان کا لشکر جمع کیا گیا (ایک سفر میں جس میں) جن بھی (تھے) اور انسان و پرندے بھی اور انہیں (صف بندی کے لئے) روکا جاتا تھا (اور سب کو اکٹھا کر کے جب صف بندی ہو جاتی تو پھر چلنے کا حکم دیا جاتا) یہاں تک کہ ایک مرتبہ جب وہ چیونٹی کے میدان میں پہنچے (یہ وادی طائف یا شام میں تھی) تو ایک چیونٹی نے (جو ان سب چیونٹیوں کی سردار تھی سلیمانؑ کے لشکر کو آتا دیکھ کر) کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے سوراخوں میں جا گھسو، کہیں سلیمانؑ اور ان کا لشکر تمہیں روند نہ ڈالیں اور انہیں (تمہارے پس جانے کی) خبر بھی نہ ہو۔ سو سلیمانؑ اس کی بات سے مسکراتے ہوئے ہنس پڑے (ان کی بات آپ نے تین میل پہلے سن لی تھی جسے ہوا نے آپ تک پہنچا دیا تھا۔ یہ سن کر آپ نے اپنی فوجوں کو جب وہ اس وادی میں پہنچے روک دیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے اپنے سوراخوں میں گھس گئیں۔ آپ کے اس سفر میں پیدل اور گھڑ سوار دونوں طرح کی فوجیں تھیں) اور کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اس پر بھی مداومت دیجئے) کہ میں نیک کام کروں۔ جس سے آپ خوش ہوں اور مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں (یعنی انبیاء اور اولیاء) میں داخل رکھئے اور انہوں نے پرندوں کی حاضری لی (تا کہ ہدہد کے بارے میں پتہ چل سکے کہ وہ موجود ہے یا نہیں) جو کہ زمین کے نیچے پانی تلاش کرتا اور اپنی چونچ سے اس کی نشاندہی کر دیتا تھا کہ فلاں جگہ پانی موجود ہے۔ جب نشاندہی مکمل ہو جاتی تو شیاطین سلیمان علیہ السلام کی نماز وغیرہ کی ضرورت کے لئے زمین کے نیچے سے پانی نکالتے۔ حاضری لینے پر جب ہدہد نظر نہیں آیا تو سلیمان علیہ السلام فرمانے لگے کہ یہ کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا۔ کیا وہ غیر حاضر ہے۔ (جس کی وجہ سے نظر نہیں آ رہا ہے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ وہ واقعی غیر حاضر ہے تو آپ نے فرمایا کہ) میں اسے سخت سزا دوں گا (اور یہ کروں گا کہ اس کے پر وغیرہ اکھڑوا کر سورج کی روشنی میں پھینکوا دوں گا۔ اس طرح وہ چوپایوں سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکے گا) یا (اس کا گلا کاٹ کر) اس کو ذبح کر ڈالوں گا۔ یا وہ (غیر حاضری کا) کوئی صاف عذر میرے سامنے پیش کرے۔ (لیاتینی۔ میں نون مشددہ مکسورہ ہے۔ اور ایک قرأت کے مطابق نون مفتوحہ اور اس کے بعد ایک نون مکسورہ) سو تھوڑی ہی دیر میں وہ (سلیمان علیہ السلام کے دربار میں متواضعانہ اپنی سر کو اٹھائے ہوئے اور اپنے پر اور دم کو نیچے گراتے ہوئے) آ گیا (اس پر سلیمان علیہ السلام نے اسے معاف فرما دیا اور اس سے غیوبت کی وجہ دریافت فرمائی) تو کہنے لگا کہ میں ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں (اس کا اجمالی بیان یہ ہے) کہ میں آپ کے پاس قبیلہ سبا کی ایک تحقیقی خبر لایا ہوں۔ (سبا منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح ہے۔ یہ یمن میں ایک قبیلہ ہے جس کا نام اس کے قبیلہ کے جد امجد کے نام پر رکھا گیا ہے) میں نے ایک عورت کو دیکھا۔ وہ ان لوگوں پر حکومت کر رہی ہے۔ (یعنی وہ ان کی ملکہ ہے جس کا نام بلقیس ہے) اور اس کو (سلطنت کے لوازمات میں سے) ہر سامان

میسر ہے اور اس کے پاس ایک بڑا تخت ہے (جس کا طول اسی گز اور چوڑائی چالیس گز اور اس کی اونچائی تیس گز ہے۔ اس پر سونے اور چاندی کا ملمع ہے اور قیمتی موتی یاقوت اور زمرد سے جڑا ہوا ہے اور اس کے پائے بھی یاقوت اور زمرد کے ہیں۔ اس کے اوپر سات گھر ہیں اور ہر گھر کا دروازہ بند ہے) میں نے اسے اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر آفتاب کی پوجا کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال ان کی نظر میں خوشنما کر رکھے ہیں اور ان کو راہ حق سے روک رکھا ہے۔ چنانچہ وہ راہ ہدایت پر نہیں چلتے اور اس خدا کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو باہر لاتا ہے۔ (خبء مصدر ہے بمعنی مخبوء کے اور الا یسجدوا میں اصل عبارت ہے۔ ان یسجدوا، لا زائد ہے اور ان کی نون کو اس میں مدغم کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ کے قول لئلا یعلم اهل الکتاب میں ہوا ہے اور یہ جملہ مفعول کی جگہ میں واقع ہے) اور جو کچھ پوشیدہ رکھتے ہو (اپنے دلوں میں) اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو (اپنی زبانوں سے) سب کو جانتا ہے۔ اللہ وہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ بشکل تعریف اور بلقیس کے تخت کے مقابل میں عرش رحمٰن کا تذکرہ ہے۔ درآں حالیکہ رحمٰن اور بلقیس کے تخت میں فرق عظیم ہے) کہا (سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے) ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ (تو نے جو خبر دی ہے) تو سچ کہتا ہے یا تو جھوٹوں میں سے ہے۔ (ام کنت من الکاذبین) ۔ یہ زیادہ بلیغ ہے ام کذبت فیه سے۔ پھر اس ہدہد نے پانی کی نشاندہی کی تو پانی نکالا گیا اور لوگ اس سے سیراب ہوئے۔ وضو کیا۔ پھر نماز پڑھی گئی۔ اس کے بعد سلیمان علیہ السلام نے ایک مکتوب لکھا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔

من عبداللّٰہ سلیمان بن داؤد الی بلقیس ملکة سبا . بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. السلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد. فلا تعلوا علی وأتونی مسلمین.

پھر اسے مشک سے خوشبودار بنا کر اس پر آپ نے اپنی مہر لگا دی اور ہدہد سے کہا، اچھا تو میرا یہ خط لے جا اور اسے اس (بلقیس اور اس کی قوم) کے پاس ڈال دینا۔ پھر (وہاں سے ذرا) ہٹ جانا (اور دور کھڑے ہو کر) دیکھنا کہ آپس میں کیا سوال و جواب کرتے ہیں (ہدہد نے اس مکتوب کو لیا اور اسے بلقیس کے کمرے میں ڈال دیا۔ جہاں اس کے لشکری بھی موجود تھے۔ بلقیس اسے دیکھ کر خوف سے لرز اٹھی اور اپنی قوم کے سرداروں سے) کہا اے اہل دربار میرے پاس ایک نہایت باوقعت خط ڈالا گیا ہے۔ (یاایها الملأ میں دونوں ہمزہ کو باقی رکھا گیا ہے اور دوسری قرأت میں دوسرے ہمزہ کو واو مکسورہ سے بدل دیا گیا ہے) وہ سلیمانؑ کی طرف سے ہے اور (اس کا مضمون) یہ ہے۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ تم لوگ ہمارے مقابلہ میں بڑائی مت کرو اور میرے پاس مطیع ہو کر چلے آؤ۔ بلقیس نے کہا کہ اے اہل دربار تم مجھ کو میرے معاملہ میں رائے دو۔ میں کبھی کسی معاملہ کا فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس موجود نہ ہو۔ (افتونی میں دو قرأت ہیں۔ ایک دونوں ہمزہ کو باقی رکھنے کا۔ دوسرے ایک ہمزہ کو بغرض تسہیل واؤ سے بدل دینے کا) وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم بڑے طاقتور، بڑے لڑنے والے ہیں۔ لیکن اختیار آپ ہی کو ہے۔ آپ دیکھ لیجئے۔ آپ کو کیا حکم دینا ہے۔ (ہم آپ کے حکم کی اطاعت کریں گے) وہ بولی کہ بادشاہ جب کسی بستی میں فاتحانہ) داخل ہوتے ہیں تو اسے تہہ و بالا کر دیتے ہیں اور اس کے رہنے والوں میں جو عزت والے ہوتے ہیں انہیں وہ ذلیل کر دیتے ہیں اور (یہ مکتوب بھیج چکے ہیں عدم اطاعت کی صورت میں) یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے اور میں ان لوگوں کے پاس کچھ ہدیہ بھیجتی ہوں۔ پھر دیکھوں گی کہ ایلچی کیا جواب لے کر آتے ہیں۔ (ہدیہ کو قبول کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں۔ اگر وہ دنیاوی بادشاہ ہوگا تو اس ہدیہ کو قبول کر لے گا اور اگر نبی ہوگا تو کبھی قبول نہیں کرے گا۔ چنانچہ اس نے ایک ہزار کم عمر لڑکے اور لڑکیاں بطور غلام اور باندی کے اور پانچ سو سونے کی اینٹیں اور تاج جن پر جواہر کا کام کیا تھا اور مشک و عنبر اس کے علاوہ قاصد کے ساتھ ایک تحریر بھی تھی۔ ہدہد فوری طور پر یہ اطلاع لے کر حضرت سلیمانؑ کے پاس پہنچا۔ حضرت

سلیمانؑ نے فوراً حکم دیا کہ سونے اور چاندی کی اینٹیں تیار کی جائیں اور انہیں میدان میں نو میل تک پھیلا دیا جائے اور سونے اور چاندی کا ایک محل فوراً تیار کیا جائے اور بر و بحر کے عمدہ ترین جانور جنات کے ساتھ میدان کے دائیں بائیں جانب کھڑے کر دیے جائیں) سو جب وہ ایلچی (تحفہ وغیرہ لے کر) سلیمانؑ کے پاس پہنچا۔ تو آپ نے کہا کہ کیا تم لوگ میری مدد مال سے کرنا چاہتے ہو۔ سو اللہ نے جو کچھ مجھ کو (نبوت اور سلطنت) دے رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو اس نے تم کو (اسباب دنیا) دیا ہے۔ ہاں تم ہی اپنے ہدیہ پر اتراتے ہو گے۔ (دنیاوی مال اور دولت پر فخر ہونے کی وجہ سے) تم (ان ہدایا کے لوکر) لوٹ جاؤ۔ ان لوگوں کے پاس ہم ایسی فوج بھیجیں گے کہ ان لوگوں سے ان کا ذرا بھی مقابلہ نہ ہو سکے گا اور ہم ان کو وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ ماتحت ہو جائیں گے۔ (اگر وہ ایمان نہ لائے تو جب یہ قاصد لوٹ کر بلقیس کے پہنچا اور سارا قصہ سنایا تو اس نے اپنے شاہی تخت کو ایک کمرہ میں بند کیا۔ جس میں جانے کے لئے سات دروازے پار کرنے پڑتے تھے اور وہ کمرہ سات محلوں کے درمیان میں تھا تو ان تمام دروازوں کو بند کر کے اس پر حفاظت کے لئے پہرہ بٹھا دیا۔ اس کے بعد سلیمان علیہ السلام کی طرف روانگی کا پروگرام بنایا۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ کیا کہتے ہیں۔)

سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ اے درباریو! تم میں سے کون ایسا ہے جو اس (بلقیس) کا تخت میرے پاس لے آئے۔ اس سے قبل کہ وہ لوگ مطیع ہو کر حاضر ہوں (کیونکہ اسلام سے قبل تو اس کا لینا میرے لئے جائز ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ حربی ہیں اور بعد اسلام لینا جائز نہیں) ایک قوی ہیکل جن بوالا۔ اسے میں آپ کی خدمت میں لے آؤں گا۔ قبل اس کے کہ آپ اپنے اجلاس سے اٹھیں (جہاں آپ فیصلوں کے لئے تشریف رکھتے ہیں اور جو سلسلہ چاشت کے وقت سے سورج ڈھلنے تک جاری رہتا ہے) اور (اگرچہ وہ بہت بھاری ہے مگر) میں اس (کے لانے) پر قدرت رکھتا ہوں۔ (اور اگرچہ وہ بڑا قیمتی، جواہرات سے مرصع ہے مگر) امانت دار بھی ہوں۔ (اس پر سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں۔ تو جسے کتاب کا علم حاصل تھا (اور وہ آصف بن برخیا تھا جسے اسم اعظم معلوم تھا جس کے ذریعہ دعائیں قبول ہوتی ہیں) اس نے کہا کہ میں اسے تیرے پاس لے آؤں گا قبل اس کے کہ تیری پلک جھپکے۔ (آصف نے سلیمانؑ سے کہا کہ آپ آسمان کی طرف دیکھئے۔ جب سلیمانؑ نے آسمان سے نظر ہٹا کر نیچے دیکھا تو اس تخت کو اپنے سامنے پایا۔ گویا اس دوران جب سلیمانؑ کی نظر آسمان کی جانب تھی۔ آصف نے دعا کی۔ جس کے نتیجے میں خدا تعالیٰ نے اسے یہاں پہنچا دیا) پھر جب سلیمانؑ نے اسے اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو بولے۔ یہ بھی میرے پروردگار کا ایک فضل ہے تاکہ میری آزمائش کرے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری (اس کے نعمت کی ء اشکر میں چند قراتیں ہیں۔ دونوں ہمزہ کے باقی رکھنے کا، دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دینے کا) اور جو کوئی شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے شکر کرتا ہے (اس وجہ سے کہ اس شکر کا ثواب اسی کو ملتا ہے) اور جو کوئی (نعمتوں پر) ناشکری کرتا ہے تو میرا پروردگار غنی ہے، کریم ہے (یہی وجہ ہے کہ ناشکری کے باوجود اسے نوازتا ہے)۔

اس کے بعد سلیمانؑ نے حکم دیا کہ اس کے لئے اس کے تخت کی صورت بدل دو (تاکہ وہ اسے دیکھ کر پہچان نہ سکے) ہم دیکھیں کہ اس کا پتہ لگ جاتا ہے یا وہ انہی لوگوں میں سے ہے۔ جنہیں (ایسی باتوں کا) پتہ نہیں لگتا (اور مقصد اس میں نقص پیدا کر دینے یا اس میں کچھ اضافہ کر کے اس کی صورت بدل دینے سے بلقیس کی عقل کی آزمائش کرنی تھی۔ کیونکہ اس کی عقل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں کچھ فتور ہے) خیر جب وہ آئی تو (اس سے) کہا گیا کہ کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے وہ بولی کہ ہاں ہے تو ایسا ہی (گویا کہ وہ پہچان گئی لیکن اس نے بھی انہیں شبہ اور چکر میں ڈال دیا۔ جیسا کہ انہوں نے اھکذا عرشك کا سوال کر کے انہیں شبہ میں ڈالنے کی کوشش کی

تھی) اور ہم کو اس واقعہ سے پہلے ہی آپ کی نبوت کی تحقیق ہو چکی ہے اور ہم مطیع ہو چکے ہیں اور اس کو (ایمان لانے سے) غیر اللہ کی عبادت نے روک رکھا تھا (اس وجہ سے کہ) وہ کافر قوم تھی۔ اس سے کہا گیا کہ محل میں داخل ہو (جسے اس طرح بنایا گیا تھا کہ اس کی سطح صاف وشفاف شیشے کی تھی اور نیچے پانی کی لہریں تھیں جس میں مچھلیاں بھی نظر آتی تھیں) تو جب اس نے دیکھا تو اسے پانی سے بھرا ہوا سمجھا اور (اس کے اندر گھسنے کے لئے) اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں۔ (سلیمان علیہ السلام جو کہ محل کے بیچ میں تخت نشین تھے۔ اس کے پیر اور پنڈلیاں دیکھ لیں اور اسی وقت انہوں نے) فرمایا کہ یہ تو ایک محل ہے جو شیشوں سے بنایا گیا ہے (اور پھر آپؑ نے اسے دعوت اسلام پیش کی تو) وہ کہنے لگیں کہ اے میرے پروردگار میں نے (اب تک) اپنے اوپر ظلم کیا تھا (کہ شرک میں مبتلا تھی) اور اب میں سلیمانؑ کے ساتھ ہو کر اللہ پروردگار عالم پر ایمان لے آئی (اور بعد میں سلیمان علیہ السلام نے اس کی ساتھ شادی کا ارادہ کیا۔ لیکن اس کی پنڈلیوں کے بال انہیں ناگوار معلوم ہوئے تو ان کے حکم پر جنات نے ہڑتال تلاش کی جس سے ان کے بال صاف کئے گئے۔ پھر آپ نے اس سے شادی فرمالی اور اس طرح اس کا ملک بھی آپ کے زیر حکومت آ گیا۔ وہاں آپ ہر مہینہ اس کے ملک تشریف لے جاتے اور دو تین دن وہاں مقیم رہتے۔ سلیمانؑ کی سلطنت ختم ہونے کے ساتھ اس کی حکومت بھی ختم ہوگئی۔

ایک روایت ہے کہ سلیمان علیہ السلام کو جب بادشاہت ملی تو آپ تیرہ سال کے تھے اور جب آپ کی وفات ہوئی تو ترپن سال کے تھے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس کی بادشاہت کبھی ختم نہ ہوگی۔

تحقیق وترکیب:............ **منطق الطیر.** بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ اصطلاح میں منطق ان الفاظ کو کہتے ہیں جو مافی الضمیر کی ادائیگی کریں۔ خواہ وہ مافی الضمیر مفرد ہو یا مرکب اور کبھی منطق واطلاق صورت تشبیہ پر ہوتا ہے۔

حتی اذا اتوا. یوزعون حتی کی مغیا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک وادی میں داخل ہو گئے اور ہو سکتا ہے کہ حتی کی غایت محذوف ہو۔

یاایھا النمل. علماء بلاغت کہتے ہیں کہ یہ قول بلاغت کی متعدد وجوہ پر مشتمل ہے۔ مثلاً اس میں ندا ہے۔ ''ای'' کا لفظ ہے تنبیہ کے لئے ''ھا'' ہے۔ نمل کا اسم موجود ہے۔ ادخلوا صیغہ امر موجود ہے۔ سلیمان علیہ السلام کے نام کی صراحت ہے وغیرہ۔

من سبا. یہ یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ اگر اسے منصرف پڑھیں تو اس لئے کہ یہ ایک شخص کا نام ہے جو اس قبیلہ کا مورث اعلیٰ تھ اور غیر منصرف پڑھنے کی وجہ قبیلہ کا نام ہے۔ اس میں دو سبب، ایک معرفہ اور دوسرا تانیث ہے۔

واویت من کل شیء. یہ جملہ **تملکھم** پر بھی معطوف ہو سکتا ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ ماضی کا مضارع پر عطف جائز ہے۔ کیونکہ مضارع ماضی ہی کے معنی میں ہے اور ہو سکتا ہے کہ تملکھم سے حال ہو۔

الایسجدوا. مشدد ہے، مطلب ہے کہ اس طرز عبادت نے انہیں راہ حق سے روک دیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ خدائے واحد کے سامنے سجدہ ریز نہ ہو سکے۔ اس صورت میں جار ومجرور دونوں محذوف ہیں اور **نون** کو لام میں مدغم کر دیا گیا اور ''لا'' زائد بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں معنی ہوں گے کہ معبود برحق تک انہیں رسائی نہیں ہوتی۔ ان دونوں ترکیب میں سجدہ تلاوت واجب ہوگا۔ ہاں زجاج کی تحقیق پر اگر تشدید کی صورت ہے تو سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوگا۔

ماذا یرجعون. انظر، کو اگر غور وفکر کے معنی میں لیا جائے۔ تو ما استفہامیہ ہوگا اور تقدیر عبارت ای شیء یرجعون ہوگی۔ اور ہو سکتا ہے کہ ''ما'' مبتداء ہو، ذا، الذی کے معنی میں اور ''یرجعون'' صلہ عبارت ہوگی۔ ای بشیءٍ الذی یرجعون. پھر یہ موصول، ما استفہامیہ کی خبر ہوگا۔

الا تعلوا علی. ان مفسرہ اور "لا" للنھی ہے۔ مطلب ہے کہ ایسا کبر کا مظاہرہ نہ کرو۔ جیسا کہ متکبرین کرتے ہیں اور ان مصدریہ بنانے کی صورت میں ناصبہ للفعل ہوگا۔ بعض دوسری تراکیب نحوی یہاں ذکر ہوئیں جو شروع سے معلوم ہو سکتی ہیں۔

حتی تشھدون. یہ حتی سے منصوب ہے اور اظہار نصب نون کو حذف کر کے کہا گیا ہے۔

ماذا تامرین. یہ تامرین کا مفعول ثانی ہے۔ جبکہ پہلا مفعول محذوف ہے۔ عبارت تھی تامر ینیا۔

فناظرۃ. عطف ہے مرسلة پر اور بما کا تعلق یرجع سے ہے۔ معنی ہے کہ ہم فرستادہ کے لوٹنے کا انتظار کریں گے کہ وہ کیا جواب لے کر آتا ہے۔

مستقراً. استقرار کی تفسیر سکون سے کی۔ ملحوظ رہے کہ یہ افعال عامہ سے نہیں کہ جس کا حذف کرنا واجب ہے۔

اھکذا عرشك. اس میں ہمزہ استفہام کے لئے ہے اور ھا حرف تنبیہ کاف حرف جر جار مجرور خبر مقدم اور عرشك مبتداء مؤخر۔

﴿تشریح﴾:............ یہاں سے خدا تعالیٰ ان نعمتوں کا تذکرہ فرما رہے ہیں جو آپ نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں۔ ان دونوں کو خدا تعالیٰ نے بے شمار نعمتوں سے نوازا تھا۔ ساتھ ہی انہیں ان نعمتوں پر شکریہ کی بھی توفیق عطا فرمائی تھی جو خود ایک نعمت ہے۔ آپ نے تحدیث نعمت کرتے ہوئے فرمایا کہ فضلنا علی کثیر۔ گویا آپ کو افضلیت کل مومنین پر نہیں بلکہ اکثر مومنین پر دی گئی تھی۔ فضیلت کلی تو صرف آنحضور ﷺ کو حاصل ہوئی۔ یہاں ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اظہار فضیلت ہر حال میں مذموم نہیں بلکہ صرف اس صورت میں ممنوع ہے جبکہ کبر وغرور پیش نظر ہو۔

فرمایا گیا ہے کہ داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے ان کے صحیح جانشین حضرت سلیمان علیہ السلام ہوئے جنہیں خدا تعالیٰ نے نبوت اور بادشاہت دونوں عطا فرمائی تھی اور حد تو یہ ہے کہ ہوا اور پرندوں تک کو آپ کے لئے مسخر کر دیا تھا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ اے لوگو! مجھے خدا تعالیٰ نے پرندوں کی زبان اور ان کی بولی بھی سمجھنے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے اور حکومت وسلطنت سے متعلق جن چیزوں کی بھی ضرورت ہو سکتی تھی، سب کچھ دی گئی ہیں اور یہ صرف خدا تعالیٰ کے فضل وکرم کا نتیجہ ہے۔

جہاں تک پرندوں کی بولیاں سمجھنے کا سوال ہے تو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اس وجہ سے پرندے جو بولتے ہیں تو اس میں بھی افہام وتفہیم بہر حال پایا جاتا ہے۔ خود قرآن نے اطلاع دی تھی کہ ہر چیز خدا تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل میں مصروف ہے۔ مگر تم اسے سمجھ نہیں پاتے ہو اور پرندے بھی خدا تعالیٰ کی تحمید میں لگے ہوئے ہیں۔ احادیث سے بھی حیوانات بلکہ جمادات تک کا کلام کرنا ثابت ہے وراب تو خود یورپ بھی اپنی تحقیقات کے نتیجہ میں اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہے اور بطور معجزہ کے خدا تعالیٰ کسی نبی کو پرندوں کی بولیوں کو سمجھنے کی صلاحیت عطا فرمادے تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے۔

سلیمان علیہ السلام جب کہیں روانہ ہوتے تو جنات، انسان اور پرندے تینوں قسم کے لشکروں میں سے حسب ضرورت آپ اپنے ساتھ لے جاتے اور ان میں ایک نظم وضبط بھی قائم رکھا جاتا۔ ایسا نہیں کہ پیچھے کی جماعت آگے نکل جائے بلکہ جس ترتیب سے صف بندی کی جاتی اسی کے وہ پابند رہتے۔ تو ایک مرتبہ آپ انہیں ساتھ لے کر آپ کسی ایسی جگہ سے گزر رہے تھے کہ کہ جہاں بکثرت چیونٹیاں آباد تھیں تو جب انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو آتا ہوا دیکھا تو ایک دوسرے سے یا ن میں سے کسی ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا کہ اپنے اپنے سوراخوں میں جا گھسو۔ کہیں لاعلمی میں سلیمان علیہ السلام کا لشکر تمہیں روند نہ ڈالے۔

وھم لایشعرون سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان سے ارادۃً تو ظلم ممکن نہیں ہے۔ البتہ بے خبری اور لاعلمی میں کہیں ان سے یہ زیادتی نہ ہو جائے۔ یہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام کو مسکراہٹ بلکہ ہنسی آ گئی اور چیونٹی کی بولی سمجھ لینے پر آپ اس قدر خوش اور مسرور ہوئے کہ فوراً مصروف شکر ہو گئے اور فرمایا کہ اے اللہ! میں آپ کی ان نعمتوں کا کس طرح شکریہ ادا کروں۔ لہذا آپ سے یہی التجا اور درخواست ہے کہ مجھے ہمیشہ زبان وعمل سے شاکر بنا دیجئے اور عمل مقبول عنایت فرمایئے اور اپنے نیک بندوں میں شامل رکھئے۔ پرندوں کی بولی کا علم تو آپ کو تھا ہی۔ اس قصہ سے معلوم ہوا کہ پرندوں کے علاوہ درندے و حیونات کی بولیوں کا علم بھی آپ کو حاصل تھا۔ مفسرینؒ کی رائے ہے کہ یہ وادی جہاں یہ واقعہ پیش آیا ملک شام میں ہے۔

علماء حیوانات کی تحقیقات سے ظاہر ہوتا ہے کہ چیونٹی نہایت ذہین جانور ہے اور انسانوں کی طرح ان کے بھی خاندان وقبائل ہوتے ہیں۔ ماہرین فن کے بیان کے مطابق چیونٹی کی زندگی تنظیم اور تقسیم کار کے اعتبار سے بہت کامل ومکمل ہے اور نظام حکومت میں بھی یہ انسانوں سے بہت مشابہ ہے۔ چیونٹی کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب اسے کسی خطرہ کا احساس ہوتا ہے تو پہلے ایک چیونٹی باہر نکلتی ہے اور پھر وہ اپنی قوم کو اطلاعات بہم پہنچاتی ہے۔ اس سے متعلق اور بھی بہت سی چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ مگر تفصیلات بیان کرنے کا یہ موقعہ نہیں ہے اور نہ اس کی گنجائش ہے۔

پرندوں سے سلیمان علیہ السلام مختلف کام لیا کرتے تھے۔ مثلاً گرمیوں میں یہ پرندے آپ کے سروں پر سایہ کر لیتے تھے یا ضرورت کے وقت پانی وغیرہ کی تلاش بھی انہی پرندوں سے کراتے۔ اسی طرح نامہ بری کا کام بھی آپ انہی سے لیتے۔ کسی ضرورت کی خاطر آپ نے پرندوں کا جائزہ لیا تو اس میں ہدہد نظر نہیں آیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ آج ہدہد نظر نہیں آیا ہے۔ کیا پرندوں کے جھنڈ کی وجہ سے وہ مجھ کو نظر نہیں آ رہا ہے یا واقعۃً وہ غیر حاضر ہے اور اگر وہ فی الواقع غیر حاضر ہے تو اسے سخت سزا دوں گا۔ اس کے بال و پر نوچ کر پھینک دوں گا تا کہ درندے اسے صاف کر دیں یا ذبح کر ڈالوں گا۔ الا یہ کہ وہ اپنی غیر حاضری پر کوئی معقول عذر پیش کر دے تو سزا سے بچ سکتا ہے۔ ممکن ہے ہدہد کی اس وقت کوئی خاص ضرورت پیش آئی ہو۔ کیونکہ ہدہد سے متعلق یہ مشہور ہے کہ اسے زمین کے نیچے پانی کا ادراک ہو جاتا ہے کہ اس جگہ پانی ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کتنی گہرائی میں۔ اس کی نشاندہی پر حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں کو حکم دیتے کہ زمین کھود کر پانی نکالیں اور پھر اس سے لوگ سیراب ہوتے تھے۔ شاید اسی ضرورت کی خاطر آپ کو اس کی تلاش ہو۔ یا یہ حاضری محض انتظام کی خاطر لی گئی اور فوج سے غیر حاضری خود ایک جرم ہے۔ اس وجہ سے آپ نے یہ سزا مقرر کی ہو۔

تھوڑی دیر بعد جب ہدہد واپس آیا تو اس نے اپنی غیر حاضری کا عذر پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں کسی نافرمانی کی وجہ سے غیر حاضر نہیں تھا بلکہ میری غیر حاضری حکومت ہی کی خاطر تھی۔ اور میں ایک ایسی خبر لے کر آیا ہوں جس کی آپ کو خبر بھی نہیں ہے۔ میں ملک سبا سے آ رہا ہوں۔ وہاں بلقیس نامی ایک عورت بادشاہت کرتی ہے۔ وہ وہاں کی ملکہ ہے۔ اسے حکومت وسلطنت کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہو سکتی ہے وہ سب کثرت کے ساتھ حاصل ہے۔ مال و دولت، افواج واسلحہ اور حسن وجمال بھی میسر ہے اور اس کا تخت جسامت میں بھی بڑا ہے اور مرصع بیش قیمت بھی ہے۔ یہ قوم سورج پرست ہے اور ان میں ایک بھی خدا کی پرستش کرنے والا نہیں ہے اور شیطان نے ان مشرکانہ رسوم ورواج کو ہی ان کی نظروں میں خوشنما بنا رکھا ہے اور ایسی گمراہی میں مبتلا کر رکھا ہے کہ راہ راست پر آنے کی انہیں توفیق نہیں ہوتی ہے۔ صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ صرف خدا کو سجدہ کے لائق مانا جائے۔ نہ سورج، چاند اور ستارے کو۔ سجدہ صرف اسی خدا کو کرنا چاہئے جو پوشیدہ چیزوں کو آسمان اور زمین سے نکالتا رہتا ہے۔ مثلاً آسمان سے پانی اور زمین سے نباتات وغیرہ اور جو ہر مخفی اور ظاہر کام کو جانتا ہے اور ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ وہی معبود برحق ہے اور عرش عظیم کا رب وہی ہے جس کے آگے بلقیس کے تخت کی کیا

حیثیت ہے۔ امام رازیؒ نے کہا کہ بلقیس کے تخت کو جو عظیم کہا گیا وہ دوسرے بادشاہوں کے تخت کے مقابلے میں کہا گیا اور خدا تعالیٰ کے عرش عظیم کو تمام مخلوقات کے مقابلہ کہا گیا ہے۔

ہدہد کی لائی ہوئی خبر سننے کے بعد سلیمان علیہ السلام اس کی تحقیقات میں لگ گئے اور فرمایا کہ ابھی تمہارا امتحان ہوجاتا ہے کہ تم سچے ہو یا جھوٹے اور آپ نے ایک خط لکھ کر ہدہد کو دیا کہ اسے بلقیس کے پاس پہنچادے اور اس کا جواب لے کر آ۔ ساتھ ہی اسے یہ بھی ہدایت کردی کہ خط دے کر ذرا دور ہٹ کر دیکھنا کہ وہ آپس میں کیا باتیں کرتے ہیں۔ پرندوں کے ذریعے خطوط رسانی کا ذریعہ کوئی نیا نہیں بلکہ بہت پرانا ہے۔ بہرکیف ہدہد اس خط کو لے کر گیا اور بلقیس کے خلوت خانہ میں ایک طاق میں اس کے سامنے رکھ دیا۔ بلقیس کو اس سے سخت حیرت ہوئی اور کچھ خوف وڈر بھی محسوس کیا۔ پھر اس خط کو پڑھنے کے بعد اس نے اپنے مشیروں اور وزراء کو جمع کیا اور خط کے مضمون اور تمام صورت حال سے باخبر کیا اور کہا کہ یہ خط سلیمان علیہ السلام کا ہے اور اس میں اسلام کی دعوت دی گئی ہے۔

خط کا مضمون یہ تھا کہ میرے سامنے تکبر اور سرکشی سے کام نہ لو اور خیریت اسی میں ہے کہ اسلام قبول کرلو۔ اور مطیع وفرمانبردار بن کر میرے پاس چلے آؤ۔

بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط انہیں سنانے کے بعد ان سے مشورہ طلب کیا اور کہا کہ تمہیں تو معلوم ہے کہ میں تنہا کسی معاملہ کا فیصلہ نہیں کرتی ہوں تاوقتیکہ تم لوگوں سے مشورہ نہیں کرلیتی ہوں۔ لہذا اس معاملہ میں بھی تم سے مشورہ چاہتی ہوں کہ بتاؤ کیا جواب دیا جائے اور کیا کارروائی کی جائے۔ اس پر سب نے متفقہ طور پر جواب دیا کہ ہماری جنگی طاقت کسی سے کم نہیں ہی اور سامان حرب کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ آپ کا حکم ہو تو ہم سلیمان سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اب آگے آپ کا جو حکم ہو ہم اس کی اطاعت وتابعداری کریں گے۔ ان کے جواب سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جنگ کے بھی خواہشمند تھے۔ لیکن بلقیس چونکہ سمجھدار اور عاقبت اندیش تھی وہ جنگ کو مناسب نہیں سمجھتی تھی۔ کیونکہ جنگ کے خوفناک نتائج اس کے سامنے تھے اور اس کی تباہی و بربادی سے خوب واقف تھی۔ اس وجہ سے اس نے اپنے مشیروں سے کہا کہا کہ بادشاہوں کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ جب کسی ملک کو فتح کرتے ہیں تو اسے برباد کردیتے ہیں اور وہاں کے ذی عزت لوگوں کو ذلیل کردیتے ہیں۔ اس وجہ سے سردست تو میں صلح ودوستی کی کوشش کرتی ہوں اور کچھ ہدیہ وغیرہ کسی کے ذریعہ بھیجتی ہوں۔ اس کا جواب آنے پر پھر کچھ سوچا جائے گا۔

یہودی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زروجواہر کے علاوہ ملکہ نے چھ ہزار ہم عمر اور ہم لباس لڑکے اور لڑکیاں بطور غلام اور باندی کے روانہ کئے۔ لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کے ان تحفوں وتحائف کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور فرمایا کہ میں نے تو اسلام کی دعوت دی تھی۔ اس مال ودولت سے ہمیں کیا لینا ہے اور کیا یہ ہمیں مالی رشوت دے کر اپنے ساتھ کرنا چاہتی ہے تو خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے مال ودولت اور طاقت وقوت خوب عطا فرمائی ہے۔ وہ بلقیس سے کہیں زیادہ ہے۔ پھر آپ نے قاصدوں سے فرمایا کہ یہ ہدیئے انہیں واپس کردو اور ان سے کہہ دو کہ وہ مقابلہ کے لئے تیار ہوجائیں۔ عنقریب میں فوج کشی کرکے ان بے دینوں اور لامذہبوں کا صفایا کرڈالوں گا اور ان کی یہ شان وشوکت سب ختم ہوجائے گی اور اسیری وغلامی کی زندگی بسر کرنی پڑے گی۔

جب قاصد واپس پہنچا اور سلیمان علیہ السلام کے دربار کے حالات بتائے اور ان کا پیغام سنایا تو اسے سلیمان علیہ السلام کی نبوت کا یقین آگیا اور آپ کے دربار میں حاضری کا اس نے ارادہ کیا۔ ملک کے انتظامات کسی کے سپرد کرکے اپنے بیش قیمت تخت کو سات محلوں کے اندر مقفل کردیا اور اس پر محافظ ونگران مقرر کردیئے۔ اس کی اطلاع وحی الٰہی یا جنات وغیرہ کے ذریعہ کسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہوگئی۔ جب وہ وہاں سے روانہ ہوچکی تو آپ نے اپنے دربار میں موجود جن وانس سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی

ہے کہ اس کے تخت کو اس کے پہنچنے سے پہلے یہاں اٹھالائے۔ یہ سن کر ایک طاقتور سرکش جن بولا کہ آپ مجھے حکم دیں تو میں آپ کے دربار برخواست کرنے سے پہلے اسے یہاں لا دیتا ہوں۔

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صبح سے دوپہر تک دربار میں تشریف رکھا کرتے تھے۔ اس جن نے مزید کہا کہ میں اسے اٹھانے کی طاقت بھی رکھتا ہوں اور ساتھ ہی امانتدار بھی ہوں۔ لہذا اس میں کچھ خرد برد کرنے کا امکان بھی نہیں ہے۔ جس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس سے بھی پہلے وہ میرے پاس پہنچ جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مقصد حضرت سلیمانؑ کا اپنے معجزے اور طاقت بلقیس کو دکھانا تھا کہ وہ تخت اس نے سات محلوں میں مقفل کر کے اور اس پر محافظ و نگران متعین کر کے آئی تھی وہ اس کے آنے سے پہلے دربار سلیمانی میں موجود ہے۔

بہرکیف حضرت سلیمان علیہ السلام کے عجلت کا مطالبہ سن کر ایک شخص نے کہا جسے علم کتاب حاصل تھا کہ میں اسے پلک جھپکنے سے بھی پہلے لا دوں گا۔ یہ کہنے والا کون تھا۔ اس سلسلے میں مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام یا کوئی اور فرشتہ تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ کہنے والے آصف بن برخیا تھے جو وزیر سلطنت تھے اور اکثر مفسرینؒ کی یہی رائے ہے۔

بہرحال یہی ہوا کہ آپ نے اپنی نظر اوپر کو اٹھائی اور پھر نیچے دیکھا تو وہ تخت بلقیس موجود تھا۔ ذرا سی دیر میں یمن سے بیت المقدس میں وہ تخت پہنچ گیا۔ جس پر آپ نے فرمایا کہ یہ صرف میرے پروردگار کا فضل ہے اور وہ مجھے آزمانا چاہتا ہے کہ میں اس پر اس کا شکرادا کرتا ہوں یا نہیں اور جو خدا تعالیٰ کا شکرادا کرتا ہے وہ اپنا ہی نفع کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے وہ اپنا ہی نقصان۔ خدا تعالیٰ کو کسی کے شکر کرنے سے نہ نفع ہوتا ہے اور نہ کسی کی ناشکری سے کوئی نقصان۔ خدا تعالیٰ تو بندوں کی بندگی سے بے نیاز ہے۔

اس تخت کے آجانے پر سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اس میں کچھ تغیر و تبدل کر کے اس کی صورت کو بدل دیا جائے تا کہ بلقیس کی عقلمندی اور ذہانت کا امتحان لیا جائے کہ وہ اپنے تخت کو پہچانتی ہے یا نہیں؟ جب وہ دربار سلیمانی میں حاضر ہوئی تو اس سے دریافت کیا گیا کہ کیا یہ تیرا ہی تخت ہے؟ اس نے بڑی عقلمندی سے جواب دیا کہ بالکل اسی جیسا ہے۔ نہ سرے سے انکار ہی کیا اور نہ اقرار، بلکہ درمیانی صورت اختیار کی اور کہا کہ اسی کی مثل یا اسی جیسا ہے۔ اور پھر اس نے کہا کہ ہم لوگ تو اس معجزہ کو دیکھنے سے پہلے ہی ایمان لا چکے ہیں اور آپ کے مطیع و فرمانبردار ہو چکے ہیں۔ فرمایا گیا کہ ایسی ذہین اور صاحب فہم ملکہ کو اس کی بت پرستی اور کفر نے خدا تعالیٰ کی عبادت اور وحدانیت سے روکے رکھا۔

سلیمان علیہ السلام کو جب بلقیس کے آنے کی اطلاع ہوئی تو آپ نے جنوں وغیرہ کی مدد سے ایک محل بنوایا تھا جو کہ شفاف شیشے کا تھا اور اس کے نیچے پانی سے بھرا ہوا حوض اس کمال صناعی سے بنایا گیا تھا کہ آنے والا شبہ میں پڑ جاتا کہ وہ فرش پر چل رہا ہے یا اس حوض کو عبور کرنا ہے۔ چنانچہ جب بلقیس کو محل میں داخل ہونے کے لئے کہا گیا تو اس نے بھی پانی کے حوض کو دیکھ کر اپنے پائنچے اوپر کو اٹھائے تا کہ بھیگنے نہ پائیں اور اس طرح اس کی پنڈلیاں حضرت سلیمان علیہ السلام کو نظر آ گئیں۔

اس وقت آپ نے فرمایا کہ تمہیں غلط فہمی ہوئی۔ یہ شیشے کا فرش ہے۔ پائنچے اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ سلیمان علیہ السلام اس سے شادی کرنا چاہتے تھے مگر آپ کو اطلاع ہوئی کہ اس کی پنڈلیوں میں کچھ عیب ہے۔ اسی کو دیکھنے کے لئے آپ نے یہ صنعت اختیار کی اور دوسرا قول وہی ہے کہ اس سے مقصد صرف اپنی حکومت اور سلطنت کا زور دکھا کر اس کے کبر و غرور کو ختم کرنا تھا۔ مگر اسرائیلی رویات اور بعض اسلامی روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بلقیس بعد میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے عقد میں آ گئی تھیں۔ اگرچہ قرآن و احادیث میں اس کی کوئی وضاحت یا ثبوت نہیں ہے۔

ملکہ بلقیس آپ کی نبوت کی تو پہلے ہی قائل ہو چکی تھی۔ اب جبکہ دنیوی سلطنت اور اس کی عظمت وشوکت دیکھی تو اور بھی متاثر ہوئی اور یقین آ گیا کہ آپ واقعی خدا تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور اسی وقت اپنے شرک وکفر سے توبہ کر کے مسلمان ہوگئی اور خدا تعالیٰ کی عبادت وبندگی میں لگ گئی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ مِنَ الْقَبِيْلَةِ **صٰلِحًا اَنِ** اَیْ بِاَنْ **اعْبُدُوا اللّٰهَ** وَحِّدُوْهُ **فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ﴿۴۵﴾** فِی الدِّيْنِ فَرِيْقٌ مُؤْمِنُوْنَ مِنْ حِيْنِ اِرْسَالِهٖ اِلَيْهِمْ وَفَرِيْقٌ كَافِرُوْنَ **قَالَ** لِلْمُكَذِّبِيْنَ **يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ** اَیْ بِالْعَذَابِ قَبْلَ الرَّحْمَةِ حَيْثُ قُلْتُمْ اِنْ كَانَ مَا اَتَيْتَنَا بِهٖ حَقًّا فَأْتِنَا بِالْعَذَابِ **لَوْلَا** هَلَّا **تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ** مِنَ الشِّرْكِ **لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴿۴۶﴾** فَلَا تُعَذَّبُوْنَ **قَالُوا اطَّيَّرْنَا** اَصْلُهٗ تَطَيَّرْنَا اُدْغِمَتِ التَّاءُ فِی الطَّاءِ وَاُجْتُلِبَتْ هَمْزَةُ وَصْلٍ اَیْ تَشَاءَمْنَا **بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ** اَیِ الْمُؤْمِنِيْنَ حَيْثُ قُحِطُوا الْمَطَرَ وَجَاعُوْا **قَالَ طٰٓئِرُكُمْ** شُؤْمُكُمْ **عِنْدَ اللّٰهِ** اَتَاكُمْ بِهٖ **بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ﴿۴۷﴾** تُخْتَبَرُوْنَ بِالْخَيْرِ وَالشَّرِّ **وَكَانَ فِی الْمَدِيْنَةِ** مَدِيْنَةِ ثَمُوْدَ **تِسْعَةُ رَهْطٍ** اَیْ رِجَالٍ **يُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ** بِالْمَعَاصِیْ مِنْهَا قَرْضُهُمُ الدَّنَانِيْرَ وَالدَّرَاهِمَ **وَلَا يُصْلِحُوْنَ﴿۴۸﴾** بِالطَّاعَةِ **قَالُوْا** اَیْ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ **تَقَاسَمُوْا** اَیْ اَحْلِفُوْا **بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ** بِالنُّوْنِ وَالتَّاءِ وَضَمِّ التَّاءِ الثَّانِيَةِ **وَاَهْلَهٗ** اَیْ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ اَیْ نَقْتُلُهُمْ لَيْلًا **ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ** بِالنُّوْنِ وَالتَّاءِ وَضَمِّ اللَّامِ الثَّانِيَةِ **لِوَلِيِّهٖ** اَیْ وَلِیِّ دَمِهٖ **مَا شَهِدْنَا** حَضَرْنَا **مَهْلِكَ اَهْلِهٖ** بِضَمِّ الْمِيْمِ وَفَتْحِهَا اَیْ اِهْلَاكَهُمْ اَوْ هَلَاكَهُمْ فَلَا نَدْرِیْ مَنْ قَتَلَهٗ **وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا** فِیْ ذٰلِكَ **مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا** اَیْ جَازَيْنَاهُمْ بِتَعْجِيْلِ عُقُوْبَتِهِمْ **وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ** اَهْلَكْنَاهُمْ **وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴿۵۱﴾** بِصَيْحَةِ جِبْرِيْلَ اَوْ بِرَمْیِ الْمَلَائِكَةِ بِحِجَارَةٍ يَرَوْنَهَا وَلَا يَرَوْنَهُمْ **فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً** خَالِيَةً وَنَصْبُهٗ عَلَى الْحَالِ وَالْعَامِلُ فِيْهَا مَعْنَى الْاِشَارَةِ **بِمَا ظَلَمُوْا** بِظُلْمِهِمْ اَیْ كُفْرِهِمْ **اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً** لَعِبْرَةً **لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴿۵۲﴾** قُدْرَتَنَا فَيَتَّعِظُوْنَ **وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** بِصَالِحٍ وَهُمْ اَرْبَعَةُ اٰلَافٍ **وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴿۵۳﴾** الشِّرْكَ **وَلُوْطًا** مَنْصُوْبٌ بِاُذْكُرْ مُقَدَّرًا قَبْلَهٗ وَيُبْدَلُ مِنْهُ **اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ** اَیِ اللِّوَاطَةَ **وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ﴿۵۴﴾** يُبْصِرُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اِنْهِمَاكًا فِی الْمَعْصِيَةِ **اَئِنَّكُمْ** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ **لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ﴿۵۵﴾** عَاقِبَةَ فِعْلِكُمْ **فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ** اَیْ اَهْلَهٗ **مِّنْ**

قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ مِنْ اَدْبَارِ الرِّجَالِ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنٰهَا جَعَلْنَاهَا بِتَقْدِيْرِنَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَلْبَاقِيْنَ فِي الْعَذَابِ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ هُوَ حِجَارَةُ السِّجِّيْلِ اَهْلَكَتْهُمْ فَسَآءَ بِئْسَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾ بِالْعَذَابِ مَطَرُهُمْ قُلِ يَا مُحَمَّدُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى هِلَاكِ كُفَّارِ الْاُمَمِ الْخَالِيَةِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ هُمْ ءَآللّٰهُ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وَتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْاُخْرٰى تَرْكُهٗ خَيْرٌ لِّمَنْ يَّعْبُدُهٗ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ اَیْ اَهْلِ مَكَّةَ بِهِ الْاٰلِهَةَ خَيْرٌ لِّعَابِدِيْهَا

ع۱۴ ۱۹

ترجمہ:.........اور ہم نے قوم ثمود کے پاس ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو۔ سو ان میں دو فریق ہو گئے جو (دین کے بارے میں) باہم جھگڑنے لگے۔ (منکرین سے صالح علیہ السلام نے کہا) کہ اے میری قوم والو! تم لوگ نیکی کے بجائے عذاب کو کیوں جلدی مانگ رہے ہو (میرے بارے میں یہ کہہ کر کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے انکار پر عذاب کیوں نہیں آ جاتا) تم لوگ اللہ کے سامنے (کفر سے) معافی کیوں نہیں چاہتے۔ جس سے توقع ہو کہ تم پر رحم کیا جائے (اور عذاب سے محفوظ ہو جاؤ) وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو منحوس سمجھ رہے ہیں (کہ تمہاری وجہ سے بارشیں رک گئیں اور لوگ بھوکے مرنے لگے۔

اطیرنا اصل میں تطیرنا تھا۔ تا کو طا میں ادغام کر دیا گیا اور اس سے پہلے ہمزہ وصل لے آیا گیا تا کہ تلفظ میں آسانی ہو۔ کیونکہ طا مدغم کا تلفظ مشکل ہو جاتا۔ صالح علیہ السلام نے کہا کہ تمہاری نحوست کا سبب تو اللہ کے علم میں ہے۔ البتہ تم ہی وہ لوگ ہو کہ عذاب میں مبتلا ہو گے اور شہر (ثمو) میں نو شخص تھے جو ملک میں فساد کیا کرتے تھے اور اصلاح نہ کرتے تھے۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ سب خدا کی قسم کھاؤ۔ ہم شب کے وقت صالح اور ان کے متعلقین (مومنین) کو جا ماریں گے۔

(لنبیتنه اور لتبیتنه نون اور تاء دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے) پھر ان کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم ان کے متعلقین کے مارے جانے کے وقت موجود بھی نہ تھے (اس وجہ سے ہمیں اس کا کوئی علم نہیں ہے) اور ہم بالکل سچے ہیں (لنقولن اور لتقولن دونوں قرأت ہیں اور مهلک اهله، میں میم کو ضمہ اور فتحہ بھی پڑھا گیا ہے) اور ایک چال وہ چلے اور ایک چال ہم چلے (کہ ان کی چال کی سزا بطور عذاب کے ہم نے دی) اور ہماری چال کی انہیں خبر بھی نہ ہوئی۔ سو دیکھئے کہ ان کی چال کا کیا انجام ہوا۔ ہم نے ان کی قوم اور ان سب کو ہلاک کر ڈالا (جبرئیل علیہ السلام کی چنگھاڑ یا فرشتوں کی سنگساری کے ذریعہ اور یہ ان فرشتوں کو دیکھ بھی نہ سکے) سو یہ ان کے گھر ہیں جو ویران پڑے ہیں، ان کے کفر کے باعث۔

(خالیةً منصوب بر بناء حال ہے اور اس میں عامل تلک اسم اشارہ کا معنی ہے) بلاشبہ اس واقع میں بڑی عبرت ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو صاحب علم ہیں (اور ہماری قدرتوں سے واقف ہیں۔ انہیں اس سے نصیحت حاصل کرنی چاہئے اور ہم نے نجات دی ان لوگوں کو جو ایمان لائے (صالح علیہ السلام پر اور وہ چار ہزار کے قریب تھے) اور جو بچتے تھے (شرک سے) اور لوط علیہ السلام جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو۔ درآنحالیکہ تم سمجھدار ہو (اور جانتے ہو کہ یہ فعل معصیت ہے لوطاً منصوب ہے۔ اس وجہ سے کہ اس سے پہلے اذکر مقدر ہے اور اذ قال لقومه اس سے بدل واقع ہو رہا ہے) کیا تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر۔ مگر اس سلسلہ میں تم جہالت کر رہے ہو (اور اس کے انجام سے غافل ہو۔ ائنكم میں دونوں ہمزہ کے

باقی رکھنے یا ایک ہمزہ کو حذف کر دینا دونوں قرأت ہیں۔ مگر دونوں صورتوں میں الف باقی رہے گا۔

سوان کی قوم کوئی جواب نہ دے سکی۔ بجز اس کے کہ آپس میں یہ کہنے لگے کہ لوط علیہ السلام کے لوگوں کو تم بستی سے نکال دو (کیونکہ) یہ لوگ بڑے پاک وصاف بنتے ہیں۔ سو ہم نے لوط علیہ السلام اور ان کے متعلقین کو نجات دی۔ بجز لوط علیہ السلام کی بیوی کے۔ انہیں ہم نے (عذاب میں مبتلا) رہ جانے والوں میں تجویز کر رکھا تھا اور ہم نے ان کے اوپر ایک نئی طرح کا مینہ برسادیا (اور پھر وہ پتھروں کی بارش تھی۔ جس نے ان لوگوں کو ہلاک کر دیا) سو جو لوگ ڈرائے جا چکے تھے ان کے لئے مینہ کیسا برا ہوا۔ اور آپ (اے محمد ﷺ! ان منکرین کی ہلاکت) پر کہہ دیجئے کہ ہر تعریف اللہ ہی کے لئے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جنہیں اس نے منتخب کیا۔ آیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ (اس کا) شریک کرتے ہیں۔

(ء اللہ میں دونوں ہمزہ کا باقی رکھنا اور دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دینا اور دونوں ہمزہ کی درمیان الف کا لانا یہ سب صورتیں ہیں اسی طرح یشر کون میں یا اور تا دونوں قرأت ہیں)۔

تحقیق وترکیب:............ **تسعة رھط.** اکثر نحویوں کا کہنا ہے کہ عدد کی تمیز من کے ذریعہ مجرور ہوتی ہے۔ جیسا کہ **اربعة من الطیر.** صاحب جلالینؒ نے رجال کی تقدیر سے ایک اشکال کے جواب کی جانب توجہ دلائی ہے۔ اشکال یہ ہے کہ **رھط** جمع مجرد ہے۔ پھر اس کی تمیز مفرد کیسے استعمال ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ یہ لفظاً مفرد ہے اور معنیً جمع۔

انا دمرناھم. **انا** کا ہمزہ استینافیہ ہے۔ کوفیین اسے بفتح الھمزہ پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں کان کا اسم ہوگا۔

عاقبة. صاحب جلالینؒ بتانا چاہتے ہیں کہ **تجعلون** کا مفعول محذوف ہے۔

فما کان جواب قومه. خبر مقدم ہے۔

اللہ خیر. اصل میں **ء اللہ خیر** تھا۔ ہمزہ اولیٰ استفہامیہ اور دوسرا ہمزہ وصلی ہے۔ ہمزہ اولیٰ کو تخفیفاً مد کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

﴿تشریح﴾:............ حضرت صالح علیہ السلام جب اپنی قوم ثمود کے پاس نبی بنا کر بھیجے گئے اور انہوں نے قوم کو خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی دعوت دی تو بجائے اس کے کہ یہ سب کے سب دعوت توحید پر متفق ہو جاتے۔ ان میں دو فریق بن گئے۔ ایک جماعت مومنین کی اور دوسرا گروہ کافروں کا جو کہ ان سے جھگڑنے لگے اور کہنے لگے کہ تم اگر سچے پیغمبر ہو تو عذاب لا کر دکھاؤ۔ جس پر آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ بجائے رحمت طلب کرنے کے عذاب مانگ رہے ہو۔ خدا تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرو۔ شاید وہ رحمت کے ساتھ متوجہ ہو۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں تو یقین ہے کہ ہماری تمام مصیبتوں کا سبب تم اور تمہارے متبعین ہین۔ جب سے تم نے اس نئے مذہب کی تبلیغ شروع کی ہے قوم میں ایک انتشار پیدا ہو گیا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے اعمال خدا کو اچھی طرح معلوم ہیں اور ساری نحوست تمہارے انہی اعمال بد کے نتیجہ میں ہے اور ابھی کیا ہے، تمہیں تو اس کفر کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہونا ہے۔

ارشاد ہے کہ قوم ثمود کے شہر میں نو شخص انتہائی فسادی تھے۔ جن کی طبیعت میں خیر تھی ہی نہیں۔ انہوں نے جمع ہو کر آپس میں مشورہ کیا کہ آج رات کو صالح علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو قتل کر ڈالو۔ ان کے درمیان عہد و پیمان مکمل ہو گیا اور قتل کا پورا منصوبہ تیار ہو گیا اور یہ کہ اگر پوچھ گچھ کی نوبت آئے تو ان کے متعلقین سے کہہ دو کہ ہمیں کیا خبر، ہمیں تو اس کی اطلاع بھی نہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ

نے ان کے سارے منصوبوں پر پانی پھیر دیا اور قبل اس کے کہ یہ کوئی اقدام کریں۔ خدا تعالیٰ نے انہیں ہلاک کردیا۔ اسی کو فرمایا گیا کہ انہوں نے ایک چال چلی تھی مگر ہم نے انہیں ان کی چالبازی کا مزہ چکھادیا اور انہیں اس کا علم بھی نہ ہوسکا۔

ارشاد ہوا کہ ان کے بارونق شہر اور ان کی بستیاں ان کے ظلم کی وجہ سے ویران پڑی ہیں اور یہ ہلاک کردیئے گئے۔ اس ہلاکت و بربادی میں خدا تعالیٰ کی قدرت وحکمت اور انبیاء علیہ السلام کی صداقت کے بے شمار نشاناں ہیں اور اس سے لوگ عبرت حاصل کرسکتے ہیں۔ فرمایا کہ ہم نے مومنین اور خدا تعالیٰ سے ڈرنے والوں کو صاف بچالیا۔ عذاب سے بھی اور کفار کی سازش قتل سے بھی۔

قوم ثمود کے بعد قصہ لوط علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کا سمجھانے کی کوشش کی کہ تم جو یہ بے ہودہ فعل یعنی اغلام بازی کرتے ہو اس کی قباحت کسی سے پوشیدہ نہیں یہ لوگ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی خواہشات نفسانی پورا کرتے تھے اسی پر فرمایا کہ اپنی اس جہالت سے باز آجاؤ اور کیا تم اتنے گئے گزرے ہوئے ہو کہ اگر شرعی پاکیزگی کا خیال نہیں تو طبعی طہارت بھی تم سے جاتی رہی ہے۔ اس کا جواب قوم نے یہ دیا کہ جب لوطؑ اور ان کے متعلقین تمہارے اس فعل سے بیزار ہیں اور تمہاری ان سے نہیں بنتی ہے تو ہمیشہ کے لئے اس جھگڑے کو ختم کردو اور لوط علیہ السلام کو شہر سے نکال دو۔ جب کافروں نے اس کا پختہ ارادہ کرلیا اور اس سلسلہ میں ایک پروگرام بنالیا تو خدا تعالیٰ نے انہیں قبل اس کے کہ وہ اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنا سکیں ہلاک کردیا اور حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے متبعین کو ان کی سازش اور اپنے عذاب سے بھی محفوظ رکھا۔ البتہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی قوم کے ساتھ ہلاک کردی گئی۔ کیونکہ وہ ان کی معاون ومددگار تھی اور ان کی بداعمالیوں کو پسند کرتی تھی۔

عذاب اس انداز پر آیا کہ ان پر پتھروں کی بارش کی گئی۔ جس کے نتیجہ میں سب کے سب ہلاک ہوگئے۔ ان کی سرکشی اور اس کی سزا بیان کرنے کے بعد آنحضور ﷺ کو حکم ہو رہا ہے کہ خدا تعالیٰ کی حمد اور اس کی تعریف بیان کیجئے اور کہئے کہ ساری تعریفوں کا مستحق صرف خدا تعالیٰ ہی ہے۔ اسی نے اپنے بندوں کو بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں اور وہی عالی صفات ہے اور ساتھ ہی آپ ﷺ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں پر سلام بھیجیں اور خدا تعالیٰ ان چیزوں سے جسے مشرکین اس کا شریک ٹھہراتے ہیں، سب سے پاک اور بری ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

﴿الحمدللہ کہ پارہ نمبر۱۹ کی تفسیر تمام ہوئی﴾

پارہ نمبر ۲۰

اَمَّنْ خَلَقَ

فہرست پارہ ﴿امن خلق﴾

ـنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ مِنَ الْغَيْبَةِ اِلَى
ـكَلُّمِ بِهٖ حَدَآئِقَ جَمْعُ حَدِيْقَةٍ وَهُوَ الْبُسْتَانُ الْمُحَوَّطُ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ حُسْنٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا
ـجَرَهَا ۭ لِعَدَمِ قُدْرَتِكُمْ عَلَيْهِ ءَ اِلٰـهٌ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ الْفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى
ـوَجْهَيْنِ فِيْ مَوَاضِعِهِ السَّبْعَةِ مَّعَ اللّٰهِ ۭ اِعَانَةٌ عَلٰى ذٰلِكَ اَيْ لَيْسَ مَعَهٗ اِلٰـهٌ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ (۶۰)
ـشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَهٗ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا لَا تَمِيْدُ بِاَهْلِهَا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ فِيْمَا بَيْنَهَا اَنْهٰرًا
جَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ جِبَالًا اَثْبَتَ بِهَا الْاَرْضَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۭ بَيْنَ الْعَذْبِ وَالْمِلْحِ لَا
ـتَلِطُ اَحَدُهُمَا بِالْاٰخَرِ ءَ اِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (۶۱) تَوْحِيْدَهٗ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ
ـكْرُوْبَ الَّذِيْ مَسَّهُ الضُّرُّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ عَنْهُ وَعَنْ غَيْرِهٖ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ۭ
ـضَافَةُ بِمَعْنٰى فِيْ اَيْ يَخْلُفُ كُلُّ قَرْنٍ الْقَرْنَ الَّذِيْ قَبْلَهٗ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ (۶۲) تَتَّعِظُوْنَ
ـلْفَوْقَانِيَّةِ وَالتَّحْتَانِيَّةِ وَفِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الذَّالِ وَمَا زَائِدَةٌ لِتَقْلِيْلِ الْقَلِيْلِ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ يُرْشِدُكُمْ اِلٰى
ـاصِدِكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِالنُّجُوْمِ لَيْلًا وَبِعَلَامَاتِ الْاَرْضِ نَهَارًا وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ
ـسْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ اَيْ قُدَّامَ الْمَطَرِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (۶۳) بِهٖ غَيْرَهٗ اَمَّنْ
ـءُ الْخَلْقَ فِي الْاَرْحَامِ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ بَعْدَ الْمَوْتِ وَاِنْ لَمْ يَعْتَرِفُوْا بِالْاِعَادَةِ لِقِيَامِ الْبَرَاهِيْنِ عَلَيْهَا
ـنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ بِالْمَطَرِ وَالْاَرْضِ ۭ بِالنَّبَاتِ ءَ اِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ اَيْ لَا يَفْعَلُ شَيْئًا مِمَّا ذُكِرَ اِلَّا
ـ وَلَا اِلٰهَ مَعَهٗ قُلْ يَا مُحَمَّدُ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ حُجَّتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۶۴) اِنَّ مَعِيَ اِلٰهًا فَعَلَ شَيْئًا

مِمَّا ذُكِرَ وَسَالُوهُ عَنِ وَقْتِ قِيَامِ السَّاعَةِ فَنَزَلَ **قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** مِنَ الْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ **الْغَيْبَ** اَیْ مَاغَابَ عَنْهُمْ **اِلَّا** لٰكِنَّ **اللّٰهُ** يَعْلَمُهُ **وَمَايَشْعُرُوْنَ** اَیِ الْكُفَّارُ كَغَيْرِهِمْ **اَيَّانَ** وَقْتَ **يُبْعَثُوْنَ**﴿۶۵﴾ **بَلِ** بِمَعْنٰی هَلْ **ادّٰرَكَ** بِوَزْنِ اَكْرَمَ فِی قِرَاءَةٍ وَفِی اُخْرٰی ادَّارَكَ بِتَشْدِيْدِ الدَّالِ وَاَصْلُهُ تَدَارَكَ اُبْدِلَتِ التَّاءُ دَالًا وَاُدْغِمَتْ فِی الدَّالِ وَاجْتُلِبَتْ هَمْزَةُ الْوَصْلِ اَیْ بَلَغَ وَلَحِقَ اَوْتَتَابَعَ وَتَلَاحَقَ **عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ** اَیْ بِهَا حَتّٰی سَالُوْا عَنْ وَقْتِ مَجِيْئِهَا لَيْسَ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ **بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ**﴿۶۶﴾ مِنْ عَمَی الْقَلْبِ وَهُوَاَبْلَغُ مِمَّا قَبْلَهُ وَالْاَصْلُ عَمِيُوْنَ اِسْتُثْقِلَتِ الضَّمَّةُ عَلَی الْيَاءِ فَنُقِلَتْ اِلَی الْمِيْمِ بَعْدَ حَذْفِ كَسْرِهَا

ترجمہ:.........یا وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے اگائے (لفظ انبتنا میں غائب صیغہ سے متکلم کی طرف صفت التفات ہے) پانی کے ذریعہ باغ (لفظ حدائق حدیقة کی جمع ہے۔ جس کے معنی چار دیواری والے محفوظ باغ کے ہیں) رونق دار (خوبصورت) تم سے تو ممکن نہ تھا کہ تم ان کے درختوں کو اگا سکو (اس پر تمہاری قدرت نہ ہونے کی وجہ سے) کیا اور بھی خدا ہے (لفظء الـه یہاں سات جگہ آیا ہے۔ ان سب میں دو ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسری ہمزہ کی تسہیل کرتے ہوئے نیز ان دونوں صورتوں میں دونوں ہمزہ کے درمیان الف بڑھا کر چاروں طریقہ سے پڑھا گیا ہے) اللہ کے ساتھ (اس کام پر اس کی مدد کے لئے؟ یعنی ہرگز اللہ کے ساتھ دوسرا خدا نہیں ہے) مگر ہاں یہ لوگ اللہ کے برابر ٹھہراتے ہیں (اللہ کے ساتھ دوسری ہستیوں کو شریک کرتے ہیں) یا وہ ذات جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا (کہ اپنے رہنے والوں کے ساتھ ڈگمگاتی نہیں ہے) اور بنائیں ان زمینوں کے درمیان (بیچ میں) ندیاں اور زمین کی خاطر بوجھل پہاڑ بنائے (جن سے زمین کو ٹھہرایا) اور دریاؤں کے درمیان حد فاصل بنائی (جو شیریں اور شور پانیوں کو ایک دوسرے سے ملنے نہیں دیتی) کیا اللہ کے ساتھ اور بھی خدا ہے؟ مگر ہاں ان میں سے اکثر تو (اس کی توحید کو) سمجھتے بھی نہیں۔ یا وہ ذات جو بے قرار کی فریاد سنتی ہے (کہ جو تکلیف کے مارے بے چین ہو) جب وہ اس کو پکارتا ہے اور وہ مصیبت دور کر دیتا ہے (پکارنے والے سے بھی اور دوسروں سے بھی) اور تمہیں زمین میں صاحب تصرف بناتا ہے۔ خلفاء الارض میں اضافت بواسطہ فی ہے۔ یعنی ہر پچھلا قرن پہلے قرن کا قائم مقام ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ اور بھی خدا ہے؟ تم لوگ بہت ہی کم غور کرتے ہو (کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔ اکثر قراء کے نزدیک لفظ تذکرون ت کے ساتھ ہے اور ابو عمر قاری کے نزدیک یا کے ساتھ آیا ہے۔ یہ لفظ اصل میں تتذکرون تھا۔ تا کو ذال میں ادغام کر دیا ہے اور لفظ ما زائد ہے۔ مگر تقلیل کی زیادتی کے لئے لایا گیا ہے) یا وہ ذات جو تمہیں راستہ سجھاتی ہے (تمہاری منزل مقصود کی طرف رہنمائی کرتی ہے) خشکی اور تری کی اندھیریوں میں (رات کو ستاروں کے ذریعہ اور دن میں زمین کے نشانات کے ذریعہ) اور جو ہواؤں کو بارش سے پہلے (رحمت سے یہاں مراد بارش ہے) بھیجتا ہے خوش کر دینے کے لئے کیا اللہ کے ساتھ اور خدا ہے؟ اللہ برتر ہے ان کے شرک سے (جو دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں) یا وہ ذات اول بار مخلوق کو پیدا کرتی ہے۔ (نطفہ کو رحم میں ڈال کر) پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گی مرنے کے بعد۔ اگرچہ یہ اس کا اقرار نہ کریں۔ مگر اس پر دلائل موجود ہیں) اور جو تمہیں رزق دیتا ہے آسمان سے (بارش کے ذریعہ) اور زمین سے (اگا کر) کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی خدا ہے؟ یعنی مذکورہ بالا چیزوں میں سے کوئی ایک چیز بھی اللہ کے سو

کوئی دوسرا نہیں بنا سکتا اور اللہ کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے) آپ (اے محمد ﷺ!) کہئے اپنی دلیل (حجت) پیش کرو۔ اگر تم سچے ہو (اس بارے میں کہ میرے ساتھ اور خدا ہے جس نے مذکورہ چیزوں میں سے کچھ بھی بنایا ہو اور چونکہ کفار مکہ نے قیامت کا وقت پوچھا تھا۔ اس لئے اگلی آیت نازل ہوئی) آپ کہہ دیجئے آسمانوں اور زمین میں جتنی مخلوق ہے (وہ خواہ فرشتے ہوں یا انسان) کوئی بھی غیب (نگاہوں سے اوجھل چیز) کو نہیں جانتا۔ بجز (سوائے) اللہ کے (وہ جانتا ہے اور یہ کفار وغیرہ) نہیں جانتے کہ کب (کس وقت) دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ بات یہ ہے (بل بمعنی هل ہے) نیست و نابود ہو گیا ہے (لفظ ادرک بروزن اکرم ہے۔ ابوعمرو کی قرأت میں اور دوسروں کے قرأت میں ادرک ہے۔ دال مشدد کے ساتھ۔ اصل میں تدارک تھا۔ تا کو دال سے بدل کر دال کا دال میں ادغام کر دیا اور ہمزہ وصل حذف کر دیا ہے۔ یعنی اتنا بڑھ گیا اور مسلسل ہو گیا) ان کا علم آخرت کے متعلق (حتیٰ کہ قیامت آنے کا وقت پوچھنے کی نوبت آ گئی۔ واقعہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ان کا کچھ علم نہیں ہے) بلکہ یہ اس کی طرف سے شک میں ہیں۔ بلکہ اس کی طرف سے اندھے بنے ہوئے ہیں۔ لفظ عمون۔ عمی القلب سے ماخوذ ہے۔ دوسرا جملہ پہلے جملہ سے بڑھ کر ہے۔ عمون دراصل عمیون تھا۔ یا پر ضمہ دشوار ہونے کی وجہ سے ماقبل میم کو دے دیا۔ میم کا حذف کر کے)۔

تحقیق وترکیب: .... امن. اسم ام منقطعہ بمعنی بل ہے۔ ہمزہ استفہامیہ ہے یا اضراب کے لئے ہے خبر محذوف ہے۔ یعنی خبر اور ام متصلہ بھی ہو سکتا ہے۔ تقدیری عبارت اس طرح ہوگی۔ الاصنام خیر ام الذی خلق السمٰوٰت الخ قرینہ کے ہوتے ہوئے حذف کی گنجائش ہے۔ البتہ اس سے پہلی آیت آللّٰہ خیر اما یشرکون میں سوال اجمالی کے وقت تو لفظ اللّٰہ کو مقدم ذکر کیا گیا ہے اور "امن خلق الخ" میں تفصیلی سوال کے موقع پر ذکر اصنام کو مقدم اور اللہ کے ذکر کو مؤخر کیا گیا اور نکتہ اس میں یہ ہے کہ تفصیلی سوال میں اوصاف کا استحضار چونکہ مقصود ہے۔ اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ اولاً ذہن ایک چیز سے فارغ ہو جائے۔ پھر پوری توجہ موصوف بالکمالات کی طرف ہو سکے گی۔ یعنی بتوں کا ذکر چونکہ اجمالی سوال میں مؤخر آیا ہے۔ سوال تفصیلی میں اسے مقدم کر دیا گیا ہے۔ تا کہ ذہن فارغ ہو کر بالکلیہ ذکر اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے جو متصف بالکمالات ہے۔ اگر تفصیلی سوال میں ذکر اللہ کو مقدم کر دیا جاتا تو بتوں کا ذکر اجمالی سوال کی طرح تفصیلی سوال میں بھی مؤخر ہو جاتا اور ذہن فارغ نہ ہوتا اور ام منقطعہ کی صورت میں یہ توجیہ کی جائے گی کہ اجمالی سوال سے ذہن چونکہ تفصیلی سوال کی طرف منتقل ہو گیا ہے اس لئے امن خلق الخ فرما دیا گیا ہے۔ اس صورت میں من مبتداء ہوگا وار اس کی خبر ما کے بعد محذوف ہوگی۔ یعنی خبر پھر اما یشرکون اس پر معطوف ہو جائے گا۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ آالذی خلق وفعل کذا و کذا خیرا ام الذی یشرکون خیر اسی طرح اگلے الفاظ میں بھی توجیہ کی جائے گی۔

فیہ التفات. فعل اثبات کو اللہ کے ساتھ مخصوص کرنے میں اس کلمہ کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ دیکھو ہم نے ایک ہی پانی سے رنگ برنگ کے درخت اور کھیتیاں پیدا کر دیں، جن کے ذائقے بھی مختلف اور تاثیرات بھی مختلف ہیں۔

ذٰلک. مذکورہ تخلیق کی طرف اشارہ ہے۔ اورء الٰہ میں استفہام انکاری کی طرف مفسرؒ علام نے اشارہ کر دیا ہے۔

یعدلون. یہ لفظ عدول بمعنی تجاوز سے بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور عدل کے معنی برابری کے بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی اللہ کو ذکر کے برابر قرار دیتے ہیں۔

امن جعل الارض. یہ جملہ اور اگلے تینوں جملے امن خلق الخ سے بدل ہو سکتے ہیں۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ ہر جملہ کو پہلے جملہ سے اضراب پر محمول کیا جائے اور اس طرح مختلف جہات سے ایک تبکیت سے دوسری تبکیت کی طرف منتقل ہو جائے۔ یہ صورت الزام حجت کے لئے زیادہ موثر ہوگی۔

لا تمید. اس میں زمین کی ذاتی حرکت وسکون سے بحث نہیں ہے جو فلاسفہ قدیم وجدید کے درمیان بحث طلب مسئلہ ہے۔ کیونکہ قرآن کا یہ موضوع نہیں ہے بلکہ حرکت عرضی مراد ہے۔ جس کے معنی ڈگمگانے کے ہیں۔ یعنی زمین، پانی اور ہوا کی حرکت سے ڈگمگاتی نہیں ہے مضبوط پہاڑوں کی میخوں نے جمادیا ہے۔ مجال نہیں کہ ذرا بھی ڈانو ڈول ہوسکے۔

خلالها. اگر جعل بمعنی خلق ہے تو یہ اس کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔ اور اگر جعل بمعنی صیر متعدی بدو مفعول ہے تو یہ مفعول ثانی کی جگہ ہوجائے گا۔

رواسی. جمع راسیة کی بمعنی مضبوط۔

اذا دعاه. اس میں اشارہ ہے کہ مضطر کی اجابت اس کی دعا پر موقوف ہے۔ حالت اضطرار میں بھی ترک دعا کی بجائے دعا ہی موثر ہوگی۔

لتقليل القليل. یعنی بالکلیہ نفی مراد ہے۔

لقيام البراهين. یعنی ابتداء خلق کے جب یہ معترف ہیں تو اعادہ بہ نسبت ایجاد کے آسان ہے۔ اس کا اعتراف بھی ضرور ہونا چاہئے۔ گویا ابتداء تخلیق اعادہ تخلیق کی واضح دلیل ہے۔ دراصل بعثت وقیام کا اثبات تین مقدمات پر موقوف ہے اور وہ تینوں ظاہر و باہر ہیں۔ پس اثابت قیامت بھی بدیہی ہے اور وہ مقدمات حسب بیان قاضی بیضاویؒ یہ ہیں:

۱۔ موثر حقیقی یعنی حق تعالیٰ کا عالم ہونا۔

۲۔ اس کا قادر ہونا۔

۳۔ متاثر یعنی مادہ میں قابلیت کا علیٰ حالہ موجود رہنا۔

اللہ کا عالم وقادر ہونا تو ان آیات سے ظاہر ہے۔ اسی طرح مادہ کائنات میں وجود عدم کی قابلیت کا بدستور رہنا بھی واضح ہے۔ پھر قیامت میں عالم کا دوبارہ پیدا ہونا کیوں قابل تامل بنا ہوا ہے۔

برهانكم. میں اللہ کے مستحق عبادت ہونے پر تو مذکورہ دلائل قائم ہیں۔ اب شرک کے ثبوت وصحت پر نہیں دلائل پیش کرنے چاہئیں۔

ان معی. یہ بطور حکایت ہے ورنہ معه ہونا چاہئے تھا اور جلالین کے بعض نسخوں میں معه الله ہے۔ اس صورت میں توجیہ کی حاجت ہی نہیں رہتی۔

من فی السموات. اس میں دو ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ یعلم کا فاعل من ہو اور فی السموات والارض جن سے مراد بقول شارح انسان اور فرشتے ہیں۔ فاعل کی صفت ہے اور الغیب مفعول بہ ہے اور الله مبتداء ہے۔ جس کی خبر کی طرح شارح نے یعلمه نکال کر اشارہ کیا ہے اور "الا" کی تفسیر "لکن" سے کرکے استثناء منقطع ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دوسری ترکیب یہ ہوسکتی ہے کہ من مفعول ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہوا اور لفظ الغیب اس سے بدل ہو اور یعلم کا فاعل الله ہو۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ قل لايعلم الاشياء التی تحدث فی السموات والارض الغائبة عنا الا الله تعالیٰ۔ الا یہاں استثناء متصل کے لئے نہیں ہوسکتا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا منجملہ کائنات ہونا لازم آئے گا اور محتاج مکان ماننا پڑے گا جو بظاہر ہے کہ صحیح نہیں ہے۔ البتہ تاویل کرتے ہوئے استثناء متصل بھی بتایا جاسکتا ہے۔ جیسے وبلدة ليس بها انيس. الا اليعافير والا العيس۔ میں یعافیر و یعیس کو انیس میں داخل کرلیا گیا ہے۔ اور بقول علامہ زمخشریؒ مبدل منہ اگر مرفوع ہو تو بنی تمیم کے لغت پر مستثنیٰ منقطع بھی بطور

بدل کے مرفوع ہوتا ہے۔

ایان بمعنی متیٰ ہے۔ مفسر علامؒ نے وقت کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ مگر وہ یہاں کے ضمنی استفہام کے مناسب نہیں رہے گی اور متی کے ساتھ تفسیر مناسب ہے۔ لفظ ایان مرکب ہے۔ ای اور آن سے اصل عبارت اس طرح تھی۔ ای وقت ان یبعثون۔

بل بمعنی ھل. اگر چہ نحو ولغت کی کتابوں میں بل بمعنی ھل نہیں ہے۔ مگر حضرت ابن عباسؓ کی قرأت اادرک دو ہمزہ کے ساتھ اور حضرت اور ابی بن کعبؓ کی قرأت ام تدارک علیھم اس معنی پر دلالت کر رہی ہے۔

ای بلغ. مفسر علامؒ نے چونکہ دو قراءتیں ذکر فرمائی ہیں۔ ایک ادرک دوسرے ادارک اس لئے لفظ بلغ پہلی قراءت کے معنی کی طرف مشیر ہے۔ چنانچہ ادرک علمی بولتے ہیں۔ بمعنی بلغه و ادرکه. اور لفظ تابع و تلاحق سے دوسری قراءت کے معنی کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ تدارک بنو فلاں بولا جاتا ہے۔ یعنی ہلاکت میں لگاتار لگ گئے۔

علمھم فی الاٰخرۃ. اس میں دو توجیہات ہو سکتی ہیں۔ ایک کی طرف مفسر علامؒ نے ای بھا کہہ کر اشارہ کیا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے علمی بزید کذا کہا جائے۔ اس صورت میں استفہام انکاری ہوگا۔ جس کی طرف لیس الا مر کذلک سے مفسرؒ نے اشارہ فرمایا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ فی کو اپنے معنی پر رکھا جائے اور لفظ ادرک اگر چہ لفظاً ماضی ہے۔ مگر معنی مستقبل ہوگا۔ قیامت کے یقینی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ جیسے اتی امر اللہ فرمایا گیا ہے۔ پہلی توجیہ پر فی کا تعلق علم سے اور دوسری صورت میں فی کا ادرک سے ہوگا۔ یعنی علم قیامت کے اسباب کامل و مستحکم ہیں اور انہیں حاصل بھی ہو چکے۔ مگر پھر بھی یہ شکوک و جہالت میں گرفتار ہیں۔

بعد حذف کسرھا. اور ضمہ کے بعد یا بھی ساکن ہونے کی وجہ سے گر جائے گی۔

ربط وشان نزول:......... شروع سورت سے یہاں تک رسالت سے متعلق بحث تھی۔ اب آیت سابقہ قل الحمد الخ سے ایک موثر اور بلیغ خطبہ کے بعد آیات "امن خلق" سے بحث توحید کا آغاز ہے۔ ان پانچ آیات میں پانچ قسم کی دلیلیں پیش فرمائی گئی ہیں۔ چونکہ بہترائی کا انحصار عقلی ہونے کی وجہ سے کفار کے نزدیک بھی اللہ ہی کے لئے تھا اور اس سے خدا کی یکتائی کا لزوم قضیہ عقلیہ ہے۔ اس لئے مقدمات کے بدیہی ہونے کی وجہ سے اگر چہ یہ بیان اجمالاً بھی کافی تھا۔ مگر زیادہ اہتمام کرتے ہوئے بطور تبرع تفصیل بیان فرمائی جا رہی ہے۔

﴿ تشریح ﴾:...... کائنات کا پیداواری نظام دلیل وحدانیت ہے:.......... توحید پر زور اور شرک کی تمام صورتوں کی تردید کرتے ہوئے پہلی آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ وہی کائنات کا پیدا کرنے والا، پانی برسانے والا، نباتات اگانے والا ہے۔ نہ کوئی میگھ دیوتا اور بارش کا خدا ہے اور نہ زمین کی زراعت و پیداوار اور باغوں کے بہار کی دیوی ہے۔ یہ سب کام صرف اللہ کے ہیں۔ انسان خوب غور کر کے دیکھے کہ کاشت کاری یا باغبانی کے عظیم الشان نظام کے کسی جز میں بھی اس کو کچھ دسترس حاصل ہے۔ وہ زمین میں پیداوار کی صلاحیت ڈال سکتا ہے؟ مٹی میں نمو کی قوت رکھ دینا کیا اس کے بس کی بات ہے؟ مناسب وقت اور مناسب جگہ بارش لانا کیا اس کے اختیار میں ہے؟ بارش کے قطروں میں نباتات کے اگانے کی تاثیر، درختوں، پودوں سبزیوں، پھل پھلادیوں کو سورج کی گرمی ایک خاص مقدار میں پہنچانا کیا اس کی قدرت نہیں ہے؟ الحاصل کھاد، سورج، پانی میں پیداواری صلاحیت اور تاثیر رکھ دینا اور اسے ایک مناسب حد تک بروئے کار لانا کیا غریب انسان کے قبضہ میں ہے؟ پس جب اس نباتاتی نظام کی کوئی سی کڑی بھی انسان کے اختیار میں نہیں ہے تو پھر اللہ کے علاوہ کوئی دوسری ہستی اس کی شریک خدائیت ہے؟ اندھے، بہرے بے سمجھ مادہ میں

تو یہ سارے کرشمے نہیں ہوسکتے۔ پھر یہ توحید حق کے ڈگر سے برگشتگی اور بے راہ روی کیسی؟ افسوس کہ کلدانی ہوں یا مصری، ہندی ہوں یا سندھی، ایرانی ہوں یا یونانی، ترکی ہوں یا ساسانی اپنے عروج وتمدن اور کمال تہذیب کے دور میں بھی اس موٹی سی بات کو نہ سمجھ سکے۔ اکثرھم لا یعلمون.

مصیبت زدوں کی فریادرسی:............ اللہ کی صفات خالقیت وربوبیت کے بعد آیت امن یجیب المضطر الخ میں اس کی صفت دادرسی اور فریادرسی کو یاد دلایا جارہا ہے۔ البتہ پہلی آیات میں عام مشرکین کو خطاب تھا اور اس آیت میں خاص طور سے مسیحوں اور روح پرستوں کی طرف روئے سخن ہے کہ بتلاؤ اس کے سوا کون مضطر کی پکار سنتا ہے؟ لیکن آیت کا یہ منشا نہیں ہے۔ کہ اللہ ہمیشہ اور ہر فریاد منظور کرلیتا ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ جب بھی فریادرسی ہوتی ہے اسی کی طرف سے ہوتی ہے کوئی دوسرا نہیں۔ جو دعا سنے اور مصیبت دور کرے۔ طالب علمانہ زبان میں کہنا چاہئے یہ قضیہ دائمی نہیں بلکہ مطلقہ ہے۔ رہا یہ کہ کون سی دعا قبول کی جائے اور کب منظور کی جائے۔ یہ اللہ کی مصالح اور حکمت پر موقوف ہے۔ اس لئے اب کوئی اشکال نہیں رہا۔

قیامت کی تعیین علم غیب میں داخل ہے:............ اور کفار مکہ عقیدہ قیامت کے غلط ہونے کی ایک وجہ چونکہ یہ بھی بتلاتے تھے۔ کہ پوچھنے پر بھی اس کو بتلایا نہیں جاتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ قیامت نہیں ہوگی۔ گویا قیامت کے متعین نہ کرنے کو قیامت نہ ہونے کی دلیل بنا رہے ہیں۔ اس لئے اس مضمون کو علم غیب کے اللہ کے ساتھ خاص ہونے سے شروع کرتے ہوئے قل لا یعلم الخ فرمایا جارہا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ کفار کا یہ استدلال ہی غلط ہے۔ کہ قیامت کی تعیین کسی کو معلوم نہیں کہ ٹھیک ناپ تول کر کوئی وقت متعین کرسکے۔ تو اس سے یہ سمجھ لینا کہ پھر قیامت کا وقوع ہی نہیں ہوگا کیونکہ قیامت ہی کی کیا تخصیص ہے۔ اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جن کا پہلے سے نپا تلا علم کسی کو نہیں دیا گیا۔ مگر وہ پھر واقع ہوتی ہیں۔ اللہ کو تو بے بتلائے پہلے سے سب کچھ معلوم ہے۔ کسی اور کو بے بتلائے کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔ پھر کیا ان سب چیزوں کا انکار کردیا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کا معلوم نہ ہونا اس کے نہ ہونے کو مستلزم نہیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ بعض چیزوں کا چھپانا اور پوشیدہ رکھنا ہی اللہ کو منظور اور اس کی مصلحت ہوتا ہے۔ پس قیامت کی تعیین بھی انہی مخفی امور میں سے ہے۔ اسی لئے کسی کو اس کا علم نہیں دیا گیا۔ مگر اس سے فی نفسہا قیامت کی نفی کیسے لازم آگئی۔

انکار قیامت کے باب میں درجہ بدرجہ منکرین کی ترقی:............ اور خیر دوسروں کو صرف تعیین قیامت کا علم نہیں۔ مگر ان کفار کو تو اس سے بڑھ کر نفس قیامت کا علم ہی نہیں ہے۔ یہ تو سرے سے اس کے ہی منکر ہیں۔ جو ظاہر ہے پہلے سے بڑھ کر ہی ہے اور قابل مذمت بھی۔ کیونکہ معاد جسمانی کا ماننا واجب ہے اور واجب چھوڑ دینا مذموم ہوتا ہے۔ بلکہ کفار اس سے بھی آگے قیامت کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں اور شک کا لاعلمی سے بڑھ کر ہونا اس معنی کو ظاہر کرتا ہے کہ لاعلمی خالی الذہن کو بھی شامل ہوتی ہے۔ لیکن شک میں التفات ذہن کے باوجود پھر عدم تصدیق ہوتی ہے۔ اس لئے یہ حالت پہلے سے بھی بدتر ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر قیامت کے باب میں یہ لوگ بالکل اندھے بنے ہوئے ہیں۔ جس طرح ایک اندھے کو جب راہ ہی نظر نہیں آتی تو منزل پر رسائی کہاں۔ اسی طرح ضد وعناد کی وجہ سے جب انہیں صحیح دلائل ہی نظر نہیں آتے اور نہ ان میں تامل وتدبر کرتے ہیں۔ تو تصدیق آخرت کی منزل تک کامیابی کیسی؟ پس یہ حالت شکی حالت سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ گرفتار شک بعض دفعہ دلائل میں نظر کرنے سے رفع شک کرلیتا ہے۔ لیکن جو نظر ہی کھو بیٹھا ہو وہ مقصود سے ہمکنار کیسے ہوسکتا ہے۔

غرض کہ ایمان یبعثون سے بڑھ کر تدارک علم کا درجہ ہے اور اس سے بڑھ کر شک کا اور اس سے بڑھ کر اعمیٰ (اندھے پن) کا آخری درجہ ہے۔ پس آیت میں یہ انتقالات ترقی کے لئے ہیں اور ترقی کے اگلے مرتبہ میں پچھلے مرتبہ کی نفی نہیں ہوتی۔ کہ تعارض کا شبہ ہو۔ بلکہ اصل چیز کے ساتھ زائد کا اثبات ہوتا ہے۔ اس طرح آخری درجہ میں پہلے سب درجات برقرار رہتے ہیں اور چونکہ ہر پہلا درجہ بہ نسبت بعد کے درجہ کے لا بشرط شئی کے مرتبہ میں بلحاظ مفہوم عام ہوتا ہے اس لئے اجتماع میں کوئی اشکال نہیں اور ان میں عموم وخصوص بھی ظاہر ہے۔

منکرین آخرت کے مختلف طبقات کو خطاب:............ دراصل منکرین آخرت کے کئی طبقے ہیں۔ جن کی نفسیات کی ان آیات میں الگ الگ تشریح کردی گئی۔ ایک طبقہ وہ ہے۔ جن کا سطحی اور حسی علم آخرت کے سمجھنے سے عاری ہے۔ یہ طبقہ اپنی لاعلمی پر قانع ہو کر بیٹھ رہا۔ بل ادرٰک علمهم میں ان کی نشاندہی کی گئی۔ دوسرا طبقہ بے خبری کے مرحلے سے آگے قدم بڑھ کر اس عقیدے پر جرح قدح کرنے پر تل جاتا ہے اور شک وارتیاب کی وادیوں میں بھٹکنے لگتا ہے۔ بل هم فی شك کا مصداق یہی گروہ ہے۔
تیسرا طبقہ وہ ہے کہ تمام دلائل وشواہد سے یکسر آنکھیں موند لیتا ہے۔ ان کی راہ پر آنے سے قطعاً مایوسی ہے۔ یہ لوگ بل هم منها عمون کا مصداق ہیں۔ عقیدہ آخرت کی اہمیت کے پیش نظر اور مخالفین کے شدومد کی وجہ سے خاص طور پر اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

لطائف سلوک:............ امن خلق السموات الخ سے معلوم ہوا کہ کائنات کا مطالعہ اگر فی نفسہ مقصود ہو تو وہ مانع اور منافی توحید وایمان ہے۔ جیسا کہ سائنس دانوں اور مادہ پرستوں میں عام طور سے اس کا مشاہدہ ہے۔ لیکن جب وصول الی الحق کا ذریعہ ہو تو نہ صرف یہ کہ منافی توحید نہیں بلکہ ذکر فکری ہے۔ جیسا کہ آیت ان فی خلق السموات الخ میں تدبر وتفکر کو دانشوروں کا شیوہ قرار دیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَيْضًا فِيْ اِنْكَارِ الْبَعْثِ **ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَا اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾** اَیْ مِنَ الْقُبُوْرِ **لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾** جَمْعُ اُسْطُوْرَةٍ بِالضَّمِّ اَیْ مَاسُطِرَ مِنَ الْكِذْبِ **قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾** بِاِنْكَارِهِمْ وَهِیَ هِلَاكُهُمْ بِالْعَذَابِ **وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِیْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾** تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَیْ لَا تَهْتَمَّ بِمَكْرِهِمْ عَلَيْكَ فَاِنَّا نَاصِرُكَ عَلَيْهِمْ **وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ** بِالْعَذَابِ **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾** فِيْهِ **قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ** قَرُبَ **لَكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾** فَحَصَلَ لَهُمُ الْقَتْلُ بِبَدْرٍ وَبَاقِی الْعَذَابِ يَاْتِيْهِمْ بَعْدَ الْمَوْتِ **وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ** وَمِنْهُ تَاخِيْرُ الْعَذَابِ عَنِ الْكُفَّارِ **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾** فَالْكُفَّارُ لَا يَشْكُرُوْنَ تَاخِيْرَ الْعَذَابِ لِاِنْكَارِهِمْ وُقُوْعَهٗ **وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ** تُخْفِيْهِ **وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾** بِاَلْسِنَتِهِمْ **وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ** اَلتَّاءُ لِلْمُبَالَغَةِ اَیْ شَیْءٌ فِیْ غَايَةِ

الْخِفَاءِ عَلَی النَّاسِ **اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۵﴾** بَیِّنٍ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ وَمَکْنُوْنُ عِلْمِهٖ تَعَالٰی وَمِنْهُ تَعْذِیْبُ الْکُفَّارِ **اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَقُصُّ عَلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآئِیْلَ** الْمَوْجُوْدِیْنَ فِیْ زَمَنِ نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ **اَکْثَرَ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾** اَیْ بِبَیَانِ مَاذُکِرَ عَلٰی وَجْهِهِ الرَّافِعِ لِلْاِخْتِلَافِ بَیْنَهُمْ لَوْاَخَذُوْابِهٖ وَاَسْلَمُوْا **وَاِنَّهٗ لَهُدًی** مِنَ الضَّلَالَةِ **وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۷﴾** مِنَ الْعَذَابِ **اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ** کَغَیْرِهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ **بِحُکْمِهٖ ج** اَیْ عَدْلِهٖ **وَهُوَ الْعَزِیْزُ** الْغَالِبُ **الْعَلِیْمُ ﴿۷۸﴾** بِمَا یَحْکُمُ بِهٖ فَلَا یُمْکِنُ اَحَدًا مُخَالَفَتُهٗ کَمَا خَالَفَ الْکُفَّارُ فِی الدُّنْیَا اَنْبِیَاءَهٗ **فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ ط** ثِقْ بِهٖ **اِنَّكَ عَلَی الْحَقِّ الْمُبِیْنِ ﴿۷۹﴾** اَیِ الدِّیْنِ الْبَیِّنِ فَالْعَاقِبَةُ لَكَ بِالنَّصْرِ عَلَی الْکُفَّارِ ثُمَّ ضَرَبَ لَهُمْ اَمْثَالًا بِالْمَوْتٰی وَالصُّمِّ وَالْعُمْیِ فَقَالَ **اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا** بِتَحْقِیْقِ الْهَمْزَتَیْنِ وَتَسْهِیْلِ الثَّانِیَةِ بَیْنَهَا وَبَیْنَ الْیَاءِ **وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۸۰﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ط اِنْ مَا تُسْمِعُ** سِمَاعَ اِفْهَامٍ وَقُبُوْلٍ **اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا** الْقُرْاٰنِ **فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾** مُخْلِصُوْنَ بِتَوْحِیْدِ اللّٰهِ **وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ** حَقَّ الْعَذَابُ اَنْ یُّنْزَلَ بِهِمْ فِیْ جُمْلَةِ الْکُفَّارِ **اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُکَلِّمُهُمْ لا** اَیْ تُکَلِّمُ الْمَوْجُوْدِیْنَ حِیْنَ خُرُوْجِهَا بِالْعَرَبِیَّةِ تَقُوْلُ لَهُمْ مِنْ جُمْلَةِ کَلَامِهَا نَائِبَةً عَنَّا **اَنَّ النَّاسَ** اَیْ کُفَّارُ مَکَّةَ وَفِیْ قِرَاءَةٍ فَتْحِ هَمْزَةِ اِنَّ بِتَقْدِیْرِ الْبَاءِ بَعْدَ تُکَلِّمُهُمْ **کَانُوْا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع** اَیْ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ الْمُشْتَمِلِ عَلَی الْبَعْثِ وَالْحِسَابِ وَالْعِقَابِ وَبِخُرُوْجِهَا یَنْقَطِعُ الْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْیُ عَنِ الْمُنْکَرِ وَلَا یُؤْمِنُ کَافِرٌ کَمَا اَوْحَی اللّٰهُ تَعَالٰی اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ

ترجمہ: .... اور یہ کافر (انکار قیامت کرتے ہوئے یہ بھی) کہتے ہیں کہ جب ہم اور ہمارے باپ دادا خاک ہوگئے تو کیا ہم نکالے جائیں گے (قبروں سے) اس کا وعدہ تو ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے۔ یہ تو بس بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے نقل ہوتی چلی آرہی ہیں (اساطیر، لفظ اسطورہ بالضم کی جمع ہے جھوٹی لکھی ہوئی باتیں) آپ کہئے تم زمین پر چل کر دیکھو کہ مجرمین کا انجام کیا ہوا ہے؟ (اپنے انکار کی وجہ سے عذاب میں تباہ و برباد ہوئے) اور آپ ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ سازشیں کررہے ہیں ان میں تنگ نہ ہوجئے (اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ ان کی چالوں سے پریشان نہ ہوجئے کیونکہ ہماری مدد آپ کے شامل حال ہے) اور یہ پوچھتے ہیں کہ یہ وعدہ (عذاب کا) کب پورا ہوگا؟ اگر تم سچے ہو (اس بارے میں) آپ کہہ دیجئے جس عذاب کی تم جلدی مچارہے ہو عجب نہیں کہ اس کا کچھ حصہ تمہارے پاس (قریب) ہی آ گیا ہو (چنانچہ غزوہ بدر میں بہت سے مارے گئے اور بقیہ عذاب موت کے بعد بھگتنا ہوگا) اور آپ کا پروردگار لوگوں پر بڑا فضل رکھنے والا ہے (کفار کو سیر دست عذاب نہ دینا بھی فضل ہی کا ایک حصہ ہے) لیکن اکثر آدمی شکر ادا نہیں کرتے (چنانچہ یہ کفار بھی عذاب کے ملتوی ہونے پر شکر گزار نہیں

ہوتے۔ کیونکہ یہ سرے سے عذاب ہی کے منکر ہیں) اور بلاشبہ آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے اور جو کچھ یہ (اپنی زبانوں سے) ظاہر کرتے ہیں اور آسمان وزمین میں کوئی ایسی مخفی چیز نہیں ہے (لفظ غائبة میں تاء مبالغہ کے لئے ہے یعنی پوشیدہ چیز) جو لوح محفوظ میں درج نہ ہو (لفظ مبین بمعنی بین ہے۔ کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے یا علم الٰہی جو سربستہ رہتا ہے عذاب کفار بھی اسی میں داخل ہے) بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر (جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہیں) بہت سی ان باتوں کو ظاہر کردیتا ہے جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں (ایسے انداز سے بیان کردیتا ہے کہ اگر اس کو قبول کرلیں اور مان لیں تو سارا اختلاف دور ہوجائے) اور یقیناً قرآن ایمان داروں کے لئے (گمراہی سے) ہدایت اور (عذاب سے) رحمت ہے۔ بالیقین آپ کا پروردگار ان میں (اور دوسروں میں قیامت کے روز) اپنے حکم (انصاف) سے فیصلہ فرمادے گا اور وہ زبردست علم والا ہے (فیصلہ سے پورے طور پر واقف۔ لہٰذا کوئی اس کا خلاف نہیں کرسکے گا۔ جیسا کہ کفار دنیا میں انبیاء کا خلاف کرتے رہتے ہیں) سو آپ اللہ پر بھروسہ (اعتماد) رکھئے۔ یقیناً آپ صریح حق پر ہیں (دین واضح پر اس لئے آخر کار کفار پر فتح آپ کی ہوگی۔ پھر آگے کفار کی مثال مردوں، بہروں، اندھوں سے دیتے ہوئے ارشاد ہے) آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں۔ جب کہ (لفظ ءاذا دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسری ہمزہ کو پہلی ہمزہ اور یاء کے درمیان تسہیل کرتے ہوئے پڑھا گیا ہے) وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔ اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راستہ دکھلانے والے ہیں۔ آپ (سمجھانے اور قبولیت کا سنانا) انہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات (قرآن) پر یقین رکھتے ہیں پھر وہی مانتے ہیں (اللہ کی توحید میں مخلص ہیں) اور جب وعدہ ان پر پورا ہونے کو ہوگا (عذاب کا حق تو یہ ہے کہ منجملہ کفار کے ان پر بھی واقع ہوجاتا) تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا (عرب کے موجودہ لوگوں پر اس کا ظہور ہوتا اور وہ ہماری نیابت کرتے ہوئے ان سے کہتا) کہ یہ لوگ (کفار مکہ اور ایک قراءت میں ان فتح ہمزہ کے ساتھ ہے لفظ تکلمهم کے بعد بتقد پر با) ہماری آیتوں پر یقین نہیں لاتے تھے (یعنی قرآن پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ جس میں قیامت، حساب، عذاب کا ذکر ہے۔ اس جانور کے ظہور کے بعد امر بالمعروف نہیں عن المنکر موقوف ہوجائے گا اور کوئی کافر ایمان نہیں لائے گا۔ جیسا کہ آیت انه لن يؤمن من قومك الا من قد آمن الخ میں حضرت نوح علیہ السلام کو بذریعہ وحی پیش گوئی فرمادی گئی تھی)۔

تحقیق وترکیب: ....اذا. ہمزہ کا مدخول مقدر ہے جو عامل ہے اذا کا۔ اور لفظ آباؤنا کان کے اسم یعنی ضمیر پر معطوف ہے اور فصل بالخبر کی وجہ سے یہ عطف جائز ہے اور ائنا لمخرجون یہ لفظ تاکید کے لئے ہے اور لفظ اذا میں عامل نہیں ہے۔ کیونکہ ہمزہ استفہام اور ان اور لام ابتداء، ان کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا اور یہاں یہ تینوں موانع موجود ہیں۔ ہمزہ کا تکرار تاکید کے لئے ہے۔

سیروا. یہ امر تہدیدی ہے گویا اشارہ اس طرف ہے کہ یہ اپنے سابقہ خیالات سے رجوع نہیں کریں گے اس لئے ان پر سابقہ لوگوں کی طرح عذاب ہی نازل ہوکر رہے گا۔

لا تحزن. غم مافات کو کہتے ہیں اور خوف واندیشہ فردا کو کہتے ہیں۔ ان دنوں لفظوں میں دونوں سے آنحضرت ﷺ کو مطمئن فرمایا گیا ہے۔

ضيق. اس میں فتح ضاد اور کسر ضاد کے ساتھ دونوں قراءتیں متواتر ہیں اور دونوں ابن کثیرؒ کی ہیں۔

عسىٰ. قاضیؒ کی رائے ہے کہ الفاظ عسىٰ، لعل، سوف وعدو، کے سلسلہ میں شاہانہ طرز خطاب ہے۔ بڑوں کا امید دلا دینا بھی دوسروں کے یقینی وعدوں سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ اس طرز خطاب میں وقار وتمکنت اور خود اعتمادی کی بھی جھلک ہے۔

ردف. اس میں تین ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔

ا۔سب سے بہتر یہ ہے کہ بقول ابن عباسؓ یہ لفظ متعدی باللام فعل کے معنی کو متضمن ہے۔جیسے ونا. قرب اور لفظ بعض الذی اس کا فاعل ہو۔

۲۔دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا مفعول محذوف ہو اور لام علۃ کا مانا جائے۔تقدیر عبارت اس طرح ہو۔ردف الخلق لا جلکم ولشرمکم.

۳۔تیسری صورت یہ ہے کہ لام مفعول پر تاکید کے لئے زیادہ ہے۔عام طور پر اس کا استعمال بغیر صلہ ولام کے آتا ہے۔ردفه، اردفه بمعنی تبعه، اتبعه بعض نحویوں کی رائے ہے کہ اس پر لام بوقت اضافت لایا جاتا ہے اور بعض کی رائے میں یہ زور کلام کے لئے لایا گیا ہے۔یعنی "قریب ہی آلگا۔"

وما یعلنون. یعنی ان کا حال مخفی ہونے کی وجہ سے عذاب سے نہیں بچ رہے۔بلکہ وقت موعود کا انتظار ہے۔اور ماتکن وما یعلنون سے مراد پیغمبر کی عداوت بھی ہوسکتی ہے۔جس پر ضرور یہ سزایاب ہوں گے اور ایک قراءت تکن بھی ہے۔کننت الشئی واکننته بولتے ہیں بمعنی چھپانا۔

غائبة. یہ صفت کا صیغہ ہے۔مگر بغیر نقل الی الاسمیت کے اسمیت کے معنی میں ہے اور یہ تمبالغہ کے لئے ہوگی۔جیسے روایۃ بمعنی کثیر الروایۃ اور علامۃ بمعنی کثیر العلم۔اور دوسری صورت یہ ہے کہ ائی میں تا عاقبۃ اور عافیۃ کی طرح نقل من الوصفیت الیٰ الاسمیت کے لئے ہو اور بقول علامہ زمخشریؒ ذبیحہ،نطیحہ،رمیہ کی طرح اسماء غیر صفات میں سے ہوسکتا ہے۔پہلی صورت میں اس کا اجراء موصوف مذکر کے لئے بھی ہوسکتا ہے بخلاف دوسری صورت کے۔

ومکنون. اس میں واؤ بمعنی او ہے۔اس دوسری صورت میں علم الٰہی پر کتاب کا اطلاق بطور استعارہ تصریحیہ کے ہے۔ گویا وہ دفتر الٰہی ہے جس میں حوادث وواقعات کا اندراج ہے۔

یختلفون. جیسے حضرت مسیحؑ کے متعلق اہل کتاب میں شدید اختلافات تباغض کے درجہ میں ہیں۔

ای عدله. اس میں مفسرؒ علام اس شبہ کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں کہ قضا اور حکم دونوں کے ایک ہی معنی آتے ہیں۔پس یہ عبارت یقضی بقضاءٖ یا یحکم بحکمہ کے درجہ میں ہوگئی اور یہ ایسے ہی غلط ہے جیسے زید یضرب بضربه کہنا غلط ہے۔مگر مفسر علامؒ نے حکم بمعنی عدل کہہ کر اس کا ازالہ کردیا اور یا ملابستہ کے لئے ہے۔ای متلبسا بالعدل.

انک علی الحق. معلوم ہوا کہ جو شخص برسر حق ہو وہی مستحق نصرت الٰہی ہوتا ہے۔

لا تسمع الموتیٰ. بعض حضرات نے اس سے سماع موتی کی نفی پر استدلال کیا ہے۔لیکن قائلین سماع کا کہنا ہے کہ بہت سی نصوص وروایات سے اس کا اثبات ہوتا ہے اور اس آیت میں سماع کی نفی ہے۔یعنی جس طرح آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ اسی طرح ان کفار کو آپ ہدایت نہیں دے سکتے۔لیکن اس سے سماع یعنی خود ان کے سننے کی نفی نہیں ہوتی اور بعض حضرات نے اس میں سکوت کو بہتر قرار دیا ہے۔اس میں شک نہیں کہ بعض غالی لوگ اولیاء اللہ کے متعلق طرح طرح کے عقائد وخیالات میں مبتلا ہوکر ان سے استمداد اور استغاثہ کرکے شرکیہ افعال میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ان کا لحاظ بھی ضروری ہے۔

دفع القول. اس سے مراد بعض علامات قیامت ہیں اور بعض نے کفار پر غضب الٰہی مراد لیا ہے۔قتادہؒ کی رائے یہی ہے۔ اور مجاہدؒ قول سے مراد انهم لایؤمنون لیتے ہیں۔اور ابن عمرؓ ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ترک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

پر اللہ کی ناراضگی مراد ہے۔ اور ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد علماء کی وفات، علم کا اور قرآن کا اٹھ جانا ہے...... اور روح البیان میں ہے کہ قرآن میں جہاں بھی لفظ وقع آیا ہے وہ عذاب و شدائد ہی کے موقعہ پر آیا ہے۔ اذا وقع کے معنی قریب آ پہنچنے کے ہیں۔ جیسے اذابلغن اجلھن میں قرب مدت کے معنی لئے ہیں۔

دابة . یہ بھی منجملہ علامات قیامت ہے۔ اس کی تفصیل معالم التنزیل میں ہے۔ تاہم مختلف جانوروں سے اس کو تشبیہ دی گئی ہے اور اس کو مختلف الخلقت بتایا گیا ہے۔ صفا پہاڑ پر یہ چڑھے گا اور ایک رات جب کہ لوگ مزدلفہ میں ہوں گے نکلے گا اور بعض نے مقام حجر اور بعض نے طائف سے نکلنا بتلایا ہے۔ اس کے ساتھ عصائے موسیٰ اور سلیمانی انگشتری ہوگی۔ وہ کسی کے بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ مؤمن کے ماتھے پر عصائے موسیٰ سے سفید نشان لگائے گا اور کافر کے منہ اور ناک پر سیاہ داغ لگائے گا اور روایت کے مطابق تین بار خروج ہوگا۔

متکلم الموجودین. بقول مقاتلؒ عربی زبان میں بات کرے گا اور اللہ کی طرف سے کلام کی حکایت کرے گا۔ اس جانور کا نام جساسہ ہوگا۔ دجال کی خبروں کی جاسوسی کی وجہ سے اس کی لمبائی ساٹھ ہاتھ اور اس کے چار ہاتھ پاؤں۔ رواں۔ پر، بازو، داڑھی ہوگی۔ مومن کی پیشانی پر اس کے عصا کا نشان لگانے سے لفظ مومن انت یا فلاں من اھل الجنة اور انگشتری کے نشان سے کافر کی پیشانی پر کافر انت یا فلاں من اھل النار لکھ دیا جائے گا۔ البتہ علامات قیامت کے ظہور کی ترتیب کیا ہوگی؟ اس کا فیصلہ نہایت مشکل ہے۔

ان الناس. کوفیوں کے نزدیک ان مفتوح ہے باسببیہ یا تعدیہ کی تقدیر کے ساتھ اور باقی حضرات کے نزدیک ان مکسور ہوگا استیناف کی وجہ سے۔

والنھی عن المنکر . جلالین کے بعض نسخوں میں اس کے بعد ولا یبقی نائب ولا تائب بھی ہے یعنی کوئی توبہ وانابت کرنے والا باقی نہیں رہے گا...... لایؤمن ...... یعنی لا یقبل ایمانه ۔

ربط آیات: .... پہلی آیات میں انکار قیامت پر ملامت کی گئی تھی۔ آیت وقال الذین الخ میں ان کا ایک اور انکار نقل کر کے جواب دیا جارہا ہے اور چونکہ قیامت عقلاً ممکن اور نقلاً مسلم ہے۔ جس کی خبر پہلے دی جاچکی ہے اور خبروں کی سچائی کا مدار خبر دینے والے کی سچائی پر ہوا کرتا ہے۔ اور خبر دینے والا قرآن کریم ہے۔ اس لئے آیت ان ھذا القران الخ میں اس کی صداقت اور اعجاز کا ایک خاص طور سے بیان ہے۔ پھر بھی کفار کے انکار پر اصرار سے آنحضرت ﷺ کو رنج والم ہوسکتا ہے۔
اس لئے آیت ان ربك الخ سے آپ کی تسلی کا سامان ہے۔ آخر میں آیت اذا وقع القول سے علامات قیامت کا ذکر ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **پرانے افسانے:** .... قیامت کے سلسلہ میں اگرچہ بالاتفاق سب پیغمبر اطلاع دیتے چلے آئے ہیں مگر آج تک نہ اس کا وقوع ہوا اور نہ کسی نے ٹھیک نپا تلا وقت بتلایا۔ اس لئے اس کو پرانے افسانے کہہ کر ٹالتے رہے ہیں۔ چونکہ اس پر عقلی نقلی دلائل قائم کئے جاچکے ہیں۔ اس لئے دھمکی آمیز جواب دیا جارہا ہے کہ یا تو اپنی سرتابی سے باز آجاؤ ورنہ سزائے الٰہی بھگتنے کے لئے تیار ہوجاؤ اور یقین نہ آئے تو دنیا میں گھوم پھر کر مجرمین کا انجام اور ان کی تباہی و بربادی کو عبرت کی نگاہ سے دیکھو کہ کس طرح وہ باوجود اپنی شان و شوکت اور قوت و سطوت کے بالآخر پھر اسی دنیا میں کیسے تباہ و برباد ہوئے۔ آج ان کے عظیم قلعوں، شاندار محلات کے گرے پڑے، ٹوٹے پھوٹے کھنڈرات آثار قدیمہ میں تبدیل ہوکر کس طرح دیدۂ عبرت کے لئے تماشہ گاہ بنے ہوئے ہیں۔

ناساز گار حالات سے مصلح کو تنگ دل نہیں ہونا چاہئے:............ مخالفین کی معاندانہ مسلسل سرگرمیوں سے آنحضرت ﷺ کے قلب پر دوہی اثر پڑ سکتے تھے۔ایک انتہائی شفقت سے ان کی حالت پر آپ کا کڑھنا آیت **لا تحزن** الخ میں اسی کا ازالہ ہے۔دوسرے اس فکر میں گھلنا کہ کہیں ان کی مخالفانہ روش کے نتیجہ میں اسلامی رفتار ترقی نہ رک جائے۔آیت **و لا تکن فی ضیق** الخ میں اس کا سد باب کیا جارہا ہے۔پچھلے انبیاء پر بھی یہ احوال بیت چکے ہیں۔**لا یشکرون** کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کی مہلت کو غنیمت سمجھ کر اپنی اصلاح اور درستی کی کوشش کرتے۔مگر الٹا اس کا مذاق اڑانے لگے۔کسی مصلحت سے تاخیر عذاب کو یہ نہ سمجھیں کہ سزا ہی نہیں ہوگی۔کیونکہ بداعمالیاں ایک طرف تو سزا کا سبب ہیں اور دوسری طرف یہ ساری بدکرداریاں دفتر الٰہی میں محفوظ بھی ہیں اور ان پر سزا کا ہونا بھی صحیح اطلاعات سے ثابت ہے۔پھر سزا نہ ہونے کے کیا معنی؟ چنانچہ قحط سالی، قتل وغارت جیسی سزائیں ان کو مل چکی ہیں۔اور کچھ سزائیں برزخ میں واقع ہوجائیں گی۔جو قریب ہی ہیں اور باقی سزائیں آخرت میں دی جائیں گی۔ہر چیز کا علم براہ راست اگرچہ حق تعالیٰ کو ہے مگر ظاہری طور پر بھی باضابطہ ساری باتیں دفتر الٰہی میں محفوظ ہیں۔

یختلفون . یعنی قرآن نے اہل کتاب پر بہت سے وہ حقائق روشن کردیئے ہیں۔جن میں وہ غلط فہمیوں کا شکار تھے اپنے صحائف میں دانستہ نادانستہ بہت کچھ کتر بیونت کر چکے تھے۔قرآن نے جچے تلے فیصلے صادر کئے اور جن حقائق کو وہ بھلا چکے تھے انہیں پھر سے روشن کردیا ہے۔

فیصلہ کن شخصیت سب سے فائق ہونی چاہئے:............ اختلافیات میں فیصلہ کن ہستی ظاہر ہے کہ فریقین سے زیادہ علم رکھنے والی ہونی چاہئے۔اب فیصلہ کن شخصیت کے علم حاصل کرنے کے دو ہی ذریعہ ہوسکتے ہیں۔یا براہ راست خالق سے یا مخلوق سے۔رسول اللہ ﷺ کے متعلق کسی مخالف سے مخالف نے بھی یہ الزام نہیں لگایا اور نہ یہ احتمال نکالا کہ آپ نے کسی سے استفادہ کیا ہے۔اس لئے پہلی صورت ہی متعین ہے۔جس سے قرآن کا وحی اور آنحضرت ﷺ کا صاحب وحی ہونا ثابت ہوگیا۔اور قرآن صادق ہے۔لہٰذا اس کی بیان کردہ خبر قیامت بھی راست ہوگی۔البتہ صدق وحی کے سلسلہ میں اعجازی بلاغت کا تعلق اس کے الفاظ سے ہے۔جس سے اولاً استدلال علمائے بلاغت کر سکتے ہیں اور ان کے واسطہ سے وہ استدلال عام ہوسکتا ہے۔لیکن رفع اختلاف کی قرآنی صفت معنوی استدلال ہے۔جس کا تعلق علمائے بلاغت اور غیر علماء سب سے عام ہے اور شاید اسی عموم کی وجہ سے یہاں اس استدلال عام کو اختیار کیا گیا ہے۔البتہ یہ تو قرآن کی ظاہری برکت ہے۔جو موافق مخالف سب کے لئے عام ہے۔لیکن جہاں تک اس کی معنوی برکات کا تعلق ہے۔سو کوئی اس ذائقہ کو چکھ کر دیکھے کہ وہ ہدایت ورحمت ہے۔یہاں خصوصی ہدایت ورحمت مراد ہے۔جو بلحاظ طاعات وثمرات کے ہے۔ورنہ عمومی ہدایت ورحمت تو ساری دنیا کے لئے ہے۔

اصل کلام چونکہ قیامت کی صحت اور قرآن کی صداقت میں ہورہا ہے۔اس لئے یہ عبارت النص ہوئی۔مگر اس سے صدق رسالت بھی ہورہا ہے۔اس لئے اس میں یہ آیت اشارۃ النص ہوئی۔نیز اہل کتاب کے اختلافی امور قرآنی فیصلوں سے کم تھے۔تب تو لفظ اکثر اپنے معنی پر ہے۔ورنہ بمعنی کثیر لیا جائے گا۔

آیت "ان ربک" میں قیامت کے روز عملی فیصلے مراد ہیں۔ورنہ عقلی نقلی فیصلے تو دنیا میں بھی شریعت نے فرمادیئے ہیں۔مقصود دراصل آپ کی تسلی ہے۔اسی طرح آیت **انک لا تسمع** میں آپ کی تسلی مدنظر ہے کہ کفار مردوں، اندھوں، بہروں کی طرح ہیں۔ان سے فہم وہدایت کی توقع بیکار ہے اور جب توقع ہی نہ ہوگی۔تو آپ کو رنج وکلفت بھی نہ ہوگی۔کیونکہ تکلیف ہوا کرتی

ہے خلاف توقع ہونے سے۔

مردوں کا سننا یا نہ سننا:............مردوں کے سننے نہ سننے کے متعلق علماء دو خیال کے ہو گئے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ مردے سنتے ہیں۔ اور بعض کی رائے ہے کہ وہ مطلقاً نہیں سنتے جو علماء مردوں کے نہ سننے کے قائل ہیں وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ اگرچہ آیت میں مردوں سے مراد تشبیہاً کفار ہیں۔ مگر تشبیہ اسی وقت صحیح ہوسکتی ہے جب کہ مردے نہ سنتے ہوں۔ جو علماء مردوں کا سننا مانتے ہیں۔ وہ ان احادیث کو استدلال میں پیش کرتے ہیں جن سے مردوں کا سننا ثابت ہوتا ہے اگرچہ قریبی جگہ سے سہی۔

اب ایک طرف تو آیت وحدیث میں تعارض ہو رہا ہے۔ یعنی آیت سے بظاہر انکار اور حدیث سے ثبوت ہو رہا ہے۔ ادھر کفار کا بالکل نہ سننا بھی مشاہدہ کے خلاف ہے۔ جس سے بظاہر دوسری جماعت کا استدلال کمزور نظر آتا ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس کی تین طرح توجیہ کی جائے۔

۱۔ ایک یہ کہ آیت میں مطلقاً سننے کا انکار مقصود نہیں۔ بلکہ خاص قسم کے یعنی نفع بخش سننے کا انکار کرنا ہے۔ یعنی جس طرح مردوں کو نصیحت کرنا بیکار ہے۔ اسی طرح کفار کو نصیحت بے فائدہ ہے۔ اس صورت میں آیت وحدیث میں تعارض بھی نہیں رہتا۔ اور کفار کے متعلق یہ اشکال بھی نہیں رہتا کہ مطلقاً ان کے سننے سے انکار خلاف مشاہدہ ہے۔ قرآن شریف پڑھنے سے یا اور کسی طرح مردوں کو ثواب سے فائدہ ہونا یہ دوسری بات ہے۔ ہاں تو مقصود یہ ہے کہ وعظ ونصیحت مردوں کے لئے کارگر نہیں۔ کیونکہ عمل کا موقع اب ختم ہو چکا ہے۔ گویا ایک خاص قسم کے نفع کی نفی کرتا ہے۔

۲۔ بعض نے یہ تاویل کی ہے کہ آیت میں اسماع یعنی سنانے کی نفی کرتا ہے۔ سننے کی نفی کرنا نہیں ہے۔ یعنی کفار اور مردوں دونوں کو سنا دینا آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے اختیار میں ہے۔ اس کا حاصل بھی وہی نکلتا ہے کہ ایسا سنا دینا جو مفید ہو ہمارے بس میں ہے۔

۳۔ اور بعض نے یہ توجیہ کی ہے کہ مردے کے نہ سننے سے مراد اس کا بدن ہے کہ وہ نہیں سنتا۔ لیکن اس سے روح کا نہ سننا لازم نہیں آتا۔ اس طرح بھی آیت وحدیث میں تطبیق ہوسکتی ہے۔ علامات قیامت کے سلسلہ میں جس دابہ کا ذکر اس آیت میں ہے اس کا اصل نام حدیث میں ''جساسہ'' ہے۔ جو مختلف الخلقت ہوگا اور من الارض کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی پیدائش عام طریقہ سے نہیں ہوگی۔ بلکہ اچانک اس کا ظہور ہو جائے گا۔ بحر کے حوالہ سے ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ دابہ یہاں بطور اسم جنس کے ہے۔ ہر ہر شہر سے ایک ایک جانور برآمد ہوگا۔

امام رازیؒ کی رائے ہے کہ آیت اس کی تفصیلات سے خاموش ہے۔ روایت صحیحہ سے جو بات ثابت ہوگی وہ قابل تسلیم ہے ورنہ لائق رد ہے۔ قیامت کی بہت سی علامات ہیں۔ اس کا ظہور سب سے آخر میں ہوگا۔ اس لئے یہ علامت سب سے زیادہ عجیب وغریب ہوگی۔ مگر جس طرح بہت سی ایجادات پہلے عجیب معلوم ہوا کرتی ہیں مگر نا قابل انکار۔ اسی طرح قیامت کے قریب عجائب اور غرائب کو سمجھنا چاہیئے۔ اس وقت کفار کی تصدیق چونکہ اضطراری ہوگی اس لئے معتبر نہیں ہوگی۔ البتہ ظہور سے پہلے اگر تصدیق کر لیتے تو وہ اختیاری اور معتبر ہوگی۔

لطائف سلوک:............قل سیروا الخ سے معلوم ہوا کہ دنیا کی سیاحت اگر کسی دینی غرض سے اور عبرت وموعظت کے لئے ہو تو وہ بھی عبادت ہے۔ ورنہ دنیاوی اغراض کے لئے یا محض تفریحی مشغلہ کے طور پر گھومنا پھرنا معرفت وطریقت نہیں ہے۔ آیت

ولا تحزن الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق میں مشغولیت خواہ اصلاح وارشاد ہی کے لئے ہو اس میں بھی اعتدال ہونا چاہئے۔

فتوکل علی اللہ میں توکل کی علت آنحضرت ﷺ کا برسر حق ہونا بتلایا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حق پر ہونے کی خاصیت ہی قوت قلب ہوتی ہے۔جس کی وجہ سے دل مضبوط ہوتا ہے۔یہ نعمت اہل باطل کو حاصل نہیں ہوتی۔

آیت انک تسمع الخ سے معلوم ہوا کہ جب انبیاء سے سنانے اور نفع پہنچانے کی نفی کی جارہی ہے تو کسی غریب شیخ کے بس میں ہدایت کا کسی کے دل میں اتار دینا کہاں ہے؟

وَاذْكُرْ **يَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا** جَمَاعَةً **مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا** وَهُمْ رُؤَسَاؤُهُمُ الْمَتْبُوعُوْنَ **فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ﴿۸۳﴾** اَیْ يُجْمَعُوْنَ بِرَدِّ اٰخِرِهِمْ اِلٰی اَوَّلِهِمْ ثُمَّ يُسَاقُوْنَ **حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ** مَكَانَ الْحِسَابِ **قَالَ** تَعَالٰی لَهُمْ **اَكَذَّبْتُمْ** اَنْبِيَائِیْ **بِاٰيٰتِیْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا** مِنْ جِهَةِ تَكْذِيْبِهِمْ **بِهَا عِلْمًا اَمَّا** فِيْهِ اِدْغَامُ اَمْ فِیْ مَا الْاِسْتِفْهَامِيَّةِ **ذَا** مَوْصُوْلٌ اَیْ مَا الَّذِیْ **كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴿۸۴﴾** مِمَّا اُمِرْتُمْ **وَوَقَعَ الْقَوْلُ** حَقَّ الْعَذَابُ **عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا** اَیْ اَشْرَكُوْا **فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ﴿۸۵﴾** اِذْ لَا حُجَّةَ لَهُمْ **اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا** خَلَقْنَا **الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ** كَغَيْرِهِمْ **وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا**ط بِمَعْنٰی يُبْصَرُ فِيْهِ لِيَتَصَرَّفُوْا فِيْهِ **اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ** دَلَالَاتٍ عَلٰی قُدْرَتِهٖ تَعَالٰی **لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴿۸۶﴾** خُصُّوْا بِالذِّكْرِ لِاِنْتِفَاعِهِمْ بِهَا فِی الْاِيْمَانِ بِخِلَافِ الْكَافِرِيْنَ **وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ** اَلْقَرْنِ النَّفْخَةُ الْاُوْلٰی مِنْ اِسْرَافِيْلَ **فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ** اَیْ خَافُوا الْخَوْفَ الْمُفْضِیَ اِلَی الْمَوْتِ كَمَا فِیْ اٰيَةٍ اُخْرٰی فَصَعِقَ وَالتَّعْبِيْرُ فِيْهِ بِالْمَاضِیْ لِتَحَقُّقِ وُقُوْعِهٖ **اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ**ط اَیْ جِبْرَئِيْلُ وَمِيْكَائِيْلُ وَاِسْرَافِيْلُ وَعِزْرَائِيْلُ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا هُمُ الشُّهَدَاءُ اِذْهُمْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ **وَكُلٌّ** تَنْوِيْنُهٗ عِوَضٌ عَنِ الْمُضَافِ اِلَيْهِ اَیْ كُلُّهُمْ بَعْدَ اِحْيَائِهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **اَتَوْهُ** بِصِيْغَةِ الْفِعْلِ وَاسْمِ الْفَاعِلِ **دٰخِرِيْنَ﴿۸۷﴾** صَاغِرِيْنَ وَالتَّعْبِيْرُ فِی الْاِتْيَانِ بِالْمَاضِیْ لِتَحَقُّقِ وُقُوْعِهٖ **وَتَرَى الْجِبَالَ** تُبْصِرُهَا وَقْتَ النَّفْخَةِ **تَحْسَبُهَا** تَظُنُّهَا **جَامِدَةً** وَاقِفَةً مَكَانَهَا لِعِظَمِهَا **وَّهِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ**ط اَلْمَطَرِ اِذَا ضَرَبَتْهُ الرِّيْحُ اَیْ تَسِيْرُ سَيْرَهٗ حَتّٰی تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ فَتَسْتَوِیْ بِهَا مَبْثُوْثَةً ثُمَّ تَصِيْرُ كَالْعِهْنِ ثُمَّ تَصِيْرُ هَبَاءً مَنْثُوْرًا **صُنْعَ اللّٰهِ** مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ لِمَضْمُوْنِ الْجُمْلَةِ قَبْلَهٗ اُضِيْفَ اِلٰی فَاعِلِهٖ بَعْدَ حَذْفِ عَامِلِهٖ اَیْ صَنَعَ اللّٰهُ ذٰلِكَ صُنْعًا **الَّذِیْٓ اَتْقَنَ** اَحْكَمَ **كُلَّ شَیْءٍ**ط صُنْعَهٗ **اِنَّهٗ خَبِيْرٌ بِمَا تَفْعَلُوْنَ﴿۸۸﴾** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ اَیْ اَعْدَاؤُهٗ مِنَ الْمَعْصِيَةِ وَاَوْلِيَاؤُهٗ مِنَ الطَّاعَةِ **مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ** اَیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **فَلَهٗ خَيْرٌ** ثَوَابٌ **مِّنْهَا**ج اَیْ بِسَبَبِهَا وَلَيْسَ لِلتَّفْضِيْلِ اِذْ لَا فِعْلَ خَيْرٌ مِنْهَا وَفِیْ اٰيَةٍ اُخْرٰی

عَشْرُ اَمْثَالِهَا **وَهُمْ** اَيِ الْجَاؤُنَ بِهَا **مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ** بِالْاِضَافَةِ وَكَسْرِ الْمِيْمِ وَبِفَتْحِهَا وَفَزَعٌ مُنَوَّنًا وَفَتْحِ الْمِيْمِ **اٰمِنُوْنَ**﴿۸۹﴾ **وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ** اَيِ الشِّرْكِ **فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ** بِاَنْ وُلِّيَتْهَا وَذُكِرَتِ الْوُجُوْهُ لِاَنَّهَا مَوْضَعُ الشَّرَفِ مِنَ الْحَوَاسِ فَغَيْرُهَا مِنْ بَابِ اَوْلٰى وَيُقَالُ لَهُمْ تَبْكِيْتًا **هَلْ** اَىْ مَا **تُجْزَوْنَ اِلَّا** جَزَاءَ **مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ**﴿۹۰﴾ مِنَ الشِّرْكِ وَالْمَعَاصِيْ قُلْ لَهُمْ **اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ** اَىْ مَكَّةَ **الَّذِيْ حَرَّمَهَا** اَىْ جَعَلَهَا حَرَمًا اٰمِنًا لَا يُسْفَكُ فِيْهَا دَمُ اِنْسَانٍ وَلَا يُظْلَمُ فِيْهَا اَحَدٌ وَلَا يُصَادُ صَيْدُهَا وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا وَذٰلِكَ مِنَ النِّعَمِ عَلٰى قُرَيْشٍ اَهْلِهَا فِيْ رَفْعِ اللّٰهِ عَنْ بَلَدِهِمُ الْعَذَابَ وَالْفِتَنَ الشَّائِعَةَ فِيْ جَمِيْعِ بِلَادِ الْعَرَبِ **وَلَهٗ** تَعَالٰى **كُلُّ شَيْءٍ** فَهُوَ رَبُّهٗ وَخَالِقُهٗ وَمَالِكُهٗ **وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ**﴿۹۱﴾ لِلّٰهِ بِتَوْحِيْدِهٖ **وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ** عَلَيْكُمْ تِلَاوَةَ الدَّعْوَةِ اِلَى الْاِيْمَانِ **فَمَنِ اهْتَدٰى** لَهٗ **فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ** اَىْ لِاَجْلِهَا لِاَنَّ ثَوَابَ اِهْتِدَائِهٖ لَهٗ **وَمَنْ ضَلَّ** عَنِ الْاِيْمَانِ وَاَخْطَاَ طَرِيْقَ الْهُدٰى **فَقُلْ** لَهٗ **اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ**﴿۹۲﴾ اَلْمُخَوِّفِيْنَ فَلَيْسَ عَلَيَّ اِلَّا التَّبْلِيْغُ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ **وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا** فَاَرَاهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ بَدْرٍ اَلْقَتْلَ وَالسَّبْيَ وَضَرْبَ الْمَلٰئِكَةِ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَعَجَّلَهُمُ اللّٰهُ اِلَى النَّارِ **وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ**﴿۹۳﴾ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ وَاِنَّمَا يُمْهِلُهُمْ لِوَقْتِهِمْ

ترجمہ:.........اور (یاد کیجئے) جس دن ہر امت میں سے ایک ایک گروہ (جماعت) ان کا جمع کریں گے..... جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے (یعنی سردار، پیشوا) پھر ان کو صف بستہ کھڑا کر دیا جائے گا۔ (یعنی آخر والے اول والے کی طرف لوٹا کر اکٹھا کیا جائے گا۔ پھر انہیں ہنکایا جائے گا) یہاں تک کہ جب سب حاضر ہو جائیں گے۔ (حساب کتاب کی جگہ) تو اللہ تعالیٰ (ان سے) ارشاد فرمائیں گے کہ کیا تم نے (میرے پیغمبروں کو) میری آیتوں کے ساتھ جھٹلایا تھا حالانکہ (بلحاظ تکذیب کے) تم ان کو اپنے احاطہ علمی میں بھی نہیں لائے تھے۔ بلکہ اور کیا کیا (لفظ اما میں لفظ ما استفہامیہ میں ادغام ہو گیا ہے اور ذا موصول ہے بمعنی ما الذی) کام کرتے رہے (جن کا تمہیں حکم دیا گیا تھا) اور وعدہ (عذاب) ان پر پورا ہو گیا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے زیادتیاں کی تھیں (شرک کیا تھا) سو وہ لوگ بات بھی نہ کر سکیں گے (کیونکہ ان کے پاس حجت نہیں ہوگی) کیا انہوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے رات بنائی (پیدا کی) تاکہ یہ لوگ (اور لوگوں کی طرح) آرام کر سکیں اور دن بنایا تاکہ لوگ دیکھیں بھالیں (یعنی کام کاج کے لئے اجالا کیا) بلاشبہ اس میں بڑی دلیلیں ہیں (اللہ کی قدرت کی نشانیاں) ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں (ایمانداروں کی تخصیص اس لئے ہے کہ وہ ایمان کی وجہ سے دلیلوں سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں برخلاف کفار کے) اور جس دن صور پھونکا جائے گا (حضرت اسرافیلؑ پہلا صور پھونکیں گے) سو جتنے آسمان و زمین میں ہیں سب کانپ اٹھیں گے (کہ مارے ڈر کے دم نکلنے کے قریب ہوگا جیسے دوسری آیت فصعق الخ میں ہے اور ماضی کے صیغہ سے بیان وقوع کے یقینی ہونے کی وجہ سے ہے) بجز اس کے کہ جس کو

خدا چاہے (یعنی جبرائیل، میکائل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ شہداء مراد ہیں جو اللہ کے یہاں زندہ ہیں اور انہیں وہاں رزق دیا جاتا ہے) اور سب کے سب (لفظ کل پر تنوین مضاف الیہ کے بدلہ میں ہے ای کلھم. قیامت میں دوبارہ زندہ ہو کر) اسی کے سامنے حاضر رہیں گے۔

(لفظ اتـــوہ حمزہ اور حفص کے نزدیک صیغہ ماضی کے ساتھ اور باقی قراء کے نزدیک اسم فاعل کے ساتھ منقول ہے) دبے جھکے (عاجزانہ صیغہ ماضی کے ساتھ لفظ اتـــوہ کو لانا اس کے یقینی الوقوع ہونے کو ظاہر کرنا ہے) اور تو پہاڑوں کو دیکھ رہا ہے (صور پھونکتے وقت دیکھے گا) اور ان کی نسبت گمان (خیال) کر رہا ہے کہ یہ جنبش نہ کریں گے (اتنے بڑے ہیں کہ ہل نہ سکیں گے) حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑتے اڑتے پھریں گے (بارش کی طرح جو ہواؤں کی وجہ سے پھوار بن کر اڑتی پھرے۔ حتیٰ کہ زمین پر گر کر اس میں رل مل جائے پہلے بکھری رہے پھر دھنی ہوئی روئی کی طرح ہو جائی پھر ہوا میں اڑ جائے) یہ کاریگری اللہ ہی کی ہے (صنع اللّٰہ مصدر ہے پہلے مضمون جملہ کی تاکید کے لئے ہے۔ عامل کے حذف کرنے کے بعد فاعل کی طرف مضاف ہے اصل عبارت اس طرح ہوگی صـنـع اللـہ ذلک صنعاً) جس نے ہر چیز کو مضبوط (پائیدار) بنا رکھا ہے (ایجاد کیا ہے) یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی پوری طرح خبر ہے (یـفـعـلـون ۔ ابوعمر وابن کثیر ابوبکر کی قرائت میں جمع غائب کے صیغہ سے یا کے ساتھ ہے اور باقی قراء کے نزدیک صیغہ جمع حاضر یعنی تا کے ساتھ ہے یعنی مخالفین کی نافرمانی اور تابعداروں کی فرمانبرداری سب سے واقف ہے) جو کوئی نیکی (کلمہ توحید قیامت کے روز) لائے گا سو اس کو اس کے سبب اجر (ثواب) ملے گا (یعنی نیکی کی وجہ سے ثواب ملے گا۔ لفظ مـــن یہاں تفصیل کے لئے نہیں ہے کیونکہ کوئی چیز کلمہ توحید سے بڑھ کر نہیں ہے اور دوسری آیت میں اجر دس گنا بتلایا گیا ہے) اور وہ (نیکی لانے والے لوگ) اس روز کی بڑی گھبراہٹ سے ان میں رہیں گے (لفظ فـزع اضافت کے ساتھ اور یـومـئـذ فتح میم کے ساتھ بھی ہے) اور جو شخص بدی (شرک) لائے گا تو وہ لوگ اوندھے منہ آگ میں ڈال دیئے جائیں گے (انہیں آگ میں جھونک دیا جائے گا اور چہرہ کا ذکر اس لئے کیا کہ حواس میں یہ سب سے اشرف ہے پس دوسرے اعضاء بدرجہ اولیٰ جہنم میں جھونکے جائیں گے اور انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر کہا جائے گا) تمہیں سزا انہی کرتوتوں کی مل رہی ہے جو تم (شرک ومعاصی) کیا کرتے تھے مجھے تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے مالک کی عبادت کیا کروں جس نے اس کو محترم بنایا ہے (یعنی مکہ کو حرم مامون بنایا ہے جس میں نہ کسی کی خونریزی کی اجازت ہے اور نہ کسی پر ظلم کرنے کی۔ نہ وہاں شکار کی اجازت ہے اور نہ گھاس اکھاڑنے کی اور یہ اہل مکہ قریش پر اللہ کی نعمتیں ہیں کہ ان کے شہر سے عذاب اور فتنوں کو اٹھا لیا ہے جو تمام بلاد عرب میں پھیلے ہوئے ہیں) اور یہ سب چیزیں اسی کی ہیں (وہی رب اور خالق و مالک ہے) اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں فرمانبردار ہوں (اللہ کی توحید بجالا کر) اور یہ بھی کہ میں قرآن پڑھ پڑھ کر سناؤں۔ (تمہیں دعوت ایمان دیتے ہوئے تلاوت کروں) سو جو شخص راہ پر آئے گا (یعنی اپنے فائدہ کے لئے کیونکہ) اس کی راہ یابی کا ثواب خود اسی کو ہوگا اور جو شخص گمراہ رہے گا (بچلے گا، طریقہ ہدایت سے بہکے گا) تو آپ (اس سے) کہہ دیجئے کہ میں تو صرف ڈرانے والے پیغمبروں میں سے ہوں (مجھ پر بجز تبلیغ کے اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ جواب جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے) اور آپ کہہ دیجئے کہ سب خوبیاں محض اللہ ہی کے لئے ہیں وہ تمہیں عنقریب اپنی نشانیاں دکھلائے گا (چنانچہ غزوۂ بدر میں انہیں قتل وقید کی صورت میں اللہ نے دکھلا دیا ہے اور فرشتوں نے ان کے چہروں اور کمروں پر مارا ہے اور جلد ہی اللہ انہیں جہنم رسید کرے گا) اور آپ کا پروردگار ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم کر رہے ہو (لفظ یعلمون کی قراءت اور ابوعمرو کے نزدیک یا کے ساتھ اور دوسری قراءت کے ساتھ ہے۔)

تحقیق وترکیب:.........من کل امة. اس میں من تبعیضیہ ہے۔

ممن یکذب. اس میں من بیانیہ ہے فوج کا بیان ہے اور لفظ امۃ مومن وکافر سب کو شامل ہے۔

مکذبین. عام لفظ ہے جس میں عوام وخواص سب آجاتے ہیں۔اس لئے رؤسا کے ساتھ مفسرؒ علام کا خاص کرنا بہتر معلوم نہیں ہوتا۔

ولم تحیطوا. اس میں واؤ حالیہ ہے یا عطف کے لئے ہے۔دوسری صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ اجمعتم بین التکذیب بھا وعدم القاء الا ذھان لتحققھا.

اما ذا. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ ما استفہامیہ مبتداء ہے اور ذا موصول اس کی خبر ہے اور صلہ بعد میں ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ الشیئ الذی کنتم تعملونه اور ام منقطعه بمعنی بل بھی ہوسکتا ہے۔

و قع. علم الٰہی کے اعتبار سے اگرچہ ماضی، حال، استقبال برابر ہیں۔لیکن ماضی کے صیغہ میں یقینی ہونے کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

جعلنا الیل. اس میں حذف ہے ای مظلماً. اب مبصرا کا مقابلہ ہوگیا۔اسی طرح النھار مبصرا میں بھی حذف ہے۔ای لیتحر کوافیه. اب یسکنوافیه کا مقابلہ ہوگیا۔یہ صنعت احتباک ہے۔

ینفخ. پہلا نفخہ مراد ہے جیسے نفخة صعق اور نفحة فزع بھی کہا گیا ہے۔اس میں سب چیزیں فنا ہوجائیں گی اور دوسرے نفخہ میں پھر سب چیزیں دوبارہ زندہ ہوجائیں گی۔ان دونوں کے درمیان چالیس سال کا فصل ہوگا اور بعض نے ان دونوں سے پہلے ایک اور نفخة الزلزله مانا ہے۔جس میں سارے عالم کانپ اٹھے گا۔صور کو یمنی لغت میں بوق اور ہندی میں نرسنگھا کہا جاتا ہے۔

فزع. انبیاء اور شہداء جو اپنی قبروں میں زندہ ہیں ان پر ایک طرح کی غشی طاری ہوجائے گی۔

من شاء اللّٰہ یعنی چاروں فرشتوں کو بھی موت یا غشی پہلے نفخہ کے وقت نہیں ہوگی بلکہ اس کے بعد دوسرے نفخہ سے پہلے ہوگی۔یہ استثناء مفرغ ہے۔

المطر. ملاعلیؒ قاری فرماتے ہیں کہ سحاب کی تفسیر مطر کے ساتھ کرنا مناسب نہیں۔عقل ونقل اس کے موافق نہیں ہے۔ بعض سائنسی مزاج رکھنے والے حضرات نے تمر مر السحاب سے زمین کی حرکت پر استدلال کیا ہے اور آیت کا یہ مفہوم بتلایا ہے کہ پہاڑ اگرچہ بظاہر جمے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت وہ بادلوں کی طرح تیزی سے رواں دواں ہیں۔یہ مفہوم سیاق آیت کے بالکل خلاف ہے اور تمر کو استقبال کے بجائے حال کے ساتھ خاص کرنا ہے۔

بالحسنة. ابو معشرؒ اور ابراہیمؒ تو حسنه کی تفسیر کلمہ طیبہ کے ساتھ حلفیہ کرتے تھے اور بعض نے مطلقاً نیکی کے معنی لئے ہیں۔

منھا. یعنی آخرت میں جو کچھ بھی ثواب اور نعمتیں ہوں گی وہ سب کلمہ توحید کی بدولت ہوں گی۔یہ نہیں کہ وہ اس کلمہ سے افضل ہوں گی اور بعض نے اس کا مصداق رضوان اللہ کہا ہے۔جس کی نسبت دوسری آیت میں ورضوان من اللّٰہ اکبر فرمایا گیا ہے اور محمد بن کعبؒ اور عبدالرحمٰن نے فله خیر منھا کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ایک نیکی کے ثواب کا دس گنا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایک کے مقابلہ میں دس گنا افضل ہوتا ہے۔غرض یہ کہ حسنة سے مراد اگر کلمہ توحید ہو تو پھر خیر تفضیل کے لئے نہیں ہوگا بلکہ من سببیہ ہوگا۔البتہ حسنة سے مراد اگر کلمہ توحید کے علاوہ نیکیاں ہوں تو پھر یہ تفضیل کے لئے ہوسکتا ہے۔

فزع یومئذ مفسر علامؒ نے تین مشہور قرأتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔مفسر کی عبارت میں واؤ بمعنی او ہے۔

فزع یومئذ. پہلے فزع سے مراد صور کی دہشت ہے اور اس سے مراد عذاب الٰہی ہے۔ اس لئے ان دونوں معنی کے اعتبار سے پہلے معنی کے ثبوت اور دوسرے کی نفی میں کوئی منافات نہیں ہے۔

بالسیئة. اس سے شرک مراد لینے پر جملہ فکبت وجوھھم میں بھی قرینہ ہے۔ اور ابن عباسؓ سے حاکمؒ نے حسنة کی تفسیر کلمہ طیبہ سے اور سیئہ کی تفسیر شرک نقل کی ہے۔

حرمھا. حرم بنانے کی نسبت اللہ کی طرف حکم کے لحاظ سے ہے اور حدیث ان ابراھیم حرم مکة میں حضرت ابراہیم کی طرف نسبت بلحاظ اظہار حکم کے ہے۔

خلاھا. ترگھاس کو خلا اور سوکھی گھاس کو حشیش کہا جاتا ہے۔

اتلوا. مفسر علامؒ نے بہ نیت تبلیغ ودعوت تلاوت مراد لی ہے۔ لیکن تدبر وتفکر کے لئے تلاوت کا جاری رکھنا بھی مراد ہوسکتا ہے۔

فقل له. مفسرؒ نے له سے اشارہ کردیا کہ من ضل کے جواب میں ربط محذوف ہے اور یہ اس سے بہتر ہے کہ بعض لوگوں نے جواب کو محذوف مان کر تقدیر عبارت اس طرح بتلائی ہے۔ فوبال امرہ علیه. توحید، رسالت، بعثت کے تین حقائق میں سے اول میں لفظ قل مقدر ہے۔ ایٔ قل انما صرحت باقی دونوں میں مذکور ہے۔ یعنی قل انما انا من المنذرین اور قل الحمد للّٰه.

ربط آیات:........ آیت اذا وقع القول میں بھی آیت قل لایعلم الخ کی طرح قیامت کا ذکر ہے۔ پہلے علامات قیامت کا ذکر کیا۔ پھر یوم نحشر الخ میں حشر کا واقع ہونا بتلایا گیا۔ پھر آیت الم یروا الخ میں امکان بعث کی دلیل ہے۔ پھر آیت یوم ینفخ میں قیامت کے کچھ واقعات کا تذکرہ ہے۔ پھر آیت من جاء بالحسنة الخ میں جزاوسزا کا بیان ہے۔ اسی طرح ابتداء سورت میں نبوت وتوحید اور معاد کا بیان تھا۔ آیت انما امرت الخ میں انہی تین مضامین کا اجمالاً ذکر فرمایا جارہا ہے۔

﴿تشریح﴾:........ آیت فھم یوزعون میں قیامت کے ہجوم کو بیان کیا جارہا ہے کہ لوگوں کی اتنی کثرت ہوگی کہ چلنے کے وقت اگلوں کو روکا جائے گا تاکہ پچھلے بھی ان کے ساتھ آملیں اور آگے پیچھے ہوکر نہ چلیں بلکہ اکٹھے ہوکر سب ساتھ چلیں۔

آیت ولم تحیطوا کا مطلب یہ ہے کہ آیات سنتے ہی ایک دم جھٹلا دیتے ہیں اور فکر وتدبر نہیں کرتے۔ اما ذا کنتم عملون میں یہ بتلانا ہے کہ تکذیب کے علاوہ اور بہت سے کام کئے جیسے انبیاء کو ستانا اور اعمال اور اعتقادات کفریہ اختیار کرنا۔

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا عقلاً ممکن ہے:........ آیت الم یروا میں بعث کے امکان کا بیان ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ روزانہ سونے جاگنے میں بعث کا نقشہ سامنے ہوجاتا ہے۔ کیونکہ موت نام ہے بدن سے روح کے تعلق کا ختم ہوجانا۔ چنانچہ نیند میں بھی ایک درجہ میں تعلق ختم ہوجاتا ہے۔ اسی طرح دوبارہ زندگی اسی پہلے تعلق کے دوبارہ قائم ہونے کا نام ہے اور جاگنے میں بھی یہی ہوتا ہے۔ پس ان دونوں حالتوں میں پوری طرح مماثلت پائی گئی اور ان سے ایک نظیر یعنی سونے جاگنے سے اللہ کی قدرت کا تماشہ روزانہ دیکھنے میں آتا رہتا ہے اور یہ تعلق کسی اور علت کا محتاج نہیں بلکہ اللہ کی ذات اس کی مقتضی ہے۔

ادھر محل قدرت کا ممتنع ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں بلکہ اس کا امکان بدیہی ہے اور اس کی نظیر یعنی خواب وبیداری کا بدیہی ہونا، اس کی بداہت کو اور بھی واضح کردیتا ہے۔ اس سے دوسری نظیر یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا بھی ممکن ہوگیا اور یہ عقلی دلیل گرچہ سب کے لئے عام ہے۔ مگر نفع خاص خاص لوگ ہی اٹھاتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ نظر وفکر کرتے ہیں جو نتیجہ نکالنے کے لئے ضروری ہے اور عوام یعنی کفار اس سے محروم۔ اس لئے نتیجہ یعنی نفع سے بھی محروم ہیں۔

صور قیامت اور اس کا اثر:............اور حشر جو دوسرا نفخہ ہے اس سے پہلے ایک مرتبہ اور صور پھونکا جائے گا اس سے سب گھبرا اٹھیں گے اور پھر مر جائیں اور جو پہلے مر چکے تھے ان کی روحیں بے ہوش ہو جائیں گی۔ البتہ حدیث مرفوع کے مطابق چاروں مشہور فرشتے اور حاملان عرش اس موت اور گھبراہٹ سے محفوظ رہیں گے۔ پھر حسب بیان درمنثور ان کی وفات بھی بغیر نفخہ کے اثر کے ہو جائے گی اور جانداروں کی طرح بے جان چیزوں میں بھی اس پہلے نفخہ کا اثر ہوگا۔

وتری الجبال الخ میں اسی کا بیان ہے کہ بادلوں کی طرح ہلکے پھلکے ہو کر اڑے پھریں گے۔ پھر آیت صنع اللہ میں اس شبہ کا جواب ہے کہ پہاڑوں جیسی ٹھوس اور وزنی چیز کو ڈھل ڈھلا اور ہلکا پھلکا کس طرح کر دیا جائے گا۔ فرمایا کہ ہم نے ہی تو پہاڑوں کو مضبوط بنایا ہے۔ ورنہ ابتداء میں تو کوئی چیز بھی موجود نہ تھی۔ چہ جائیکہ مضبوط۔ اسی نے ناپید کو پیدا کیا اور کمزور کو قوی بنایا۔ پس وہ الٹا بھی کر سکتا ہے۔ کیونکہ موصوف اور صفات دونوں اس کے بس میں ہیں۔ اس کی ذاتی قدرت مقدورات کے ساتھ یکساں ہے۔ بالخصوص متماثل اور متشابہ چیزوں کا تماثل تو اور بھی واضح ہے۔

حاصل یہ ہے کہ پہاڑوں کو نہ صرف یہ کہ موجود کیا بلکہ کمزور سے مضبوط بنایا۔ اسی طرح پہاڑوں سے بڑھ کر زمین و آسمان جیسی عظیم مخلوق میں بھی ہمارے جاری کردہ تغیرات ہوں گے۔ وحملت الارض والجبال فدکتا دکۃ واحدۃ۔ پہلے نفخہ کے بعد پھر دوسرا نفخہ ہوگا۔ جس کے اثر سے روحیں ہوش میں آ کر بدن سے متعلق ہو جائیں گی اور حشر برپا ہو جائے گا۔ اس کے بعد قیامت قائم ہوگی جس میں قانون مجازات جاری کیا جائے گا۔ من جاء بالحسنۃ الخ۔

صور کتنی مرتبہ پھونکا جائے گا؟ اس میں اختلاف ہے۔ آیات سے اس کا متعدد ہونا تو معلوم ہوتا ہے مگر کسی خاص تعداد کی صراحت نہیں ہے۔ تعداد کا کم از کم اور یقینی درجہ چونکہ دو ہے اور وہ تمام واقعات جو نفخوں سے متعلق منقول ہیں دو نفخوں میں پورے ہو سکتے ہیں۔ اس لئے دو نفخے مان لینا کافی ہوگا۔ تین چار نفخے ماننے کی ضرورت نہیں رہتی۔ نہ عقلاً نہ نقلاً۔

دو آیتوں میں تعارض کا شبہ:............البتہ اس مقام پر ایک اشکال ہے کہ آیت ففزع من فی السموٰت الخ سے پہلے نفخہ سے سب کا متاثر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ہم من فزع یومئذ اٰمنون سے معلوم ہو رہا ہے کہ مومن اس سے محفوظ رہیں گے۔ اس طرح دونوں باتوں میں تعارض ہو گیا۔ جواب یہ ہے کہ چونکہ دونوں کا وقت اور ان کی حقیقت اور اثرات الگ الگ ہیں اس لئے کوئی تعارض نہیں ہوتا۔ کیونکہ پہلا فزع نفخہ کے وقت ہوگا۔ جس سے سب متاثر ہوں گے اور دوسرا فزع دوسرے نفخہ کے وقت ہوگا۔ جس سے مومن محفوظ رہیں گے۔ نیز پہلے فزع کی حقیقت طبعی دہشت اور ہول دلی ہے اور اس کا اثر موت ہے۔ لیکن دوسرے فزع کی حقیقت دائمی عذاب کا ڈر ہے۔

لطائف سلوک:............آیت اکذبتم باٰیٰتی الخ سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ جس کو انسان نہ سمجھے تو ایک اس کا انکار کر دینا برا ہے۔ جیسے بعض خشک لوگ عارفین کے کلام پر بے سوچے سمجھے رد کرنے لگتے ہیں۔ اگر تائید نہیں کر سکتے تو تردید سے بہتر تو یہ ہے کہ سکوت کریں۔

آیت وتری الجبال الخ سے معلوم ہوا کہ پہاڑوں کو بادلوں کی طرح اڑے اڑے پھرنا اتقان صنعت کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اتقان کے معنی یہ ہیں کہ ہر چیز کو حکمت کے مطابق بنایا جائے۔ پس ہر چیز کی مضبوطی اس کے مناسب حال ہوتی ہے۔ جب انہیں جمانا ہو تو جمے رہیں اور جب حکمت کا تقاضہ ان کے ختم کر دینے کا ہو تو ختم ہو جائیں گے۔ جب ٹھوس رکھنا مصلحت ہو تو ٹھوس

رہیں اور جب تخلخل تقاضائے حکمت ہو تو تخلخل قبول کر لے۔ یہی کمال کاریگری ہے۔

من جاء بالحسنة. ایک طرف تو اعتقادیات میں توحید ورسالت بھی ہے۔ جس کا بہتر ہونا ظاہر ہے اور ہر جزا میں کھانے پینے کی چیزیں بھی ہیں۔ جس کی لذت سے عبادات کا افضل ہونا ظاہر ہے۔ لیکن اس کے باوجود جزا کو اطاعت سے افضل فرمایا گیا ہے؟ مگر کہا جائے گا کہ جزاء بالذات، طاعت سے افضل نہیں۔ بلکہ اس لئے ہے کہ وہ عطائے حق ہے اور طاعت بندہ کا فعل ہے اور عطائے حق بندہ کے عمل سے بہتر ہوتی ہے۔ پس نعمتوں کی لذتوں سے تو عبادت و طاعت افضل ہے اور عبادت و طاعت سے عطائے حق افضل ہے۔ انما امرت الخ سے واضح ہے کہ تکلیفات شرعیہ سے انبیاء علیہم السلام بھی مستثنیٰ نہیں۔ پس اولیاء اللہ کو کس طرح شرعی طاعت سے سبکدوش سمجھا جا سکتا ہے۔

آیت قل الحمد الخ سے معلوم ہوا کہ فیوض و برکات کو اپنے مجاہدہ و عمل کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے بلکہ اسے توفیق الٰہی اور بخشائش خداوندی سمجھنا چاہئے۔

سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا اِنَّ الَّذِىْ فَرَضَ الْاٰيَةُ نَزَلَتْ بِالْجُحْفَةِ وَاِلَّا الَّذِيْنَ اٰتَيْنَاهُمُ الْكِتٰبَ اِلٰى نَبْتَغِ الْجَاهِلِيْنَ وَهِىَ سَبْعٌ اَوْ ثَمَانٌ وَ ثَمَانُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

طٰسٓمّٓ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ **تِلْكَ** اَىْ هٰذِهِ الْاٰيَاتُ **اٰيٰتُ الْكِتٰبِ** الْاِضَافَةُ بِمَعْنٰى مِنْ **الْمُبِيْنِ﴿۲﴾** اَلْمُظْهِرِ الْحَقِّ مِنَ الْبَاطِلِ **نَتْلُوْا** نَقُصُّ **عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ** خَبَرِ **مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ** بِالصِّدْقِ **لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴿۳﴾** لِاَجْلِهِمْ لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهٖ **اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا** تَعَظَّمَ **فِى الْاَرْضِ** اَرْضِ مِصْرَ **وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا** فِرَقًا فِىْ خِدْمَتِهٖ **يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ** وَهُمْ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ **يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ** اَلْمَوْلُوْدِيْنَ **وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ط** يَسْتَبْقِيْهِنَّ اَحْيَاءً لِقَوْلِ بَعْضِ الْكَهَنَةِ لَهٗ اِنَّ مَوْلُوْدًا يُوْلَدُ فِىْ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ يَكُوْنُ سَبَبَ ذِهَابِ مُلْكِكَ **اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ﴿۴﴾** بِالْقَتْلِ وَغَيْرِهٖ **وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ يَاءً يُقْتَدٰى بِهِمْ فِى الْخَيْرِ **وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ﴿۵﴾** مُلْكَ فِرْعَوْنَ **وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ** اَرْضِ مِصْرَ وَالشَّامِ **وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا** وَفِىْ قِرَاءَةٍ وَيَرٰى بِفَتْحِ التَّحْتَانِيَّةِ وَالرَّاءِ وَرَفْعِ الْاَسْمَاءِ الثَّلٰثَةِ **مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ﴿۶﴾** يَخَافُوْنَ مِنَ الْمَوْلُوْدِ الَّذِىْ يَذْهَبُ مُلْكُهُمْ عَلٰى يَدَيْهِ **وَاَوْحَيْنَآ** وَحْىَ اِلْهَامٍ اَوْ مَنَامٍ **اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى** وَهُوَ الْمَوْلُوْدُ الْمَذْكُوْرُ وَلَمْ يَشْعُرْ بِوِلَادَتِهٖ غَيْرُ اُخْتِهٖ **اَنْ اَرْضِعِيْهِ ج فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ** الْبَحْرِ اَىِ النِّيْلِ **وَلَا تَخَافِىْ** غَرَقَهٗ **وَلَا تَحْزَنِىْ ج** لِفِرَاقِهٖ **اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ**

الْمُرْسَلِيْنَ﴿۷﴾ فَارْضَعَتْهُ ثَلٰثَةَ اَشْهُرٍ لَايَبْكِيْ وَخَافَتْ عَلَيْهِ فَوَضَعَتْهُ فِي التَّابُوْتِ مَطْلِي بِالْقَارِ مِنْ دَاخِلٍ مُمَهَّدٍ لَهُ فِيْهِ وَاَغْلَقَتْهُ وَاَلْقَتْهُ فِي بَحْرِ النِّيْلِ لَيْلًا **فَالْتَقَطَهٗ** بِالتَّابُوْتِ صَبِيْحَةَ اللَّيْلِ **اٰلُ** اَعْوَانُ **فِرْعَوْنَ** فَوَضَعُوْهُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَفَتَحَ وَاَخْرَجَ مُوْسٰى مِنْهُ وَهُوَ يَمُصُّ مِنْ اِبْهَامِهِ لَبَنًا **لِيَكُوْنَ لَهُمْ** اَيْ فِي عَاقِبَةِ الْاَمْرِ **عَدُوًّا** يَقْتُلُ رِجَالَهُمْ **وَّحَزَنًا** ؕ يَسْتَعْبِدُ نِسَاءَهُمْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الْحَاءِ وَسُكُوْنِ الزَّايِ لُغَتَانِ فِي الْمَصْدَرِ وَهُوَ هُنَا بِمَعْنٰى اِسْمِ الْفَاعِلِ مِنْ حَزَنَهٗ كَاَحْزَنَهٗ **اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ** وَزِيْرَهٗ **وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ**﴿۸﴾ مِنَ الْخَطِيْئَةِ اَيْ عَاصِيْنَ فَعُوْقِبُوْا عَلٰى يَدِهٖ **وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ** وَقَدْهَمَّ مَعَ اَعْوَانِهٖ بِقَتْلِهٖ هُوَ **قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ لَاتَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا** فَاَطَاعُوْهَا **وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ**﴿۹﴾ بِعَاقِبَةِ اَمْرِهِمْ مَعَهٗ **وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى** لَمَّا عَلِمَتْ بِالْتِقَاطِهٖ **فٰرِغًا** ؕ مِمَّا سِوَاهُ **اِنْ** مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاِسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ اَنَّهَا **كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ** اَيْ بِاَنَّهٗ ابْنُهَا **لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا** بِالصَّبْرِ اَيْ سَكَّنَّاهُ **لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ**﴿۱۰﴾ الْمُصَدِّقِيْنَ بِوَعْدِ اللّٰهِ وَجَوَابُ لَوْلَادَلَّ عَلَيْهِ مَاقَبْلَهَا **وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ** مَرْيَمَ **قُصِّيْهِ** ۡ اِتَّبِعِيْ اَثَرَهٗ حَتّٰى تَعْلَمِيْ خَبَرَهٗ **فَبَصُرَتْ بِهٖ** اَيْ اَبْصَرَتْهُ **عَنْ جُنُبٍ** مِنْ مَكَانٍ بَعِيْدٍ اِخْتِلَاسًا **وَّهُمْ لَايَشْعُرُوْنَ**﴿۱۱﴾ اَنَّهَا اُخْتُهٗ وَاَنَّهَا تَرْقُبُهٗ **وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ** اَيْ قَبْلَ رَدِّهٖ اِلٰى اُمِّهٖ اَيْ مَنَعْنَاهُ مِنْ قُبُوْلِ ثَدْيِ مُرْضِعَةٍ غَيْرِ اُمِّهٖ فَلَمْ يَقْبَلْ ثَدْيَ وَاحِدَةٍ مِنَ الْمَرَاضِعِ الْمُحْضَرَةِ **فَقَالَتْ** اُخْتُهٗ **هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ** لَمَّارَاَتْ حُنُوَّهُمْ عَلَيْهِ **يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ** بِالْاِرْضَاعِ وَغَيْرِهٖ **وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ**﴿۱۲﴾ وَفُسِّرَتْ ضَمِيْرُ لَهٗ بِالْمَلِكِ جَوَابًا لَهُمْ فَاُجِيْبَتْ فَجَاءَتْ بِاُمِّهٖ فَقَبِلَ ثَدْيَهَا وَاَجَابَتْهُمْ عَنْ قُبُوْلِهٖ بِاَنَّهَا طَيِّبَةُ الرِّيْحِ طَيِّبَةُ اللَّبَنِ فَاُذِنَ لَهَا بِاِرْضَاعِهٖ فِيْ بَيْتِهَا فَرَجَعَتْ بِهٖ كَمَا قَالَ تَعَالٰى **فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا** بِلِقَائِهٖ **وَلَا تَحْزَنَ** حِيْنَئِذٍ **وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ** بِرَدِّهٖ اِلَيْهَا **حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ** اَيِ النَّاسِ **لَا يَعْلَمُوْنَ**﴿۱۳﴾ بِهٰذَا الْوَعْدِ وَلَا بِاَنَّ هٰذِهٖ اُخْتُهٗ وَهٰذِهٖ اُمُّهٗ فَمَكَثَ عِنْدَهَا اِلٰى اَنْ فَطَمَتْهُ وَاُجْرِيَ عَلَيْهَا اُجْرَتُهَا لِكُلِّ يَوْمٍ دِيْنَارٌ وَاَخَذَتْهَا لِاَنَّهَا مَالُ حَرْبِيٍّ فَاَتَتْ بِهٖ فِرْعَوْنَ فَتَرَبّٰى عِنْدَهٗ كَمَا قَالَ تَعَالٰى حِكَايَةً عَنْهُ فِيْ سُوْرَةِ الشُّعَرَاءِ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ

۱۳ ع

ترجمہ:.........سورۂ قصص مکی ہے بجز آیت ان الذی فرض کے کہ وہ مقام جحفہ میں نازل ہوئی ہے اور بجز آیت الذین اٰتیناھم الکتٰب سے لا نبتغی الجاھلین تک اس میں کل آیات ۸۷ یا ۸۸ ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ طٰسم (اس کی قطعی مراد اللہ کو زیادہ معلوم ہے) یہ آیات روشن کتاب کی ہیں (اٰیات الکتاب میں اضافہ تو بواسطہ من ہے اور مبین کے معنی حق و باطل کو واضح

کرنا ہیں) ہم آپ کو موسیٰ وفرعون کا کچھ قصہ (خبر) ٹھیک ٹھیک (سچائی کے ساتھ) پڑھ کر سناتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں (یعنی خاص ان کے لئے کیونکہ یہی لوگ نفع اٹھاتے ہیں) بلاشبہ فرعون (مصر) کے ملک میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف طبقات میں بانٹ رکھا تھا (اپنی بیگار کے لئے مختلف ٹکڑیاں کر لی تھیں) ان میں سے ایک طبقہ (بنی اسرائیل) کا زور گھٹا رکھا تھا۔ ان کے لڑکوں کو (پیدا ہوتے ہی) مروا ڈالتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا (جینے دیتا تھا۔ بعض کاہنوں کی پیشنگوئی کرنے سے کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا ہوگا جو تیری سلطنت کی تباہی کا باعث بنے گا) واقعی وہ (قتل وغارت کر کے) بڑا ہی فسادی تھا اور ہمیں یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زور ملک میں گھٹایا جارہا ہے ہم ان پر احسان کریں اور انہیں پیشوا بنادیں (لفظ ائمہ اکثر قراء کے نزدیک دونوں ہمزہ کی تحقیق کرتے ہوئے اور نافع اور ابو عمرو اور ابن کثیر کے نزدیک پہلی ہمزہ کی یا سے تبدیلی ہے۔ بھلائی کے کاموں میں انہیں آگے بڑھایا جائے تا کہ لوگ ان کی پیروی کریں) اور ہم انہیں (سلطنت فرعون کا) مالک بنائیں اور (ملک شام میں) انہیں سلطنت بخش دیں اور فرعون وہامان اور ان کے لاؤلشکر کو دکھلا دیں (حمزہ اور علی کی قرأت میں لفظ یری یا مفتوح اور را مفتوح کے ساتھ آیا ہے اور تینوں الفاظ فرعون، ہامان، جنودھما مرفوع ہیں) ان کی جانب سے وہ واقعات جن سے وہ بچنا چاہتے تھے (لڑکے کے پیدا ہونے کے ڈر سے کہ کہیں اس کے ہاتھوں سے سلطنت نہ چھن جائے) اور ہم نے الہام کیا (وحی سے مراد الہام ہے یا خواب میں بتلا دینا) موسیٰ کی والدہ کو (کہ یہ وہی بچہ ہے۔ اس کے پیدا ہونے کی خبر ان کی بہن کے علاوہ کسی کو نہ ہوئی) کہ تم اسے دودھ پلاؤ۔ پھر جب تمہیں ان کی نسبت اندیشہ ہو تو اسے دریا (نیل) میں چھوڑ دینا اور (اس کے ڈوبنے) کا فکر نہ کرنا اور نہ (اس کی جدائی پر) رنج کرنا۔ ہم ضرور پھر اسے تمہارے پاس ہی پہنچا دیں گے اور انہیں پیغمبر بنائیں گے۔ (چنانچہ تین ماہ تک ان کی والدہ نے اس طرح دودھ پلایا کہ موسیٰ نے چوں تک نہ کی۔ انہیں بچہ کی نسبت ڈر پیدا ہوا تو انہوں نے ایک صندوق کے اندرونی حصہ میں تارکول لگا کر بستر بچھایا اور بچہ کو اس پر لٹا کر رات کے وقت دریائے نیل میں چھوڑ دیا۔ چنانچہ (اسی رات کی صبح) فرعون کے لوگوں (مددگاروں) نے موسیٰ کو اٹھا لیا (فرعون نے صندوق سامنے رکھ کر کھولا اور موسیٰ کو اس میں سے باہر نکالا جو اپنے انگوٹھے سے دودھ چوس رہے تھے) تا کہ وہ ان کے لئے (آخر کار) دشمن ثابت ہو (ان کے مردوں کو قتل کر کے) اور رنج کا باعث بنیں (ان کی عورتوں کو باندی بنا کر ایک قرأت میں لفظ حزناً ضمہ حا اور سکون زاء کے ساتھ ہے مصدر میں یہ دونوں لغت ہیں اور یہاں مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے۔ یہ ماخوذ ہے حزنہ اور احزنہ سے۔ بے شک فرعون اور (اس کا وزیر) ہامان اور لاؤلشکر سب بڑے خطاء کار تھے (لفظ خاطئین ماخوذ ہے خطیئۃ سے۔ یعنی نافرمان تھے۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں سزایاب ہوئے) اور فرعون کی بیوی بولیں جب کہ فرعون کے ملازمین نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا کہ یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل مت کرنا۔ عجب نہیں کہ یہ ہمیں کچھ فائدہ پہنچائے یا ہم اسے بیٹا بنالیں (پس ان لوگوں نے فرعون کی بیگم کا حکم مان لیا) اور انہیں کچھ خبر نہیں تھی (اپنے اور موسیٰ کے انجام کی) اور موسیٰ کی والدہ کا دل بے قرار ہو گیا (جب انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اٹھا لینے کا حال معلوم ہوا) یکسر (موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ سب سے فارغ) حقیقت میں (ان مشدد تھا جس کی تخفیف ہو گئی۔ اس کا اسم محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے انھا) قریب تھا کہ موسیٰ کی والدہ ان کا حال ظاہر کر دیتیں (کہ یہ میرا بیٹا ہے) اگر ہم ان کے دل کو اسی طرح سے مضبوط نہ کئے رہتے (انہیں صبر دلا کر یعنی ہم نے انہیں سکون بخشا) کہ وہ یقین کئے رہیں (اللہ کے وعدہ کو سچ سمجھ کر۔ لولا کا جواب محذوف ہے۔ جس پر پہلا جملہ دلالت کر رہا ہے) اور انہوں نے اس (موسیٰ علیہ السلام) کی بہن (مریم) سے کہا کہ اس (موسیٰ علیہ السلام) کا سراغ تو لگانا۔ یعنی پتہ لگانے کے لئے ان کے پیچھے پیچھے جاؤ۔ سو بہن نے اس (موسیٰ) کو دور سے اچٹتی نگاہ کے ساتھ فاصلہ سے)

دیکھا اور وہ لوگ بے خبر تھے (کہ مریم، موسیٰ کی بہن ہے اور اس کی ٹوہ میں لگی ہوئی ہے) اور ہم نے موسیٰ پر دایوں کی بندش پہلے ہی کر رکھی تھی۔ (موسیٰ کے اپنی والدہ کے پاس واپس آنے سے پہلے یعنی ماں کے علاوہ کسی بھی دودھیاری کے دودھ پینے سے روک دیا تھا۔ چنانچہ آنے والی دودھیاریوں میں سے کسی کا دودھ بھی موسیٰ علیہ السلام نے قبول نہیں کیا) سو (موسیٰ کی بہن) کہنے لگی کیا میں تم لوگوں کو ایسے گھرانہ کا پتہ بتلاؤں (جبکہ بہن نے بچہ کی طرف ان لوگوں کا جھکاؤ دیکھا) جو تمہارے لئے (دودھ پلا کر اور دوسری ذمہ داریاں اٹھا کر) پرورش کریں اور ساتھ ہی اس بچہ کے خیر خواہ بھی ہوں (لیکن بہن نے لہ کی ضمیر سے مراد بادشاہ بیان کیا جب ان سے پوچھا گیا۔ غرض کہ بہن کی نشاندہی منظور کر لی گئی اور وہ اپنی والدہ کو لے آئیں۔ چنانچہ بچہ فوراً ان کی چھاتی سے لپٹ گیا اور جب اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو والدہ نے جواب دیا کہ میری گود (اور دودھ بہترین ہے جس پر انہیں دودھ پلانے کے لئے بچہ کو اپنے گھر لے جانے کی اجازت مل گئی اور وہ اسے لے کر گھر واپس آ گئیں۔ اسی کو حق تعالیٰ بیان فرماتے ہیں) غرض ہم نے اس (موسیٰ) کو اس کی والدہ کے پاس واپس پہنچا دیا۔ تاکہ (ان کو پا کر) ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ (اب) غم میں نہ رہیں اور یہ کہ اس بات کو جان لیں۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ (بچہ کے انہیں واپس ملنے کا) سچا ہے۔ البتہ اکثر لوگ علم نہیں رکھتے (نہ اس وعدہ کا اور نہ اس کا یہ موسیٰ کی بہن اور یہ والدہ ہیں۔ چنانچہ موسیٰ پورے شیر خواری کے زمانے میں اپنی والدہ کے پاس رہے۔ اس طرح روزانہ ایک اشرفی بطور اجرت ملتی رہی اور وہ اسے قبول کرتی رہیں۔ کیونکہ وہ روپیہ حربی کافر کا تھا۔ پھر وہ فرعون کے پاس بچہ کو لے جا کر پرورش کرتی رہیں۔ جیسا کہ سورۃ الشعراء کی آیت الم نربك فينا وليداً ولبثت فينا من عمرك سنين میں حق تعالیٰ نے فرعون کی طرف سے نقل فرمایا ہے۔

تحقیق وترکیب:..........سورۃ القصص ۔ اس میں واقعات واخبار چونکہ بیان کئے گئے ہیں اس لئے قصص نام رکھا گیا یہ مصدر بمعنی اخبار ہے۔ اس سورت کا نام سورۂ موسیٰ بھی ہے۔

بالجحفة. بقول مقاتلؒ ہجرت کے موقعہ پر رات کو غار سے نکل کر عام راستہ سے ہٹ کر چلنے لگے۔ تاکہ دشمن تعاقب نہ کر سکے۔ اور پھر عام راستہ پر آ کر مقام جحفہ میں فروکش ہوئے تو مکہ کی سڑک نظر پڑی۔ جس سے وطن کا شوق ابھرا۔ اس پر تسلی کے لئے آیت ان الذی فرض. نازل ہوئی۔ جس میں معاد سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ اس لئے عازمین مسافروں کو رخصت کرتے ہوئے تفاولاً یہ آیت تلاوت کرتے ہیں۔ اس صورت میں یہ آیت نہ مکی ہے اور نہ مدنی بلکہ جحفہ میں نازل ہوئی۔

لیکن سعید نے حضرت ابن عباسؓ سے معاد سے مراد موت نقل کی ہے۔ اسی طرح مجاہدؒ اور عکرمہؒ اور زہریؒ اور حسنؒ سے معاد کے معنی قیامت کے منقول ہیں اور بعض نے ان الذین اٰتیناھم الکتاب آیت کا استثناء کیا ہے۔

نتلوا علیك اس کا مفعول محذوف بھی ہو سکتا ہے۔ جس کی صفت "من نبا موسی" ہوگی۔ تقدیر عبارت اس صورت میں اس طرح ہوگی۔ نتلوا علیك شیأً من نبا موسیٰ میں من تبعیضیہ ہے اور اخفشؒ کی رائے پر من زائد بھی ہو سکتا ہے اور بالحق اس لئے کہا کہ اسرائیلیوں میں یہ قصہ ناتمام مشہور تھا۔

بعض الکھنة. ابن جریرؒ، سدیؒ سے تخریج کرتے ہیں کہ فرعون نے خواب میں ایک آگ دیکھی جو بیت المقدس سے نکل کر سارے مصر میں پھیل گئی اور جہاں جہاں قبطی ہیں سب کے گھر جلا کر بھسم کر ڈالے۔ لیکن بنی اسرائیل کے مکانات محفوظ رہے۔ فرعون نے معبرین کو بلا کر خواب کی تعبیر پوچھی۔ انہوں نے وہی تعبیر دی جس کا ذکر مفسرؒ علام کر رہے ہیں۔ اس پر فرعون نے اسرائیلی بچوں کے قتل کے سخت احکامات نافذ کر دیئے اور بیگار لینے کے لئے لڑکیوں کو چھوڑ دیا۔

ونمکن. معرفہ کو دوبارہ ذکر کرنے سے اگرچہ پہلا ہی معرفہ مراد ہوتا ہے اور اس قاعدہ سے الارض سے مراد صرف مصر

ہونا چاہئے تھا۔ لیکن اول تو یہ قاعدہ یکسر نہیں اکثر ہے۔ دوسرے اسرائیلیوں کا استقرار بھی ملک شام رہا۔ اس لئے مفسرؒ نے شام ومصر دونوں مراد لئے ہیں۔

جنودھما. اس میں تغلیب ہے۔

اوحینا. قتادہؒ اس کی تاویل الہام کے ساتھ کرتے ہیں اور مقاتلؒ کہتے ہیں کہ جبرئیل متمثل ہوئے تھے اور بعض نے خواب میں یہ کہنا نقل کیا ہی۔ غرضیکہ اس پر سب کا تعلق ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پیغمبر نہیں تھیں۔ کیونکہ وہی عام معنی میں بھی مستعمل ہے۔ جیسے واوحی ربك الی النحل مطلقاً دل میں ڈال دینا۔

ام موسیٰ. ان کا نام یارخا، ایارخت نوحانذ۔ یوحانذ مختلف طریقہ سے ذکر کیا گیا ہے اور ثعلبی نے لوخابنت حاند بن لاوی بن یعقوب بتلایا ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ کا نام کلثوم یا کلثمہ ہے۔ اگر چہ ایک روایت میں مریم بھی آیا ہے۔

ولا تخافی. دوسری آیت میں فاذا خفت علیه ہے۔ جس سے خوف کا ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہاں لاتخافی سے نفی معلوم ہورہی ہے۔ مفسر علامؒ نے اس تعارض کو دور کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے غرقہ کہا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ غرق کے خوف کی نفی مراد ہے اور اثبات خوف سے ذبح کا خطرہ مراد ہے۔ پس تعارض نہیں رہا۔ خوف کہتے ہیں آئندہ خطرہ کو اور حزن کہتے ہیں گزشتہ رنج کو۔ گویا خوف ما آت کا نام ہے اور حزن مافات کو کہتے ہیں۔ اس آیت میں دوامر دونہی، دوخبر، دوبشارتیں ہیں جو انتہائی بلاغت ہے۔

لیکون. یعنی لام عاقبۃ کا ہے۔ لام علت نہیں ہے کیونکہ علت التقاط دوستی ہوا کرتی ہے نہ کہ دشمنی۔ آیت میں استعارہ تبعیہ ہے۔

حزنا. اس میں یہ دونوں لغت ہیں۔ حزنہ قریش کا لغت ہے اور احزنہ بنو تمیم کا لغت ہے۔ قاموس میں ہے کہ حزنہ الارض حزنا واحزنه جعله حزینا فهو محزون ومحزن وحزین کہا جاتا ہے اور صراح میں ہے حزنہ واحزنہ۔ بمعنی اندوہ گین کرد۔

فالتقطه. بطور لقطہ کے اٹھالیا۔ تاکہ بچہ ضائع نہ ہو۔

لیکون. اس میں استعارہ تہکمیہ ہے۔ کیونکہ بچہ کو اٹھانے کی اصل غرض محبت ودوستی ہوا کرتی ہے نہ کہ دشمنی۔

خطئین. اگر یہ لفظ خطیئۃ ہے تو گناہ کے معنی ہیں اور خطا سے ہو تو بمعنی غلطیں

امرأۃ فرعون. ان کا نام آسیہ بنت مزاحم بن عبید بن ریان بن ولید ہے جو حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں فرعون مصر تھا۔ نیز انبیاءؑ کی اولاد سے تھیں اور بہترین اوصاف کی مالک تھیں۔ فرعون نے گرچہ سخت قانون قتل نافذ کیا تھا، مگر انہوں نے کہا ہوگا کہ یہ بچہ بظاہر یہاں کا معلوم نہیں ہوتا۔ کہیں باہر دوسری بستی سے بہہ کر آیا ہوگا اور ممکن ہے بعد میں فرعون نے قانون کو نرم کرتے ہوئے ایک سال قتل کرنے اور ایک سال چھوڑ دینے کا حکم دیا ہو۔ اس پر آسیہ نے کہا ہو کہ یہ بچہ تو اس سال کا معلوم نہیں ہوتا، پچھلے سال کا ہوگا۔ اس لئے چھوڑ دیا جائے۔

قرت عین. یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے ای ھو قرۃ عین. دوسری بعید صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ یہ مبتداء ہو اور اس کی خبر لاتقتلوہ ہو اور قرۃ کی تفخیم شان کی وجہ سے آسیہ نے لنا کی بجائے لی ولك کہا اور چونکہ فرعون کو بہ نسبت اپنے آسیہ کی خاطر زیادہ عزیز تھی، اس لئے وہ زیادہ اظہار محبت کررہا تھا۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آسیہ نے لی ولك کہہ کر خود کو مقدم ذکر کیا تاکہ فرعون ان کی خاطر قتل کے منصوبہ سے باز رہے۔ اس کے برعکس کہنے میں یہ نکتہ نہ ہوتا۔ غرض کہ آسیہ نے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دونوں کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کہا تھا۔ مگر فرعون بولاقرۃ عین لك لالی. حدیث میں ہے کہ اگر فرعون آسیہ کے جواب میں لی ولك کہہ لیتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام دونوں کے لئے قرۃ عین ہوتے۔

لاتقتلوہ. اس کا مخاطب اگر صرف فرعون ہو جمع تعظیم کے لئے ہے۔ ورنہ تغلیباً اپنی اصل پر ہے۔ چاہے وہاں اس وقت درباری نہ ہوں۔

ان ینفعنا. حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرہ بشرہ سے ہونہار ہونے کے آثار محسوس کر کے آسیہ یہ بولیں۔ مشہور ہے کہ ہونہا بروا کے چکنے چکنے پات۔

لایشعرون. حق تعالیٰ کا ارشاد ہے یا آسیہ کا مقولہ ہے۔ علمائے معانی وبیان اس آیت کی بلاغت سے بڑے ہی لطف اندوز ہوتے ہیں۔

فارغا. حاکم اور ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے اس کے معنی خالی کے بیان کئے ہیں۔ ای خالیا عن الصبر اور ابوعبیدہؒ اس کے معنی قرار دل کے لیتے ہیں۔ لیکن طبریؒ تمام اقوال کے مخالف ہونے کی وجہ سے اس کی تردید کرتے ہیں۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ شیطان حضرت موسیٰؑ کی والدہ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ فرعون تمہارے فرزند کو مار ڈالے گا اور پھر تمہارے ہاتھوں فرعون غرق ہو کر ہلاک ہوگا۔ وہ یہ سن کر اس قدر ملول اور رنجیدہ ہوئیں کہ ہمہ تن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں فکرمند اور منہمک ہوگئیں اور انہیں وعدۂ الٰہی کا دھیان بھی نہ رہا۔

لتبدی. یعنی مارے شدت خوشی یا شدت رنج کے راز کھول دینے کے قریب ہوگئیں۔ چونکہ لفظ بتدی تصرح کے معنی کو متضمن ہے۔ اس لئے با کے ذریعہ تعدیہ کیا گیا ہے اور بقول سمین با زائد بھی ہوسکتی ہے۔ لیکن باسبیہ ہوسکتی ہے اور مفعول محذوف ہو اور ضمیر بہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یا وحی کی طرف راجح ہو۔

جواب لولا. تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ لابدت بانه ابنها۔

لاخته. حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خدیجہؓ سے فرمایا۔ اشعرت ان اللّٰہ زوجنی معک فی الجنة ومریم بنت عمران وکلثوم اخت موسیٰ واسیة امرأة فرعون فقالت اللّٰہ اخبرک بذٰلک فقال نعم فقالت بالرفاء والبنین۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان کا نام کلثوم تھا اور لبنتها کی بجائے لاخته اس لئے کہا کہ امتثال حکم کا مدار جس جہت پر ہے اس کی تصریح ہو جائے۔

حرمنا. تحریم شرعی مراد نہیں۔ کیونکہ بچہ مکلّف نہیں ہوتا بلکہ بطور مجاز یا استعارہ کے ممانعت کے معنی میں ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کسی کافر عورت کے بجائے ماں باپ کے پاس رکھ کر انہی کے دودھ سے پرورش کرانا چاہتے تھے۔

مراضع. محل رضاع۔ پستان کے معنی ہیں اور مرضع دودھیاری کے معنی بھی ہوسکتے ہیں۔ تذکیر تانیث کی اس میں ضرورت نہیں۔ اس لئے مرضع اور مرضعۃ دونوں برابر ہیں۔

لہ ناصحون. جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے یہ کہا تو ہامان اور فرعونیوں کو شبہ ہوا کہ یہ بچہ کو جانتی ہے۔ اس لئے ان سے بچہ کے گھر والوں کی نشاندہی چاہی۔ مگر انہوں نے فوراً بطور توریہ کہا کہ میری مراد تولہ سے فرعون ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی گود میں رو رہے تھے اور وہ انہیں بہلا رہا تھا۔ جوں ہی ان کی والدہ سامنے آئیں فوراً چپ ہوگئے۔ اس پر بھی لوگوں کو شبہ ہوا کہ ہونہ ہو بچہ انہی کا معلوم ہوتا ہے۔ مگر انہوں نے کہا کہ میری گود صاف اور دودھ عمدہ ہے۔ اس لئے سب ہی بچے میرے پاس آ کر خوش اور مانوس ہو جاتے ہیں۔ اس طرح بات آئی گئی ہوگئی اور ایک ہفتہ کی پریشانی دور ہوگئی۔

فطمته. دودھ چھڑانا۔

واخذتها. حاصل جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے یہ مال دودھ پلانے کی اجرت کے طور پر نہیں لیا بلکہ مال حربی ہونے کی وجہ سے لیا جو مباح ہے۔ اس لئے کوئی شبہ نہ رہا۔

ربط آیات:............ اس سے پہلی سورت (نمل) کے آخر میں تلاوت قرآن کا حکم مذکور ہے۔ سورۂ قصص کا آغاز بھی حقیقت قرآن سے کیا گیا ہے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مفصل واقعات کا تذکرہ ہے۔ آدھی سورت تک حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعات چلے گئے اور آخر سورت کے قریب حضرت موسیٰ اور قارون کے واقعات ذکر فرمائے ہیں۔ جس سے سورہ نمل کی آخری آیت ومن ضل الخ کے ساتھ بھی اور اس طرح دونوں سورتوں میں فی الجملہ ارتباط ہو جاتا ہے۔

﴿تشریح﴾:............ مومنین سے مراد عام ہے، خواہ حقیقۃً مومن ہوں یا ان میں ایمان کی طلب ہو۔ کافر ہی سہی۔ مگر ضدی اور ہٹ دھرم نہ ہوں۔ ان پر حق واضح ہو جائے تو وہ ایمان قبول کرلیں۔ اولاً آیت ان فرعون الخ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی اجمالی تفصیل اور پھر آیت واوحینا الی موسیٰ شرح وبسط کے ساتھ اس کی تفصیلات ذکر کی جارہی ہیں۔ فرعون نے ملکی باشندوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ قبطیوں کو ہر قسم کے اعزازات سے نوازتا تھا اور سبطیوں (اسرائیلیوں) کو نیچ سمجھ کران سے بیگار لیتا تھا۔ حق تعالیٰ کا منشا اس کے نقل کرنے سے مسلمانوں کو تسلی دینا ہے کہ جس طرح حق تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کمان میں بنی اسرائیل کو باوجودیکہ وہ کمزور تھے مظفر ومنصور فرمایا، اس طرح مسلمان جو فی الحال مکہ میں ناتواں اور ضعیف ہیں آنحضرت ﷺ کے زیر کمان رہ کر ایک وقت آئے گا کہ اپنے بے شمار اور طاقتور حریفوں پر فتح پائیں گے۔

فرعون کا خواب اور اس کی تعبیر:............ فرعون نے ایک ڈراؤنا خواب دیکھا۔ جس کی تعبیر نجومیوں نے یہ دی کہ کسی اسرائیلی کے ہاتھوں تیری سلطنت چھن جائے گی۔ اس لئے اس خطرہ کی پیش بندی اور سد باب کے لئے یہ ظالمانہ اور احمقانہ منصوبہ بنایا کہ اسرائیلیوں کو کمزور کرتے رہنا چاہئے تاکہ ان میں سیاسی شعور ہی پیدا نہ ہو سکے اور حکومت کے مدمقابل نہ آسکیں۔ چنانچہ اس منصوبہ کے مطابق پہلے تو یہ اسکیم جاری کی کہ اسرائیلی لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالا جائے۔ چنانچہ کتنے ہی معصوم بچے اس طرح اس کے ظلم کا شکار ہوئے۔ مگر پھر جب خدمت گاروں کی کمی کا اندیشہ ہوا ہوگا تو ایک سال قتل کرنے اور ایک سال قتل نہ کرنے کی ترمیم منظور کری۔ البتہ لڑکیوں سے اس زمانہ میں کسی سیاسی یا غیر سیاسی تحریک کا اندیشہ نہیں تھا۔ بلکہ انہیں باندیاں بنا کر رکھنے کا مفاد سامنے تھا۔ نیز ان کے زندہ رکھنے میں اسرائیلیوں کی تذلیل کے مواقع بھی ملتے تھے۔ اس لئے انہیں قتل نہیں کیا۔

اور حافظ ابن کثیرؒ کا کہنا ہے کہ اسرائیلی حضرت ابراہیمؑ کی ایک پیش گوئی بیان کیا کرتے تھے کہ سلطنت مصر کی تباہی ایک اسرائیلی جوان کے ہاتھ پر مقدر ہے۔ فرعون نے سنا تو تقدیری فیصلہ کو بدلنے کے لئے ظلم کی یہ انوکھی مشین ایجاد کی۔ جس کی سرشت میں ظلم وستم ہو اسے کیا جھجک ہو سکتی تھی۔ کبر وغرور، دولت وسلطنت کے نشہ میں جو جی میں آیا بے سوچے سمجھے کر گزرا۔

فرعون کی بدتدبیری پر قدرت ہنس رہی ہوگی:............ ایک طرف فرعون نوشتہ تقدیر بدلنے پر آمادہ تھا۔ دوسری طرف قدرت اس پر ہنس رہی تھی۔ اللہ کا فیصلہ زیردستوں کو زبردست بنا کر اور گرے ہوؤں کو اٹھا کر انقلاب لانے کا تھا۔ وہ متکبروں اور ظالموں سے سرزمین مصر کو خالی کر کے پسی ہوئی اور آفت رسیدہ قوم بنی اسرائیل کے سر پر تاج رکھ دینا چاہتا تھا۔ اللہ کا ارادہ غالب ہوا اور دینی سیادت کے ساتھ مظلوم قوم تاج وتخت کی مالک بنی اور بنی اسرائیل جو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور فرعون کے

ساتھ اس کا وزیر ہامان بھی اس کا شریک ظلم وستم اور آلہ کار بنا ہوا تھا۔ دونوں ناانصافی کی چکی میں ان کو پیس رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دینی سیاسی کمان کے نیچے آزادی اور رہائی نصیب ہوئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اعلیٰ پرورش کے لئے دشمن کی گود منتخب کی گئی: ....ما کانوا یحذرون کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح خطرہ کی وجہ سے انہوں نے لاکھوں اسرائیلی بچوں کو تہ وتیغ کر ڈالا تھا۔ اللہ نے چاہا کہ وہی خطرہ ان کے سامنے آئے۔ فرعونی حکومت کی پوری مشینری حرکت میں آ گئی کہ کس طرح اس بچہ سے نجات مل جائے جس کے ہاتھوں ان کی تباہی مقدر تھی مگر تقدیر الٰہی کہاں ٹلنے والی تھی۔ وہ بچہ اسی کے محلات میں، اسی کی گود میں پلا اور شاہانہ ناز برداریوں کے ساتھ پلا، تا کہ معلوم ہو جائے کہ خدائی نظام کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام ہوا یا خواب دیکھا یا کسی اور طریقہ سے انہیں بتلا دیا گیا کہ بے کھٹکے بچے کو دودھ پلاتی رہیں اور جب کوئی اندیشہ ہو تو بحفاظت تابوت میں رکھ کر دریائے نیل میں چھوڑ دیں۔ بچہ ضائع نہیں ہوگا اور بچہ کی عارضی جدائی سے غمگین مت ہونا، وہ بہت جلد تمہاری آغوش شفقت میں پہنچا دیا جائے گا۔ وہ منصب رسالت پر فائز ہوگا۔ اس سے بڑے بڑے کام لینے ہیں۔ اس سلسلہ کی تمام رکاوٹیں دور کر دی جائیں گی۔

ماں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ تابوت بہتا ہوا ایسی جگہ جا لگا جہاں سے آسیہ نے دیکھ لیا۔ بچہ کی موہنی صورت دیکھ کر تڑپ اٹھی اور فرعون سے با اصرار لے پالک بنا لینے پر اصرار کیا۔ فرعون کو کیا خبر تھی کہ جس کے ڈر سے ہزاروں معصوم بچوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہوں، وہ یہی بچہ ہے جسے بڑے چاؤ، پیار سے پال پوس کر اپنی تباہی کو دعوت دے رہا ہوں۔ فرعونی بڑے ہی چوکے کہ لاکھوں بچوں کو جس شبہ مین قتل کیا، اسی شبہ کو پروان چڑھایا، اور کیسے نہ چوکتے۔ کیا خدائی تقدیر کو بدل سکتے تھے۔ ان کی بڑی چوک تو یہ تھی کہ انسانی تدابیر سے تقدیر الٰہی کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے

وھم لایشعرون کا مطلب یہ ہے کہ انہیں یہ تو خبر نہ تھی کہ بڑا ہو کر یہ بچہ کیا کرے گا؟ یہ سمجھے کہ کسی بیرونی شہر سے یہ تابوت بہہ کر آیا ہوگا۔ یا یہیں کسی اسرائیلی نے ڈر کے مارے پھینک دیا ہوگا۔ مگر ایک لڑکے کو نہ مارا تو کیا ہوا۔ یہ کیا ضرور ہے کہ جس بچہ سے ہم ڈر رہے ہیں، یہ وہی بچہ ہے۔ بلکہ امید ہے کہ ہماری پرورش کے زیر اثر رہے گا اور ہمارے احسانات کے تلے دبا رہے گا۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم سے ہی دشمنی کرنے لگے۔ مگر انہیں کیا پتہ تھا کہ وہ اپنے دشمن کو پال رہے ہیں۔ وہ اس کا دوست ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ جب تم اس کے غدار ہو تو پھر وہ تمہارا مخالف کیوں نہیں ہوگا۔ فرعون کا قانون قتل اگرچہ سب سے بڑی رکاوٹ تھا، مگر القیت علیک کے پردہ میں مشیت الٰہی کارفرما تھی۔ جو بھی بچہ کو دیکھتا تھا، اسے بے اختیار پیار آتا تھا۔

ان وعد اللہ حق. یعنی جس طرح حیرت انگیز طریقہ پر ہم نے ماں کے پاس پہنچا دینے کا وعدہ پورا کر دکھایا ہے، اسی طرح وجاعلوہ من المرسلین کے وعدہ کو بھی سمجھنا چاہئے کہ پورا ہو کر رہے گا۔ کیونکہ اللہ کا وعدہ پورا ہو کر ہی رہتا ہے۔ البتہ بیچ میں جو بعض دفعہ بڑے بڑے پھیر پڑ جاتے ہیں ان کی وجہ سے کچھ لوگ بے یقین ہونے لگتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور بہن کی دانشمندی: ....واصبح فؤاد کا مفہوم یہ ہے کہ حکم الٰہی کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ انہیں پانی میں تو ڈال آئیں مگر ماں کی ممتا کہاں چین سے رہنے دیتی۔ دل سے قرار جاتا رہا۔ رہ رہ کر بچہ کی یاد آتی رہی۔ موسیٰ علیہ السلام کی یاد کے سوا کوئی چیز دل میں باقی نہ رہی۔ قریب تھا کہ صبر وضبط کا رشتہ ہاتھ سے چھوٹ

جائے اور راز اگل دیں۔ لیکن اللہ نے عین وقت پر مدد کی اور ان کے دل کو تھام لیا اور وہ سنبھل گئیں۔ اس طرح قبل از وقت راز نہ کھل سکا اور نوشتۂ الٰہی سربستہ رہا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اندرونی ہلچل کو دباتے ہوئے ان کی بہن کو ٹوہ میں لگا دیا کہ وہ اس تماشہ کو بڑی احتیاط سے دیکھے۔ لڑکی ہوشیار تھی۔ وہ اجنبی بن کر حالات کا مطالعہ کرتی رہی اور ماں کو تازہ حالات سے روشناس کراتی رہی۔ ادھر موقعہ بہ موقعہ مناسب رنگ بھرتی رہی کہ کسی کو ہوا تک نہ لگی کہ یہ بچہ کی بہن ہے۔

حرمنا علیه المراضع. دودھیاری کی تلاش شروع ہوئی۔ مختلف دائیاں طلب ہوئیں۔ مگر قدرت نے بچہ پر بندش لگادی۔ جس کی وجہ سے وہ ماں کے سوا کسی کا دودھ نہ پکڑ سکیں۔ اس کشمکش اور تگ و دو میں موسیٰ کی بہن نے نہایت ہوشیاری سے ایک بہترین دایہ کی پیش کش کی اور کہا کہ نہایت شریف گھرانہ ہے۔ شاہی خاندان کا خیر خواہ ہے۔ لڑکی کی نشاندہی پر ان کی والدہ کی طلبی ہوئی۔ بچہ کا چھاتی سے لگانا تھا کہ دودھ پینا شروع کر دیا۔ سب کو غنیمت معلوم ہوا کہ بچہ نے ایک عورت کا دودھ پینا شروع کر دیا ہے۔ دھوم دھام سے خوشیاں منائی گئیں اور کسی کو خیال بھی نہ گزرا کہ یہ کیا عجوبہ ہے۔ انعام و اکرام لے کر دودھیاری نے اپنا گھر چھوڑ کر شاہی محل میں رہنے سے کوئی مجبور ظاہر کی۔ مرتا کیا نہیں کرتا۔ سب کو خاموش ہو جانا پڑا اور بخوشی بچہ کو گھر لے جانے پر رضامندی دی گئی۔ اس طرح وعدہ الٰہی پورا ہو کر رہا اور شاہی روزینہ مفت ہاتھ آیا۔

موسیٰ کی بہن نے جب **وهم له ناصحون** کہا تو بقول ابن جریج لوگوں کو شبہ ہوا کہ یہ لڑکی بچہ اور بچہ والوں کو پہچانتی ہے۔ مگر لڑکی نے فوراً ذہانت سے بات کا رخ بدل دیا کہ میری مراد شاہی خیر خواہی تھی۔ علم بدیع میں اس کو موجہ کہتے ہیں۔ دوسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ میری مراد یہ تھی کہ وہ گھرانہ اپنی فطری شرافت اور جبلت سے بچہ کا ہمدرد ہوتا ہے۔

دودھ پلانے کی اجرت:......... درِ منثور کی مرفوع وموقوف روایت کی بناء پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دودھ پلانے کی اجرت لینے پر شبہ ہوتا ہے کہ وہ تو ماں پر واجب ہے اور واجب پر اجرت لینا جائز نہیں۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ان کی شریعت میں جائز ہوگی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ کافر حربی کا مال اس کی رضامندی سے لینا کسی بھی طریقہ سے ہو ہمارے یہاں بھی جائز ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس وقت وہاں کسی شریعت کا وجود نہیں تھا۔ انہوں نے جو کچھ کیا وہ محض اپنی رائے سے کیا ہے اور شریعت کے حکم سے پہلے کوئی کام کرنا قابل خلاف نہیں ہے۔ پھر ممکن ہے اجرت نہ لینے کی صورت میں ان پر ماں ہونے کا شبہ گزرتا۔ اس لئے لے لینے میں مصلحت سمجھی۔

ان وعدالله حق. یعنی جس طرح حیرت انگیز طریقہ پر ہم نے ماں کے پاس پہنچا دینے کا وعدہ پورا کر دکھایا ہے، اسی طرح **وجاعلوه من المرسلین** کے وعدہ کو بھی سمجھنا چاہئے کہ پورا ہو کر رہے گا۔ کیونکہ اللہ کا وعدہ پورا ہو کر ہی رہتا ہے۔ البتہ بیچ میں جو بعض دفعہ بڑے بڑے پھیر پڑ جاتے ہیں، ان کی وجہ سے کچھ لوگ بے یقین ہونے لگتے ہیں۔

لطائف سلوک:......... آیت **نرید ان نمن** سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبر کے زائل ہونے سے فضل الٰہی کی رکاوٹ دور ہو جاتی ہے اور مرتبہ امامت حاصل ہو جاتا ہے جو فضل کا فرد اعلیٰ ہے۔

لاتخافی الخ نقصانات کے خطرات سے جو خوف وحزن پیش آتا ہے وہ اگرچہ اختیاری اور عقلی ہے لیکن اس میں طبعی غیر اختیاری خوف وحزن بھی شامل ہوسکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ممکن تھا کہ اس اختیاری خوف سے بھی بچنے کا اہتمام نہ

کرتیں۔اس لئے تنبیہ کی گئی کہ اس اختیاری خوف سے بچنے کا اہتمام کریں۔پس سالکین کو بعض دفعہ اختیاری اور غیر اختیاری کے ساتھ اور اسی طرح طبعی غیر اختیاری وعقلی اختیاری کے ساتھ مشتبہ ہو جاتا ہے۔اس میں فرق کرنا ضروری ہے۔

قرت عین لی اس سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ کی محبت اگر چہ طبعی ہو، تاہم ایمان وہدایت کے لئے مفید ہوتی ہے۔بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو۔

ام موسیٰ فارغا سے معلوم ہوا کہ کاملین میں بھی طبعی امور ابھر آتے ہیں۔اس پر مغموم نہیں ہونا چاہئے۔البتہ کاملین ان طبعی امور کے تقاضوں پر عمل نہیں کرتے۔نیز **لو لا ان ربطنا** سے یہ معلوم ہوا کہ صرف انسانی قوت اخلاق کی تکمیل کے لئے کافی نہیں ہوتی بلکہ اس کا مدار امداد الٰہی پر ہے۔

آیت **لاخته قصيه الخ** سے معلوم ہوا کہ اعتدال کے ساتھ تدبیر توکل کے منافی نہیں۔

آیت **لتعلم ان وعدالله حق** سے معلوم ہوا کہ مشاہدہ کے بعد جو اطمینانی کیفیت حاصل ہوتی ہے وہ مشاہدہ سے پہلے نہ ہوتو وہ کمال ایمان کے منافی نہیں۔چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام کے ذریعہ کمال ایمان، وعدۂ الٰہی کے مشاہدہ سے پہلے بھی حاصل تھا۔البتہ اب اس مین اطمینانی کیفیت مزید ہوگئی۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَهُوَ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً اَوْ وَثَلٰثٍ **وَاسْتَوٰٓى** اَىْ بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً **اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا** حِكْمَةً **وَّعِلْمًا** فِقْهًا فِى الدِّيْنِ قَبْلَ اَنْ يُّبْعَثَ نَبِيًّا **وَكَذٰلِكَ** كَمَا جَزَيْنَاهُ **نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٤﴾** لِاَنْفُسِهِمْ **وَدَخَلَ** مُوْسٰى **الْمَدِيْنَةَ** مَدِيْنَةَ فِرْعَوْنَ وَهِىَ مُنَفٌ بَعْدَ اَنْ غَابَ عَنْهُ مُدَّةً **عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا** وَقْتَ الْقَيْلُوْلَةِ **فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ** اَىْ اِسْرَائِيْلِىٌّ **وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ** اَىْ قِبْطِىٌّ يُسَخِّرُ الْاِسْرَائِيْلِىَّ لِيَحْمِلَ حَطَبًا اِلٰى مَطْبَخِ فِرْعَوْنَ **فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِىْ مِنْ عَدُوِّهٖ** فَقَالَ لَهٗ مُوْسٰى خَلِّ سَبِيْلَهٗ فَقِيْلَ اِنَّهٗ قَالَ لِمُوْسٰى لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَحْمِلَهٗ عَلَيْكَ **فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى** اَىْ ضَرَبَهٗ بِجُمْعِ كَفِّهٖ وَكَانَ شَدِيْدَ الْقُوَّةِ وَالْبَطْشِ **فَقَضٰى عَلَيْهِ** اَىْ قَتَلَهٗ وَلَمْ يَكُنْ قَصْدُ قَتْلِهٖ وَدَفَنَهٗ فِى الرَّمْلِ **قَالَ هٰذَا** اَىْ قَتْلُهٗ **مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ** اَلْمُهَيِّجِ غَضَبِىْ **اِنَّهٗ عَدُوٌّ** لِابْنِ اٰدَمَ **مُّضِلٌّ** لَهٗ **مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾** بَيِّنُ الْاِضْلَالِ **قَالَ** نَادِمًا **رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ** بِقَتْلِهٖ **فَاغْفِرْ لِىْ فَغَفَرَ لَهٗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿١٦﴾** اَىِ الْمُتَّصِفُ بِهِمَا اَزَلًا وَاَبَدًا **قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ** بِحَقِّ اِنْعَامِكَ **عَلَىَّ** بِالْمَغْفِرَةِ اَعْصِمْنِىْ **فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا** عَوْنًا **لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٧﴾** اَلْكَافِرِيْنَ بَعْدَ هٰذِهٖ اِنْ عَصَمْتَنِىْ **فَاَصْبَحَ فِى الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ** يَنْتَظِرُ مَا يَنَالُهٗ مِنْ جِهَةِ الْقَتِيْلِ **فَاِذَا الَّذِى اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ** يَسْتَغِيْثُ بِهٖ عَلٰى قِبْطِىٍّ اٰخَرَ **قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِىٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٨﴾** بَيِّنُ الْغَوَايَةِ لِمَا فَعَلْتَهٗ اَمْسِ وَالْيَوْمَ **فَلَمَّآ اَنْ** زَائِدَةٌ **اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِىْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا** لِمُوْسٰى وَالْمُسْتَغِيْثِ بِهٖ **قَالَ** الْمُسْتَغِيْثُ ظَانًّا

اَنَّہٗ یَبۡطِشُ بِہٖ لَمَّا قَالَ لَہٗ یٰمُوۡسٰۤی اَتُرِیۡدُ اَنۡ تَقۡتُلَنِیۡ کَمَا قَتَلۡتَ نَفۡسًا بِالۡاَمۡسِ ٭ اِنۡ مَا تُرِیۡدُ اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَ جَبَّارًا فِی الۡاَرۡضِ وَمَاتُرِیۡدُ اَنۡ تَکُوۡنَ مِنَ الۡمُصۡلِحِیۡنَ ﴿۱۹﴾ فَسَمِعَ الۡقِبۡطِیُّ ذٰلِکَ فَعَلِمَ اَنَّ الۡقَاتِلَ مُوۡسٰی فَانۡطَلَقَ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ فَاَخۡبَرَہٗ بِذٰلِکَ فَاَمَرَ فِرۡعَوۡنُ الذَّبَّاحِیۡنَ بِقَتۡلِ مُوۡسٰی فَاَخَذُوا الطَّرِیۡقَ اِلَیۡہِ قَالَ تَعَالٰی وَجَآءَ رَجُلٌ ھُوَمُؤۡمِنُ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ مِّنۡ اَقۡصَا الۡمَدِیۡنَۃِ اٰخِرِھَا یَسۡعٰی یُسۡرِعُ فِیۡ مَشۡیِہٖ مِنۡ طَرِیۡقٍ اَقۡرَبَ مِنۡ طَرِیۡقِہِمۡ قَالَ یٰمُوۡسٰۤی اِنَّ الۡمَلَاَ مِنۡ قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ یَاۡتَمِرُوۡنَ بِکَ یَتَشَاوَرُوۡنَ فِیۡکَ لِیَقۡتُلُوۡکَ فَاخۡرُجۡ مِنَ الۡمَدِیۡنَۃِ اِنِّیۡ لَکَ مِنَ النّٰصِحِیۡنَ ﴿۲۰﴾ فِی الۡاَمۡرِ بِالۡخُرُوۡجِ فَخَرَجَ مِنۡہَا خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ ۫ لُحُوۡقَ طَالِبٍ اَوۡغَوۡثَ اللّٰہِ اِیَّاہُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۲۱﴾ قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ

ع ۲/۸ ۵

ترجمہ:.......... اور موسیٰ علیہ السلام جب اپنی پختگی کو پہنچ گئے (تیس یا تینتیس سال کی عمر ہوگئی) اور پورے طور پر سنبھل گئے (چالیس سال کے ہوگئے) ہم نے انہیں حکمت اور علم (نبوت سے پہلے جتنی سمجھ بوجھ) عطا کیا اور ہم اسی طرح (جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بدلہ عطا کیا۔ نیکو کاروں کو صلہ دیا کرتے ہیں اور (موسیٰ علیہ السلام) شہر میں (فرعون کی بستی منف مراد ہے۔ جس میں ایک مدت بعد پھر آئے) داخل ہوئے۔ ایسے وقت کہ وہاں کے باشندے (دوپہر کو سونے میں) بے خبر تھے تو انہوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے پایا، ایک تو ان میں سے ان کی (اسرئیلی) برادری کا تھا اور ایک ان کے مخالفین میں سے تھا (یعنی قبطی جو اسرائیلی پر فرعون کے مطبخ کی کڑیاں بیگار اٹھوائے ہوئے تھا) سو ان کی برادری کے آدمی نے اس کے مقابلہ میں دادخواہی چاہی جو اس کے مقابلہ میں مخالفین سے تھا (حضرت موسیٰ نے اس سے کہا کہ اس کو بیگار سے چھوڑ دے۔ اس پر بعض کی رائے ہے کہ وہ بولا کہ اے موسیٰ پھر کیا تم پر اس گٹھے کو لاددوں؟) سو موسیٰ نے اس کے گھونسہ مارا (یعنی بھرپور مکہ رسید کر دیا۔ اور حضرت موسیٰ بڑے طاقتور مضبوط تھے) سو اس کا کام تمام کر دیا (یعنی اسے ان سے مار ڈالا۔ حالانکہ انہوں نے ارادۃً ایسا نہیں کیا۔ پھر اس کی نعش کو ریت میں چھپا دیا) موسیٰ بولے یہ (قتل) تو شیطانی حرکت ہوگئی (غصہ کے ہیجان سے یہ ہوا) بلاشبہ شیطان (انسان کا) دشمن کھلم کھلا بہکانے والا ہے۔ عرض کیا (شرمندہ ہوتے ہوئے) اے میرے پروردگار مجھ سے (اس کے مارنے کا) قصور ہوگیا۔ سو بخش دیجئے۔ پھر انہیں بخش دیا۔ بلاشبہ وہی ہے بڑا بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا (یعنی ان خوبیوں سے ہمیشہ متصف رہتا ہے) موسیٰ نے عرض کیا اے میرے پروردگار آپ نے مجھ پر جو انعام کیا ہے (اس کا واسطہ، میری مغفرت کر کے مجھے بچائیے) سو میں مجرموں کی مدد نہیں کروں گا (اگر آپ نے مجھے بچا لیا تو میں کافروں کی مدد نہیں کروں گا) موسیٰ کو شہر میں صبح ہوئی خوف اور دہشت کی حالت میں دیکھئے مقتول کی جانب سے کیا کچھ ہوتا ہے کہ اتنے میں وہی شخص جس نے گذشتہ کل ان سے مدد چاہی تھی وہ پھر انہیں پکار رہا ہے (کسی دوسرے قبطی کے مقابلہ میں دہائی دے رہا ہے) موسیٰ اس سے فرمانے لگے تو ہی بڑا بدراہ ہے (کل اور آج کی کارروائی کی رو سے نہایت غلط کار ہے) پھر جب (موسیٰ نے) اس پر (ان زائد ہے) ہاتھ بڑھایا جو ان دونوں (موسیٰ اور فریادی) کا مخالف تھا تو (اسرائیلی) بول اٹھا کہ (فریادی یہ سمجھا کہ موسیٰ فریاد کے جواب میں اسے پکڑیں گے) اے موسیٰ کیا اب مجھے قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کل ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو۔ پس تم دنیا میں اپنا زور بٹھلانا چاہتے ہو اور صلح کروانا نہیں چاہتے (قبطی نے جب یہ ماجرا سنا تو سمجھ گیا کہ قاتل موسیٰ ہی ہیں فوراً ہی فرعون کے پاس جا شکایت کی۔ فرعون نے جلادوں کو حکم دیا کہ موسیٰ کو مار ڈالا جائے۔ چنانچہ ان کو گرفتار کرنے کے لئے سپاہی دوڑے) حق تعالیٰ فرماتے ہیں) اور ایک صاحب (قبطی مسلمان) شہر

کے (آخری) کنارے سے دوڑے ہوئے آئے (نزدیک راستہ سے بھاگ کر) کہنے لگے اے موسیٰ اہل دربار (فرعون کے درباری) آپ کے متعلق مشورہ کررہے ہیں (تمہاری نسبت سوچ بچار کررہے ہیں) کہ آپ کو قتل کردیں سو آپ (شہر سے) بھاگ جائیے۔ میں آپ کی خیر خواہی کررہا ہوں (شہر سے نکل جانے کا مشورہ دے کر) چنانچہ (موسیٰ) وہاں سے نکل کھڑے ہوئے خوف وامید کے ساتھ (کسی پکڑنے والے کے آ پہنچنے سے یا تائید غیبی سے) کہنے لگے اے میرے پروردگار مجھے ان (فرعونی) ظالموں سے بچالیجئے۔

تحقیق وترکیب:.......... اشد. جمع شدت کی جیسے انعم جمع نعمت کی ہے۔ کمال قوت وعقل مراد ہے۔

استوی. عمر کی پختگی مراد ہے جو چالیس سال میں ہوتی ہے۔ اکثری طور پر یہی سال نبوت ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مصر میں تیس ۳۰ سال اور مدین میں دس ۱۰ سال قیام رہا۔ واقعہ قتل مدین کو روانگی سے پہلے ہوا تھا۔ مجاہدؒ بلوغ اشد تینتیس سال اور زمانہ استوی چالیس سال مانتے ہیں۔ اور ابن عباسؓ زمانہ اشد اٹھارہ سے تیس سال اور زمانہ استویٰ تیس سے چالیس سال کے درمیان مانتے ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اشخاص واحوال، زمان ومکان کے لحاظ سے کمال قوت وعقل پر مدار ہے نہ کہ عمر کے تعیین پر۔

قبلک ان یبعث. مدین سے بیوی کے ساتھ واپسی پر نبوت وہمکلامی سے سرفراز ہوئے۔

منف. علمیت وعجمہ یا تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ مصر سے دو فرسخ کے فاصلہ پر فرعون کا شہر ہے قاہرہ سے ۱۲ میل جانب جنوب میں اپنے زمانہ کا بڑا نامور شہر تھا۔ اب مطریۃ اس جگہ پر ہے۔

علیٰ حین غفلة. علیٰ بمعنی فی ہے۔ بعض نے مغرب وعشاء کا درمیانی وقت کہا ہے۔ اس وقت پوشیدہ طریقہ سے آنے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ کو فرعون کا شہزادہ کہا جاتا تھا۔ اسی لئے وہ شاہی لباس اور شاہی سواری استعمال کرتے تھے۔ ایک روز حضرت موسیٰ کی غیر موجودگی میں فرعون سوار ہوکر کہیں نکلا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے آکر معلوم کیا تو وہ بھی اس کے پیچھے نکل کھڑے ہوئے اور اس کی بستی منف میں ایسے وقت پہنچے کہ راستے سنسان اور بازار بند ہوچکے تھے۔

من عدوہ. یہ فرعون کا باورچی تھا۔ جو کسی اسرائیلی سے باورچی خانے کے لئے لکڑیاں بیگار لے جانا چاہتا تھا۔

فقضیٰ علیه. یہ علیٰ کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے۔

ای انهی حیوته. اس کی زندگی ختم کردی۔ کافر حربی مستامن کو قتل کرنا جائز نہیں یا اس وقت تک حضرت موسیٰ کو کسی کافر کے مار ڈالنے کی اجازت تک نہیں تھی۔ پھر کیسے قتل کردیا؟ مفسر علامؒ نے اس کا جواب ''من غیر قصد'' کہہ کر دیا ہے۔ یعنی اتفاقاً مکہ زور سے پڑ گیا اور وہ مر گیا۔ اس لئے عصمت انبیاء پر بھی کچھ اشکال نہیں رہا۔ گویا قتل خطا تھا یا مدافعانہ قتل تھا جو جائز ہے۔ البتہ استغفار حسنات الابرار سیئات المقربین کے اعتبار سے کیا۔

بما انعمت. یہ قسم ہے جواب محذوف ای اقسم بانعامک علی بالمغفرة لا بوین یا محض استعطاف کے لئے بھی ہوسکتا ہے۔ ای رب اعصمنی بحق ما انعمت علی من القتل.

فلن اکون۔ یہ جملہ دعائیہ بھی ہوسکتا ہے۔ ای فلا تجعلنی یا رب ظهیرا للمجرمین اور مقدر پر اس کا عطف بھی ہوسکتا ہے۔ ای اذکر نعمتک فلن اکون مفسر علامؒ نے بما انعمت میں ما مصدریہ کی طرف اور اعصمنی سے با کے متعلق کے مقدر ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے فلن اکون شرط مقدر کا جواب ہے ای ان اعصمنی فلن اکون الخ فا عاطفہ جواب امر کے لئے ہے اور بما میں با اعصمنی سے متعلق ہے اور علی استعطاف کے لئے ہے اور حضرت موسیٰ کو مغفرت کا علم بذریعہ الہام ہوا ہو یا بذریعہ خواب یا محض استغفار کی قبولیت کی امید پر سمجھے ہوں۔

فاصبح فی المدینۃ . لفظ خائفا خبر ہے اصبح کی اور فی المدینۃ متعلق ہے اور حال بھی ہوسکتا ہے اور فی المدینۃ خبر ہو اور یترقب خبر ثانی ہے یا حال ثانی ہے یا خبر اول یا حال سے حال ہے۔ یا خـائـفـا کی ضمیر سے حال ہو۔ یعنی حال متداخلہ اور یترقب کا مفعول محذوف ہے۔ ای یترقب المکروہ او الفرج.

فاذا الذی. اس میں اذا مفاجاتیہ ہے اور الذی مبتدا اور صفت ہے محذوف کی۔ ای فاذا الا سرائیلی الذی . لفظ استنصرہ صلہ ہے اور لفظ یستصر خہ خبر ہے مبتداء کی۔

غوی مبین. حضرت موسیٰ کے اسی جملہ سے اسرائیلی یہ سمجھا کہ اب موسیٰ میری بھی خبر لیں گے۔ اس لئے وہ بول پڑا اترید ان تقتلنی یا حضرت موسیٰ کے زیادہ غضب ناک اور پر جلال ہونے کی وجہ سے وہ از خود گھبرا گیا ہو کہ کہیں میری بھی کمبختی نہ آ جائے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قال یا موسیٰ الخ کا قائل اسرائیلی نہ ہو۔ بلکہ یہ دوسرا قبطی ہو۔ وہ اسرائیلی کو حضرت موسیٰ کے برا بھلا کہنے سے یہ سمجھا کہ گذشتہ روز قبطی کا قتل اسی اسرائیلی کی وجہ سے ہوا ہے اور اس کے قاتل موسیٰ ہیں۔ اور غوی اس بے تدبیری کی وجہ سے کہا کہ خود بھی مبتلا ہوا اور مجھے بھی مشکل میں ڈال دیا۔

هو عدو لهما . یہ اس کی دشمنی اختلاف مذہب کی وجہ سے تھی یا اختلاف نسل کی وجہ سے۔

جاء رجل . ان کا نام حز قیل ہے جو فرعون کے بھتیجے تھے۔

انی لک من النا صحین . لک بیان ہے صلہ نہیں ہے۔ کیونکہ صلہ موصول پر مقدم نہیں ہوا کرتا۔ ای انی من الناصحین لک جیسے مرحباً لک وسقیاً لک کہا جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لک کا متعلق محذوف ہو۔ جس پر لفظ ناصحین دلالت کررہا ہے۔ ای ناصح لک من الناصحین یا خود ناصحین سے متعلق ہو۔ کیونکہ ظروف میں توسع ہوتا ہے۔

یترقب. کسی آفت کا اندیشہ مراد ہے یا امداد الٰہی کا انتظار۔

﴿تشریح﴾:............ یہ رکوع بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

واستوی. یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام ابھی نبی تو نہیں ہوئے تھے۔ مگر آثار نبوت اور سامان رشد و ہدایت قوائے جسمانی وعقلی کے علاوہ سب بیدار ہو چکے تھے۔

کذلک نجری المحسنین . میں اسی طرف اشارہ ہے کہ نیک چلنی کی برکت سے علوم میں بھی ترقی ہوتی ہے اور یہ کہ حضرت موسیٰ کسی وقت بھی فرعون کے مسلک پر نہیں چلے۔ بلکہ ہمیشہ اس کے ظلم وکفر سے بیزار رہتے اور حکومت کی پوری مشینری اور اس کی قوم کے افراد کو اسی کے کل پرزے سمجھتے۔ اسرائیلی جو فرعونی مظالم کی چکی میں بری طرح پس رہے تھے۔ وہ ان کے جوان ہونے پر ان سے امیدیں لگائے ہوئے تھے اور ان کے گرد جمع رہتے۔ ادھر قبطی بھی صورت حال کو اپنے لئے خطرہ سمجھ رہے تھے۔ انہی ڈر تھا کہ یہ غیر قوم کا نوجوان کہیں زور نہ پکڑ جائے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ کی آمد و رفت جہاں اپنی والدہ اور برادری کے پاس رہتی۔ وہیں وہ شاہی محلات میں بھی بڑے ٹھاٹ باٹ کے ساتھ رہتے۔ اتفاقاً ایک اسرائیلی نے ایک شاہی باورچی قبطی کو الجھتے ہوئے دیکھا۔

حضرت موسیٰؑ کا واقعہ لغزش:

.... اتفاقاً ایک اسرائیلی سے ایک شاہی باورچی کو الجھتے ہوئے دیکھا اپنی آنکھ سے دیکھ کر ان کی زیادتیوں کی تصدیق ہوگئی۔ پہلے انہوں نے قبطی کو سمجھایا بجھایا ہوگا۔ ممکن ہے قبطی نے طیش میں آ کر جواب میں کوئی تیز لفظ کہہ دیا ہو۔ جس نے آگ پر تیل کا کام کیا اور موسیٰ علیہ السلام تاب نہ لا سکے اور بطور گوشمالی ایک مکا رسید کر ہی دیا۔ چونکہ طاقت ور جوان تھے۔

اس لئے ایک ہی گھونسہ میں قبطی نے پانی نہ مانگا۔ موسیٰ کو یہ اندازہ نہ تھا کہ اس طرح وہ کمبخت ایک دم دم توڑ دے گا اور ایک ہی گھونسہ میں کام تمام ہوجائے گا۔ مانا کہ قبطی کافر حربی تھا، ظالم تھا اور حضرت موسیٰ کی نیت بھی کچھ مار ڈالنے کی نہ تھی۔ بلکہ محض تادیب وتنبیہ کے لئے کچھ سرزنش کا ارادہ تھا۔ مگر گھونسہ کچھ بے جگہ پڑ گیا اور قبطی وہیں ڈھیر ہوگیا۔ اس وقت کوئی معرکہ جہاد نہ تھا اور نہ ہی حضرت موسیٰ نے اس کو کوئی الٹی میٹم دیا تھا۔ ادھر مصری بھی ان کی عادات واطوار کو دیکھ کر انہیں اس طرح کا کوئی شبہ بھی نہیں گزرا کہ وہ یونہی کسی کی جان و مال کو نقصان پہنچائیں گے۔ صرف ایک وقتی جوش کا نتیجہ تھا کہ ایک گھونسہ میں قبطی ٹھنڈا ہوگیا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی پر تعزیری کی جائے اور وہ اتفاقاً مر جائے۔ تو ہمارے یہاں بھی نہ قاضی پر گناہ ہوگا نہ جلاد پر۔ مگر اس پر بھی حضرت موسیٰ پچھتائے کہ بے ارادہ یہ خون ہوگیا۔ جوش غضب میں معاملہ کی تحقیق سرسری ہوئی اور اس کا بھی اندازہ نہ کرسکے کہ سرزنش کے لئے کتنی مار کافی ہے۔ پھر فرقہ وارانہ اشتعال کا اندیشہ دامن گیر ہوا ہوگا کہ کہیں اور فتنوں کا دروازہ نہ کھل جائے۔ اس لئے اپنے فعل پر نادم ہوئے کہ اس میں شیطانی دخل معلوم ہوتا ہے۔ انبیاءؑ کی فطرت چونکہ پاک وصاف ہوتی ہے۔ وہ نبوت سے پہلے ہی اپنے ذرہ ذرہ کاموں کا محاسبہ کرتے رہتے ہیں۔ ایک ذراسی لغزش اور معمولی خطا پر بھی توبہ تلا کرنے لگتے ہیں۔ کیونکہ نبوت سے پہلے بھی وہ ولی ہوتے ہیں۔ کاملین کی عام عادت ہوتی ہے کہ اپنی خفیف سی بے احتیاطی کو بھی پہاڑ سمجھتے ہیں۔ حسنات الابرار سیئات المقربین.

واقعات معیت اور عصمت انبیاءؑ: .... رب انی ظلمت نفسی الخ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عرض کرنا یہ سنت آدمؑ ہے۔ وہ بھی ایک ذراسی لغزش پر گھبرا اٹھے تھے اور ربنا ظلمنا انفسنا کا ورد زبان سے کرتے رہے۔ یہاں تک کہ رحمت باری کو جوش آیا اور فتاب علیہ کی بشارت سنائی۔ یہاں حضرت موسیٰ کو بھی الہام یا منام میں بشارت ہوگئی ہوگی۔ البتہ اس کا قطعی علم نبوت کے بعد ہوا ہوگا۔

عصمت انبیاءؑ چونکہ دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔ اس لئے وہ تو عقیدہ مسلمہ رہے گا۔ البتہ جہاں اس سے ہٹ کر کوئی بات سامنے آئے گی اس کی مناسب توجیہ وتاویل کرنی ہوگی۔ کہیں روایات موضوع میں، کہیں خبر واحد ظنی سے بعض واقعات کا پتہ چلتا ہے۔ کہیں نبوت سے پہلے کا کوئی جزئی واقعہ ہے۔ کہیں محض خلاف اولیٰ کا ارتکاب ہوا ہے۔ کہیں کوئی ادنیٰ لغزش سہو ونسیان یا خطائے اجتہادی کا نتیجہ ہے۔ غرض یہ کہ مسئلہ عصمت جو قطعی ہے وہ بدستور محفوظ رہے گا۔ توجیہات ان واقعات میں کی جائیں گی۔

اسی طرح شیطان کا تصرف انبیاءؑ پر ہوسکتا ہے۔ مگر وہ ان سے معصیت نہیں کرا سکتا۔ صرف اس کے تصرف سے کوئی خلاف اولیٰ بات ان سے سرزد ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ یہاں حضرت موسیٰ کے ہاتھوں فرعونی حربی کا اتفاقیہ مارا جانا ہوا۔ اس لئے کوئی اشکال نہیں رہتا۔

مجرمین کون تھے؟: .... حضرت موسیٰ کے فلن اکون ظهيرا للمجرمين عرض کرنے کا منشاء ظالم کفار ہوں انہیں مجرم کہا ہو یا ممکن ہے۔ اسرائیلی فریادی کا مجرم ہونا کچھ محسوس ہوا ہو یا چونکہ وہ اس بے احتیاطی کا سبب بنا ہے۔ پہلے آئندہ احتیاط کا وعدہ کر رہے ہوں یا مجرمین سے مراد شیاطین لئے ہوں کہ میں آئندہ کبھی ان کی وسوسہ اندازی میں نہیں آؤں گا کہ بعد میں پچھتانا پڑے۔ بلکہ ہمیشہ چوکنا رہوں گا۔

چونکہ یہ واقعہ بھری دوپہر یارات کے وقت پیش آیا تھا۔ سڑکیں اور بازار سنسان ہوں گے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ لیکن صبح ہوئی تو حضرت موسیٰ کچھ متفکر رہے کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے اور اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ کہیں واقعہ کا چرچا نہ ہوا ہو اور فرعون تک نہ پہنچی ہو۔ نتیجہ کیا گل کھلتا ہے۔

دوسرے دن کا ہنگامہ:............ اگلے روز دیکھا تو وہی اسرائیلی کسی اور قبطی سے الجھ رہا ہے۔ فرمایا تو روز ظالموں سے لڑتا ہے اور مجھ کو لڑواتا ہے۔ لیکن فرعونی کی زیادتی دیکھ کر اسے روکنے کے لئے آگے بڑھے۔ فرعونی چونکہ اسرائیلیوں کا مخالف تھا۔ اس لئے ان دونوں کا بھی مخالف ہوا۔ گویا بالتعیین حضرت موسیٰؑ کو اسرائیلی نہ سمجھتا ہو یا چونکہ حضرت موسیٰؑ کا فرعونی طور طریق سے متنفر ہونا مشہور ہو چکا ہے۔ اس لئے منجملہ قبطیوں کے یہ بھی حضرت موسیٰؑ کا مخالف تھا۔ بہر حال حضرت موسیٰؑ فرعونی کی طرف لپکے اور اس سے پہلے اسرائیلی پر خفا ہو چکے تھے۔ ہاتھ ڈالنا چاہا اس ظالم پر، بول اٹھا مظلوم۔ سمجھا کہ زبانی مجھ پر غصہ کیا ہے تو ہاتھ بھی مجھ پر چلائیں گے۔ کہنے لگا کہ جس طرح کل ایک کو مارا تھا آج مجھے مارو گے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم دنیا میں اپنا زور بٹھلانا چاہتے ہو۔ زورزبردستی سے قتل کرنا ہی آتا ہے۔ یہ نہ ہوا کہ سمجھا بجھا کر دونوں میں صلح کرا دیتے قاتل کی تلاش تو تھی ہی۔ اتنا سراغ ملنا کافی تھا۔ سنتے ہی قبطی نے جا فرعون کے کان بھر دیئے۔ وہاں مشورے ہوئے کہ غیر قوم کا آدمی اور یہ حوصلہ کہ سرکاری ملازموں اور بادشاہ کے آدمیوں کو قتل کر ڈالے۔ ممکن ہے خواب کا اندیشہ بھی فرعون کے سامنے ہو۔ سپاہی دوڑائے گئے۔ وارنٹ گرفتاری جاری ہوا۔ شاید مل جاتے تو قتل کر دیتے۔

حضرت حزقیلؒ کی بروقت مدد:............ مگر ایک نیک طینت شخص کے دل میں اللہ نے موسیٰؑ کی خیرخواہی ڈال دی اور وہ مجلس سے جلدی اٹھ کر کسی مختصر راستہ سے بھاگا ہوا حضرت موسیٰؑ کے پاس آیا اور انہیں صورت حال بتلا کر مشورہ دیا کہ تم فوراً شہر سے کہیں نکل جاؤ۔ یہ سنتے ہی حضرت موسیٰؑ مصر سے نکل کھڑے ہوئے۔ راستوں سے واقف نہ تھے۔ اللہ سے دعا کی۔ اس نے مدین جانے والی سیدھی سڑک پر ڈال دیا۔ جو مصر سے آٹھ دس دن کی مسافت پر تھا۔

لطائف سلوک:............ رب انی ظلمت. یہ فرعونی اگرچہ حربی تھا۔ مگر معاہد اور قولی معاہد نہ سہی۔ مگر معاہد حالی تھا۔ تاہم حضرت موسیٰؑ کا ارادہ اس کو بالکل مار ڈالنے کا نہیں تھا کہ اشکال ہو۔ بلکہ صرف تادیب کی نیت سے مکا مارا۔ اتفاقاً لگ گیا اس طرح کہ مر گیا۔ اس وقت تو غصہ میں خیال نہیں ہوا۔ مگر بعد میں سوچا تو سمجھ میں آیا کہ یہ ظلم تو کسی اور طریقہ سے بھی دفع ہو سکتا تھا۔ اس سے کئی مستفاد ہوئیں۔

۱۔ غصہ وغیرہ طبعی چیزیں کاملین سے بھی سرزد ہو جاتی ہیں۔

۲۔ حسنات الابرار سیئات المقربین کے لحاظ سے وہ اپنی معمولی لغزشوں پر بھی پچھتاتے ہیں۔ یہاں حسنہ دفع ظلم ہے۔

۳۔ کاملین کو دوسروں سے زیادہ خشیت ہوتی ہے۔

فلن اکون ظهیرا للمجرمین. سے معلوم ہوا کہ ظالم کا مددگار ہونا بھی جائز نہیں اور حکومت کی دعا ظالم کے لئے ایک طرح کی اعانت ہے۔ اس لئے اہل اللہ کسی ظالم کے لئے حکومت کی دعا نہیں کرتے۔ البتہ ضرورت کے موقعہ پر خیر کی قید کے ساتھ دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ استخارہ میں خیر کی قید کے ساتھ دعا ماثور ہے۔

خائفا یترقب. اگر اس سے مراد خوف ہے تو اول تو اس وقت تک حضرت موسیٰؑ نبی نہیں ہوئے تھے کہ اشکال ہو اور اگر نبی بھی ہوں تو طبعی خوف تھا جو کمال کے منافی نہیں ہے۔ خوف عقلی منافی ہے اور وہ ثابت نہیں۔ لیکن اگر یترقب سے تائید غیبی کا انتظار مراد ہو تو پھر کوئی اشکال ہی نہیں رہتا۔

انک لغوی مبین. سے معلوم ہوا کہ کاملین دشمن کی طرح دوست پر بھی سیاست ومواخذہ کرتے ہیں۔ ماوشما کا ان کے یہاں فرق نہیں ہوتا۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ قَصَدَ بِوَجْهِهٖ **تِلْقَآءَ مَدْيَنَ** جِهَتَهَا وَهِيَ قَرْيَةُ شُعَيْبٍ مَسِيْرَةَ ثَمَانِيَةِ اَيَّامٍ مِنْ مِصْرَ سُمِّيَتْ بِمَدْيَنَ ابْنِ اِبْرَاهِيْمَ وَلَمْ يَكُنْ يَعْرِفُ طَرِيْقَهَا **قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴿۲۲﴾** اَيْ قَصْدَ الطَّرِيْقِ اَيِ الطَّرِيْقَ الْوَسَطَ اِلَيْهَا فَاَرْسَلَ اللّٰهُ اِلَيْهِ مَلَكًا بِيَدِهٖ عَنَزَةٌ فَانْطَلَقَ بِهٖ اِلَيْهَا **وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ** بِئْرٌ فِيْهَا اَيْ وَصَلَ اِلَيْهَا **وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً** جَمَاعَةً كَثِيْرَةً **مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ** مَوَاشِيَهُمْ **وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ** اَيْ سِوَاهُمْ **امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ** تَمْنَعَانِ اَغْنَامَهُمَا عَنِ الْمَاءِ **قَالَ** مُوْسٰى لَهُمَا **مَا خَطْبُكُمَا** اَيْ شَانُكُمَا لَاتَسْقِيَانِ **قَالَتَا لَانَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ** جَمْعُ رَاعٍ اَيْ يَرْجِعُوْنَ مِنْ سَقْيِهِمْ خَوْفَ الزِّحَامِ فَنَسْقِيْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ يُصْدِرُ مِنَ الرُّبَاعِيِّ اَيْ يُصْرِفُوْا مَوَاشِيَهُمْ عَنِ الْمَاءِ **وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ﴿۲۳﴾** لَايَقْدِرُ اَنْ يَسْقِيَ **فَسَقٰى لَهُمَا** مِنْ بِئْرٍ اُخْرٰى بِقُرْبِهَا رَفَعَ حَجَرًا عَنْهَا لَايَرْفَعُهُ اِلَّا عَشَرَةُ اَنْفُسٍ **ثُمَّ تَوَلّٰٓى** اِنْصَرَفَ **اِلَى الظِّلِّ** لِسَمُرَةٍ مِنْ شِدَّةِ حَرِّ الشَّمْسِ وَهُوَ جَائِعٌ **فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ** طَعَامٍ **فَقِيْرٌ﴿۲۴﴾** مُحْتَاجٌ فَرَجَعَتَا اِلٰى اَبِيْهِمَا فِيْ زَمَنٍ اَقَلَّ مِمَّا كَانَتَا تَرْجِعَانِ فِيْهِ فَسَاَلَهُمَا عَنْ ذٰلِكَ فَاَخْبَرَتَاهُ بِمَنْ سَقٰى لَهُمَا فَقَالَ لِاِحْدٰهُمَا اُدْعِيْهِ لِيْ قَالَ تَعَالٰى **فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ** اَيْ وَاضِعَةٍ كُمَّ دِرْعِهَا عَلٰى وَجْهِهَا حَيَاءً مِنْهُ **قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا** فَاَجَابَهَا مُنْكِرًا فِيْ نَفْسِهٖ اَخْذَ الْاُجْرَةِ وَكَاَنَّهَا قَصَدَتِ الْمُكَافَاةَ اِنْ كَانَ مِمَّنْ يُرِيْدُهَا فَمَشَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ فَجَعَلَتِ الرِّيْحُ تَضْرِبُ ثَوْبَهَا فَتَكْشِفُ سَاقَهَا فَقَالَ لَهَا اِمْشِيْ خَلْفِيْ وَدُلِّيْنِيْ عَلَى الطَّرِيْقِ فَفَعَلَتْ اِلٰى اَنْ جَاءَ اَبَاهَا وَهُوَ شُعَيْبٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَعِنْدَهُ عِشَاءٌ قَالَ لَهُ اِجْلِسْ فَتَعَشَّ قَالَ اَخَافُ اَنْ يَّكُوْنَ عِوَضًا مِمَّا سَقَيْتُ لَهُمَا وَاَنَا اَهْلُ بَيْتٍ لَانَطْلُبُ عَلٰى عَمَلِ خَيْرٍ عِوَضًا قَالَ لَاعَادَتِيْ وَعَادَةُ اٰبَائِيْ نَقْرِي الضَّيْفَ وَنُطْعِمُ الطَّعَامَ فَاَكَلَ وَاَخْبَرَهُ بِحَالِهٖ قَالَ تَعَالٰى **فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ** مَصْدَرٌ بِمَعْنَى الْمَقْصُوْصِ مِنْ قَتْلِهِ الْقِبْطِيَّ وَقَصْدِهِمْ قَتْلَهٗ وَخَوْفِهٖ مِنْ فِرْعَوْنَ **قَالَ لَاتَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴿۲۵﴾** اِذْ لَاسُلْطَانَ لِفِرْعَوْنَ عَلٰى مَدْيَنَ **قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا** وَهِيَ الْمُرْسَلَةُ الْكُبْرٰى اَوِ الصُّغْرٰى **يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ** اتَّخِذْهُ اَجِيْرًا يَرْعٰى غَنَمَنَا اَيْ بَدَلَنَا **اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ﴿۲۶﴾** اَيِ اسْتَاجِرْهُ لِقُوَّتِهٖ وَاَمَانَتِهٖ فَسَاَلَهَا عَنْهُمَا فَاَخْبَرَتْهُ بِمَا تَقَدَّمَ مِنْ رَفْعِهٖ حَجَرَ الْبِئْرِ وَمِنْ قَوْلِهٖ لَهَا اِمْشِيْ خَلْفِيْ وَزِيَادَةَ اَنَّهَا لَمَّا جَاءَتْهُ وَعَلِمَ بِهَا صَوَّبَ رَاْسَهٗ فَلَمْ يَرْفَعْهُ فَرَغِبَ فِيْ اِنْكَاحِهٖ **قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ** وَهِيَ الْكُبْرٰى اَوِ الصُّغْرٰى **عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ** تَكُوْنَ اَجِيْرًا لِيْ

فِیْ رَعْیِ غَنَمِیْ **ثَمٰنِیَ حِجَجٍ** اَیْ سِنِیْنَ **فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا** اَیْ رَعْیِ عَشْرِ سِنِیْنَ **فَمِنْ عِنْدِكَ** اَلتَّمَامُ **وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ** بِاشْتِرَاطِ الْعَشْرِ **سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ** لِلتَّبَرُّكِ **مِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴿۲۷﴾** اَلْوَافِیْنَ بِالْعَهْدِ **قَالَ** مُوْسٰی **ذٰلِكَ** الَّذِیْ قُلْتَ **بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ** الثَّمَانُ اَوِ الْعَشْرُ وَمَا زَائِدَةٌ اَیْ رَعْیَةٌ **قَضَیْتُ** بِهٖ اَیْ فَرَغْتُ عَنْهُ **فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ** بِطَلَبِ الزِّیَادَةِ عَلَیْهِ **وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ** اَنَا وَاَنْتَ **وَكِیْلٌ﴿۲۸﴾** حَفِیْظٌ اَوْ شَهِیْدٌ فَتَمَّ الْعَقْدُ بِذٰلِكَ وَاَمَرَ شُعَیْبٌ اِبْنَتَهٗ اَنْ یُّعْطِیَ مُوْسٰی عَصًا یَدْفَعُ بِهَا السِّبَاعَ مِنْ غَنَمِهٖ وَكَانَتْ عِصِیُّ الْاَنْبِیَاءِ عِنْدَهٗ فَوَقَعَ فِیْ یَدِهَا عَصَا اٰدَمَ مِنْ اٰسِ الْجَنَّةِ فَاَخَذَهَا مُوْسٰی بِعِلْمِ شُعَیْبٍ

ترجمہ:.........اور جب (موسیٰ نے) رخ کیا (متوجہ ہوئے) مدین کی طرف (یہ شہر مصر سے ایک ہفتہ کی مسافت پر تھا۔ اس شہر کا نام مدین ابن ابراہیم کے نام پر ہے۔ حضرت موسیٰ اس کا راستہ نہیں جانتے تھے) تو بولے امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھی راہ چلائے گا (مدین کے درمیانی راستہ سے لے جائے گا۔ چنانچہ ایک فرشتہ نے آپ کی رہنمائی شہر مدین کی طرف کی جس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا نیزہ بھی تھا) اور جب وہ مدین کے پانی کے کنویں پر پہنچے تو اس پر ایک مجمع (بھیڑ) کو دیکھا لوگوں کے کہ (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہے ہیں اور مردوں کے علاوہ (سوا) دو عورتوں کو دیکھا جو ایک طرف کو (پانی سے اپنے جانوروں کو) روکے کھڑی ہیں۔ (موسیٰ نے ان سے) پوچھا تمہارا مدعا کیا ہے (کیوں اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا رہی ہو) دونوں بولیں ہم اس وقت تک پانی نہیں پلاتیں جب تک یہ چرواہے اپنے جانوروں کو نہیں ہٹا لے جاتے (لفظ رعاء راعی کی جمع ہے بھیڑ کے ڈر سے ان کی واپسی تک ہم رکی رہتی ہیں پھر ہم پانی پلاتی ہیں۔ اور ایک قراءت میں لفظ یصدر رباعی سے ہے یعنی تاوقتیکہ اپنے جانوروں کو کنویں سے نہ ہٹا لیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں (جانوروں کو خود پانی نہیں پلا سکتے) پس ان لڑکیوں کا خیال کرتے ہوئے موسیٰ نے پانی پلا دیا۔ (نزدیک کے دوسرے کنویں کا ایسا بڑا پتھر ہٹا کر جس کو دس آدمی بھی ہلا نہ سکیں) پھر ہٹ کر (مڑکر) سایہ میں آ گئے (سخت گرمی کے مارے کیکر کے نیچے بھوک کی حالت میں) پھر دعا کی اے میرے پروردگار تو جو نعمت (کھاجا) بھی دے دے میں اس کا حاجت مند ہوں (محتاج ہوں۔ چنانچہ لڑکیاں واپسی کے معمول سے پہلے ہی جلد اپنے باپ کے پاس پہنچ گئیں۔ انہوں نے جلد آنے کی وجہ پوچھی لڑکیوں نے پانی پلانے والے کا حال سنایا۔ باپ نے ایک لڑکی سے کہا انہیں میرے پاس بلا لاؤ۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) پھر ان میں سے ایک لڑکی (موسیٰ کے پاس) آئی شرماتی ہوئی چلتی تھی (یعنی موسیٰ سے شرم کرتے ہوئے چہرہ پر آستین کا پلہ کر لیا) بولی کہ میرے والد آپ کو یاد فرماتے ہیں۔ جو آپ نے ہماری خاطر ہماری بکریوں کو پانی پلایا ہے اس کا بدلہ دینے کے لئے (چنانچہ موسیٰ نے اسے منظور کر لیا۔ مگر دل میں طے کر لیا کہ اجرت نہیں لوں گا۔ حالانکہ لڑکی کا منشا یہ تھا۔ کہ موسیٰ اگر چاہیں گے تو اس احسان کا بدلہ احسان کی صورت میں ہو جائے گا۔

غرضیکہ لڑکی موسیٰ کے آگے آگے چلی۔ مگر ہوا سے اس کی لنگی کا پلہ ہٹ گیا جس سے اس کی پنڈلی کچھ کھل گئی۔ حضرت موسیٰ نے فوراً کہا کہ میرے پیچھے چلو اور راستہ بتلاتی رہنا۔ لڑکی نے ایسا ہی کیا اور اس طرح اپنے والد حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں لا کر پیش کیا۔ وہ رات کے دسترخوان پر تشریف فرما تھے انہوں نے کھانے پر حضرت موسیٰ کی تواضع فرمائی۔ موسیٰ نے عرض کیا ایسا نہ ہو کہ یہ

ضیافت میرے پانی پلانے کی اجرت ہو جائے اور ہم اہل بیت کسی بھلائی پر اجرت کے خواہاں نہیں ہوا کرتے۔ فرمایا ایسا نہیں بلکہ ہماری اور ہمارے خاندان کی روایات مہمان نوازی اور کھانا کھلانا رہا ہے۔ یہ سنتے ہی موسیٰ علیہ السلام کھانے میں شریک ہو گئے اور حضرت شعیب علیہ السلام کو اپنی سرگذشت سنادی۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) پھر (موسیٰ) جب (حضرت شعیبؑ کی) خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے سب حالات بیان کئے۔

(قصص مصدر ہے بمعنی مقصوص یعنی قبطی کا مارا جانا اور فرعونیوں کا آمادہ قتل ہو جانا اور فرعون سے خوف) فرمایا کہ کچھ اندیشہ مت کرو تم ظالم لوگوں سے بچ آئے (کیونکہ شہر مدین فرعونی حدود سلطنت سے باہر ہے) ان میں سے ایک لڑکی بولی (جسے بلانے کے لئے بھیجا تھا خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی) اے ابا جان انہیں آپ نوکر رکھ لیجئے (بکریوں کی دیکھ بھال پر ہماری بجائے انہیں مقرر کر لیجئے) کیونکہ اچھا نوکر وہی ہوتا ہے جو مضبوط اور امانتدار ہو (یعنی ان کی قوت وامانت کی وجہ سے انہیں کارندہ بنا لیجئے۔ والد نے لڑکی سے ان دونوں باتوں کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے ان سے وہی بیان کر دیا کہ جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ یعنی کنویں کے بھاری پتھر کو تنہا ہٹا دینا اور لڑکی کو پیچھے چلنے کی ہدایت دینا۔ اور نیز یہ زائد بات بھی بتلائی کہ جب وہ ان کے سامنے گئی اور انہیں معلوم ہوا تو فوراً سر نیچے کر لیا اور پھر نہیں اٹھایا۔ یہ احوال سن کر حضرت شعیبؑ کی ان سے شادی کرنے کی رغبت ہو گئی) کہنے لگے کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں (بڑی یا چھوٹی) لڑکیوں میں سے ایک کو تمہارے نکاح میں دے دوں اس شرط پر کہ تم میری نوکری کرو (میری بکریاں چرانے کا کام کرو) آٹھ سال (برس) پھر اگر دس سال پورے کرو (یعنی دس برس بکریاں چراؤ) تو یہ تمہاری طرف سے (پورا کرنا) ہے اور میں تم پر کوئی مشقت (دس سال مدت کی شرط کر کے) ڈالنا نہیں چاہتا۔ تم انشاء اللہ (یہ لفظ تبرکاً ہے) مجھے خوش معاملہ پاؤ گے۔ کہنے لگے (موسیٰؑ) یہ بات (آپ نے جو فرمائی ہے) میرے اور آپ کے درمیان ہو چکی ہے۔ ان دونوں مدتوں میں سے جو بھی (آٹھ سال یا دس سال۔ لفظ ایما میں ما زائد ہے یعنی اس مدت میں چرائی) پوری کر دوں (اسے مکمل کر دوں) مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا (اور زیادہ فرمائش کر کے) اور ہم (میں اور آپ) جو بات کر رہے ہیں اللہ اس کا گواہ ہے (نگران یا شاہد ہے۔ اس جملہ سے معاملہ طے ہو گیا۔ اور حضرت شعیب علیہ السلام نے صاحبزادی سے فرمایا کہ انہیں لاٹھی لا دو جس کے ذریعہ درندوں سے بکریوں کی حفاظت کریں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس انبیاء کی بہت سی لاٹھیاں تھیں۔ جن میں سے لڑکی کے ہاتھ حضرت آدم علیہ السلام کی لاٹھی آئی جو جنتی ساگوان کی تھی۔ حضرت موسیٰ نے اس لاٹھی کو حضرت شعیب علیہ السلام کے علم میں آنے کے بعد قبول کر لیا۔)

تحقیق وترکیب:.......... **تلقاء مدین** ۔ حضرت موسیٰؑ کو مدین چلے جانے کا الہام ہوا۔ کیونکہ یہ شہر فرعون کی عملداری سے باہر تھا۔ یہ شہر حضرت ابراہیمؑ کے صاحبزادے مدین کے نام پر آباد ہوا تھا۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کے چار صاحبزادے ہوئے ہیں۔ ا۔ حضرت اسماعیلؑ ۲۔ حضرت اسحٰقؑ مشہور پیغمبر۔ ۳۔ مدین ۔ ۴۔ مدائن جو پیغمبر نہیں ہوئے۔ اس طرح مدین اور مصر کے درمیان قرابتداروں کے روابط بھی تھے۔ ان تعلقات کی وجہ سے حضرت موسیٰؑ کے لئے اس شہر کا انتخاب کیا گیا ہوگا۔

سواء السبیل۔ مصر سے مدین جانے کے تین راستے تھے۔ جن میں سے درمیانی راستہ سے حضرت موسیٰ گئے اور ان کے تعاقب میں جانے والی پولیس دو راستوں پر تلاش کرتی رہی اور ناکام رہی۔ حضرت جبرائیلؑ نے چوبدار کی حیثیت سے حضرت موسیٰؑ کی راہنمائی کی۔

ماء مدین ۔ تلاب یا کنواں۔

تذودان۔ مردوں کے ازدحام یا اختلاط سے بچنے کے لئے یا بکریوں کو اختلاط سے بچانے کے لئے لڑکیاں الگ کھڑی

رہین گاؤں کے کنوؤں اور تالابوں کو جو اہمیت حاصل ہے۔ وہ آج کے دور میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

یصدر الرعاء . ابوعمرو اور ابن عامر کی قراءت یصدر اور جمہور اور عاصم کی قراءت یصدر باب افعال سے رباعی ہے۔

ابو ناشیخ کبیر . اول تو عرب اور عجم کے تمدنی اور معاشرتی حالات میں اسی طرح شہر اور دیہات کے ماحول میں آج بھی نمایاں فرق دیکھا جاسکتا ہے۔ پھر اس دور کے ماحول میں اور آج کے معاشرہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پھر گھر میں بوڑھے معذور باپ کے سوا کوئی نہ ہو تو آخر عورتیں اور لڑکیاں کام کاج کے لئے باہر نہیں آئیں جائیں گی۔ تو کس طرح زندگی کی گاڑی چلے گی۔ فان الضرورات تبیح المحذورات.

من خیر فقیر . ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہفتہ سے حضرت موسیٰؑ بھوکے تھے یا فقیر سے مراد ترک دینا ہے۔

علی استحیاء . علٰی بمعنی مع ہے تمشی سے حال ہے۔ لفظ حیاء بالمد بمعنی حشمت ہے لفظ استحییت ایک یا اور دو یا کے ساتھ ہے بمعنی خود اور کبھی حرف کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے استحییة استحییت منه دونوں طرح ہوتے ہیں گھونگھٹ اور پردہ کے ساتھ مردوں سے ضروری کلام کی اجازت معلوم ہو رہی ہے۔

فاجابها . مفسر علامؒ اس عبارت سے اس شبہ کا جواب دے رہے ہیں کہ دعویٰ فقر کے ساتھ حضرت موسیٰؑ نے اجابت دعوت کیسے کی؟ حاصل جواب یہ ہے کہ پانی تو لوجہ اللہ پلایا۔ اجابت دعوت بلا اشراف نفس کے محض حصول برکت کے لئے۔ یا بھوک کی شدت کی وجہ سے جیسا کہ حضرت خضرؑ کے واقعہ میں بھی اسی طرح حضرت موسیٰؑ نے کہا تھا کہ لو شئت لا تخذت علیه اجرا. لیکن امام رازیؒ نے اس دوسری توجیہ کو تسلیم نہیں کیا۔ کیونکہ واقعہ خضرؑ میں ابتداءً استیجار مراد ہے جو بلا کراہت جائز ہے اور یہاں پانی پلانا محض بہ نیت خیر تھا اس پر اجرت مناسب نہیں ہے۔

وقص . مصدر بمعنی مفعول اور قص بمعنی اقتصاص بھی آتا ہے۔

قال لا تخف کہا جاتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی عمر تین ہزار یا ساڑھے تین ہزار سال ہوئی ہے اور بکریوں کی تعداد تو کتنی ہوگی۔ جب کہ ان کے رکھوالی کتے بارہ ہزار بتلائے جاتے ہیں۔

احدٰهما . ابن جریجؒ اور وہبؒ اور زمخشریؒ کی رائے ہے کہ بڑی لڑکی تھی جس کا نام صفرا تھا۔ لیکن خطیب نے اپنی تاریخ میں ابوذرؓ سے مرفوعاً تخریج کی ہے کہ چھوٹی لڑکی تھی جس کا نام صفیرا تھا۔ اسی نے استاجرہ کہہ کر سفارش کی تھی۔

انی ارید ان انکحك . یہ وعدہ نکاح ہے نکاح نہیں ہے۔ ورنہ انکحتک کہنا چاہئے تھا۔

ثمانیة حجج . جمع حجۃ ہے بمعنی سال۔ جانوروں کی چرائی بالاتفاق مہر بن سکتی ہے۔ البتہ خدمت کے بدل مہر بننے میں اختلاف ہے۔

اتممت عشرا . مفسر علامؒ نے لفظی رعی نکال کر تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فمن عندك . یعنی یہ مدت واجب نہیں بلکہ تبرعاً ہے جس کا پورا کرنا اختیاری ہے۔ ضروری نہیں۔

ان شاء اللّٰه . یعنی یہ قضیہ شرطیہ بطور تعلیق کے نہیں ہے بلکہ صرف تبرکاً کہا ہے۔

ایما الاجلین . یہ شرط ہے اور فلا عدوان جزاء ہے اور ما زائد ہے یا پھر نکرہ ہے اور اجلین بدل ہے۔ مفسر علامؒ نے ای رعیہ نکال کر اشارہ کیا ہے کہ لفظ ایما مفعول ہے قضیت کا بتقدیر مضاف ای قضیت رعی ای الاجلین:

فلا عدوان . یعنی جس طرح دس سال سے زیادتی کا مطالبہ عدوان ہے۔ اسی طرح آٹھ سال سے زیادتی کا مطالبہ بھی

نہیں کروں گا۔اس کو بھی عدوان سمجھتا ہوں۔طرفین کے ایجاب وقبول کے بعد اب عقد نکاح مکمل ہو گیا اور بعض نے علیحدہ ایجاب وقبول مانا ہے۔اس سے عورت کی بکریوں کی چرائی کے بدل مہر بننے اور نکاح اور اجارہ دونوں کے ایک صنعت میں جمع کرنے کا جواز معلوم ہوا۔نیز یہ کہ مالداری کفاوت میں داخل نہیں ہے۔

واللّٰہ علیٰ مانقول وکیل. معلن نے اس کو گواہوں کے شرط نکاح نہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ گواہوں کی موجودگی اسلام میں شرط نکاح ہے۔ممکن ہے ان کی شریعت میں جائز ہو جو ہمارے لئے حجت نہیں اور یا کہا جائے کہ اس سے محض وعدہ کی پختگی مراد ہے نہ کہ گواہوں کا غیر ضروری ہونا۔

عصا اٰدم. حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس انبیاء علیہم السلام کے مختلف تبرکات ہوں گے۔ان میں حضرت آدمؑ کا یہ عصا بھی تھا۔چنانچہ مشائخ کے یہاں عصا وغیرہ تبرکات میں رائج ہے۔

﴿تشریح﴾:.........حضرت موسیٰؑ وہاں بھوکے پیاسے پہنچے۔دیکھا کہ کنویں پر لوگ مویشیوں کو پانی پلا رہے ہیں۔ان میں دو عورتوں کو بھی دیکھا کہ الگ کو اپنی بکریاں لئے حیا کے ساتھ کھڑی ہیں۔شاید اوروں سے بچا ہوا پانی پلاتی ہوں یا سب کے چلے جانے کے بعد کھینچ کر پلاتی ہوں۔اور موسیٰؑ کے پوچھنے پر کہنے لگیں بوڑھے باپ کے علاوہ ہمارے یہاں کوئی مرد نہیں۔اس لئے مجبوراً ہمیں ہی آنا پڑتا ہے۔

خدمت خلق ترقی کا زینہ:.........موسیٰ علیہ السلام اگرچہ تھکے ماندے بھوکے پیاسے تھے۔مگر ترس آیا کہ میری موجودگی میں عورت ذات اس درجہ مجبور و پریشان رہے اور میں انسانی ہمدردی کچھ نہ کر سکوں۔اٹھے اور لڑکیوں کے جانوروں کو سیراب کر دیا۔حضرت موسیٰؑ میں پیغمبرانہ اعلیٰ اوصاف تھے۔ایک عام انسان بھی ایسے موقعہ پر ہمدردی سے تڑپ اٹھتا ہے اور جو کچھ بس میں ہو کر گزرتا ہے۔اس کے بعد حق تعالیٰ کی بارگاہ میں ملتجی ہوئے کہ اے اللہ میں کسی مخلوق سے کسی صلہ کی طمع نہیں رکھتا۔البتہ آپ سے ہر قت بھلائی کا محتاج وامیدوار ہوں۔

ان لڑکیوں نے حضرت موسیٰؑ کی ہیئت اور دوسرے قرائن سے ان کے مسافر اور بھوکا پیاسا ہونے کا اندازہ کر لیا۔آج یہ لڑکیاں معمول کے خلاف چونکہ جلد گھر لوٹیں۔اس لئے والد نے حال دریافت کیا۔تو انہوں نے سارا ماجرا اپنے بوڑھے باپ حضرت شعیب علیہ السلام سے کہہ سنایا۔سن کر اس شرافت سے وہ بھی بے حد متاثر ہوئے اور ایک لڑکی کو حکم دیا کہ جاؤ انہیں بلا لاؤ۔ایک نے ان میں سے تعمیل کی اور فطری شرافت اور نسوانی شرم وحیا کے ساتھ حضرت موسیٰؑ کو باپ کا حکم پہنچایا۔حضرت موسیٰ ابھی دعا مانگ کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ غیر متوقع طور پر قبولیت دعا کے یہ آثار دیکھے،، قبول کیوں نہ کرتے۔اٹھ کر فوراً ساتھ ہو لئے اور لڑکی کو ہدایت فرما دی کہ میں آگے رہوں گا تم پیچھے چلنا۔اس خیال سے کہ مبادا بلا ضرورت اجنبیہ پر نظر نہ پڑے۔چنانچہ لڑکی شرمیلی پیچھے پیچھے چلی اور راستہ بتلاتی اپنے گھر لے آئی۔ضرورت کی وجہ سے عورتوں کا اس طرح آنا جانا باعث اشکال نہیں ہونا چاہئے۔حضرت موسیٰؑ کا حضرت شعیبؑ کے دولت کدہ پر حاضری کا منشاء پانی پلانے کی اجرت لینا نہیں تھا۔بلکہ حالات کے لحاظ سے کسی شفیق ہمدرد اور ٹھکانہ کے البتہ جویا تھے اگر بھوک کی شدت بھی اس جانے میں دخیل ہو۔تب بھی کچھ مضائقہ نہیں۔اس کا اجرت سے کوئی تعلق نہیں اور دعوت کی خواہش خاص کر ضرورت کے وقت او بالخصوص ایک کریم شخص سے کچھ ذلت کی بات نہیں چہ جائیکہ دوسرے کی خواہش پر دعوت کو منظور کرنا اس میں تو احتمال ذلت بھی نہیں۔

حضرت موسیٰ کی شادی:.........حضرت موسیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اپنی داستان سنائی ہوگی انہوں نے تسلی تشفی دیتے ہوئے فرمایا کہ مدین چونکہ حدود سلطنت سے باہر ہے اس لئے تم بےفکر رہو۔ ظالم قوم کے پنجہ سے تم نکل گئے۔ ایک لڑکی بولی کہ ابا جان آپ بوڑھے ہوگئے ہیں اور آپ کو سہارے کی ضرورت ہے۔ ہم بھی سیانی ہوگئی ہیں۔ اب ہمیں گھر میں ہی رہنا چاہئے۔ آپ انہیں کیوں نہیں رکھ لیتے۔ ان میں دونوں خوبیاں ہیں۔ طاقت وقوت کا اندازہ تو تنہا ان کے اتنے بڑے ڈول کھینچ لینے سے ہوا۔ اور امانتداری ان کے بےلالچ اور عفیفانہ برتاؤ سے معلوم ہوگئی۔ ایک عورت کسی مرد کی خوبی اس سے زیادہ بلاغت کے ساتھ اور کیا بیان کرسکتی ہے۔

یہ سن کر وہ بزرگ موسیٰ علیہ السلام سے بولے۔ میاں میں چاہتا ہوں کہ تم آٹھ سال میری خدمت کرو تو تمہیں ایک لڑکی بیاہ دوں۔ آٹھ سال تو ضروری مدت ہے۔ باقی دو سال کا اضافہ بطور تبرع ہے۔ جس طرح مال بدل مہر ہوتا ہے۔ اور بیوی کی نوکری اور خدمت گاری بدل مہر ہوتی ہے۔ اسی طرح بالغہ عورت کی رضا مندی سے دوسرے عزیز واقارب کی خدمت گاری بھی بدل مہر بن سکتی ہے۔ بکریاں لڑکی کی ہوں یا ان کے والد کی۔ دونوں صورتوں میں کوئی شبہ ہماری شریعت کی رو سے بھی نہیں رہتا۔ اور پردیسی موسیٰ کی اجنبیت دور کرنے کے لئے یہ بھی فرمایا کہ تم سے کوئی سخت خدمت نہیں لی جائے گی۔ میں بری طبیعت کا آدمی نہیں۔ بلکہ بفضل خدا خوش معاملہ ہوں۔ میری صحبت میں رہ کر انشاء اللہ گھبراؤ گے نہیں۔ تمہیں خود اس کا تجربہ اور اندازہ ہو جائے گا۔

موسیٰ علیہ السلام اس بات چیت سے مطمئن اور اس معاملہ پر رضا مند ہوگئے۔ اور عرض کیا کہ خدا کا بھروسہ مجھے منظور ہے۔ اور ان دونوں مدتوں میں مجھے اختیار ہوگا۔ مگر حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے دس سال کی مدت پوری کی۔

حضرت موسیٰ سے اثنائے گفتگو میں ان کا اولاد ابراہیمؑ سے ہونا معلوم ہوگیا ہو۔ اس لئے یہ شبہ نہیں رہتا۔ کہ حضرت شعیبؑ نے تحقیق نسب وکفاءت کیوں نہ کی۔ اور اس معاہدہ سے یہ لازم نہیں۔ کہ اسی وقت نکاح ہوگیا۔ اور نہ واللّٰہ علی ما نقول کہنے سے یہ لازم آتا ہے کہ نکاح بغیر گواہوں کے ہوا۔ بلکہ یہ صورت نکاح کی ابتدائی گفتگو تھی۔ بعد میں انہوں نے ایک لڑکی کی تعیین اور اس کی رضامندی اور گواہوں کی موجودگی سب شرائط پوری کرلی ہوں گی۔

موسیٰ علیہ السلام کی اس سرگذشت میں آنحضرت ﷺ کے لئے بھی پیغام اور بشارت ہے کہ مخالفین آپ کی جان لینے کی بھی فکر کریں گے اور آپ کو بھی وطن سے بےوطن ہونا پڑے گا اور آٹھ سال بعد پھر بخیرت وطن واپسی ہوگی۔ چنانچہ واقعہ ہجرت پیش آیا اور آٹھ برس میں مکہ فتح کیا اور دسویں برس تک کافروں سے پاک کردیا۔

لطائف سلوک:.........**فسقٰی لھما** سے معلوم ہوا کہ خدمت خلق سے کاملین کو عار نہیں آتی۔

رب انی لما انزلت میں اس کی تعلیم ہے کہ کاملین کو چھوٹی بڑی ہر چیز میں اللہ کی طرف احتیاج کرنی چاہئے۔ حق تعالیٰ کی نعمتوں سے بے نیازی اور لاپرواہی متکبر مدعیان زہد کا شیوہ ہے۔

ان ابی یدعوك سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کام کرنے کے وقت مزدوری کی نیت نہ ہو اور کام کے بعد اشراف نفس کے بغیر عوض قبول کرلیا جائے تو یہ اخلاص کے خلاف نہیں ہے۔ البتہ جس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ایک صحابی کو تعلیم دینے کے بدلہ کمان قبول کرلینے پر واپسی کا حکم دیا تھا۔ وہ ممانعت سد ذرائع کے طور پر ہوگی۔ جس کو قرائن سے عربی سمجھ سکتا ہے۔

علیٰ ان تاجرنی سے معلوم ہوا کہ اسباب معاش اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں۔ ہاں اگر کوئی معاش میں مشغول ہو کر علم وعمل سے محروم رہنے کا اندیشہ رکھتا ہو یا وہ تکالیف کو جھیل سکتا ہو۔ پھر اسباب معاش کا چھوڑ دینا اس کے لئے بہتر ہے۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ اَیْ رَعْیَہٗ وَهُوَ ثَمَانٌ اَوْعَشْرُ سِنِیْنَ وَهُوَ الْمَظْنُوْنُ بِهٖ **وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ** زَوْجَتِهٖ بِاِذْنِ اَبِیْهَا نَحْوَ مِصْرَ **اٰنَسَ** اَبْصَرَ مِنْ بَعِیْدٍ **مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ** اِسْمُ جَبَلٍ **نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا** هٰهُنَا **اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ** عَنِ الطَّرِیْقِ وَكَانَ قَدْ اَخْطَاَهَا **اَوْ جَذْوَةٍ** بِتَثْلِیْثِ الْجِیْمِ قِطْعَةٌ اَوْ شُعْلَةٌ **مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾** تَسْتَدْفِئُوْنَ وَالطَّاءُ بَدَلٌ مِنْ تَاءِ الْاِفْتِعَالِ مِنْ صَلّٰى بِالنَّارِ بِكَسْرِ اللَّامِ وَفَتْحِهَا **فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ** جَانِبِ **الْوَادِ الْاَیْمَنِ** لِمُوْسٰى **فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ** لِمُوْسٰى لِسِمَاعِهٖ كَلَامَ اللّٰهِ فِیْهَا **مِنَ الشَّجَرَةِ** بَدَلٌ مِنْ شَاطِئٍ بِاِعَادَةِ الْجَارِ لِنَبَاتِهَا فِیْهِ وَهِیَ شَجَرَةُ عُنَّابٍ اَوْ عُلَّیْقٍ اَوْ عَوْسَجٍ **اَنْ** مُفَسِّرَةٌ لَامُخَفَّفَةٌ **یّٰمُوْسٰٓى اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ** فَاَلْقَاهَا **فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ** تَتَحَرَّكُ **كَاَنَّهَا جَآنٌّ** وَهِیَ الْحَیَّةُ الصَّغِیْرَةُ مِنْ سُرْعَةِ حَرَكَتِهَا **وَّلّٰى مُدْبِرًا** هَارِبًا مِنْهَا **وَّلَمْ یُعَقِّبْ ۭ** اَیْ یَرْجِعْ فَنُوْدِیَ **یٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ** اَدْخِلْ **یَدَكَ** الْیُمْنٰى بِمَعْنَى الْكَفِّ **فِیْ جَیْبِكَ** هُوَ طَوْقُ الْقَمِیْصِ وَاَخْرِجْهَا **تَخْرُجْ** خِلَافَ مَا كَانَتْ عَلَیْهِ مِنَ الْاُدْمَةِ **بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۡ** اَیْ بَرَصٍ فَاَدْخَلَهَا وَاَخْرَجَهَا تُضِیْءُ كَشُعَاعِ الشَّمْسِ تَغْشَى الْبَصَرَ **وَّاضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ** بِفَتْحِ الْحَرْفَیْنِ وَسُكُوْنِ الثَّانِیْ مَعَ فَتْحِ الْاَوَّلِ وَضَمِّهٖ اَیِ الْخَوْفِ الْحَاصِلِ مِنْ اِضَاءَةِ الْیَدِ بِاَنْ تُدْخِلَهَا فِیْ جَیْبِكَ فَتَعُوْدُ اِلٰى حَالَتِهَا الْاُوْلٰى وَعَبَّرَ عَنْهَا بِالْجَنَاحِ لِاَنَّهَا لِلْاِنْسَانِ كَالْجَنَاحِ لِلطَّائِرِ **فَذٰنِكَ** بِالتَّشْدِیْدِ وَالتَّخْفِیْفِ اَیِ الْعَصَا وَالْیَدُ وَهُمَا مُؤَنَّثَانِ وَاِنَّمَا ذُكِّرَ الْمُشَارُ بِهٖ اِلَیْهِمَا الْمُبْتَدَاُ لِتَذْكِیْرِ خَبَرِهٖ **بُرْهَانٰنِ** مُرْسَلَانِ **مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا** هُوَ الْقِبْطِیُّ السَّابِقُ **فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾** بِهٖ **وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا** اَبْیَنُ **فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً** مُعِیْنًا وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الدَّالِ بِلَا هَمْزَةٍ **یُّصَدِّقُنِیْٓ ۡ** بِالْجَزْمِ جَوَابُ الدُّعَاءِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ وَجُمْلَتُهٗ صِفَةُ رِدْءًا **اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ** نُقَوِّیْكَ **بِاَخِیْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا** غَلَبَةً **فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚۛ** بِسُوْءٍ اِذْهَبَا **بِاٰیٰتِنَآ ۚۛ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾** لَهُمْ **فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰیٰتِنَا بَیِّنٰتٍ** وَاضِحَاتٍ حَالٌ **قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى** مُخْتَلَقٌ **وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا** كَائِنًا **فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ** بِوَاوٍ وَبِدُوْنِهَا **مُوْسٰى رَبِّیْٓ اَعْلَمُ** اَیْ عَالِمٌ **بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ** اَلضَّمِیْرُ لِلرَّبِّ **وَمَنْ** عَطْفٌ عَلٰى مَنْ **تَكُوْنُ** بِالْفَوْقَانِیَّةِ وَالتَّحْتَانِیَّةِ **لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ**

اَیِ الْعَاقِبَۃُ الْمَحْمُوْدَۃُ فِی الدَّارِ الْاٰخِرَۃِ اَیْ وَھُوَ اَنَا فِی الشِّقَّیْنِ فَاَنَا مُحِقٌّ فِیْمَا جِئْتُ بِہٖ **اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾** اَلْکَافِرُوْنَ **وَقَالَ فِرْعَوْنُ یٰٓاَیُّھَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرِیْ ج فَاَوْقِدْ لِیْ یٰھَامٰنُ عَلَی الطِّیْنِ** فَاطْبُخْ لِیَ الْاٰجُرَّ **فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا** قَصْرًا عَالِیًا **لَّعَلِّیْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓی اِلٰہِ مُوْسٰی** اَنْظُرُ اِلَیْہِ وَاَقِفُ عَلَیْہِ **وَاِنِّیْ لَاَظُنُّہٗ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ ﴿۳۸﴾** فِیْ اِدِّعَائِہٖ اِلٰھًا اٰخَرَ وَاَنَّہٗ رَسُوْلُہٗ **وَاسْتَکْبَرَ ھُوَ وَجُنُوْدُہٗ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ اِلَیْنَا لَا یُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾** بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَلِلْمَفْعُوْلِ **فَاَخَذْنٰہُ وَجُنُوْدَہٗ فَنَبَذْنٰھُمْ** طَرَحْنَاھُمْ **فِی الْیَمِّ ج** اَلْبَحْرِ الْمَالِحِ فَغَرِقُوْا **فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾** حِیْنَ صَارُوْا اِلَی الْھَلَاکِ **وَجَعَلْنٰھُمْ** فِی الدُّنْیَا **اَئِمَّۃً** بِتَحْقِیْقِ الْھَمْزَتَیْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِیَۃِ یَاءً رُؤُسَاءَ فِی الشِّرْکِ **یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ ج** بِدُعَائِھِمْ اِلَی الشِّرْکِ **وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ لَا یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾** بِدَفْعِ الْعَذَابِ عَنْھُمْ **وَاَتْبَعْنٰھُمْ فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا لَعْنَۃً ج** خِزْیًا **وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ھُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ﴿۴۲﴾** اَلْمُبْعَدِیْنَ

ترجمہ:......... پھر موسیٰ جب اس مدت کو پورا کر چکے (بکریاں چرانے کی مدت آٹھ سال۔ یا غالباً دس سال پورے کئے ہوں گے) اور اپنی اہلیہ کو لے کر روانہ ہوئے (بیوی کو ان کے والد کی اجازت سے مصر کی طرف) تو انہیں دکھلائی دی (دور سے نظر آئی) کوہ طور کی طرف سے (ایک پہاڑ کا نام ہے) ایک آگ انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا تم ٹھہرو میں نے ایک آگ دیکھی ہے شاید میں وہاں سے کچھ خبر لاؤں (راستہ کے متعلق کیونکہ وہ راستہ بہک گئے تھے) یا کوئی انگارہ ہی (لفظ جذوۃ تینوں طرح ہے) جیم کے فتحہ، کسرہ، ضمہ کے ساتھ ٹکڑہ یا شعلہ) آگ لیتا آؤں تا کہ تم سینک لو (گرمائی لے لو۔ لفظ تصطلون اصل میں ط کی بجائے ف کے ساتھ تھا باب افتعال سے صلی بالنار سے ماخوذ ہے لام کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ آگ سے تاپنا) سو جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں آواز آئی اس میدان کی داہنی طرف (جانب) سے (حضرت موسیٰ کے داہنے سے) اس مبارک مقام میں (حضرت موسیٰ کے لئے وہ مقام بابرکت تھا۔ کیونکہ وہاں انہوں نے کلام الٰہی سنا تھا) ایک درخت سے (من الشجرۃ بدل ہے لفظ شاطی سے اعادہ جار کے ساتھ کیونکہ یہ درخت اس جانب اگے ہوئے تھے۔ عناب کے درخت ہوں یا گھا سبیل یا جھڑ بیری کے (لفظ ان مفسرہ ہے ان مخففہ نہیں ہے) اے موسیٰ میں اللہ رب العالمین ہوں اور یہ کہ تم اپنا عصا ڈال دو (چنانچہ حضرت موسیٰ نے لاٹھی ڈال دی) پھر جب انہوں نے اسے لہراتا ہوا (دوڑتا ہوا) دیکھا جیسا پتلا سانپ (سپولیا۔ پھرتیلا ہونے میں) تو وہ پشت پھیر کر بھاگے (سانپ کی وجہ سے) اور پھر کر بھی نہ دیکھا (یعنی مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ پھر انہیں پکارا گیا۔ اے موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو مت۔ تم مامون ہو۔ ڈالو (داخل کرو) اپنا ہاتھ (داہنا۔ مراد ہتھیلی ہے) اپنے گریبان میں (چاک میں ڈال کر پھر نکال لو) نکلے گا (برخلاف اس کے جو پہلے اس کا رنگ گندمی تھا) خوب روشن ہو کر بغیر کسی بیماری کے (یعنی برص کے بغیر۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکال لیا تو آفتاب کی شعاع کی طرح چمکنے لگا۔ جس سے نگاہ چکا چوند ہو جاتی) اور پھر اپنے سے ملا لینا اپنا بازو خوف کی وجہ سے۔

(لفظ رہب پہلے دو حرفوں کے ضمہ کے ساتھ اور دوسرے حرف کے سکون اور پہلے حرف کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ تینوں طرح ہے یعنی جو خوف ہاتھ کیا چمک سے پیدا ہو گا جب کہ گریبان میں ہاتھ ڈال کر پھر نکالنے سے وہ پہلی حالت پر لوٹ ئے گا۔ اور ہاتھ کو جناح سے تعبیر

کیا ہے۔ کیونکہ انسانی ہاتھ جانور کے بازو کے حکم میں ہوتے ہیں) سو یہ (لفظ ذانک تشدید اور تخفیف دونوں طریقہ سے آیا ہے۔ اس سے عصا اور ید مراد ہیں اور اسم اشارہ جو مبتداء ہے اس کا خبر لانا خبر کے مذکر ہونے کی وجہ سے ہے) دو سندیں ہیں (جو بھیجی جارہی ہیں) آپ کے پروردگار کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس یقیناً وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔

عرض کیا اے پروردگار میں نے ان میں سے ایک شخص (پہلے قبطی) کا قتل کیا ہے۔ سو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے (اس کے بدلہ میں) قتل کرڈالیں گے۔ اور میرے بھائی ہارون کہ وہ مجھ سے بھی زیادہ خوش بیان (رواں زبان) میں انہیں بھی میرا مددگار بنا کر رسالت سے نواز دیجئے۔

(لفظ ردءً یعنی معاون۔ ایک قراءت میں فتحہ دال کے ساتھ بلا ہمزہ کے بھی ہے) کہ وہ میری تصدیق کرتے رہیں (یصدقنی جزم کے ساتھ تو جواب دعا ہے اور ایک قراءت میں مرفوع یہ جملہ ردءً کی صفت ہوگا) مجھے یہ اندیشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب بھی کریں گے۔ فرمایا ہم ابھی تمہاری قوت بازو بنائے دیتے ہیں (تمہیں مضبوط کئے دیتے ہیں) تمہارے بھائی کو اور تم دونوں کو ایک شوکت (غلبہ) عطا کئے دیتے ہیں سو انہیں تم دونوں پر دسترس نہ ہوگی (بدسلوکی کرنے کی۔ تم دونوں جاؤ) ہمارے نشانات لے کر جاؤ۔ تم دونوں اور جو تمہارا تابعدار ہوگا وہ غالب رہے گا (فرعونیوں پر) پھر جب موسیٰ ان کے پاس ہمارے کھلے نشانات لے کر پہنچے (جو واضح تھے لفظ بینات حال ہے) تو وہ بولے کہ یہ تو محض ایک گھڑا ہوا (من گھڑت) جادو ہے اور ہم نے ایسی بات (کا ہونا) اپنے اگلے باپ دادوں کے وقت (زمانہ) میں تو سنا نہیں اور موسیٰ نے (قال واؤ کے ساتھ اور بغیر واؤ کے دونوں طرح ہے) فرمایا کہ میرا پروردگار خوب جانتا ہے (واقف ہے) اس کو جو اس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا ہے (عندہ کی ضمیر رب کی طرف راجع ہے) اور جسے (لفظ من کا لفظ من پر عطف ہے...... یکون اکثر قراء کے نزدیک تا کے ساتھ ہے اور حمزہ کے نزدیک یا کے ساتھ ہے) آخرت کا گھر ملنے والا ہے (یعنی آخرت میں بہترین انجام کس کا ہوگا؟ یعنی میں ہی ان دونوں باتوں کا مصداق ہوں لہذا میرا پیغام برحق ہے) بلاشبہ ظالم (کافر) کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔ اور فرعون بولا اے سردارو! مجھے تو اپنے سوا کوئی تمہارا خدا معلوم نہیں ہوتا۔ تو اے ہامان میرے لئے مٹی کو آگ میں پکا (اینٹوں کا پزاوہ بھٹہ لگا) پھر میرے لئے ایک بلند عمارت (اونچا مینار) بنا۔ تاکہ میں موسیٰ کے خدا کو دیکھو (نظر دوڑا کر معلوم کروں) اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں (کہ میرے علاوہ اور کوئی خدا ہے اور اس کا رسول ہے) اور فرعون اور اس کے لاؤ لشکر نے ملک میں ناحق اپنا سر اٹھا رکھا تھا اور یہ سمجھ رکھا تھا کہ انہیں لوٹ کر ہمارے پاس آنا نہیں ہے۔

(لا یرجعون معروف اور مجہول دونوں طرح ہے) سو ہم نے اس کو اور اس کے لاؤ لشکر کو پکڑ کر پھینک دیا (ڈال دیا) سمندر میں (کھارے پانی میں وہ سب ڈوب گئے) سو دیکھئے ظالموں کا انجام کیا ہوا؟ اور ہم نے انہیں (دنیا میں) ایسا رئیس بنا دیا تھا جو (لفظ ائمۃ دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے ہمزہ کو یا سے بدل کر دونوں طرح ہے۔ شرک کی پیشوائی مراد ہے) جو لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے رہے (شرک کی دعوت دے کر) اور قیامت کے روز کوئی ان کا ساتھ نہیں دے گا (ان سے عذاب دور کرنے میں) اور دنیا میں بھی (رسوائی کے لئے) ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگادی اور قیامت کے دن بھی وہ لوگ بدحال (راندہ) لوگوں میں ہوں گے۔

تحقیق وترکیب: .... سار باھلہ. تورات میں ہے کہ آپ کی بیوی کا نام صفورا تھا اور ان کے دو بچے تھے۔ جیسا کہ امکثوا صیغہ جمع سے اشارہ ہوتا ہے۔

جذوۃ. حمزہؒ نے ضمہ جیم کے ساتھ اور عاصم نے فتحہ اور باقی قراءؒ نے کسرہ جیم کے ساتھ پڑھا ہے۔ بقول صاحب کشافؒ موٹی لکڑی۔ جس کے سرے پر آگ روشن ہو۔ اور بقول زجاجؒ موٹے ٹکڑے کو جذوہ کہتے ہیں۔ اس کو تاء مبالغہ کی وجہ سے کہا گیا ہے۔

انی انا اللّٰہ. یہ کلام بلا کیف تھا۔ جس سے حضرت موسیٰؑ کو یقین ہو گیا۔ کہ یہ کلام الٰہی ہے اور سر سبز درخت پر آگ روشن دیکھ کر یقین ہو گیا کہ یہ صرف قدرت الٰہی کا کرشمہ ہے۔

من الشجرۃ. لفظ شاطی سے بدل الاشتمال ہے۔

علیق. بقول قاموسؒ ایک قسم کی گھاس جو درخت پر پھیلتی ہے۔ اس کے چبانے سے مسوڑھے مضبوط ہو جاتے ہیں اور عوسج بقول صراح گھاس بیل یا کانٹے دار جنگلی درخت جس پر پھل چنے کے برابر آتے ہیں قدرے لمبے۔

و اد ایمن. حضرت موسیٰ کی داہنی جانب ہونے کے لحاظ سے ہے۔

ان یٰموسیٰ. ان مفسرہ ہے ای بان یموسیٰ. ان مخفف نہیں ہے۔ کیونکہ یہ معنی مقصود اس صورت میں حاصل نہیں ہے۔ اس سے ان لوگوں پر رد ہو گیا۔ جو اسم ان کو ضمیر مکان محذوف مانتے ہیں ای نو دی بانہ.

جان. اس آیت میں " فاذا ھی ثعبان مبین ہے۔ جس کے معنی بڑے موٹے اژدہا کے ہیں۔ مفسر علامؒ نے من سرعۃ حرکتھا کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ جان کہنا بلحاظ تیز رفتاری کے ہے اور ثعبان کہنا بلحاظ جثہ کے ہوگا۔ یا ابتداء میں جان ہوتا ہو اور بڑا ہوتے ہوتے ثعبان بن جاتا ہے۔

جناحک. یہاں جناح کو مفہوم اور سورۂ طٰہ کی آیت واضمم یدک الیٰ جناحک میں مضمون الیہ فرمایا گیا ہے دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ یہاں داہنا بازو اور سورہ طٰہ میں بایاں بازو مراد لیا جائے اور جس طرح خوف وامن کے وقت پرندوں کے بازو پھیلتے اور سکڑتے ہیں۔ اسی طرح انسان کے بازوؤں کا حال ہے۔ اس لئے جناح سے تعبیر کیا اور گریبان یا بغل میں ہاتھ ڈال کر طبعی خوف کے ازالہ کی تدبیر مقصود ہوگی۔ جو لکڑی کے تغیرات سے پیش آیا تھا۔

من غیر سوء. اس سے موجودہ تورات کے اس بیان کی تغلیط ہوگی کہ عیاذ اًباللہ آپ کو برص کی بیماری تھی۔

ذانک. مشدد قراءت ابو عمروؒ اور ابن مالکؒ کی ہے۔ اسی صورت میں ذلک کا تثنیہ ہوگا۔ لام کو عوض مشدد کر دیا گیا اور مخفف باقی قراء کی قراءت ہے۔ اور ذاک تثنیہ ہے۔ البتہ اس کا مشار الیہ عصا اور ید ہیں۔ اس لئے اسم اشارہ لفظ تان آنا چاہئے تھا۔ مفسر علامؒ نے جواب دیا۔ کہ اس کی خبر برھانان کے مذکر ہونے کی وجہ سے اسم اشارہ مذکر لایا گیا ہے۔

من ربک. مفسر علامؒ نے اس کا متعلق مرسلان نکالا ہے۔ لفظ کائنان بھی مقدر ہو سکتا ہے۔ بہر صورت یہ برھانان کی صفت ہے۔ اور کرخیؒ نے الیٰ فرعون کا متعلق محذوف نکالا ہے۔ ای اذھب الیٰ فرعون. یصدقنی. یہ ارسلہٗ کا جواب ہونے کی وجہ سے مجزوم بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن جمہور اور عاصم کی قرائت میں مرفوع ہے اور جملہ صفت ہو جائے گی رد ءاً کی۔ اس صورت میں جواب کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ قاضی نے جواب نکالا ہے۔ کیونکہ ہر امر اس کا جواب ضروری نہیں۔

عضدک. قاضی بیضاویؒ نے اس میں دوہرا مجاز مرسل مانا ہے۔ سبب اول مسبب مراد لیا گیا ہے۔ کیونکہ شدت عضد سبب ہے شدت ید کا اور شدت ید سبب ہے قوت شخصی کا۔

باٰیٰتنا. اس میں کئی صورتیں ہو سکتی ہیں:۔

۱۔ نجعل کے متعلق کہا جائے۔

۲۔ یصلون کے متعلق کہا جائے۔

۳۔ محذوف کے متعلق کہا جائے ای اذھبا باٰیاتنا.

۴۔ بیان مان کر محذوف سے متعلق ہے۔
۵۔ غالبون سے متعلق ہے اور الغالبون میں الف لام موصول ہو یا موصول نہ ہو ظروف میں توسع ہوتا ہے۔
۶۔ یہ قسم ہے اور اس کا جواب محذوف ہو جس پر فلا یصلون دلالت کر رہا ہے۔
۷۔ قسم لغو ہے یہاں آیات سے اگرچہ عصا اور ید بیضا مراد ہیں۔ مگر جمع کے ساتھ تعبیر بہت سی نشانیوں پر ان دونوں کے مشتمل ہونے کی وجہ سے ہے۔

ما سمعنا۔ یہ محض عناد کی وجہ سے کہا ہے۔ ورنہ حضرت ابراہیم واسحاق ویعقوب علیہم السلام اور ان کی تعلیمات مشہور تھیں۔

وقال۔ ابن کثیرؒ بغیر واؤ کے پڑھتے ہیں۔ کیونکہ یہ ان کے قول کا جواب ہے۔ لیکن اکثر قراء واؤ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ گویا دونوں قول کی حکایت بطریق عطف کردی۔ تاکہ ناظر صحیح اور غیر صحیح میں امتیاز کر سکے۔

ربی اعلم۔ مفسر علامؒ نے اسم تفصیل کو بمعنی اسم فاعل کہا ہے۔ اس لئے اب یہ شبہ نہیں ہوسکتا۔ کہ اسم تفصیل تو اسم ظاہر کو نصب نہیں دے سکتا۔

من تکون۔ عام قراءؒتا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ عاقبة اسم اور لہٗ خبر ہے اور اسم ضمیر قصہ بھی ہوسکتی ہے اور تانیث بھی اسی وجہ سے ہے اور لہٗ عاقبة الدار یہ جملہ خبر کی جگہ ہے اور بعض نے یکون پڑھا ہے۔ عاقبة اسم اور مذکر ہونا فصل کی وجہ سے نیز مجازی ہونے کی وجہ سے ہے اور اسم ضمیر شان اور جملہ خبر بھی ہوسکتا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ تکون تامہ ہو اس میں ضمیر جس کا مرجع من ہو اور جملہ حال ہو۔

عاقبة الدار۔ قاضی بیضاویؒ نے دار سے مراد دنیا اور عاقبة سے مراد خیریت لی ہے۔ لیکن مفسر علامؒ دار سے دار آخرت اور عاقبة سے مراد محمود لے رہے ہیں۔ جس کا قرینہ لہٗ کا لام ہے۔ جس کے معنی نفع کے ہیں۔

فاوقد۔ اینٹوں کے بھٹہ اور پزادہ کا موجد فرعون وہامان کو بتلایا جاتا ہے۔

انظر۔ احمق یہ سمجھا کہ خدا کوئی جسم ہے جو نظر آ جائے گا۔ یا محض عوام کو دھوکہ دینے کے لئے یہ کہا ہو کہ حضرت موسیٰ کے معتقد اور مجھ سے فرنٹ نہ ہو جائیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہامان نے پچاس ہزار کاریگر بلوائے اور اتنا اونچا منارہ بنایا کہ اس سے پہلے کبھی اتنی بلند عمارت نہیں بنائی گئی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جبرائیلؑ کے ذریعہ اسے تہس نہس کرادیا۔

فانظر۔ آنحضرت ﷺ کو یا عام طور سے سب کو خطاب ہے۔

ائمة۔ اس میں دوسرے ہمزہ کو یا سے بدلنے کی قرائت کسی کی نہیں ہے۔ صرف عربیت کے لحاظ سے مفسر علامؒ نے بیان کردیا ہے۔ **من المقبوحین**۔ اس میں کئی صورتیں ہوسکتی ہیں:۔

۱۔ یوم القیامة کا تعلق مقبوحین سے ہو۔ درانحالیکہ الف لام موصول نہ ہو یا موصولہ ہو۔
۲۔ اس کا تعلق محذوف کے ساتھ ہو۔ اس کی تفسیر مقبوحین سے ہو رہی ہے ای وتجرا یوم القیامة۔
۳۔ یوم القیامة کا عطف فی هذه الدنیا پر ہو ای واتبعنا هم لعنة ویوم القیمة۔
۴۔ بتقدیر مضاف لعنة پر عطف کیا جائے۔ ای ولعنة یوم القیامة۔ مقبوح کے معنی مردود کے ہیں یا برا نشان جیسے چہرہ کی سیاہی آنکھوں کی نیل گونی وغیرہ۔

﴿ تشریح ﴾:...........شادی کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے خسر حضرت شعیب علیہ السلام کی اجازت سے گھر واپسی کے لئے بیوی کے ساتھ رخصت ہوئے۔ اثنائے سفر میں ایک رات اتفاق سے سردی ہوئی اور حضرت موسیٰؑ راستہ بھی بھول گئے۔ کہ اچانک انہیں طور پہاڑ پر آگ کے شعلے نظر آئے۔ جو ایک درخت پر بھڑک رہے تھے۔ وہ ایک نور اور روشنی تھی جو انہیں آگ کی صورت میں نظر آئی اور یہ سمجھے کہ یہاں کہیں آبادی ہوگی۔ وہاں شرف ہمکلامی نصیب ہوا۔ جس کی وجہ سے وہ کلیم اللہ کہلائے۔ اور عصا کے اژدھا بن کر پھر لکڑی بن جانے اور ید بیضا کے دو معجزات بطور نبوت کی نشانیوں کے عطا ہوئے۔ لاٹھی کے سانپ بننے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو طبعی خوف ہوا۔ اس کے ازالہ کے لئے گریبان میں ہاتھ ڈالنے اور بازو کو پہلو سے ملا لینے کا حکم ہوا اور شاید آگے کے لئے بھی خوف دور کرنے کی یہ ترکیب بتلادی ہو۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معجزہ تمام تر اللہ کا فعل ہوتا ہے۔ پیغمبر اس کا صرف واسطہ ہوتا ہے۔ اسے اس معجزہ کی تکوین وتخلیق میں مطلقاً دخل نہیں ہوتا۔ ورنہ پیغمبر کو کم از کم اپنے معجزہ سے تو خوف نہیں ہونا چاہئے۔ اسی لئے بعض عارفین نے لاتخف کی یہ توجیہ کی ہے کہ تخلیق کی طرح پیغمبر کو اس کے صادر کرنے کا اختیار بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے ڈر ہوا کہ کہیں اس کو ظاہر کرنا مناسب سمجھوں اور مصلحت خداوندی نہ ہوئی۔ تو پھر معجزہ کا اظہار بھی نہیں ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ شرمندہ ہونا پڑے۔

معجزات انبیاءؑ اختیاری نہیں ہوتے اس لئے وہ خائف رہتے ہیں:...........یہ دو سندیں اس لئے عطا کی گئیں۔ تا کہ فرعون اور قبطیوں پر اتمام حجت ہو سکے۔ یہ عنایات ونوازش دیکھ کر حضرت موسیٰؑ نے خصوصی امداد کی درخواست پیش کرتے ہوئے دو باتیں عرض کیں۔ ایک تو قبطی کے واقعہ قتل کے نتائج کا فکر اور دوسرے اپنی زبان میں قدرے بستگی۔ جس سے بیان کی روانی میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ جو حجت ومباحثہ کے موقعہ پر مخل ہو سکتی ہے۔ اس لئے پہلے خطرہ کے سدباب کے ساتھ بڑے بھائی حضرت ہارونؑ کے لئے بطور تائید نبوت کی استدعا کی۔ حضرت موسیٰؑ کی زبان میں قدرے لکنت تھی۔ مگر حضرت ہارون علیہ السلام بڑے شگفتہ بیان صاف بیان تھے۔ بہر حال یہ دونوں درخواستیں منظور فرما کر مطمئن فرما دیا گیا۔ اصل داعی حضرت موسیٰؑ ہوئے اور ان کے معاون و مددگار حضرت ہارونؑ رہے۔

یہ واپسی اگر مصر کی طرف ہو رہی تھی تب تو فرعون کا خطرہ بالکل واضح ہے۔ واقعہ قتل گو پرانا ہو چکا تھا۔ مگر فرعون سے حضرت موسیٰؑ کا چھپا رہنا مشکل تھا۔ البتہ اگر حضرت موسیٰ ملک شام تشریف لے جا رہے تھے۔ تو بظاہر وہاں رہ کر فرعون سے اگرچہ کوئی خطرہ نہیں تھا۔ مگر ممکن ہے فرعون کے پاس مستقل طور پر جانے کے حکم پر حضرت موسیٰ نے یہ خدشہ ظاہر ہوا ہو۔ سورۂ اعراف، سورۂ طٰہ، سورۂ نمل میں بھی اس واقعہ ذکر آیا ہے۔

ہٹ دھرمی کی حد:...........ان نشانیوں اور حضرت موسیٰؑ کی گفتگو سن کر فرعونی لوگ بولے کہ یہ تو جادو ہے اور جو باتیں خدا کی طرف منسوب کر کے بیان کی جا رہی ہیں وہ بھی جادو ہے۔ جو خود ان کی من گھڑت ہیں۔ مگر نام ان کو وحی کا دیتے ہیں۔ یہ وحی وغیرہ کچھ نہیں محض ساحرانہ تخیل ہے۔ مثلاً ساری دنیا کو پیدا کرنے والا ایک خدا کو کہنا اور ایک وقت میں سب کو فنا کر کے دوبارہ زندہ کر دینا اور خدا کا کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجنا یہ باتیں ہم نے آج تک اپنے بزرگوں سے نہیں سنی ہیں۔

پہلے تو فرعون نے درباریوں کے سامنے ڈینگ ماری۔ کہ دنیا میں میرے علاوہ دوسرا خدا کون ہے؟ اس میں شک نہیں کہ فرعون خود مختار، مطلق العنان جابر بادشاہ تھا۔ اس کی زبان سے صادر ہوئے فیصلہ کی اپیل کی بھی کہیں گنجائش نہیں تھی۔ وہ سب کچھ اپنے

اختیار سے کرسکتا تھا۔ اسی کو وہ اپنی خدائی سے تعبیر کررہا ہے۔ ملک کی ایک بڑی اکثریت اس کو سب سے بڑے دیوتا کا اوتار سمجھتی تھی۔

بیچارے حضرت موسیٰ وہارونؑ تو پھر ایک محکوم مظلوم قوم کے فرد تھے۔ ان کو وہ کیا خاطر میں لاتا فراعنہ مصر۔ مصریوں کے عقیدہ میں خدائی اوتار تھے اور بادشاہ سب سے بڑے دیوتا سورج کا ترجمان ہوتا تھا اور اپنا رعب جمانے کے لئے اور لوگوں کو دھوکہ اور مغالطہ میں ڈالنے یا محض دفع الوقتی کے لئے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ پکی اینٹوں کا بھٹہ اور پزادہ لگا کر ایک نہایت اونچی لاٹھ بناؤ۔ میں ذرا آسمان کے قریب پہنچ کر موسیٰ کے خدا کو جھانک آؤں اور ذرا اس کی خبر لیتا آؤں۔ زمین میں تو مجھے اپنے سوا کوئی خدا نظر نہیں آتا۔ آسمان میں بھی خیال تو یہی ہے کہ کوئی نہ ہوگا۔ تاہم موسیٰ کی بات کا جواب ہوجائے گا اور لوگ سمجھیں گے بڑا ہی محقق ہے۔ اس تعمیر کا بننا نہ بننا کسی صحیح روایت میں نہیں آیا۔

فرعون کے تمسخر کا انجام:............ یہ بات اس ملعون نے یا تو تمسخر واستہزاء کے انداز میں کہی ہوگی یا پھر اس درجہ بدحواس اور پاگل ہوگیا ہو کہ اس طرح کی پوچ اور مضحکہ خیز تجویزیں سوچنے لگا۔ اپنے انجام سے غافل ہو کر اس قدر بلند بانگ دعویٰ کر بیٹھا اور یہ نہ سوچا کہ کوئی اس کی گردن نیچی کرنے والا اور سر توڑنے والا بھی موجود ہے۔ بالآخر خدائے قہار نے دنیا کو عبرت کا تماشہ دکھلانے کے لئے لاؤ لشکر سمیت فرعون کو بحر قلزم میں ڈبو کر ہمیشہ کے لئے اس کا قصہ پاک کردیا۔ یہ تو ہوا دنیا میں ان کا انجام۔ لیکن جس طرح یہاں وہ سرکش اور برگشتہ لوگوں کے پیش پیش رہے۔ وہاں بھی دوزخیوں کے آگے امام بنا کر رکھا جائے گا۔ دنیا میں گمراہی کی قیادت کا انجام تو یہ ہوا کہ سب کی زبان پر ہمیشہ لعنت رہی۔ کوئی انہیں اچھا کہنے والا نہیں ہے۔ اسی طرح آخرت میں پیشوائی کا تمغہ ہمیشہ کے لئے رحمت خداوندی سے محرومی ہوگی۔

لطائف سلوک:............ ویجعل لکما سلطانا سے اہل اللہ کے لئے باوجود انتہائی سادگی اور بے سروسامانی کے ہیبت و جلال کا عطا ہونا معلوم ہوا اور یہ کہ اس ہیبت سے اگر خدمت دین میں کام لیا جائے تو خدا کا بہت بڑا انعام بھی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التَّوْرٰةَ **مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى** قَوْمَ نُوْحٍ وَعَادٍ وَثَمُوْدَ وَغَيْرَهُمْ **بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ** حَالٌ مِّنَ الْكِتَابِ جَمْعُ بَصِيْرَةٍ وَهِيَ نُوْرُ الْقَلْبِ اَيْ اَنْوَارًا لِّلْقُلُوْبِ **وَهُدًى** مِنَ الضَّلَالَةِ لِمَنْ عَمِلَ بِهٖ **وَّرَحْمَةً** لِمَنْ اٰمَنَ بِهٖ **لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ** ﴿۴۳﴾ يَتَّعِظُوْنَ بِمَا فِيْهِ مِنَ الْمَوَاعِظِ **وَمَا كُنْتَ** يَامُحَمَّدُ **بِجَانِبِ** الْجَبَلِ اَوِ الْوَادِيْ اَوِ الْمَكَانِ **الْغَرْبِيِّ** مِنْ مُّوْسٰى حِيْنَ الْمُنَاجَاةِ **اِذْ قَضَيْنَآ** اَوْحَيْنَآ **اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ** بِالرِّسَالَةِ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ **وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ** ﴿۴۴﴾ لِذٰلِكَ فَتَعْرِفُهٗ فَتُخْبِرُبِهٖ **وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا** اُمَمًا بَعْدَ مُوْسٰى **فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ** اَيْ طَالَتْ اَعْمَارُهُمْ فَنَسُوا الْعُهُوْدَ وَانْدَرَسَتِ الْعُلُوْمُ وَانْقَطَعَ الْوَحْيُ فَجِئْنَابِكَ رَسُوْلًا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْكَ خَبَرَ مُوْسٰى وَغَيْرِهٖ **وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا** مُقِيْمًا **فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا** خَبَرٌ ثَانٍ فَتَعْرِفُ قِصَّتَهُمْ فَتُخْبِرُبِهَا **وَلٰكِنَّا كُنَّا**

مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ لَكَ وَاِلَيْكَ بِاَخْبَارِ الْمُتَقَدِّمِيْنَ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ الْجَبَلِ اِذْ حِيْنَ نَادَيْنَا مُوْسٰى اَنْ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَلٰكِنْ اَرْسَلْنَاكَ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ وَهُمْ اَهْلُ مَكَّةَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾ يَتَّعِظُوْنَ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ عُقُوْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ مِنَ الْكُفْرِ وَغَيْرِهٖ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ هَلَّا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ الْمُرْسَلَ بِهَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَجَوَابُ لَوْلَا مَحْذُوْفٌ وَمَابَعْدَهَا مُبْتَدَأٌ وَالْمَعْنٰى لَوْلَا الْاِصَابَةُ الْمُسَبَّبُ عَنْهَا قَوْلُهُمْ اَوْلَوْلَا قَوْلُهُمُ الْمُسَبَّبُ عَنْهَا لَعَا جَلْنَاهُمْ بِالْعُقُوْبَةِ وَلَمَّا اَرْسَلْنَاكَ اِلَيْهِمْ رَسُوْلًا فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مُحَمَّدٌ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ هَلَّا اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنَ الْاٰيَاتِ كَالْيَدِ الْبَيْضَاءِ وَالْعَصَا وَغَيْرِهِمَا اَوِ الْكِتَابُ جُمْلَةً وَاحِدَةً قَالَ تَعَالٰى اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ حَيْثُ قَالُوْا فِيْهِ وَفِيْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِحْرٰنِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ سِحْرَانِ اَيِ التَّوْرٰةُ وَالْقُرْاٰنُ تَظَاهَرَا تَعَاوَنَا وَقَالُوْآ اِنَّا بِكُلٍّ مِّنَ النَّبِيَّيْنِ وَالْكِتَابَيْنِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَهُمْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ مِنَ الْكِتَابَيْنِ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فِيْ قَوْلِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ دُعَاءَكَ بِالْاِتْيَانِ بِكِتَابٍ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ فِيْ كُفْرِهِمْ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اَيْ لَا اَضَلَّ مِنْهُ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ الْكَافِرِيْنَ

ترجمہ: .... اور بالیقین ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) دی تھی۔ اگلی امتوں (قوم عاد وثمود وغیرہ) کے ہلاک ہونے کے بعد۔ جو لوگوں کے لئے دانش مندیوں کا ذریعہ تھی (یہ حال ہے الکتاب سے بصائر جمع ہے بصیرة کی بمعنی نور قلب ای انواراً للقلوب) اور ہدایت کا (گمراہوں کے لئے) اور (مومنین کے لئے) رحمت کا۔ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں (اس میں جو نصیحت آمیز باتیں ہیں ان سے سبق سیکھیں) اور (اے محمد ﷺ) آپ موجود نہ تھے (پہاڑ یا وادی یا مکان کی) غربی جانب (حضرت موسیٰ کے مناجات کرتے وقت) جب ہم نے احکام دیئے (وحی کی) موسیٰ کو (فرعون اور اس کی قوم کے پاس جانے کے لئے) اور نہ آپ قیام پذیر (ٹھہرے ہوئے) تھے اہل مدین میں کہ ہماری آیتیں ان لوگوں کو پڑھ کر سنا رہے ہوتے (یہ خبر ثانی ہے کہ اس طرح آپ ان کے حالات سے باخبر ہو کر ان کو بیان کر سکتے) لیکن ہم ہی آپ کو رسول بنانے والے ہیں (آپ کو پیغمبر بنا کر اور آپ کی طرف پچھلے حالات کی پیغام رسانی کر کے) اور نہ آپ طور (پہاڑ) کے دامن میں تھے جب ہم نے آواز دی (موسیٰ کو کہ مضبوطی سے کتاب تھامو) لیکن (ہم نے آپ کو پیغمبر بنایا) آپ کے پروردگار کی رحمت سے تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا (مکہ کے لوگ مراد ہیں) کیا عجب ہے کہ یہ لوگ نصیحت قبول کریں (عبرت پکڑیں) اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان پر کوئی مصیبت (سزا) نازل ہو جاتی ان کے کرتوتوں کے سبب (کفر وغیرہ کی وجہ سے) تو یہ کہنے لگتے اے ہمارے پروردگار آپ نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیج دیا کہ آپ کے احکام کی پیروی کرتے (جو آپ نے بھیجے ہیں) اور ایمان لانے والوں میں ہو جاتے

(لولا کا جواب محذوف ہے اور اس کے بعد کا جملہ مبتداء ہے۔ معنی یہ ہوں گے کہ اگر وہ مصیبت نہ آتی جس کا سبب ان کا یہ کہنا ہوتا۔ یا ان کا یہ کہنا باعث نہ ہوتا تو ہم اسے فوراً سزا دے دیتے اور آپ کو ان کے پاس رسول بنا کر نہ بھیجتے) جو جب ان لوگوں کے پاس ہماری طرف سے حق (یعنی حضرت محمد ﷺ) پہنچے تو کہنے لگے کہ اس رسول کو وہ کیوں نہ ملا جیسا موسیٰ کو ملا تھا (یعنی ید بیضاء۔ عصا وغیرہ نشانیاں یا پوری کتاب ایک دم۔ فرمایا) کیا جو موسیٰ کو ملا تھا تو پہلے یہ لوگ اس کے منکر نہ ہوئے تھے کہنے لگے (موسیٰ کے متعلق یا محمد ﷺ کی نسبت) کہ دونوں کو جادو کہیں (اور ایک قراء میں لفظ سحران ہے مراد توراۃ وقرآن ہے) ایک دوسرے کے مددگار (معاون) اور کہتے ہیں ہم تو ہر ایک (نبی یا کتابوں) کے منکر ہیں۔ آپ (ان سے) کہے کہ اچھا تو کوئی کتاب اللہ کے پاس سے ایسی لے آؤ۔ جو ہدایت میں ان (دونوں کتابوں) سے بہتر ہوں۔ میں اسی کی پیروی کرنے لگوں گا۔ اگر تم (اپنی بات میں) سچے ہو۔ پھر اگر یہ لوگ (کتاب لانے کے متعلق) آپ کا یہ کہنا نہ کرسکیں تو آپ سمجھ لیجئے کہ یہ لوگ (اپنی کفریات میں) محض اپنی نفسانی خواہشات پر چلتے ہیں اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی ہدایت کے علاوہ محض اپنی نفسانی خواہش پر چلے (یعنی اس سے بڑھ کر گمراہ کوئی نہیں) بلاشبہ اللہ ایسے ظالموں (کافروں) کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

تحقیق وترکیب:.......... **بصائر**. حال۔ مفعول لہ مبالغہ کے لئے ہوسکتا ہے۔ بصیرۃ نور نظر کو بصارت اور نور قلب کو بصیرۃ کہا جاتا ہے۔ بصائر. انوار قلوب۔

جانب الغربی. مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے کہ موصوف کی اضافت الی الصفت ہو رہی ہے۔ بتقدیر المضاف جو کوفیوں کے نزدیک جائز ہے۔ قرآن وحدیث میں بکثرت اس کی مثالیں ہیں۔ اور بصریین نے ان میں جو تاویلات کی ہیں وہ رکیک اور بارد ہیں۔ اور بصری نحاۃ اضافت موصوف الی الصفت جائز نہیں مانتے۔ کیونکہ اس میں اضافت الشئی الیٰ نفسہ لازم آتی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ صفت سے مضاف مقدر ماننے سے فی الجملہ مغائرت ہو جاتی ہے اور یہ اشکال نہیں رہتا۔

من الشاهدين. بظاہر ما کنت بجانب المغربی کے بعد اس جملہ کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ کیونکہ دونوں جملوں کا مفہوم ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔ مگر کہا جائے گا۔ کہ دونوں کا مفہوم الگ الگ ہے۔ کیونکہ کسی جگہ موجود ہونے سے وہاں کے واقعات کا دیکھنا لازم نہیں آتا۔

ما كنت ثاويا. بظاہر بلحاظ ترتیب یہ جملہ پہلے مانا جائے گا۔ مگر مقصود متعدد نعمتوں کا مستقل طور پر شمار کرنا ہے اور وہ غیر مرتب صورت میں واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے۔ کیونکہ بالترتیب بیان کرنے میں دھوکہ ہوسکتا ہے کہ پورا ایک ہی واقعہ بیان کرنا ہے۔

ابائنا . خبر ثانی کی طرح حال بھی بن سکتا ہے۔

بجانب الطور . جس چوٹی کا نام طور ہے وہ کوہستان سینا کی جانب مغرب میں ہے۔ حضرت موسیٰ کی طور پر یہ حاضری توراۃ عطا ہونے کے سلسلہ میں تھی اور پہلی عطائے نبوت کے لئے ان دونوں کے درمیان تیس سال فصل ہے اور بعض نے اس کی ترتیب برعکس بیان کی ہے۔

من قبلك . حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے بعد آنحضرت ﷺ پہلے عرب ہیں اور کوئی پیغمبر نہیں آئے۔ خالد بن سنان کا نبی ہونا اگر درست بھی تسلیم کرلیا جائے تو کہا جائے گا۔ کہ ان کی رسالت عرب میں شائع نہیں ہوئی ہوگی۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ کی دعوت کی تفصیلات نہیں پہنچی ہوں گی اور حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کی دعوت بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص تھی۔ اس لئے فی الجملہ عرب کا اعتذار صحیح ہوتا۔ مگر آنحضرت ﷺ کی رسالت سے اتمام حجت ہوگیا۔

لولا ان تصیبھم ۔ یہ لولا امتناعیہ ہے اور ان اور ما مرفوع ہیں۔ ابتداء کی وجہ سے ای لولا اصابۃ المصیبۃ لھم جواب محذوف ہے۔ زجاجؒ نے ما ارسلنا الیھم مرسلا مانا ہے اور ابن عطیہؒ نے لعاجلنا ھم بالعقوبۃ اور فیقو لوا کا عطف تصیبھم پر ہے اور دوسرا لولا تحضیضیہ ہے اور فنتبع اس کا جواب ہے۔ منصوب باضمار ان مفسرؒ علام کا قول لولا الا صابۃ مقتضی ترکیب کا بیان ہے اور ولولا قولھم سے حاصل معنی کا بیان ہے۔ اس آیت پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر مصائب آئے ہوں گے اور انہوں نے مذکورہ قول بھی کہا ہوگا۔ حالانکہ نزول آیت کے وقت یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں...... جواب یہ ہے کہ یہ گفتگو محض بفرض محال اور برسبیل تقدیر ہے، جس میں صرف احتمال بھی کافی ہوتا ہے۔ یعنی بالفرض اگر ان پر مصیبت آتی اور یہ بطور عذر کہتے کہ ہمارے پاس کیوں نہیں کسی کو بھیج دیا ہوتا ہم ضرور اس کی پیروی کرتے...... عربی اسلوب بیان میں ایسے مواقع پر حذف اور تقدیر کلام کمال حسن اور عین فصاحت ہے۔

ربط آیت:......... ولقد اٰتینا الخ سے واقعات بنی اسرائیل کا حوالہ دے کر انبیاءؑ کی بعثت و رسالت کی ضرورت ہر زمانہ کے لحاظ سے بیان کی جا رہی ہے کہ لوگ جب خراب ہو جاتے ہیں تو انبیاءؑ کے ذریعہ ان کی اصلاح کرادی جاتی ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ تمام عالم کی تاقیامت اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے۔ اس رکوع کی اگلی آیات میں آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل اور بعض شبہات کے جوابات ذکر فرمائے گئے ہیں۔

﴿تشریح﴾:......... **مشروعیت جہاد کے بعد آسمانی عذاب موقوف:**......... من بعد ما اھلکنا القرون تورات سے پہلے تو دنیا میں تباہ و برباد اور بالکل غارت کر دینے والے عذاب آئے۔ مگر بعد میں عام سماوی ہلاکت کی بجائے جہاد کا طریقہ مشروع کر دیا گیا۔ کیونکہ کچھ نہ کچھ لوگ شریعت پر قائم رہے۔ جن کی وجہ سے بالکل نیست و نابود نہیں کیا گیا اور سچ تو یہ ہے۔ کہ قرآن شریف کے بعد تورات ہی کا درجہ ہے۔ جس میں قرآن سے ملتی جلتی بہت خوبیاں ہیں اور آج جب کہ اس کی پیروؤں نے اسے ضائع کر دیا تو قرآن ہی اس کے ضروری علوم و ہدایات کی حفاظت کر رہا ہے۔ قرآن کے ذریعہ آنحضرت ﷺ پچھلے تاریخی واقعات باوجود امی محض ہونے کے من وعن ایسے بیان کر دیتے کہ گویا آپ ان واقعات کو دیکھ رہے ہیں۔ واقعات موسیٰ ہی کو لے لیجئے ایسی صحت وصفائی سے آپ بیان فرما رہے ہیں جیسے وہیں طور کے پاس کھڑے دیکھ رہے ہوں۔ حالانکہ نہ آپ ﷺ وہاں موجود تھے اور نہ کسی عالم کی صحبت میں رہے۔ ٹھیک ٹھیک واقعات کا جید عالم مکہ میں تھا ہی کہاں؟ پھر زمانہ ہو گیا تھا ان واقعات کو بیتے ہوئے، ان کے تذکرے بھی مٹ مٹا گئے تھے۔ اب ان حالات میں ایک بالکل امی شخص جب ان کو اس طرح کھول کھول کر بتلائے کہ کہیں ایک نقطہ اور ایک شوشہ کا فرق نہ رہے تو آخر یہ کس بات کی شہادت و علامت ہے؟

کسی بات کو معلوم کرنے کے چار طریقے:......... کسی واقعہ کے جاننے کی چار ہی صورتیں ہوسکتی ہیں:۔

۱۔ عقلیات میں تو عقل، اور ظاہر ہے کہ یہ واقعات عقلی نہیں کہ زور عقل سے معلوم کر لئے جائیں۔

۲۔ نقلیات ہوں تو ان کے جاننے والوں سے اس کا علم۔

۳۔ یا پھر اپنا مشاہدہ۔ ان دونوں صورتوں کا آنحضرت ﷺ کے لئے اتنا جلی ہے کہ مخالفین بھی انکار نہیں کر سکتے۔

۴۔ پس اب یہ بات متعین ہو گئی کہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی اسی علیم و خبیر نے یہ حالات بتلائے ہیں جس کے سامنے ہر غائب بھی حاضر ہے۔

آیت وما کنت بجانب الغربی میں یہ بتلانا ہے کہ یہ حق تعالیٰ کا انعام ہے کہ آپ کو ان حقائق وواقعات سے آگاہ کیا۔ نیز آپ ﷺ کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کیا جو حضرت موسیٰ کے ساتھ کیا تھا۔ گویا ''مکہ مدینہ میں'' مدین کی اور جبل النور (غار حرا) میں جبل طور کی تاریخ دہرادی گئی۔

واقعات کی ترتیب بدلنے کا نکتہ:............ ان تین واقعات میں مدین کا قیام پہلے ہوا۔ اس کے بعد عطائے نبوت کے سلسلے میں کوہ طور پر حاضری پھر اس کے بعد عطائے تورات کے سلسلہ میں طور پر دوبارہ حاضری۔ مگر آیات میں ترتیب بدل دی گئی ہے۔ تاکہ مستقلاً ان متعدد انعامات کا ہونا معلوم ہو۔ ورنہ ترتیب واقعی کی صورت میں سب کے ایک دلیل ہونے کا شبہ ہوتا۔

کفار کے شبہات کے جوابات:............ آیت لولا ان تصیبنا الخ میں یہ بتلانا ہے کہ ان میں پیغمبر کا بھیجنا خوش قسمتی ہے۔ حق تعالیٰ ان کی کھلی ہوئی بے عقلیوں اور بے ایمانیوں پر بغیر پیغمبر بھیجے بھی عذاب نازل فرمادیتا اور سزادے دیتا۔ تب بھی ظلم نہ ہوتا۔ لیکن اس نے ازراہ کرم واحسان اتمام حجت کردیا۔ اب انہیں یہ کہنے کا موقع نہیں رہتا۔ کہ صاحب ہمارے پاس کوئی پیغمبر تو بھیجا نہیں جو ہماری غلطیوں پر ہمیں متنبہ تو کردیتا۔ بس ایک دم عذاب میں رکھ کر گھسیٹ دیا۔ لیکن یہ عذر بھی ختم ہوگیا۔ اور ایسے عالی شان پیغمبر بھیجے جن کا جواب نہیں مگر اب اور کوئی بہانہ نہیں ملا تو یہی کہنے لگے کہ صاحب ہم تو جب جانیں کہ ان کے پاس بھی حضرت موسیٰ کی طرح ''عصاء اور ید بیضا'' جیسے معجزات ظاہر ہوتے یا ایک دم پوری کتاب لکھی لکھائی اتر آئی۔ یہ کیا کہ دو دو چار چار آیتیں آتی ہیں...... اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اچھا موسیٰ کو یہ کچھ ملا تو نتیجہ کیا ہوا؟ کیا ان کی قوم نے خواہ مخواہ کی کج بحثی نہیں کی اور آسانی سے ان کی سب باتوں کو مان لیا۔ شبہے نکالنے والے انہیں بھی ساحر ومفتری کہتے رہے۔

ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں ہے:............ بات یہ ہے کہ جسے ماننا نہیں ہوتا وہ ہر بات میں کچھ نہ کچھ اینچ پینچ نکال لیتا ہے۔ مثلاً انہی کفار مکہ نے جب آپ کا پیغام نہ سنا تو یہ حیلہ بہانہ کیا۔ مگر جب اپنے اطمینان کے لئے یہود سے پوچھنے گئے اور انہوں نے تورات کی بہت سی آیتیں آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کے مطابق بتلائیں تو بول اٹھے کہ یہ دونوں (یعنی معاذ اللہ تورات وقرآن) جادو ہیں اور محمد ﷺ وموسیٰ جادوگر ہیں (العیاذ باللہ) ''خوئے بدرا بہانہ بسیار'' اسی کو کہتے ہیں۔ گویا یہ سمجھے کہ دونوں کی ملی بھگت ہے۔ فرمایا جب یہ ایک انسان کا بنایا ہوا جادو ہے تو تم ساری دنیا کے جادوگروں کو اکٹھا کر کے اس سے بڑا جادو لے آؤ۔ آخر جادو تو ایسی چیز نہیں جس کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے۔ اور نہ کرسکے تو معلوم ہوا کہ جادو نہیں وہ۔ بلکہ جادو کا توڑ کلام الٰہی ہے۔

پس جب یہ نہ مقابلہ میں کوئی چیز پیش کرتے ہیں اور نہ قرآن کو قبول کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوا انہیں راہ ہدایت پر چلنا منظور ہی نہیں۔ محض اپنی خواہشات کی پیروی مقصود ہے۔ جس کو دل چاہا مان لیا اور جسے مرضی اور خواہش کے خلاف پایا رد کردیا۔ بتلایئے ایسے ہوا پرست ظالموں کو کیا ہدایت ہوسکتی ہے۔ کیونکہ ان کے انکار کا منشاء کوئی عقلی اشتباہ یا نادانستہ غلط فہمی نہیں ہے۔ بلکہ نفس کے بندے اور غلام بنے ہوئے ہیں۔ ایسوں کو ہدایت کیوں کر نصیب ہو۔ اللہ کی عادت اسی کو ہدایت دینے کی ہے۔ جو ہدایت پانے کا ارادہ کرے اور محض ہوا وہوس کو حق کا معیار نہ بنالے۔

قَدْ وَصَّلْنَا بَيَّنَّا لَهُمُ الْقَوْلَ الْقُرْاٰنَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ يَتَّعِظُوْنَ فَيُؤْمِنُوْنَ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

نْ قَبْلِهٖ اَيِ الْقُرْاٰنِ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ اَيْضًا نَزَلَ فِيْ جَمَاعَةٍ اَسْلَمُوْا مِنَ الْيَهُوْدِ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ

يْرِهٖ وَمِنَ النَّصَارٰى قَدِمُوْا مِنَ الْحَبْشَةِ وَمِنَ الشَّامِ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ قَالُوْآ اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ

نْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ مُوَحِّدِيْنَ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِاِيْمَانِهِمْ

كِتَابَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا بِصَبْرِهِمْ عَلَى الْعَمَلِ بِهِمَا وَيَدْرَءُوْنَ يَدْفَعُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ مِنْهُمْ وَمِمَّا

قْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ يَتَصَدَّقُوْنَ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ الشَّتْمَ وَالْاَذٰى مِنَ الْكُفَّارِ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا

اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ز سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ سَلَامُ مُتَارَكَةٍ اَيْ سَلِمْتُمْ مِنَّا مِنَ الشَّتْمِ وَغَيْرِهٖ لَا نَبْتَغِى

الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾ لَا نَصْحَبُهُمْ وَنَزَلَ فِيْ حِرْصِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اِيْمَانِ عَمِّهٖ اَبِيْ طَالِبٍ اِنَّكَ

تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ هِدَايَتَهٗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ج وَهُوَ اَعْلَمُ اَيْ عَالِمٌ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

قَالُوْا اَيْ قَوْمُهٗ اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ط اَيْ نُنْتَزَعُ مِنْهَا بِسُرْعَةٍ قَالَ تَعَالٰى

لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يَاْمَنُوْنَ فِيْهِ مِنَ الْاِغَارَةِ وَالْقَتْلِ الْوَاقِعَيْنِ مِنْ بَعْضِ الْعَرَبِ عَلٰى بَعْضٍ

يُجْبٰى بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَالتَّحْتَانِيَّةِ اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ مِنْ كُلِّ اَوْبٍ رِّزْقًا لَهُمْ مِّنْ لَّدُنَّا اَيْ عِنْدَنَا

لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَنَّ مَا نَقُوْلُهٗ حَقٌّ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ج اَيْ

بِهَا وَاُرِيْدَ بِالْقَرْيَةِ اَهْلُهَا فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ط لِلْمَارَّةِ يَوْمًا اَوْ

بَعْضَهٗ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾ مِنْهُمْ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ اَهْلِهَا حَتّٰى يَبْعَثَ

فِيْٓ اُمِّهَا اَيْ اَعْظَمِهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ج وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

بِتَكْذِيْبِ الرُّسُلِ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ج اَيْ تَتَمَتَّعُوْنَ وَتَتَزَيَّنُوْنَ بِهٖ اَيَّامَ حَيٰوتِكُمْ

ثُمَّ يَفْنٰى وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ وَهُوَ ثَوَابُهٗ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ اَنَّ الْبَاقِيَ خَيْرٌ مِّنَ الْفَانِيْ

ع ۱۰ / ۹

ترجمہ:......... اور ہم نے وقتاً فوقتاً بھیجا (بیان کیا) ان کے لئے کلام (قرآن) یکے بعد دیگرے تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ (متاثر ہوکر ایمان لے آئیں) جن لوگوں کو ہم نے (قرآن سے) پہلے کتابیں دی تھیں وہ ان پر ایمان لائے ہیں (یہ آیت بھی یہود میں سے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو مسلمان ہوئے۔ جیسے عبداللہ ابن سلام وغیرہ اور ان عیسائیوں کے متعلق بھی جو ملک حبشہ اور شام سے حاضر ہوئے تھے) اور جب (قرآن) ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے یہ حق ہے ہمارے پروردگار کی طرف سے اور ہم تو اس سے پہلے بھی مانتے تھے (توحید پرست تھے) ان لوگوں کو دوہرا ثواب ملے گا (تورات و قرآن پر ایمان لانے کی وجہ سے) اس لئے یہ پختہ (ان پر عمل کرنے میں مضبوط) رہے اور یہ لوگ دفعیہ

(بدلہ) کرتے رہتے ہیں نیکی سے (ان کی) بدی کا اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خیرات (صدقہ) کرتے رہتے ہیں اور جب کوئی لغو بات (کفار کی گالم گلوچ اور تکلیف دہ باتیں) سنتے ہیں تو اسے ٹال جاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں ۔کہ ہمارا عمل ہمارے لئے ہے اور تمہارا کیا ہوا تمہارے سامنے آئے گا تمہیں ہم سلام کرتے ہیں (یہ سلام تعلق توڑ لینے کا ہے یعنی ہم اب برا بھلا بھی نہیں کہیں گے) ہم بے سمجھ لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے (تعلق رکھنا نہیں چاہتے ۔اگلی آیت اس وقت نازل ہوئی جب آنحضرت ﷺ اپنے چچا ابو طالب کے ایمان لانے کے لئے کوشاں رہے) جس کو آپ چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے ۔البتہ اللہ جسے چاہے ہدایت دے سکتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے (واقف ہے) ہدایت پانے والوں کو اور یہ (آپ کی قوم کے لوگ) کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت پر چلنے لگیں تو فوراً اپنی سرزمین سے نکال باہر کر دیئے جائیں (ایک دم دیس نکالا دے دیا جائے ۔ارشاد فرمایا۔کہ) کیا ہم نے ان کو امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی (جہاں لوٹ مار اور قتل وغارت سے محفوظ کر دیا ۔جو سارے عرب میں ایک دوسرے پر جاری رہتا ہے) وہاں ہر قسم کے پھل پھلاری کھنچے (لفظ یجبی تا اور یا کے ساتھ ہے) چلے آتے ہیں (ہر طرف سے ان کے کھانے کے لئے) جو ہمارے پاس سے کھانے کو ملتے ہیں ۔لیکن ان میں اکثر لوگ اتنی بات بھی نہیں جانتے (کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں حق ہے) اور ہم کتنی ہی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جنہیں اپنے سامان عیش پر ناز تھا (یعنی خوش عیشی پر اور قریہ سے اہل قریہ مراد ہیں) سو یہ ان کے گھر ہیں کہ ان کے بعد آباد ہی نہ ہوئے مگر تھوڑی دیر کے لئے (راہ گیر کے لئے ایک آدھ دن) اور ہم ہی (ان کے) مالک رہے اور آپ کا پروردگار بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا (وہاں والوں کے ظلم کی وجہ سے) جب تک ان کے صدر مقام (بڑے مرکزی شہر) میں کسی پیغمبر کو نہ بھیج لے جو انہیں ہمارے آیتیں پڑھ کر سنا دے اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے بجز اس حالت کے کہ وہاں کے باشندے (پیغمبروں کو جھٹلا کر) سخت شرارت کرنے لگیں اور تمہیں جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ محض دنیوی زندگی کے برتنے کے لئے اور اسی کی زینت ہے (یعنی تم اپنی زندگی تک ہی اس سے نفع اور آرائش حاصل کر سکتے ہو پھر سب قصہ ختم) اور جو کچھ اللہ کے ہاں (ثواب) ہے وہ بہتر بھی ہے اور نہایت پائیدار بھی ۔سو کیا تم لوگ نہیں سمجھتے (یا اور تا کے ساتھ ہے ۔بلکہ باقی رہنے والی چیز فانی چیز سے بہتر ہوتی ہے)۔

تحقیق وترکیب:............الذین. یہ مبتداء اول اور ھم مبتداء ثانی ہے اور یومنون اس کی خبر ۔پھر جملہ مل کر اول کی خبر ہے اور به متعلق ہے یومنون کے۔

یـدرؤن. برائی کا جواب برائی کے ساتھ ۔برائی ختم نہیں ہو جاتی ۔بلکہ اکثر حالات میں نہ ختم ہونے والا سلسلہ قائم ہو جاتا ہے اس لئے اسلام نے تسکین جذبات کی خاطر برائی سے برائی کی اجازت تو دی ہے ۔مگر اس کی ہمت افزائی نہیں فرمائی ۔زیادہ زور برائی کو بھلائی کے ذریعہ ختم کرنے پر دیا ہے۔

سلام علیکم. یہ سلام متارکت ہے ۔تحیتی سلام نہیں ہے ۔واذا مروا بالـلغو مروا کراما . یعنی بس ہمارا سلام آئندہ ہم سے کوئی واسطہ مطلب نہیں ۔کیونکہ تمہاری اصلاح سے مایوسی ہو چکی ہے۔

انك لا تهدی ۔بظاہر یہ آیت دوسری آیت انك تهدی الی صراط مستقیم کے خلاف معلوم ہوتی ہے ۔اس میں ہدایت کا اثبات اور دوسری میں ہدایت کی نفی معلوم ہو رہی ہے ۔مگر کہا جائے گا کہ آیت نفی میں ہدایت کی ایجاد کی جا رہی ہے کہ کسی کو ہدایت دے دیں ۔یہ آپ ﷺ کے اختیار میں نہیں ہے اور آیت اثبات میں دلالت اور رہنمائی مراد ہے ۔جس کا حاصل یہ ہوا کہ آپ کا کام صرف راہنمائی اور صحیح راستہ دکھلا دینا اور بتلا دینا ہے ۔رہا کسی کو ہدایت دے دینا اور کسی کو ٹھیک کر دینا یہ ہمارا کام ہے ۔دوسرا

الفاظ میں کہنا چاہئے کہ طریق تو آپ کر سکتے ہیں۔ مگر ایصال مطلوب آپ کے اختیار میں نہیں۔ یہ اللہ کا کام ہے۔

اولم نمکن لھم. بقول ابوالبقاءؒ مکن متعدی میں بمعنی جعل جیسے کہ دوسری آیت میں **اولم یرو ا انا جعلنا حرماً** فرمایا گیا ہے۔ لیکن مکن بغیر تضمین جعل کے بھی متعدی آتا ہے۔ جیسے **مکناھم فیما ان مکنا کم فیه**.

امنا بمعنی مومن ہے۔ **مامون** ومحفوظ اور بعض بطور اسناد مجازی **آمن** کے معنی لیتے ہیں اور بعض نے ذی امن پناہ دہندہ کے معنی لئے ہیں۔

یجبی الیه ثمرات. بعض عارفین فرماتے ہیں کہ بیت اللہ میں حاضر ہونے والے مراد ہیں کہ وہ چیدہ اور مجتبیٰ افراد ہوتے ہیں۔

اوب. بمعنی جانب کفار۔

کم اھلکنا. اس میں کفار کی تردید ہے کہ دین وایمان تباہی کا سبب نہیں۔ بلکہ کفر وشرک بربادی کا پیش خیمہ ہیں۔ چنانچہ پہلی قوموں کی تباہ کاریاں اسی کا نتیجہ رہی ہیں۔

معیشتھا. اس میں کئی صورتیں ہوسکتی ہیں:۔

۱۔ بطرت کو بمعنی حسرت متضمن کر کے مفعول بہ مانا جائے۔ (زجاجؒ)

۲۔ لفظ فی محذوف ہوا ای **فی معیشتھا**.

۳۔ تمیز ہو۔

۴۔ مفعول بہ کے مشابہ ہو۔ بطر بمعنی اترانا۔ اکڑنا۔

فتلك مساكنهم۔ جملہ **لم تسكن** حال ہے۔ اس میں عامل بمعنی **تلك** ہے اور خبر ثانی بھی ہوسکتی ہے۔

الا قليلا. ای **سكناً قليلاً** جیسے مسافر کہیں پڑاؤ پر برائے نام ٹھہرتا ہے۔

وما كان ربك. حاصل یہ ہے کہ عادۃ اللہ ہمیشہ رہی ہے کہ جب تک کسی ہادی اور نذیر کو بھیج کر اتمام حجت نہ کرلیں کسی بستی اور قوم پر عذاب نازل نہیں کرتے۔

وما اوتيتم. اس میں ما شرطیہ اور **من شئی** اس کا بیان ہے اور **متاع الحيواة** مبتدائے محذوف کی خبر ہے اور جملہ اس کا جواب ہے ای **فهو متاع الحيواة الدنيا** اور ایک قراءت **فمتاعا الحيٰوة** بھی ہے مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور حیوۃ منصوب علی الظرفیۃ ہے۔

ربط:........... پچھلی آیت **فلما جاء هم الحق الخ** میں منکرین کی بہانہ بازی بیان کی تھی کہ وہ اس لئے آنحضرت ﷺ پر ایمان نہیں لاتے کہ آپ کو ایسے معجزات تو ملے ہی نہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئے تھے۔ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ پیغمبر نہیں ہیں۔ ان آیات میں یہ بتلایا جارہا ہے کہ سب اہل کتاب عذر لنگ کرنے والے نہیں ہیں۔ ان میں بہت سے اہل انصاف اور طالب حق بھی ہیں۔ جہاں بھی انہیں ہدایت وحکمت ملتی ہے وہ اسے برضا ورغبت قبول کر لیتے ہیں۔ پہلی قسم کے موسویوں کو ان نیک دل اور صاف باطن موسویوں سے سبق لینا چاہئے۔ نیز یہ بھی بتلانا ہے کہ اسلام کسی تعصب اور تنگ دلی کا شکار نہیں ہے کہ وہ بہر صورت ایک طرف سے سب موسویوں کو دوسری نظر سے دیکھے۔ بلکہ وہ انصاف پسند لوگوں کا قدردان ہے خواہ وہ کسی قوم سے ہوں۔ پھر علمائے اہل کتاب کا آنحضرت ﷺ کو مان لینا ایک درجہ میں میں آپ ﷺ کی رسالت کی دلیل بھی ہے۔

آیت انک لاتھدی الخ میں یہ بتلانا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے رہنمائی کی کوشش تو سب کے لئے یکساں ہے اس میں آپ کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے اور ماوشما کا فرق نہیں کرتے۔ البتہ یہ دوسری بات ہے کہ کسی کی قسمت میں ہدایت قبول کر لینا ہے۔ جیسے بعض علمائے اہل کتاب وغیرہ اور کسی کے مقدر میں اس نعمت سے حرمان ہے خواہ وہ آپ کے قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔ کسی کو ہدایت دے دینا آپ کے اختیار میں نہیں۔ یہ اللہ نے اپنے قبضہ قدرت میں رکھا ہے آگے آیات وقالوا ان نتبع الھدیٰ الخ سے کفار کے چند موانع ایمان کے ازالہ کا بیان ہے اوران کے شبہات کے جوابات ہیں۔

شان نزول:......... بقول ابن سعیدؒ حضرت جعفر طیارؓ کے ہمراہ حبشہ نے چالیس افراد کے وفد کی صورت میں حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ یہاں صحابہؓ کی زبوں حالی دیکھ کر یہ لوگ نہایت متاثر ہوئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض گزار ہوئے کہ اجازت ہو تو اپنا مال لاکر پیش کریں۔ اس پر آیت الذین یتلون نازل ہوئی۔ لیکن بقول ابن عباسؓ اسی افراد اہل کتاب کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی۔ جن میں چالیس وفد نجران کے اور تیس حبشہ کے اور آٹھ شام کے افراد تھے۔ یعنی کچھ نصرانی تھے اور کچھ یہودی۔ ان میں سے بعض ناموں کی تصریح بھی ملتی ہے۔ جیسے ابورفاعہ سلمان، عبداللہ ابن سلام، امین ابن یامین وغیرہ۔ ابوجہل وغیرہ مشرکین نے یہ صورت حال دیکھ کر اہل کتاب کو لعنت ملامت کرتے ہوئے کہا تبا لکم اعرضتم عن دینکم وترکتموہ۔ اس پر اہل کتاب نے جواب دیا۔ کہ لنا اعمالنا ولکم اعمالکم آیت واذا سمعوا اللغو اعرضوا اسی سلسلہ میں نازل ہوئی۔

آنحضرت ﷺ کے چچا ابو طالب کی وفات ہونے لگی تو آنحضرت ﷺ نے امید ویاس کے ساتھ بڑے اصرار سے فرمایا۔ کہ یا عم قل لا الٰہ الا اللّٰہ کلمۃ احاج لک بھا عند اللّٰہ تعالیٰ. ابوطالب بولے۔ یا ابن اخی قد علمت انک صادق ولکن اکرہ ان یقال جزع عند الموت ولو لا ان یکون علیک وعلی بنی ابیک غضاضۃ بعدی لقلتھا لا قرت بھا عینک عند الفراق لما اریٰ من شدۃ وجدک ونصیحتک اس کے بعد یہ اشعار پڑھے۔

ولقد علمت بان دین محمد من خیر ادیان البریۃ دیناً

لو لا الملامۃ اوحذار مسبۃ لوجدتنی سمحاً بذاک مبیناً

اور کہنے لگے ولکنی سوف اموت علی ملۃ الاشیاخ عبدالمطلب وھاشم وعبد مناف اور یہ کہتے ہوئے جان دے دی اخترت العار علی الغار. آنحضرت ﷺ کو بے حد صدمہ اور ملال ہوا۔ اس پر تسلی کے لئے آیت انک لا تھدی الخ نازل ہوئی۔ زجاجؒ اور بیضاویؒ کی یہی رائے ہے۔

اسی طرح بقول ابن عباسؓ حارث بن عثمان بن نوفل ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ نحن نعلم انک علی الحق لکنا نخاف ان اتبعناک خلفنا العرب وانما نحن اکلۃ الراس (ای نحن قلیلون بحیث ناکل راسا واحدا) ان یتخطفونا من ارضنا اس کی تردید میں ایۃ وقالوا ان نتبع الھدیٰ نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:......... آیت ولقد وصلنا الخ سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ مختلف ادوار میں وحی کا سلسلہ جاری رہا اور وقتاً فوقتاً مسلسل انبیاءؑ آتے رہے اور یکے بعد دیگرے وحی نازل ہوتی۔ حتیٰ کہ قرآن کریم بھی ایک دم نہیں اتر گیا۔ بلکہ تدریجاً بیس سال یا تیئس سال میں پورا ہوا۔ کیونکہ اس سے سوچنے سمجھنے کا موقعہ بھی ملتا ہے اور اس کو یاد رکھنا اور اس پر عمل آواری بھی آسان ہوتی ہے۔ اور

شان تربیت بھی اس کی متقاضی ہے۔

تدبیر تقدیر کو نہیں بدل سکتی:............آیت ان الذین یتلون الخ میں یہ بتلانا ہے کہ آپ کے فیض تبلیغ وتربیت میں اگر چہ کسی کے ساتھ امتیاز نہیں برتا جاتا۔ بلکہ آپ سب کو راہ راست پر لانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ مگر فکری استعداد اور صلاحیت کے وجود وفقدان اور قسمت کی خوبی یا خرابی سے بھی کوئی کامیاب ہو جاتا ہے اور کوئی محروم۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست　　　در باغ لالہ روید ودر شورہ بوم خس

اور ''نصیحت نا اہلاں چوں گردگاں برگنبد است'' ایک طرف جاہل مشرکین کا یہ حال کہ نہ اگلی کتابوں کو مانیں اور نہ پچھلی کو۔ اور دوسری طرف انصاف پسند اہل کتاب کو دیکھو کہ وہ سب برحق کتابوں کو تسلیم کرتے جاتے ہیں۔ تورات وانجیل آئی تو انہیں بھی مانا اور قرآن آیا تب بھی بول اٹھے کہ بلا شبہ یہ کتاب برحق ہے۔ فی الحقیقت ہم آج سے مسلمان نہیں۔ بہت پہلے سے مسلمان ہیں۔ پچھلی کتابوں کو ہم نے منا۔ جن میں قرآن اور پیغمبران کے متعلق صاف صاف پیشین گوئیاں تھیں۔ اس وقت ان پر ہمارا ایمان اجمالی تھا۔ آج اس کی تفصیل اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

شیخ اکبر کا نکتہ:............بقول شیخ اکبرؒ مومن اہل کتاب کا پہلا ایمان جس طرح اپنے انبیاءؑ پر بالاستقلال اور ان کے ذیل میں آنحضرت ﷺ پر ضمناً ہوتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کے وقت آپ پر بالاستقلال اور انبیاء سابقین پر ضمناً ہوتا ہے۔ گویا دونوں صورتوں میں ان کا ایمان دوہرا ہے استقلال عدم استقلال کا فرق ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں ارشاد ہے۔ ثلاث یؤتون اجو رھم مرتین ۔ یعنی (۱) مومن کتابی کو (۲) اور جس نے اپنی شرعی باندی کو ادب وتعلیم دے کر آزاد کر دیا اور پھر اس کی رضا مندی سے خود نکاح کر لیا (۳) اور وہ غلام جو اللہ کی بہترین عبادت کے ساتھ اپنے آقا کی پوری خدمت گزاری بھی کرے۔ ان تینوں کو دوہرا ثواب ملے گا جس کی مشہور وجہ تو یہی ہے کہ ان تینوں نے دوہرا عمل کیا ہے اس لئے دوہرے ثواب کے مستحق ہوں گے۔

اہل کتاب کو دوہرے ثواب کا مطلب:............مگر بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس سے ان تین کی تخصیص کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ کیونکہ جو شخص بھی دو عمل کرے اور وہ دو عمل کوئی بھی ہوں۔ بہر صورت انہیں دوہرا ثواب ملنا چاہئے۔ پھر ان تین کی کیا تخصیص؟

اس کا جواب پہلی توجیہ کرنے والوں نے یہ دیا ہے کہ یہاں تخصیص مقصود نہیں ہے۔ اگر چہ بظاہر تخصیص مقصود معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ ازواج مطہرات کے لئے بھی نوتھا اجرھا مرتین فرمایا گیا ہے۔ مگر بعض حضرات کی رائے یہ ہوئی کہ ان تین قسموں کی ہی تخصیص مقصود ہے اور وہ یہ کہ فقط ان کے تمام اعمال پر یا صرف انہی تین اعمال پر انہیں دوہرا ثواب عطا ہوگا۔ مثلاً اوروں کے کسی عمل پر اگر دس گنا ثواب ملے گا تو انہیں بیس گنا ثواب ملے گا۔ جیسا کہ قرض کی نسبت اٹھارہ گنا تک ثواب ملنے کا وعدہ ہے ان آیات سے جہاں انصاف پسندوں کی تعریف اور اسلام کی کشادہ قلبی معلوم ہوتی ہے کہ وہ ہر اچھے آدمی کا خیر مقدم اور بلا تفریق سب کی قدر ومنزلت کرتا ہے وہیں علمائے کتاب کے قرآن اور صاحب قرآن پر ایمان لانے سے ان دونوں کی حقانیت کی ایک دلیل اور ہاتھ آجاتی ہے۔

حب جاہ، حب مال:......... یدرؤن کے لفظ سے ان حضرات کا حب جاہ سے اور ینفقون سے حب مال سے پاک ہونا معلوم ہورہا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ قبول حق سے یہی دور ذیلے اکثر رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ آیت بقرہ اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ میں بھی ان دو کی تخصیص کا یہی نکتہ ہے۔

حاصل یہ ہے کہ کوئی ان کے ساتھ برائی سے پیش آئے تو یہ اس کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں اور شراف ومروت سے اس پر احسان کرتے ہیں اور یا یہ مطلب ہے کہ ان سے اگر کوئی برا کام سرزد ہوجائے تو اس کی تلافی کوئی نیک کام کر کے کردیتے ہیں۔ تاکہ اس تدارک سے ان کی نیکیوں کا پلہ بدیوں پر بھاری ہوجائے۔ **ان الحسنات یذھبن السیئات.**

ان کی سلامت روی اور صلح جوئی کا یہ حال ہے کہ انہیں کوئی گالی بھی دے تو یہ اس سے الجھتے نہیں اور بات بڑھانا نہیں چاہتے۔ بلکہ یہ کہہ کر بات ختم کردیتے ہیں کہ بس بخشو ہمارا تو دور ہی سے سلام، اپنی جہالت کی پوٹ تم اپنے ہی پاس رکھو۔ تمہارا کیا تمہارے ساتھ، ہمارا کیا ہمارے ساتھ ایسے متعنت جاہلوں سے کنارہ کشی ہی بہتر ہے۔

انسان کو تو کسی کی صلاحیت ہدایت کا علم بھی نہیں چہ جائیکہ ہدایت کا اختیار:......... آیت **انک لا تھدی من احببت الخ** میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے۔ آنحضرت ﷺ کو اپنے چاچا کے انکار اسلام سے سخت دھکا لگا۔ کہ دور کے لوگ تو اسلام کی نعمت سے متمتع ہوں اور اپنے گھر کے لوگ اس دولت سے محروم رہیں۔ یہ حزن وملال چونکہ طبعی تھا اس لئے بطور تشفی فرمایا جارہا ہے کہ جہاں تک سمجھانے بجھانے اور رہنمائی کا تعلق ہے۔ جسے صورۂ ہدایت کہنا چاہئے۔ آپ نے کبھی اس میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ لیکن جہاں تک راہ یاب اور کامیاب ہونے کا تعلق ہے۔ وہ نہ آپ کی ذمہ داری ہے اور نہ آپ اس کے مکلّف ہیں۔ اس لئے قطعاً اس فکر میں نہ پڑیئے۔ اس کا تعلق ہمارے مصالح اور تکوینیات سے ہے۔ آپ کو یا کسی دوسرے کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ کسی میں ایمان کی صلاحیت واستعداد ہے بھی یا نہیں۔ اس کو تو اللہ ہی جانتا ہے۔ یہ ایک نہایت نازک مقام ہے۔ ایک طرف تو طبعی جذبہ وجوش اور رنج وملال کا ہونا کہ جس کے بغیر دعوت وتبلیغ ممکن نہیں جو ایک شرعی مصلحت ہے اور دوسری طرف تکوینی مصالح کی رعایت۔ بس ان دونوں پہلوؤں کا لحاظ ہی اعتدال پیدا کرسکتا ہے۔

ابوطالب کا ایمان:......... اس واقعہ اور آیت سے متعلق بعض الفاظ کے پیش نظر بعض حضرات ابوطالب کے ایمان کی طرف اور بعض کفر کی طرف گئے۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ ان کے ایمان وکفر کو موضوع بحث نہیں بنانا چاہئے۔ اسی باتوں میں توقف کرنا ہی اسلم ہے۔ جیسا کہ صاحب روح المعانی نے تصریح کی ہے۔ کیونکہ اول تو یہ عقائد میں سے نہیں ہے کہ ہم اس کی تحقیق کے مکلف ہوں۔ دوسرے یہ واقعہ گزر چکا ہے۔ اب اس بحث میں پڑنے سے کیا فائدہ؟ پھر ان کو برا بھلا کہنے میں علویین کی بے حرمتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آنحضرت ﷺ کی اذیت کا احتمال ہے۔ اس لئے خاموشی ہی بہتر ہے۔

موانعات ایمان اور ان کا ازالہ......(۲): پچھلی آیت میں کفار کی طرف کچھ شبہات اور موانعات کا ذکر تھا۔ ان میں سے ایک کا بیان آیت **لولا اوتی مثل ما اوتی موسیٰ** میں مع جواب کے گذر چکا ہے۔ دوسرا اشکال آیت **فلما جاء ھم الحق** میں مع جواب کے ذکر کیا جارہا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے عرض کیا کہ بلاشبہ ہمیں یقین ہے کہ آپ نبی برحق ہیں۔ لیکن اگر ہم اسلام قبول کر کے آپ کے ساتھ ہوجائیں تو سارا عرب ہمارا دشمن ہوجائے گا۔ آس پاس کے قبائل ہم پر چڑھ دوڑیں گے۔ نہ

ری جان سلامت رہے گی اور نہ مال...... حق تعالیٰ جواباً فرماتے ہیں کہ اچھا یہ بتلائیں کہ اب یہ لوگوں کی دشمنی سے کس کی پناہ میں ٹھے ہیں۔ یہی اللہ کے حرم کا ادب مانع ہے کہ باوجود آپس کی عداوتوں کے باہر والے تم پر چڑھائی نہیں کر سکتے ورنہ تمہیں باہر نکال یتے۔ اسی طرح اسلام اگر لے آؤ گے تو پناہ دینے والا اب بھی موجود ہے۔ یہ کیا کہ کفر وشرک کے باوجود تو وہ پناہ دے دے اور مان وتقویٰ اختیار کرنے پر وہ پناہ نہیں دے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعض دفعہ آزمائش کے لئے کوئی بات پیش آجائے۔ اس سے ھبرانا نہیں چاہئے۔ پس بعض نومسلموں کو کچھ تکالیف پہنچ جانا یہ اولم نمکن لھم کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ حرم میں قتل وغارت کا نکار کیا گیا ہے پریشانیوں کا انکار نہیں۔ دوسرے مسلمانوں کی اس وقت کا باعث قلت ہے۔ بکثرت لوگ اگر مسلمان ہوجاتے تو بت یہاں تک نہ آتی۔

تیسرے نومسلموں کو حرم میں باہر والوں نے آکر نہیں ستایا اور تخطف سے یہی مراد ہے۔ بلکہ خود مکہ والوں نے حرم کی حرمت ل کر کے اندرونی طور پر مسلمانوں کو ستایا۔ جو اس بیان کے خلاف میں نہیں آتا۔ پھر آخر اس کو بھی تو سوچو کہ اگر ایمان نہ لاتے تو اللہ کا اب ہے جو دشمنوں کے وہمی خطرات سے بڑھ کر ہے اور یقینی ہے۔

(۳) پھر کتنی قومیں گزر چکی ہیں کہ انہیں اپنے سامان عیش پر ناز تھا۔ مگر انہوں نے اللہ سے سرکشی کی تو کس طرح تباہ وبرباد ردی گئیں۔ آج ان کے کھنڈرات تو ان پر گریہ کناں ہیں پر ان کا نام لیوا کوئی نہیں رہا۔ کوئی بھولا بسرا مسافر تماشہ دیکھنے کے لئے م لینے کے لئے ان کھنڈرات میں جا اترے۔ تو وہ دوسری بات ہے۔ ورنہ وہ کسی کارین بسیرا نہیں ہیں۔ سب مرمرا گئے۔ سدا رہے م اللہ کا۔

(۴) یہ بیان تھا تیسرے مانع کا۔ جو کفار کو ایمان سے روک رہا تھا یعنی مال ودولت کا نشہ۔ اس کے بعد آیت **وما کان لک مھلک القریٰ** میں چوتھے مانع کے دور ہونے کا بیان ہے۔ یعنی ہمارا قانون مکافات یہ ہے کہ ہم کسی ملک وقوم کو برباد نہیں تے۔ تاوقتیکہ اس کے مرکزی مقام پر (جس کے اثرات دور دور پھیل سکیں) کوئی رسول نہ بھیج دیں۔ پھر اس کے بعد بھی فوراً ہم ے نہیں کرتے۔ بلکہ سنبھلنے کا موقع دیتے ہیں کہ شاید اب بھی باز آجائیں۔ مگر ظلم کا پانی جب سر سے گزر ہی جاتا ہے۔ تو پھر ہمارا وں پاداش حرکت میں آتا ہے۔ مکہ چونکہ تمام روئے زمین کی آبادیوں کا صدر مقام ہے۔ اس لئے وہاں سب سے بڑے اور آخری بر بھیجے گئے۔ پھر انہیں سوچنے سمجھنے اور شرارتوں سے باز آنے کے لئے کافی مہلت بھی دے دی گئی۔ مگر جب اس کے بعد بھی نہ سنبھلے ھر غزوۂ بدر سے قانون قدرت گردش میں آگیا۔

(۵) اس کے بعد آیت **وما اوتیتم الخ** میں ایمان کے پانچویں مانع کا بیان ہے کہ ایمان سے محرومی کا ایک سبب دنیا کا نقد ا اور آخرت کا ادھار ہونا ہے۔ اسی لئے اول کی طرف رغبت اور دوسرے کی طرف بے رغبتی رہتی ہے اور چونکہ دنیا کی رغبت سے دل ا نہیں رہتا۔ اس لئے آخرت کی رغبت کی اس میں گنجائش کہاں؟ سو فرمایا کہ انسان کو عقل سے کام لے کر اتنا سمجھنا چاہئے کہ دنیا میں نے دن جینا ہے اور یہاں کی چہل پہل اور چار دن کی چاندنی سے کب تک بہاریں لوٹ سکتے ہو۔ مان لو دنیا میں عذاب بھی نہ آیا تو ا ہوا۔ موت کا ہاتھ تو تم سے یہ سب رونق چھین لے گا۔ پھر آخر خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اور ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے وہاں کا چین نصیب ہوجائے تو پھر یہاں کے عیش کی کیا حقیقت ہے۔ کون عقلمند ہے جو ایک کدورتوں سے لبریز زندگی کو صاف ستھری زندگی ر فانی لذتوں کو باقی نعمتوں پر ترجیح دے۔ لہذا اس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جلد ایمان کی فکر کرو۔ اس میں دنیا کی لذتوں اور اخروی وں کا مقابلہ ہی کیا؟ اس دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت بھی محض عارضی اور چند روزہ ہے۔ برخلاف عیش آخرت کے کہ وہ کیفیت و

نوعیت کے لحاظ سے بھی اعلیٰ اور بقاء کے اعتبار سے بھی دائمی اللھم لا عیش الا عیش الاخرۃ.

لطائف سلوک:.......... آیت اولئک یوتون اجرھم میں اہل اللہ کے بعض اخلاق وملکات کا ذکر ہے۔ آیت انک لا تھدی سے صاف واضح ہے کہ کسی کو ہدایت دے دینا کسی نبی کے بھی اختیار میں نہیں ہے۔ چہ جائیکہ کسی ولی کے بس میں ہو۔ ہر وقت ڈرتے رہنے کا مقام ہے۔

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ مُصِيبُهُ وَهُوَ الْجَنَّةُ **كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** فَيَزُوْلُ عَنْ قَرِيْبٍ **ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ﴿۶۱﴾** النَّارَ الْاَوَّلُ الْمُؤْمِنُ وَالثَّانِي الْكَافِرُ اَيْ لَاتَسَاوِيْ بَيْنَهُمَا وَ اذْكُرْ **يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ** اللّٰهُ **فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴿۶۲﴾** هُمْ شُرَكَائِيْ **قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ** بِدُخُوْلِ النَّارِ وَهُمْ رُؤَسَاءُ الضَّلَالَةِ **رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا** ج مُبْتَدَءٌ وَصِفَةٌ **اَغْوَيْنٰهُمْ** خَبَرُهُ فَغَوَوْا **كَمَا غَوَيْنَا** ج لَمْ نُكْرِهْهُمْ عَلَى الْغَيِّ **تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ** ز مِنْهُمْ **مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ﴿۶۳﴾** مَانَافِيَةٌ وَقُدِّمَ الْمَفْعُوْلُ لِلْفَاصِلَةِ **وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ** اَيِ الْاَصْنَامَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ شُرَكَاءُ اللّٰهِ **فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ** دُعَاءَهُمْ **وَرَاَوُا** هُمُ **الْعَذَابَ** ج اَبْصَرُوْهُ **لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ﴿۶۴﴾** فِي الدُّنْيَا مَارَاَوْهُ فِي الْاٰخِرَةِ وَ اذْكُرْ **يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ** اللّٰهُ **فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ﴿۶۵﴾** اِلَيْكُمْ **فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ** الْاَخْبَارُ الْمُنْجِيَةُ فِي الْجَوَابِ **يَوْمَئِذٍ** اَيْ لَمْ يَجِدُوْا خَبَرًا لَهُمْ فِيْهِ نَجَاةٌ **فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ﴿۶۶﴾** عَنْهُ فَيَسْكُتُوْنَ **فَاَمَّا مَنْ تَابَ** مِنَ الشِّرْكِ **وَاٰمَنَ** صَدَّقَ بِتَوْحِيْدِ اللّٰهِ **وَعَمِلَ صَالِحًا** اَدَّى الْفَرَائِضَ **فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ﴿۶۷﴾** النَّاجِيْنَ بِوَعْدِ اللّٰهِ **وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ** ط مَايَشَاءُ **مَا كَانَ لَهُمُ** لِلْمُشْرِكِيْنَ **الْخِيَرَةُ** ط الْاِخْتِيَارُ فِيْ شَيْءٍ **سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴿۶۸﴾** عَنْ اِشْرَاكِهِمْ **وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ** تُسِرُّ قُلُوْبُهُمْ مِنَ الْكُفْرِ وَغَيْرِهِ **وَمَا يُعْلِنُوْنَ﴿۶۹﴾** بِاَلْسِنَتِهِمْ مِنَ الْكِذْبِ **وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ** ط **لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى** الدُّنْيَا **وَالْاٰخِرَةِ** ز الْجَنَّةِ **وَلَهُ الْحُكْمُ** الْقَضَاءُ النَّافِذُ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ **وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴿۷۰﴾** بِالنُّشُوْرِ **قُلْ** لِاَهْلِ مَكَّةَ **اَرَءَيْتُمْ** اَيْ اَخْبِرُوْنِيْ **اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا** دَائِمًا **اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ** بِزَعْمِكُمْ **يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ** ط نَهَارٍ تَطْلُبُوْنَ فِيْهِ الْمَعِيْشَةَ **اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ﴿۷۱﴾** ذٰلِكَ سِمَاعَ تَفَهُّمٍ فَتَرْجِعُوْنَ عَنِ الْاِشْرَاكِ **قُلْ** لَهُمْ **اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ**

مَنْ اِلٰـهٌ غَيْرُ اللّٰهِ بِزَعْمِكُمْ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ تَسْتَرِيْحُوْنَ فِيْهِ ؕ مِنَ التَّعَبِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾ مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ مِنَ الْخَطَاءِ فِى الْاِشْرَاكِ فَتَرْجِعُوْنَ عَنْهُ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ تَعَالٰى جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ فِى اللَّيْلِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ فِى النَّهَارِ بِالْكَسْبِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ اَلنِّعْمَةَ فِيْهِمَا وَ اذْكُرْ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾ ذَكَرَثَانِيًا لِيُبْنٰى عَلَيْهِ قَوْلَهٗ وَنَزَعْنَا اَخْرَجْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا وَهُوَ نَبِيُّهُمْ يَشْهَدُ عَلَيْهِمْ بِمَا قَالُوْهُ فَقُلْنَا لَهُمْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ عَلٰى مَاقُلْتُمْ مِنَ الْاِشْرَاكِ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ فِى الْاِلٰهِيَّةِ لِلّٰهِ لَايُشَارِكُهٗ فِيْهَا اَحَدٌ وَضَلَّ غَابَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ فِى الدُّنْيَا مِنْ اَنَّ مَعَهٗ شَرِيْكًا تَعَالٰى عَنْ ذٰلِكَ

ع ۱۵ ۱۰

ترجمہ:............ بھلا وہ شخص جس سے ہم نے ایک عمدہ وعدہ کر رکھا ہے اور وہ اسے پا لینے والا ہے (جنت میں پہنچنے والا ہے) کیا اس شخص جیسا ہوسکتا ہے جسے ہم نے دنیوی زندگی کا چند روزہ فائدہ دے رکھا ہے (جو جلد ہی اس سے چھن جائے گا) اور وہ قیامت کے دن ان لوگوں میں ہوگا جو گرفتار کر کے (جہنم میں) لائے جائیں گی (پہلے شخص سے مراد مومن اور دوسرے سے مراد کافر ہے۔ یعنی یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے اور یاد کیجئے) اس دن کو جب (اللہ) انہیں پکار کر کہے گا کہ وہ میرے شریک کہاں ہیں جن کو تم گمان میں لئے ہوئے تھے (کہ وہ ہمارے شریک ہیں) تو بول اٹھیں گے وہ لوگ جن پر فرمان صادر ہو چکا ہوگا (جہنم میں ڈالنے کا یعنی گمراہی کے راس رئیس) اے ہمارے پروردگار یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا تھا (یہ مبتدا ہے مع صفۃ کے) ہم نے انہیں ویسا ہی بہکایا (یہ خبر ہے۔ پس وہ بہک گئے) جیسا کہ ہم خود بہکے تھے (ہم نے انہیں بہکنے پر مجبور نہیں کیا تھا) ہم آپ کے سامنے (آن سے) دستبرداری فرد یتے ہیں۔ یہ لوگ کچھ ہم کو پوجتے نہ تھے (اس میں مـا نافیہ ہے اور فاصلہ آیات کی وجہ سے مفعول کو مقدم کر دیا ہے) اور کہا جائے گا کہ اپنے شرکاء کو بلالاؤ (یعنی ان بتوں کو جو تمہارے گمان میں شریک خدائیت تھے) چنانچہ وہ انہیں پکاریں گے مگر وہ (ان کی پکار کا) جواب بھی نہ دیں گے اور یہ لوگ عذاب کو دیکھ لیں گے (مشاہدہ کرلیں گے) کاش یہ دنیا میں راہ راست پر رہے ہوتی (تو پھر یہ عذاب آخرت نہ دیکھتے) اور (یاد کیجئے) جس دن اللہ کافروں سے پکار کر کہے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا (جو تمہارے پاس گئے تھے) سو ان سے سارے مضامین گم ہو جائیں گے (عذاب سے بچاؤ کے جوابات) اس روز (یعنی انہیں کوئی جواب نہیں آسکے گا جس سے ان کی نجات ہو جائے) اور آپس میں بھی پوچھ پاچھ نہ کرسکیں گے (رہائی کے سلسلہ میں لہذا خاموش رہ جائیں گی) البتہ جو شخص (۔ مشرکوں میں سے) توبہ کرلے اور ایمان لے آئے (اللہ کی توحید مان لے) اور اچھے کام کرے (فرائض ادا کرے) تو عجب نہیں کہ ایسے لوگ فلاح پانے والوں میں ہوں (اللہ کے وعدہ کے بموجب نجات پانے والے ہوں) اور آپ کا پروردگار جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے (جو چاہے) ان (مشرکین) کو تجویز کا کوئی حق نہیں ہے (کسی قسم کا اختیار نہیں ہے) اللہ پاک اور برتر ہے (ان کے شرک سے) جو یہ شرک کرتے ہیں اور آپ کا پروردگار سب چیزوں کی خبر رکھتا ہے جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے (کفر وغیرہ جو سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں) اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں (اپنی زبانوں سے جھوٹ) اور اللہ وہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اسی کی تعریف ہے اول (دنیا میں) بھی اور آخرت (جنت) میں بھی اور حکومت (ہر چیز کا ناطق فیصلہ) بھی اور تم سب (قیامت میں) اس کے پاس لوٹ کر جاؤ گے آپ (اہل مکہ سے) کہئے بھلا یہ تو بتلاؤ (مجھے جواب دو) کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لئے قیامت تک (دائمی

طور سے) رات ہی رہنے دے تو خدا کے سوا (تمہارے گمان میں) وہ کون سا خدا ہے جو تمہارے لئے روشنی لے آئے (دن کر دے تا کہ تم معاش کے کام کر سکو) (تو کیا تم سنتے نہیں (یہ بات سمجھتے نہیں کہ شرک سے باز آ جاؤ) آپ (ان سے) کہئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک دن ہی رہنے دے تو خدا کے سوا (تمہارے گمان کے مطابق) وہ کون سا خدا ہے جو تمہارے لئے رات کو لے آئے جس میں تم آرام پاسکو (تعب سے راحت حاصل کرسکو) کیا تم نہیں دیکھتے (موجودہ شرک کے طریقہ سے باز آ جاؤ) اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن بنایا تا کہ تم (رات میں) آرام پاؤ اور تا کہ اس کی روزی تلاش کرو۔ (دن میں روزی کما کر) اور تا کہ تم شکر ادا کرتے رہو (ان دونوں نعمتوں کا) اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو پکار کر کہے گا کہ جن کو تم میرا شریک سمجھتے تھے وہ کہاں گئے (شرک کا حال دوبارہ ذکر کیا تا کہ اس پر اگلا جملہ منطبق ہو سکے) اور ہم ہر امت میں سے ایک کو گواہ نکال لائیں گے (ان کے پیغمبر جو ان کی باتوں کے خلاف گواہی دیں گے) پھر ہم (ان سے) کہیں گے کہ اپنی دلیل پیش کرو (جو تم نے شرکیہ باتیں کی ہیں) سو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ (خدائیت کے متعلق) سچی بات اللہ ہی کی تھی (اس میں کوئی اس کا ساجھی نہیں ہے) اور کسی کا پتہ نہ رہے گا (گم ہو جائیں گی) جو کچھ باتیں وہ گھڑا کرتے تھے (دنیا میں کہ خدا کا کوئی شریک ہے حالانکہ وہ شرک سے بری ہے۔)

تحقیق وترکیب:............ **افمن وعدناہ.** ابن جریرؒ۔ مجاہدؒ سے نقل کرتے ہیں کہ اول سے مراد آنحضرت ﷺ اور دوسرے سے مراد ابو جہل ہے۔ یہ بطور تمثیل کہا ہے۔

ثم ھو. لفظ ثم سے تراخی تمتع دنیا سے احضار جہنم کے لئے ہے۔

قال الذین. یہ جملہ مستانفہ سوال مقدر کا جواب ہے ای **ماذا قالوا.** اور سوال کا جواب ہے **حصل التنازع بین الاتباع والمتبوعین** اسی مضمون کو دوسری آیت **وبرزوا للہ جمیعا** اور **اذیتحا جون فی النار** ہے۔

ھؤلآء الذین . **ھولاء** مبتدا اور **الذین** صفت ہے اور عائد محذوف ہے ای **اغوینا ھم** ۔ اور **اغوینا ھم** خبر ہے مبتداء کی اور چونکہ خبر **کما** کے ساتھ مقید ہے۔ اس لئے صلہ کے **اغوینا** سے فرق ہو گیا۔ اب دونوں میں اتحاد کا اعتراض نہیں رہے گا۔ اور **فغووا** مفسر علامؒ نے جو نکالا ہے وہ بھی مقید ہے۔ یعنی وہ گمراہ باختیار خود ہوئے ہیں۔ جیسے کہ ہم خود بالاختیار گمراہ ہوئے تھے۔

ماراوہ. یہ لو لا محذوف کے جواب کا بیان ہے۔

فعمیت ۔ مفسر علامؒ ای **لم یجدوا** سے اس میں صنعت قلب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو محسنات کلام میں شمار کی جاتی ہیں۔ تقدیر عبارت **فعموا عن الا بناء** تھی مبالغہ کے لئے قلب کیا گیا ہے اور لفظ **عمیت** کے **علی** کے ساتھ متعدی کرنے میں معنی خفاء کی طرف اشارہ ہے ورنہ عن کے ذریعہ تعدیہ ہوتا۔

فاما من تاب . چونکہ پچھلی آیت میں کفار تابع اور متبوع کا حال بیان ہوا ہے۔ اس لئے دفع دخل کے طور پر فرمایا گیا۔ کہ مومنین تابع متبوع کا یہ حال نہیں ہوگا۔

عسیٰ ان یکون یہ لفظ عادۃ کرام کے لحاظ سے تحقیق کے لئے ہے۔ گویا یہ وعدہ کریم ہے جو خلاف نہیں ہوگا یا بمعنی ترجی ہے۔ ای **فلیتوقع ان یفلح**.

وربک یخلق. بقول ابن عباسؓ اس کے معنی ہیں **وربک مایشاء من خلقہ ویختار منھم بطاعتہ.** اور بقول نقاشؒ معنی یہ ہیں۔ **وربک یخلق مایشاء یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ویختار الا نصار لدینہ .** اور مسند بزار میں جابرؓ سے مرفوع روایت ہے۔ **ان اللہ اختار اصحابی علی العالمین سوی النبیین والمرسلین واختار لی من اصحابی**

ربعة يعنى ابا بكر وعمرو عثمان وعليا فجعلهم اصحابى وفى اصحابى كلهم خير واختار امتى على سائع الامم واختيار لى من امتى اربعة قرون.

ما كان لهم الخيره ۔اس میں کئی توجیہات ہوسکتی ہیں:۔

۔اگر ما نافیہ ہے تو یختار پر وقف کیا جائے۔

۱۔ما مصدر یہ ہے ای یختار اختیار هم اور مفعول مطلق مفعول بہ کی جگہ ہے۔

۲۔ما بمعنی الذی ہے اور عائد محذوف مانا جائے ای ما كان لهم الخيرة فيه اور بقول زمخشریؒ ما كان لهم الخيرة بیان ہے یختار کا ای ویختار مایشاء اسی لئے ان دونوں کے درمیان واؤ عاطفہ نہیں لایا گیا۔اس صورت میں معنی یہ ہوں گے۔ان الخيرة لله تعالىٰ ی افعاله وهو اعلم بوجود الحكمة فيها ليس لاحد من خلقه ان يختار عليه ۔ اہل علم کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ ختار پر وقف کرنا اور ما نافیہ سے ابتداء کرنا طریقہ اہل سنت ہے اور معتزلہ کا مذہب ماموصولہ کو یختار کے ساتھ ملا کر پڑھنا ہے اور بعض نضرات کی رائے ہے کہ ماموصولہ مفعول ہے یختار کا اور ضمیر راجع محذوف ہے۔ای ويختار الذى كان لهم فيه الخيرة ای لخير والصلاح اور بقول قاضیؒ اس میں بندوں کے بالکلیہ اختیار کی نفی مراد ہے۔کیونکہ بندوں کی طرح ان کا اختیار بھی اللہ کی مخلوق ہے ر جن اسباب سے اختیار کا تعلق ہے وہ بھی مخلوق ہیں۔لفظ خيـرة یا کی حرکت وسکون دونوں طرح ہے۔بمعنی تـخير جیسے طيـرة بمعنی طيرة ہے یعنی اس بمعنی مصدر مستعمل ہے۔

سرمدا ۔ یہ جعل کا مفعول ثانی ہے سرود سے ماخوذ ہے بمعنی متابعت اس میں میم زائد ہے۔

بزعمكم. مفسر علامؒ اشارہ کر رہے ہیں کہ یہاں مناسب "هل الله غير الله" تھا۔کیونکہ یہ طلب تصدیق کے لئے ہے۔ ن سے طلب تعیین مقصود نہیں ہے۔جو اصل وجود کو مقتضی ہوتا ہے۔لفظ زعم لا کر یہ بتلانا ہے۔کہ ان کے خداؤں کا وجود محض زعمی ہے۔

تكن صدورهم. يكنون کی بجائے تکن زمانے میں اشارہ ہے کہ منشاء خبث سینہ ہے جس میں اولاً کفر مرتسم ہوتا ہے۔ ر وہ ظاہر ہوتا ہے۔

ارء يتم . لفظ ارايتم اور جعل دونوں فعلوں کا تنازع الليل میں ہو رہا ہے اور یہ ثانی کا معمول ہے اور ارایتم کا مفعول نی بعد کا جملہ استفہامیہ ہے جس میں عائد محذوف ہے ای بضياء بعده اور جواب شرط محذوف ہے اور جعل اگر بمعنی تصيير ہے ب تو سرمداً مفعول ثانی ہے اور بمعنی خلق ہے تو پھر حال ہوگا۔

سرمدا. بمعنی دائماً متصلاً۔

تسكنون. جس طرح لیل کے ساتھ تسكنون فرمایا ہے نہار کے ساتھ تتصر فون نہیں فرمایا بلکہ لفظ ضياء فرمایا ہے س کے معنی دھوپ کے ہیں۔کیونکہ دھوپ سے عام منافع کا تعلق ہے صرف معاشی تصرف کا نہیں اور ظلمت لیل اس درجہ کی نہیں۔اسی لئے لفظ ضیاء کے ساتھ افلا تسمعون فرمایا گیا۔کیونکہ سمع سے ان چیزوں کا ادراک ہوجاتا ہے جن کا ادراک بصر سے نہیں ہوسکتا جیسے نافع اور فوائد اور لیل کے ساتھ افلا تبصرون فرمایا گیا ہے لان غيرك يبصر من منفعة الظلام ما تبصره انت من سكون ونحو . افلا تسمعون اور افلا تبصرون کی موجودہ ترتیب کا برعکس کیا۔حالانکہ ضیاء کے مناسب الغبار ہوتا ہے اور لیل کے مناسب السمع تھا۔غالباً اس میں یہ نکتہ ہوسکتا ہے کہ دونوں جگہ العباد اور سمع کو جمع کرنا ہوگا۔چنانچہ ابصار کا تحقق ضیا کے ساتھ چونکہ یہی ہے اس لئے اس کی صراحت نہیں کی۔ بلکہ وہاں سمع پر تنبیہ فرما دی، ادھر سمع کا تحقق چونکہ لیل میں واضح ہے۔اس لئے یہاں اس

کی صراحت نہیں کی ۔ بلکہ ابصار پر تنبیہ فرما دی ۔ نیز ضیاء کونہار کے ساتھ مقید نہ کرنے میں ضیاء کے مقصود ہونے اور لیل کوسکون کے ساتھ مقید کرنے میں سکون کے مقصود ہونے کی طرف اشارہ ہے یعنی ظلمت مقصود نہیں ۔

لتبتغوا من فضله . اس میں طلب رزق کی تحسین ہے چنانچہ **الکاسب حبیب اللّٰہ** فرمایا گیا ہے۔

ذکر ثانیا. مفسر علامؒ کے اس نکتہ کے علاوہ قاضی بیضاویؒ کی رائے ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ شرک سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز ناپسند نہیں ہے ۔ یا پہلی مرتبہ ذکر کرنے میں ان کی رائے کے غلط ہونے اور دوسری میں شرک کے بے سند ہونے کی طرف اشارہ کرنا ہے۔

شهيدا. مجاہدؒ اور قتادہؒ اس کا مصداق نبی کو فرماتے ہیں ۔ البتہ آیت **وجیٔ بالنبیین والشہداء** فرمایا گیا ہے جس سے شہداء کا غیر انبیاء ہونا معلوم ہوتا ہے ۔ مگر کہا جائے گا کہ قیامت کے احوال مختلف ہوں گے ۔ اس لئے دونوں باتیں صحیح ہیں کبھی انبیاءؑ شہادت دیں گے اور کبھی دوسری چیزیں۔

ربط:......... پچھلی بہت سی آیتوں میں گمراہی اور کفر پر زجر و توبیخ کا بیان ہوا ۔ پھر اس کے بعد کی آیات **لعلهم يتذكرون. هو اعلم بالمهتدين . الذين اٰتينا هم الكتاب ما عند اللّٰه خير و ابقى** میں ایمان وہدایت کی ترغیب کا بیان ہوا ہے ۔ اب آئندہ آیات میں قیامت کے دن کفر وایمان کے ثمرات کا ذکر ہے ۔ پہلے آیت **افمن وعدناه** میں اجمالاً دونوں کا فرق ۔ پھر آیت **يوم ينا ديهم** سے **فاما من تاب** تک اس فرق کی تفصیل کا تذکرہ ہے ۔ اس کے بعد آیت **وربك يخلق** میں شرک کی مذمت اور برائی اور توحید اور اس کے ضمن میں انعامات واحسانات کا بیان ہے۔

شان نزول:......... بقول صاویؒ آیت **وربك يخلق الخ** کا شان نزول یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ آنحضرت ﷺ پر وحی اور قرآن اترنے اور آپ کی نبوت کو مستبعد سمجھتا تھا ۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں ۔

﴿ تشریح ﴾:......... آیت **افمن وعدناه** کا حاصل یہ ہے کہ مومن وکافر دونوں انجام کے اعتبار سے کس طرح برابر ہو سکتے ہیں ۔ ایک کے لئے دائمی نعمتوں کا وعدہ، دوسرے کے لئے چند روزہ عیش وعشرت کے بعد وارنٹ گرفتاری اور دائمی جیل خانہ ۔ یہ فرق ایسا ہے جیسے ایک شخص خواب دیکھے کہ میرے سر پر تاج رکھا ہے ۔ خدم وحشم پرے جمائے سامنے کھڑے ہیں ۔ ایوان نعمت دستر خوان پر چنے ہوئے ہیں ۔ جن سے لذت اندوز ہو رہا ہوں ۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ پولیس انسپکٹر گرفتاری کا وارنٹ اور بیڑی ہتھکڑی لئے کھڑا ہے اور فوراً گرفتار کر کے حوالہ جیل کر دیا اور حبس دوام کی سزا دے دی ۔ بتلاؤ کہ وہ خواب کی بادشاہت اور خیالی پلاؤ زردے اور یہ واقعی دائمی رنج والم کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں اور دونوں میں فرق کے لئے یہ گرفتاری ہی کافی تھی ۔ مگر استحضار سے چونکہ دنیاوی ساز وسامان مانع تھا اس لئے اس سے بھی تعارض فرمایا ۔

آیت **قال الذين الخ** کا خلاصہ یہ ہے کہ پوچھ گچھ تو مشرکین سے ہوگی ۔ مگر بہکانے والے شرکاء سمجھ جائیں گے کہ ہمیں بھی ڈانٹ بتلائی گئی ہے ۔ اس لئے سبقت کر کے جواب دیں گے ۔ کہ خداوندا بے شک ہم نے انہیں ایسا ہی بہکایا جیسے ہم خود بہکے جیسے ہم پر کسی نے جبر نہیں کیا ۔ اسی طرح ہم نے بھی ان پر کوئی جبر واکراہ نہیں کیا ۔ کہ زبردستی اپنی بات ان سے منوائی ہوتی ۔ یہ ان کی اپنی غلطی تھی کہ ہمارے بہکانے میں آ گئے ۔ اس لحاظ سے یہ ہمیں نہیں پوجتے تھے ۔ بلکہ اپنی خواہشات کی پرستش کرتے تھے ۔ اس لئے آج ہم ان کی پوجا پاٹ سے اظہار بیزاری کرتے ہیں ۔ گویا اغواء اپنا جرم ہے ۔ مگر اس کو قبول کر لینا یہ ان کا جرم ہے جس سے ہم بری ہیں ۔

ہر شخص اپنے کئے کا ذمہ دار ہے:............اور حق علیهم القول سے مراد لاملان جهنم کا حکم ہے۔یا یہ مطلب ہے کہ بلاشبہ ہم نے ان کو بہکایا۔مگر نیک لوگوں کا نام لے کر بہکایا۔لہٰذا انہوں نے درحقیقت ہماری نہیں بلکہ نیکوں کی عبادت کی ہے۔اس لئے ہم ان کی عبادت سے تبری کرتے ہیں اور اعتبار سے قیل ادعوا کے یہی دو مفہوم ہیں۔ایک یہ کہ جب مشرکین سے کہا جائے گا کہ اپنی مدد کے لئے اپنے مددگاروں کو بلاؤ۔مگر مددگار چونکہ خود اپنی مصیبت میں گرفتار ہوں گے اس لئے وہ کیا کسی کی مدد کرتے۔اور دوسرا مفہوم یہ ہوگا کہ ان مشرکین سے کہا جائے گا کہ ان نیکوں کو پکارو۔جن کے نام پر تم نے کفر وشکر کیا تھا۔مگر وہ نیک کچھ ہوا نہ دیں گے۔کیونکہ وہ ان سے راضی نہ تھے۔

قیامت میں توحید کی طرح رسالت کے متعلق بھی سوال ہوگا:............آیت ویوم ینادیهم میں یہ بتلانا ہے۔ کہ توحید کی طرح رسالت کی نسبت بھی ان سے سوال ہوگا۔کہ اگر تم نے اپنی عقل سے حق کو نہ سمجھا تھا۔تو پیغمبروں کے سمجھانے سے سمجھا ہوتا اور ان کے بتلانے سے پہچانا ہوتا۔بتلاؤ ان کے ساتھ تم نے کیا برتاؤ کیا۔اس وقت کسی کو جواب نہ آئے گا۔

آیت "عسی ان یکون" میں شاہانہ انداز کا وعدہ ہے۔کہ اگر ہم پر کسی کا دباؤ نہیں ہے۔کہ ناچار ایسا کرنے پر ہم مجبور ہیں۔لیکن ہم محض اپنے کرم سے وعدہ کرتے ہیں۔

آیت "وربك یخلق" کا مقصد یہ ہے کہ ہر چیز کا پیدا کرنا اور کسی چیز کو پسند کرنا یا چھانٹ کر منتخب کر لینے کا حق صرف اسی کو ہے جو چاہے احکام بھیجے، جس کو چاہے کسی خاص منصب پر فائز کر دے۔جس کسی میں استعداد دیکھے راہ ہدایت دکھلا کر کامیاب کرے اور مخلوق میں سے کسی جنس یا کسی نوع کو یا کسی فرد کو اپنی حکمت بالغہ سے دوسری جنس یا نوع یا فرد سے ممتاز کرنا چاہے تو اسے کون روک ٹوک سکتا ہے۔لوگوں نے اپنی تجویز سے جو شرکاء ٹھہرا لئے ہیں وہ سب باطل اور بے سند ہیں۔لوگ دل میں جو فاسد عقائد و خیالات رکھتے ہیں۔اور زبان، ہاتھ، پاؤں سے جو کام کرتے ہیں وہ ان سب سے واقف ہے اور انہی کے مطابق معاملہ کرے گا اور جس طرح وہ اس تخلیق و انتخاب اور علم میں یگانہ ہے۔اسی طرح وہ الوہیت میں بھی یکتا ہے۔اسی کا فیصلہ ناطق ہے۔اسی کو اقتدار کلی حاصل ہے اور انجام کار اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔رات دن میں جس قدر بھلائیاں پہنچتی ہیں۔اسی کے انعام واکرام ہیں۔ بلکہ دن رات کی ادلی بدلی بھی اسی کا کرشمہ احسان ہے۔

چاند سورج بڑے دیوتا نہیں، ان سے بھی اوپر ایک بالا دست طاقت ہے:............وہ اگر سورج کو طلوع نہ ہونے دے یا اس سے روشنی چھین لے تو تم روشنی کہاں سے لا سکتے ہو۔یا وہ سورج کو غروب نہ ہونے دے۔ہمیشہ تمہارے سروں پر کھڑا رکھے۔تو جو راحت وسکون رات کے آنے سے ہوتے ہیں۔ان کا سامان پھر کون کر سکتا ہے۔یہ بات اتنی روشن اور صاف ہے کہ سنتے ہی سمجھ میں آ جائے۔تو کیا تم سنتے بھی نہیں اور کیا ایسی روشن حقیقت بھی تمہیں نظر نہیں آتی۔

آنکھ سے دیکھنا چونکہ عادۃً روشنی پر موقوف ہے جو دن میں پوری طرح رہتی ہے اور رات کے اندھیری میں دیکھنے کی صورت نہیں۔البتہ سننا ممکن ہے۔اس لئے ان جعل اللّٰہ علیکم النهار سرمداً کے مناسب افلا تبصرون اور ان جعل اللّٰہ علیکم لیل سرمداً کے ساتھ افلا تسمعون ہی موزوں ہے۔

یہاں ایک اشکال علم کلام کا ہے۔کہ اگر رات سرمدی ہو جائے تو روشنی کا ہونا اس طرح دن اگر سرمدی ہو تو ظلمت کا ہونا ناممکن ہے۔کیونکہ دونوں ضدیں ہیں۔پھر غیر اللہ کے ساتھ کیوں مقید کیا گیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ مقصد صرف یہ بتلانا ہے کہ دن کے بعد رات

اور رات کے بعد دن کرنے پر غیر اللہ قادر نہیں۔ جب کہ اللہ ان کے استمرار کا ارادہ فرمالے۔ ہاں اللہ اس پر قادر ہے۔ بغیر اس پر نظر کئے کہ یہ کرنا بغیر ارادہ کے ہے..... آیت ومن رحمتہ کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رات دن کا الٹ پھیر کرتا رہتا ہے۔ تاکہ رات کی تاریکی اور خنکی میں سکون وآرام حاصل کرسکو اور دن کے اجالے میں کاروبار جاری رکھ سکو اور اس طرح روز وشب کے مختلف النوع انعامات پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔

ہادیوں کی گواہی:.........من کل امۃ شھیدا. یوں تو کافروں پر حجت خود انہی کے قول سے پوری ہو جائے گی مگر مزید اہتمام کے لئے بیرونی شہادتیں بھی فراہم کردی جائیں گی۔ یعنی انبیاء اور ان کے سچے متبعین بتلائیں گے کہ لوگوں نے احکام الٰہیہ اور شرائع سماویہ کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟ اور ھاتوا برھانکم سے مراد یہ ہے کہ خدا کے شریک ٹھہرانے پر سند اور دلیل لاؤ اور حرام وحلال کے احکام کہاں سے لئے تھے۔ پیغمبروں کو جب تم نے مانا نہیں۔ پھر کس نے تم سے بتلایا کہ یہ حکم ہے اور یہ نہیں۔ اس وقت صاف نظر آجائے گا۔ کہ سچی بات صرف اللہ کی ہے اور معبودیت صرف اسی کا حق ہے کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ پیغمبر جو بتلاتے تھے وہی ٹھیک ہے۔ مشرکین نے جو عقیدے گھڑے تھے اور جو باتیں اپنے دل سے جوڑی تھیں۔ وہ سب کافور ہو جائیں گی۔ (تفسیر عثمانی)

غرض کہ جتنے سہارے انہوں نے گھڑ رکھے تھے ان میں سے کوئی ذرا بھی کام نہ آسکے گا۔

لطائف سلوک:.........فاما من تاب . یہ آیت منازل سلوک کی جامع ہے۔ کیونکہ وصول مقصود کو تین باتوں پر معلق فرمایا ہے۔ ایک توجہ قلب جو توبہ ہے۔ دوسرے تصحیح عقائد جو ایمان ہے۔ تیسرے اصلاح اعمال آیت وربک یخلق سے معلوم ہوا کہ بندہ سے مطلقاً اختیار کی نفی نہیں ہے بلکہ مستقل اختیار کی نفی کرنا یعنی خدا کا سا اختیار مطلق نہیں ہے۔ پس اپنے اختیار کے غیر مستقل ہونے کو بلحاظ علم وعمل متحضر رکھنا یہی جبر محمود ہے۔

نیز لہ الحمد الخ سے یہ نکتہ معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کا ہر کام بالآخر خیر محض ہے۔ ورنہ ہر حال میں حمد کا کیا مطلب؟ آیت لتبتغوا سے معلوم ہوا کہ معاشی مشاغل بھی مستحسن اور محمود ہیں۔ الکاسب حبیب اللہ اور یہ اسباب کی مشغولی توکل کے خلاف نہیں ہے۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اِبْنُ عَمِّهٖ وَابْنُ خَالَتِهٖ وَاٰمَنَ بِهٖ **فَبَغٰى عَلَيْهِمْ** بِالْكِبْرِ وَالْعُلُوِّ وَكَثْرَةِ الْمَالِ **وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓءُ** تُثْقِلُ **بِالْعُصْبَةِ** الْجَمَاعَةِ **اُولِى** اَصْحَابِ **الْقُوَّةِ** اَیْ تُثْقِلُهُمْ فَالْبَاءُ لِلتَّعْدِيَةِ وَعِدَّتُهُمْ قِيْلَ سَبْعُوْنَ وَقِيْلَ اَرْبَعُوْنَ وَقِيْلَ عَشَرَةٌ وَقِيْلَ غَيْرَ ذٰلِكَ اُذْكُرْ **اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ** الْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ **لَا تَفْرَحْ** بِكَثْرَةِ الْمَالِ فَرَحَ بَطَرٍ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ﴿۷۶﴾** بِذٰلِكَ **وَابْتَغِ** اُطْلُبْ **فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ** مِنَ الْمَالِ **الدَّارَ الْاٰخِرَةَ** بِاَنْ تُنْفِقَهٗ فِىْ طَاعَةِ اللّٰهِ **وَلَا تَنْسَ** تَتْرُكْ **نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا** اَیْ اَنْ تَعْمَلَ فِيْهَا لِلْاٰخِرَةِ **وَاَحْسِنْ** لِلنَّاسِ بِالصَّدَقَةِ **كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ** تَطْلُبْ **الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ** بِعَمَلِ الْمَعَاصِىْ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ﴿۷۷﴾** بِمَعْنٰى اَنَّهٗ يُعَاقِبُهُمْ **قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ** اَیِ الْمَالَ **عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ** اَیْ فِىْ مُقَابَلَتِهٖ وَكَانَ اَعْلَمَ بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ بِالتَّوْرٰةِ

بَعْدَ مُوْسٰی وَهَارُوْنَ قَالَ تَعَالٰی اَوَلَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ الْاُمَمِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ؕ لِلْمَالِ اَیْ وَهُوَ عَالِمٌ بِذٰلِكَ وَیُهْلِكُهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی وَلَا یُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾ لِعِلْمِهٖ تَعَالٰی بِهَا فَیَدْخُلُوْنَ النَّارَ بِلَا حِسَابٍ فَخَرَجَ قَارُوْنُ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ؕ بِاَتْبَاعِهِ الْكَثِیْرِیْنَ رُكْبَانًا مُتَحَلِّیْنَ بِمَلَابِسِ الذَّهَبِ وَالْحَرِیْرِ عَلٰی خُیُوْلٍ وَبِغَالٍ مُتَحَلِّیَةٍ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یَا لِلتَّنْبِیْهِ لَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ مَا فِی الدُّنْیَا اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ نَصِیْبٍ عَظِیْمٍ ﴿۷۹﴾ وَافٍ فِیْهَا وَقَالَ لَهُمُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ بِمَا وَعَدَ اللّٰهُ فِی الْاٰخِرَةِ وَیْلَكُمْ كَلِمَةُ زَجْرٍ ثَوَابُ اللّٰهِ فِی الْاٰخِرَةِ بِالْجَنَّةِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ مِمَّا اُوْتِیَ قَارُوْنُ فِی الدُّنْیَا وَلَا یُلَقّٰهَاۤ اَیِ الْجَنَّةَ الْمُثَابَ بِهَا اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ عَلَی الطَّاعَةِ وَعَنِ الْمَعْصِیَةِ فَخَسَفْنَا بِهٖ بِقَارُوْنَ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۖ مِنْ غَیْرِهٖ بِاَنْ یَمْنَعُوْا عَنْهُ الْهَلَاكَ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِیْنَ ﴿۸۱﴾ مِنْهُ وَاَصْبَحَ الَّذِیْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ اَیْ مِنْ قَرِیْبٍ یَقُوْلُوْنَ وَیْكَاَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ یُوَسِّعُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَاۤءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ ۚ یُضَیِّقُ عَلٰی مَنْ یَّشَاۤءُ وَوَیْ اِسْمُ فِعْلٍ بِمَعْنٰی اَعْجَبُ اَیْ اَنَا وَالْكَافُ بِمَعْنَی اللَّامِ لَوْلَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ وَیْكَاَنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ لِنِعْمَةِ اللّٰهِ كَقَارُوْنَ.

ترجمہ:............ قارون موسیٰ کی برادری میں سے تھا (چچازاد، خالہ زاد بھائی تھا اور موسیٰ پر ایمان لے آیا تھا) سو اس نے لوگوں کے مقابلہ میں گھمنڈ اختیار کیا (کبر، شیخی اور مالداری کی وجہ سے) اور ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ اس کی کنجیاں گرانبار (بوجھل) کر دیتی تھیں ایک جماعت زور آور کو (بالعصبة میں با تعدیہ کے لئے ہے کنجی برداروں کی تعداد ۷۰، ۴۰، ۱۰ وغیرہ بتلائی گئی ہے اور یاد کیجئے) جب کہ اس کی برادری (میں سے مومنین بنی اسرائیل) نے کہا کہ تو اترا مت (زیادہ مالداری کے گھمنڈ میں) واقعی اللہ میاں (ان پر) اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جستجو کر (طلب رکھ) تجھ کو خدا نے جتنا کچھ (مال) دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی (اللہ کی راہ میں خرچ کر کے) اور مت بھلا (چھوڑ) اپنا مقصد دنیا سے بھی (یعنی دنیا میں رہ کر آخرت کا کام کر جا) اور احسان کیا کر (لوگوں پر صدقہ کر کے) جس طرح کہ اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے اور مت پھیلا (ڈھونڈ) زمین پر فساد (گناہ کر کے) بلا شبہ اللہ ایسے فسادیوں کو پسند نہیں کرتا (یعنی انہیں سزا دے گا) قارون کہنے لگا کہ مجھ کو تو یہ (مال) اپنی ہنرمندی سے ملا ہے (یعنی اپنے علم کی وجہ سے۔ کیونکہ وہ بنی اسرائیل میں تورات کا سب سے بڑا عالم۔ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بعد شمار ہوتا تھا۔ فرمایا کہ) کیا اسے یہ خبر نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے سے پہلے گذشتہ امتوں میں ایسے ایسوں کو ہلاک کر دیا ہے جو قوت میں اس سے کہیں بڑھے ہوئے اور جمع کرنے میں اس سے زیادہ تھے (مال کے اعتبار سے۔ یعنی وہ یہ جانتا تھا اور اللہ نے ان سب کو برباد کر ڈالا تھا) اور مجرموں سے ان کے گناہوں کی بابت سوال نہیں پڑے گا (کیونکہ اللہ انہیں خوب جانتا ہے۔ لہٰذا وہ جہنم میں بلا حساب ہی داخل کر دیئے جائیں گے) پھر وہ

(قارون) اپنی برادری کے سامنے اپنی آرائش کے ساتھ نکلا (لشکر جرار کے ساتھ سنہری زیورات اور حریری لباس پہن کر آراستہ گھوڑوں، خچروں پر سوار) جو لوگ دنیا کے طلب گار تھے کہنے لگے اے کاش! (لفظ یا تنبیہ کے لئے ہے) ہمیں بھی ویسا ہی سامان ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے (دنیا میں) واقعی بڑا ہی (پورا) صاحب نصیب (قسمت) ہے جن لوگوں کو (وعدہ آخرت کا) علم عطا ہوا تھا وہ (ان سے) بولے۔ ارے تمہارا ناس ہو (یہ کلمہ ڈانٹ کا لفظ ہے) اللہ کے ہاں کا ثواب (آخرت میں جنت) ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک کام کرے (بہ نسبت قارون کے دنیاوی مال کے) اور وہ (جنتی ثواب) انہی کو دیا جاتا ہے جو (اطاعت پر بھی) صبر کرنے والے ہیں (اور گناہوں سے بھی) پھر ہم نے اس (قارون) کو اور اس کے محل سرا کو زمین میں دھنسا دیا۔ سو کوئی جماعت اس کے لئے ایسی نہ ہوئی جو اللہ سے بچالیتی (غیر اللہ کی جماعت اس سے تباہی کو دفع کر دیتی) اور نہ وہ خود اپنے کو (اللہ سے) بچا سکا اور کل (یعنی ابھی گذشتہ زمانے میں) جو لوگ اس جیسے ہونے کی تمنا کر رہے تھے وہ کہنے لگے بس جی یوں معلوم ہوتا اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے روزی زیادہ (خوب) دیتا ہے اور تنگی سے دینے لگتا ہے (جسے چاہے اور لفظ وی اسم فعل بمعنی اعجب ہے بصیغہ متکلم ہے اور کاف بمعنی لام ہے) اللہ تعالیٰ کی اگر ہم پر مہربانی نہ ہوتی تو ہم کو بھی دھنسا دیتا (لفظ خسف معروف اور مجہول دونوں طرح ہے) بس جی معلوم ہوا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہے (جو اللہ کی نعمتوں کے منکر ہیں جیسے قارون)۔

تحقیق وترکیب:.........**قارون**۔ علیت وعجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ ان کا نسب نامہ اس طرح ہے۔ **قارون بن یصھیر بن قاھث بن لاوی اور حضرت موسیٰ بن عمران بن قاھث ابن لاوی۔**

مفاتیح۔ جمع مفتح بالکسر کنجی یا خزانہ اور بفتح المیم قیاسی ہے۔

لتنوء۔ ماخوذ ہے۔ **تاء به الجمل** سے اونٹ جب اونٹ اتنا بوجھل ہو جائے کہ اس میں جھکاؤ ہونے لگے۔ اس میں دو صورتیں ہیں۔ باء ہمزہ کی طرح تعدیہ کے لئے مانی جائے۔ اس صورت میں کلام میں قلب نہیں ہوگا۔ **ای لتنوء المفاتح العصبة الا قویا** کنجیوں نے جماعت کو بوجھل کر دیا۔ دوسری صورت کلام میں قلب ماننے کی ہے۔ اصل عبارت لتنوء العصبة بالمفاتح ہے۔ بقول ابن عباسؓ چالیس افراد اٹھاتے تھے۔ اور تفسیر کبیر میں ہے کہ ساٹھ اونٹوں پر لادی جاتی تھیں۔

لا تفرح۔ دنیا پر فرحت مطلقاً مذموم ہے۔ الا یہ کہ حصول آخرت کا ذریعہ بنایا جائے۔ حدیث میں ہے۔ **اغتنم خمساً قبل خمس، شبابک قبل ھرمک وصحتک قبل سقمک وغناک قبل فقرک وفراغک قبل شغلک وحیاتک قبل موتک۔**

علم من عندی۔ موصوف صفت ہے۔ قارون کو علم تورات یا علم کیمیا حاصل تھا۔ چنانچہ وہ سونا بنانا جانتا تھا یا علم معاشیات مراد ہو کہ تجارت وزراعت میں ماہر تھا۔ یا حضرت یوسفؑ کے خزائن سے واقف ہونا مراد ہے۔ **ای فی مقابلة** کہہ کر مفسر اشارہ کر رہے ہیں۔ کہ یہ ظرف لغو ہے او تیتہ سے متعلق ہے اور علیٰ بمعنی با ہے جو مقابلہ کے لئے آتا ہے اور بعض نے حال کی ترکیب کی ہے۔

اولم یعلم۔ یعنی تورات یا تواریخ سے اسے یہ معلومات تھیں۔

لایسئل۔ دوسری آیت میں **فوربك لنسئلنهم اجمعین** فرمایا گیا ہے۔ جس سے بظاہر دونوں آیات میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ سوال دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک سوال استعتاب جس کے بعد معافی ہو جاتی ہے۔ اس آیت میں وہی مراد ہے اور دوسرا سوال عقاب اور ڈانٹ کے لئے ہوتا ہے۔ دوسری آیت سے مراد وہی ہے جس کے بعد جہنم ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ قیامت کا زمانہ چونکہ ممتد ہوگا۔ اس لئے دونوں آیتوں سے مراد الگ الگ دو وقت ہوں۔ اب تعارض

نہیں رہے گا۔

بعض حضرات نے فلا یسئل کا مطلب یہ لیا ہے کہ چونکہ مجرمین کو سزا دینی ہوگی۔ اس لئے پوچھنے گچھنے کی ضرورت نہیں ہوگی قتادہؒ کی رائے یہی ہے۔ اور مجاہدؒ کہتے ہیں کہ فرشتے ان سے پوچھ گچھ نہیں کریں گے۔ کیونکہ وہ خود علامات سے پہچانتے ہیں۔ اور حسنؒ ان دونوں آیات میں تطبیق، سوال استعتاب اور سوال عقاب پر محمول کرنے کو کہتے ہیں۔

فخرج. اس کا عطف قال پر ہے یا انما او تیۃ پر، اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ سنیچر کے دن یہ قارونی جلوس نکلا۔ جس میں چار ہزار یا نوے ہزار آدمی زرد لباس میں شامل تھے اور داہنی طرف شائستہ غلام اور بائیں جانب آراستہ باندیوں کا جھرمٹ تھا۔

الذین یریدون الحیٰوۃ الدنیا. اس سے مراد مومن ہیں۔ مگر محجوبین کہ جن کی نظر آخرت کی بجائے دنیا پر ہے۔ برخلاف ان اہل علم کے جن کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔ وہ عالم الدنیا نہیں عالم الآخرۃ ہیں۔ اول علماء سوء ہیں اور دوسرے علماء ربانی حقانی ہیں۔

الصابرون. صبر کی تین قسمیں ہیں۔ **صبر علی البلاء . صبر علی الطاعۃ. صبر علی المعصیۃ** . مؤخر الذکر کا صلہ عن آتا ہے اور ثانی الذکر کا صلہ علیٰ آتا ہے۔

من فئۃ. کان ناقصہ ہونے کی صورت میں من فئۃ اسم اور لہٗ خبر ہے یا ینصرونہ خبر ہے اور اگر کان تامہ ہے تو من فئۃ فاعل اور ینصرونہ فئۃ کی صفت ہے جو لفظاً مجرور اور محلاً مرفوع ہے۔ کیونکہ من زائد ہے۔

مکانہ . ای مثل مکانہ. مفسر علامؒ نے لفظ امس سے مراد معین وقت نہیں لیا۔ بلکہ زمانہ قریب لیا ہے۔

ویکان . لفظ وی اسم فعل بمعنی صہ ہے۔ بقول خلیلؒ بمعنی اعجب ہے۔ مفسر علامؒ نے انا کہہ صیغہ متکلم کی طرف اشارہ کر دیا ہے اور بقول سیبویہؒ یہ کلمہ تنبیہ ہے جو ندامت وخطا کے موقعہ پر آیا ہے اور کاف بمعنی لام ہے۔ **ای اعجب انا** اور بقول بیضاویؒ ویکان بصریین کے نزدیک لفظ مرکب ہے وی تعجبیہ اور کان تشبیہ سے **ای ما اشبہ الا مر** .

لخسف ۔ حفصؒ ویعقوبؒ کی قراءت معروف کی ہے مفعول محذوف ہے **ای خسف اللہ الا رض** اور باقی قراءؒ کے نزدیک مجہول ہے۔ **ای لو لا امن اللّٰہ علینا فلم یعطنا ما تمنینا من غنی قارون لخسف بنا لتو لیدہ فینا ما ولدہ فیہ فخسف بہ لا جلۃ** .

ربط:............ آیت سابقہ **قالوا ان نتبع الھدیٰ** سے لے کر **ضل عنھم الخ** تک مختلف عنوانات سے کفر کا ناپسندیدہ اور باعث خسران ہونا معلوم ہوا تھا۔ پھر دنیا پر اتراہٹ کر ہلاکت وعذاب سے نہ بچا سکنا معلوم ہوا تھا۔ آیت **ان قارون الخ** سے اس کی تائید میں قارون کا عبرت ناک واقعہ ذکر کیا جا رہا ہے۔ جس میں تکبر، نافرمانی اور اترانے کی برائی اور جن میں یہ باتیں پائی جائیں ان کی مذمت معلوم ہوتی تھی۔

﴿ تشریح ﴾:............ پہلے سے دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی پائیداری کا بیان چلا آ رہا ہے۔ اس کی تائید کے لئے قارون کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ قبطی نہیں تھا اسرائیلی تھا۔ بلکہ حضرت موسیٰ کا حقیقی چچازاد بھائی تھا اور ممکن ہے ماں کی جانب سے خالہ زاد بھی ہو۔ اور مفسر علامؒ کے بیان کے مطابق بظاہر مومن بھی تھا۔ مگر توراۃ کے بیان کے مطابق اسے حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام سے حسد ہو گیا تھا اور اسرائیلی ڈھائی سو افراد کی ایک ٹکڑی اس کے ساتھ ہو گئی تھی۔ جو قوم میں مؤثر اور نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔

کسی قوم کی بربادی قوم فروش افراد کی بدولت ہوتی ہے:............ ظالم قوموں اور حکومتوں کا پرانا دستور چلا آ رہا ہے کہ کسی قوم کا خون چوسنے کے لئے انہی میں سے کچھ مؤثر افراد کو آلہ کار بنا لیتے ہیں فرعون نے بھی قارون کو اس کام کے لئے چن لیا تھا۔ وہ فرعون کے دربار کی پیشی میں رہتا تھا۔ وقت سے فائدہ اٹھا کر اس نے دونوں ہاتھ سے خوب دولت سمیٹی اور پورا اختیار حاصل کر لیا۔ مگر فرعون جب غرق ہو کر مبتلائے عذاب ہوا اور حضرت موسیٰؑ کی زیر کمان اسرائیلیوں کو رہائی اور آزادی نصیب ہوئی۔ تو اس کی سردازی خاک میں مل گئی اور مالی ذرائع مسدود ہو گئے۔ تو حضرت موسیٰؑ سے دل میں خلش رکھنے لگا۔ اگر چہ بظاہر مومن اور تورات کا عالم تھا۔ مگر دماغ میں یہ خناس گھسا کہ جب موسیٰؑ وہارون نبی ہو سکتے ہیں تو میں بھی ان کے برابر کا بھائی ہوں۔ اس کے کیا معنی کہ میں محروم ہوں۔ اس مایوسانہ چڑ چڑاہٹ میں کبھی ڈینگیں مارتا اور کہتا کہ اگر دونوں کو نبوت مل گئی تو کیا ہوا۔ میرے پاس دولت کے انبار ہیں۔ دنیا میرے قدموں میں پڑی ہے۔

ایک دفعہ حضرت موسیٰؑ نے اسے زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا۔ تو کہنے لگا کہ اب تک تو موسیٰ کے احکام ہم نے برداشت کئے۔ مگر ان کی نظر اب ہمارے مال پر بھی پڑنے لگی۔ تو کیا تم لوگ اس کو برداشت کر لو گے؟

ایک اخلاق سوز، رسوا کن بھونڈی اسکیم:............ اس پر کچھ خوشامدی اور اس کے دستر خوان کے چمچے اس کے ہمنوا ہو گئے اور حضرت موسیٰؑ کو بدنام کرنے کے لئے بقول ابن عباسؓ ایک گندی سازش کی اور اسکیم کی۔ ایک ہیروئن عورت کو بنا کر بہکایا اور آمادہ کیا۔ کہ بھرے مجمع میں جب حضرت موسیٰؑ زنا کی حد بیان کریں تو تم اپنے ساتھ ان کو متہم کر دینا (نعوذ باللہ) منصوبہ کے مطابق شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر عورت کہہ گزری۔ مگر حضرت موسیٰؑ نے جب پر جلال لہجہ میں ایک خاص کیفیت سے سخت قسمیں دیں اور جھوٹ کے ادبار اور اللہ کے غضب کو سامنے رکھا۔ تو وہ عورت کانپ اٹھی اور صاف صاف کہہ دیا۔ کہ قارون نے ہی یہ پٹی پڑھائی تھی۔ اس پر حضرت موسیٰؑ کو جوش الٰہی ہوا اور انہوں نے بددعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ تیر نشانہ پر لگا اور قارون کا بیڑہ مال ومنال سمیت غرق ہوا اور وہ اپنے بے پناہ خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔ (درمنثور)

قارون کا خزانہ اور اس کی کنجیاں:............ بعض سلف نے مفاتیح کی تفسیر خزائن سے کی ہے۔ لیکن اکثر مفسرین اس کی تفسیر کنجیوں کے ساتھ کرتے ہیں اور جب کنجیوں کا وزن ایک جماعت کے لئے بھی ناقابل برداشت ہے تو پھر خزانوں کا کیا پوچھنا اور مال ودولت کی کیا انتہا؟ یہ چنداں مستبعد بات نہیں۔ عقلاً تو کیا عادۃً بھی بعید نہیں ہے۔ کیونکہ بقول اہل لغت اگر عقبہ سے مراد دس آدمیوں کی جماعت ہے اور فی کس ایک دھڑی وزن فرض کیا جائے اور چابیوں کا گچھا ہاتھ یا جیب یا ازار بند میں معمول کے مطابق مانا جائے۔ ادھر ہر تالی ایک ایک تولہ تجویز کی جائے فی کس چار سو کنجیاں ہوتی ہیں۔ اس طرح دس آدمیوں کے لئے چار ہزار چابیاں ماننی پڑتی ہیں۔ اور ہر صندوق میں اگر ایک تالا مانا جائے تو اس طرح صندوقوں کی مجموعی تعداد چار ہزار ہوتی ہے۔ مہاجنوں کی دنیا میں یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔

رہ گئی کنجیوں کے اٹھانے کی دشواری سو اول تو ڈھلاڈ ھلے اجسام کے مقابلہ میں ٹھوس اجسام کا اٹھانا گو وزن میں دونوں برابر ہوں باعث دشواری ہوتا ہے۔ پھر دشواری بھی ایک تو مزدوری کی ہوتی ہے اور ایک بنک منیجروں کی ہوتی ہے۔ دونوں کی حیثیت میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اور اگر بنک کے مختلف تہہ خانوں، چور دروازوں، کمروں، الماریوں، تجوریوں ان کے مختلف خانوں اور صندوقچوں کی تعداد سینکڑوں ہزاروں ہو تو اس میں ذرا بھی استبعاد نہیں رہ جاتا۔ آج بھی کروڑ پتی، ارب، کھرب پتی سیٹھ ساہوکاروں

کے ہاں خزانچیوں، منشیوں، محاسبوں، نائبوں، چپراسیوں، پہرہ داروں، مددگاروں کا کتنا بڑا عملہ کام میں جتا ہوا ہوتا ہے۔

مال ودولت کا نشہ، سانپ کاٹنے کے نشہ سے کم نہیں:.......... لا تفرح کا منشاء یہ ہے۔ کہ ایسی واترا ہٹ اور گھمنڈ ٹھیک نہیں۔ جس کے نشہ میں انسان خدا اور بندوں کے حقوق تلف کر بیٹھے اور یہاں تو کم ظرف قارون ایک پیغمبر برحق کے مقابلہ میں آ کھڑا ہوا۔ حالانکہ اس بے حقیقت دنیا اور فانی دولت پر کوئی کیا ناز کرے جس کی وقعت اللہ کے ہاں پشہ کے پر کے برابر بھی نہیں۔ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اکڑنے اور اترانے والے اللہ کو نہیں بھاتے اور جو اللہ کو نہ بھائے اس کا نتیجہ بجز تباہی وبربادی کے اور کیا ہے؟ خدا کا دیا ہوا مال اس لئے ہے کہ انسان اسے توشہ آخرت بنائے نہ یہ کہ کبر وغرور کے نشہ میں چور ہو کر سرکشی کی راہ اپنائے۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ ساری کی ساری دولت بندگان خدا کو دے دو۔ خود کھاؤ پیو عیش کرو، مگر حدود میں رہ کر متعلقہ حقوق بھی ادا کرتے رہو...... سلسلہ فہمائش جاری رکھتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اے قارون بلا وجہ حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ اور ضد سے باز آ جا۔ ملک میں خواہ مخواہ کی تباہی مت پھیلا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کفر ومعصیت کی راہ اختیار کرنے اور غیر اسلامی طریقوں کو اپنانے سے نظام امن وامان درہم برہم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ معاشیات کا ہر طالب علم یہ چاہتا ہے کہ آج سرمایہ پرست معاشی توازن کو بگاڑ کر دنیا میں کیا کچھ تباہی وبربادی لا سکتے ہیں۔

روشن خیال قارون نے جواب دیا کہ یہ کیا دقیانوسی باتیں ہیں۔ میں ماہر مالیات ومعاشیات ہوں یا علم کیمیا میں یکتائے روزگار ہوں۔ سونا بنا لینا میرے اپنے ہاتھ کی بات ہے۔ جو کچھ مجھے ملا ہے اس میں نہ کسی کا احسان ہے اور نہ مجھ پر کسی کا حق ہے۔ میں نے اپنی قوت بازو اور علم وہنر کے زور اور قابلیت ولیاقت سے یہ عروج اور دولت کمائی ہے۔ کیا یوں ہی بیٹھے بٹھائے مفت میں کچھ مل گیا ہے کہ موسیٰؑ کے حکم اور تمہارے کہنے سے لٹا دوں؟...... آگے قارون کی حماقت وکج فہمی بیان ہو رہی ہے کہ اسے اتنی بھی سمجھ نہیں آئی کہ اگر دولت مندی، ہنرمندی اور فن دانی ہی کا یہ نتیجہ ہوتی۔ تو بڑے بڑے ساہوکار خود کو کیوں تباہ وبرباد ہونے دیتے۔ آخر یہ نہ سوچا کہ یہ دولت کمانے کی لیاقت کس نے دی۔ یہ دماغ کس نے دیا۔ اس میں یہ مشینری کس نے فٹ کی؟ منعم حقیقی کو بھول کر دولت ولیاقت پر غرہ کرنے لگا۔

اسے معلوم نہیں کہ کتنے دولت منداور اس سے زیادہ اقتدار کے مالک تباہی سے نہ بچ سکے۔ ان کے انجام سے اسے کچھ عبرت نہ ہوئی۔

رہا کسی کے جرائم کی تحقیقات سو اللہ کو پوچھ پاچھ کی کیا ضرورت اسے پہلے ہی سب کچھ معلوم ہے۔ ہاں کسی کو فضیحت ورسوا کرنا ہو اور اس پر حجت قائم کرنے کے لئے یا دوسروں کو عبرت دلانے کے لئے اور سرزنش وتنبیہ کے لئے سوالات کئے جائیں تو دوسری بات ہے یا یہ کنایہ ہے جرائم کی کثرت سے کہ اتنے زیادہ ہیں اور واضح ہیں کہ ایک ایک جزئی پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

قارون کا جلوس اور عروج وزوال کی کہانی:.......... ایک روز قارون لباس فاخرہ پہن کر بڑے کروفر کے ساتھ نوکروں چاکروں کو جلو میں لئے بڑی شان وشوکت سے نکلا۔ حتیٰ کہ اس کی ٹیپ ٹاپ دیکھ کر دنیا پرستوں کی نگاہیں خیرہ اور چکاچوند ہو گئیں۔ بولے بڑا ہی صاحب اقبال نصیبہ ور، قسمت کا دھنی ہے۔ کسی کے ساز وسامان کو دیکھ کر رال ٹپک جانا یہ بشری کمزوری ہے۔ جس سے کوتاہ نظر مسلمان آج بھی دوچار ہوتے رہتے ہیں۔ اس سے یہ سمجھنا کہ کہنے والے کافر ہو گئے تھے صحیح نہیں ہے۔ تاہم سمجھدار اور ذی عقل لوگوں نے لقمہ دیا کہ مجنو! اس دنیوی ٹیپ ٹاپ میں کیا رکھا ہے۔ اس خالی چمک دمک پر کیوں ریجھتے ہو، ایمان داروں، نیک چلن لوگوں کو اللہ کے ہاں جو دولت ملنے والی ہے۔ اس کے سامنے یہ ہیچ ہے۔ اتنی بھی نسبت نہیں جتنی ذرہ کو آفتاب سے ہوتی ہے۔

ویل کلمہ عربی محاورہ میں ترحم یا تنبیہ کے لئے آتا ہے اور وہی یہاں مراد ہے بد دعا مقصود نہیں ہے اور فرمایا۔ کہ دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو وہی جانتا ہے۔ جس نے محنت سہی ہو۔ حرص کے مارے، بے صبرے تو دنیا پر مکھیوں کی طرح چمٹے رہتے ہیں......اور یہ نہیں دیکھتے کہ دنیا میں کچھ آرام تو دس بیس سال کا ہے، پر مرنے کے بعد کانٹے ہیں، ہزاروں برس کے۔

دنیا داروں اور دینداروں میں نظر وفکر کا فرق:......... قارن کے زمین میں دھنسنے کا ماجرا تورات میں اسی طرح آیا ہے۔ تب خداوند کا جلال اس سارے گروہ کے سامنے ظاہر ہوا اور خداوند تعالیٰ نے موسیٰ و ہارون علیہم السلام کو خطاب کر کے کہا۔ تم خود کو اس گروہ سے جدا کرو تا کہ میں انہیں ایک پل میں ہلاک کر دوں۔ پس نہ کوئی قارون کی مدد کو پہنچ سکا اور نہ ہی وہ کسی کو مدد کے لئے پکار سکا۔ غرض یہ کہ نہ اپنی مدد کام آسکی اور نہ دوسروں کا سہارا۔ اور جو ابھی کل تک اس پر رشک کر رہے تھے سب کے سب گھبرا گئے اور یہ منظر دیکھ کر بولے۔ کہ بے شک یہ ہماری حماقت تھی کہ دولت کی کمی بیشی کو ہم بختی اور خوش بختی سمجھ رہے تھے۔ آج اس کا برا انجام دیکھ کر سب کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے اور سمجھے کہ ایسی دولت تو ایک خوبصورت سانپ کی طرح ہے۔ جس کے اندر زہر ہی زہر بھرا ہوا ہے۔ مال و دولت کی فراوانی مقبولیت کی دلیل نہیں اور نہ غربت وافلاس کچھ نشان مردودیت ہے۔ یہ تقسیم سراسر تکوینی مصالح پر مبنی ہے۔ دنیا کی حرص وطمع تو ہم پر بھی مسلط ہو چکی ہے۔ مگر خدا کا احسان ہے کہ ہمیں قارون جیسا نہ بنایا۔ ورنہ یہی گت ہماری بنتی۔ اللہ نے خیر کی کہ ہماری وہ آرزو پوری نہ کی۔ ورنہ قارون کی طرح ہمارا یہی حشر ہوتا۔ اب تو قارون کا انجام دیکھ کر ہمیں خوب کھل گیا۔ کہ محض مال و دولت کی ترقی سے حقیقی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔

لطائف سلوک:......... لا تفرح. سے مفہوم ہوا کہ باطنی احوال اور قلبی کیفیات وواردات کی نسبت اپنی طرف کر کی اترانا مذموم ہے اور اپنا ذاتی کمال سمجھنا برا ہے۔ ہاں عطیہ الٰہی جانتے ہوئے اظہار مسرت وفرحت کرنا محمود و مستحسن ہے۔

اما بنعمة ربك فحدث فبذلك فليفرحوا. اور اپنی طرف نسبت کرنے سے مراد صرف اس کا استحضار ہے نہ کہ اعتقاد۔ کیونکہ غیر اللہ کی اعتقاد بلاشبہ کفر ہے۔

انما اوتیته علٰی علم من عندی سے معلوم ہوا کہ باطنی ثمرات کو اپنی کوشش اور ریاضت ومجاہدہ کا ثمرہ سمجھنا بھی اسی طرح مذموم ہے۔ البتہ انعام الٰہی سمجھتے ہوئے اس نسبت میں مضائقہ نہیں ہے۔

الذین او توا العلم اور الذین یریدون الحیٰوۃ الدنیا. کے تقابل سے معلوم ہوا کہ معتبر وہی علم ہے جس میں دنیا مطلوب نہ ہو۔

ویلکم. یہ کلمہ زجر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات اگر واضح ہو اور مخاطب بھی نہ سمجھے تو نصیحت کے لئے ڈانٹ کی اجازت ہے۔

ولا یلقھا الا الصبرون سے مجاہدہ کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ اَیِ الْجَنَّةُ **نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ** بِالْبَغْيِ **وَلَا فَسَادًا** بِعَمَلِ الْمَعَاصِیْ **وَالْعَاقِبَةُ** اَلْمَحْمُوْدَةُ **لِلْمُتَّقِيْنَ** ﴿۸۳﴾ عِقَابَ اللّٰهِ بِعَمَلِ الطَّاعَاتِ **مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا** ۚ ثَوَابٌ بِسَبَبِهَا وَهُوَ عَشْرُ اَمْثَالِهَا **وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا** جَزَاءَ **مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ﴿۸۴﴾ اَیْ مِثْلَهٗ **اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ** اَنْزَلَهٗ **لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ** ۭ اِلٰی مَكَّةَ وَكَانَ قَدِ اشْتَاقَهَا **قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ**

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۸۵﴾ نَزَلَ جَوَابًا لِقَوْلِ كُفَّارِ مَكَّةَ لَهُ اِنَّكَ فِي ضَلَالٍ اَىْ فَهُوَ الْجَائِي بِالْهُدٰى وَهُمْ فِي الضَّلَالِ وَاَعْلَم بِمَعْنٰى عَالِمٌ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْآ اَنْ يُّلْقٰى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ الْقُرْاٰنُ اِلَّا لٰكِنْ اُلْقِيَ اِلَيْكَ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا مُعِيْنًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ عَلٰى دِيْنِهِمُ الَّذِىْ دَعَوْكَ اِلَيْهِ وَلَا يَصُدُّنَّكَ اَصْلُهُ يَصدوننك حُذِفَتْ نُوْنُ الرَّفْعِ لِلْجَازِمِ وَالْوَاوُ الْفَاعِلُ لِاِلْتِقَائِهَا مَعَ النُّوْنِ السَّاكِنَةِ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ اَىْ لَاتَرْجِعُ اِلَيْهِمْ فِىْ ذٰلِكَ وَادْعُ النَّاسَ اِلٰى رَبِّكَ بِتَوْحِيْدِهٖ وَعِبَادَتِهٖ وَلَاتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾ بِاِعَانَتِهِمْ وَلَمْ يُؤَثِّرِ الْجَازِمُ فِى الْفِعْلِ لِبِنَائِهٖ وَلَاتَدْعُ تَعْبُدْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ اِلَّا اِيَّاهُ لَهُ الْحُكْمُ الْقَضَاءُ النَّافِذُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾ بِالنُّشُوْرِ مِنَ الْقُبُوْرِ

ترجمہ: .... یہ عالم آخرت (جنت) ہم انہیں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں (بغاوت پھیلا کر) بڑا بننا نہیں چاہتے اور نہ (گناہوں کے ذریعہ) فساد اور (بہترین) انجام تو متقیوں کا حصہ ہے (جو نیکیاں کرتے ہوئے عذاب الٰہی سے ڈرتے ہیں) جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کو اس سے بہتر ملے گا (دس گنا اجر ایک نیکی کی وجہ سے ملے گا) اور جو بدی لے کر آئے گا۔ پس ایسے لوگ جو بدی کا کام کرتے ہیں بس اتنا بدلہ ہی ملے گا جتنا کام وہ کرتے تھے جس نے آپ پر قرآن فرض (نازل) کیا ہے وہ آپ کو آپ کے وطن پہنچا کر رہے گا (مکہ میں جس کا آپ کو اشتیاق ہے) آپ فرما دیجئے میرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون سچا دین لے کر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں ہے (کفار مکہ کے آنحضرت کی نسبت انک فی ضلال کہنے کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ یعنی فی الحقیقت آپ ہدایت لے کر آنے والے ہیں اور اہل مکہ گمراہی میں ہیں اور لفظ اعلم بمعنی عالم ہے) اور آپ کو یہ توقع نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب (قرآن) نازل کی جائے گی۔ مگر (آپ پر نازل کی گئی) آپ کے پروردگار کی مہربانی سے۔ سو آپ ان کافروں کی ذرا تائید (اعانت) نہ کیجئے (اپنے جس مذہب کی طرف یہ لوگ آپ کو بلا رہے ہیں) اور ایسا نہ ہونے پائے کہ یہ لوگ آپ کو روک دیں (یصدنک اصل میں یصدوننک تھا نون جمع جازم کی وجہ سے اور واو علامت فاعل نون ساکن کے ساتھ جمع ہونے کی وجہ سے حذف ہو گیا ہے) اللہ کے احکام سے آپ کے پاس ان کے آنے کے بعد (یعنی اس کے بعد ان کی طرف رخ نہ کیجئے) اور آپ اپنے پروردگار (کی توحید اور عبادت) کی طرف بلاتے رہئے اور ان مشرکوں میں شامل نہ ہو جائیے (ان کی تائید کر کے۔ لاتکونن میں مبنی ہونے کی وجہ سے جازم نے عمل نہیں کیا) اور اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود نہ کیجئے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں بجز اس کی ذات کے اسی کی حکومت (حکم نافذ) ہے اور اسی کی طرف تم سب کو جانا ہے (قبروں سے اٹھ کر)

تحقیق وترکیب: .... **تلک** . یہ اشارہ ہے ثواب اللہ خیر کی طرف۔

نجعلها . اس لفظ سے معتزلہ نے غیر موجود ہونے پر استدلال کیا ہے۔ کیونکہ مستقبل کا صیغہ ہے۔ لیکن اہل سنت کی طرف سے جواب یہ ہے کہ جعل بمعنی خلق نہیں ہے۔ بلکہ عطا کرنا تخصیص مراد ہے۔

من جاء . بجائے عمل کے لفظ جاء لانے میں یہ نکتہ ہے کہ ثواب کا استحقاق محض ابتدائے عمل سے نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اختتام عمل پر ہے اور عملوا میں بھی اسی طرف اشارہ ہو جاتا ہے۔ یہ نکتہ علامہ آلوسی نے تفسیر کبیر سے نقل کیا ہے۔ اور امام راغب

فرماتے ہیں۔ کہ عملوا میں مقصد وارادہ کی طرف اشارہ ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ۔ ثواب کے لئے ارادہ ونیت اور اختتام عمل دونوں ضروری ہیں اور حسنہ کو مفرد اور سیئات کو جمع لانے میں یہ نکتہ ہے کہ برائی کو برائی کے ساتھ ملانے پر وہی ثمرہ مرتب ہوگا۔ جو ایک برائی پر ہوتا ہے برخلاف نیکی کے۔ کیونکہ ہر نیکی کا ثواب مستقل ہوگا۔

بالحسنة. حسنہ سے مراد اگر کلمہ طیبہ ہو تو خیر سے مراد جنت ہوگی اور یہ تفصیل کے لئے نہیں ہوگا۔ اور من تعلیلیہ ہوگا۔ لیکن اگر حسنہ سے مراد مطلق طاعت ہو تو پھر خیر سے مراد دس گنا حساب ہوگا۔ جیسا کہ مفسر علامؒ نے بھی "ثواب بسببها" سے اشارہ کیا ہے اور تضاعف اجر ستر گنا اور سات سو گنا یا اس سے بھی زائد بقدر اخلاص ہوسکتا ہے اور تضاعف اس امت کے خواص میں سے ہے۔ نیز یہ اس نیکی کے ساتھ مخصوص ہے جو اپنے لئے یا دوسرے کے لئے کی جائے۔

ماکانوا یعملون. مفسر علامؒ نے مثلہ نکال کر اشارہ کر دیا ہے محذوف کی طرف۔ اصل عبارت جزاء مثلہ تھی۔ مبالغہ فی المماثلہ کے لئے مثلہ کی بجائے ماکانوا یعملون فرمایا گیا ہے اور لفظ سیئہ کا تکرار برائی کی برائی بیان کرنے کے لئے ہے۔

معاد. بقول ابن عباسؓ مکہ مکرمہ مراد ہے اور ابوالسعود میں اس کی مراد مقام محمود ہے اور تاریخ بخاری میں ابن عباسؓ سے جنت مراد لی گئی ہے اور ابوسعید سے موت منقول ہے۔ مکہ کو معاد اس لئے کہا گیا ہے کہ فتح مکہ سے مسلمانوں کا غلبہ اور شوکت اور کفار کی مغلوبیت وتحقیر نمایاں ہوتی ہے۔

ما کنت ترجوا. یعنی تجویز نبوت اور انتخاب نبی میں کسی کے ارادہ اور کوشش کو دخل نہیں ہے۔ کیونکہ نبوت سراسر موہبت الٰہی اور فضل خداوندی ہے کسبی نہیں ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کو پہلے سے اس کا وہم تک نہیں تھا۔ کہ کیا ہونے والا ہے کہ آپ جدو جہد کرتے۔ محض عطائے خداوندی سے ایسا ہوا۔

لا یصدنک. لا نہی مضارع پر داخل ہے اور واو نون حالت جزم میں حذف ہوگئے اور نون تاکید باقی ہے۔ **عن ایات الله ای عن تبلیغ او قراء ة اٰیات اللّٰه.**

لا تکونن. نون ثقیلہ کی وجہ سے چونکہ مبنی ہے اس لئے لائے جازمہ کا لفظاً عمل نہیں ہوا صرف محلاً مجزوم کیا جائے گا۔

لا تدع. اس سے خوارج استدلال کرتے ہیں۔ کہ کسی زندہ مردہ کو طلب اور مدد کے لئے پکارنا شرک ہے۔ لیکن مفسر علامؒ نے تعبد نکال کر اشارہ کر دیا کہ بندگی کے لئے کسی کو پکارنا مراد ہے اور وہ بلاشبہ شرک ہے۔ البتہ کسی زندہ کو عادی اسباب کے تحت مدد کے لئے پکارنا اور بلانا قطعاً شرک نہیں ہے۔ اسی طرح کسی مردے سے اسے محض وسیلہ سمجھتے ہوئے روحانی استعانت شرک نہیں ہے۔ ہاں اس کو قدرت الٰہی میں دخیل سمجھ کر یا مستقل مختار گردانتے ہوئے استداد بلاشبہ شرک ہے۔

الا وجهه. بطور مجاز مرسل ذات مراد ہے۔ کیونکہ **کل ممکنات فی حد ذاته** معدوم اور ہالک ہیں اور اشراف ذوات پر بھی بطور خاص وجہ کا اطلاق ہوتا ہے جو یہاں بھی ہے۔

ربط:............ پچھلے رکوع میں فرعون وقارون کے تکبر وتعلّی اور اس کی بدانجامی اسی طرح حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کی تواضع اور نیازمندی اور اس پر سر بلندی کا بیان تھا۔ آیت **تلك الدار الاٰخرة** سے اسی مضمون کی تائید مقصود ہے۔ کہ اصلی مدار ایمان اور اعمال پر ہے مال ودولت پر نہیں۔ نیز آیت **ان الذین فرض** سے سورۃ کے خاتمہ پر توحید ورسالت وبعثت تینوں مضامین کا تکرار ہے جو ساری سورۃ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ گویا یہ پوری سورۃ کا اجمال ہے۔

شانِ نزول:............ واقعہ ہجرت میں جب آنحضرت ﷺ امام جحفہ میں پہنچے تو مکہ بہت یاد آیا۔ اس پر آپ ﷺ کو تسلی اور بشارت دی گئی جو فتح مکہ کے وقت پوری ہوئی۔ کفار مکہ آپ ﷺ کو **انك لفی ضلال** کہا کرتے تھے۔ اس پر آیت **قل ربی** نازل

ہوئی۔ نیز یہ بھی کہا کرتے تھے۔ کہ آپ اپنے آباء واجداد کے طریقہ کو اختیار کر لیجئے۔ اس پر آیت لا تکونن ظھیرا نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:............آیت تلك الدار سے دنیا داروں اور دینداروں کے تقابلی نتائج کا بیان ہو رہا ہے۔ چنانچہ کچھ نادان سطحی لوگوں نے دنیا کی چمک دمک، دولت کی ریل پیل دیکھ کر کہہ دیا تھا کہ اجی قارون سے بڑھ کر کون خوش قسمت ہوگا؟ لیکن جب جلد ہی اس کا انجام سامنے آیا تو جلد بازوں نے کانوں پر ہاتھ دھرنے شروع کئے اور ان پر کھل گیا کہ یہ دنیا کچھ نہیں۔ اصل خوشی یعنی آخرت کی کامرانی ہے اور وہ صرف پرہیز گاروں کی راہ اختیار کرنے والوں کے لئے ہے نہ ان کے لئے جو اللہ کے ملک میں شرارت و فساد پھیلانا چاہتے ہیں۔ علو سے مراد نفسانی گناہ اور فساد سے مراد وہ نافرمانیاں ہیں جن کا اثر دوسروں تک پہنچتا ہو۔

معتزلہ کا رد:............پس یہ علو فساد اگر حد کفر تک پہنچ جائیں تو ظاہر ہے کہ آخرت کی کامیابی بالکل نہیں ہے اور شرک وکفر سے کم درجہ کی یہ دونوں برائیاں ہوں تو پھر اصل نجات کے درجہ کی کامیابی تو ہوگی۔ مگر کامل کامیابی سے البتہ محرومی رہے گی۔ اس لئے آیت معتزلہ کے لئے مفید نہیں ہے۔ اور لا یریدون سے معلوم ہوا کہ گناہ کا ارادہ بھی گناہ ہی ہے۔ گو اس گناہ پر قدرت نہ ہو۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی زبان پر دم رحلت آخری کلمات والعاقبة للمتقین تھے۔

تارک الدنیا اور متروک الدنیا کا فرق:............غرض کہ اللہ اور آخرت کے طلب گار اس فکر میں نہیں رہتے کہ اپنی ذات کو سب سے اونچا رکھیں۔ بلکہ پرہیز گاری کی راہ اختیار کرتے ہوئے ان کی سعی اپنے دین کو اونچا رکھنے کی ہوتی ہے۔ حق کا بول بالا ہو۔ قوم کا سر اونچا رہے۔ وہ دنیا اور مال ومنال کے حریص نہیں ہوتے۔ آخرت کے عاشق ہوتے ہیں۔ وہ تارک الدنیا مگر متروک الدنیا نہیں ہوتے۔ مقصد اصلی آخرت ہوئی۔ دنیا اس کا وسیلہ اور ذریعہ بن جائے فبہا ونعمت ورنہ پر پشہ کے برابر نہیں۔

آگے قانون مکافات کا ذکر ہے کہ دنیا میں جو کوئی ایمان کے ساتھ بھلائی کرے گا آخرت میں اس کے مقتضی سے کم از کم دس گونہ بڑھ کر اس کے ساتھ بھلائی کی جائے گی اور زیادہ بھلائی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ بہر حال بھلائی پر تو بھلائی کا وعدہ ہے جو ضرور پورا کر رہے گا۔ مگر برائی پر برائی حتمی نہیں ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بالکل معاف ہو جائے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اپنے کئے سے زیادہ سزا نہیں ملے گی۔ پہلا حکم مقتضی فضل ہے اور دوسرا مقتضی عدل۔ معتزلہ کو بولنے کی گنجائش نہیں ہے۔

اچھا انقلاب:............اور جس طرح پرہیز گاروں کے لئے عقبیٰ کی کامرانی ہے۔ اسی طرح دنیا میں بھی آخری فتح انہیں کی ہوتی ہے۔ آج جس مکہ کے لوگ تم پر بے انتہا مظالم ڈھا رہے ہیں۔ وہ وقت دور نہیں کہ پھر تم فاتحانہ کامیابی کے ساتھ یہیں واپس آ ؤ گے۔ ہجرت کے وقت آپ ﷺ کی تسلی فرمائی گئی کہ جلد ہی تمہارے قدم اس سرزمین کو نہ صرف یہ کہ چھوئیں گے۔ بلکہ پورے غالب ہو کر رہو گے۔ معاد سے بعض مفسرین نے مکہ اور بعض نے موت اور بعض نے آخرت اور بعض نے جنت مراد لی ہے اور بعض نے سرزمین شام جہاں آپ شب معراج میں تشریف لے گئے تھے مراد لی ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے ان سب اقوال میں اس طرح لطیف تطبیق دی ہے کہ اول آپ کو شاندار طریقہ پر مکہ میں لایا جائے گا پھر وقت مقررہ پر وفات ہوگی اور پھر سرزمین شام کی طرف حشر ہوگا (جیسا کہ روایات سے ثابت ہے) پھر آخرت میں شان وشوکت سے تشریف لاویں گے اور آخری منزل جنت کے اعلیٰ علیین میں ہوگی......فرض علیك القراٰن سے معلوم ہوا کہ قرآن پر عمل کرنا آپ ﷺ پر فرض ہے۔

آپ ﷺ فرما دیجئے کہ اللہ میری ہدایت اور مخالفین کی گمراہی سے پوری طرح واقف ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کو حال کے موافق بدلہ دے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ میری کوششوں کو ضائع کر ڈالے یا گمراہوں کو رسوا نہ کرے۔ یا یہ مطلب ہے کہ میری ہدایت اور تمہاری

گمراہی پر قطعی دلائل قائم ہیں۔ مگر غور ہی نہ کرو تو اس کا کیا علاج؟ آخر جواب کے طور پر یہ ہے۔ کہ اللہ ہی بتلا دے گا۔

نبوت کسبی نہیں ہوتی بلکہ وہبی ہوتی ہے:............ آیت وما کنت ترجوا الخ کا حاصل یہ ہے کہ آپ پہلے سے کوئی نبوت کی آس لگائے نہیں بیٹھے تھے اور نہ اس کے لئے کوئی آرزو یا جدوجہد کی تھی۔ یہ محض عطیہ خداوندی اور موہبتِ الٰہی ہے۔ اس لئے اللہ ہی پر نظر رہے اور جس طرح اب تک کفر وشرک سے الگ تھلگ رہے ہیں۔ آئندہ بھی بالکلیہ اس سے کنارہ کش رہئے اور اپنی قوم کو اپنا نہ سمجھئے۔ جنہوں نے تمہارے ساتھ بدی کی اور دیس نکالا دیا اب جو تمہارا ساتھ دے وہی اپنا ہے۔ دین کے کام میں کسی کی رو رعایت نہ کیجئے۔ اور نہ خود کو ان میں شمار کیجئے۔ اس میں بظاہر خطاب آپ کو ہے۔ مگر روئے سخن کفار کی طرف ہے غلبہ کے وقت خطاب محبوب سے اور عتاب مبغوض پر ہوا کرتا ہے۔ اور بعض مفسرینؒ نے لفظاً مخاطب آپ کو اور مراداً امت کو کہا ہے۔ غرض ان آیاتؐ میں اس شبہ کی تردید بھی کر دی گئی ہے۔ کہ آپ نے نبوت کوشش وسعی کر کے حاصل کی ہے۔ کیونکہ نبوت کسبی نہیں ہوتی۔ اسی طرح آپ کا دامن تقدس ہمیشہ شرک کے دھبوں سے پاک رہا۔

کل شیئ ھالک...... الا کل شی ء ما خلا اللّٰہ باطل. ہر چیز اپنی ذات سے معدوم ہے اور ہر چیز اپنے وقت میں فنا ہو کر رہے گی بجز اللہ کی ذات کے۔ اس میں رد ہے ان کا جو اللہ کے ساتھ روح یا مادہ یا کسی اور چیز کو قدیم ازلی مانتے ہیں البتہ درمنثور کی بعض روایات میں اگر ان کی سندیں صحیح ہوں۔ عرش، کرسی، جنت، جہنم کا فنا نہ ہونا آیا ہے۔ لیکن "ھالک" میں تعمیم کی جائے گی۔ خواہ ہالک الذات ہو یا ہالک الصفات۔ پس بجز ذات حق کے سب چیزیں ہلاک ہوں گی اور استدلال مکمل ہو جائے گا۔ کیونکہ چیزیں اگر ہلاک نہیں ہوں گی تو اس میں صفات کا ردوبدل تو ہوگا۔ بالخصوص زمانہ کا تغیر۔ پس یہ چیزیں محل حوادث ہوئیں اور محل حادث حادث ہوتا ہے قدیم اور واجب نہیں ہوسکتا۔ پس سب چیزیں حادث ہوئیں اور استدلال عام رہا۔

یا یہ مطلب ہے کہ سارے کام مٹ جائیں گے۔ البتہ جو کام خالصۃً للہ کیا جائے وہ باقی رہے گا۔ ایک دن سب کو اس کی بارگاہ عدالت میں پیش ہونا ہے۔ جہاں حقیقۃً اور صورۃً ہر طرح صرف اسی کا حکم چلے گا۔ اے اللہ اس وقت اس گناہگار کا ترے سوا اور کون آسرا ہوگا؟

لطائف سلوک:............ آیت تلک الدار میں فساد سے مراد چونکہ گناہ اور معاصی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ آخرت سے مانع ہوں گے۔ علیٰ ھذا تکبر بھی آخرت سے مانع ہوگا۔ اسی لئے اہل طریقت گناہوں کی طرح کبر کے ازالہ کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ آیت کل شیئ ھالک الا وجھہ سے معلوم ہوا کہ بجز ذات حق کے ہر چیز معدوم یعنی مثل معدوم کے ہے۔ یعنی اللہ کے وجود کے سامنے کائنات کا وجود اتنا ضعیف اور کمزور ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ کیونکہ اللہ کا وجود ذاتی ہونے کی وجہ سے نا قابل عدم ہے اور ممکنات کا وجود ذاتی نہ ہونے کی وجہ سے ہر وقت قابل عدم ہے۔ اس لئے اس کو ہالک کہہ دیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت ہر چیز پر عمل فنا جاری ہے۔ اگر یھلک بصیغہ مضارع کہا جاتا تو مطلب یہ ہوتا کہ عمل فنا آئندہ ہوگا۔ مگر بصیغہ اسم فاعل ہالک کہا۔ گویا ہر چیز کو کالعدم اور معدوم کہہ دیا گیا ہے اور یہی حاصل ہے۔ وحدۃ الوجود کا۔ پس یہ آیت وحدۃ الوجود کی دلیل ہے۔ البتہ وحدۃ الوجود کا یہ مطلب لینا کہ خلاق اور مخلوق کا وجود ایک ہی ہے۔ وہ وحدۃ الوجود نہیں ہے۔ بلکہ اسے وحدۃ الموجودات کہنا چاہئے۔ جو بہت سی غلط فہمیوں کا اور مفاسد کا باعث ہے۔ اسی لئے علماء نے اس کو منع کیا ہے۔

سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ آيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ **اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا** اَیْ بِقَوْلِهِمْ **اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ﴿۲﴾** يُخْتَبَرُوْنَ بِمَا يَتَبَيَّنُ بِهٖ حَقِيْقَةُ اِيْمَانِهِمْ نَزَلَ فِیْ جَمَاعَةٍ اٰمَنُوْا فَاٰذَاهُمُ الْمُشْرِكُوْنَ **وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا** فِیْ اِيْمَانِهِمْ عِلْمُ مُشَاهَدَةٍ **وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ﴿۳﴾** فِيْهِ **اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ** الشِّرْكَ وَالْمَعَاصِیْ **اَنْ يَّسْبِقُوْنَا** ؕ يَفُوْتُوْنَا فَلَا نَنْتَقِمُ مِنْهُمْ **سَآءَ** بِئْسَ **مَا** الَّذِیْ **يَحْكُمُوْنَ﴿۴﴾** هٗ حُكْمُهُمْ هٰذَا **مَنْ كَانَ يَرْجُوْا** يَخَافُ **لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ** بِهٖ **لَاٰتٍ** ؕ فَلْيَسْتَعِدَّ لَهٗ **وَهُوَ السَّمِيْعُ** لِاَقْوَالِ الْعِبَادِ **الْعَلِيْمُ﴿۵﴾** بِاَفْعَالِهِمْ **وَمَنْ جَاهَدَ** جِهَادُ حَرْبٍ اَوْ نَفْسٍ **فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ** ؕ لان منفعة جِهَادِهٖ لَهٗ لَا لِلّٰهِ **اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴿۶﴾** الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَعَنْ عِبَادَتِهِمْ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ** بِعَمَلِ الصَّالِحَاتِ **وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ** بمعنى حسن ونصبه بنزع الخافض الباء **الَّذِیْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۷﴾** وَهُوَ الصَّالِحَاتُ **وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا** ؕ اَیْ ايصاء ذا حُسنٍ بان يبرهما **وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ** باشراكه **عِلْمٌ** موافقة للواقع فلا مفهوم له **فَلَا تُطِعْهُمَا** ؕ فی الاشراك **اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴿۸﴾** فَاُجَازِيْكُمْ بِهٖ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِيْنَ﴿۹﴾** الْاَنْبِيَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ بِاَنْ نَحْشُرَهُمْ مَعَهُمْ **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ**

فَاِذَآ اُوْذِیَ فِی اللّٰہِ جَعَلَ فِتْنَۃَ النَّاسِ اَی اَذَاھُمْ لَہٗ **کَعَذَابِ اللّٰہِ** ط فی الخوف منہ فَیُطِیْعُھم فینافق **وَلَئِنْ** لام قسم **جَآءَ نَصْرٌ** لِلْمُؤْمِنِیْنَ **مِّنْ رَّبِّکَ** فغنموا **لَیَقُوْلُنَّ** حُذِفَ مِنْہُ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِی النُّوْنَاتِ وَالْوَاوِ ضَمِیْرِ الْجَمْعِ لِاِ لْتِقَاءِ السَّاکِنَیْنِ **اِنَّا کُنَّا مَعَکُمْ** ط فِی الْاِیْمَانِ فَاَشْرِکُوْنَا فِی الْغَنِیْمَۃِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی **اَوَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَعْلَمَ** اَیْ بِعَالِمٍ **بِمَا فِیْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِیْنَ** ﴿۱۰﴾ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالنِّفَاقِ بلٰی **وَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** بِقُلُوْبِھِمْ **وَلَیَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ** ﴿۱۱﴾ فَیُجَازِی الْفَرِیْقَیْنِ وَاللَّامُ فِی الْفِعْلَیْنِ لام قسم **وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِیْلَنَا** طَرِیْقَنَا فِیْ دِیْنِنَا **وَلْنَحْمِلْ خَطٰیٰکُمْ** ط فِیْ اِتِّبَاعِنَا اِنْ کَانَتْ وَالْاَمْرُ بِمَعْنَی الْخَبَرِ قال تعالٰی **وَمَا ھُمْ بِحٰمِلِیْنَ مِنْ خَطٰیٰھُمْ مِّنْ شَیْءٍ** ط **اِنَّھُمْ لَکٰذِبُوْنَ** ﴿۱۲﴾ فِیْ ذٰلِکَ **وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَھُمْ** اَوْزَارَھُمْ **وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِھِمْ** ز بِقَوْلِھِمْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اتَّبِعُوْا سَبِیْلَنَا وَاِضْلَالِھِمْ مقلّدیھم **وَلَیُسْئَلُنَّ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ عَمَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ** ع ﴿۱۳﴾ یَکْذِبُوْنَ عَلَی اللّٰہِ سُوَالَ تَوْبِیْخٍ فاللّام فی الفعلین لام قسم وحذف فاعلھما الواو ونون الرفع

ترجمہ: .... یہ سورۂ عنکبوت مکی ہے جس میں ۶۹ آیات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم . الم (اس کی حقیقی مراد اللہ کو معلوم ہے) کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ محض اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گی (یعنی ان کے اس کہنے کی وجہ سے) کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا (ان کے ایمان کی حقیقت جانچنے کے لئے ان کی آزمائش کی جائے گی۔ یہ آیت ان نومسلموں کے متعلق نازل ہوئی ہے کہ جنہیں ایمان لانے پر مشرکین نے ستایا تھا) اور ہم تو انہیں بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ سو اللہ ان لوگوں کو جان کر رہے گا۔ جو (اپنے ایمان میں) سچے تھے (علم مشاہدہ کے درجہ میں) اور (اس بارہ میں) جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا۔ ہاں کیا جو لوگ (شرک اور گناہوں کے) برے برے کام کر رہے ہیں وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے کہیں نکل بھاگیں گے (چھوٹ جائیں گے اور ہم ان سے انتقام نہیں لے پائیں گے) نہایت بیہودہ (بھدی) ہے ان کی یہ تجویز (ان کا یہ فیصلہ) جو شخص اللہ سے ملاقات کی امید رکھتا ہو (ڈرتا) ہو۔ سو وہ اللہ کا وقت معین ضرور آنے والا ہے (لہٰذا اس کی تیاری کرلو) اور وہ سب کچھ (بندوں کی باتیں) سنتا ہے اور وہ سب کچھ (ان کے کام) جانتا ہے اور جو شخص محنت کرتا ہے (جہاد یا مجاہدہ وہ اپنے ہی لئے محنت کرتا ہے کیونکہ اس کی محنت کا فائدہ اسی کو ہوگا اللہ کا کیا نفع؟) بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے (انسان، جن، فرشتوں اور ان کی عبادت سے) اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں۔ ہم ان کے گناہ ان سے دور کر دیں گے (ان کے نیک کاموں کی وجہ سے) اور ان کو زیادہ اچھا بدلہ دے کر رہیں گے (احسن بمعنی حسن ہے اور منصوب ہے باجارہ حذف کرنے کے بعد) ان کے (نیک) اعمال کا اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے (یعنی بہترین حکم کہ والدین کے ساتھ عمدہ سلوک کرنا) اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو کسی ایسی چیز کو میرا شریک بنا جس کی (شرک کی) تیرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے (جو واقع کے مطابق ہو۔ لہٰذا یہ قید احترازی نہیں ہے) تو تو ان کا کہنا نہ ماننا (شرک کے متعلق) تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے، سو میں تم کو تمہارے سب کام جتلا دوں گا (اور ان پر بدلہ دوں گا) اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے

ہم انہیں نیک بندوں میں داخل کریں گے (انبیاء اور اولیاء کے ساتھ ان کا حشر کریں گے) اور بعضے آدمی ایسے بھی ہیں جو کہہ دیتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ پھر جب ان کو اللہ کی راہ میں تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو لوگوں کی ایذاء رسانی (ان کے ستانے) کو ایسا سمجھ جاتے ہیں جیسے خدا کا عذاب (دہل جاتے ہیں۔ لہذا ان کا کہنا مان کر منافق بن جاتے ہیں) اور اگر (لام قسمیہ ہے) کوئی مدد (مسلمانوں کی) آپ کے پروردگار کی طرف سے آ پہنچتی ہے (جس سے انہیں بھی مال غنیمت مل جاتا ہے) تو بول اٹھتے ہیں (لیقولن میں مسلسل تین نون جمع ہونے کی وجہ سے نون علامت کے رفع کو اور التقائے ساکنین کی وجہ سے واؤ ضمیر جمع کو حذف کر دیا گیا ہے) کہ ہم بھی تو تمہارے ساتھ ہی تھے (ایمان لانے میں لہذا ہمیں بھی غنیمت میں شریک کرو، فرمایا) کیا اللہ تعالیٰ کو دنیا جہان والوں کے دلوں کی باتیں معلوم نہیں ہیں؟ (دلوں کا ایمان ونفاق ضرور معلوم ہیں) اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی معلوم کر کے رہے گا (دونوں کو ان کے کئے کا بدلہ دے گا۔ لام ان دونوں فعلوں میں قسمیہ ہے) اور کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں تم ہماری راہ چلو (ہمارے دین پر ہمارے طریقہ کے مطابق) اور تمہارے گناہ ہمارے ذمہ (ہماری پیروی کرنے میں اگر وہ بری نکلی صیغہ امر بمعنی فعل مضارع ہے فرمایا) حالانکہ یہ لوگ ان کے گناہوں میں سے ذرا بھی نہیں لے سکتے۔ یہ بالکل جھوٹ بک رہے ہیں (اس کے متعلق) اور یہ لوگ اپنے گناہ (قصور) اپنے اوپر لادے ہوں گے اور اپنے گناہوں کے ساتھ کچھ اور گناہ بھی (ایک تو مسلمانوں سے اپنی پیروی کو کہنا دوسرے اپنے پیروکاروں کو گمراہ کرنا) اور ان سے قیامت کے دن باز پرس ہو کر رہے گی۔ جیسی جیسی جھوٹی باتیں یہ گھڑتے تھے (اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشیاں، یہ سوال بطور ڈانٹ کے ہوگا۔ دونوں فعلوں میں لام قسم ہے اور واؤ فاعل اور نون رفع حذف کر دیئے گئے ہیں۔

تحقیق وترکیب:.......... **سورة العنكبوت** . یہ مبتدا خبر ہے اور بعض نسخوں میں عبارت اس طرح ہے۔ **سورة العنكبوت وهي تسع وستون اية مكية** جس میں مبتدا خبر کے درمیان جملہ حالیہ کا فصل ہوگا۔ سورتوں کے نام اگرچہ توقیفی ہیں۔ تاہم اس میں چونکہ عنکبوت کا ذکر ہے اس لئے تسمیۃ الکل باسم الجز کے طور پر نام ہوا۔

ان يقولوا. مفسر نے مصدریہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور با محذوف ہے تقدیر عبارت اگر **حسبوا تركهم غير مفتونين بقولهم امنا** ہے تو ترک مفعول اول اور **بقولهم** مفعول ثانی ہوگا اور یا تقدیر عبارت **حسبوا انفسهم متروكين غير مفتونين بقولهم امنا** ہے بتقدیر **اللام** ہے ای **يسبولهم امنا** ہے۔

لا يفتنون. ہجرت وجہاد جیسی تکالیف اور خواہشات نفسانی کا ترک اور وظائف عبودیت اور جانی مالی مصائب مراد ہیں۔ جس سے کھرے کھوٹے کا امتیاز ہو جاتا ہے۔

ولقد فتنا. احسب الناس کے فاعل سے حال ہے یا **لا يفتنون** کے فاعل سے حال ہے۔ پہلی صورت میں ان کے غلط گمان پر تنبیہ مقصود ہوگی اور اس صورت میں سب کے ساتھ یکساں سلوک کی اطلاع دیتی ہے۔

الذين صدقوا. یہاں تو فعل کے ساتھ اور کذب کو اسم فاعل کے صیغہ سے لانے میں اشارہ ہے کہ جھوٹ ان کا وصف مستمر ہے اور سچے لوگوں کا جھوٹ دور ہو کر ان میں سچ پیدا ہو گیا ہے۔

علم مشاهدة. مفسر علامؒ اس شبہ کے دفعیہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ اللہ کا علم تو ازلی ہے علم حادث اور متجد نہیں ہے۔ پھر فلیعلمن کیوں فرمایا؟ جواب یہ ہے کہ اللہ کا علم ذاتی ازلی مراد نہیں ہے۔ وہ تو پہلے سے ہے۔ بلکہ کھرے کھوٹے کا مشاہدہ کرنا ہے اور وہ متجد دہے۔ اس لئے کوئی اشکال نہیں رہا۔

ام حسب . یہ ام منقطعہ ہے جو ترقی کے لئے ہے یعنی ان کا یہ دوسرا گمان پہلے گمان سے کہیں زیادہ برا ہے۔ کیونکہ پہلے

گمان کا حاصل تو صرف یہ ہے کہ ان کے ایمان کا امتحان نہیں ہوگا۔ مگر دوسرے گمان کا منشاء یہ ہے کہ ان کی برائیوں کی سزا نہیں ملے گی اور یہ گمان نہایت غلط ہے۔ اسی لئے آخر میں ساء مایحکمون فرمایا ہے۔

السیئات. بغویؒ نے اس کی تفسیر شرک کے ساتھ اور زمخشریؒ نے معاصی کے ساتھ کی ہے۔ مگر مفسر علامؒ قاضی کی طرح دونوں پر مشتمل عام تفسیر کر رہے ہیں۔

ان یسبقونا . یہ حسب کے دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے اور ان مخففہ ہے یا مصدریہ ہے جو دو مفعولوں کے قائم مقام ہوسکتا ہے جیسے **عسیٰ ان یقوم زید** میں ہے۔

فلا ننتقم. گنہگار مسلمانوں کا گمان اگرچہ اللہ سے چھوٹ جانے کا نہیں۔ تاہم ان کے اصرار معاصی کی وجہ سے ان کو بھی اس گمان میں شریک کر لیا گیا ہے۔

یحکمون. مفسر علام نے **ما** موصولہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور **یحکمون** صلہ ہے۔ جس میں عائد محذوف ہے۔ یعنی **ھذا** اور جملہ فاعل ہوگا ساء کا اور مخصوص بالمذمت محذوف ہے۔ یعنی **حکمھم** اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ما تمیز یہ ہو جس کی صفت ......**یحکمون** ہو اور فاعل مضمر ہو جس کی تفسیر **ما** سے ہو رہی ہے اور مخصوص بالمذمت اس صورت میں بھی محذوف ہوگا۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ **ما** مصدریہ ہو۔ اس صورت میں تمیز محذوف ہوگی اور مصدر مول مخصوص بالمذمۃ ہوگا۔ ای **ساء حکمھم** اور **حکموا** کی بجائے **یحکم** لانے میں دو نکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ غلط فیصلے کرنا ان کی عادت ہے۔ دوسرے یہ کہ فاصلہ آیات کی رعایت سے یہ تغیر کیا گیا ہے۔

رجوا. اس کے معنی بعض مفسرین نے خوف کے لئے ہیں مگر یہ ضعیف الاستعمال ہے۔ مشہور خیر اور امید کے معنی ہیں۔ مفسر علامؒ نے **فلیستعد** کہہ کر اشارہ کر دیا ہے کہ جواب شرط محذوف ہے اور **فان اجل اللہ لاٰت** جواب نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا۔ کہ جو اللہ کی ملاقات کا امیدوار نہ ہو یا ڈرتا نہ ہو اس کو موت بھی نہ آئے۔ کیونکہ شرط نہ پائے جانے کی صورت میں جزاء بھی نہیں پائی جاتی۔ مگر امام رازیؒ نے اس شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں مطلقاً موت کی نفی مراد نہیں۔ بلکہ وہ موت مراد ہے۔ جس پر ثواب مرتب ہو اور وہ یقیناً امیدوار ہونے کی صورت میں ہوگی۔ ورنہ نہیں۔ اس لئے اس جملہ کو جزاء بنایا جاسکتا ہے اور پھر حذف جواب کی ضرورت نہیں رہتی۔

من جاھد. مفسر علامؒ نے اشارہ کر دیا ہے کہ جہاد کی دونوں صورتیں مراد ہوسکتی ہیں جہاد متعارف اور مجاہدہ نفس۔

احسن. یہاں تفصیل مراد نہیں بلکہ صرف دست حسن مقصود ہے۔ ورنہ بعض صورتیں جن میں عمل کا بدلہ عمل کے برابر ہوگا۔ اور اس سے بڑھ کر نہیں ہوگا۔ ان کا اس حکم سے خارج ہونا لازم آتا ہے۔ اس لئے **احسن** بمعنی **حسن** ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ باب اولیٰ کے قبیل سے ہے۔ یعنی جب عمل سے بڑھ کر بدلہ ملے گا تو برابر ملنا بدرجہ اولیٰ معلوم ہوا۔ اس طرح گویا اعلیٰ سے ادنیٰ پر تنبیہ ہوگئی ادنیٰ مسکوت عنہ نہیں رہا۔ ورنہ **احسن** بمعنی **حسن** لینے کی صورت میں بھی ایسا ہی اشکال رہے گا۔ کہ اس سے برابر کا بدلہ ملنا تو معلوم ہوا۔ مگر بڑھ کر بدلہ ملنا مسکوت عنہ رہا۔ اور **احسن** اصل میں **باحسن** تھا جارہ کو حذف کر دیا۔ منصوب ہوگیا دوسری صورت بتقدیر مضاف کی بھی ہوسکتی ہے ای **ثواب احسن**:

حسنا . اشارہ ہے کہ اس کا موصوف بھی محذوف ہے اور مضاف بھی تقدیر عبارت **وصینا ایصاء ذاحسن** اور اس طرح بھی ہوسکتی ہے **وصینا فعلا ذا حسن** یا مبالغہ کے لئے فعل پر مصدر کا اطلاق کر دیا ہے۔

ان جاھدا لک. بتقدیر قول اس کا عطف **وصینا** پر ہے۔

لیس لک بہ علم علم کی نفی سے معلوم کی نفی مقصود ہے یعنی شریک چونکہ موجود نہیں۔ اس لئے اس کا علم بھی نہیں ہے پس شرک مطلقاً ممنوع رہا خواہ اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ اس جملہ کے یہ معنی نہیں کہ اگر شریک کا علم ہو تو شرک جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔ مفسر علامؒ نے فلا مفھوم لہٗ کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ قید احترازی نہیں کہ اس کا اعتبار کیا جائے۔ بلکہ قید واقعی نفس الامری ہے۔ اس لئے شرک بہرحال ممنوع رہا۔

لندخلنھم. عالم برزخ میں سب ارواح طیبہ کا اجتماع رہتا ہے۔ پھر قیامت کے دن حسب مراتب الگ الگ درجات میں داخلہ ہوگا۔

فی اللّٰہ. اس میں فی سببیہ ہے۔

اولیس اللّٰہ. اس کا معطوف علیہ محذوف ہے۔ ای اقول ینجیھم ولیس اللّٰہ باعلم اور بعض نے تقدیر عبارت الیس المتفرسون الذین ینظرون فی احوالھم عالمین ولیس اللّٰہ باعلم یا یخفی ھذا علی اللّٰہ ولیس الخ ثانی ہے۔ بہرصورت لفظ اعلم اپنی اصل پر صیغہ تفضیل رہے گا۔ مفسر کی طرح اعلم بمعنی عالم کہنے کی ضرورت نہیں۔

ولنحمل. یہ امر بمعنی خبر ہے یعنی فی الحقیقت یہاں کسی چیز کی حقیقت اور وجوب مقصود نہیں ہے۔ بلکہ زمخشری کے مطابق دو چیزوں کا اجتماع فی الوجود مقصود ہے جیسے کہا جائے۔ لیکن منک العطا یا ولیکن منی الدعاء. یہاں بھی لیکن منا الحمل تقدیر ہوگی۔ اور حسن اور عیسیٰ کی قرأت میں لام امر مکسور ہے اہل حجاز کے لغت پر۔

من خطٰیٰھم اس میں من بیانیہ ہے اور من شئی میں من زائد ہے۔ تاکید استغراق یا تاکید نفی کے لئے۔

لکٰذبون. بعض محققین کہتے ہیں کہ کذب کبھی منطوق کلام کی طرف راجع ہوتا ہے اور کبھی لازم کی طرف۔ یہاں بھی کافروں نے جو گناہوں کو اٹھانے کا وعدہ کیا تھا اس کے ضمن میں جو یہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ وہ خود کو ایفائے عہد وعدہ پر قادر سمجھتے ہیں۔ اس میں لازم ضمنی کی تکذیب مقصود ہے۔

اثقالا مع اثقالھم۔ ایک گناہ خود برائی کرنے کا دوسرا گناہ برائی کرانے کا ہے الدال علی الشر کفا علہ۔

ربط:............زیادہ تر اس صورت میں دین پر پختگی سے رکاوٹوں کا بیان ہے۔ چنانچہ چار موانع اور ان کے احکام کا ذکر ہو رہا ہے۔

۱۔ کفار کی عملی ایذائیں جن سے سورت کو شروع کیا گیا ہے اور زبانی ایذائیں بھی جیسا کہ اہل کتاب حق تعالیٰ کی شان میں ان اللّٰہ فقیر اور ید اللّٰہ مغلولۃ کہا کرتے تھے یا رسالت ونبوت کا انکار کرتے تھے۔ جس کے متعلق ارشاد فرمایا گیا۔ لا تجادلوا اھل الکتاب.

۲۔ کچھ کافر مسلمانوں پر زبانی جبر بھی کرتے تھے جیسا کہ ووصینا الانسان سے معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ کفار مسلمانوں کو اغواء کرنے کی کوشش بھی کرتے تھے۔ جس کا ذکر آیت وقال الذین الخ میں ہے۔ جس کا حاصل مسلمانوں کو ان کے دین سے ہٹانا تھا۔ پچھلی سورت کے خاتمہ پر آیت "ولا یصدنک" میں بھی یہی مضمون خاص تھا۔ پس اس طرح بھی پچھلی سورت کے خاتمہ میں ارتباط ہو گیا۔

پھر ان موانع کے درمیان دوسرے مناسب مضامین بھی آ گئے۔ پھر کئی طریقہ سے آنحضرت ﷺ کی تسلی فرمائی گئی ہے۔

۱۔ مثلاً یہ کہ اہل حق ہمیشہ اہل باطل سے برسر پیکار رہتے ہیں۔ جس کی اجمالی ذکر آیت ولقد فتنا الخ میں ہے۔

۲۔ یا یہ کہ اہل حق کو ان کے صبر واستقلال کا پھل دنیا وآخرت دونوں میں ملتا ہے۔ جیسا کہ آیت الذین آمنوا میں اور واقعہ ابراہیمی کے ذیل میں آتینا اجرہ الخ فرمایا گیا ہے۔

۳۔ یا یہ کہ اہل باطل ہمیشہ آخر میں خائب وخاسر رہا کرتے ہیں۔ جیسا کہ آیت ام حسب میں فرمایا گیا۔
۴۔ مسلمانوں کو چوتھی رکاوٹ روٹی کپڑے کی تنگی تھی۔ کہ کس طرح گھر کو خیر باد کہہ کر مدینہ کے نئے ماحول میں جا کر کیسے کھپیں گے آیت **یا عبادی الذین امنوا** سے اس پر تعرض کیا گیا ہے۔ اور ان مجموعی مضامین کے دوران توحید ورسالت کی بحثیں بھی آ گئیں کہ تمام تر مخالفت اور ایذاء رسانی کا بنیادی سبب یہی باتیں تھیں۔ چنانچہ آیت **الذین اتخذوا** اور **لئن سالتھم** میں توحید اور آیت **ما کنت تتلوا** سے بطریق مناظرہ اور **قل ما اوحی** سے بطور تحقیق کے نبوت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان اولیٰ مباحث کے ساتھ کچھ مہتم بالشان فرعی احکام بھی واضح طور پر آ گئے ہیں۔ حتیٰ کہ آخر میں آیت **والذین جاھدوا الخ** سے ان دشواریوں پر صبر کرتے ہوئے راہ مستقیم پر جمے رہنے والوں کو بشارت عظمیٰ دے کر سورت ختم کردی گئی ہے۔

اور یہی بیان شروع سورت کی آیت **ومن جاھد الخ** میں تھا۔ اس سے سورت کی ابتداء انتہا دونوں متناسب ہوگئیں۔ البتہ پہلی آیت کے الفاظ **انما یجاھد لنفسہ** اور **ان اللہ لغنی** سے جو ہیبت اور آخر آیت کے **لنھدینھم** اور **ان اللہ لمع المحسنین** سے جو آنسو ٹپک رہا ہے وہ وجد آفرین ہے۔

شان نزول:............ عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ آیت **الم. احسب الناس** عمار بن یاسرؓ کے متعلق نازل ہوئی۔ جب انہیں مشرکین نے اذیت ناک تکلیفیں دیں۔ اور قتادہ اور عبد بن حمید کے تخریج سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ سے جو صحابہؓ مدینہ ہجرت فرمانا چاہتے تھے تو مشرکین آڑے آتے اور انہیں اس ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی، اس پر یہ آیات اتریں۔ مدنی صحابہ نے مکی صحابہ کو اس کی اطلاع کی۔ اس پر دوبارہ صحابہ نے کمر ہمت باندھی اور پختہ ارادہ کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔ مزاحم ہونے والوں کے ساتھ قتل وقتال ہوا۔ بعض شہید ہوئے اور بعض مدینہ پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس پر آیت **ثم ان ربک الخ** نازل ہوئی اور آیت **وان جاھداک الخ** سعد بن ابی وقاصؓ اور ان کی والدہ حمنہ بنت ابی سفیان کے بارے میں نازل ہوئی۔ جنہوں نے حلف اٹھایا تھا کہ جب تک سعد مرتد نہیں ہوجائیں گے۔ اس وقت تک میرا کھانا پینا بند۔ اور آیت **ومن الناس من یقول** منافقین کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾:............ مشرکین کی ناقابل برداشت سختیوں سے تنگ آ کر ایک مرتبہ بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضرت ہمارے لئے دعا فرمائیے اور اللہ کی مدد کی درخواست کیجئے۔ آپ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ پہلے زمانہ میں آدمی کو زمین کھود کر زندہ گاڑ دیا جاتا تھا اور اس کے سر پر آرا چلا کر دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے۔ بعض کے بدن پر لوہے کے کنگھے پھیر کر چمڑا اور گوشت ادھیڑ دیا جاتا تھا۔ مگر یہ سختیاں بھی انہیں دین سے نہیں ہٹا سکیں۔ پہلے انبیاء کے متبعین بڑے امتحان اور سخت آزمائشوں میں ڈالے جا چکے ہیں۔ ایمان کا دعویٰ کرنا کچھ آسان نہیں ہے۔ کیونکہ جو ایمان کا دعویٰ کرے گا اسے ابتلاء اور امتحان کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔ کہ کسوٹی کھرے کھوٹے کو پہچاننے کی ہے۔ سب سے سخت امتحان انبیاء کا ہوا ہے۔ پھر صالحین کا پھر درجہ بدرجہ ان لوگوں کا جو ان کے ساتھ مشابہت رکھتے ہوں۔

غرض کہ ہر شخص کا امتحان دین میں اس کی پختگی اور غیر پختگی کے لحاظ سے ہوا کرتا ہے۔ اس لئے گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ بلکہ ہمت اور صبر کی دعوت ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:............ اس ابتلاء اور آزمائش پر شبہ نہ کیا جائے۔ بہت سے مسلمان نہایت آرام کی زندگی گزارتے ہیں اور انہیں ذرا تکلیف نہیں ہوتی۔ پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہے کہ ایمان کے بعد آزمائش ہوتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ الناس میں **الف لام** عہد کا ہے۔ جس سے خاص وہ مسلمان مراد ہیں جو مبتلائے آزمائش ہوئے سب مراد نہیں۔ یا **الف لام** جنس مراد لیا جائے۔ تب بھی اس کا تحقق

بعض افراد کی آزمائش سے ہو گیا..... سب کی آزمائش اس کے سچ ہونے کے لئے ضروری نہیں ہے۔

ایک نادر علمی تحقیق:............ اس آزمائش سے اللہ کی حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ علانیہ طور پر یہ بات کھل کر سامنے آجائے کہ دعویٰ ایمان میں کون سچا ہے اور کون جھوٹا نکلتا ہے۔ اسی کے مطابق پھر ہر ایک انعام یا سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔ گو اللہ کو پہلے سے سب کچھ معلوم ہے۔ مگر وہ دنیا کو سچے اور جھوٹوں کا فرق دکھلا دینا چاہتا ہے۔ اس لئے اب یہ شبہ نہیں رہتا کہ کیا اللہ میاں کو پہلے سے فرق معلوم نہیں تھا جو یہ طریقہ اختیار کرنا پڑا۔ علماء نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں۔ کسی نے علم کو بمعنی رویت لیا ہے۔ کسی نے صیغہ مستقبل کو ماضی کے معنی میں لیا ہے بعض نے اس علم حادث کو پیغمبر، مومنین، مخاطبین کی طرف لوٹایا ہے بعض محققینؒ نے علم حالی مراد لیا ہے۔ جو معلوم کے موجود ہونے کے بعد محقق ہوتا ہے اور بعض نے نہایت دقیق دو توجیہیں بیان کی ہیں۔ ایک یہ کہ علم الٰہی ازلی میں تمام چیزیں یکساں طور پر سامنے رہتی ہیں۔ ان میں تقدم تاخر کا کچھ فرق نہیں ہوتا۔ ماضی حال مستقبل سب یکساں ہوتے ہیں۔ البتہ ان چیزوں میں باہمی تقدم تاخر ہونے کی وجہ سے ان میں ماضی حال استقبال کے خط وہمی ہو جاتے ہیں۔ حق تعالیٰ اپنے کلام میں کبھی پہلی حیثیت کا لحاظ رکھتے ہیں اور کبھی دوسری حیثیت کے پیش نظر ماضی حال استقبال کے صیغے استعمال فرما دیتے ہیں۔ ان میں باہمی تقدم و تاخر ملحوظ ہوتا ہے بلحاظ علم الٰہی نہیں ہوتا۔

دوسری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ علم کبھی بلا واسطہ ہوتا ہے جیسے آگ کا علم براہ راست آنکھ سے دیکھ کر اور کبھی بالواسطہ ہوتا ہے۔ جیسے آگ کا علم دھویں کو دیکھ کر ہوتا ہے۔ پھر بسا اوقات یہ دونوں کبھی ایک ساتھ جمع ہوتے ہیں۔ جیسے آگ اور دھویں دونوں کو دیکھ کر آگ کا علم۔ ایک ان میں سے علم بلا واسطہ کہلائے گا اور دوسرا بالواسطہ اور یہ دونوں ہر چند کہ ساتھ ہیں آگے پیچھے نہیں ہوتے۔ مگر بالواسطہ علم براہ راست علم میں اس طرح محو اور گم ہو جاتا ہے کہ اس کی طرف دھیان بھی نہیں جاتا۔

علیٰ ہذا کبھی ان دو چیزوں کا بلا واسطہ علم بھی ایک ساتھ حاصل ہو جاتا ہے۔ جیسے آگ اور دھویں دونوں کو ایک ساتھ دیکھنے سے؟ کبھی ایک چیز کا علم بلا واسطہ دوسری چیز کے بلا واسطہ علم کا ذریعہ بن جاتا ہے اور دونوں ایک ساتھ ہو جاتے ہیں۔ مثلاً آگ اور دھویں میں ہر ایک کا علم دوسرے کے لئے ذریعہ بن جائے اور دونوں ساتھ ہو جائیں۔ پس جس طرح قلم ہاتھ میں لے کر لکھنے سے دونوں ساتھ ہی ہلتے ہیں۔ مگر ہاتھ ہلنے کو پہلے اور قلم ہلنے کو بعد میں کہا جاتا ہے۔

غرض کہ واسطہ پہلے ہوتا ہے اور ذی الواسطہ بعد میں۔ اسی طرح حق تعالیٰ کا تمام چیزوں کو جاننا بھی انہی دونوں طریقوں سے ساتھ ساتھ بھی ہے اور آگے پیچھے بھی کہلائے گا۔ پس جہاں ماضی حال استقبال کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے وہ علم بلا واسطہ کے اعتبار سے ہے زمانہ کے لحاظ سے اس میں کچھ فرق نہیں ہے۔ اور کلام الٰہی کے مخاطب چونکہ بندے ہیں ان کا علم بلا واسطہ ہوتا ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ ان کی مصلحت سے علم بالواسطہ کے طور پر ماضی حال استقبال کے صیغے استعمال کر دیتے ہیں۔ ایسے مواقع پر علم بلا واسطہ کا استعمال بندوں کے لئے مفید نہ ہوتا اور ایسے کلام سے ان پر الزام قائم نہ ہوتا اور چونکہ انسانوں کو علم بلا واسطہ حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ بالواسطہ ہوتا ہے۔ پھر ان واسطوں کا علم بھی ان کے موجود ہو جانے کے بعد ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے انسانی علوم برابر حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے انسان اپنے اوپر قیاس کر کے خدا کے علم کو بھی ایسا ہی حادث سمجھ بیٹھتا ہے اور حیران رہ جاتا ہے کہ ماضی حال استقبال کے صیغوں سے تو علم الٰہی کا حدوث ثابت ہو گیا۔ حالانکہ نکتہ شناس علم بلا واسطہ اور علم بالواسطہ کے فرق کو سمجھتے ہیں اس لئے وہ مغالطہ میں نہیں آتے۔

ظالم کی رسی دراز نہیں ہوتی صرف ڈھیل دی جاتی ہے:............ جس طرح آیت احسب الناس آفت رسیدہ مسلمانوں کی ڈھارس بندھانے کے لئے آئی۔ اسی طرح دوسری آیت ام حسب الذین ستانے والے کافروں کو خبردار کرنے کے لئے

آئی ہے کہ وہ کمزوروں کے دبنے سے یہ نہ سمجھ بیٹھیں۔ کہ وہ مزے سے ظلم کرنے کے لئے آزاد رہیں گے۔ وہ ہم سے بچ کر کہاں جاسکتے ہیں۔ فی الحال عارضی مہلت سے اگر وہ یہ سمجھ رہے ہیں۔ کہ ہم ہمیشہ مامون رہیں گے اور خدا کے ہاتھ نہیں آئیں گے۔ تو یہ سمجھ لیں کہ یہ بہت ہی احمقانہ اور عاجلانہ فیصلہ ہوگا۔ جو آنے والی آفت کو نہیں روک سکتا۔ تم خدا کو اپنے دیوی دیوتاؤں پر قیاس نہ کرو۔ اس کے یہاں دیر ہے مگر اندھیر نہیں۔

دنیا کی کامیابی اور ناکامی آخرت کے مقابلہ میں ہیچ ہے:............ اور جو شخص دین کی خاطر دنیا میں اس لئے سختیاں جھیل رہا ہے کہ اسے ایک دن اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ جہاں کوئی بات اٹھانہ رکھی جائے گی۔ وہاں اگر ناکام رہا تو یہاں کی سختیوں سے بڑھ کر سختیاں جھیلنی پڑیں گی۔ اور کامیاب ہوگیا تو پھر ساری کلفتیں ڈھل ڈھلا جائیں گی۔ ایسا شخص یاد رکھے کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ اس کی امیدیں برآ کر رہیں گی۔ اس کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی کی جائیں گی۔ وہ سب کی سنتا دیکھتا جانتا ہے۔ کسی کی محنت رائیگان نہ جائے گی۔

مشرک جاہلی قوموں کا فلسفہ یہ تھا۔ کہ بندے جس طرح خدا کے محتاج ہیں۔ خدا بھی اسی طرح ان کا محتاج ہے۔ وہ جس طرح ان کی نگرانی کرتا رہتا ہے یہ بھی تو برابر اس کی خدمت میں لگے رہتے ہیں۔ آیت **ومن جاھد الخ** میں اس خیال کی یہ کہہ کر جڑ کاٹ دی کہ بندے ہر طرح محتاج اور اللہ ہر طرح غنی اور بے نیاز ہے۔ یہاں غنی کے معنی لاپرواہ کے نہیں۔ بلکہ غیر محتاج کے ہیں۔ کسی بھی لحاظ سے اس کے دست نگر ہونے کا خیال جاہلانہ ہے۔ وہ بے نیاز ہو کر بھی اپنے فعل سے سب کی محنت ٹھکانے لگاتا ہے۔ کچھ گناہ تو محض توبہ سے معاف ہو جائیں گے اور توبہ بھی بہرحال ایک نیک عمل ہے اور کچھ گناہ کچھ نیکیاں کرنے سے ڈھل جائیں گے اور کچھ گناہ محض فضل خداوندی سے صاف ہو جائیں گے۔

اطاعت والدین کی حدود:............ آیت **ووصینا الانسان الخ** میں والدین کی اطاعت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ اس کی تاکیدات آئی ہیں۔ مگر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے مسلمان ہونے پر جو ان کی والدہ حمنہ بنت ابوسفیان آڑے آئیں اور ان کو مرتد بنانے کے لئے دباؤ ڈالتے ہوئے انہوں نے بھوک ہڑتال شروع کردی اور نڈھال ہوگئیں۔ ہوسکتا تھا کہ بیٹے کا دل ماں کی مامتا کے سامنے پگھل جائے اور وہ ہتھیار ڈال دیں۔ مگر اسلام کا نشہ ایسا نہیں تھا جسے کوئی ترشی اتار سکے۔ سعدؓ نے صاف کہہ دیا کہ ایک نہیں ہزار دفعہ ماں جان دے دے میں اپنی جگہ سے نہیں ہٹوں گا۔ بلاشبہ ماں باپ کا حق دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ مگر ایک ہستی ان سے بھی اوپر ہے۔ اللہ کا حق ان سے بھی زیادہ ہے۔ جہاں تک ممکن ہو دونوں کا حق ادا کیا جائے۔ مگر جب ٹکراؤ ہونے لگے تو اللہ کا حق مقدم ہے کہ وہ خالق حقیقی ہے اور یہ مجازی۔ ان کی وجہ سے دین نہیں چھوڑا جائے گا۔ **لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق.** گویا یہ بھی مسلمان کے لئے ایک طرح کی آزمائش ہے اسے ثابت قدم رہنا ہے ڈگمگانا نہیں چاہئے۔ ایک وقت آئے گا۔ کہ اللہ کی کچہری میں سب کو حاضر ہونا ہوگا۔ اس وقت سب کو پتہ چل جائے گا۔ کہ اولاد و ماں باپ میں سے کس کی زیادتی تھی اور کون حق پر تھا؟ اور جو اس قسم کی زبردست رکاوٹوں کے باوجود ایمان اور نیکی کی راہ پر گامزن رہے ان کا حشر بندگان خاص میں ہوگا۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اولاد اگر ماں باپ کی ناحق بات نہ مانے اور ماں باپ اسی ناحق بات پر جمے رہیں تو اولاد ماں باپ کی بجائے صالحین کی زمرہ میں شامل رہے گی **المرء مع من احب** میں چونکہ طبعی محبت نہیں۔ بلکہ دینی محبت مراد ہے۔ اس لئے والدین کا قرب طبعی ونسبی دینی بعد پر راجح نہیں ہوگا۔

ضعیف القلوب یامنافقین کی حالت:............آگے آیت ومن الناس میں ضعیف الایمان یامنافقین کا حال بیان کیا جارہا ہے کہ ان کی زبان پر تو ایمان رہتا ہے۔مگر جب آزمائش کا وقت آتا ہے تو ایک دم گھبرا اٹھتے ہیں اور اپنی جان ومال بچانے کے لئے زبانی دعووں سے ایسے دستبردار ہونے لگتے ہیں جیسے کوئی عذاب الٰہی آرہا ہو اور اس سے جان بچانے کے لئے ناچار اقرار کرلیتا ہے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی تھی۔ یہی حال ضعیف القلوب مسلمانوں کا یا منافقین کا ہے جہاں ذرا دین کی وجہ سے آنچ آئی اور فوراً پلٹے اور بھاگنے کی فکر ہوئی پتہ کھڑ کا اور بندہ سرکا۔لیکن یہی لوگ جو باطل کا پلہ جھکتا دیکھ کر اسی کا کلمہ سراہنے لگے تھے۔جب دیکھتے ہیں کہ ہوا کا رخ بدل گیا۔اور مسلمانوں کا عروج دکھائی دینے لگا تو باتیں بنانے لگتے ہیں کہ ہم تو شروع ہی سے مسلمان تھے اور تمہارے ساتھ تھے۔اب بھی تمہارے اسلامی بھائی ہیں۔فرماتے ہیں ہمیں سب کچھ معلوم ہے تم کتنے پانی میں ہو اور کتنے مسلمانوں کے ساتھ ہو۔کیا محض زبانی خرچ سے تم اپنے دلوں کا حال اللہ سے چھپا سکتے ہو۔اسے پہلے ہی سب کچھ معلوم تھا۔لیکن واقعات کے شکنجہ میں جکڑ کر وہ کھلے بندوں دکھلا دینا چاہتا ہے کہ کون اپنے کو سچا مومن ثابت کرتا ہے اور کون جھوٹا۔دغاباز۔منافق بنتا ہے۔

ہر چند کہ مجبوری اور اکراہ کے وقت کلمہ کفر کہنے کی اجازت ہے۔مگر صدور کے لفظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔کہ ملامت اس پر ہے کہ دل سے کفر کیوں کیا۔اس صورت میں تو زبان پر کفر کیا ایمان بھی ہوگا تب بھی قابل ملامت ہے۔غرض کہ آئندہ کے لئے ان کے قبول اسلام سے انکار نہیں۔بلکہ گذشتہ دعویٰ اسلام سے انکار نہیں ہے۔

عقیدہ کفار کا بطلان:............آیت وقال الذین کا حاصل یہ ہے کہ کفار مسلمانوں کو بہلانے پھسلانے کے لئے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ تم اسلام چھوڑ کر اپنی برادری میں آملو اور ہماری راہ پر رہو۔مفت میں کیوں مصیبتیں جھیل رہے ہو۔بالفرض اگر تمہیں خدا کے مواخذہ کا ڈر ہے تو وہاں بھی ہمارا نام لے دینا کہ انہوں نے ہمیں یہ مشورہ دیا تھا۔اس وقت ساری ذمہ داری ہم اپنے سر لیں گے اور تمہارا بال بیکا ہونے نہیں دیں گے۔سارا بوجھ اپنے سر رکھ لیں گے؟ فرمایا اس خبط میں مت رہنا۔کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ہر شخص اپنے کئے کا ذمہ دار ہے۔یہ جھوٹے ہیں۔تمہارا بوجھ رتی برابر بھی ہلکا نہیں کرسکتے۔بلکہ الٹا اپنے بوجھ بھاری کررہے ہیں۔ایک اپنے ذاتی گناہوں کا بوجھ اس پر دوسرے کے بہکانے اور ورغلانے کا وبال علیحدہ جو اصل گناہ سے بڑھ کر ہوگا اور اصل قصوروار بری بھی نہیں ہوں گے۔

اس سے کفار کے عقیدہ کا بطلان واضح ہوگیا۔جس کے عیسائی قائل ہیں کہ حضرت مسیح سب کے گناہوں کا کفارہ بن کر سولی پر چڑھ گئے۔تاکہ سب کی نجات ہوجائے۔یا بعض جاہل مسلمانوں میں کہیں کہیں رائج ہے کہ کفارہ میں کچھ روپیہ پیسہ، غلہ کپڑا وغیرہ دے دیتے ہیں اور ان چیزوں کو لے لینے والا گناہوں کا ضامن بنا جاتا ہے۔کچھ ٹھکانہ ہے اس جہالت کا کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔

ازالہ تعارض:............بظاہر آیت وما ھم بحاملین الخ اور ولیحملن اثقالھم میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ایک ہی چیز کا انکار اقرار ہورہا ہے۔مگر وما ھم بحاملین میں اس ذمہ داری کا انکار ہے۔جس سے اصل سبکدوش ہوجائے اور ولیحملن میں جرم اغواہ کی ذمہ داری کا اقرار ہے۔لہٰذا دونوں کا محل بدل گیا یعنی گمراہ کرنے والے ایسا بوجھ نہیں اٹھائیں گے کہ اصل گمراہ بچ جائے۔بلکہ وہ بھی پکڑا جائے گا اور یہ بھی ایک گمراہ ہونے کی وجہ سے، دوسرا گمراہ کرنے کی وجہ سے۔اب کوئی شبہ نہیں رہا۔

لطائف سلوک:............آیت احسب الناس سے معلوم ہوا کہ مجاہدہ اگرچہ اضطراری ہو۔وصول مقصود کی شرائط عادیہ میں سے ہے۔

ان یقولوا اٰمنا الخ سے معلوم ہوا کہ نفس ایمان کی وجہ سے کبھی نہ کبھی جہنم سے چھٹکارا ہوجائے گا اور آزمائش میں پورا اترا تو

جائے گا ہی نہیں۔

من جاھد فانما یجاھد لنفسہ میں جب یہ معلوم ہو گیا کہ مجاہدے کا فائدہ خود مجاہدہ کرنے والے کو پہنچتا ہے۔ وہ کسی پر احسان نہیں کرتا بلکہ اپنا نفع کرتا ہے تو اس سے قدرتا بڑی سے بڑی مشقت آسان بھی ہو جاتی ہے اور عجب وخود پسندی اور دعویٰ استحقاق کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

وقال الذین سے ان ناعاقبت اندیش پیروں کی تردید ہو گی۔ جو لوگوں کو پھانسنے کے لئے گناہوں کا ذمہ لے لیتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ وعمره اَرْبَعُوْنَ سَنَةً اَوْ اَكْثَرَ **فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا** يَدْعُوْهُمْ اِلٰى تَوْحِيْدِ اللّٰهِ فَكَذَّبُوْهُ **فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ** اَىِ الْمَاءُ الْكَثِيْرُ طَافَ بِهِمْ وَعَلَاهُمْ فَغَرِقُوْا **وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ﴿۱۴﴾** مُشْرِكُوْنَ **فَاَنْجَيْنٰهُ** اَىْ نُوْحًا **وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ** اَىِ الَّذِيْنَ كَانُوْا مَعَهٗ فِيْهَا **وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً** عبرة **لِّلْعٰلَمِيْنَ﴿۱۵﴾** لِمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ النَّاسِ اِنْ عَصَوْا رُسُلَهُمْ وَعَاشَ نُوْحٌ بَعْدَ الطُّوْفَانِ سِتِّيْنَ سَنَةً اَوْ اَكْثَرَ حَتّٰى كَثُرَ النَّاسُ وَاذْكُرْ **اِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ** خَافُوْا عِقَابَهٗ **ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ** مِمَّا انتم عليه مِنْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ **اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴿۱۶﴾** اَلْخَيْرَ مِنْ غَيْرِهٖ **اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَىْ غيره **اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا** تَقُوْلُوْنَ كَذِبًا اِنَّ الْاَوْثَانَ شُرَكَاءُ لِلّٰهِ **اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا** لَا يَقْدِرُوْنَ اَنْ يَرْزُقُوْكُمْ **فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ** اُطْلُبُوْهُ مِنْهُ **وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا** اَىْ تُكَذِّبُوْنِىْ يَا اَهْلَ مَكَّةَ **فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ** مِنْ قَبْلِىْ **وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴿۱۸﴾** الابلاغ البين فى هَاتَيْنِ الْقِصَّتَيْنِ تسلية لِلنَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ تَعَالٰى فى قومه **اَوَلَمْ يَرَوْا** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ يَنْظُرُوْا **كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ** بِضَمِّ اَوَّلِهٖ وَقُرِئَ بِفَتْحِهٖ من بدأ وابدأ بمعنى اى يخلقهم ابتداء **ثُمَّ هُوَ يُعِيْدُهٗ** اَىِ الخلق كما بدأه **اِنَّ ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرَ مِنَ الخلق الاول وَالثَّانى **عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴿۱۹﴾** فَكَيْفَ تُنْكِرُوْنَ الثَّانِىَ **قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ** لِمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ وَاَمَاتَهُمْ **ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ** مَدًّا وَقَصْرًا مَعَ سُكُوْنِ الشِّيْنِ **اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ﴿۲۰﴾** ومنه البدء والاعادة **يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ** تَعْذِيْبَهٗ **وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَاءُ** رَحْمَتَهٗ **وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ﴿۲۱﴾** تردون **وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ** رَبَّكُمْ عَنْ ادراكِكُمْ **فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَاءِ** لَوْ كُنْتُمْ فِيْهَا اَىْ لَا تَفُوْتُوْنَهٗ **وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَىْ غَيْرِهٖ **مِنْ وَّلِىٍّ** يمنعكم منه **وَّلَا نَصِيْرٍ﴿۲۲﴾** يَنْصُرُكُمْ مِنْ عَذَابِهٖ

ع ۲ / ۱۴

ترجمہ:............ اور ہم نے نوحؑ کو یقیناً اس کی قوم کی طرف بھیجا (اس وقت ان کی عمر چالیس سال یا اس سے زائد تھی) سو وہ ان میں پچاس سال کم ایک ہزار برس رہے (دعوت توحید دیتے رہے اور لوگ انہیں جھٹلاتے رہے) پھر ان لوگوں کو طوفان نے آ دبایا (بے انتہا پانی میں گھر گئے اور ڈوب گئے) اور وہ بڑے ظالم (مشرک) لوگ تھے۔ پھر ہم نے نوحؑ کو بچالیا اور اہل کشتی کو (جو کشتی میں ان کے ہمراہ تھے) اور ہم نے اس واقعہ کو نشانی (عبرت) بنا دیا تمام جہان والوں کے لئے (بعد کی نسلوں کے لئے اگر انہوں نے رسولوں کی نافرمانی کی اور حضرت نوحؑ اس طوفان کے فرو ہونے کے بعد ساٹھ سال یا زائد حیات رہے۔ حتی کہ لوگوں کی آبادی پھر ہوگئی) اور ہم نے ابراہیمؑ کو بھیجا جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو اور (اس کے عذاب سے) ڈرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا (تمہاری بت پرستی کے مقابلہ) اگر تم سمجھ رکھتے ہو (بھلائی برائی کی) تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر بعض بتوں کو پوج رہے ہو اور جھوٹی باتیں گھڑتے ہو (غلط بیانی کرتے ہو کہ بت اللہ کے شریک ہیں) خدا کو چھوڑ کر جنہیں تم پوج رہے ہو۔ وہ تم کو کچھ بھی روزی دینے کا اختیار نہیں رکھتے (تمہیں رزق نہیں دے سکتے) سو تم روزی اللہ کے پاس تلاش کرو (ڈھونڈو) اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر ادا کرو تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اور اگر تم لوگ مجھے جھوٹا سمجھتے ہو (اے مکہ والو!) سو تم سے (مجھ سے) پہلے بھی بہت سی قومیں جھوٹا سمجھ چکی ہیں اور پیغمبروں کے ذمہ تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے (بلاغ مبین بمعنی ابلاغ بدین ہے۔ ان دونوں واقعات میں آنحضرت ﷺ کے لئے تسلی ہے آپ کی قوم سے ارشاد ہے) کیا ان لوگوں کو خبر نہیں (یرویا اور تا کے ساتھ بمعنی ینظروا ہے) کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو کس طرح اول بار پیدا کرتا ہے (لفظ یبدی ضم یا کے ساتھ ہے اور فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے بدأ اور ابدأ سے ماخوذ ہے۔ یعنی ابتداءً مخلوق کو کیسے پیدا کیا) پھر وہی دوبارہ مخلوق کو پیدا کرے گا (پہلی مرتبہ کی طرح) یہ (پہلی بار اور دوسری بار پیدا کرنا) اللہ کے نزدیک بہت آسان بات ہے (پھر دوسری بار پیدا کرنے کا انکار کیسے کرتے ہو) آپ کہئے کہ تم لوگ زمین پر چلو پھرو اور دیکھو کہ اللہ نے مخلوق کو پہلی بار کس طریقہ سے پیدا کیا ہے (تم سے پہلوں کو اور ان کو موت دی) پھر اللہ دوبارہ بھی پیدا فرمائے گا (لفظ نشاۃ مد کے ساتھ اور قصر کے ساتھ دونوں طرح سکون شین سے پڑھا ہے) بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے (منجملہ اس کے اول پیدائش اور بعد کی پیدائش بھی ہے) وہ جسے (عذاب دینا) چاہے عذاب دے گا۔ اور جس پر (رحم کرنا) چاہے رحم فرمائے گا تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے (پیش ہوں گے) اور تم ہرا نہیں سکتے (اپنے پروردگار کو، تمہیں گرفتار کرنے سے) نہ زمین میں اور نہ آسمان میں (اگر تم آسمان میں پہنچ جاؤ یعنی تم اس سے چھوٹ نہیں سکتے) اور خدا کے سوا (علاوہ) تمہارا نہ کوئی کارساز ہے (کہ تمہیں اس سے بچائے) اور نہ کوئی مددگار ہے (کہ اس کے عذاب سے نجات دلا دے)۔

تحقیق وترکیب:............ فلبث۔ بقول ابن عباسؓ ایک ہزار پچاس سال کی عمر حضرت نوحؑ کی ہوئی اور چالیس سال میں نبوت ملی اور ساٹھ سال اور بقول جامع الاحوال پچاس سال طوفان کے ختم ہونے کے بعد حیات رہے۔ پھر جب خوب آبادی ہوگئی تو رحلت فرمائی۔ الف منصوب ہے بناء بر ظرفیت کے اور خمسین منصوب ہے استثناء کی وجہ سے اور بعض نے اسماء عدد میں استثناء کو ناجائز کہا ہے۔ وہ اس آیت کی توجیہ کریں گے۔ باقی مدت کے اس خاص طرز بیان میں یہ نکتہ ہے کہ ٹھیک ٹھیک مدت بیان کرتی ہے تخمینی مدت یا مجازی مراد نہیں ہے۔ اگر تسعمأته وخمسین کہا جاتا تو یہ احتمالات رہتے کہ تقریبی مدت مراد ہوگی اور چونکہ آنحضرت ﷺ کی تسلی مقصود ہے۔ کہ اتنی طویل مدت حضرت نوحؑ مشکلات جھیلتے رہے اور پھر بھی زیادہ لوگ فائدہ نہ اٹھا سکے۔ برخلاف رسول اللہ ﷺ کے کہ تھوڑی مدت میں نہایت عظیم الشان کام سرانجام دے لیا پھر آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ اس لئے الف سنة کہہ دیا۔ تا کہ سنتے ہی طول مدت کا تخیل پیدا ہو جائے جو تسلی میں معاون ہوگا۔ اور نیز ان لوگوں کی خام خیالی پر تنبیہ کرنی ہے۔ جو گمان کرتے ہیں کہ ہم ہلا

آزمائش چھوڑ دیئے گئے ہیں۔اور دونوں عدد کی تمیز الگ الگ الفاظ سے بیان کی ہے۔الف کی تمیز لفظ سنة سے اور خمسین کی تمیز عاما سے بیان کی دونوں تمیزیں یکساں نہیں لائی گئیں۔لفظی ثقالت اور تکرار سے بچنے کے لئے۔نیز اہل عرب قحط سالی کے ساتھ لفظ سنة اور خوشحالی کے لئے عام کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔پس اس طرح اولی لفظ سنة اور بعد میں لفظ عام لاکر اشارہ کر دیا کہ تبلیغ ودعوت کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی پریشانیوں کا دور گزر چکا اب راحت وآرام کا دور آ رہا ہے۔

فاخذ هم الطوفان . یہ پانی پہاڑوں سے بھی چالیس یا پندرہ فٹ بلند ہو گیا تھا۔جس کی تفصیل سورۂ ہود میں گزر چکی ہے۔ کشتی میں کل ۷۸ انسان تھے آدھے مرد آدھی عورتیں۔منجملہ ان کے حضرت نوحؑ کے تین بیٹے حام۔سام۔یافث اوران تینوں کی بیویاں بھی تھیں۔بعد میں اکثر انسانوں کی نسل انہیں تین سے چلی ہے۔

وعاش نوح . ابوالسعود سورۂ اعراف میں کہتے ہیں کہ طوفان کے بعد حضرت نوحؑ ڈھائی سو سال زندہ رہے اوران کی عمر بارہ سو چالیس سال ہوئی ہے۔اور وہب سے منقول ہے کہ حضرت چودہ سو سال حیات رہے۔ملک الموت نے ان سے دریافت کیا۔کہ پیغمبروں میں تمہاری عمر سب سے زیادہ ہوئی ہے۔تم نے دنیا کو کیسا پایا؟ فرمایا جیسے ایک گھر کے دروازے ہوں۔ایک سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل گیا ہو۔

وجعلناها . ضمیر مؤنث عقوبة یا سفینه یا نجات کی طرف راجع ہے۔

اذقال . یہ ظرف ہے ارسال کا۔اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ارسال تو دعوت سے پہلے ہو چکا ہے۔پھر کیسے دعوت کے وقت کو ارسا کا ظرف کہا جائے؟ جواب یہ ہے کہ ارسال ممتد ہے وقت دعوت تک۔پس اس طرح دونوں وقت مل گئے اور ظرفیت صحیح ہوگئی۔

لا یملکون رزقا . رزقاً مصدریت کی وجہ سے منصوب ہو سکتا ہے اور ناصب لا یملکون ہے۔کیونکہ دونوں ہم معنی ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصل عبارت لا یملکون ان یرزقوکم۔اور یرزقوکم مفعول ہو یملکون کا۔اور رزقا بمعنی مرزوق بھی ہو سکتا ہے۔اس صورت میں مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا اور چونکہ یہ نکرہ تحت النفی ہے اس لئے تنکیر تقلیل کے لئے ہے۔

وان تکذبوا . اس کا عطف مقدر پر ہے۔ ای فان تصدقونی فقد فزتم وان تکذبوا الخ مفسرؒ علام نے یا ظاہر کر کے مفعول بہ کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔اور یا اهل مکة کہہ کر اشارہ کر دیا کہ حضرت ابراہیمؑ کے کلام کے درمیان آنحضرت ﷺ کی گفتگو بطور جملہ معترضہ کے ہے اور مقصود آپ ﷺ کی تسلی ہے۔عمرؒ اور قتادہؒ سے ایسے ہی منقول ہے اور ابن جریرؒ نے اسی کو اختیار کیا۔لیکن بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ بھی حضرت ابراہیمؑ کا کلام ہے اور قاضی نے دوسری صورت کو اظہر فرمایا ہے۔

من قبلی . من موصولہ اور کذب مفعول ہوگا۔

اولم یروا . حمزہؒ، شعبہؒ کسائیؒ کی قراءت تا کے ساتھ ہے اور باقی قراء یا کے ساتھ پڑھتے ہیں اور ضمیر امم کی طرف راجع ہے۔اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے۔کہ انسان نے پہلی پیدائش کو کہاں دیکھا ہے۔اور پھر اولم یروا کیسے کہا گیا۔جواب یہ ہے کہ رویت سے مراد علم ظاہر بدیہی ہے جو مثل رویت ہی کے ہوتا ہے۔اور پہلی پیدائش کا علم ہر شخص کو ہے۔توحید ورسالت کے بعد یہ بعث کا بیان ہے۔

ثم هو یعیده . اس کا عطف اولم یروا پر ہے یبدء پر نہیں ہے اور یعیده پر بھی عطف ہو سکتا ہے اور بقول قاضی ثم کا عطف یروا پر ہے اور انسانی اعادۂ حیات کی نظیر ہر سال کھیت اور باغات کے موسم بہار میں دیکھی جا سکتی ہی کہ کس طرح زمین مردہ ہونے کے بعد پھر موسم بہار میں لہلہا اٹھتی ہے؟

فانظروا کیف بدأ . پہلی آیت میں تو لفظ یبدء کے ساتھ اسم ظاہر اور اعادہ کے ساتھ مضمر لایا گیا ہے اور دوسری آیت میں

اس کا برعکس لایا گیا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ پہلی آیت میں اللہ کا ذکر چونکہ پہلے نہیں ہوا کہ یبدء کی اسناد اس کی طرف مضمر کردی جاتی۔ اس لئے یبدء اللہ کہنا ضروری ہوگیا۔ برخلاف دوسری آیت کے اس میں یبدء کی اسناد مضمر کی طرف صحیح ہے۔ البتہ ثم اللّٰہ ینشئ میں اسم ظاہر لانے کی وجہ ذہن سامع میں اللہ کی کمال قدرت، علم، ارادہ جاگزیں کرنا ہے اور یعیدہ کی بجائے ینشئ لانے میں یہ نکتہ ہے کہ نشاۃ عام ہے۔ ابداء اور اعادہ دونوں پر بولا جاتا ہے اور امتیاز کے لئے اولیٰ اخریٰ کہہ دیا جائے گا۔ نیز بدء ابدء دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ مگر اعادہ کے ساتھ ابداء استعمال ہوتا ہے اور ثم اللّٰہ کا عطف، سیروا پر ہے بدء پر نہیں ہے۔

الأخوۃ. ابوعمر اور ابن کثیر مد کے ساتھ فعالۃ کے وزن پر اور باقی قراء قصر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

من یشاء. مشیت کا مفعول ماقبل کی جنس ہوتا ہے اور عبث سے بچنے کے لئے اس کا حذف لازمی سا ہے۔

لا فی السماء. مفسرؒ علام نے قطرب کی توجیہ نقل کی ہے جیسے کہا جائے۔ ما یفوتنی فلان ھھنا و لا بالبصرۃ لو کان بھا۔ لیکن قراءؒ نے اس کی توجیہ اس طرح کی ہے لا من فی السماء و معجز اور یہ توجیہات اس صورت میں ہیں۔ جب کہ زمین وآسمان حقیقی مراد ہوں۔ ورنہ مجازی معنی سفل اور علو کے بھی ہوسکتے ہیں۔ پھر اس تکلف کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ فی الارض اور فی السماء کے متعلقات محذوف ہیں اول کا متعلق ھرب اور دوسرے کا متعلق تحصن ہے۔ ای ما انتم بمعجزین بالھرب فی الارض ولا بالتحصن فی السماء.

ربط:............ پچھلی آیت میں چونکہ ابتلاء اور امتحان کا ذکر تھا۔ اس لئے آیت ولقد ارسلنا سے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی تسلی کے لئے گذشتہ قوموں کے چند تاریخی واقعات بیان فرمائے جارہے ہیں۔ جن کا ماحصل یہی ہے کہ جھوٹوں نے ہمیشہ سچوں کی راہ میں کانٹے بوئے ہیں۔ اور اغواء اور شرارتوں کے جال بچھائے ہیں۔ جن کی وجہ سے مدتوں سچوں کو ابتلاء اور آزمائش کے دور سے گزرنا پڑا۔ مگر آخری نتیجہ سچوں ہی کے حق میں رہا سچے کامیاب وسربلند ہوئے اور جھوٹے خائب وخاسر رہے۔ ان کے سارے جال تار عنکبوت ثابت ہوئے اور خاص طور سے حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ اس لئے بھی ذکر کیا کہ وہ آپ ﷺ کے جدامجد ہیں اور آپ ﷺ کی قوم بھی ان کی قوم کی طرح ہم جد ہیں۔

﴿تشریح﴾:............ حضرت نوحؑ کی عمر کے متعلق تورات میں ہے۔ اور طوفان کے بعد نوحؑ ساڑھے تین سو برس جیتا رہا اور نوحؑ کی ساری عمر ساڑھے نو برس کی تھی تب وہ مرگیا۔

حضرت آدمؑ سے حضرت نوحؑ تک دس پشتیں گذر چکی تھیں۔ اس زمانہ کا اوسط عمر آج کے دور سے کہیں زیادہ تھا۔ حضرت نوحؑ کے والد کی عمر ۷۷۳ سال اور ان کے دادا کی عمر ۹۹۹ برس کی تھی۔ ہزار برس کے لگ بھگ عمر کا ہونا اور اس دور کی عام عادت تھی اس لئے حضرت نوحؑ کی درازی عمر باعث استعجاب نہیں ہونی چاہئے۔

أیۃ للعالمین. کہا جاتا ہے کہ ایک زمانہ تک حضرت نوحؑ کا جہاز جودی پہاڑ کے دامن میں لگا رہا۔ تاکہ لوگوں کے لئے عبرت ہو۔ یوں تو اب بھی ہر جہاز اور ہر کشتی واقعہ نوحؑ یاد دلانے کے لئے ایک رس عبرت ہے۔ انہیں دیکھ کر طوفان نوحؑ کی یاد تازہ ہوجانی چاہئے اور قدرت الٰہی کا نمونہ نظروں کے سامنے رہنا چاہئے۔

یا یہ مطلب ہے کہ ہم نے کشتی کے اس افسانہ کو ہمیشہ کے لئے سامان عبرت بنادیا۔

وتخلقون افکا. یعنی اپنے ہاتھوں سے بت بنا کر کھڑے کرلئے۔ جھوٹ موٹ خدا کہنے لگے۔ اس طرح کے اور جھوٹے

عقیدے تراش لئے اور وہی خیالات واوہام کی بھول بھلیوں میں کھو گئے ہو۔ اکثر مخلوق روزی کے پیچھے جان وایمان دیتی ہے۔ مگر ان جھوٹے اور خیالی معبودوں کا حال یہ ہے کہ روزی تو کجا یہ تو اس کے اسباب پر ہی قدرت نہیں رکھتے۔ نہ ہوا میں چلانے پر قادر، نہ مون سون اٹھانے پر قادر، نہ فضا میں بادل پھیلانے پر قادر، نہ پانی کو بوندوں کی شکل میں اتارنے پر قادر، نہ زمین میں قوت نمو پیدا کرنے پر قادر، نہ آفتاب سے زمین تپانے پر قادر، غرض کہ زراعت، فلاحت، تجارت، صنعت وحرفت اسباب معاش کے کسی ایک ذرہ پر بھی ان کا بس نہیں۔ پھر یہ بیچارے روزی رساں کیا ہوں گے؟ اللہ ہی ہر نفع کا مالک اور منبع ہے۔ پس اللہ خالق معاش بھی ہے۔ اسی سے سب وسائل نکلتے ہیں۔ اسی پر جا کر ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے عبادت وشکر کا مستحق بھی وہی ہے۔ اور مالک نفع ہونے کے ساتھ وہ مالک ضرر بھی ہے۔ سارا حساب کتاب اسی کو دینا ہوگا۔

و ما علی الرسول . یعنی تمہارے جھٹلانے سے میرا کچھ نہیں بگڑتا۔ میں اپنا فرض پورا کر چکا بھلا برا سمجھا چکا۔ نہ مانو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔

آیت **اولم یروا** کا حاصل یہ ہے کہ تم خود اپنی ذات میں غور کرو۔ پہلے تم کچھ نہ تھے اللہ نے پیدا کر دیا، ایسے ہی مرنے کے بعد پیدا کر دے گا۔ شروع تو دیکھ رہے ہو دہرانا بھی اسی سے سمجھ لو۔ اللہ کو تو کچھ مشکل نہیں۔ البتہ تمہارے سمجھنے کے لئے کہا جا رہا ہے۔ کہ جس نے نمونہ کے بغیر پہلی بار کسی چیز کو ایجاد کر دیا اسے نمونہ قائم ہو جانے کے بعد تو بنانا اور زیادہ آسان سمجھنا چاہئے۔ مگر تم الٹے چل رہے ہو اور اپنی ذات سے ہٹ کر ذرا نظر کو وسیع کرو۔ عالم میں دوسری چیزوں کی پیدائش پر غور کرو تمہیں نظر آئے گا کیسی کیسی عجیب وغریب اس نے بنا ڈالی۔ اس پر دوبارہ زندہ ہونے کا قیاس کر لو۔ اب اس کی قدرت کچھ کم تو نہیں ہوگئی ہے۔ پھر دوبارہ زندہ کرنے کے بعد جسے چاہے گا از روئے انصاف سزا دے گا اور جسے چاہے گا از راہ فضل نواز دے گا۔ ''عدل کرے تو لتیاں فضل کرے تو چھٹیاں'' کون کس کا مستحق ہے یہ وہی خوب سمجھتا ہے۔ اللہ جسے سزا دینا چاہے وہ زمین کے سوراخوں میں گھس کر سزا سے نہیں بچ سکتا۔ نہ آسمان میں اڑ کر نگاہوں سے اوجھل ہو سکتا ہے۔ نہ کائنات کا کوئی گوشہ اس کو پناہ دے سکتا ہے اور نہ دنیا کی کوئی طاقت اس کی حمایت اور مدد کو پہنچ سکتا ہے۔

اس سے ملتا جلتا مضمون عہد عتیق میں بھی ہے..... ''تری روح سے میں کدھر جاؤں اور ترے حضور سے میں کہاں بھاگوں اگر میں آسمان پر چڑھ جاؤں تو تو وہاں ہے۔ اگر میں پاتال میں اپنا بستر بچھالوں تو تو وہاں بھی ہے۔ اگر صبح کے پنکھ لیکے میں سمندر کی تہہ میں جا رہوں تو وہاں بھی ترا ہاتھ لے چلے گا۔'' (زبور)

لطائف سلوک:............ آیت **قل سیروا فی الارض** میں ان اہل طریق کے لئے اصل نکلتی ہے جو سیاحی اس لئے کرتے ہیں کہ چل پھر کر زمانہ کے واقعات سے تجربہ اور سبق سیکھیں اور حالات سے عبرت پکڑیں اور اس طرح لوگوں سے کم آمیزی رہے اور گمنامی ویکسوئی رہے۔ گناہوں سے بچنے کی صورت نکلے۔ لیکن بے مقصد سیاحی یا دینی مقاصد سے ہٹ کر خالی گھومنا پھرنا اور تماشا گاہ عالم میں کھو جانا یقیناً اس سے کوسوں دور ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اَىِ الْقُرْاٰنِ وَالْبَعْثِ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِىْ اَىْ جَنَّتِىْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وقال تعالى فِىْ قِصَّةِ اِبْرَاهِيْمَ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْحَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۗ اَلَّتِىْ قَذَفُوْهُ فِيْهَا بِاَنْ جَعَلَهَا عَلَيْهِ بَرْدًا وَّسَلَامًا اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ اَىْ اِنْجَائِهٖ مِنْهَا لَاٰيٰتٍ هِىَ عَدَمُ تَاْثِيْرِهَا فِيْهِ مَعَ عِظَمِهَا وَاِخْمَادُهَا وَاِنْشَاءُ رَوْضٍ مَكَانَهَا فِىْ زَمَنٍ يَسِيْرٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ يُصَدِّقُوْنَ بِتَوْحِيْدِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهَا وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ تَعْبُدُوْنَهَا وَمَا مَصْدَرِيَّةٌ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ خَبَرُ اِنَّ وَعَلٰى قِرَاءَةِ النَّصْبِ مَفْعُوْلٌ لَهٗ وَمَاكَافَّةٌ اَلْمَعْنٰى تَوَادَّدْتُمْ عَلٰى عِبَادَتِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ يَتَبَرَّأُ الْقَادَةُ مِنَ الْاَتْبَاعِ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ يَلْعَنُ الْاَتْبَاعُ الْقَادَةَ وَّمَاْوٰىكُمُ مَصِيْرُكُمْ جَمِيْعًا النَّارُ وَمَالَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ مَانِعِيْنَ مِنْهَا فَاٰمَنَ لَهٗ صَدَّقَ بِاِبْرَاهِيْمَ لُوْطٌ ۘ وَهُوَابْنُ اَخِيْهِ هَارَانَ وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ اِنِّىْ مُهَاجِرٌ مِنْ قَوْمِىْ اِلٰى رَبِّىْ ۗ اَىْ اِلٰى حَيْثُ اَمَرَنِىْ رَبِّىْ وَهَجَرَ قَوْمَهٗ وَهَاجَرَ مِنْ سَوَادِ الْعِرَاقِ اِلَى الشَّامِ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ فِىْ مُلْكِهٖ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾ فِىْ صُنْعِهٖ وَوَهَبْنَا لَهٗ بَعْدَ اِسْمَاعِيْلَ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ بَعْدَ اِسْحَاقَ وَجَعَلْنَا فِىْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ فَكُلُّ الْاَنْبِيَاءِ بَعْدَ اِبْرَاهِيْمَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ وَالْكِتٰبَ بِمَعْنَى الْكُتُبِ اَىِ التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلَ وَالزَّبُوْرَ وَالْقُرْاٰنَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِى الدُّنْيَا ۚ وَهُوَ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ فِىْ كُلِّ اَهْلِ الْاَدْيَانِ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ اَلَّذِيْنَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلٰى وَاذْكُرْ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ فِى الْمَوْضَعَيْنِ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۡ اَىْ اَدْبَارَ الرِّجَالِ مَاسَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اَلْاِنْسِ وَالْجِنِّ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ ۗ طَرِيْقَ الْمَارَّةِ بِفِعْلِكُمُ الْفَاحِشَةَ بِمَنْ يَمُرُّبِكُمْ فَتَرَكَ النَّاسُ اَلْمَمَرَّبِكُمْ وَتَاْتُوْنَ فِىْ نَادِيْكُمُ مُتَحَدِّثِكُمُ الْمُنْكَرَ ۗ فِعْلَ الْفَاحِشَةِ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ فِىْ اِسْتِقْبَاحِ ذٰلِكَ وَاِنَّ الْعَذَابَ نَازِلٌ بِنَا عَلَيْهِ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِىْ بِتَحْقِيْقِ قَوْلِىْ فِىْ اِنْزَالِ الْعَذَابِ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾ اَلْعَاصِيْنَ بِاِتْيَانِ الرِّجَالِ فَاسْتَجَابَ اللّٰهُ دُعَاءَهٗ

ع ۸ ۱۵

ترجمہ:.........اور جو لوگ اللہ کی آیتوں کے اور اس کے سامنے جانے (یعنی آیات قرآنیہ اور قیامت) کے منکر ہیں وہی تو میری رحمت (جنت) سے مایوس ہوں گے اور یہی تو ہیں جنہیں دردناک عذاب ہوگا (تکلیف دہ آگے بقیہ واقعہ ابراہیمی کا ذکر ہے) سوان کی

قوم کا جواب بس یہی تھا۔ کہنے لگے یا تو انہیں قتل کر ڈالو یا نہیں جلا ڈالو، سو اللہ نے ابراہیم کو اس آگ سے بچالیا (جس میں انہیں جھونکا تھا اس طرح کہ اس آگ کو ان کے حق میں بردوسلام بنادیا) بلاشبہ اس واقعہ (نجات) میں بہت کچھ نشانیاں ہیں (انتہائی ہولناک ہونے کے باوجود آگ کا ابراہیم پر اثر نہ کرنا، اس کا بجھ جانا اور فوراً ہی آگ کا گلزار ہوجانا) ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں (اللہ کی توحید اور قدرت کو مانتے ہیں دراصل ایسے ہی لوگوں کو فائدہ ہوسکتا ہے) اور (ابراہیم نے) فرمایا تم نے جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو تجویز کر رکھا ہے (بندگی کرنے کے لئے ما مصدریہ ہے) پس یہ تمہارے باہمی تعلقات کی بناء پر ہے (یہ ان کی خبر ہے اور قراءت نصب یہ مفعولہ لہٗ اور ما کافہ ہے۔ یعنی ان کی پوجا پاٹ تمہارا آپس کا مشغلہ ہے) دنیاوی زندگانی تک پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کے مخالف ہوجاؤ گے (قائدین اپنے پیروکاروں سے دامن چھڑا آئیں گے) اور ایک دورے پر لعنت کی بوچھاڑ کریں گی (پیروکار قائدین پر پھٹکار ڈالیں گے) اور تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا (جو تمہیں دوزخ سے بچالے) پھر حضرت لوطؑ نے ان کی (ابراہیمؑ کی) تصدیق فرمائی (یہ ابراہیمؑ کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے) اور ابراہیمؑ بولے میں (اپنی قوم کو چھوڑ کر) اپنے پروردگار کی طرف چلا جاؤں گا (جہاں مجھے حکم الٰہی ہوگا۔ چنانچہ قوم کو چھوڑ کر ترک وطن کرتے ہوئے سوادعراق سے شام کی راہ لی۔ بے شک وہی دنیا میں) بڑا زبردست بڑی حکمت والا ہے۔ اور ہم نے ابراہیمؑ کو (اسماعیلؑ کی پیدائش کے بعد) اسحاقؑ عطا کیا (اور اسحاقؑ کے بعد) یعقوبؑ عطا کیا۔ اور ان کی نسل میں نبوت قائم رہی (چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد سارے نبی انہی کی نسل سے ہوئے ہیں) اور کتاب دی (یعنی آسمانی کتابیں تورات، انجیل، زبور اور قرآن پاک) اور ہم نے ان کو اس کا صلہ دنیا میں بھی دیا) تمام ادیان ان کا احترام کرتے ہیں۔ اور آخرت میں بھی یقیناً نیکوکاروں میں سے ہوں گے (جن کے لئے بلند رتبے ہیں) اور (یادرکھئے) ہم نے لوطؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا یقیناً تم (لفظ انکم تحقیق ہمزتین اور دوسری ہمزہ کی تسہیل کے ساتھ درمیان میں الف داخل کرتے ہوئے دونوں طریقہ سے دونوں جگہ پڑھا گیا ہے) ایسی بے حیائی کا کام کررہے ہو (یعنی لواطت) کہ تم سے پہلے دنیا جہان میں (انسان یا جن نے) کسی نے نہیں کیا۔ ارے تم تو مردوں سے فعل کررہے ہو اور تم ڈاکہ ڈالتے ہو (دن دہاڑے سرراہ لوگوں سے بدفعلی کرتے ہو۔ کہ لوگوں نے ان راستوں پر چلنا ہی چھوڑ دیا) اور تم بھری مجلس میں (چوپال میں) ممنوعات کا ارتکاب کرتے ہو (آپس میں حرام کاری) سو ان کی قوم کا جواب بس یہی تھا۔ کہ ہم پر عذاب لے آؤ اگر سچے ہو (اس کام کو برا کہنے میں اور یہ کہ ایسا کام کرنے والے پر عذاب الٰہی ہوتا ہے) عرض کیا اے میرے پروردگار! مجھے غالب کر (عذاب نازل ہونے کے متعلق میری بات سچ کردکھا) ان مفسدوں پر (جو حرام کاری کرنے والے ہیں۔ چنانچہ اللہ نے حضرت لوطؑ کی دعا قبول فرمائی)۔

تحقیق وترکیب:.......... **یئسوا من رحمتی** . صیغہ ماضی یقینی ہونے کی وجہ سے رحمت کی نسبت اپنی طرف کی اور عذاب کی نسبت اپنی طرف نہیں کی سبقت رحمتی علیٰ غضبی کی وجہ سے۔

فما کان جواب قومہ: ''تنگ آمد بجنگ آمد'' اسی کو کہتے ہیں۔

او حرقوہ. یہاں دو باتیں بطور تردد کے اور سورۂ انبیاء میں صرف ایک بطور تعیین کے ذکر کی ہے۔ گویا یہاں رائے اور مشورہ کا حال بیان کیا ہے اور سورۂ انبیاء میں طے شدہ کو ذکر کردیا ہے۔

من النار. ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس روز ہر جگہ کی آگ ٹھنڈی ہوگئی۔

خمدت النار۔ اس وقت بولتے ہیں جب آگ کی لپٹیں ماند پڑجائیں اور بالکل بجھ جائے تو ھمدت النار بولتے ہیں۔ بہرحال احراق کی نفی مقصود ہے۔ چنانچہ صرف وہ رسی جلی جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باندھ رکھا تھا۔

ما اتخذتم . اس میں تین ترکیبیں ہو سکتی ہیں:۔

ا۔ایک یہ کہ ماموصولہ بمعنی الذی اور عائد محذوف ہو۔ جو مفعول اول ہے اور اوثاناً مفعول ثانی ہے۔ اور مودۃ قرات رفع کی صورت میں خبر ہوگی۔ ای الذی اتخذ تموہ او ثاناً مودۃ ای ذو مردۃ بتقدیر المضاف اوعلیٰ المبالغۃ اور مودۃ کی قراءت منصوب ہوتو خبر محذوف ہوگی۔ ای الذین اتخذ تموہ اوثاناً لا جل المودۃ لا ینفعکم.

۲۔ما کافہ ہو اور اوثاناً مفعول بہ ہے اور النار متعدی بیک مفعول ہے اور متعدی بدو مفعول کی صورت میں مفعول ثانی من دون اللہ ہے۔اس صورت میں مودۃ قراءت رفع پر خبر ہوگی مبتدائے محذوف کی ای ھی مودۃ بمعنی ذات مودۃ او علی المبالغۃ اور جملہ یا اوثاناً کی صفت ہو جائے گی۔اور یا مستانفہ ہوگا اور مودۃ کی قراءت نصب پر مفعول لہ ہوگا یا اعنی مقدر مانا جائے گا۔

۳۔ما مصدریہ ہو اور پہلے مضاف محذوف ہو۔ای سبب اتخاذ کم او ثانا مردۃ اور مودۃ مرفوع ہو اور بغیر حذف مضاف کے بطور مبالغہ نفس اتخاذ کو مودۃ ہی کہا جا سکتا ہے اور مودۃ کے نصب کی صورت میں خبر محذوف ہوگی۔ ابن کثیرؒ، ابوعمرؒ کسائیؒ، مودۃ کو مرفوع بلا تنوین اور بینکم کو مجرور پڑھتے ہیں۔اور نافعؒ، ابن عامرؒ، ابوبکرؒ مودۃ اور بینکم کو منصوب پڑھتے ہیں۔اور حمزہؒ، حفصؒ مودۃ کا نصب بغیر تنوین اور بینکم کو مجرور پڑھتے ہیں۔اور عاصمؒ مودۃ کا رفع بلا تنوین اور بینکم کا نصب پڑھتے ہیں اور مودۃ کی اضافت بینکم کی طرف ظرف ہونے کی وجہ سے توسعاً کرلی گئی ہے اور بین اسم غیر متمکن کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے مبنی ہے۔بمعنی لقد تقطع بینکم.

توادتم . مفاعلت سے باہم محبت کرنا۔

فامن . حضرت لوطؑ ایمان تو پہلے لا چکے تھے۔مگر یہاں تصدیق وتائید مراد ہے۔

وقال . چونکہ انی مھاجر حضرت ابراہیمؑ کا مقولہ ہے اسی لئے قال آیا ہے۔ ورنہ کلام لوط ہونے کا ایہام ہوتا۔ صاحب کشافؒ کی رائے ان کے متعلق حضرت ابراہیمؑ کا بھانجہ ہونے کی ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ وہ بھتیجے تھے۔ جب حضرت ابراہیمؑ آتش نمرود سے سلامتی کے ساتھ نکلے تو سب سے پہلے یہی ایمان لائے اور ہجرت میں بھی حضرت ابراہیمؑ اور ان کی بیوی سارہ کے ہمراہ رہے۔

الیٰ ربی . چونکہ اللہ کے لئے جنت کا ایہام ہو سکتا تھا۔ اس لئے مفسرؒ علام نے امرنی ربی تقدیر عبارت نکالی۔ حضرت ابراہیمؑ بعمر ۷۵ سال اپنی بیوی اور چچا زاد بہن سارہ کو لے کر مع اپنے بھتیجے حضرت لوطؑ کے بہ نیت ہجرت حران اس کے بعد شام اور فلسطین جا پہنچے اور حضرت لوطؑ کو سدوم شہر پر مامور فرمایا۔

ووھبنالہ اسحاق . حضرت اسماعیلؑ کے نام کی تصریح نہیں فرمائی یا تو اس لئے کہ حضرت اسحٰقؑ کی ولادت بوڑھی بیوی سے ہوئی۔ جو بہ نسبت ولادت اسماعیل زیادہ باعث امتنان ہے۔ دوسرے ان کی ولادت کی طرف لفظ ذریت میں تلویح ہو چکی ہے تیسرے خطاب چونکہ آنحضرت ﷺ سے ہے اور آپ ﷺ اولاد اسماعیل ہونے کی وجہ سے پوری طرح واقف ہیں۔ تاہم ولادت اسماعیل کے ۱۴ سال بعد ولادت اسحٰق ہوئی۔

فی ذریتہ النبوۃ . بعد کے تمام انبیاء کا سلسلہ حضرت اسماعیلؑ واسحٰقؑ ومدین پر منتہی ہوتا ہے۔

تاتون الفاحشۃ . لواطت مراد ہے۔ چوراہوں اور سڑکوں پر یہ لوگ بیٹھ جاتے اور راہ گیر مسافروں پر کنکریں پھینکتے۔ جس کے کنکری لگ جاتی وہی بدکاری کرنے کا حق دار سمجھا جاتا تھا۔

تقطعون السبیل . ترمذی کی روایت ہے کہ وہ راہ گیروں سے تمسخر کرتے تھے اور کنکریاں مارتے تھے۔ اور مجاہد سے منقول

ہے۔ کہ سیٹیاں بجاتے ، کبوتر بازی وغیرہ کرتے اور بعض نے گانا بجانا مراد لیا ہے۔ عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں۔ کہ ایک دوسرے پر تھوکتے تھے۔ اور بقول قاسم گوز مارتے تھے۔ اور مکحولؒ فرماتے ہیں انگلیوں میں مہندی لگانا، دانتوں میں مسی لگانا، علک چبانا ان کا شعار تھا۔ غرض کہ شہدوں اور غنڈوں کی سی حرکات وسکنات اور وضع قطع رکھتے تھے۔ جس سے شریف لوگوں نے ان راستوں کو چلنا ہی چھوڑ دیا تھا جسے قطع طریق کہا گیا ہے۔

﴿تشریح:﴾:............ اس رکوع میں حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ کا بقیہ حصہ بیان ہو رہا ہے۔ فرمایا کہ جو لوگ قیامت کے قائل ہی نہیں۔ انہیں رحمت الٰہی کی امید کیسے بندھ سکتی ہے۔ اس لئے وہ آخرت میں بھی مایوس ہی رہیں گے۔

تنگ آمد بجنگ آمد:............ بہر حال حضرت ابراہیمؑ کی معقول باتوں کا جواب جب دلیل سے نہ دے سکے۔ تو تنگ آمد بجنگ آمد لگے تشدد کی تدابیر سوچنے۔ ایک رائے ہوئی کہ ان کا قصہ ہی پاک کردو۔ ایک رائے ہوئی کہ آگ میں ڈال دو۔ شاید تکلیف نا قابل برداشت پہنچنے پر باز آجائے تو نکال لیں گے۔ ورنہ راکھ کا ڈھیر ہو کر رہ جائے گا۔ چنانچہ یہی طے ہوا کہ انہیں گوپیے کے ذریعہ آگ میں جھونک دیا گیا۔ لیکن وہ آگ گلزار ابراہیمی بن گئی۔

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو تمام چیزوں میں تاثیر بالذات نہیں ہوتی۔ کہ کسی طرح ان سے الگ ہونا ممکن ہی نہ ہو۔

اسباب میں تاثیر فی الجملہ ہوتی ہے:............ جیسے آگ کے لئے احراق، پانی کے لئے اغراق اور پہاڑوں پتھروں کے لئے اخراق لازم ہیں۔ بلکہ یہ سب تاثیرات اسباب حق تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں وہ جب چاہتے ہیں سورج کی چمک اور کرنیں چھین لیں۔ جب چاہیں پانی کی صفت غرق چھین لیں۔ جیسے حضرت موسیٰؑ وفرعون کے واقعہ نیل میں ہوا۔ اور جب چاہیں آگ سے جلانے کا اثر چھین لیں جیسے واقعہ ابراہیمی میں ہوا۔ یہ سب واقعات عادۃً بعید تو ہیں اور اسی لئے انہیں معجزات کہا جاتا ہے۔ مگر ناممکن اور محال نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی۔ کہ اپنے سچے بندوں کو وہ کس طرح مصائب سے بچالیتا ہے اور مخالفین کو کیسے ذلیل وخوار کر دیتا ہے۔ غرض کہ آگ سے نکلتے ہی انہوں نے پھر حسب سابق نصیحت شروع کر دی۔ جاہلی مشرک قوموں میں ہر برادری اور قبیلہ کے دیوی دیوتا الگ الگ ہوتے تھے۔ جس کا راز یہ بتلایا جاتا ہے کہ اس طرح ہر جتھے کا نظم برقرار رہتا ہے۔ گویا محض سیاسی یا معاشی مصالح کی وجہ سے خیالی اور فرضی خدا تجویز کر رکھے تھے۔ لیکن قیامت میں جب منکشف ہو جائے گا کہ یہ سب احمقانہ تخیلات تھے تو ایک دوسرے کے خلاف خوب بخار نکالیں گے۔

مشہور شخصیتوں کی یادگار صورت یا مورت:............ پس کسی غیر معقول بات کی محض اندھی تقلید یا قومی رسم ورواج اور مروت ولحاظ کی مضری پاسداری کس قدر مہمل بات ہے اور بعض دفعہ یہی ہوا کہ کوئی بڑی ہستی اور مشہور شخصیت اٹھ گئی۔ اس کی یادگار کے لئے صورت یا مورت بنالی اور اس کی تعظیم کرنے لگے۔ بڑھتے بڑھتے ایک آدھ نسل کے بعد یہ تعظیم۔ عبادت کی حد تک پہنچ گئی۔ اسی لئے اسلام نے صورت اور مورت اور سجدہ تعظیمی کی ممانعت کر دی۔ کہ اس سے نوبت شرک تک نہ پہنچ جائے۔

وما لکم من ناصرین. یعنی جس طرح میرے پروردگار نے مجھے آتش نمرود سے بچالیا۔ تمہیں دوزخ کی آگ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔

فامن لہ لوط. حضرت ابراہیمؑ کے خاندان سے بابل میں سوائے ان کے بھتیجے حضرت لوطؑ کے کوئی ایمان نہیں لایا۔ دونوں

وطن سے نکل کھڑے ہوئے اور شام پہنچ گئے۔اس لئے الی ربی حضرت ابراہیمؑ یا حضرت لوطؑ دونوں میں سے کسی کا بھی قول ہوسکتا ہے۔اور امام رازیؒ نے خوب لکھا ہے کہ قرآنی فقرہ الیٰ ربی تفسیری فقرہ الیٰ حیث امرنی ربی سے کہیں بلیغ و وقیع ہے۔کیونکہ اس میں تمام تر توجہ پروردگار کی طرف ظاہر ہورہی ہے۔کسی مقام اور جہت کی طرف نہیں۔حضرت یعقوبؑ پوتے ہیں جن کا لقب اسرائیل ہے اور بنی اسرائیل ان کی نسل ہے۔اسی لئے حضرت ابراہیمؑ ابوالانبیاء کہلائے۔کہ بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل سب آپ کی نسل ہے اور یہ بہت بڑی نعمت اور دولت ہے۔الکتاب سے جنس کتاب مراد ہے۔

من الصالحین پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ نبوت کا مقام تو صالحین سے اونچا ہوتا ہے۔پھر مقام تعریف میں اس لفظ کے کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ صالح کلی مشکک ہے جس کا ادنیٰ درجہ عام مومنین ہیں اور اعلیٰ درجہ انبیاءؑ کرام ہیں۔

ما سبقکم. یعنی قوم لوط سے پہلے کسی انسان نے بھی یہ حرکت نہیں کی۔بلکہ جانور تک نر مادہ کا امتیاز رکھتے ہیں۔گویا بدفعلی کرنے والا شخص جانوروں سے بھی بدتر ہے۔اسی لئے فقہاء نے اس کی سزا سخت ترین تجویز کی ہے۔کسی نے آگ میں جلادینے کو کہا۔کسی نے پہاڑ سے گرادینے کو اور کسی نے گردن ماردینے کو کہا۔اس طرح جس جانور سے لواطت یا جماع کیا جائے اس کو بھی جلادینے یا ماردینے کا حکم دیا۔کیونکہ اس نے انسانی فطرت کے خلاف تو کیا ہی ہے۔اس لئے جانوروں سے بھی گر گیا ہے۔

تقطعون السبیل سے مراد ڈاکہ زنی ہے یا راہ گیر مسافروں کے ساتھ بدکاری علانیہ کھلے عام بندوں کرنا اور ہنسی مذاق چھیڑ چھاڑ ٹھٹھے کرنا جس سے تنگ آکر لوگوں نے راستہ چلنا ہی چھوڑ دیا ہو۔اور یا یہ مطلب ہو کہ تم نے فطری اور معتاد راستہ چھوڑ کر توالدو تناسل کا سلسلہ منقطع کیا ہے۔بعذاب اللہ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے۔فما کان جواب قومہ الا ان قالوا اخرجوھم من قریتکم ممکن ہے کسی نے یہ کہا ہو اور کسی نے وہ۔یا ایک وقت یہ کہا ہو اور دوسرے وہ۔پہلے عذاب کی دھمکیوں کا مذاق اڑایا ہو۔پھر آخری فیصلہ دیس نکالا دینے کا کیا ہو۔خلاصہ یہ کہ ان کی فطرتیں اس درجہ مسخ ہو چکی تھیں کہ خلاف فطرت بدکاری پر خوف خدا کا کوئی شائبہ بھی دلوں میں نہ رہا تھا۔عذاب کی دھمکیوں کا مذاق اڑاتے تھے۔نصیحت کرنے والے پیغمبر کو نکال دینے پر آمادہ تھے اور پورا مقابلہ کرتے تھے۔جرم کی یہ نوعیت ہی اگرچہ ان کو ہلاک کردینے کے لئے کافی تھی۔اس پر طرفہ توحید اور رسالت سے انکار اس لئے حضرت لوطؑ کو یقین ہوگیا تھا۔کہ ان کی آئندہ نسلیں بھی درست ہونے والی نہیں ہیں۔اب خدا کی خاص نصرت بغیر ان سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے۔

بیک کرشمہ دوکار: ....پس پکار اٹھے رب انصرنی . دعا قبول ہوئی فرشتوں کی جو ٹکڑی بھیجی گئی۔وہ بیک کرشمہ دوکار کا مصداق تھا۔ایک طرف بوڑھے ابراہیمؑ کو بیٹے پوتے سے گود بھرنے کی بشارت دی۔دوسری طرف قوم لوط اور سدوم کی آبادی کو الٹ دینے کا پیغام لائی۔گویا ایک قوم سے خدا کی زمین کو خالی کیا جانے والا ہے۔تو دوسری طرف ایک عظیم الشان قوم کی داغ بیل ڈالی جانے والی ہے اور چونکہ سبقت رحمتی علیٰ غضبی فرمایا گیا ہے۔اس لئے بشارت ابراہیمی کو پہلے اور قوم لوط کا انداز بعد میں کیا گیا ہے۔

لطائف سلوک: ....قال انما اتخذتم سے مفہوم ہوا کہ دین وآخرت کی سربلندی کے ساتھ دنیاوی جاہ واقبال جو بعض اہل اللہ کو حاصل ہوتا ہے وہ ان کی اخروی مرتبہ کو گھٹاتا نہیں ہے۔

قال رب انصرنی سے معلوم ہوا کہ دشمنان دین کے لئے بددعا کرنا جائز ہے۔نیز یہ ان کے علم وکرم جیسے اخلاق عالیہ کے خلاف نہیں ہے۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى بِاِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ بَعْدَهٗ **قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ** اَیْ قَرْيَةِ لُوْطٍ **اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾** كَافِرِيْنَ **قَالَ** اِبْرَاهِيْمُ **اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا** **قَالُوْا** اَیِ الرُّسُلُ **نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا لَنُنَجِّيَنَّهٗ** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾** اَلْبَاقِيْنَ فِي الْعَذَابِ **وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ** حَزِنَ بِسَبَبِهِمْ **وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا** صَدْرًا لِاَنَّهُمْ حِسَانُ الْوُجُوْهِ فِيْ صُوْرَةِ اَضْيَافٍ فَخَافَ عَلَيْهِمْ قَوْمَهٗ فَاَعْلَمُوْهُ بِاَنَّهُمْ رُسُلُ رَبِّهٖ **وَقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْكَ** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ **وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾** وَنَصْبُ اَهْلَكَ عَطْفًا عَلٰى مَحَلِّ الْكَافِ **اِنَّا مُنْزِلُوْنَ** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ **عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا** عَذَابًا **مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا** بِالْفِعْلِ الَّذِيْ **كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾** بِهٖ اَیْ بِسَبَبِ فِسْقِهِمْ **وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً** ظَاهِرَةً هِيَ اٰثَارُ خَرَابِهَا **لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾** يَتَدَبَّرُوْنَ وَ اَرْسَلْنَا **اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ** اِخْشَوْهُ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۶﴾** حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ لِعَامِلِهَا مِنْ عَثِيَ بِكَسْرِ الْمُثَلَّثَةِ اَفْسَدَ **فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ** الزَّلْزَلَةُ الشَّدِيْدَةُ **فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۳۷﴾** بَارِكِيْنَ عَلَى الرُّكَبِ مَيِّتِيْنَ وَ اَهْلَكْنَا **عَادًا وَّثَمُوْدَا۠** بِالصَّرْفِ وَتَرْكِهٖ بِمَعْنَى الْحَيِّ وَالْقَبِيْلَةِ **وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ** اِهْلَاكُهُمْ **مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ** بِالْحِجْرِ وَالْيَمَنِ **وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ** مِنَ الْكُفْرِ وَالْمَعَاصِيْ **فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ** سَبِيْلِ الْحَقِّ **وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿۳۸﴾** ذَوِيْ بَصَائِرَ وَ اَهْلَكْنَا **قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى** مِنْ قَبْلُ **بِالْبَيِّنٰتِ** بِالْحُجَجِ الظَّاهِرَاتِ **فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿۳۹﴾** فَائِتِيْنَ عَذَابَنَا **فَكُلًّا** مِنَ الْمَذْكُوْرِيْنَ **اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا** رِيْحًا عَاصِفًا فِيْهَا حَصْبَاءُ كَقَوْمِ لُوْطٍ **وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ** كَثَمُوْدَ **وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ** كَقَارُوْنَ **وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا** كَقَوْمِ نُوْحٍ وَفِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ **وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ** فَيُعَذِّبَهُمْ بِغَيْرِ ذَنْبٍ **وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾** بِارْتِكَابِ الذَّنْبِ **مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ** اَیْ اَصْنَامًا يَرْجُوْنَ نَفْعَهَا **كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا** لِنَفْسِهَا تَاوِيْ اِلَيْهِ **وَاِنَّ اَوْهَنَ** اَضْعَفَ **الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ** لَا يَدْفَعُ عَنْهَا حَرًّا وَلَا بَرْدًا كَذٰلِكَ الْاَصْنَامُ لَا تَنْفَعُ عَابِدِيْهَا **لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾** ذٰلِكَ مَا عَبَدُوْهَا **اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا** بِمَعْنَى الَّذِيْ **يَدْعُوْنَ** يَعْبُدُوْنَ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ **مِنْ دُوْنِهٖ** غَيْرِهٖ

مِنْ شَیْءٍ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ فِی مُلْکِهٖ الْحَکِیْمُ ﴿۴۲﴾ فِی صُنْعِهٖ وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ فِی الْقُرْاٰنِ نَضْرِبُهَا نَجْعَلُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا یَعْقِلُهَآ اَیْ یَفْهَمُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ اَلْمُتَدَبِّرُوْنَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اَیْ مُحِقًّا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً دَلَالَةً عَلٰی قُدْرَتِهٖ تَعَالٰی لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۴﴾ خَصُّوا بِالذِّکْرِ لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهَا فِی الْاِیْمَانِ بِخِلَافِ الْکَافِرِیْنَ

ترجمہ:.......... اور جب ہمارے قاصد فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر پہنچے (اسحاقؑ اور ان کے بعد یعقوبؑ کی) تو ان فرشتوں نے کہا کہا کہ ہم (لوطؑ کی) اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں وہاں کے باشندے بڑے شریر (کافر) ہیں۔ ابراہیم بولے کہ وہاں تو لوط ہیں (قاصد فرشتوں نے) جواب دیا کہ جو وہاں رہتے ہیں ہم کو سب خبر ہے ہم ان کو بچالیں گے (یہ لفظ تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے) اور ان کے خاص متعلقین کو بجز ان کی بیوی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں سے ہوگی (عذاب سے اسے چھٹکارا نہیں ملے گا) اور ہمارے وہ فرستادے جب لوط کے پاس پہنچے تو لوط ان کی وجہ سے رنجیدہ ہوئے (قوم کے لوگوں کی وجہ سے غمگین ہوئے) اور ان کے سبب بہت کڑے (کیونکہ وہ خوبصورت بن کر آئے تھے اس لئے لوط اپنی قوم کے لوگوں کے ان کے ساتھ برتاؤ سے فکرمند ہوئے مگر فرشتوں نے لوط کو بتلا دیا کہ ہم پروردگار کے فرستادے ہیں) اور (فرشتے) کہنے لگے کہ آپ اندیشہ نہ کریں اور نہ غمگین نہ ہوجئے ہم آپ کو بچالیں گے (تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے) اور آپ کے خاص متعلقین کو بجز آپ کی بیوی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں سے ہوگی (اور اھلک پر نصب محل کاف پر عطف کی وجہ سے ہے) ہم نازل کرنے والے ہیں (یہ لفظ تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے) اس بستی کے باشندوں پر آسمانی عذاب (ان بدکاریوں کی پاداش میں) گناہوں کی وجہ سے جن کا ارتکاب وہ کرتے ہیں (یعنی ان کے گناہوں کی وجہ سے) اور ہم نے اس بستی کے کچھ نشان رہنے دیئے ہیں جو کھلے ہوئے ہیں (جو ان بستیوں کے بگڑنے کی ظاہر علامات ہیں) ان لوگوں کے لئے جو عقل مند (مدبر) ہیں۔ اور (ہم نے بھیجا ہے) مدین والوں کے پاس ان کے بھائی شعیبؑ کو پیغمبر بنا کر۔ سوانہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اور آخری دن (قیامت کے روز) سے ڈرو اور سرزمین میں فسادمت پھیلاؤ (یہ عامل کا حال مؤکدہ ہے لا تعثوا ماخوذ ہے عشی سے جو ثا کے کسرہ کے ساتھ ہے بمعنی افسد) مگر ان لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا۔ پس زلزلہ (شدید جھٹکے) نے انہیں آدبایا۔ پس وہ اپنے گھروں میں اوندھے گر کر رہ گئے (گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے مرگئے) اور عاد وثمود کو ہم نے ہلاک کیا (لفظ ثمود منصرف اور غیر منصرف ہے بمعنی قبیلہ اور خاندان) اور (ان کا ہلاک ہونا) تمہیں نظر آرہا ہے ان کے رہنے کے مکانات سے (حجر اور یمن میں) اور شیطان نے ان کے (کفر وگناہوں کے) اعمال کو ان کی نظروں میں خوشنما کر دکھایا تھا اور انکو (حق کے) راستہ سے روک رکھا تھا اور وہ لوگ (ہوشیار) سمجھدار تھے اور (ہم نے ہلاک کر ڈالا) قارون اور فرعون اور ہامان کو اور ان کے پاس موسیٰ (پہلے) نشانیاں (دلائل) لے کر گئے تھے پھر ان لوگوں نے زمین میں سرکشی کی اور بھاگ نہ سکے (ہمارے عذاب سے بچ نہ سکے) سو ہم نے ان میں سے ہر ایک کو اس کے گناہ کی پاداش میں پکڑ لیا سو ان میں سے کسی پر تو ہم نے تیز وتند ہوا بھیجی (آندھی جس میں کنکریاں بھی شامل تھیں جیسے قوم لوط پر) اور ان میں سے کسی کو ہولناک آواز نے آدبایا (جیسے قوم ثمود) اور ان میں سے کسی کو زمین میں دھنسا دیا (جیسے قارون) اور ان میں سے کسی کو ہم نے غرق کردیا (جیسے قوم نوح اور فرعون اور اس کی قوم کو) اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا (کہ بلاقصور انہیں سزا دے دیتا) البتہ یہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے (گناہ کر کے) جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز تجویز کر رکھے ہیں (یعنی بت جن سے فائدہ کی امید لگائے ہوئے ہیں) ان کی مثال مکڑی کی سی ہے جس نے ایک گھر

بنایا (اپنے ٹھکانے کے لئے) اور مکڑی کا جالا سب گھروں میں سب سے بودا (کمزور) ہوتا ہے (جس میں نہ گرمی کا بچاؤ ہوسکے اور نہ سردی کا۔ یہی حال بتوں کا ہے کہ وہ اپنے عابدوں کو بھی نفع نہیں پہنچا سکتے) کاش یہ لوگ اس کو سمجھ لیتے (تو بت پرستی نہ کرتے) ان سب چیزوں کو اللہ جانتا ہے (ما بمعنی الذی ہے) جس جس کو وہ پکارتے ہیں (بندگی کرتے ہیں لفظ یدعون یا اور تا کے ساتھ ہے) اللہ کے سوا (علاوہ) اور وہ زبردست ہے (اپنے ملک میں) حکمت والا ہے (اپنی کاریگری میں) اور ہم مثالوں کو لوگوں کے لئے (قرآن میں بیان کرتے ہیں اور ان مثالوں کو سمجھتے نہیں مگر علم والے (تدبر کرنے والے) اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حقیقۃً (فی الواقع) بنایا ہے اس میں بڑی دلیل ہے (اس کی قدرت پر رہنمائی کرنے والے) ایمانداروں کے لئے (خاص طور پر مؤمنین کا ذکر اس لئے کیا کہ وہ ہی ان سے ایمان کے سلسلہ میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں برخلاف کفار کے)۔

تحقیق وترکیب: ....لننجینه. حمزہؒ اور علیؒ کے نزدیک تخفیف سے اور باقی قراء کے نزدیک تشدید کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

کانت من الغبرین. حضرت لوطؑ کی اس بیوی نے چونکہ ان مہمان فرشتوں کا آنا لوگوں کو بتلا دیا تھا اور وہ ان سے ساز باز رکھتی تھی۔ اس لئے عذاب میں وہ بھی الدال علی الفعل کفا علہ کی رو سے انہی میں شمار کی گئی۔ باقی حضرت لوطؑ کے کافرہ سے نکاح پر شبہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ پچھلی شریعتوں میں بلکہ ابتدائے اسلام میں بھی اس کی اجازت تھی۔ بعد میں آہستہ آہستہ احکام شروع ہوئے ہیں۔

ذرعا. یہ تمیز دراصل فاعل تھی ای ضاق ذرعۂ بھم فاسبیہ ہے اور صدر احاصل معنی ہیں ورنہ ذرع کے معنی طاقت کے ہیں ضاق الذرع تم طاقت ور ہو۔

منجولك. کاف کا محل اضافت کی وجہ سے مجرور ہے اور سیبویہؒ کے نزدیک نون بھی اس لئے حذف کیا گیا ہے۔ اور **واھلك** منصوب ہے فعل حضر کی وجہ سے ای ننجی اھلك. اور اخفشؒ اور ہشامؒ کی رائے میں کاف محل نصب میں ہے اور **واھلک** اس پر معطوف ہے اور نون اس لئے حذف کیا گیا ہے کہ ضمیر اپنے ماقبل سے شدید اتصال چاہتی ہے۔ ابو عمرو اور ابن عامر اور نافعؒ اور حفصؒ کے نزدیک تشدید کے ساتھ اور باقی قراء کے نزدیک تخفیف سے پڑھا گیا ہے۔

رجزا. بولتے ہیں ارتجز بمعنی اضطراب عذاب چونکہ باعث اضطراب ہوتا ہے۔ اس لئے عذاب کے معنی ہوگئے۔ اس بارہ میں اختلاف ہے کہ یہ عذاب کس شکل میں آیا تھا۔ بعض نے سنگباری اور بعض نے آتش باری اور بعض نے زمین میں دھنسا بتلایا ہے۔

الیٰ مدین اخاھم شعیبا. قوم نوح، قوم ابراہیم، قوم لوط کا چونکہ کوئی مخصوص نام اور کوئی خاص نسبت نہیں تھی۔ اس لئے انبیاءؑ کی طرف ان کو منسوب کیا گیا ہے اور انبیاء کا نام پہلے اور قوم کا ذکر بعد میں ہوا ہے۔ لیکن قوم شعیب، قوم ہود اور قوم صالح ان کی نسبتیں چونکہ مشہور ہیں۔ اس لئے ان کے بیان میں طرز اصلی اختیار کیا گیا اور حضرت شعیبؑ کو بھائی اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ بھی مدین بن ابراہیمؑ کی اولاد ہیں۔ جو اس شہر کے جداعلیٰ ہیں۔

وارجوا. رجاء بمعنی توقع وامید ہے اور بمعنی خوف بھی ہوسکتا ہے۔

فکذبوہ. یہ شبہ نہ کیا جائے کہ تصدیق وتکذیب تو خبروں کی ہوا کرتی ہے نہ کہ امرونہی انشاء کی جو احکام میں ہوتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ ہر امرونہی متضمن خبر کو ہوتا ہے۔ اس لئے تکذیب کا تعلق اس ضمنی خبر کے ساتھ ہوگا۔

فاخذتھم الرجفة. یہاں اور سورۂ اعراف میں رجفہ اور سورۂ ہود میں صیحۃ کا لفظ آیا ہے۔ حالانکہ واقعہ ایک ہی ہے۔ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے ان کی تباہی دونوں طریقہ سے ہوئی ہو۔ کہیں ایک سبب ذکر کردیا اور کہیں دوسرا سبب اور اسباب میں تزاحم نہیں ہوا کرتا۔ اور بعض حضرات نے اس طرح تطبیق دی ہے۔ کہ اول جبرائیل نے چیخ ماری۔ جس سے ان کے دلوں پر خوف ودہشت طاری

ہوگئی اور سب مرگئے۔ پس ایک جگہ سبب اور دوسری جگہ سبب السبب بیان کر دیا ہے۔

عادا. عاد قوم ہود ہے اور ثمود قوم صالح کو کہتے ہیں یہ معمول ہے فعل مقدر کا۔

ای قد تبین لکم الخ۔ مفسر علامؒ نے اھلا کھم نکال کر اشارہ کر دیا کہ تبین کا فاعل مضمر ہے۔

مساکنھم. حجر ایک میدان کا نام ہے جو شام اور مدینہ کے درمیان پڑتا ہے۔ قوم ہود کی آبادی یہیں تھی۔

حاصبا. تیز ہوا جس سے کنکریاں اور پتھریاں اڑ جاتی ہوں۔

العنکبوت. مکڑی کو کہتے ہیں۔ اس میں نون اصلی اور واو تا زائد ہیں۔ جیسا کہ جمع عناکب اور تصغیر عینکب سے معلوم ہوتا ہے اور بقول قاموس نر و مادہ پر اطلاق ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اسم جنس میں یہ تعمیم ہوتی ہے اللہ کی مدد کے بغیر تو پہاڑ بھی بیکار ہو جاتا ہے۔ البتہ خدا کی تائید ہوتی ہو تو تار عنکبوت بھی محافظ بن جاتا ہے۔ جیسا کہ غار حرا میں آنحضرت ﷺ کے لئے مکڑی نے جالا تن دیا تھا۔ لفظ اتخذت۔ بیان ہے حدوث عنکبوت کا اور وجہ جامع ہے مشرکین مشبہ اور عنکبوت مشبہ بہ ہے۔ علیٰ ہذا اولیاء مشبہ اور عنکبوت مشبہ بہ ہے۔

لو کانوا. اس کے جواب محذوف کی طرف مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے۔

مایدعون ۔ **ما** استفہامیہ منصوب ہے **یدعون** سے اور یا موصولہ ہے **یعلم** کا مفعول ہے اور **یدعون** کا مفعول عائد محذوف ہے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ **ما** نافیہ ہو اور **من** مفعول بہ پر زائد ہے۔ **ای ما یدعون من دونه ما یستحق ان یطلق علیه شئی** پہلا **من یدعون** سے متعلق ہے اور دوسرا **من یتبین** کے لئے ہے اور **یدعون** ابو عامرؒ و عاصمؒ کے نزدیک یا کے ساتھ اور باقی قراءؒ کے نزدیک تا کے ساتھ ہے۔

نضر بھا. یہ تلک کی خبر ہے اور امثال صفت ہے۔ یا بدل یا عطف بیان۔ اور نیز امثال خبر ہی ہو سکتی ہے اور **نضر بھا** حال ہے یا خبر ثانی۔

بالحق مفسر علامؒ اشارہ کر رہے ہیں کہ با ملابستہ کے لئے ہے اور جار مجرور لفظ اللہ سے حال ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **ان فیھا لوطا** یعنی کیا لوطؑ کی موجودگی میں یہ بستی تباہ کی جائے گی۔ جب وہ اپنی آنکھوں سے اس تباہی کو دیکھیں گے تو ان کا کیا حال ہوگا؟ اور منشاء غالباً از راہ شفقت یہ ہوگا کہ شاید حضرت لوطؑ کا سہارا لے کر عذاب ٹل جائے۔ کیونکہ لوطؑ خدا کے خاص بندے اور پیغمبر ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے عذاب نہیں آنا چاہئے۔ ادھر فرشتوں نے چونکہ کوئی استثناء نہیں کیا تھا۔ اس لئے انکے ذہن میں صرف ایک شق ہی آئی۔ مگر فرشتوں نے اطمینان دلایا کہ دوسری شق اختیار کی جائے گی۔ کہ لوطؑ اور ان کے پیرو کاروں کو بجز ان کی کافرہ بیوی کے بستی سے بحفاظت و سلامتی نکال لیا جائے گا۔ بیوی چونکہ قوم کی طرف دار اور ان کے طور طریق کو اختیار کئے ہوئے ہے۔ اس لئے اسے بھی تباہی کا سامنا کرنا ہوگا۔

قوم لوط کی تباہی: .... چنانچہ فرشتے جب خوبصورت اور حسین لڑکوں کی صورت میں حضرت لوطؑ کے ہاں پہنچے تو حضرت لوطؑ اول وہلہ میں پہچان نہیں سکے۔ وہ انہیں مہمان سمجھے اور نا ہنجار قوم کی حرکات کا خیال آتے ہی ملول اور رنجیدہ ہو گئے۔ کہ اب مہمانوں کی عزت کس طرح بچاؤں۔ ٹھہراؤں تو یہ مصیبت اور نہ ٹھہراؤں تو پھر مہمان نوازی اور مروت کے خلاف ہے۔ فرشتوں نے حضرت لوطؑ کے خدشات کو بھانپ لیا اور تسلی دیتے ہوئے بولے کہ آپ گھبرائیے نہیں اور کسی طرح کا فکر نہ کیجئے ہم انسان نہیں فرشتے ہیں۔ تمہیں اور تمہارے ہم مشربوں کو نکال کر باقی قوم کو تباہ کرنے آئے ہیں۔

عروج وزوال کی کہانی: .... آیت " والی مدین" سے اہل مدین کا ذکر ہے۔ حضرت شعیبؑ ان سے برادرانہ رشتے رکھتے تھے اور انہی میں سے ایک فرد تھے انہوں نے پیغمبرانہ نصیحت کرتے ہوئے قوم کو توحید اور آخرت کی طرف دعوت دیتے ہوئے امن وسلامتی کا پیغام دیا۔ خرابی سے مراد ممکن ہے لین دین میں دغابازی کرنا، سود بٹہ لگانا ہو جو اس قوم میں ناسور کی طرح لگی ہوئی تھی اور یا پھر ڈاکہ زنی مراد ہوگی۔ یتبین لکم میں اہل عرب کو متوجہ کیا جارہا ہے کہ تم ان کی تباہ شدہ بستیوں کے کھنڈرات نہیں دیکھتے ان سے عبرت پکڑو کہ وہ لوگ دنیاوی معاملات میں کس درجہ ہوشیار تھے پھر شیطان کے چکر میں آگئے اور نہ بچ سکے اور ضروری نہیں کہ جس کے پاس عقل معاش ہو وہ عقل معاد سے بھی بہرور ہو۔ یہ لوگ خدا کی کھلی نشانیاں دیکھ کر حق کے آگے نہ جھک سکے اور کبر وغرور نے ان کی گردن نیچی نہ ہونے دی مگر کیا ہوا؟ کیا بڑے بن کر سزا سے بچ گئے یا خدا کو تھکا دیا؟

ہر ایک کو اس کے جرم کے مطابق سزا ملی۔ قوم لوط پر تو پتھراؤ ہوا ہی بعض نے قوم عاد کو بھی اس میں داخل کیا ہے اور قوم ثمود یا اہل مدین کی تباہی ایک چیخ کے ذریعہ ہوئی۔

خدا چاہے تو مکڑی سے بھی کام لے سکتا ہے نہ چاہے تو پہاڑ بھی بیکار ہے: .... گھر سے مقصود جان و مال کی حفاظت ہے جو ظاہر ہے مکڑی کے جالے سے پورا نہیں ہوسکتا۔ یہی مثال اور حال ہے اس شخص کا جو خدا کو چھوڑ کر دوسروں کا سہارا تکے۔ لیکن خدا چاہے تو مکڑی سے بھی حفاظت کرسکتا ہے جیسے غار حرا میں ہجرت کے وقت آنحضرت ﷺ کا مامون ومحفوظ رہنا۔

ان اللہ یعلم کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ بعض لوگ بتوں کو پوجتے ہیں اور بعض اگنی پوجا کرتے ہیں اور بعض اولیاءؒ اور انبیاءؑ یا فرشتوں کی پوجا کرتے ہیں اور یہ سب اگرچہ برابر نہیں ہیں اللہ (ان کے فرق مراتب سے واقف ہے۔ مگر اللہ کے آگے بے بسی اور مستقل قدرت نہ ہونے میں سب یکساں ہیں۔ اسی لئے سب کو ایک لڑی میں پرودیا۔ اللہ چونکہ عزیز و غالب ہے اس لئے اسے کسی کی رفاقت کی حاجت نہیں اور چونکہ وہ حکیم مطلق ہے اس لئے کسی کے مشورہ کا محتاج نہیں۔ آیت تلک الا مثال میں مشرکین کا رد ہے جو کہا کرتے تھے کہ قرآن میں مچھر، مکھی، مکڑی جیسے خسیس اور ادنیٰ چیزوں کا ذکر ہے۔ جو کلام الٰہی کی عظمت کے منافی ہے۔ معلوم ہوا کہ قرآن کلام الٰہی نہیں ہے۔

اس کا جواب سورۂ بقرہ کی آیت ان اللہ لا یستحی میں دیا گیا تھا۔ یہاں بھی حکیمانہ جواب ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ مثال کا انطباق مثال دینے والے پر نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ جس چیز کی مثال دی جائے اس پر انطباق ضروری ہے۔ مقتضائے حال کے مطابق جس درجہ مثال ہوگی اتنی ہی فصاحت وبلاغت سمجھی جائے گی۔ اگر کوئی چیز حقیر وذلیل ہے تو تمثیل میں بھی حقیر وکمزور چیز کا ذکر کرنا ناگزیر ہوگا۔ اس کی مثال دینے والے کی عظمت سے کیا تعلق۔ چنانچہ کتب سابقہ، آسمانی صحیفے، علماء کا کلام بکثرت مثالوں سے لبریز ہے۔

لطائف سلوک: .... ان فیھا لوطا سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ کی موجودگی عذاب الٰہی کے لئے رکاوٹ ہوتی ہے اور غیر موجودگی سے وہ رکاوٹ دور ہوجاتی ہے اور برکات کا یہ ظہور مقتضی اصلی ہے کسی عارضی مصلحت سے اس کے خلاف بھی ہوسکتا ہے۔

ولما ان جاء ت سے معلوم ہوا کہ طبعی رنج وغم بشرطیکہ حدود شرع سے تجاوز نہ ہو کمال کے خلاف نہیں ہے۔

الا امرأتک سے معلوم ہوا کہ بغیر ایمان کے محض مقبولین کے تعلق سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

وزین لھم الشیطان سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل ونظر اگر ہو، خواہ اس کا استعمال ہو یا نہ ہو تو شیطان اور نفس کی فریب دہی کو عذر نہیں سمجھا جائے گا۔ بلکہ مجرم ہی کہلائے گا۔

الحمدللہ جلد چہارم مکمل ہوئی